نقوش

جلد اوّل

مکاتیب نمبر

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

مکاتیب نمبر

۶۵، ۶۶

نومبر ۱۹۵۷ء

مرتبہ

محمد طفیل

موجودہ شمارہ
۱۰ روپے

سالانہ چندہ
۲۰ روپے

ادارہ فروغ اردو (ایبک روڈ، انارکلی) لاہور

محمد طفیل پرنٹر، پبلشر، اڈیٹر نے نقوش پریس لاہور میں چھپوا کر ادارہ فروغ اردو ایبک روڈ لاہور سے شائع کیا

ترتیب

علم وادب میں خطوط کا درجہ	غلام رسول مہر،	۱۱
اُردو خط نگاری	ڈاکٹر سید عبداللہ،	۱۴
اُردو کے منفرد مکتوب نگار	مالک رام،	۳۶
مشاہیر ادب (سوانح)	محمد عبداللہ قریشی،	۱۲۹

مکتوب نگار	تعداد	صفحہ	مکتوب الیہ		
۱ ۔ غالب دہلوی	۸ خطوط	۱۰۵	چودھری عبدالغفور سرور، ۱	ذکی دہلوی، ۱	نواب امین الدین خاں، ۲
			عزیز اللہ شاہ عزیز، ۲	نواب علاؤالدین خاں علائی، ۱	نامعلوم، ۱
۲ ۔ سرسید احمد خاں	۱۶ خطوط	۱۱۱	سید حبیب اللہ، ۱	نواب سید علی حسن، ۱۴	محمد عبدالسلام، ۱
۳ ۔ محمد حسین آزاد	۵ خطوط	۱۲۱	محمد نوح رضوی، ۱	میجر حسن، ۲	نامعلوم، ۲
۴ ۔ امیر مینائی	۱۴ خطوط	۱۲۴	منشی محمد عسکری وسیم، ۲	مرزا داغ دہلوی، ۱	دل شاہجہاں پوری، ۸
			منشی امیاز احمد خاں، ۲	احسن مارہروی، ۱	
۵ ۔ داغ	۴ خطوط	۱۳۰	نواب حسن علی خاں، ۲	لقمان الدولہ دلی، ۲	
۶ ۔ منشی ذکاء اللہ	۲ خطوط	۱۳۲	مولانا محمد حسین آزاد، ۱	نواب محسن الملک، ۱	
۷ ۔ ڈپٹی نذیر احمد	۷ خطوط	۱۳۴	نواب سید علی حسن، ۲	مولوی بشیرالدین احمد، ۴	نواب محسن الملک، ۱
۸ ۔ مولانا حالی	۲۶ خطوط	۱۳۷	نواب محسن الملک، ۱	مولوی عبدالرحیم خاں، ۱	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱۲
			نواب سید علی حسن، ۲	مولوی بشیرالدین، ۲	عبداللہ حسینی حریت، ۱
			مولوی قمر علی، ۱	سید افتخار عالم، ۱	نامعلوم، ۵
۹ ۔ نواب محسن الملک	۲۲ خطوط	۱۴۹	منشی ذکاء اللہ، ۱	سید احمد دہلوی، ۱	مولوی بشیرالدین، ۱۲
			نواب سید علی حسن، ۲	مولوی نظام الدین حسن، ۱	نواب افسرالدولہ بہادر، ۱
			نواب وقار الملک، ۱	منشی منصب علی، ۱	نامعلوم، ۳
۱۰ ۔ نواب وقار الملک	۱۹ خطوط	۱۶۵	سرآسمان جاہ، ۱	مولوی حسین عطاء اللہ، ۱	سرسید احمد خاں، ۱
			نواب سید علی حسن، ۲	مولوی بشیرالدین، ۷	حکیم محمد عبدالسلام، ۱
			سید افتخار عالم، ۳	نواب محسن الملک، ۱	محمد یونس، ۱
			منشی محمد محمود شاہ، ۱		
۱۱ ۔ جلال لکھنوی	۲ خطوط	۱۷۹	نواب وقار الملک، ۱	شاہ زین الدین، ۱	
۱۲ ۔ شبلی نعمانی	۴۴ خطوط	۱۸۲	مفتی شیر علی، ۱۴	مولوی بشیرالدین، ۶	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱۵
			مولوی عبدالحق، ۱	نواب سید علی حسین خاں، ۵	وقار الملک، ۱
			سید سجاد مرزا، ۱	سید افتخار عالم، ۱	

۱۳ ـ اکبرالہ آبادی	۱۶ خطوط	۱۹۹	مولوی بشیرالدین، ۸	محمد دین فوق، ۴	نواب سیّد علی حسن، ۱
			نامعلوم، ۳		
۱۴ ـ شاد عظیم آبادی	۱۰ خطوط	۲۰۵	پروفیسر محمد مسلم، ۷	شاہ سلیمان پھلواری، ۱	سید وصی احمد فانی بلگرامی، ۲
۱۵ ـ مولانا عبدالحلیم شرر	۱۰ خطوط	۲۱۴	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱	سید ہمایوں مرزا، ۲	نواب سیّد علی حسن، ۲
			مولوی سید ممتاز علی، ۱	احسن مارہروی، ۱	مہاراجہ کشن پرشاد، ۱
			ڈاکٹر محی الدین زور، ۱	نامعلوم، ۱	
۱۶ ـ ڈاکٹر سیّد محمود	۳ خطوط	۲۲۱	نواب وقارالملک، ۱	حسن عطاء اللہ، ۱	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱
۱۷ ـ رسا رامپوری	۱۷ خطوط	۲۲۶	احسن مارہروی، ۱۷		
۱۸ ـ سیّد احمد دہلوی	۷ خطوط	۲۲۹	مدار المہام، ۱	صفدر علی خوش نویس، ۲	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۳
			مہاراجہ کشن پرشاد، ۱		
۱۹ ـ ریاض خیرآبادی	۹ خطوط	۲۴۴	احسن مارہروی، ۴	دل شاہجہانپوری، ۲	سید شاہد علی، ۱
			چودھری فتح محمد شگفتہ، ۱	جگر، ۱	
۲۰ ـ غلام قادر گرامی	۶ خطوط	۱۵۱	نواب عمادالملک بہادر، ۱	دتاتریہ کیفی، ۳	نواب حسن علی خاں، ۲
۲۱ ـ سیّد امداد امام اثرؔ	۳ خطوط	۲۵۶	احسن مارہروی، ۱	سید ہمایوں مرزا	محمد دین فوق، ۱
۲۲ ـ نظم طباطبائیؔ	۶ خطوط	۲۵۹	مولوی ضیا احمد بدایونی، ۱	صغریٰ ہمایوں، ۴	مہاراجہ کشن پرشاد، ۱
۲۳ ـ حبیب الرحمٰن	۸۷ خطوط	۲۶۲	سید مخدوم عالم، ۴	مولانا حالی، ۱	نواب وقارالملک، ۱
			نواب رفعت یار جنگ، ۴	نواب سید علی حسن، ۱	علامہ عبدالعزیز میمن، ۱
			ڈاکٹر محی الدین زور، ۳	معنی سنبر علی، ۲	نصیرالدین ہاشمی، ۴
			ضیا احمد بدایونی، ۱	امتیاز علی عرشی، ۱۴	نواب شمس الحسن، ۱
			ڈاکٹر سیّد محمود، ۱	کیفی چریاکوٹی، ۱	مالک رام، ۱۱
			غلام یزدانی، ۱	طاہر فاروقی، ۱	ہمایوں مرزا، ۱
			نامعلوم، ۷		
۲۴ ـ علامہ اقبال	۹۴ خطوط	۲۹۳	محمد دین فوق، ۱۷	محمد امین زبیری، ۱	منشی سراج دین، ۳
			میر خورشید احمد، ۷	نصیرالدین ہاشمی، ۲	سر حسن الدین، ۱
			تمکین کاظمی، ۳	غلام رسول مہر، ۱۰	رشید احمد صدیقی، ۱
			مولانا محمد عرفان، ۱	مولوی عبدالحق، ۱	سیّد مبارک علی شاہ گیلانی، ۱
			نامعلوم، ۱		
۲۵ ـ سر عبدالقادر	۳۳ خطوط	۳۱۸	مولوی بشیرالدین، ۳	مولوی حبیب الرحمٰن، ۶	ڈاکٹر اقبال، ۱
			مولانا عبدالعزیز، ۱	سید ہمایوں مرزا، ۲	ڈاکٹر محی الدین زور، ۷
			صوفی غیرت قادری، ۲	بشیرالنسا بیگم، ۱	آغا صادق، ۷
			تمکین کاظمی، ۱	نصیرالدین ہاشمی، ۱	نامعلوم، ۱
۲۶ ـ مولانا محمد علی جوہر	۱۰ خطوط	۳۳۶	نواب سید علی حسن، ۱	غلام رسول مہر، ۲	مولانا شوکت علی، ۲
			مولوی محمود احمد عباسی، ۱	غلام بھیک نیرنگ، ۱	اکبر الملک بہادر، ۱
			مولوی محمد عرفان، ۱	نامعلوم، ۱	
۲۷ ـ مولانا شوکت علی	۴ خطوط	۳۶۷	غلام رسول مہر، ۳	نامعلوم، ۱	

نام	خطوط	صفحہ			
۲۸ - سرکشن پرشاد	۳ خطوط	۳۷۱	عماد الملک، ۲	نصیر حسین خیال، ۳	خواجہ حسن نظامی، ۱
			بے نظیر شاہ، ۱	نواب اکبر الملک، ۱	
۲۹ - بیخود بدایونی	۳ خطوط	۳۷۸	مولانا احسن مارہروی، ۳		
۳۰ - خواجہ عشرت لکھنوی	۲ خطوط	۳۸۱	مولانا احسن مارہروی، ۲		
۳۱ - راشد الخیری	۴ خطوط	۳۸۳	مولوی سید ممتاز علی، ۳	سید امتیاز علی تاج، ۱	
۳۲ - حکیم اجمل خاں	۶ خطوط	۳۸۶	نواب وقار الملک، ۱	نواب محسن الملک، ۱	مولانا شوکت علی، ۱
			غلام رسول مہر، ۱	نواب سید علی حسن، ۱	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، ۱
۳۳ - سائل دہلوی	۱۴ خطوط	۳۹۰	احسن مارہروی، ۵	سید افتخار عالم، ۱	سید ہمایوں مرزا، ۱
			دل شاہجہاں پوری، ۳	وفا ترین کیفی، ۱	نواب میر حسن علی، ۱
			دل محمد فضا، ۱	اعجاز سکندر نازش، ۱	
۳۴ - محمد دین فوق	۹ خطوط	۳۹۹	محمد عبداللہ قریشی، ۹		
۳۵ - ڈاکٹر انصاری	۳ خطوط	۴۰۴	مولوی محمد عرفان، ۱	نامعلوم، ۲	
۳۶ - غلام بھیک نیرنگ	۸ خطوط	۴۰۷	سید ممتاز علی، ۱	فخر یار جنگ بہادر، ۱	حکیم محمد اسحٰق حقانی، ۶
۳۷ - سر تیج بہادر سپرو	۳ خطوط	۴۱۷	طاہر فاروقی، ۱	مولوی عبدالحق، ۱	نصیر الدین ہاشمی، ۱
۳۸ - آغا شاعر قزلباش	۱۰ خطوط	۴۱۹	مہاراجہ کشن پرشاد، ۵	بسمل دہلوی، ۱	آغا آفتاب علی، ۱
			سیکرٹری اردو کانفرنس، ۲	صادق حسین عبادہ، ۱	
۳۹ - ظفر الملک	۱۲ خطوط	۴۲۵	سید افتخار عالم، ۱	پروفیسر محمد مسلم، ۲	سید الطاف علی بریلوی، ۱
			جلیل قدوائی، ۱	محمد دین فوق، ۱	محمد اظہار الحسن، ۶
۴۰ - احسن مارہروی	۲۶ خطوط	۴۳۵	مولوی بشیر الدین، ۱	محمد دین فوق، ۶	محمد اظہار الحسن، ۵
			دل شاہجہانپوری، ۳	منشی مہیش پرشاد، ۱	سید الطاف بریلوی، ۱
			تمکین کاظمی، ۳	خواجہ حمید الدین احمد، ۱	ڈاکٹر محی الدین زور، ۵
۴۱ - صفی لکھنوی	۱۱ خطوط	۴۵۵	محمد کبیر رضا جالندھری، ۶	دل شاہجہانپوری، ۳	طاہر فاروقی، ۲
۴۲ - دیا نرائن نگم	۶ خطوط	۴۶۵	احسن مارہروی، ۱	تمکین کاظمی، ۲	محمد اظہار الحسن، ۳ نامعلوم، ۱
۴۳ - وحید الدین سلیم	۶ خطوط	۴۶۸	نواب سید علی حسن، ۳	نصیر الدین ہاشمی، ۳	
۴۴ - نصیر حسین خیال	۱۰ خطوط	۴۷۲	انوار احمد، ۱	پروفیسر محمد مسلم، ۳	مہاراجہ کشن پرشاد، ۳
			مسعود حسن رضوی، ۳		
۴۵ - جالب دہلوی	۴ خطوط	۴۷۹	احسن مارہروی، ۲	شاہ حسین میاں، ۱	سید الطاف علی بریلوی، ۱
۴۶ - سید سلیمان ندوی	۶۱ خطوط	۴۸۶	ہمایوں مرزا، ۱	نواب سید علی حسن، ۹	محمد عبداللہ قریشی، ۴
			میمن عبدالعزیز، ۱	ڈاکٹر سید عبداللہ، ۱	مولوی محمد عرفان، ۱
			صغریٰ ہمایوں، ۱	امتیاز علی عرشی، ۹	اثر صہبائی، ۱
			نصیر الدین ہاشمی، ۶	غلام رسول مہر، ۱	نواب شمس الحسن، ۳
			سید الطاف علی بریلوی، ۱	محمد امین زبیری، ۱۱	مالک رام، ۵
			عبدالرزاق کانپوری، ۱	تمکین کاظمی، ۲	مولوی عبدالباری، ۱۱
			نامعلوم، ۲		
۴۷ - خواجہ حسن نظامی	۲۹ خطوط	۵۱۸	محمد دین فوق، ۲	مہاراجہ کشن پرشاد، ۲	صغریٰ ہمایوں مرزا، ۵

۷۰ـ یگانہ چنگیزی ۱۵خطوط ۷۰۱
مولوی ضیا احمد ، ۱ — دل شاہجہانپوری ، ۲ — راغب مراد آبادی ، ۲
رفیق احمد بدایونی ، ۱ — مالک رام ، ۸ — نامعلوم ، ۱

۷۱ـ قاضی عبدالغفار ۲۸خطوط ۷۱۵
پروفیسر محمد مسلم ، ۱ — مولانا عبدالماجد دریابادی ، ۲ — عبدالستار صدیقی ، ۱
قاضی عبدالودود ، ۱ — مختار الدین آرزو ، ۳ — نصیرالدین ہاشمی ، ۱
عبدالقادر دسنوی ، ۸ — وحید احمد خاں ، ۱ — شہاب الدین دسنوی ، ۱
حمیدہ سلطان ، ۶ — مولانا محمد عرفان ، ۲ — سید الطاف علی بریلوی ، ۱

۷۲ـ سلطان حیدر جوش ۳خطوط ۷۳۲
طاہر فاروقی ، ۳

۷۳ـ اختر شیرانی ۱۹خطوط ۷۳۵
فصیح اللہ خاں ، ۱ — اعجاز سکندر نازش ، ۱۱ — ڈاکٹر سید عبداللہ ، ۳
ڈاکٹر وحید قریشی ، ۳ — تاجور نجیب آبادی ، ۱

۷۴ـ ڈاکٹر تاثیر ۱۴خطوط ۷۵۱
غلام رسول مہر ، ۵ — عبدالمجید سالک ، ۹

۷۵ـ عبدالسلام ندوی ۹خطوط ۷۷۰
نواب شمس الحسن ، ۱ — ڈاکٹر سید عبداللہ ، ۸

۷۶ـ چراغ حسن حسرت ۴خطوط ۷۷۴
عبدالمجید سالک ، ۳ — محمد ایوب اولیا ، ۱

۷۷ـ اختر جوناگڑھی ۱۸خطوط ۷۷۸
مالک رام ، ۱۵ — مختار الدین آرزو ، ۳

(۲)

۷۸ ـ سید نذیر حسین محدث دہلوی	ایک خط	۷۹۱	شاہ سلیمان پھلواری ، ۱	
۷۹ ـ نواب سر مزمل اللہ خاں	۳خطوط	۷۹۱	مولانا حالی ، ۱	نواب سید علی ، ۱ نامعلوم ، ۱
۸۰ ـ محمد سمیع اللہ	۲خطوط	۷۹۲	نامعلوم ، ۲	
۸۱ ـ ابو محمد عبدالحق	ایک خط	۷۹۳	نواب عماد الملک بہادر ، ۱	
۸۲ ـ سر آسمان جاہ	۲خطوط	۷۹۴	میر محبوب علی خان ، ۲	
۸۳ ـ سید شوکت حسن شوکت فہمی	ایک خط	۷۹۵	منشی محمد دین فوق ، ۱	
۸۴ ـ مولانا اظہر علی آزاد	ایک خط	۷۹۵	منشی محمد دین فوق ، ۱	
۸۵ ـ رضا بلگرامی آرزو	ایک خط	۷۹۶	نامعلوم ، ۱	
۸۶ ـ نواب صدر الدین حسین	ایک خط	۷۹۷	نواب سید علی حسن ، ۱	
۸۷ ـ منیر شکوہ آبادی	ایک خط	۷۹۷	سید محمد نوح شہبر ، ۱	
۸۸ ـ مولوی خدا بخش	ایک خط	۷۹۸	سید افتخار عالم ، ۱	
۸۹ ـ سید عبدالحی	ایک خط	۷۹۹	سید عبدالعلی لکھنوی ، ۱	
۹۰ ـ سید عباس حسن فصاحت	۲ خط	۷۹۹	ریاض خیرآبادی ، ۱	سید محمد عسکری وسیم ، ۱
۹۱ ـ امیر علی رضوی	ایک خط	۸۰۱	سید عباس حسن فصاحت ، ۱	
۹۲ ـ جسٹس امیر علی رضوی	ایک خط	۸۰۲	سید خورشید علی ، ۱	
۹۳ ـ سید علی بلگرامی	۲خطوط	۸۰۴	وقار الملک ، ۱	نامعلوم ، ۱
۹۴ ـ سید میر حسن	ایک خط	۸۰۴	منشی محمد دین فوق ، ۱	
۹۵ ـ مولانا میر حسن	ایک خط	۸۰۵	منشی محمد دین فوق ، ۱	
۹۶ ـ عبدالرزاق کانپوری	۲ خطوط	۸۰۶	منشی محمد دین فوق ، ۱	محمد امین زبیری ، ۱

۹۷ - شاہ سلیمان پھلواری	ایک خط	۸۰۷	سید جعفر شاہ پھلواری ، ۱		
۹۸ - محمد علی ردولوی	ایک خط	۸۰۹	تمکین کاظمی ، ۱		
۹۹ - مولانا عبدالباری	۲ خطوط	۸۱۰	شاہ حسین میاں پھلواری ، ۱	مولانا شوکت علی ، ۱	
۱۰۰ - جلیل مانک پوری	ایک خط	۸۱۰	حسرت موہانی ، ۱		
۱۰۱ - مہدی حسن	۲ خطوط	۸۱۱	نواب سید علی حسن ، ۱	سید افتخار عالم ، ۱	
۱۰۲ - ہوش بلگرامی	ایک خط	۸۱۱	مہاراجہ کشن پرشاد ، ۱		
۱۰۳ - کشن پرشاد کول	۲ خطوط	۸۱۲	سید مسعود حسن رضوی ، ۱	نامعلوم ، ۱	
۱۰۴ - شمیم نہرت پوری	ایک خط	۸۱۳	احسن مارہروی ، ۱		
۱۰۵ - میر نثار علی شہرت	ایک خط	۸۱۳	منشی محمد دین فوق ، ۱		
۱۰۶ - خوشی محمد ناظر	ایک خط	۸۱۴	منشی محمد دین فوق ، ۱		
۱۰۷ - غلام احمد مہجور	۳ خطوط	۸۱۴	منشی محمد دین فوق ، ۳		
۱۰۸ - مولانا رشید احمد گنگوہی	ایک خط	۸۱۶	نامعلوم ،		
۱۰۹ - مولوی بشیر الدین	ایک خط	۸۱۶	شاہ سلیمان پھلواری ، ۱		
۱۱۰ - مولانا عبدالباری آسی	۲ خطوط	۸۱۶	راجہ بیگم ، ۱	نامعلوم ، ۱	
۱۱۱ - مولانا آزاد سبحانی	ایک خط	۸۲۰	شاہ سلیمان پھلواری ، ۱		
۱۱۲ - پنڈت شیو نرائن شمیم	۳ خطوط	۸۲۰	منشی محمد دین فوق ، ۳		
۱۱۳ - میرزا ثاقب لکھنوی	۲ خطوط	۸۲۲	طاہر فاروقی ، ۲		
۱۱۴ - بیخود موہانی	ایک خط	۸۲۳	دل شاہجہانپوری ، ۱		
۱۱۵ - آزاد انصاری	۲ خطوط	۸۲۳	میاں محمد صادق ، ۲		
۱۱۶ - مولوی عنایت اللہ	ایک خط	۸۲۴	شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی ، ۱		
۱۱۷ - مولوی نورالحسن نیّر	۳ خطوط	۸۲۸	سید مسعود حسن رضوی ، ۳		
۱۱۸ - مولانا حمیدالدین فراہی	ایک خط	۸۳۰	نامعلوم ، ۱		
۱۱۹ - میر ناصر علی	ایک خط	۸۳۰	ڈاکٹر غلام یزدانی ، ۱		
۱۲۰ - مرزا ہادی رسوا	۲ خطوط	۸۳۱	ڈاکٹر محی الدین زور ، ۱	مسعود حسن رضوی ، ۱	
۱۲۱ - بے نظیر شاہ	۲ خطوط	۸۳۲	سر امین جنگ بہادر ، ۱	سر راس مسعود ، ۱	
۱۲۲ - شفق عماد پوری	ایک خط	۸۳۴	کیفی چریاکوٹی ، ۱		
۱۲۳ - ڈاکٹر ضیاء الدین	۲ خطوط	۸۳۴	مولوی محمود احمد عباسی ، ۱	مولوی بشیر الدین ، ۱	
۱۲۴ - مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی	۳ خطوط	۸۳۵	منشی محمد دین فوق ، ۱	الطاف علی بریلوی ، ۱	غلام رسول ، ۱
۱۲۵ - سید طفیل احمد منگلوری	ایک خط	۸۳۶	سید الطاف علی بریلوی ، ۱		
۱۲۶ - مولانا ظہور احمد وحشی	ایک خط	۸۳۷	نامعلوم ، ۱		
۱۲۷ - مولانا عبدالماجد بدایونی	ایک خط	۸۳۸	شاہ حسین میاں پھلواری ، ۱		
۱۲۸ - مولوی سید ممتاز علی	ایک خط	۸۳۹	نامعلوم ،		
۱۲۹ - سر سید رضا علی	۲ خطوط	۸۴۰	سید الطاف علی بریلوی ، ۱	نامعلوم ، ۱	
۱۳۰ - منشی نوبت رائے نظر	ایک خط	۸۴۲	سید مسعود حسن رضوی ، ۱		
۱۳۱ - عبداللہ یوسف علی	ایک خط	۸۴۳	صغریٰ ہمایوں مرزا ، ۱		

۱۳۲ - بہادر یار جنگ	۳ خطوط	[illegible]	نواب سید شمس الحسن، ۱	مولانا شاہ سلیمان پھلواری، ۱
			سید الطاف علی بریلوی، ۱	
۱۳۳ - سید ضمیر الدین احمد عرشی	ایک خط	۸۴۵	مولوی ضیاء احمد بدایونی، ۱	
۱۳۴ - مرزا محمد عسکری	ایک خط	۸۴۶	مولانا غلام رسول مہر، ۱	
۱۳۵ - مولوی محمد اکرام خاں ندوی	ایک خط	۸۴۷	سید الطاف علی بریلوی، ۱	
۱۳۶ - سعید انصاری	ایک خط	۸۵۰	سید مبارک علی شاہ، ۱	
۱۳۷ - مولانا مسعود عالم ندوی	ایک خط	۸۵۰	نواب شمس الحسن، ۱	
۱۳۸ - مولانا مسعود علی ندوی	۳ خطوط	۸۵۱	نواب سید علی حسن، ۲	نامعلوم، ۱
۱۳۹ - مولوی عزیز مرزا	۲ خطوط	۸۵۵	حبیب الرحمن شروانی، ۲	
[illegible] - سید فرزند علی صغیر بلگرامی	۵ خطوط	۸۵۶	عبدالرحمن خاں، ۱	سردار سندر سنگھ، ۱
			سید رجب علی شاہ، ۱	مرزا داغ دہلوی، ۱
			سر سید احمد خاں، ۱	
[illegible] - مولوی غلام حسنین کنتوری	۵ خطوط	۸۶۱	حبیب الرحمن شروانی، ۴	سید افتخار عالم، ۱
۱۴۲ - مولوی عبد الغفور شہباز	۸ خطوط	۸۶۶	سید افتخار عالم، ۷	حبیب الرحمن شروانی، ۱
۱۴۳ - سید علی حسن خاں	ایک خط	۸۷۳	ابو الکلام آزاد، ۱	
۱۴۴ - سید حسین بلگرامی	۹ خطوط	۸۷۴	مہاراجہ کشن پرشاد، ۸	نامعلوم، ۱
۱۴۵ - سر آفتاب احمد	۴ خطوط	۸۷۹	وقار الملک بہادر، ۱	مولوی محمود اختر عباسی، ۱
			شاہ سلیمان پھلواری، ۱	کیفی چریاکوٹی، ۱
۱۴۶ - حکیم حبیب الرحمن شروانی	۱۲ خطوط	۸۸۲	محمد دین فوق، ۱۲	
۱۴۷ - وجاہت جھنجھانوی	۹ خطوط	۸۸۹	احسن مارہروی، ۷	محمد دین فوق، ۲
۱۴۸ - حکیم ناطق گلاؤٹھی	۳ خطوط	۸۹۳	آسی لکھنوی، ۳	
۱۴۹ - مولوی سید محمد حسین محوی	۹ خطوط	۸۹۸	نصیر الدین ہاشمی، ۹	
۱۵۰ - جسٹس شاہ دین ہمایوں	۶ خطوط	۹۰۸	مولانا حالی، ۱	نواب محسن الملک، ۴
			محمد دین فوق، ۲	
۱۵۱ - حکیم فقیر محمد چشتی	۳ خطوط	۹۱۲	محمد دین فوق، ۱	حکیم نور احمد نعمانی، ۲
۱۵۲ - بیخود دہلوی	۲ خطوط	۹۱۴	سید دل محمد فضا، ۲	
۱۵۳ - مولانا محمد عرفان	۳ خطوط	۹۱[illegible]	غلام رسول مہر، ۳	
۱۵۴ - مولانا اسلم جیراجپوری	۲ خطوط	۹۱۸	پروفیسر محمد مسلم پٹنہ، ۲	
۱۵۵ - مہدی بیگم	۲ خطوط	۹۱۹	دل محمد فضا، ۲	
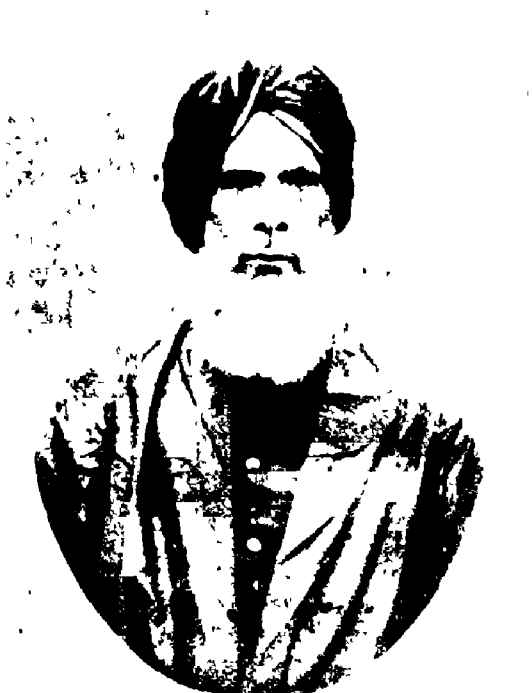
امیر مینائی

محمد حسین آزاد

بشیر الدین

صفیر بلگرامی

ب وقار الملک

داغ

ڈپٹی نذیر احمد

مولانا شبلی

مولانا حالی

شاد عظیم آبادی

مولانا حبیب الرحمن شروانی

امداد امام اثر

مولانا گرامی

ڈاکٹر اقبال

...القادر

اکبر الہ آبادی

مولانا راشد الخیری

مولانا محمد علی

مولانا ظفر علی خاں

سید علی بلگرامی

میر ناصر علی

مہدی افادی

مارہروی

دتاتریہ کیفی

حسن نظامی

سجاد حیدر یلدرم

فرحت اللہ بیگ

حسرت موہانی　　　آرزو لکھنوی

صفی لکھنوی　　　سائل دہلوی

سیماب اکبر آبادی

اختر شیرانی

سلطان حیدر جوش

۳

شمار	مکتوب	صفحہ	مکتوب الیہ
۱	ابوالکلام	۹۷۰	بیگم حسرت موہانی
۲	مولانا عبدالحق	۹۷۱	ڈاکٹر عابد حسین
۳	مولانا عبدالماجد دریابادی	۹۷۳	ضیا احمد بدایونی
۴	پطرس	۹۷۵	عبدالمجید سالک
۵	نیاز فتحپوری	۹۷۹	مختار الدین آرزو
۶	ڈاکٹر ذاکر حسین	۹۷۹	مولانا محمد عرفان
۷	غلام رسول مہر	۹۸۰	مختار الدین آرزو
۸	عبدالمجید سالک	۹۸۱	دل محمد فضا
۹	ڈاکٹر عبدالستار صدیقی	۹۸۲	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۰	ڈاکٹر عابد حسین	۹۸۳	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۱	رشید احمد صدیقی	۹۸۴	طاہر فاروقی
۱۲	خواجہ غلام السیدین	۹۸۵	زہرہ بلقیس
۱۳	ڈاکٹر تاراچند	۹۸۶	تمکین کاظمی
۱۴	فراق گورکھپوری	۹۸۶	طاہر فاروقی
۱۵	مالک رام	۹۸۷	ڈاکٹر مختار الدین آرزو
۱۶	ڈاکٹر محی الدین زور	۹۸۸	طاہر فاروقی
۱۷	امتیاز علی عرشی	۹۸۹	مالک رام
۱۸	سید مسعود حسن رضوی	۹۹۰	ڈاکٹر سید عبداللہ
۱۹	شیخ محمد اکرام	۹۹۱	ڈاکٹر سید عبداللہ
۲۰	پروفیسر حامد حسن قادری	۹۹۲	نثار اٹاوی
۲۱	پروفیسر محمد شفیع	۹۹۴	ڈاکٹر مختار الدین آرزو
۲۲	مولانا حسین احمد مدنی	۹۹۵	عبدالصمد صارم
۲۳	شیخ محمد عبداللہ	۹۹۵	مولانا غلام رسول مہر
۲۴	جوش ملیح آبادی	۹۹۶	میکش اکبرآبادی
۲۵	حفیظ جالندھری	۹۹۷	عبدالمجید سالک
۲۶	جگر مرادآبادی	۹۹۸	شہناز ہاشمی
۲۷	نوح ناروی	۹۹۹	یٰسین علی خاں
۲۸	اثر لکھنوی	۱۰۰۰	عطا آصفی
۲۹	آل احمد سرور	[illegible]	خلیل الرحمٰن اعظمی
۳۰	مختار الدین آرزو	۱۰۰۲	خلیل الرحمٰن اعظمی
۳۱	سید احتشام حسین	۱۰۰۵	ممتاز شیریں
۳۲	اختر حسین رائے پوری	[illegible]	[illegible]
۳۳	محمد حسن عسکری	۱۰۰۶	ممتاز شیریں
۳۴	عندلیب شادانی	۱۰۰۷	ممتاز شیریں
۳۵	سید امتیاز علی تاج	۱۰۰۸	بیگم فصیح اللہ
۳۶	جوش ملسیانی	۱۰۰۸	آغا محمد صادق
۳۷	فیض احمد فیض	۱۰۰۹	چراغ حسن حسرت
۳۸	ن۔م۔ راشد	۱۰۱۰	ممتاز شیریں
۳۹	کرشن چندر	۱۰۱۱	ممتاز شیریں
۴۰	عصمت	۱۰۱۲	اختر انصاری
۴۱	احمد علی	۱۰۱۲	صمد شاہین
۴۲	راجندر سنگھ بیدی	۱۰۱۳	ممتاز شیریں
۴۳	غلام عباس	۱۰۱۴	ممتاز شیریں
۴۴	حیات اللہ انصاری	۱۰۱۵	صمد شاہین
۴۵	علی عباس حسینی	۱۰۱۵	صمد شاہین
۴۶	خواجہ احمد عباس	۱۰۱۷	ممتاز شیریں
۴۷	احمد ندیم قاسمی	۱۰۱۹	اختر انصاری
۴۸	اوپندر ناتھ اشک	۱۰۲۰	ممتاز شیریں
۴۹	ممتاز مفتی	۱۰۲۲	ممتاز شیریں
۵۰	بلونت سنگھ	۱۰۲۳	ممتاز شیریں
۵۱	عزیز احمد	۱۰۲۳	ممتاز شیریں
۵۲	قرۃ العین	۱۰۲۴	ممتاز شیریں
۵۳	حجاب امتیاز علی	۱۰۲۵	بیگم فصیح اللہ
۵۴	ہاجرہ مسرور	۱۰۲۵	نصیر الدین ہاشمی
۵۵	خدیجہ مستور	۱۰۲۶	ممتاز شیریں
۵۶	تسنیم سلیم چھتاری	۱۰۲۷	اختر انصاری
۵۷	کنہیا لال کپور	۱۰۲۸	ممتاز شیریں
۵۸	شوکت تھانوی	۱۰۲۹	چراغ حسن حسرت
۵۹	معین احسن جذبی	۱۰۳۰	باقر مہدی
۶۰	میراجی	۱۰۳۳	مختار الدین آرزو، ۱ قیوم نظر ۱
۶۱	منٹو	۱۰۳۶	ممتاز شیریں، ۳
۶۲	مجاز	۱۰۳۹	رضا انصاری، ۱ اختر انصاری ۳

طلوع

جناب، السلام علیکم

جی چاہتا ہے کہ آپ سے روایتی ہی انداز میں یوں بات شروع کروں: "یہاں سب خیریت ہے اور آپ کی خیروعافیت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہو!" آپ کی خیریت بےشک مطلوب ہے مگر یہاں سب خیریت ہے۔ اس کا مجھے کچھ علم نہیں، اپنی شامتِ اعمال کی بات ہی کہاں ہے۔

میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ مشاہیر کے خطوط جلد پیش کروں گا۔ جلد پیش نہ کرنے کی وعدہ خلافی ہوئی۔ شرمندہ ہوں جیسے جیسے دن گزرتے گئے میری پریشانیاں بڑھتی گئیں۔ اگر آپ کو یقین آ سکے تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں نے یہ خطوط دن رات ایک کر کے جمع کیے ہیں۔ واضح رہے "دن رات" والا فقرہ میں نے برطور محاورہ استعمال نہیں کیا ہے۔

میں نے ان خطوں کیلئے کیا کچھ نہیں کیا۔ شہر شہر گھوما، گھر گھر صدا دی۔ کسی نے میرے شوق کو سینے سے لگایا۔ کسی نے بات بھی نہ پوچھی۔ یوں یہ معلوم کے دورا ہے پر چلتا چلتا نیم جان ہو گیا۔ مگر جنون میں کمی واقع نہ ہوئی۔

نہ جانے میں چوری کی ہو تو کی ہو۔ اس عمر میں تو نہیں کی تھی۔ مگر اس کمبخت شوق میں یہ کام بھی کیا۔ بخدا اپنی خاطر نہیں۔ آپ کی خاطر، اگر میں نے یہ چوری اپنی ذات کے لئے کی ہو تو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو۔

چاہئے تو یہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں جتنے خطوط پیش کر رہا ہوں۔ ان سب کے بارے میں آپ سے کچھ عرض کروں۔ واقعی یہ ضروری بات ہے مگر اس ضروری بات کی وضاحت کے لئے کم از کم بھی پچاس صفحے درکار ہوں گے۔ اتنی ضخامت میں اور پچاس صفحوں کا اضافہ کر دوں۔ یہ بات مجھے پسند نہیں۔ جبکہ مجھے یہ بھی معلوم ہو کہ میرا مخاطب خوب پڑھا لکھا ہے اور اسے رہبری کی ضرورت نہیں۔

خطوط کے اب تک کئی مجموعے چھپ چکے ہیں۔ گویا یہ صنفِ ادب کچھ زیادہ مُردہ نہیں ہے۔ غالب، سر سید، محمد حسین آزاد، محسن الملک، وقار الملک، شبلی، حالی، مہدی افادی، اقبال، نیاز فتحپوری اور ابوالکلام کے مکاتیب کے مجموعے آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں میری بھی یہ ایک مخلصانہ کوشش شامل کر لیجئے۔

خطوط صرف ادب و انشا ہی کے آئینہ دار نہیں ہوتے۔ بلکہ اس سے علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخیں بھی مرتب کی جا سکتی ہیں۔ میرا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے۔ اگر آپ نے خطوط کو اس نظر سے دیکھا، تو آپ کو ان میں بڑا مواد ملے گا۔ اس اعتبار سے مجھے یہ چھوٹا سا دعویٰ کر لینے دیجئے کہ میری اس کاوش سے سو سالہ علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔ یا مرتب کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

میرے نزدیک خطوط کو دلچسپی کے اعتبار سے اوّلیت کا درجہ حاصل ہے۔ مجھ سمیت کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکے گا کہ اس نے لوگوں کے خط چوری چھپے نہ پڑھے ہوں۔ باپ نے بیٹے کے خط پڑھے، بیٹے نے باپ کے خط پڑھے، ماں نے بیٹی کے خط پڑھے، بیٹی نے ماں کے خط پڑھے اور ویسے خط کس نے نہیں پڑھے۔

یہ ٹھیک ہے کہ میں نے اس کام پر دو برس صرف کر دیئے ہیں۔ مگر اتنا عرض کر دوں۔ یہ کام دس برس کا تھا۔ جسے میں نے دو برس میں کیا ہے۔ اگر مجھے عمر مستعار پر اعتبار ہوتا، تو میں آپ کی ناراضی کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کام پر دس ہی برس صرف کرتا۔ تاکہ میری اس سے زیادہ ڈھارس بندھتی، اس سے زیادہ سکون نصیب ہوتا۔ مگر زندگی کا اعتبار ہی کیا۔

لیجئے اب اجازت دیجئے۔ میری یاوہ گوئی تو ختم ہوئی۔ کچھ اپنی بھی تو کہئے۔

آپ کا

محمد طفیل

تصریحات

۱ — اپنی دانست میں، ہم نے تمام خطوط، غیر مطبوعہ جمع کئے ہیں۔ لاعلمی میں چند ایک خطوط، مطبوعہ بھی پیش ہو گئے ہوں تو کچھ کہہ نہیں سکتے۔

۲ — ہم نے اپنی طرف سے پوری چھان بین کی ہے کہ اس نمبر میں جتنے بھی خطوط چھپیں، وہ اصل کے عین مطابق ہوں۔ جس خط کے بارے میں شبہ ہوا، اُسے ہم نے خارج ہی کر دیا۔

۳ — اس نمبر میں صرف مرحومین کے خطوط ہیں۔ انتخاب میں اور سختی سے کام لیا جاتا تو کچھ اور خطوط، اس مجموعہ میں شامل ہونے سے رہ جاتے اور کبھی نہ کبھی ضائع ہو جاتے۔ چونکہ اس نمبر میں، میرے نزدیک، ایک بھی مکتوب نگار غیر اہم نہیں ہے۔ اس لئے میں نے چاہا ہے کہ مرحوم مشاہیر ادب کے زیادہ سے زیادہ خطوط محفوظ ہو جائیں۔

۴ — ہم نے کوشش کی ہے کہ ایسے خط نہ چھپیں، جو کسی کی بھی دل آزاری کا موجب بنتے ہوں یا جو لکھے ہی اس غرض سے گئے ہوں کہ ذرا ٹھکیں تو، یا ایسے خط، جن میں دل کے کچھ نازک معاملات رقم ہوں۔ ہمیں اس امر کی بے حد خوشی ہے کہ ہم نے سنسنی خیز مکتوبات کی اشاعت سے پرہیز کیا ہے۔

۵ — بعض خطوط کو پڑھنا بے حد مشکل تھا۔ کوشش کے باوجود بعض الفاظ نہیں پڑھے جا سکے۔ وہاں ہم نے جگہ خالی چھوڑ دی۔ مثال کے طور پر محسن الملک، منشی ذکاء اللہ، داغ اور راشد الخیری کے (عکسی) خطوط پڑھ کے دیکھ لیں۔

۶ — ان خطوط کو کسی حد تک زمانی اعتبار (بہ لحاظ مکتوب نگار) سے ترتیب دیا گیا ہے۔ مندرج خطوں کو بھی تاریخ وار پیش کیا گیا ہے۔ جن خطوں پر تاریخ نہیں تھی۔ وہ اس حصہ کے آخر میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ عکسی خطوط کے سلسلے میں زمانی ترتیب قائم نہ رکھ سکے۔

۷ — ہم نے زیادہ معروف ادبا و شعرا کے عکسی خط پیش کر دیئے ہیں۔ اگر زیادہ اخراجات کا خوف نہ ہوتا، تو یہ سارا نمبر ہی عکسی خطوط میں پیش کر دیا جاتا۔ چند مشاہیر کے خطوط کو ضرورتاً REDUCE کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اصل خط اس سے ڈیوڑھا سمجھ لیجئے۔ ایسے مشاہیر کے نام یہ ہیں: سرسید، حالی، حبیب الرحمٰن شروانی، مولوی عنایت اللہ، ظفر الملک اور غلام بھیک نیرنگ۔

۸ — اس نمبر کی دو جلدیں ہیں۔ ان جلدوں کو الگ الگ کرنے کا جواز سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اس نمبر کی ضخامت کو بانٹ دیا جائے۔ کسی اصول اور ضابطہ کے تحت اس کی تقسیم ممکن نظر نہ آئی۔

۹ — ترتیب میں اس نمبر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نمبر ۱ میں اُن مشاہیر کے خطوط ہیں جن کی تعداد زیادہ تھی۔ نمبر ۲ میں اُن ادیبوں کے خطوط ہیں جن کی تعداد نسبتاً کم تھی یا جو بعد میں ملے۔ اس ترتیب سے بھی میرے نزدیک خطوں کے معیار اور اس کی افادیت میں کوئی فرق نہیں۔ نمبر ۳ میں صرف چند زندہ ادیبوں کا ایک ایک خط شامل کیا گیا ہے تاکہ یہ نمبر بھی اپنی جگہ مکمل ہو جائے۔ پروگرام کے مطابق زندہ ادیبوں کے خطوط کا ایک الگ نمبر پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد پھر مرحومین کے خطوط کی تیسری جلد پیش کی جائے گی۔ چوتھی جلد تمام مکاتیبی سرمایہ کے انتخاب پر مشتمل ہوگی۔

۱۰ — ہم نے میراجی، منٹو اور مجاز کو زندہ ادیبوں کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ اگر ہم انھیں پہلے جگہ دیتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے یہ اپنے قافلے سے بچھڑ گئے ہوں۔

۱۱ — اس نمبر میں خطوط پر مقالات بھی ہیں تاکہ یہ نمبر کسی جہت سے تشنہ نہ رہے۔ مشاہیر ادب کے مختصراً حالات زندگی پر بھی ایک کار آمد مضمون شامل کیا گیا ہے تاکہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے مرتبہ کا بھی کچھ نہ کچھ اتہ پتہ ملتا جائے۔

۱۱ — رئیس احمد جعفری صاحب کے ارشاد اور پیہم اصرار پر میں نے اس کام کو شروع کیا تھا۔ جب مشکلیں پڑیں تو مولانا غلام رسول مہر، مولوی محمد عبد اللہ قریشی، ڈاکٹر محمد اللہ انصاری اور ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے میری دستگیری فرمائی۔ مجھے سہارا دیا۔ اور مولوی محمد صدیق صاحب خیر آبادی نے خطوط کی نقول اور پروف ریڈنگ میں میری امداد فرمائی۔ میں ان سب حضرات کے احسانات کا شکریہ ادا کروں تو کس طرح کروں۔ صرف چند الفاظ ان کرمفرماؤں کی عملی محبت کا جواب نہیں ہو سکتے۔ آخر میں میں نے اپنے دوستوں کے عنایت فرمائے ہوئے خطوط کی نام بہ نام فہرست بھی چھاپ دی ہے (اس میں زندہ ادیبوں کے خطوط کی فہرست شامل نہیں ہے) اس فہرست میں سے بیشتر خطوط پیش کر دیئے گئے ہیں۔ کچھ خطوط بروقت نہ ملنے کی وجہ سے نہیں آ سکے۔ آئندہ سہی

(محمد طفیل)

علم و ادب میں خطوط کا درجہ

غلام رسول مہر

اس حقیقت سے غالباً کسی کو بھی اختلاف نہ ہوگا کہ شخصیت کا زیادہ سے زیادہ صحیح، قطعی اور قابلِ اعتماد اندازہ مقصود ہو تو ان افکار و خیالات اور ان عواطف و امیال کا ذخیرہ فراہم کرنا چاہیے جو شخصیت کے قلب و دماغ میں زندگی بھر موجزن رہے۔ ان میں سے صرف تھوڑے سے ہی عمل کا لباس پہن کر محسوس و مشہود شکل میں منظرِ عام جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اکثر ضروری اسباب کے فقدان یا موانع کی فراوانی اور مساعدت کی ناسازگاری کے باعث بطونِ قلب و دماغ ہی میں مصروفِ سیر گردش رہتے ہیں یہاں تک کہ آخری منزل پیش آجاتی ہے بلکہ اعمال کی حقیقی حیثیت متعین کرنے کے لیے بھی تو ہمیں انسان کے افکار و احساسات ہی کا پیمانہ استعمال کرنا پڑتا ہے ظاہر ہے کہ قصد و نیت کے اندازے کی اور کوئی تدبیر نہیں۔ کائناتِ انسانیت کے سب سے بڑے ہادی اور فطرت کے ماہر ترین نباض صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جامع ارشاد محتاجِ تشریح نہیں کہ انما الاعمال بالنیات و انما لکل امری ما نوی۔ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا

لیکن سوال کیا جا سکتا ہے کہ کسی انسان کے افکار و احساسات اور عواطف و امیال کلاً یا جزواً معلوم کرنے کی کیا صورت ہے؟ سائنس کی پرواز انتہائی بلندیوں پر پہنچ گئی، حتیٰ کہ چاند تک سفر کے راستے میں سنگ ہائے میل نصب ہونے لگے تاہم اب تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو انسانوں کے افکار احساسات شبانہ روزانہ کا مکمل خاکہ تیار کرتا رہے۔ ایسا کوئی کیمرا اب تک تیار نہیں کیا جا سکا جو باطن کی گہرائیوں کے اسرار و رموز کی مرئی تصویریں لے سکے زمانے کے مصریوں نے ممی کے ذریعے سے مردہ جسموں کو محفوظ کر دینے کا طریقہ دریافت کر لیا تھا اور ہزاروں سال پیشتر کی حنوط شدہ لاشیں آج عجائب خانوں میں تماشائیوں کے لیے حیرت و استعجاب کا پیغام بنی ہوئی ہیں۔ مگر افکار و احساسات کے تحفظ کی کوئی ہنرمندی انھیں بھی نہ سوجھ سکی۔ پھر اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ انسان جو کچھ بولتے اور لکھتے ہیں، اسی کو ہم مدارِ غور و فکر بنائیں، بہ نظرِ غائر دیکھیں، تحقیق کی ترازو میں تولیں، پھر ہر پہلو کا لحاظ رکھتے ہوئے بے حیف و میل کسی نتیجے پر پہنچ جائیں

اس طریق تفتیش و فیصلہ کی مشکلات بالکل واضح اور مبرہن ہیں اور ان کی تشریح ضروری نہیں۔ اول سرمایہ تحقیق کی حیثیت "بضاعتِ مزجاۃ" کی آخری فیصلہ صادر کرنے میں انتہائی احتیاط و کاوش سے کام لینا لازم ہے، اس لیے کہ ہر مقولے اور ہر تحریر کے محرکات و متعلقات اتنے عریاں اور روشن نہیں جنھیں دو جمع دو چار کی طرح یقینی و قطعی قرار دیا جا سکے۔ ہر سراغ اور ہر کھوج کے لیے بڑی حد تک قیاس کا معیار استعمال کرنا پڑتا ہے اور اس کی درستی و پائیداری کتنا ہی اعتماد کر لیا جائے تاہم لغزش و خطا کا امکان بہرحال باقی رہتا ہے۔

پھر خطابت و نگارش کے دائرے میں جو کچھ ہمارے سامنے آتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ ہر شخص کے محسوسات و وارداتِ قلب یا افکار و خیالات کا واقعی صحیح مظہر ہو۔ بناوٹ اور مصنوعیت انسان کی فطرت میں داخل ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیشتر انسان ڈاکٹر جیکل اور مسٹر ہائیڈ کی طرح دوگونہ زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ خواجہ شیراز نے تو صر ایک گروہ کے بارے میں فرمایا تھا جو شومیِ قسمت سے ہر دور کے شعرا کی رندانہ و قلندرانہ لطیفہ بازیوں کا ہدف بنا رہا ہے:

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند　　چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

حقیقتِ حال پر نظر رکھی جائے تو یہ دو رنگی اور جلوت و خلوت کا تفاوت بلکہ تضاد صرف واعظوں تک محدود نہیں بلکہ انسانیت کے بڑے حصے کی صحیح تصویر ہے۔ وہ خلوت و تفرید کی پردہ پوشیوں میں پہنچ جاتے ہیں تو تکلفات کا ہر حجاب ان کی شخصیت کے چہرے سے اٹھ جاتا ہے اور جب منظرِ عام پر جلوت رونمائی کی نوبت آتی ہے تو وضع و ساخت کی ہنرمندیوں اور نقش بندیوں سے ان تمام پہلوؤں کو نظر افروز آرائشوں میں چھپا لیتے ہیں جن کی عریانی و بے تعلقی کو وہ وقارِ عظمت اور شکوہ و برتری کے منافی سمجھتے ہیں۔ ہم اہلِ علم کی تصانیف اور اربابِ خطابت کی سحرکار بلند آہنگیوں کے دفاتر و مکاتیب میں اس غرض سے غواصی پر آمادہ ہیں کہ ان کے باب میں زیادہ سے زیادہ صحیح معلومات کے گوہر ہاتھ آ جائیں گے۔ لیکن ہمیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ جو گوہر اپنے دامن میں جمع کر لیتے ہیں

جھے ان میں سے بعض یا اکثر صرف وضعیت کی جلاکاری کے باعث جگمگا رہے ہوں۔

ہمارے سامنے مختلف زبانوں میں خود نوشتہ سوانح کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان میں ایسے مرقعے بھی یقیناً موجود ہیں، جن کے نقاشوں کی راستبازی نظر بظاہر تمام شبہات سے بالا ہے۔ لیکن یہ مرقعے اس علم و یقین کی بنا پر تیار کئے گئے تھے کہ کسی نہ کسی وقت لازماً عوام کے سامنے پہنچیں گے اور ایک مرتبہ شائع ہو جانے کے بعد ان کے کسی نقش کو نہ دھویا اور مٹایا جا سکے گا، نہ اس پر کوئی نیا رنگ چڑھا دینے سے پہلے نقش کی یاد حافظہ عوام سے محو کی جا سکے گی۔ لہٰذا کون وثوق سے دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس علم و یقین نے نقاشوں کی وضع احتیاط اور شیوۂ حزم پر کم یا زیادہ اثر نہ ڈالا ہوگا اور اس اثر نے راستبازی کی بیرنگی میں اک گونہ وضعیت کی رنگ آمیزی غیر محسوس طور پر نہ کر دی ہوگی۔ غرض نظر بظاہر یہ سرمایہ معلومات بھی کیفیت و کمیت کے اعتبار سے اس درجہ شایان اعتماد نہیں سمجھا جا سکتا جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کم از کم وضعیت و ساخت کے اختلاط سے برأت کاملہ کا دعویٰ مشکل ہے خواہ اس کا عمل بیانات میں جاری نہ ہوا ہو اور محض بعض وقائع کے ترک و حذف اور بعض کے اختیار و انتخاب تک محدود رہا ہو۔

تحریر و نگارش کے ذخیرہ میں سے صرف ایک صنف ایسی ہے جس کے متعلق وضعیت و تکلف کے اختلاط و آمیزش کی کم سے کم گنجائش باقی رہ جاتی ہے یعنی بزرگان علم و فضل اور اکابر حکمت و دانش کے خطوط و مکاتیب جو انھوں نے اپنے عزیزوں، دوستوں اور نیازمندوں کو لکھے۔ ان کا سرمایہ ہر زبان کے ادبیات میں بڑا ہی گراں قدر اور بیش بہا سمجھا جاتا ہے اور اس اعتبار سے بیگو ہر بار بود نے خود ہماری زبان کے دامن میں بھی متاع شہوار فراہم کر دی ہے۔

ذخیرۂ مکاتیب کے سلسلے میں بھی ایک شبہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یعنی کاتبوں نے سب کے سب نہیں تو زیادہ تر خطوط اس علم و احساس کے ساتھ حوالۂ قلم کیے کہ وہ شائع ہوں گے۔ گویا وضعیت و تکلف کی کارفرمائی اس صنف میں بھی کم و بیش جاری رہی۔ اس اعتراض کا کوئی ایسا جواب دینا محال ہے، جس سے شکوک و شبہات کا قطعی ازالہ ہو جائے۔ اور میں خود یہاں بھی امکان وضعیت کا اعتراف کر چکا ہوں۔ اسی لئے عرض کیا کہ اس میں تو آمیزش کی کم سے کم گنجائش رہ جاتی ہے یہ نہ کہا کہ کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی لیکن یہ بات پیش نظر رکھ لینی چاہیے کہ مجموعہ ہائے خطوط ہر صاحب قلم کی زندگی کے طویل حصے پر حاوی ہوتے ہیں اور آغاز سے انجام تک وضعیت کی آمیزش کا شبہ ہرگز معقول و پائدار نہیں سمجھا جا سکتا۔ وجوہ طول کلام اور درازیٔ سخن کے متقاضی ہیں، صرف بعض اہم امور کی طرف توجہ منعطف کرا دینا کافی ہے۔ مثلاً:۔

۱۔ کوئی صاحب قلم اس وقت تک اپنے خطوط کی اشاعت کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا، جب تک وہ شہرت و ہردلعزیزی میں ایک درجہ حاصل نہ کر لے۔ یہ درجہ اکثر اکابر کو عمر کے خاصے مراحل طے کرنے کے بعد نصیب ہوتا ہے جب ان کے قلم کی ہر تراوش کے لئے اہل ذوق اور عوام میں تشنگی پیدا ہو جاتی ہے اور خطوط نگاری کا سلسلہ ابتدا سے جاری رہتا ہے۔ لہٰذا عقل سلیم کا فیصلہ یہی ہونا چاہیے کہ ذخیرہ مکاتیب کا بڑا حصہ تکلف اور بناوٹ کی آمیزش سے پاک ہوتا ہے۔

۲۔ خطوط نگاری کا آغاز عموماً ان دوستوں، عزیزوں اور دلی محرموں کے ساتھ ہوتا ہے جن سے ہر راز بے ساختہ کہہ دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اپنے عزائم و افکار کے چہرے سے اس لئے پردہ اٹھایا جاتا ہے کہ دوست اور عزیز خوش ہوں اور ان کے دل میں اعتبار جم جائے۔ البتہ دائرہ شہرت پھیلتا اور وسیع تر ہوتا جاتا ہے تو اجنبی اور نامحرم بھی مکتوب الیہم میں شامل ہونے لگتے ہیں۔ اس وقت یقیناً وضعیت و ساخت کی دیواروں کا چناؤ شروع ہو جاتا ہے، لیکن خاصا بڑا سرمایہ اس آمیزش سے محفوظ رہتا ہے۔

۳۔ پھر بعض اصحاب خاص محرکات و ہیجانات کی خود فراموشیوں میں بعض مکتوب الیہم تک دل کی باتیں زیادہ سے زیادہ واشگاف انداز میں پہنچاتے ہوئے تامل نہیں کرتے۔ ایسے مکاتیب کے ہوتے ان اکابر و مشاہیر کے مجموعوں میں بھی ملتے ہیں جنھیں یقیناً احساس ہوگا کہ یہ خود فراموشیاں زمانے کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکیں گی۔ مثلاً کبھی خاص ذاتی مقاصد کا انجاح مکتوب الیہم سے وابستہ ہوتا ہے اور دل کا بھید صاف زبانِ قلم پر لائے بغیر بات نہیں بنتی۔ کبھی خاص قسم کے جذبات و تاثرات کا سیل متلاطم وضع احتیاط اور فکرِ مآل کے اس حصار کو توڑ ڈالتا ہے جو انسان کی دانش آرائی اور عاقبت اندیشی تحفظ شخصیت کے لئے بڑے اہتمام سے تعمیر کر لیتا ہے۔ سیل گزر جائے یا اس کا زور تلاطم و تموج ختم ہو کر حالات طبعی صورت اختیار کر لیں تو ممکن ہے ان نکارشات پر پشیمانی کا احساس پیدا ہو لیکن جو گوشہ سیرت ایک مرتبہ بے نقاب ہو جائے پھر اس پر تاویلات و دراز کار کے پردے ڈالنا یا معذرت کی تہ بہ تہ اٹھانا بالکل بے سود رہ جاتا ہے اور یہ ظاہر ہی ہے کہ: نوشتہ بماند سیہ بر سفید

ہمارے بعض بلند مرتبت اکابر کے مجموعوں میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔ اگر یہ مثالیں محفوظ نہ ہو جاتیں تو ہم ان کی سیرت کے بعض اہم پہلوؤں کی نظارہ آشائی سے محروم رہ جاتے۔ محرمی کی یہ تقریب خطوط و مکاتیب ہی کے ذریعے سے ہمیں میسر آئی، تصانیف کی وسعت میں اس کا سراغ کب مل سکتا تھا۔

غرض خطوط و مکاتیب ہر شخص کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کرنے کے لیے نہایت عمدہ اور بڑی حد تک قابلِ اعتماد سرمایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر و مشاہیر کے خطوط فراہم کرنے کی طرف ارباب علم و ادب ہمیشہ بہ اہتمام خاص متوجہ رہے اور اس سرمایے کو ادبیات و سیر کا بڑا قیمتی اندوختہ سمجھا جاتا ہے۔

ایک پہلو اور بھی ہے۔ بعض اکابر کی گراں قدر تصانیف کے مطالعے سے کم تر اصحاب مستفید ہوتے ہیں لیکن مکاتیب کو اس لیے زیادہ شوق سے پڑھا جاتا ہے کہ ان کے مطالب میں تصانیف کی متانت و یک رنگی کے بجائے تنوع اور بوقلمونی کی گل افشانیاں ہوتی ہیں۔ نیز مکاتیب علم و ادب کے چھوٹے چھوٹے جواہر پارے ہوتے ہیں، جنھیں پڑھتے وقت حافظے پر زیادہ بوجھ نہیں پڑتا۔ استفادہ بیشتر ہوتا ہے اور زحمت کم تر۔

مشاہیر کے خطوط و مکاتیب کی اہمیت کے متعلق میری رائے مدت سے یہی ہے۔ جب میرے عزیز دوست محمد طفیل صاحب مدیر "نقوش" نے اپنے گراں قدر رسالے کا ایک ضخیم "خطوط نمبر" مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے تہِ دل سے اس کا خیر مقدم کیا کہ اس طرح ان اہم خطوط کے فراہم ہو جانے کا قوی امکان تھا جو عام حالات میں شاید مرتب ہو کر شائع نہ ہو سکتے اور جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، میرے نزدیک خطوط کی افادی حیثیت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

طفیل صاحب نے اپنے رسالے کے خاص نمبروں کی ترتیب میں جو درجۂ امتیاز حاصل کیا، کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے لیے سعی و اہتمام میں کس حد تک زحمتیں اٹھائیں۔ خطوط نمبر کی ترتیب کے بعض مراحل کا علم مجھے بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہا، اس لیے اندازہ کر سکتا ہوں کہ اس میں انھیں بدرجہا زیادہ زحمت برداشت کرنی پڑی۔ لیکن انسان جب کسی کام کا بیڑا اٹھا لے تو بہتر سے بہتر شکل میں انجام دینے کے لیے سعی و ہمت کی حاقہ متاع صرف کرنے میں دریغ نہ ہونا چاہیے۔ یہی تقاضائے ذمہ داری ہے اور یہی شیوۂ مردی ہے۔ باقی رہا مسئلہ نتائج تو اسے قدر کے ذوقِ نظر اور صلاحیتِ قبول کے حوالے کیے بغیر کوئی راستہ ہی نہیں۔ سب ہی وابستہ ر کاری کے لیے مجبور ہیں۔ اس سلسلے میں نظیری نیشاپوری کا یہ حکیمانہ ارشاد مجھے کبھی نہیں بھولتا:

مشتری گو رد کن و لال گو در پا فگن جنس گر خوب است خواہد کرد پیدا قیمتے

آخر میں اتنا اور عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اردو زبان بہ اعتبار سنین عمر دوسری دیرینہ سال زبانوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کے اتصال و آمیزش سے پیدا ہوئی۔ ابتدا میں محض بولی تھی، جو مختلف اللسان افراد کی عام ضرورتیں ایک دوسرے تک پہنچانے کا واسطہ اور ذریعہ بنی رہی۔ آہستہ آہستہ اس نے زبان کی حیثیت اختیار کی۔ پہلے پہل اس نے منظومات کے لیے ایک ایسا لباس مہیا کیا جس نے عوام سے پسندیدگی و دل آویزی کی خاص سند حاصل کر لی۔ انیسویں صدی کے اوائل میں نثر نگاری کی طرف توجہ ہوئی۔ اس زمانے تک فارسی زبان ہی کو مدار علم و فضل مانا جاتا تھا اور بیچاری اردو کے لیے اہل علم کی بارگاہ جلال میں بار پانے کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی۔ انیسویں صدی کے وسط تک کم و بیش یہی حالت رہی۔ بایں ہمہ اردو اپنی ذاتی خوبیوں اور عوام کے طبائع سے حد درجہ غیر معمولی مناسبت و سازگاری کی بنا پر قدم آگے بڑھاتی رہی۔ اگرچہ آج اسے منزلِ بلوغ پر پہنچے ہوئے صرف سو ڈیڑھ سو سال گزرے ہیں۔ تاہم اس قلیل مدت میں اس کا دامن مختلف اصناف علم و فن کے جن جواہر پاروں سے جگمگا رہا ہے، وہ ان زبانوں کے لیے بھی باعثِ صد رشک ہیں، جو صدیوں سے شہوار سرمایے فراہم کرنے میں مصروف ہیں۔ پھر اس میں گوناگوں اسالیب و مناہج پیدا ہوئے اور ہر اسلوب و نہج کی اپنی خاص شان دل آویزی اور منفرد طرزِ دل پذیری ہے۔

اس کی ایک وجہ یقیناً یہ ہے کہ ہمارے وطن نے گزشتہ سو سوا سو سال میں جو نادر العصر مشاہیر علم پیدا کیے، ان میں اکثر کی گوہرباریاں دامن اردو ہی کے لیے وقف رہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اردو کی وضع و ساخت کے حسنِ خداداد نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور چونکہ یہ عوام کی زبان تھی، اس لیے عوام تک پہنچنے کے ہر آرزو مند کو اس کا سہارا لینا پڑا۔ گویا یہ زبان خود بھی حیرت انگیز تیزی سے آگے بڑھی اور اپنا دامن تھامنے والوں کو بھی ہر دلعزیزی کی انتہائی منزل میں پہنچا دیا۔

مکاتیب و خطوط ہی کے مجموعوں کو لے لیجیے۔ اس زبان میں جسے بہ لحاظ عمر ابھی "تازہ واردان ہوائے بساطِ دل" میں شمار کرنا چاہیے، اتنا گراں ارز ذخیرہ موجود ہے کہ کہن سالی پر فخر کرنے والی زبانوں میں بھی ویسا ذخیرہ بہ آسانی نہ مل سکے گا۔ پھر اس ذخیرے کا بیشتر حصہ اتنا حسین و جمیل اور اس درجہ خوش پیکر و بدیع اور صاف ہے کہ ہر صاحب نظر اسے دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ یقیناً اس لیے کہ اتنی تھوڑی مدت میں ایسا نادر ذخیرہ فراہم ہو جانا واقعی اردو زبان کا ایک معجزہ ہے۔

یہ موضوع جس جمعیتِ فراغِ خاطر اور فرصت و مہلت کا متقاضی تھا۔ وہ مجھے بعض ذاتی پریشانیوں کی وجہ سے میسر نہ آ سکی۔ بہرحال عزیزی طفیل صاحب کے ارشاد کی تعمیل ہو گئی۔

اُردو خط نگاری

ڈاکٹر سید عبداللہ

خط تہذیبِ انسانی کے محیر العقول عجائبات میں سے ہے۔ انسان کی یہ اختراع اس کی زندگی کے عجیب و غریب اور ہمہ گیر تقاضوں سے پیدا ہوئی ہے۔ پہلے محض سادہ ضرورتوں کو پورا کرنے کی حد تک محدود رہی۔ اس کے بعد جملہ فنونِ عالیہ کی طرح ایک فنِ لطیف ــــ بلکہ بقول بعض لطیف ترین فن بن گئی۔

یہ ایجاد ضرورتِ ابلاغ کی رہینِ منت ہے اور ابلاغ فطرتِ انسانی کا ایک ناگزیر تقاضا اور ایک حد تک اجتماعی عمل بھی ہے۔ اجتماع خود بھی اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک ابلاغی مظاہرۂ حیات ہے۔ انسانوں کا کوئی اجتماع ــــ اور اجتماعی رابطے کا کوئی ذو اضعافِ اقل یعنی دو انسانوں کا باہمی معمولی افہام و تفہیم بھی ابلاغ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ بلکہ اگر صوفیانہ و عارفانہ انداز میں گفتگو کرنے کی اجازت ہو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خود ذاتِ باری بھی ابلاغ کی (از روئے حکمتِ بالغہ) مشتاق و آرزومند ہے ــــ اور انسانی دائرے میں تو ابلاغ ہی تمام تمدن کی اساسِ اولیٰ ہے جس کے بغیر مدنیت تو درکنار بشریت تک قائم و برقرار نہیں رہ سکتی ــــ!

انسان نے جب مشقت کا آغاز کیا ہوگا تو اُسے محسوس ہوا ہوگا کہ بالمشافہ ابلاغ تو ایک قدرتی سا عمل ہے اور اس کے اظہار میں کوئی خاص دقت نہیں مگر جو لوگ حدِ سماعت کے اندر موجود نہیں ان تک بھی ابلاغی مقاصد کی خاطر پہنچنے کی کوئی سبیل ہونی چاہیے خصوصاً ان لوگوں کے لیے جن کے فاصلے بعید ہیں جن کی دوری سماعت کے لیے ناقابلِ عبور ہے۔ باہمی کی نزدیکی بھی دوری کے مترادف ہے۔ اس سے مجبور ہو کر ذہنِ انسانی نے اپنی خداداد قوتِ تخرید سے کام لے کر خط ایجاد کیا اور ایک ایسا "نیا وسیلہ" پیدا کر لیا جو نہ صرف زبان کا قائم مقام تھا بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اپنی بے زبانی کے باوجود زبان سے بھی زیادہ شیوا بیان اور نطق سے زیادہ فصیح اللسان تھا ــــ یہ اس دنیا کی بات نہیں جہاں خموشی بھی گفتگو بن جایا کرتی ہے۔ اور سکوت گویائی کی حریف بن کر بقول نظیری۔ ــــ

نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

بلکہ اس دنیا کی جہاں گفتگو بہرحال ضروری ہوتی ہے مگر ایسی گفتگو جو زبانی مکالمے سے بلیغ تر ہو۔ مندرجہ بالا شعر پر

مزید غور کیا جائے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ گفتگو (بذریعہ زبان) کی نارسائی ایک مسلم سی شے ہے گویا محض گفتگو کے مقابلے میں تو خاموشی بھی زیادہ بلیغ ذریعہ ہے ـــــ لہٰذا تحریر کی بلاغتیں بھی نطق کے مقابلے میں بے حد دلآویز ہیں۔ تفصیل سے بچنے کے لئے اگر صرف ایک دلیل پر ہی کوئی اکتفا کرنا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ نطق (یا ابلاغ بذریعہ زبان) بہت رسا بھی ہو جائے تو بھی فاصلوں (مکانی یا معنوی) کی دشواریوں کو طے کرنا اس کے بس کی بات نہیں ـــــ یہاں پہنچ کر وہ منزل بھی آ جاتی ہے جہاں زبان خود اپنے آپ سے شرمندہ ہو کر بے زبانی کی سپاس گزار بن جانا چاہتی ہے ؎

ممنونِ زبان محوِ سپاس بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

خلاصہ یہ ہے کہ خط (یا تحریر) کی ایجاد ذہنِ انسانی کے دورِ ارتقا کی ایک اہم ایجاد ہے، یہ اس کی اپنی گوناگوں مجبوریوں سے پیدا ہوئی ہے اور اس کی ترقی میں سعی اور جد و جہد کو بڑا دخل ہے اسی لئے اس کی فتوحات و فیوض بھی غیر معمولی ہیں ـــــ خط نے انسان کے لئے فاصلے کا مسئلہ حل کر دیا ہے اور ایک لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ابعاد کی تسخیر کے جو کمالات انسان نے بعد میں دکھائے ان کا پہلا اور اہم قدم یہی واقعہ ایجادِ خط تھا ـــــ گویا دوری کا احساس یا مجبوری ایک اہم چیز ہے جس نے انسان کو گفتگو کے ابہام و ایہام اور اس کے شکوک و شبہات، اس کی تحریف و مسخ اور اس کے ناقابلِ اعتماد ذرائعِ اظہار سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو زبانی ابلاغ ابد الآباد تک نارسا ہی رہتا اور مکالمات کو مشکوک و ضعیف ہی رکھتا دیکھئے غالبؔ کے محبوب نے بھی جس شے کو ہراس انگیز اور مشکوک بنا رکھا تھا اس کو قاصد کی زبان کے حوالے یوں کر دیا ؎

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

عربوں کے تصور میں ایجادِ تحریر کی بنیادی غایت علم و معلومات سے پہلے محض پیغام رسانی اور جذبات یا معاملات ضروری کا ابلاغ تھی یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی میں رسمِ تحریر یا تحریر ہی کو "خط" کہتے ہیں۔ اگرچہ بعد میں ابلاغ کی مختلف صورتوں کے لئے مختلف نام تجویز ہو گئے اور اس صورتِ خاص کے لئے جس کو خط و کتابت کا مرادف کہا جا سکتا ہے مکاتیب اور مراسلت وغیرہ کی اصطلاح وضع ہوئی ـــــ اسلامی تہذیب نے اپنے دور میں مکاتیب و مراسلت کو اس درجہ اہمیت دی کہ قدیم زمانہ میں ادب و انشا کی تکمیل کی بنیاد ہی اچھی خطوط نویسی قرار پائی ـــــ جو شخص اس زبان و بیان سے کامل شناسائی رکھتا تھا جس کا تعلق دوسروں کے دل و دماغ سے ہے، یا جو شخص ان آداب و رسوم سے زیادہ واقف ہوتا تھا جن کا تعلق روابط و تعلقات کی گوناگوں نوعیتوں سے ہے۔ اس کو اسلامی ادوار میں اکتسابات و فضائل کے لحاظ سے شائستہ ترین آدمی سمجھا جاتا تھا اور وہ سلطنت کے بڑے سے بڑے عہدوں کا مستحق سمجھا جاتا تھا ـــــ ابلاغ کے ذرائع پر قدرت کی اہمیت و فضیلت کا یہ اعتراف اسلامی عربی تہذیب کی روح شناسی کی ایک اہم کلید ہے چنانچہ ترسل کتابت اور دبیری کی اہمیت پر بعض مصنفوں نے مبسوط کتابیں لکھی ہیں

خیر یہ تو ہوئی سیاسی یا دفتری خط نگاری کی اہمیت۔ عام خط نگاری بھی کچھ کم اہم چیز نہیں۔ یہ انسان کی بنیادی

غرض زندوں میں سے جو دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہوگا جس کو کبھی خط لکھنے یا لکھوانے کی ضرورت پیش نہ آئی ہو — خط سے بڑھ کر کوئی ادارہ جمہوری یا بنیادی طور پر اجتماعی نہیں ہو سکتا۔ اس اعتبار سے کہ وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ یہ محض ایک عام کاروباری پیغام کی تحریر سے لے کر ادب عالیہ کے رتبے تک پہنچ سکتا ہے یہ عام بھی ہے اور خاص بھی یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر شخص کی دسترس کے اندر ہے مگر اتنی خاص بھی ہے کہ —

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ کسی انسان کی گفتگو اس کی شائستگی کی علامت ہوتی ہے اور یہ سچ بھی ہے مگر اس سے بھی بڑی علامت کسی کی شائستگی اور تہذیب کی یہ ہے کہ اس کو خط نگاری کا سلیقہ کہاں تک ہے — جان لاک نے مسئلہ تعلیم سے بحث کرتے ہوئے اسی خیال کا اظہار قدرے وضاحت کے ساتھ یوں کیا ہے [1]

When they understand how to write English with due cuonnection propriety and order, and are pretty well masters of a tolerable narrative style, they may be advanced to writing of letters.
The writing of letters has so much to do in all the occurrences of human life, that no gentleman can avoid showing himself in this kind of writing.

آگے چل کر جان لاک نے گفتگو کے مقابلے میں خط کی مشکلات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ گفتگو میں آواز، لہجہ، چشم و ابرو کی حرکات، اور مشابہت کے دوسرے وسائل مفہوم سخن کی خامیوں کو چھپا دیتے ہیں اور بعض اوقات بے کار بات بھی اثر کر جاتی ہے — خط ان خارجی وسائل سے محروم ہوتا ہے مگر جو شخص اس کے باوجود خط کو موثر اور بلیغ بنا سکتا ہے وہ درحقیقت ایک شائستہ اور تربیت یافتہ انسان ہی ہو سکتا ہے۔

خطوط کتابت کی بیسیوں اقسام ہیں مثلاً سیاسی، دفتری، تجارتی، کاروباری، عام معمولی اطلاعاتی، علمی اور معلوماتی، شخصی، جذباتی، خیالی وغیرہ وغیرہ — مگر موجودہ مقصد میں سہولت و وضاحت کے نقطہ نظر سے ان کو صرف دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

(۱) نجی جن کا تعلق ذات سے ہے۔ یہ پرائیویٹ حیثیت سے لکھے جاتے ہیں وہ اشاعت عام کے لئے نہیں ہوتے۔
(۲) دوسرے وہ جو پبلک ہو سکتے ہیں — ہر خط بنیادی طور پر ایک شخصی اور نجی چیز ہے (ماسوا اس صورت کے کہ

1. Four centuries of letters - by W. B. Scoones viii

کوئی شخص پبلک کو خط کے ذریعے خطاب کرے) اس لئے اصولاً اس کا افادہ نہایت محدود ہوتا ہے ــــ مگر عملاً خط جب منظر عام پر آ کر مطالعہ کی چیز بن جاتے ہیں تو ادب اور علم کا قیمتی ذخیرہ بن جاتے ہیں۔

خطوں کی سب اقسام اپنی جگہ نفع بخش اور مفید ہیں۔ خطوں سے علمی اور معلوماتی فائدے بھی ہو سکتے ہیں مگر پرانے خطوں کی اہمیت کی ایک بڑی بنیاد وہ تاریخی اور سوانحی مواد ہے جو خطوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات خطوط فن اور ادب کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یوں اپنی جگہ ہر خط دلچسپ ہوتا ہے گر ادبی و علمی مطالعہ کی حیثیت سے خطوط کی اہمیت کچھ اس چیز پر بھی ہے کہ ان کا کاتب کون ہے اور مکتوب الیہ کون ــــ؟ اس لحاظ سے خط کا فن ایک شخصی فن ہونے کے علاوہ شخصیتوں کا فن بھی بن جاتا ہے ــــ عام طور سے ان خطوں میں زیادہ دلچسپی لی جاتی ہے جن کے طرفین کی شخصیتیں کسی نہ کسی وجہ سے جاذب توجہ ہوں، یہی وجہ ہے کہ خطوط کے جو مجموعے کبھی محفوظ رہے ہیں یا رکھے گئے ہیں وہ عام طور سے وہی ہیں جن کا تعلق جاذب توجہ شخصیتوں سے ہے۔ یہ مجموعے تاریخ شخصیات نگاری اور سوانح نگاری کے لئے بیش بہا مواد کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ ہر بڑا آدمی (خواہ ادب سے متعلق ہو یا کسی دوسرے شعبۂ زندگی سے) لازماً اچھا خط نگار بھی ہو سکتا ہے ــــ خط نگاری تو بذات خود ایک بڑا فن ہے اور اس میں کامیاب وہی شخص ہو سکتا ہے جو قدرت کی طرف سے اس فن کا فیضان لے کر آیا ہے خط نگار کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اس کے علاوہ اچھی خط نگاری ایک خاص شخصی ماحول پر بھی موقوف ہے۔ خط نگاری کے فن کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ یہ سب سے آسان فن ہے جو ہر اس شخص کے لئے سہل الحصول ہے جو اس کا قصد کرے ــــ مگر تعجب انگیز بات یہ ہے کہ یہی آسان ترین فن نازک ترین فن بھی ہے۔ کیونکہ اس میں فنی نزاکتوں کی نمود کچھ اس طرح کی مشکل شے ہے جیسے کوئی شے عدم سے وجود حاصل کرتی ہے ــــ عدم سے وجود اس لئے کہ خط نگاری ادب کے دوسرے شعبوں کے برعکس اصلاً ادب نہیں بلکہ محض ایک میکانکی اور افادی عمل ہے۔ خط نگاری خود ادب نہیں مگر جب اس کو خاص ماحول، خاص مزاج، خاص استعداد، ایک خاص آن، خاص گھڑی اور خاص ساعت میسر آ جاتے تو یہ ادب بن سکتی ہے ــــ مگر خط کو ادب بنانے کا کام بہت مشکل ہے یہ شیشہ گری ہے، شیشہ گری ــــ اور پھر آئینہ ساز ہو کر بھی کم ہی لوگ ایسے ہوں گے جو سچ مچ ایسا آئینہ ڈھال سکتے ہوں گے جس کے جلوے خود تقاضائے نگاہ بن جائیں گے اور پھر نظارہ اپنے جوہر کی ہمراہی میں کیر کو مژگاں بنا دیں ؎

جلوہ از بس کہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

غرض یہ کہ خط نگاری اصلاً فن لطیف نہ بھی ہو تب بھی لبسا اوقات لطیف بلکہ "لطیف ترین" فن کے درجہ اعلیٰ تک پہنچ جاتی ہے ــــ اس لحاظ سے خط نگاری کے فن پر نظر ڈالی جاتے تو اچھی اور باذوق خط نگاری کی کچھ خاص شرائط سامنے آتی ہیں۔

ایک نہایت ہی اہم بات خط نگاری کے سلسلے میں یہ ہے کہ ہر اچھے خط کو وہ مقصد ضرور پورا کرنا چاہئے جو اس کے لئے

اصلاً محرک ہوا ہے یعنی پیغام کے مطالب کا قطعی ابلاغ جس کا مطلب یہ ہے کہ خط نگار جو کہنا چاہتا ہے وہ تو بہر حال ایسے انداز میں کہے کہ مکتوب نگار کو پیغام کی جزئیات کا قطعی علم ہو جائے۔ اس لحاظ سے ہر خط کی اولین صفت اس کی قطعیت ہے ——— اس کے علاوہ جتنی شرطیں ہیں وہ عام نہیں خاص ہیں اور خط نگار کی شخصیت اس کی ضرورت اور زمانے کے مذاق کے مطابق بدلتی رہتی ہیں اور ان کے لئے صحیح معنوں میں کوئی شرط عاید نہیں کی جا سکتی۔ نہ ان کے حسن کا کوئی تجزیہ اصول یا معیار مقرر ہو سکتا ہے البتہ ایک خاص معیار ایسا ہے جس کو بمنزلہ اصول سمجھا جا سکتا ہے اور وہ ہے خط کی دلچسپی جو کسی خط کو اطلاع مطالب اور ابلاغ پیغام کے علاوہ بھی زندہ رکھ سکے اور مطالب کی زمانی اور مکانی حد ختم ہو جانے کے بعد بھی کسی پڑھنے والے کے لئے مسرت انگیز ثابت ہو سکے — کون سا خط دلچسپ ہوتا ہے اور کون سا غیر دلچسپ یہ بھی ایک اضافی سی بات ہے مگر یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ جن خطوں کی انسانی یا سوشل اپیل کامیاب ہو گی وہی خط زیادہ مقبول اور مستقل طور پر دلچسپ ہوں گے ——— اسی طرح جن خطوں میں شخصی جذبے کا استعمال کچھ ایسے انداز میں ہوا ہے کہ شخصی ہونے کے باوجود اس کی حیثیت وسیع معنوں میں انسانی ہو گئی ہے ان خطوں کی دلچسپی اور دیرپا مقبولیت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا — جب تک کسی خط میں شخصیت کی ترسیل کی یہ صورت نہیں ہو گی اس کو بآسانی ٹھکرایا جا سکتا ہے۔

کوئی معترض میرے اس خیال پر فوراً یہ نکتہ چینی کر سکتا ہے کہ ہر خط (سوائے پبلک مراسلات کے) نجی ہوتا ہے اس لئے کسی نجی چیز سے یہ توقع ہی کیوں رکھی جائے کہ اس کی اپیل اجتماعی بن کر "شرکت غیرے" کے جبری تقاضے کی زد میں آ جائے ——— پھر یہ بھی کہ خط تو ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کے سرنامے پر جلی عنوان سے یہ لکھ دیا جاتا ہے "یہ صرف آپ کی نگاہ کے لئے ہے۔ ستاروں تک کی نظر بھی اس پر نہ پڑے" ——— اخفا کی یہ حد اور احتساب کا یہ انداز۔ اس میں بھلا کب کسی سوشل اپیل کی گنجائش باقی رہتی ہے؟ معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ تو خالص ذاتی آواز ہے اس میں معمولی حد سے باہر گونج بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ورنہ یہی خوف رسوائی اور اندیشہ ہائے گوناگوں کہ جو دنیائے عاشقی میں عام اور مسلم ہیں ——— جن میں رازداری "ایمان محبت" کے آداب اوّلین میں سے ہے ورنہ غالب کی اطلاع کے مطابق بوالہوسوں کی فہرست میں ہی نام درج ہو رہتا ہے۔ —

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

معترض کا یہ اندیشہ بظاہر درست معلوم ہوتا ہے مگر الزامی طور پر کیا ہم بھی یہ پوچھ سکتے ہیں کہ صاحب۔ اگر کسی کے خط محض نجی ہیں اور ان کو شخصی آواز سمجھ کر ختم ہو جانا چاہیئے تو پھر کسی دوسرے کو اس طومار خشک میں سر کھپانے اور اس پر آنکھوں کے تیل کو بے کار ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یعنی ایک نے لکھا اور دوسرے نے پڑھ کر مقصد کی بات پالی۔ چلو چھٹی ہو گئی یا ایک ہفتے یا ایک دن کے لئے یا چلئے ایک مدت العمر تک کے لئے اس کی چمک باقی رہتی۔ پھر معدوم و مفقود۔ کسی دوسرے انسان کو بعد میں یا ان کے زمانے میں ان کی طرف توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ خیر یہ تو الزامی جواب ہوا۔ مگر اس کا ایک معقول اور تشفی بخش جواب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ خط "رؤیت" تک محدود ہونے کے باوجود ایک ایسے جذبے سے ابھرتا ہے

جو وسیع معنوں میں ایک وسیع تر انسانی جذبہ ہے ــــ اسی لیے خط کا نام جب زبان پر آتا ہے تو ایک پراسرار قسم کی جستجو،
پُرلطف سی گدگدی طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ خط کے مطالعے سے مسرور یا متاثر ہونے کا جذبہ ہر انسان کے لئے
اس لئے دوسروں کے خطوط پڑھ کر ایک حد تک انسان اپنے ہی تجربات کا اعادہ کر رہا ہوتا ہے بجز جب وہ انسانی مزاج ا
رنگارنگ تاثرات کی طلسم انگیز بوقلمونیوں کو دیکھتا ہے تو کسی ادب پارے کی طرح خطوط سے بھی عام انسانی بوالعجبیوں کے م
خیال انگیز مسرت نصیب ہوتی ہے۔ یہ بھی کہ خطوں میں خالص سچائی اور صداقت کی توقع ہوتی ہے۔ ڈر، خوف، شہرت،
نمائش اور اس قسم کی دوسری رکاوٹیں اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں اس "برہنہ صداقت" کے تجربے سے ایک خاص کیفیت
ہے اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ خط کی بنیادی ضرورت یا بنیادی جذبہ ہم کلامی کی تمنا ہے ــــــ وہ خط جن کا مخاطب
کوئی بھی نہیں ہوتا ــــ وہ بھی صورت اور رسم کے اعتبار سے ہم کلامی کی آرزو ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی ہم کلامی کا جذ
کو وجود میں لاتا ہے۔ خط بہرحال شاعر کی خود کلامی سے مختلف شے ہے ــــ زندان احمد نگر کی تنہائیوں میں جب ابوالکلام
کسی سے کلام کرنے کی آرزو کی تو انہوں نے وہ خط لکھے جو ہرچند خود کلامی ہی کی ایک صورت ہے مگر خط ہو کر کسی دوسرے
نام منسوب ہوتے ــــ قصہ مختصر ــــ خط بنیادی طور پر دو انسانوں کے وجود کا طالب ہے پھر اس میں "غیبیت" یا [illegible]
ایسا تحیر انگیز ماحول بھی شامل ہو جاتا ہے جو ادب میں موجود نہیں ہوتا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں سوشل اپیل ہے
نہیں بھی ــــ اگر خط نگار کو مناسب فضا مل جائے تو خطوط ایک عجیب و غریب پُرمسرت اجتماعی نظام یا "ادارہ" بن سکتے
خط نگاروں میں اس فضا کے پیدا کرنے اور باقی رکھنے کی استعداد زیادہ ہوتی ہے ان کے خط وسیع تر مطالعہ کے وقت زیادہ
اور پُرتاثیر بن جاتے ہیں۔

ایک پرانا مقولہ ہے "المکتوب نصف الملاقات" یہ ایک لحاظ سے درست ہے مگر مجھے اکثر محسوس ہوا ہے کہ اس
مقولے کی قدر سے تنقیص ہوتی ہے کیونکہ محض کاروباری مفہوم سے قطع نظر، ایک مادی ضرورت کی حد تک بھی خط محض نصف
نہیں ہوتے بلکہ ایک معنی میں پوری ملاقات ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو یہ ملاقات ظاہری ملاقات سے بھی زیادہ دلچسپ
ہو جاتی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ بلیغ اس سے زیادہ رسا، خوشگوار اور مسرت بخش بہرصورت "نصف ملاقات" تو
کاروباری تخیل ہے ــــ ملاقاتیں بعض اوقات تلخ اور ناکام ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس قسم کی ملاقات کی کوتاہیوں سے بچنے
خط کی ملاقات کا سہارا ڈھونڈا جاتا ہے ــــ زندگی میں بارہا ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جن میں روزانہ اور ہر وقت
کے باوجود بھی حقیقی مسرت اس غائبانہ ملاقات ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کا موقع خط بہم پہنچاتا ہے۔ بنابریں میں خط
ملاقات قرار دینے میں متامل ہوں، اور اس کو ملاقات کی ایک ارفع صورت قرار دیتا ہوں جس میں جسمانی اور مادی واسطے بالکل
ہو جاتے ہیں ــــ اور روحوں کی روحوں سے ملاقات ہوتی ہے ــــ انسانی شعور کی یہ ایسی معراج ہے جس کی لطیف
سیر صرف روحوں ہی کے لئے ممکن ہے۔ اجسام کا واسطہ برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔

بایں ہمہ خط ملاقات ہی کا نمائندہ ہوتا ہے جو زبان بے زبانی ان سب جذبات لطیف اور واردات نازک

کرتا ہے جو ملاقات سے وابستہ ہوتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ خط میں "رویت" کے باوجود کامل تخلیہ موجود ہوتا ہے چونکہ خط
صورتاً باہم بات چیت کا بدل ہوتے ہیں اس لئے ان میں اچھی گفتگو کے ضروری صفات ضرور ہونے چاہئیں۔ گفتگو سے میری مراد
مکالمہ یعنی ڈرامہ کے دو کرداروں کی بات چیت نہیں محض گفتگو اور بول چال کے انداز بھی کافی ہیں۔ یہ جو غالب کے یہاں (جن کو میں دنیا
کے سب سے اونچے خط نگاروں میں سے سمجھتا ہوں) دو کرداروں کا مکالمہ ہے۔ یہ غالب کی مکتوب نگاری کا صرف ایک پہلو ہے ——
اور وہ بھی ایسا نہیں جس پر ان کی مکتوب نگاری کے حسن کی اساس قائم ہو —— یہ تو محض ان کی طبعِ تنوع پسند کا ایک کرشمہ ہے ——
یہ خطا تو ہے

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

غرض اچھے خط کے لئے رسمی مکالمہ ضروری نہیں صرف بول چال کی سی بے تکلفی مطلوب ہے —— غالب نے مکالمہ والے
خطوں میں اپنے مکتوب الیہ کو اپنے سامنے موجود فرض کیا ہے مگر ایک خاص حد سے زیادہ یہ مکالماتی انداز تکلف اور تصنع میں بدل جاتا
ہے۔ خط کی نچلی سطح میں یہ احساس ضرور موجود رہنا چاہیے کہ باہم جسمانی فاصلہ موجود ہے کیونکہ انسانی روح جس قدر قربت کی مشتاق ہے
اسی قدر اس کو فرقت اور مسافت میں بھی خیال انگیز مگر ذرا ذرا المناک سا لطف ملتا ہے —— مکالمہ کی غیر معتدل صورت سے جہاں ایک
ڈرامائی مصنوعیت کا لطف پیدا ہوتا ہے۔ وہاں احساس دوری کا فقدان لطف سے محروم بھی کر سکتا ہے خط کی تخیلی فضا میں قدرے بُعد
کا احساس ہونا چاہیئے۔ یعنی دل سے نزدیک ہونے کے باوجود دوری! ——

باوجودیکہ دل سے ہے نزدیک
تم دوری چلے ہیں ہم سے مگر

دل سے نزدیک، پھر بھی دور آنکھوں سے دور پھر بھی نزدیک! یہ خط کی اصل فضا ہے اس میں حد سے متجاوز عملی مکالمہ
ہو تو تصنع کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

میں نے گزشتہ سطور میں خط کو ملاقات کی ارفع صورت قرار دیا ہے —— مگر یہ یاد رہے کہ یہ ہے پھر بھی ملاقات ——
کوئی خط مکمل طور پر حسین تبھی بنتا ہے جب اس میں ملاقات کی جملہ صفات اور اس کے جملہ اثرات موجود ہوں ورنہ عین ممکن بلکہ یقینی
ہے کہ نصف الملاقات تو کیا خط ارذل الملاقات کے درجے سے بھی گر جائے —— اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ خط
مکتوب نگار کی شخصیت کا آئینہ دار ہو۔ کوئی خط دل کے سچے جذبات کو نہیں ابھار سکتا اگر اس میں مکتوب نگار کی متحرک تصویر منعکس نہ
ہوگی۔ خصوصاً اگر انسانی شبیہ کے سب سے بڑے ترجمان چشم و ابرو اس میں برائے العین نظر نہ آئیں گے۔ اس آخری صورت میں صرف
مجرد نوشتوں کی طرح لمبے جذبات اور سراپا لفظی جمادات کی صورت اختیار کر لیں گے اور یہ نکتہ مکتوب نگاری کے اسرار و رموز کے
شناسا مرزا غالب کی نظر میں بھی تھا۔ تبھی تو انہوں نے اپنے محبوب کو اپنے مکتوب کے ساتھ اپنی آنکھ کی تصویر بھی بھیجی تھی تاکہ مکتوب
الیہ کاتب خط کی پوری شخصیت کا عکس اس آنکھ کے آئینے میں عملاً دیکھ سکے۔ مندرجہ ذیل شعر میں یہ حقیقت بڑے دلکش

انداز میں بیان ہوئی ہے ؎

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
اس پہ کھل جائے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

مگر یہ یاد رہے کہ آنکھ کی تصویر بھیج کر غالب نے قدرے اضطراب کا اظہار کیا ہے ورنہ دراصل کامیاب خطاس کا ضرورت مند نہیں ہوتا — خط کے حروف و اشکال اور الفاظ و عبارات خود ہی کاتب کی شبیہہ کی قائم مقامی کر سکتی ہیں۔ شاید کسی تاثر کے ماتحت کسی نے یہ شعر کہا ہوگا ؎

ہائے رے حسرتِ دیدار کہ اس جاتے کو بھی
لکھتے ہیں واسطے دو چشمی سے کتابت والے

ہر حسین خط کاتبِ خط کی پوری شخصیت کا ترجمان ہوتا ہے۔ تبھی تو وہ بے زبانی کے باوجود — اور ظاہری ا سے بہت دور رہ کر بھی احسن الملاقات کا درجہ حاصل کر پاتا ہے۔ ورنہ پہاڑ کی گونج کی طرح محض حروف اور سراسیمگی یا ابہام رہ کر بے اثر ہو جائے گا اور ملاقات کی جذباتی تاثیر پیدا کرنے سے قاصر رہے گا۔

اچھے خطوں کے سلسلے میں بڑی بنیادی چیز ان کی لطافت ہے۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے خط نگار گزرے ہیں (جن نے فن کا مرتبہ حاصل کیا ہے) ان کے خطوں کے مطالعہ و جائزے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی دلکشی کا بہت بڑا سبب یہ میں ثقل اور بوجھ مطلقاً موجود نہیں — یہاں ثقل لفظی بھی مراد ہے، مگر زیادہ زور معنی و مدعا کے ثقل پر ہے — خط کا مدعا ہو۔ غم و الم، تلخی و ترشی، شکوہ و شکایت، تمنائے وصل یا شکوۂ ہجر — یہاں تک کہ ضروریاتِ زندگی کے مادی پہلوؤں کی بات بھی اچھے خط نگاروں کے یہاں کچھ ایسے لطیف انداز میں بیان ہوتی ہے کہ ایصالِ مدعا کے بعد ایک لطیف کیفیت زائد ہو جاتی ہے اور یہ کمال لہجے کا بھی ہے اور اندازِ طبیعت کا بھی مگر اس میں شخصیت کے رچاؤ، مزاج کی پختگی اور اندازِ حیات کے رنگ کو بھی دخل نہیں۔

اس لحاظ سے جو شے خط کی لطافت کو سخت نقصان پہنچاتی ہے وہ ہے جذباتیت کا اظہار — اسی وجہ خط نگاروں کے عاشقانہ خط فنی رتبہ حاصل نہیں کر پاتے۔ شبلی کسی پر عاشق تھے یا نہ تھے مگر یہ تسلیم ہے کہ ان کے وا [illegible] میں عاشقانہ خط ہی ہیں اور قدرے جذباتی بھی ہیں۔ مگر ان کے لہجے اور ان کی شخصیت کے لطف پرور حسن نے بڑا سہارا دیا ہے۔ سبب یہ کہ شبلی خطاطی میں توازن اور لطافت کے اصول سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ وہ غالب کی طرح ہجر میں مزے لینے کی استعداد سے بھی بہرہ مند ہیں۔ شبلی اُن شدید جذباتی ہچکولوں سے اکثر بچتے ہیں جن کے جھٹکے بعض اوقات لطافت کو زیر و زبر کر دیتے ہیں۔ اچھے عاشقانہ خط وہ ہوتے ہیں جن میں جذباتیت اور ہیجان کے جھٹکے نہ ہوں۔ مگر یہ چیز ر ہے جو لوگ طبعاً جذبات پرست ہیں وہ سخت ریاضت کے بغیر اس لطافت کو نہیں پہنچ سکتے جو اچھی خط نگاری کی معراج کیٹس بہت بڑا شاعر ہے اس نے جو خط فینی براؤن کو لکھے تھے وہ شورش انگیز ہونے کے باوجود معیاری

ے سوانح نگاروں نے ان خطوں کی تعریف بھی کی ہے مگر یہ رائے تامل کے بعد ہی تسلیم کرنے کے قابل ہے۔ ان کے سوانح نگاروں کی
ف سے یہ تعریف دو وجہ سے ہے ایک تو اس لئے کہ کیٹس کے خطاہی دوسرے اس وجہ سے کہ کیٹس کی پرشور جذباتی شخصیت پر یہ خطا
بہت روشنی ڈالتے ہیں اس کے سوانح اور اس کی نفسیات کو سمجھنے میں بہت مدد دیتے ہیں ——— اگر یہ صحیح ہے تو ان خطوں کی یہ تعریف
ان کے فن کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ ان کے سوانحی افادے کے سبب سے ہے۔ اگر محض عاشقانہ فریاد ہی کسی خط کے عمدہ ہونے کی
علامت ہے تو پھر ہر عاشق کا ہر خط ایک صحیفۂ فائقہ بن سکنے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

یہی حال افسانوی خطوں کا ہے ——— بعض افسانوں کے خط واقعی معیاری ہوتے ہیں مگر افسانہ نگار نفسی کوائف کا غواص اور
تماشائی کامل ہو کر بھی افسانہ نگار ہی رہتا ہے اور لہٰذا کم خطوں میں وہ قائم مقام ہی رہتا ہے اصل خط نگار تو نہیں بن جاتا۔ ان خطوں میں جذبات
کی قائم مقامی کامیاب بھی ہو تب بھی یہ شخصی خط نگاری کا بدل نہیں بن سکتی۔ ایسی خط نگاری میں قدرے غیر فطری پن ضرور در آتا ہے
منشی عبدالغفار کے "لیلیٰ کے خطوط" اپنی رومانی جذباتی چاشنی کے باوجود اور سب کچھ ہو سکتے ہیں کامیاب خط نہیں کہے جا سکتے۔

خطوں کے متعلق پروفیسر رشید احمد صدیقی کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ بہترین خط وہ ہوتے ہیں جو پڑھ کر پھاڑ
دیئے جاتے ہیں ——— میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت استاد رشید نے پڑھ کر پھاڑ دیئے کو کن وجوہ سے اہمیت دی ہے ——— مگر میں
یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کسی حسین خط کو پھاڑ کر پھینک دینے کی ہمت ہی کب ہو سکتی ہے ——— جو خط پڑھ کر پھاڑ دیئے جاتے ہیں۔
وہ شاید ہوتے ہی اس قابل ہیں کہ پڑھ کر (یا بعض اوقات بغیر پڑھے ہی) پھاڑ کر پھینک دیئے جائیں ——— جن چیزوں کو اصلی قرار
دیا ہے وہ تہذیب نفس اور حسن کلام کا غیر معمولی آمیزہ ہوتا ہے۔ اس میں سلیقہ اور شائستگی (نفاست طبع اور لطافت قلم) کا ایسا
عمدہ امتزاج ہوتا ہے کہ کوئی بے دردی ان کو پھاڑنے کی جرأت کر سکے گا ——— خط جو پھاڑے جانے کے قابل ہوتے ہیں
ان میں ہیجان و طغیانِ جذبات کا اظہار ہوا ہو اس میں شوق کی بلند بالی یا بے نیازی کا جو تقاضا ہو گا وہ اپنی جگہ درست مگر شوق کے
یہ شعور انگیز انداز اصلی خطوں کے معیار کو متزلزل کر دیتے ہیں۔ اسی سبب سے اکثر عاشقانہ مکاتیب ناکام رہتے ہیں اور ان میں ادبیت
کا رنگ نکھرنے نہیں پاتا۔

مقصود یہ کہ محض عاشقانہ جذبات کے اظہار سے کوئی خط اصلی خط نہیں بن سکتا ——— عاشقانہ جذبات کے ساتھ
ساتھ لطافت و توازن کی بھی ضرورت ہے عموماً یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض بڑے بڑے ادیب خط نگاری میں ناکام رہے ہیں۔ اس
کے بہت سے اسباب ہیں۔ ایک تو یہی کہ اکثر بڑے ادیب اپنے مخصوص فن میں اس درجہ منہمک رہتے ہیں کہ خط نگاری کے
معاملے میں کوتاہ قلم سے ہوتے ہیں۔ پھر خط نگاری کا میدان بظاہر تنگ ہے ——— ان کو اس کے ادبی امکانات بھی کچھ زیادہ
نظر نہیں آتے ایک "پرزۂ کاغذ" ——— چند سطریں ——— اور وہ بھی اصولاً کاروباری سی۔ غرض خط کی ہستی بظاہر اتنی حقیر نظر آتی
ہے کہ اس کو اپنی ریاضت و استعداد کا تختۂ مشق بنانے کی کسی اعلیٰ ادیب کو ہمت ہی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ خط کی کچھ اور
مشکلات بھی ہیں۔ اول تو ایک عام خط اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایجاز و اختصار کا متقاضی ہوتا ہے۔ خط ایک مختصر صنف
تحریر ہے اور اس کا حسن اس کے اختصار میں نکھرتا ہے۔ لمبا خط لمبی غزل کی طرح بے کیف ہو جاتا ہے خط نگاری میں طول کلام

عیب ہی نہیں تضیع وقت بھی ہے۔ اس لحاظ سے ادیب کے واسطے میں مشکلات کم ہیں مگر خط لکھنے کے لئے مناسب فرصت کی بہرحال ضرورت ہے اور غالب کی سی خط نگاری تو کم فرصت آدمی کر ہی نہیں سکتا اور کامیاب خط نگاری بھی کم فرصت آدمی سے کبھی دل نہیں لگاتی پھر مزاج و طبیعت کا بھی سوال ہے خواہ کسی کا خط دو سطروں پر مشتمل ہی کیوں نہ ہو مگر طبعی طور پر جو شخص خط نگاری کے لئے سازگار رجحان نہیں رکھتا یا خط کے فن کو خط کے شوق سے تاکہ اس کے لئے وقت نہیں نکال سکتا اس کے خط لکھے ہوتے نہیں ہوتے "گھسیٹے" ہوتے ہیں ان کو خط نہیں کہا جا سکتا یہ کوئی لیبیب ہی ہو گا یا کوئی غالب جو خط کو کاروباری رسید بھی بنائے گا اور مشغلۂ فن بھی ـــــ جو شخص بھی خط کو گھسیٹنے کی چیز نہیں بلکہ لکھنے کی چیز سمجھ کر لکھے گا اس کے خط بہار دانش بھی بنے لیں گے اور گلدستۂ مسرت بھی! غالب نے تو غزل کی طرح خط کو بھی ایک ادبی مشغلہ بنا لیا تھا ـــــ اس کے خط انہیں تقاضوں سے پیدا ہوتے تھے۔ جن سے ان کی غزل پیدا ہوئی۔ غالب نے اپنے نظام زندگی میں خط کو بھی وہی درجہ اور رتبہ دے رکھا تھا جو اس نے اپنی غزل کو دیا ہوا تھا۔ خط نویسی کا یہی شوق تھا۔ جو خارجی محرکات سے آزاد ہو کر ان کے لئے ایک داخلی تجربہ سا بن گیا تھا اور وہ کہا کرتے تھے ؎

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

اور بعض اوقات تو یہ داخلی تجربہ بالکل ایک طرز جبر بن جاتی تھی مگر خامہ فرسائی کا ذوق ان سے کہے جاتا تھا کہ ہاں اور ـــــ کہ ہاں اور ؎

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا

خلاصۂ کلام یہ کہ خط بڑا ہی نازک فن ہے یہ کاریگری بھی ہے اور آئینہ سازی بھی ـــــ یہ مختصر اور محدود بھی اور وسیع و بے کراں بھی ہے یہ حد سے زیادہ شخصی بھی ہے مگر اس کے باوجود آفاقی اور اجتماعی بھی ـــــ اس میں دانش بھی ہے اور بینش بھی بظاہر کچھ بھی نہیں مگر اس کا ہر ورق پھر بھی دفتر ہے معرفت کردگار اور معرفت انسان دونوں کا ـــــ یہ لکھنے والے کے لئے تو محض عرضِ سخن ہے۔ مگر پڑھنے والے کے لئے گنجینۂ فن بھی ہو سکتا ہے ـــــ غرض خط ایک جہان راز ہے جس کے نازک سربستہ رموز تو سینوں کو گھر بنائے معنی کے دفینے بنا دیں اور آشکار ہو جائیں تو جذبے کی ساری دنیا مشکبار بن جاتے۔

دنیا بھر کے مجموعہ ہائے خطوط کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ وہی خط دیرپا اور مستقل ادبی اہمیت اختیار کر سکتے ہیں جن میں طبع انسانی کے بنیادی ذوق کی تشفی کے وسیع تر سامان موجود ہیں۔ خط یوں تو دو چار باتوں کا نام ہے مگر چونکہ خط کا ہیولیٰ فن اور شخصیت دونوں سے مل کر تیار ہوتا ہے لہٰذا مستقل شہکار بننے کے لئے دانش و بینش کے جوہر کے علاوہ خط میں کچھ وہ چیز بھی ضروری ہے جس کو آدمیت کا رنگ آشنائی کہا جا سکتا ہے تاکہ ہر مطالعہ کرنے والے کو یہ محسوس ہو کہ کسی خط میں کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن سے اس کی روح مانوس اور آشنا ہے ـــــ یہی وہ روحانی آشنائی ہے جو ہر اونچے ادب کو زمان و مکان کی حدود

پیش کرتی ہے۔ خطوں میں بھی یہی روحانی آشنائی مطلوب ہے یہ وہی شے ہے جسے انگریزی خطوط کے ایک ایڈیٹر نے Freindliness
سے تعبیر کیا ہے [1] یہ رنگ آشنائی دنیا کے بڑے بڑے خطا نگاروں کے مکاتیب میں ہر جگہ موجود ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا خط اپنے بنیادی غرض و غایت کے اعتبار سے ایک کاروباری چیز ہے یہ ایک مادی ذریعہ ہے
دن کا جیسے مثلاً تار یا ٹیلیفون وغیرہ وغیرہ ۔۔۔ مگر ذہن انسانی نے اس کو تہذیب و تکمیل کے اس درجے پر پہنچا دیا ہے
کہ اب یہ خود ایک فن بھی بن گیا ہے بلکہ اپنے خاص اعلیٰ سطح سے بلند تر اور وسیع تر ہو کر اس کے بہترین حصوں نے بلند ترین ادب میں
مقام حاصل کر لیا ہے ۔۔۔ چنانچہ ادب کی تاریخ میں اصل خط بھی ادبی شاہکاروں کے پہلو بہ پہلو رکھے گئے ہیں ۔۔۔ مگر اسلامی
تہذیب و تمدن والے خطا نگاری کو اس سے بھی زیادہ اہمیت رہی ہے مسلمانوں نے خط کو شائستگی اور اعلیٰ طرز زندگی کے زاویے سے
دیکھا ہے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ جو شخص خط کے فن کا ماہر ہے وہ تہذیب کی روح کا حقیقی شناور بھی ہے۔ مسلمان
متوسط لے مقصد۔ تھا اس سے ۔ حاصل ان کی اجتماعی نفسیات کے بعض دلکش پہلوؤں کی نقاب کشائی ہوتی ہے انہوں نے
ادوار سے جو دلچسپی لی ہے وہ ان کے بعض بنیادی ذہنی رجحانات اور اساسی روحانی اقدار کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ مسلمانوں
کو غیب اور غیب الغیب سے جو گہری دلچسپی رہی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ یومنون بالغیب کا ارشاد قرآنی ان کے لئے نادیدہ روابط
قراری و تعلق کا ایک بڑا سرچشمہ تھا۔ یعنی نہ دیکھنے کے باوجود ایک برتر ہستی کا یقین کامل تھا ان کے اس قلبی روحانی امر
و تعلق نے اسلامی فکریات کے اکثر شعبوں کو بے حد متاثر کیا ہے اور اسی سے ان کے یہاں بعض خاص افکار و نظریات کی
اہم ہوتی وہ گویا اپنی تربیت اور ذہن کے اعتبار سے کسی غائب از نظر ہستی یا شخص سے رابطہ رکھنے کی داخلی صلاحیت کے مالک تھے
و کتابت بھی ایک ایسا ہی عمل ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے گزشتہ ادبیات میں خطوط و مکاتیب کے وسیع ذخیرے موجود ہیں اور ان کے
ترسل ایک عظیم علم کا درجہ رکھتا ہے جس کے اصول و معانی پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس موقع پر قدیم خطا نگاری پر مفصل تبصرہ
ضرورت ہے مگر چند اہم رسوم و شرائط کا تذکرہ بے محل نہیں ہوگا ۔۔۔ فن میں سب سے پہلے صورت کا سوال آتا ہے پرانی خطا نگاری
ت کے حسن و جمال پر بڑا اصرار کیا جاتا رہا ہے اس کے مختلف اجزا کی خوبصورتی، مناسبت اور دلکشی کے لئے خاص اہتمام
جاتے تھے (سادہ اور رنگین خطوں دونوں میں) سب سے پہلے مثلاً سرنامے کی جستجو ہوتی تھی عنوان کی مناسبت اور سرنامے کی
نیت کا بڑا خیال کیا جاتا تھا۔ موجودہ زمانے کے بعض لوگ بعض اوقات پرانے طریقے کے سرناموں کا استخفاف کرتے ہیں غالباً
طرح اور سبب خیال میں! لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مناسب سرنامے کی تلاش کوئی بری بات نہیں اس سے
پہلا اثر تو خوشگوار ہو جاتا ہے خطا نگاری کے اس پہلے اصول سے بے اعتنائی کا ایک بڑا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جدید زمانے میں
بلکہ بعض اوقات پڑھے لکھے لوگ بھی خط کے آداب سے نہیں جانتے۔ در حقیقت خطوں میں جو شئی ذوقی فرق مراتب، ادب و احترام
جو درجے کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تو سبب اس کا یہ ہے کہ اب لوگ اس تربیت سے محروم ہو گئے ہیں جو پرانے زمانے میں

1. The personal Art - Edited by Philip Wayne

اور مکاتیب کے لئے ضروری سمجھی جاتی تھی بہرحال القاب، سرنامے اور خطاب کا سوال بڑا اہم سوال ہے۔ جب اسی میں فرقِ مراتب ملحوظ نہ رہا تو جذبات اور احساسات کے وہ گوناگوں اور لطیف و نازک رنگ کس طرح باقی رہ سکتے ہیں، جو کسی قاعدہ دان، مہذب اور شائستہ سوسائٹی میں وہ خود بخود نکھر آتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ آج بھی معاشرت کی بہار انہی رنگ برنگ پھولوں اور گلوں سے فروزاں ہے یہ صحیح ہے کہ قدیم خط نگاری میں رفتہ رفتہ القاب کی یہ رسم تکلفات و لغویت کے دائرے میں داخل ہو گئی تھی مگر موجودہ بے رنگی اور فرقِ مراتب سے بے نیازی بھی بعض اوقات بد خلقی اور درشتی تک جا پہنچتی ہے ـــ میرے نزدیک یہ چیز یا تو تہذیبی مزاج کے بگاڑ کا نتیجہ ہے یا استعداد و لیاقت کی کمی کا ـــ صورت جو بھی ہے بے ربطی عنوان مکتوب نگار کی ذہنی ابتری اور نفسی خلفشار کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

غرض خط میں خاص اسالیب اور موزوں القاب و آداب و تخاطب و کلام کی مختلف صورتوں کا لحاظ ہی خط کو برقی پیغام یا وائرلیس کی چیستانی گفتگو سے فائق تر اور ممتاز تر بناتا ہے۔ ان آداب و رسوم سے خط کے وقار اور حسن میں اضافہ ہوتا ہے بشرطیکہ ان میں سادگی اور خلوص کو برتا جائے محض کاروباری سا انداز یا خشکی کے علاوہ خط کو اس کی سپرٹ سے بھی محروم کر دیتا ہے جو کاتب خط سے منظور ہے۔

مشرقی خط نگاری کی تاریخ میں حسن صورت کے لئے کیا کیا کچھ اہتمام کئے جاتے تھے اس کی سرگزشت بہت طویل ہے۔ یہ سرگزشت بھی دراصل تہذیب کے مختلف ادوار کی تمدنی مزاج کی تفصیل سے وابستہ ہے ـــ مجھے خطوط کے مختلف ارتقائی ادوار میں عجیب عجیب تبدیلیاں رونما ہوتی نظر آتی ہیں اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداً خط نگاری میں سادگی، ایجاز و اختصار، مدعا نگاری خلوص اور مناسبت و موزونیت کے اوصاف کو خاص اہمیت دی جاتی تھی مگر تہذیب میں تکلف کا رنگ جتنا جتنا بڑھتا گیا اسی قدر خطوں میں بھی تکلف اور رنگینی کا عنصر زیادہ ہوتا گیا۔ طویل سرنامے۔ لمبے القاب و آداب طرزِ تخاطب میں بناوٹ اور تصنع اور "دفتریت" کے انداز نمایاں ہونے گئے ـــ جن کا خاتمہ اس اسلوب پر ہوا جس کو غالب نے "محمد شاہی روشوں" کا نام دیا ہے یہ روش دراصل محمد شاہ کے زمانے تک محدود نہیں بلکہ اس کا سلسلہ عربی ادب کے "دورِ مصنوعیت" سے جا ملتا ہے جس کے اثر میں کم و بیش سارا ہی فارسی انشائی ادب مدتوں ڈوبا رہا ـــ مصنوعیت کا ایک سبب دفتریت کا غلبہ تھا جس نے خط نگاری کو بری طرح متاثر اور مجروح کیا اور اس کو بے جا تکلف کے راستوں پر ڈال دیا ـــ گویا عام خط نگاری بھی "ترسل" (دفتری انشا) کی غلام ہو کر رہ گئی ـــ خط ایک نجی، شخصی و کاروباری چیز نہ رہی بلکہ رنگین نثر کی ایک شاخ بن گئی۔

ہندوستان کے فارسی ادب میں ترسل کا اولین ممتاز ہدایت نامہ اعجازِ خسروی ہے۔ یہ بھی سادگی سے زیادہ تکلف اور رنگینی ہی کی تحریک کرتا ہے ـــ کلام میں (بشمول خط) نمکینی کو بڑی اہمیت دیتا ہے ـــ اور کہتا ہے کہ نمکینی کا ذائقہ ترکوں کو خاص طور سے عطا ہوا ہے مگر یہ نمکینی بھی ایک خاص مرحلے کے بعد صنائع بدائع کی رنگینیوں میں ڈوب جاتی ہے ـــ خسرو کے بعد فنِ انشا کے اکثر ماہرین اسی رنگینی سے متاثر رہے البتہ ابوالفضل نے خط نگاری کو ایک نئے انداز سے آشنا کیا جس کو رنگین تو نہیں کہا جا سکتا۔ مگر اس کو دقیق اور پیچیدہ ضرور کہا جا سکتا ہے اور ہر چند کہ اس کے نجی خطوط جو اس کی انشا کے

دوسرے دفتر میں ہیں سرکاری، دفتری خطوں سے سہل تر ہیں مگر ان کے رفیق ہونے میں شک نہیں ان میں گہرا انفرادی رنگ پایا جاتا ہے لیکن ہیں بناوٹ بالکل موجود نہیں وہ ابوالفضل کی عظیم شخصیت کے قلم سے نکلے ہیں۔ اور شخصی جزئیات و معاملات کا کثیر عنصر ان میں پایا جاتا ہے اسی لئے ابوالفضل کے خطوط ادب العالیہ میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ فارسی میں اور بھی بڑے بڑے انشا پرداز خط نگار ہوگزرے ہیں مگر یہ مضمون چونکہ اردو خط نگاری سے متعلق ہے اس لئے اس میں ان سب کے تذکرے اور تبصرے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔۔۔ سرسری طور پر البتہ اورنگ زیب عالمگیر اور چندر بھان برہمن کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا جن کا تعلق ہندوستان کی خاک ہی سے ہے۔ ان دونوں مکتوب نگاروں کی خط نگاری کا امتیاز خاص یہ ہے کہ ان میں سادگی، سلامت اور مدعا نگاری کا عنصر بھی ہے اور ان میں مکتوب نگار کی شخصیت کا انفرادی رنگ بھی پایا جاتا ہے خصوصاً اورنگ زیب کے خطوط تو ادب میں بدیں وجہ خاص مقام رکھتے ہیں کہ ان میں مدعا نویسی کے باوجود ادبی شان اور بلاغت کا کمال پایا جاتا ہے۔ برہمن کے خطوں کی بات یہ ہے کہ تکلف اور رنگینی کے رواج عام کے باوجود اس نے خطوں میں سادگی اور مدعا نگاری کو مقدم رکھا اس کے علاوہ اس کی انشا میں معصوم، نرم و ملائم اور مہذب و شائستہ لہجے کی چاشنی ہے ۔۔۔ خط کے فن پر اس کو خاص قدرت معلوم ہوتی ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں جب فارسی کی کاروباری حیثیت کو زوال ہوا اور اردو نے اس کی جگہ لے لی تو اردو میں مراسلت کا رواج زیادہ ہو کر بڑھتا گیا اور اب عام خط و کتابت انگریزی کے علاوہ اردو ہی میں کی جاتی ہے۔

اردو خط نگاری کا اولیں دور فارسی انداز سے متاثر تھا ۔۔۔ وہی القاب و آداب، وہی سرنامے، وہی عنوان، وہی خاتمے، وہی رنگ انشا، وہی دوری تکلف، وہی رنگینی مگر انیسویں صدی کے ربع اول میں سادگی کا کچھ کچھ میلان پیدا ہو چلا تھا جو رسالے کے تجربے سے ظاہر ہوتا ہے ۔۔۔ نئی طرز کی ایجاد کا سہرا صحیح معنوں میں غالب کے سر ہے ۱۸۴۹ء کے لگ بھگ انہوں نے نئے انداز میں خط لکھ کر اردو میں نہ صرف مکتوب نگاری کی طرز نو نکالی بلکہ خود اردو نثر کو بھی ایک بدیع طرز نگارش سے آشنا کیا۔

مرزا غالب کے خطوط اردو خط نگاری کی تاریخ میں منفرد امتیازات کے حامل ہیں۔ ان میں مرزا کا رنگ طبیعت بلکہ اور پرائیویٹ زندگی کے انعکاسات بھی شعاع ریزی کر رہے ہیں ۔۔۔ اس سے پہلے خطوں میں خلوت کی زندگی کے اشارات بھی آتے بھی تھے تو چیستان اور معمّے کی زبان میں آتے تھے ۔۔۔ اس کے باوجود ایسے خط شاید ہی کبھی محفوظ رکھے گئے ہوں گے، یا کسی کی بھی زندگی کا کوئی ایسا پہلو آتا ہوگا جو قابل اخفا ہو ۔۔۔ مرزا غالب نے اس رسم کو ترک کر کے اپنی زندگی ہی میں اپنے خطوط شائع ہوتے دیکھے اور ان میں دلچسپی لی۔ یہ وہ خط تھے جن میں ذاتی معاملات اور عام مطالب کے علاوہ ان کی زندگی کے ہر قسم کے حالات ملتے ہیں یہاں تک کہ ان کی مے نوشی اور عشق بازی کے تذکرے بھی آئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں اس طرح کے اعترافات گناہ نہیں پائے جاتے جس طرح مثلاً ہم مغرب کے بعض لوگوں کے خطوں میں دیکھتے ہیں پھر پردہ داریوں کے اس دور میں مراسلت کی یہ "بے پردگی" بھی بڑی جرأت کی بات ہے۔ غالب کے اکثر خطوط کاروباری، معاملاتی تحریک سے زیادہ خط نگاری کے ذوق سے لکھے گئے ہیں ۔۔۔ ان کے خطوں میں ہم کلامی کی وہ بے کلاں آرزو موجزن ہے جو کسی طور تسکین نہیں پاتی اور ایسا

دور بیٹھا غبار میرؔ ان سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

ان کے عام خط تو علمی و تنقیدی موضوعوں پر ہیں مگر جہاں اپنائیت اور شفقت و محبت کا رنگ ہے وہاں بھی قدرے بالادستی کا انداز ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ شبلیؔ کی بالادستیاں بھی کچھ بھلی بھلی محسوس ہوتی ہیں — پھر ان کے خطوں میں خصوصیت زیادہ ہے۔ مکتوب الیہ کے متعلق خاص باتیں زیادہ ہوتی ہیں اس لئے عمومی انداز میں وہ رہے لوگوں کو ان کے مطالعہ سے بنیادی انسانی رفاقتوں کی مسرتیں ذرا کم ہی میسر آتی ہیں مگر خطوں کی زمین اتنی ملائم اور شاداب ہوتی ہے کہ سارا خط ایک قطعۂ چمن معلوم ہوتا ہے۔ مخاطب کے ذوقی تقاضے بھی اتنے مدنظر رہتے ہیں کہ خط میں مکتوب الیہ کے لئے تلخی بھی ہو تو بھی اس کے لئے بڑے مزے ہیں — بعض بزرگوں نے خطوط شبلی کو چھاپ کر شبلیؔ کی اخلاقی کمزوری کا ثبوت بہم پہنچایا ہے مگر یہ بھول گئے کہ بھید کھلنے کا ایک خاص مذاق ہوتا ہے یہ شبلی کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو زمانہ اچھا ملا — کیونکہ موجودہ زمانے کو تو شبلیؔ کی یہ ادا کچھ اور بھی اچھی لگی بالفرض اگر کوئی اور زمانہ ہوتا تو شاید شبلیؔ کے یہ راز ان کی رسوائی کا سامان بنتے یا بناتے جاتے — مگر اس دور میں تو یہ بے نقابیاں اور بے حجابیاں رنگین مزاج شبلیؔ کے قصے کو کچھ اور بھی رنگین بنا گئیں؛ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ خط نہ بھی چھپتے تو بھی شبلیؔ کی جذباتی تشنگی کے راز تو "شعر العجم" کے انداز بیان سے ہی کھل جاتے ہیں، اس لئے "شعر العجم" کا مصنف اگر خطوط شبلیؔ کا ہیرو بھی نکلا تو چنداں تعجب نہ ہوا۔

گرچہ تھی طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

سرسید کے گروہ میں حالیؔ کے خطوط بھی ان کی سادہ اور متوازن شخصیت کے آئینہ دار ہیں ان کے خطوط میں خوش مذاقی اور مدعا نگاری کا پرلطف آمیزہ موجود ہے ان میں شخصی ادعا کم ہے۔ مکتوب الیہ کا لحاظ زیادہ نمایاں ہے۔ حالیؔ کے خط ان کی ذات سے زیادہ ان کے مکتوب الیہ کے حالات اور ذہنی کوائف پر روشنی ڈالتے ہیں۔ صاف بیانی اور قطعیت، سادگی کے ساتھ آمیز ہو کر ان کے خطوط کو معنی دار بنا دیتے ہیں — بعض فاضل ناقدوں نے حالیؔ کے مزاج کی خشکی کا گلہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے خط پڑھ کر مکتوب الیہ کو اطمینان بخش پیغام تو مل جاتا ہے مگر دل میں جوش پیدا نہیں ہوتا — لیکن اس سے انکار نہ ہوگا کہ حالی کے خطوں کے مطالعہ سے طبعی کشادگی اور وسعت کی ایک فضا ضرور پیدا ہوتی ہے — ان کے خط دو آدمیوں کی ذاتی ملکیت تک محدود نہیں رہتے بلکہ وہ نفع عام ذوق عام کی چیز بن جاتے ہیں — حالیؔ کے خط دراصل سرسید کی طرح محض مقصد کے جذبے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں غالبؔ کی سی آرزو مندی، ہم کلامی اور شبلیؔ کا سا جوش حیات نہیں جس کا ظہور رفاقتوں کے جذبات اور تقاضوں کی آبیاری سے ہوتا ہے حالیؔ کی زندگی ہی ایک ایسی جوئے نرم رو سے مشابہ ہے جس کی موسیقی کی دھنیں خاصا نرم اور دھیمی رہی ہیں۔ حالیؔ کے مزاج کا تنزل ان کے خطوں میں کم منعکس ہوا ہے۔ ان کے یہاں خود نمائی نہیں — ان کے خطوں میں حقیقت کی پرخلوص سادہ بیانی ہے — انہوں نے خط کو نہ فن کا تماشا بنایا ہے نہ سخن کا پردہ یعنی ان کے خط نہ فن ہیں نہ

سخن مختصر خط میں بھی اپنا اصلی فرض (مدعا کا ابلاغ) نہایت اچھی طرح انجام دیتے ہیں، اور اس سے زیادہ حالی کا ان سے کوئی مطالبہ بھی نہیں، نہ ہم اس سے زیادہ ان سے کوئی مطالبہ کر سکتے ہیں۔

سرسید کے زمانے سے لے کر ۱۹۱۲ء تک کے دور تک کے کئی اکابر کے مکاتیب مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں ہر رنگ کے لکھنے والے اور ہر مزاج کے خط نگار سامنے آتے ہیں۔ ان میں داغ دہلوی، امیر مینائی، شوق قدوائی، ریاض خیرآبادی، سید ناصر علی وغیرہ کے خطوں میں جدا جدا لذتیں اور جدا جدا مسرتیں مخفی ہیں۔ ان میں سے بعض ادبیت پر زور دیتے ہیں، بعض شخصی جزئیات کے ابلاغ کو مدِ نظر رکھے رہتے ہیں، بعض مکتوب الیہ کے پاس خاطر اور دل جوئی کو سالی ہر شے پر مقدم جانتے ہیں۔ ان سب میں ایک خصوصیت مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان سب میں رنگِ قدیم کی جھلک نظر آتی ہے۔ یعنی ذرا ذرا تکلف زیبائش و آرائش کا خاص خیال، شخصی جزئیات کو گراں بی ذوق کی زیادہ احتیاط، شعر کا برمحل مگر فراواں استعمال، مکتوب الیہ کے رتبے کا خاص لحاظ اور اس سے زیادہ اس کی دلداری اور فرحت کا خیال، پھر یہ خاص کوشش کہ خط کا کوئی لفظ نوکِ خار یا ترکِ صورت کی سوئی تک بھی چبھ نہ جائے ——— اور یہ قدیم مجلسی اخلاق کا بنیادی عقیدہ تھا ——— ؎

اگرچہ خطا بینی بہ بخشند
زمین ہیچ کس عاجز تر از خویش

اس دور میں البتہ القاب و آداب میں سادہ رنگ آگیا ہے یعنی ان میں اختصار ملحوظ ہے اور اغلاقاً بھی کبھی کبھی بس حد مناسب کے اندر ہی۔ امیر مینائی اپنے مختصر القاب میں کبھی کبھی سجع و قافیہ کا اہتمام کرتے ہیں، مگر پر لطف طریقے سے مثلاً سعادت ضمیر، پیارے ضمیر یا عزیز از جان من، منشی ضمیر حسن وغیرہ۔

اس دور کے خط نگاروں میں ریاض خیرآبادی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ——— ریاض کے خطوں میں ان کی اپنی شخصیت کے داخلی رنگ کھلتے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں غالب کی سی بو باس ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"سرکار کی طرف سے یہ پرورش کیا کم ہے کہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھاتا ہوں اور دن رات دعائیں دیتا ہوں۔ یہ مستزاد بر آں کہ اللہ نے آپ سے محبت والے کو مجھ بے کس کا ذریعہ بنا یا ہے۔ آپ کی ہر چیز کو اپنی چیز سمجھتا ہوں اور خوش رہتا ہوں۔ آپ کو دیکھ کر سب فکریں دور ہو جاتی ہیں۔ انشاء اللہ۔ ......"

اس اقتباس میں سوائے "یہ مستزاد بر آں کہ" کے سرا پا کسی قدر غالب کے تیور ہیں۔ ان کے خط عموماً مختصر مگر جی چاہے اور ضرورت پڑے تو مناسب طول بھی اختیار کر جاتے ہیں۔ لمبے خطوں میں طبیعت کچھ زیادہ ہی کھلتی دکھائی دیتی ہے۔ ان میں ادبی چاشنی کچھ زیادہ تیز ہے ——— مکتوب الیہ سے زیادہ وہ اپنی طرف متوجہ ہیں۔ ہاں کبھی کبھی جو خیال آ جاتا ہے تو ایک آنکھ اس کی طرف بھی دیکھ لیتے ہیں، وہ شعر کا استعمال کرتے ہیں۔ مگر جب کرتے ہیں تو برمحل۔

اکبر الہ آبادی کے خطوط دلچسپ بھی ہیں اور مختصر بھی۔ اختصار کی تشنگی ظرافت سے اور اکثر موقعوں سے اپنے ہی اشعار سے دور کر جاتے ہیں ——— ایک خط ملاحظہ ہو۔

"برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ

افسردگیِ طبع روز افزوں ہے۔ شاید کچھ کہا بھی ہو تو یاد نہیں ؎

پہلے تنہائی سے گھبراتا تھا میں
زندگی سے اب تو گھبرانے لگا

ارادہ ہے کہ آخر اگست میں لکھنؤ میں حاضر ہو جاؤں

آپ کی محبت اور یاد آوری کا ممنون"

اکبر

حالی کے خط نسبتاً لمبے ہیں مگر مجموعاً اختصار پسندی کی طرف میلان ہے ــــ ایسا معلوم ہوتا ہے خط محض مجبوری سے لکھتے ہیں۔ خط ان کے لئے جذبات کی "رہائی" کا نام نہیں۔ یہ کام وہ اپنی شاعری سے لیتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔ البتہ جہاں بحث و مذاکرہ کی نوبت آ جاتی ہے تو استدلال کی تکمیل اور مخاطب کی تشفی کے لئے طول نویسی سے بھی دریغ نہیں چنانچہ خواجہ حسن نظامی کے نام ان کے خطوط معمول سے زیادہ طویل ہیں۔ اس دور کے باقی خط نگاروں کی بھی اپنی اپنی خصوصیات ہیں مگر یہ مضمون ان کی تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

جنگِ عظیم اوّل کے بعد ذہن و فکر کے جو نئے انقلاب نمودار ہوئے ان سے خط نگاری بھی متاثر ہوئی۔ یہ دور ۱۹۳۶ء تک قائم رہا۔ اس زمانے میں سرسید کے دور کی کلاسکی منطقی اور افادی روح کے خلاف ایک جذباتی و رومانی ردِ عمل ہوا اس کے بڑے علم بردار ابوالکلام اور اقبال تھے۔ اس قافلے میں جدا جدا حیثیتوں سے مہدی الافادی، نیاز فتحپوری، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریا بادی، رشید احمد صدیقی اور کئی دوسرے اہل قلم بھی شامل ہوتے گئے البتہ سرسید کا رنگ بھی کہیں کہیں قائم رہا۔ اس رنگ کے سب سے بڑے نمائندہ ادیب اور خط نگار مولوی عبدالحق ہیں۔

اگر اس دور کی خط نگاری میں منفرد اسلوب کے مالک مکتوب نگاروں کے انتخاب کی اجازت ہو تو مندرجہ بالا اکابر میں سے صرف ابوالکلام آزاد اور مولوی عبدالحق ہی کا انتخاب ممکن ہو سکے گا ــــ مہدی، نیاز، سید سلیمان اور عبدالماجد کے خطوط میں بھی انفرادیت کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ اور ان کے ممتاز ادبی خصائص کا عکس ان کے خطوط میں بھی موجود ہے۔ مگر سابق الذکر دو بزرگوں کی خط نگاری فن کی تاریخ میں بھی اہمیت رکھتی ہے۔ خصوصاً ابوالکلام آزاد کی مکتوب نگاری اختصاص کے اس نقطۂ عروج پر پہنچی ہے جہاں ادب کی بین الاقوامی سرزمین نمودار ہو رہی ہے ان کے خطوط کا جو سلسلہ "مکاتیب ابوالکلام" کے نام سے ابو سلمان لاہوری نے شائع کیا ہے۔ اس میں بعض خطوط سنہ ۱۲ کے بھی ہیں (ایک سلسلہ کاروانِ خیال بھی ہے) ان خطوط میں ابوالکلام کے اس دور کی شخصیت جلوہ گر ہے جس میں ان کا جوشِ حیات عین عالمِ شباب میں تھا۔ اور ان کی تحریر کا دریا بھی چڑھاؤ پر تھا ــــ الہلال (دورِ اوّل) کے انداز ان کے ان خطوں میں نمایاں ہیں۔ جوش، خطابت، کہیں سادگی، کہیں اغلاق، اختراع و ایجادِ الفاظ و معانی ــــ عربیت، فاضلانہ طرزِ تخاطب، سوالی کے اشعار، قرآن و حدیث کے اقتباسات، فارسی کے اشعارِ نغز ــــ جذباتی خطیبانہ اور

ہجائی طرزِ بیان، نثر کی شعریت خیال کی رنگینی ـــــ مخاطب کو اپنے ساحرانہ طرزِ تکلم کے طلسم سے مبہوت رکھنے کے ڈھنگ ـــــ غرض رنگ ابوالکلام کی سبھی سحر آفرینیاں ان کے مکاتیب میں موجود ہیں ـــــ ان کے معمولی کاروباری اور معاملاتی خطوں میں بھی کاروباری معلوم نہیں ہوتے ـــــ ان میں بھی سنجیدگی اور دل گرمی اور مخاطب سے لگاؤ کی صفات پائی جاتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی خطوط نگاری کو "غبارِ خاطر" کے خطوط سے بڑی شہرت حاصل ہوئی ـــــ یہ خطوط ۱۹۴۳ء میں منظرِ عام پر آئے اور اس دور سے متعلق ہیں جب مولانا قلعہ احمد نگر میں اسیرِ فرنگ تھے ـــــ ان کا مخاطب گو ان کے بظاہر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی ـــــ مگر ان خطوں کے مطالب خصوصیت کی تنگ نائے میں محدود نہیں کیے جا سکتے ـــــ ان کا مخاطب مشرق و مغرب اور حال و مستقبل کا ہر قاری ہے ـــــ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خطوط نگار خود ہی اپنا مکتوب الیہ بھی ہو ـــــ بہرحال یہ خطوط بہت مقبول ہوئے ان کے قبولِ عام کا دائرہ ایک لحاظ سے تذکرہ اور الہلال سے بھی وسیع تر نکلا اس کا سبب یہ ہے کہ ان خطوط میں طرزِ ابوالکلام کے لطیف ترین نقوش ملتے ہیں ـــــ وہ شخصی رنگ جو ان کی دوسری تحریروں میں چھپ چھپا کر رونمائی کر لیتا تھا اب اس کو قلعہ احمد نگر کی تنہائیوں میں کھلنے کا خوب خوب موقعہ ملا ـــــ ان کی دوسری تحریروں میں گل و سنبل یا سبزہ و گل کے ساتھ خار و خس بھی کھلتے ہیں۔ جوشِ خطابت اور زورِ کلام کے سیلاب میں جو کچھ سامنے آتا ہے مرجوں کے دل پر اثر تا۔ تیر تا نظر آتا ہے مگر غبارِ خاطر میں گل ہی گل ہیں۔ یہاں آزاد کی طبیعت کا باغ سدا بہار ہے یہاں بات کا انداز نسبتاً سادہ۔ بیان واقعات میں خوش بیانی، خوش مذاق گفتگو کرنے والے کی سی شان، کہانی کی طرح کی دلچسپی ـــــ اس میں جا بجا خیابانِ فارس سے لاتے ہوئے ارمغان۔ بہترین و منتخب اشعار جن میں انسانی ذہن و فکر اور دانش و بینش کا خلاصہ سمٹ آیا ہے۔ سبحان اللہ! کہ یہ غبارِ خاطر ہے تو پھر شمیم گل کس بلا کا نام ہے۔

غبارِ خاطر کہنے کو خطوط کا مجموعہ ہے مگر ان کا پیغام والا صحرا تنا بڑا ہے نام ہے کہ ان کو خط کہنے میں بھی تامل ہوتا ہے۔ یہ خطوط شخصی اور خیالیہ EASSAY ہیں جن میں زیادہ تر اپنی ہی ذات مرکزِ توجہ ہے ان میں کاتبِ خط مخاطب کے لیے اپنے ماحول کے متعلق بہت کچھ سیراب و شاداب معلومات بہم پہنچاتا ہے ـــــ مگر ایسی جن میں مکتوب الیہ کے متعلقات نہ ہونے کے برابر ہیں ـــــ بس اپنی ہی شخصیت اور ماحول کی رنگین اور خیال انگیز تصویر کشی ہے ـــــ غالب کے یہاں بھی اس قسم کا ماحول پیدا ہوتا ہے مگر غالب ایک باقاعدہ خط نگار تھے۔ یعنی ان کے لیے سلسلہ مکاتبت تفریح سے بڑھ کر فن اور فن سے گزر کر جزو زندگی تھا ـــــ ان کے خطوں میں مکالمہ، ہم کلامی یا ہم کلامی کی آرزو ہے ـــــ ابوالکلام کے خط خود کلامی کے سرچشمے سے فیض یاب ہو رہے ہیں ان کو کسی خاص مکتوب الیہ کے سہارے کی ضرورت نہیں ـــــ ابوالکلام کے خطوط کے جتنے مجموعے نظر سے گزرے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالکلام خط نگاری میں دو باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ مختصر خط کی بے ذوقی اسی وقت اختیار کرتے ہیں جب کوئی راہِ فرار نہ نکل سکے۔ ان کے اکثر خط مناسب طول کے مالک ہیں ـــــ دوسری بات یہ کہ ان کے نزدیک خط نویسی ابلاغ میں سے ایک لطیف ترین فن ہی نہیں بلکہ وہ اسے اعلیٰ درجے کے مجلسی ذوق اور حسن معاشرت کا تقاضہ بھی سمجھتے ہیں ـــــ مولانا ابوالکلام کا ذوقِ تنہائی اور خلوت سے ان کی محبت کا راز تو سبھی کو معلوم ہے مگر وہ اس تنہائی سے خط کے جلوت کدے میں جب نکلتے ہیں

زندگی کو نصف ملاقات ہی نہیں رہنے دیتے بلکہ اس کو پوری ملاقات کی مسرتوں سے بھرپور کر دیتے ہیں۔ وہ دوسروں کے بھی شاداب اور پُر لطف خطوط کی رسید کے ساتھ خوش کلام اور لذت یاب ہوتے ہیں۔ مولانا سید سلیمان کو ایک خط میں لکھتے ہیں! ـــــ "آپ کے دلچسپ خط نے پوری ملاقات کا لطف دیا" [۵] اور اس پوری ملاقات سے مراد سید صاحب کا وہ خط تھا جو دلچسپ تھا اور مفصل بھی ـــــ وہ خط جو تشنہ ہی رکھے ابوالکلام کے باذوق اہتمام کے منافی نہیں ـــــ ان کے اپنے خطوں میں بھی اس کی پوری احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے۔

ابوالکلام آزاد کے اس منفرد طرز نے اردو ادب اور اردو خط نگاری دونوں کو متاثر کیا ـــــ اس سے ایک بار پھر اس عصر کی نثر نویسی اور شستہ خط نگاری کے خلاف ایک ردِ عمل پیدا ہوا جو دورِ سرسید کے منطقی اور افادیت پسند ذہن کے زیر اثر رواج پذیر ہو چکا تھا اور اب خط پھر مادی افادیت کے دائرے سے نکل کر جذبے اور تخیل کے دائرے میں داخل ہوئے۔

مولوی عبدالحق نثر نگار، محقق، نقاد اور بلیغ خط نگار کی حیثیت سے ایک منفرد شخص ہیں۔ وہ کثرت سے خط لکھتے ہیں اور اچھے خط لکھتے ہیں ان کا ہر خط اپنی سادگی اور بلاغت کے لحاظ سے ایک ادب پارہ ہوتا ہے ـــــ ان کے خطوط خاص بیباکی اور کاروباری ہونے کے باوجود ادبی شان رکھتے ہیں۔ بے تکلف بول چال کا انداز اور صرف کام کی بات ان کا امتیازی وصف ہے۔ ـــــ انشا پردازی اور زیبائش و آرائش سے یکسر خالی اور ادائے مطلب پر اس قدر قادر ہیں کہ حیرت ہوتی ہے وہ اپنی ذات کو خواہ مخواہ تماشا نہیں بناتے نہ مکتوب الیہ کو اپنی خطابت سے متاثر کرتے ہیں ـــــ اپنے جذباتی لمحات کے پیچیدہ احساسات سے مکتوب الیہ کو بالکل گرفتار نہیں کرتے ـــــ ان کے خط ان کی عملی زندگی کے مصور اور ترجمان ہیں ان کی خلوت کی زندگی اگر کوئی ہے بھی تو وہ اس سے صاف بچ کر نکل جاتے ہیں۔ ان کی جلوت و خلوت برابر ہے مولانا حالی اور سرسید کی دعا گوئی کے کامیاب وارث وہی ہیں۔ نثر کی طرح ان کے خط ایک تحریک کے داعی اور کارکن ہیں۔ ان کے خطوط کے معاملے میں صرف مناسبت کے پابند ہیں ضرورت ہو تو لمبے، ضرورت نہ ہو تو چند سطریں ان کے نزدیک موقع و ضرورت ہی سب سے بڑا اصول ہے! وہ شعر اور استعارہ بازی سے شاذ ہی کام لیتے ہیں ـــــ ان کی عام گفتگو اور ان کے خط کے درمیان فاصلے بمنزلہ صفر ہیں واقعیت، سچائی و خلوص ان کا وصفِ خاص ہے ان کے خطوں میں ان کے سوانح نگار کو ان کے کام کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

اقبال ادب میں سے اقبال ایک ایسے شخص ہیں۔ جن کے خطوط میں مغرب کے بلند پایہ عالموں کے مکاتیب کا علمی رنگ جھلکتا ہے۔ ان کے خط علمی اور سیاسی افکار کے مخزن ہیں اور ان سے اقبال کے اپنے فکر اور شاعری پر اتنی اچھی روشنی پڑتی ہے کہ ان سے ان کا کوئی سوانح نگار بے نیاز نہیں ہو سکتا ـــــ اقبال کے خط ہر قسم کے تکلف سے پاک ہیں، وہ صرف مطلب کی بات کہتے اور مطالب کو علمی عبارت میں ادا کرتے ہیں ـــــ زیبائش و آرائش یا ادبی شان پیدا کرنے کا کوئی اہتمام ان کے یہاں نہیں ان کے خط تنہائی اور افسردگی کے لمحات کی پیداوار نہیں بلکہ ضرورتِ وقت کے تابع ہوتے ہیں ـــــ عموماً مختصر

---

[۵] مکاتیب ابوالکلام

خط لکھتے ہیں۔ جہاں ان کا مدعا ختم ہوا، وہیں ان کا قلم رک گیا۔ ان کے خطوں سے ان کی شخصی عادات و اطوار سے زیادہ ان کے افکار و تصورات کی تشریح ہوتی ہے اور واقعاتی معاملات سے زیادہ ان کے فکر پر روشنی پڑتی ہے ان کے خطوط میں مکتوب الیہ کی تفریح کا خاص خیال رہتا ہے۔ نفاست تہذیب، سلیقہ اور شائستگی ان کے خطوں میں سبھی کچھ ہے ان کے خط ان کے مخاطبوں کو زیادہ بے نقاب کرتے ہیں خود ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ —— طول و اختصار ان کے یہاں اضافی ہے۔

شبلی کے رنگِ خاص کے ایک مداح مہدی بھی اچھے خط لکھ کر چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے خطوط میں مکتوب الیہ کی ذات زیادہ زیرِ بحث رہتی ہے مگر اس سے بھی زیادہ ماحول کا حسن اور اس کا تعین مکتوب الیہ کی ذات کے مطابق ہوتا ہے۔ یا حالات کے تحت وہ بیان میں بول چال سے زیادہ ادبی زبان اور شان کے قائل ہیں۔ ان کے خطوں پر کہیں کہیں مختصر مقالات کا دھوکہ ہوتا ہے۔

نیاز کے خط ان کی عام افسانوی و رومانی تحریروں کی طرح شراب و شعر میں ملفوف ہوتے ہیں —— ایامِ شباب کے خطوں میں کہیں کہیں ابوالکلام کا رنگ بھی نمایاں ہے جس کا خاص وصف القاب کی عربیت ہے مگر "صدیقی الاعز" اور اس طرح کے القاب رفتہ رفتہ ترک ہو کر ان کے خطاب بے القاب بھی ہو گئے ہیں اور "معاف فرما دیجئے گا" اور "آپ کہاں ہیں" اور "کس رنگ میں ہیں" سے خط کا آغاز ہو جاتا ہے۔ انہوں نے غالب کے سے انداز بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر یہ ان کا بنیادی رنگ نہیں —— ان کے شخصی ذوق کے ترجمان تو ہیں مگر تفصیلات میں مکتوب الیہ کی شخصیت نگاری کے لئے اچھا مواد چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ ادبی مسلک کے لحاظ سے رنگین نگار ہیں اور شعر وغیرہ سے خوب کام لیتے ہیں ان کے خط بھی عام مطالعہ کرنے والے کو بہت کچھ دے سکتے ہیں کیونکہ کاروباری خشکی ان میں بالکل موجود نہیں۔ جہاں ایسی حالت پیدا ہوتی بھی ہے وہ کسی رنگین ترکیب یا اچھے سے شعر سے اس کا مداوا کر لیتے ہیں۔ —— خطوں میں صاف گوئی کے معتقد ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کے نزدیک حیاتِ انسانی کا کوئی رخ گھناؤنا نہیں بشرطیکہ اس کو پیش کرنے والا سلیقہ مند ہو۔

سید سلیمان ندوی کے خط اپنی نکتہ آفرینی کے لئے اور عبدالماجد دریا بادی کے خط اپنی اور نیاز و شان کے لئے جس کے اندر کہیں کہیں طنز کی نوک بھی چبھ رہی ہوتی ہے، خاص طور سے لائقِ ذکر ہیں۔ ماجد کے خطوں کا مزاج جذباتی ہے جو شبلی کے خاندان کا خاص وصف ہے مگر علم و فضل اور باوقار طرزِ زندگی کا کچھ ایسا عکس ان پر پڑتا ہے کہ ان کے خطوں کو پڑھنے والا ان میں مستقل دلچسپی لینے لگتا ہے —— سلیمان بھی خانوادۂ شبلی کے ایک فرد ہیں۔ ان کے خطوط ماجد کے خطوں کے مقابلے میں زیادہ فرحت افزا ہیں ماجد کے خطوں میں کہیں کہیں تلخی اور جھنجھلاہٹ آ جاتی ہے۔ سلیمان کی نظر اپنے مکتوب الیہ پر پڑتی ہے مگر ماجد خود پر زیادہ نظر رکھتے ہیں ان کی زندگی میں محاسبۂ نفس اور خود سے پیکار کے سلسلے پہلے ہوتے ہیں اس کا اثر ان کے خطوں پر بھی پڑا ہے۔

سیاسی مشاہیر میں مولانا محمد علی بھی اچھے خط نگاروں میں شامل ہیں ان کے خط مفصل اور مشرح ہوتے تھے وہ کام کی بات بھی پھیلائے بغیر آگے نہ نکل سکتے تھے۔ مگر بعض خطوں میں خاص ادبی لطف پیدا کر جاتے تھے۔ خصوصاً جب جوش اور ناراضگی کے عالم میں ہوں۔

خواجہ حسن نظامی کے خطوط سادہ اور کاروباری ہوتے ہیں اور مطلب و مدعا سے باہر ان کے خطوں میں کوئی خاص

چونکہ نہیں جو عام قاری کے لئے لذت آفریں ثابت ہو سکے مگر سادہ بیانی اور لطیف نکتہ آفرینی کے سبب ان کے خط پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ تفصیل کے وہ بھی شیدائی ہیں اور جزئیات پر خاص نظر رکھتے ہیں۔

۱۹۳۶ء کے بعد ملک میں حقیقت نگاری اور نفسیات کے مطالعہ کا جو ذوق بیدار ہوا۔ اس کے زیر اثر خط نگاری کے اداب و رسوم نے بھی ایک نئی کروٹ لی۔ اس نئے ماحول میں جن لوگوں کے خط منظر عام پر آتے ہیں ان میں واقعیت خاص طور سے ملحوظ ہے اور خود کو چھپانے کا جو انداز اس سے پہلے خطوں میں چلا آتا تھا اب وہ ترک ہو تا گیا۔ اور صاف گوئی کا سیلاب عام ہو گیا۔ اداب والقاب میں بھی ایک گونہ آزادی برتی جانے لگی۔ اور بعض اوقات تو مقام و رتبہ کی مراعات بھی ترک ہوئی۔ خطوں میں قدیم وضع داریوں کے خلاف اس دور میں کامل بغاوت نظر آتی ہے۔ اس دور کے خطوط میں اس زمانے کی فکری انتشار اور پریشانی طبع کے پورے آثار موجود ہیں عام طور سے خطوں میں علم اور اہتمام کی بھی کمی ہے۔ اور ادبیت کے لئے بھی کوئی خاص کوشش نظر نہیں آتی۔ مگر واقعیت نگاری اور حقیقت پسندی کے غلبے نے خط نگاری پر خاص اثر کیا گزشتہ چند برسوں میں بعض مشاہیر کے خطوں کے کچھ مجموعے شائع ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم عصر شعراء کے خطوط (مرتبہ ضیاء الاسلام) اور روح مکاتیب (مرتبہ ساغر نظامی) اول الذکر میں وہ خط ہیں جو ضیاء الاسلام کے نام جوش ملیح آبادی، جگر مرادآبادی، ساغر نظامی، آرزو انصاری، ماہر، نجیب آبادی، ولی شاہجہاں پوری، سیماب اکبر آبادی، حفیظ جالندھری اور اعظم خسروی، جے پوری نے لکھے ہیں ــــــ دوسرے مجموعے میں ساغر نظامی کے نام خطوط ہیں جن کے لکھنے والوں میں کم و بیش ملکی، ادبی اور سیاسی شخصیتیں ہیں، جن میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے (مزاح و ظرافت کے سلسلے کے لوگوں میں شوکت تھانوی کا مجموعہ بار خاطر بھی ہے) ان سب خط نگاروں میں جوش ملیح آبادی اور فراق کے خطوط خاص طور سے لائق ذکر ہیں ـــــ جوش کے خطوں میں بے باک صاف گوئی ہے چنانچہ ایک خط میں لکھا ہے ــــــ "میں بدنامی اور تلخی کی حد تک صاف گو انسان ہوں" بس ان کے خطوط بھی کچھ ایسے ہی ہیں اور اگرچہ ضروری نہیں کہ ان کا ہر خط لازماً بدنام کنندہ اور تلخ ہی ہو مگر صاف گوئی کا عنصر ہر جگہ ہے۔

فراق کے خط بھی صاف گوئی کے معاملے میں جوش کے خطوں سے کسی طرح کم نہیں مگر جب علمی موضوع زیر بحث آتا ہے فراق کے خطوں میں فاضلانہ اور علمی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر اپنے خطوں کی رونق اپنے ہی اشعار سے بڑھاتے ہیں، اور اس کی توجہ دوسرے سے زیادہ اپنی طرف ہوتی ہے۔ ساغر نظامی نے "روح مکاتیب" کے ایک نوٹ میں ان کے متعلق لکھا ہے :ــــ

"اپنے خطوں میں وہ اپنے تمام وجود کے ساتھ نمایاں ہے وہی لگی ہوئی آنکھیں، آنکھیں مٹکاتا ہوا۔ عجیب عجیب حرکتوں کے ساتھ گردشِ حسین، دلکش اور دل دوز حرکتوں کے ساتھ ایسی بے ساختگی اور سادگی شاید ہی کسی کے خطوں میں نظر آتے اور ایسی صداقت! جو فراق کی اخلاقی بلندی اور فطرت کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔"

اس نئے زمانے میں اردو میں مکاتیب کے تین اہم مجموعے اور بھی شائع ہوتے ہیں۔ وہ ہیں (۱) نقوش زنداں (سید سجاد ظہیر کے خطوط اپنی بیوی کے نام) (۲) زیر لب (صفیہ اختر کے خط اپنے شوہر جاں نثار اختر کے نام) اور حرف آشنا (زم کے نام

ڈاکٹر تاثیر کے خط اپنے شاگردِ عزیز محمود نظامی کے نام ۔ خطوں کے ان مجموعوں کے علاوہ حال ہی میں چودھری محمد علی ردولوی کے خطوط کا مجموعہ "گویا دبستان کھل گیا" کے نام سے اکادمی پنجاب نے شائع کیا ہے۔ یہ چاروں سلسلے خط نگاری کے جدا جدا مگر جدید ترین مذاق کی صحیح نمائندگی کر رہے ہیں۔

بیویوں کے شوہروں کے نام اور شوہروں کے بیویوں کے نام خط کوئی نئی بات نہیں مگر ایسے خطوں کی اشاعت یقیناً نئی سی بات ہے ۔۔۔ تاریخ ممتاز میں واجد علی شاہ کے خط اپنی بیگمات کے نام ایک ایسا استثنا ہے جو مندرجہ بالا کلیے کی تائید کرتا ہے کسی بیوی کی طرف سے دوری اور ہجر و فرقت کے زمانے میں اشتیاق کا اظہار قدرتی ہونے کے باوجود ذرا سا غیر رسمی فعل معلوم ہوتا ہے مگر دور رہا۔ بعد میں مذاق و میلان کی تبدیلی نے اس صاف گوئی کے لئے میدان تیار کر دیا ہے "نقوشِ زنداں" میں ان تنہائیوں کی یاد ہے ۔ جن میں سید سجاد ظہیر اپنی سخت جان سیاسی زندگی کے باوجود محبت کی دوری کو محسوس کر رہے ہیں۔ سجاد ظہیر کے یہ خط واقعیت اور خلوص سے لبریز ہیں ان میں کوئی تصنع نہیں کوئی بناوٹ نہیں بس ان سادہ جذبات کا پاکیزہ سا اظہار ہے جن سے ان کا قلب معمور ہے۔ سجاد ظہیر نے ان میں کسی فلسفیت کا اظہار نہیں کیا۔ واقعات و معاملات سے جو پیغامات وابستہ ہیں ان پر بے تکلف لہجے میں گفتگو کی ہے۔ خطوں میں گھریلو ماحول پیدا کیا ہے۔ بچی کی یاد۔ بچی کی تصویر۔ احمدی بوا کا ذکر۔ نجمہ بی بی کے سلام۔ غرض ان خطوں میں ساری خاندانی فضا آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ پھر شادی کے دورِ اول کی یادیں ہیں۔ جن کی ایک ایک جھلک خط نگار بار بار پیش کرتا جاتا ہے ۔۔۔ ان خطوں میں خط نگار کے اپنے ہی جذبات کا اظہار نہیں بلکہ مکتوب الیہ کے جذبات کا جواب اور ردِ عمل بھی ہے۔ ان خطوں میں ترازو کے دونوں پلڑے برابر نظر آتے ہیں یعنی خط نگار اور مکتوب الیہ دونوں کی تصویریں آمنے سامنے لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ان خطوں میں صاف گوئی تو ہے مگر بے باکی نہیں، وقار، ٹھہراؤ، تہذیب سب کچھ ہے ۔۔۔ مگر خشکی نہیں۔ محبت، سچی محبت اپنی ساری شرافتوں اور متانتوں کے ساتھ ان خطوں میں جلوہ گر ہے۔ کہیں کہیں تخیل بھی ہے اور خیال کا مصور بھی دنیا کی تصویر کشی کر رہا ہے۔ مبالغہ ہیجان اور بے ضرورت جذباتیت کہیں بھی نہیں ۔۔۔ ہاں درد اور داد تنہائی کی کمی نہیں۔ "نقوشِ زنداں" کے خط اردو خطوط میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

"زیرِ لب" بھی نقوشِ زنداں ہی کا الٹا رنگ ہے۔ مگر ان خطوں میں اطمینان کی وہ فضا نہیں ملتی جو نقوشِ زنداں میں ہے ۔۔۔ ان میں مجبوری اور حرماں کے گہرے زخم رستے نظر آتے ہیں اس میں پیاس ہی پیاس ہے ۔۔۔ ایسی پیاس جس سے لب خشک ہی نہیں بلکہ لب گویا پھٹ سے رہے ہیں ع

"لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا"

ان خطوں کا سارا لہجہ زیرِ لب کا نہیں ایک فریاد برلب کا ہے ان میں وہ قدرتی جذباتیت ہے جو نسوانیت کے ساتھ اس وقت ضرور وابستہ ہو جاتی ہے جب اس کا ہونٹ اپنی محرومیوں کے خلاف کھل جائیں۔ ان خطوں میں واقعات و معلومات کا عنصر کم ہے جذباتیت کا زیادہ ۔۔۔ سادگی، بے تکلفی اور خلوص۔ یہ سب صفات ان خطوں میں بھی ہیں ان میں گہری 'اپنائیت' اور خصوصیت ہے گرم جوشی اور غم کی تپش نے ان کی فضا کو قدرے تلخ بنا دیا ہے ۔۔۔ یہ خطوط بھی اس لحاظ سے انفرادیت رکھتے ہیں

کہ اس قبل کی چیزیں ہماری زبان میں معدوم ہیں۔

"عزیزم کے نام" ڈاکٹر تاثیر کے خط ہیں (ایک شاگرد کے نام) ان خطوط کا انداز علمی ہے اور بیشتر جزئیات بھی علم و فضیلت سے متعلق ہیں۔ ان میں خلوص تو ہے مگر بے تکلفی نہیں اور شاگرد و استاد کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے وہ قائم ہے ذاتی تفصیلات سے زیادہ افادہ و تربیت مدنظر ہے اور بعض خط تو مقالات کی حد میں داخل ہو گئے ہیں۔ اس مجموعے کے اکثر خط طویل ہیں مگر ان کا علمی مواد کبھی کبھی ثقیل ہو گیا ہے لیکن اندازِ بیان کی برجستگی اور تاثیر کی گرمی طبیعت نے ان کو خشک نہیں ہونے دیا۔

"گویا دبستان کھل گیا" ایک ایسے شخص کے خطوط ہیں، جس نے خط نگاری کو زندگی کا ایک ضروری شعبہ قرار دے رکھا ہے۔ ان خطوں کا مالک خط نگاری کو صرف مسرت کا چشمہ خیال کرتا ہے بلکہ اس کو دانش و بینش اور بصیرتِ حیات کا ذریعہ بھی سمجھتا ہے —— یہ خط ذہنی فراغت اور روحانی سکون سے لبریز ہیں۔ ان میں گھریلو پن بھی ہے اور حقیقت یہ ہے خط نگار کو اپنی گفتگو اور جزئیات نگاری سے خاص دلچسپی ہے۔ غالب کی طرح وہ بھی ماحول کی تفصیل بندی کا خاص شوق رکھتا ہے ان خطوں سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ خط نگار کو مکتوب الیہ کی تالیفِ قلب کا ہر حال میں خیال رہتا ہے۔ چودھری محمد علی کو اردو کا خط نگار ادیب کہا جاتا ہے ان کے ان خطوط نے ان کے اسلوبِ بیان کی انفرادیت کے جوہر خاص طور سے نمایاں کئے ہیں۔ ان خطوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کامیاب ادیب اگر چاہے تو بات چیت اور تحریر کے درمیانی فاصلوں کو بالکل مٹا سکتا ہے —— یہ خطوط اردو خط نگاری کی تاریخ میں ایک نئے مقام کی نشان دہی کر رہے ہیں۔

اُردو کے منفرد مکتوب نگار

مالک رام

بیشتر لوگوں کا خیال ہے کہ اردو میں خطوط نویسی کی ابتدا غالب سے ہوئی۔ یہ درست نہیں۔ غالب سے پہلے فسانۂ عجائب
کے رجب علی بیگ سرور نے خطوط لکھے اور شائع کیے اور یوں اکا دکا خط ترکی اور صحاب کے بھی ملتے ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ
آپ نے خطوں میں ایسا بدیہہ انداز اختیار کیا کہ انہیں سحر حلال بنا دیا۔ پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اگرچہ غالب کے بعد بیسیوں خطوط
کے مجموعے شائع ہوئے لیکن کسی میں وہ خلوص اور صداقت، برجستگی اور آمد نہیں جو ان کے خطوں کا طرۂ امتیاز ہے۔

غالب کی اردو شاعری اپنے مشکل اور کوہ کندن و کاہ برآوردن طرزِ تحریر کے باعث مشہور، بلکہ بدنام ہے اس لئے تعجب ہوتا ہے
کہ ان سے ایسی سلیس اور سہل ممتنع نثر کیونکر لکھی گئی۔ ان سے پہلے اور خود ان کے زمانے میں بھی فارسی خطوں میں لمبے لمبے القاب و آداب اور
عبارت آرائی کی یہ بھرمار تھی کہ سطروں کی سطریں پڑھ جائیے لیکن "مدعا عنقا ہے اپنے عالم تحریر کا"۔ یہ تو ممکن نہیں کہ کسی کو بھی اس اسلوب تحریر
کی لغویت کا خیال نہ آیا ہو۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ کسی کو بھی اسے ترک کر دینے یا اس میں اصلاح دینے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس
کا سہرا بھی غالب ہی کے سر رہا۔ وہ نہایت ابتدائی زمانے میں بھی خطوں کا طریقہ بدلنا چاہتے تھے۔ یعنی اس زمانے میں جب وہ خود اپنی تمام
خط و کتابت فارسی میں کر رہے تھے۔ ۱۸۲۵ء میں جب کہ ان کی عمر مشکل سے ۲۸ برس کی تھی، لکھتے ہیں:

"ادا شناس داند کہ تنہا بر من در نگارش اینست کہ چون کلک و ورق بکف گیرم مکتوب الیہ
را بہ لفظے کہ فراخور حالت اوست، در سر آغاز صفحہ آواز دہم و زہ بر سر سخن مدعا گردم۔
القاب و آداب و خیریت گوئی و عافیت جوئی حشو زاید است و چنگال حشو را وقع نہ نہند۔"

(کلیات نثر غالب، صفحہ ۵۔ نولکشور ۱۸۷۵ء)

اگرچہ ان کے فارسی خطوط بھی بیشتر اسی اصول پر لکھے گئے تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ واقعی یہ سب کے سب حشو و زوائد سے پاک ہیں
میرے خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں ان کے مکتوب الیہ عام طور پر ان سے عمر میں بڑے اور پرانے دبستان کے تعلیم یافتہ
لوگ تھے۔ یہ اصحاب تصنع، وضعداری اور تکلف کے قدر داں، وہ بھلا ایسی بدعتوں کو کیوں گوارا کرنے لگے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی خطوط میں
خود مقررہ اصول سے ہٹ کر کہیں کہیں وہ روایتی تکلفات کا استعمال کر گئے ہیں۔

لیکن جب انہوں نے اردو میں لکھنا شروع کیا تو اب فضا بدل گئی تھی۔ اب ان کے مخاطب زیادہ تر ان کے ہم عمر دوست

اور شاگرد تھے۔ جو لوگ ان کی ٹیڑھی بیڑھی شاعری کو جھیل چکے تھے۔ ان کے لئے اب ان کی نثری جدتوں کو برداشت کر لینا کیا مشکل تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں وہ اپنا اصلاحی منصوبہ کسی اعتراض یا احتجاج کے خدشے کے بغیر مکمل کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہی انہوں نے کیا۔ اردو میں "حضرت مخدوم، مکرم و معظم جناب، فقیر، صاحب دامت برکاتہم" یا "سید صاحب، جمیل المناقب، عالی خاندان، سعادت و اقبال نوامان" یا "برخوردار سعادت آثار رفیقی ہرگوپال سلمہ اللہ تعالےٰ" قسم کے القاب الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ مکتوب الیہ کو کسی ایسے لفظ سے مخاطب کرتے ہیں جو اس کے حسب حال ہو۔ میاں، بھائی، صاحب، میری جان، برخوردار، پیرو مرشد، حضرت، جناب عالی، قبلہ، سید صاحب وغیرہ۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ کوئی لفظ بھی نہیں لکھتے، فوراً اظہار مدعا کرنے لگتے ہیں:

"کیوں مرزا تفتہ! تم بے وفا یا میں گنہگار؟"

"سچ ہے، اگر آپ استاد کا مصرع نہ لکھتے تو میں "بروئے استادانِ رنگ" کہاں سے سمجھتا۔"

"کیوں یار! کیا کہتے ہو؟" وغیرہ۔

اس طرح کے تخاطب کی بے تکلفی اور یگانگت ظاہر ہے۔ اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوتا ہے کہ خط پڑھنے والا پہلے لفظ ہی سے اپنے آپ کو لکھنے والے کے بالکل قریب محسوس کرنے لگتا ہے۔ اگر آپ شروع کی دو تین سطریں رسمی ادب و آداب میں صرف کر دیں تو جب تک مکتوب الیہ مطلب کی بات تک پہنچے اس کا ذہن ان تکلفات میں اُلجھ کر آپ سے کوسوں دور پہنچ چکا ہوگا۔ اس کے برعکس اگر آپ خط ایسے انداز سے شروع کریں جیسے مکتوب الیہ آپ کے سامنے بیٹھا ہے اور آپ اس سے باتیں کر رہے ہیں، تو بُعدِ مکانی کے باوجود آپ دونوں ذہنی اعتبار سے آپس میں بہت قرب محسوس کریں گے اور آپ کو کاغذ پہ لکھے ہوئے بے جان الفاظ میں سے بھی لکھنے والے کی آواز سنائی دینے لگے گی۔ میرزا خود بھی اپنے خطوط کی اس خصوصیت سے آگاہ تھے۔ ایک دوست کو لکھتے ہیں:

"میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔"

میرزا کے خطوط کی دوسری خصوصیت ان کا خلوص اور صداقت ہے۔ یقیناً وہ فرشتہ نہیں، بلکہ ہماری طرح کے گوشت پوست کے انسان ہیں اور لازماً ان میں بشری کمزوریاں بھی ہیں اس لئے ان کے خطوں کے بارے میں یہ قسم تو نہیں کھائی جا سکتی کہ ان میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب سچ ہے اور انہوں نے کسی واقعے کے مالہ و ماعلیہ سے متعلق سب کچھ بے کم و کاست لکھ دیا ہے اور ان میں کسی جگہ انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ بالکل درست اور شک و شبہ سے بالا ہے کہ صاف گوئی اور بے ریائی ان کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے۔ وہ واقع کے اظہار میں نہ کسی اور کو بخشتے ہیں نہ اپنے آپ کو۔ لوگوں نے ان پر طرح طرح کے اعتراض کئے ہیں اور وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں خود غالب ہی کے خطوں سے شہادت پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر غالب ایسے ہی تھے جیسا ان کا خیال ہے، تو وہ یہ مقامات اپنے خطوں میں سے حذف نہ کر دیتے۔ ان میں سے بیشتر خط غالب نے خود اپنے احباب سے جمع کر کے مرتب کے حوالے کئے تھے اور جو دوسروں نے جمع کئے تھے ان سے متعلق بھی گمان غالب ہے کہ شائع ہونے سے پہلے ان کی نظر سے گذرے تھے۔ اس صورت میں ان کے لئے ان میں رد و بدل اور ترمیم کر دینا کیا مشکل تھا۔ وہ چاہتے تو آسانی سے ان کی وہ عبارتیں نکال ڈالتے جن سے ان پر کسی طرح حرف آ سکتا تھا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور ستم یہ کہ آج انہیں خطوں کی بنا پر لوگ ان پر حملے کرتے ہیں

جیسا کہ میں نے لکھا، وہ بھی انسان ہیں۔ یقیناً بشری مجبوریوں اور دنیوی مصلحتوں کے وہ بھی شکار ہیں۔ لیکن [illegible] ان کے کردار کی بنیادی خصوصیت ان کا خلوص اور صاف گوئی ہے جو ان خطوط کی سطر سطر سے جھلک رہی ہے۔

غالب کے بعد گویا خطوط کے مجموعوں کا تانتا بندھ گیا۔ ہر کہ و مہ کے خط چھپنے لگے۔ اگرچہ ان میں واقعی کام کی چیزیں کم آئیں لیکن اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ ہماری ادبی اور سماجی زندگی (ادبی زیادہ اور سماجی کم) کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے بہت سا خام مواد تیار ہو گیا۔ افسوس ہے کہ آج تک ان خطوں کو اس پہلو سے کسی نے نہیں دیکھا۔ حالانکہ شاید ان میں سے اکثر مجموعوں کی علمی اور ادبی حیثیت کمزور یا مشتبہ ہو۔ لیکن وہ اپنے زمانے کی ادبی تاریخ اور سماجی حالات کا منظر مرقع ضرور ہیں۔ اس زمانے کے مکتوب نگاروں میں سرسید، محسن الملک، وقار الملک، شبلی، حالی، آزاد، اکبر، امیر مینائی، داغ، مہدی افادی زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں سے شبلی اور مہدی اس قابل ہیں کہ ان پر ذرا تفصیل سے لکھا جائے۔

علم و فضل کے لحاظ سے شبلی اپنے معاصرین میں بہت بلند اور ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ وہ فارسی اور عربی کے منتہی تھے اور اردو کے مایۂ ناز ادیب اور مصنف۔ ان کی شخصیت بڑی ہمہ گیر تھی۔ تاریخ و سیرت، فلسفہ و کلام، حدیث و فقہ، ادب و شعر، غرض وہ کسی میدان میں بند نہیں اور پھر جو کچھ لکھا، قدرِ اول کا۔ پختہ پختہ اور پائدار نثر ان کے ہاں جتنی ہے اتنی کسی دوسرے معاصر کے ہاں کم ملے گی۔ بے شک جہاں تک آزاد کا تعلق ہے ان کی انشاء کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ ان کے ہاں اور نہ ہونے کے برابر بہت کم ہے۔ البتہ حالی کا معاملہ دوسرا ہے۔ ان کی قدرتِ کلام اور گہرائی میں شبہ نہیں۔ تاہم ان کی تحریروں میں بھی عام طور پر رنگینی اور دلکشی کم ہے۔ اس کے مقابلے میں شبلی کی کوئی سی کتاب اٹھا لیجئے آپ کو اس میں صفحے کے صفحے اعلیٰ درجے کی نثر کے ملیں گے، اور کسی جگہ تحقیق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔

منجملہ اور چیزوں کے شبلی کے مکاتیب کے بھی دو مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ مکاتیب شبلی (دو جلدوں میں) اور خطوطِ شبلی۔ مکاتیب شبلی میں وہ خطوط ہیں جو انہوں نے اپنے دوست احباب اور شاگردوں کو لکھے تھے۔ اگرچہ ان میں بھی شبلی کی سی تمام خوبیاں موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات نہیں جو انہیں کسی دوسرے مکتوب نگار سے ممتاز کر سکے۔ البتہ خطوطِ شبلی اردو زبان میں اپنی قسم کی واحد چیز ہے۔ ہمارے یہاں عورتوں کے خطوط کے دو تین مجموعے تو ملتے ہیں لیکن کسی ادیب کے ایسے خطوط جو اس نے اپنی رشتہ دار اور عزیز عورتوں کے سوا کسی اور کے نام لکھے ہوں۔ خطوطِ شبلی کے علاوہ ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آئے۔

شبلی نے یہ خطوط بمبئی کے ایک علم دوست خاندان کی دو تعلیم یافتہ خواتین۔ زہرا بیگم فیضی اور عطیہ بیگم فیضی کے نام لکھے تھے ان میں سے ایک۔ محترمہ عطیہ ابھی تک حیات ہیں۔ ان خطوط پر بہت کچھ خیال آرائی ہو چکی ہے۔ ان سے متعلق مضمون مذکرات بھی لکھی جا چکی ہیں، ریڈیو سے تقریریں نشر ہوئی ہیں۔ مجھے اس جگہ اس نظریے پر جو ان حضرات نے پیش کیا ہے محاکمہ منظور نہیں۔ لیکن ایک بات کے لکھ دینے میں بھی کوئی امر مانع نہیں کہ جو کچھ ان اصحاب نے لکھا ہے وہ غلط ہے تو اس کی مدلل تغلیط کیوں نہیں کر دی جاتی تاکہ یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے طے ہو جائے اور اگر بالفرض ان لوگوں کا یہ خیال صحیح ہی ہے تو اس سے شبلی کی علمی اور ادبی حیثیت یا عظمت میں کمی کیوں آئے۔

ان خطوط میں سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مکتوب الیہا کو جلد جلد چند خط لکھ چکے ہیں۔ دل میں اندیشہ گزرا کہ کہیں یہ طبع نازک پر گراں نہ گزر رہے، عذر کے رنگ

میں لکھتے ہیں:

"عزیزی! میرا ہر خط جواب طلب نہیں ہوتا۔ یہ اس لئے لکھتا ہوں کہ تم کو بار بار
نہ گزرے کہ بروقت لکھنے کی تکلیف ہوتی ہے۔ جب فرصت ہو اور جی چاہے جواب لکھو۔
لیکن مجھ کو اجازت دو کہ بے ضرورت، بے ضرورت، جب جی چاہے لکھوں۔"

مکتوب الیہا یورپ کے سفر پر گئیں اس لئے خط و کتابت بند ہو گئی۔ واپس آئیں تو یہ سلسلہ پھر سے جاری ہو گیا۔ جب ان کا خط ملا تو جواب میں لکھتے ہیں:

"عزیزہ عطیہ! تمہارا خط مدت کے بعد ملا تو بے ساختہ میں نے آنکھوں سے لگا لیا اور دیر تک
بار بار پڑھتا رہا۔ افسوس دیر تک ملنے کی امید نہیں۔ میں وطن، احباب، آرام سب چھوڑ سکتا
ہوں لیکن ایک مذہبی اور قومی کام کیونکر چھوڑ دوں۔ وہ سلسلہ بیٹھا ہوا ہے۔ دو دو دم ہر لحظے۔ زہرا صاحب
سے صرف ردّ و کد کے بعد منظور کر لیا کہ کبھی لکھنؤ آئیں لیکن تم اتنی غریب نوازی کیوں کرو گی؟"

ایک دوست سے معلوم ہوا کہ وہ لکھنؤ آ رہی ہیں۔ دیکھئے کیا پیارا خط لکھا ہے:

"خاتون محترم! کل اتفاق سے مولوی منیر حسین صاحب ندوائی ملنے آ گئے تھے۔ ان سے
آپ کے لکھنؤ آنے کا ذکر آیا۔ انہوں نے کہا کہ "وہ میری مہمان ہوں گی۔" اس لئے میں یہ لکھنا
ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر آپ لکھنؤ آئیں اور کسی کی مہمان ہوں تو میں اس زمانہ میں لکھنؤ چھوڑ کر
چلا جاؤں گا۔ یہ بات دوسری ہے کہ ایک آدھ روز آپ ان کے ہاں ٹھہریں اور ان کے
ہاں کی مستورات سے ملیں۔"

پھر انہی مولوی منیر حسین رئیس گدیہ سے ان کی آمد کی خبر سنی تو دوبارہ لکھتے ہیں:

"مولوی منیر حسین نے تمہارے ارادہ سفر کی خوش خبری سنائی لیکن وہ فقرہ یاد رہے کہ میرے
ہوتے اور کہیں ٹھہرو گی تو میں لکھنؤ سے نکل جاؤں گا۔"

بعض خواہشوں کا اظہار کس حسرت سے کرتے ہیں:

"اصل یہ ہے کہ میں چاہتا تھا کہ میرے کسی کام میں تمہارے نام کی شرکت ہو۔ اس کا اصلی طریقہ
تو یہ تھا کہ کوئی تصنیف تمہارے نام پر ڈیڈیکیٹ کرتا لیکن افسوس نہیں کر سکتا۔ میں جن حالات
میں گھرا ہوں تم سمجھتی ہو اور جانتی ہو کہ اس سے دفعتاً ان قومی کاموں کو نقصان پہنچے گا جو
میرے ہاتھ میں ہیں۔"

"عطیہ! بار بار جی چاہتا ہے کہ تم کوئی چیز طلب کرو اور میں یہاں سے بھیجوں لیکن لکھنؤ
میں کوئی چیز تمہارے قابل نہیں۔ ہم تو جزیرہ تک اچھے نہ کہیں گے۔"

جناب عطیہ بیگم صاحبہ کی ایک بہن جناب نازلی بیگم نواب صاحب جنجیرہ کی بیگم تھیں۔ انہوں نے شبلی کی فرمائش پر ندوہ میں ایک کمرہ اپنے خرچ پر بنوا دیا۔ شبلی نے اس کے شکریہ میں چند شعر کہے۔ ان میں ایک شعر ہے ؎

نازم کہ ایں عطیۂ فیضِ عطیہ است — کاوازۂ سخائش بعالم رسیدہ است

اس میں عطیہ کا لفظ آیا ہے تو اس کی تشریح کرتے ہیں:

"شعراء اور اہلِ ادب عموماً کنایہ سے نام لینا بلاغت اور لطافتِ خیال کرتے ہیں جو لوگ جہانگیر بادشاہ کی مدح میں قصیدے لکھتے تھے عموماً نور جہاں بیگم کا نام لاتے تھے۔ لیکن ہمیشہ کنایۃً۔ کبھی کسی نے تصریح نہیں کی۔ مثلاً سعیدا کا ایک قصیدہ ہے جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

اے سایۂ خدا از نورِ خورشیدِ جہاں　　　　بادا ہمیشہ نورِ خدا سائبانِ تو

اسی مصراع پر یہ شعر بھی ہے اور یوں تو صراحۃً مدد سے لئے دو داعیہ غزل خیر مقدم وغیرہ سب کچھ لکھ چکا ہوں اور عطیہ لکھنے پڑھنے کی کیا بات ہے اس اہر روز نگشا اور ہر گز صدا تمہاری توصیف اور تعریف کا ایک شعر ہے"

ستم یہ ہوا کہ جناب عطیہ بیگم اس پر بگڑ گئیں کہ میرا نام کیوں شعر میں لکھا ہے۔ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ حالانکہ ابھی لکھ چکے ہیں کہ میں نے کنایۃً یہ تمہارا نام لکھا ہے لیکن اس عتاب سے پٹ گئے اور معذرت کی:

"عزیزی! اچھا ہوا کہ میں نے ان سطروں کے معنی تم سے دریافت کئے، ورنہ ممکن تھا کہ میں پھر تمہارا نام کسی موقع پر لاتا اور تم کو رنج پہنچتا۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم یہ کیونکر سمجھتی ہو کہ وہ تمہارا نام ہے۔ عطیہ کے معنی داد و دہش اور انعام کے ہیں اور اسی معنی میں یہ لفظ میں استعمال کرتا ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اتفاق سے یہی تمہارا نام بھی ہے۔ غیر آدمی کیونکر جان سکتا ہے کہ میں نے تمہارا نام لیا ہے۔ اس لئے تم کو رنج کرنے کی کیا وجہ۔ بہرحال آئندہ نہ لکھوں گا۔ تم شاید اس کو حسنِ طلب سمجھتی ہو اور میں شاہنشاہ سے بھی اس قسم کا خیال ننگ سمجھتا ہوں۔"

عطیہ بیگم صاحبہ کا خط تین چار مہینے سے نہیں آیا۔ لکھتے ہیں اور صرف ایک مصرع۔ لیکن کیسا مصرع کہ جس کی تفسیر میں ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

"چہ شود گر بہ سلامے دلِ ما شاد کنی"

ایک دوسرے خط کے آخر میں اپنا نام لکھتے ہیں:

"میں وہی شبلی نعمانی ہوں"

لیکن کہاں تک اقتباس نقل کرتا جاؤں۔ یہ خطوط بقول ڈاکٹر مولوی عبدالحق "بمنزلہ سدا بہار" ہیں۔ یہ ایک مخلص اور بے ریا دل کی آواز ہیں۔ ان میں صداقت کی کھنک ہے اور ان کے لفظ لفظ میں لکھنے والے کی روح بول رہی ہے۔ یہ مختصر مجموعہ موتیوں سے تولنے کے قابل ہے۔ شبلی اگر ان خطوط کے سوا اور کچھ نہ لکھتے (حالانکہ انہوں نے اپنی تصنیفات سے اس زبان کا دامن مالا مال کر دیا) تو بھی ان کا نام اس وقت تک زندہ رہتا جب تک اردو کے پڑھنے اور سمجھنے والے موجود ہیں۔

مہدی کے مضامین (افاداتِ مہدی) اور خطوط (مکاتیبِ مہدی) کے مجموعے ان کی وفات کے بعد شائع ہوئے۔ ان سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کا تنقیدی شعور ایسا پختہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ نہ صرف علم و ادب میں بلکہ ملکی سیاسیات پر بھی ان کے اشارے بعد کے واقعات نے صحیح ثابت کر دکھائے۔ بقول نواب صدر یار جنگ مرحوم مہدی کے مزاج میں "یونان کے سنگتراشوں کی سی نزاکت اور نفاست تھی"۔ ان کے مزاج کی نفاست کا یہ عالم ہے کہ وہ دوم درجہ کی کوئی چیز پسند نہیں کر سکتے۔ کتاب کا موضوع بلند ہو، وہ مجلد ہو اور اچھے کاغذ پر صاف ستھری چھپے، اس کی جلد اعلیٰ درجے کی ہو۔ یہی صورت مضمون کی بھی ہونا چاہیے، اس میں کوئی جھول یا کھٹک نہ ہو، اسلوب میں توازن رہے اور زبان میں ناہمواری نہ آنے۔ غرض ہر ایک چیز کی تراش خراش پر ان کی نظر رہتی تھی۔ ان کے دماغ میں اُپج کا مادہ بہت تھا۔ ہر روز نئی نئی اصطلاحیں گھڑتے رہتے۔ اگر خود نہ بنا پاتے تو دوستوں سے پوچھتے۔ اسی طرح انہیں لکھنے کے لئے بھی نئے نئے عنوان سوجھتے رہتے اور وہ اپنے ہم عمر پڑھے لکھے دوستوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ ان نئے موضوعات پر طبع آزمائی کریں۔ ان کی مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی سے زیادہ اور مولانا پروفیسر عبدالباری سے ذرا کم بے تکلفی تھی۔ ان کے نام کے خط دیکھئے۔ ہر خط میں نظر کے دیئے جاتے ہیں کہ اس موضوع پر کتاب لکھئے، اس پر مضمون قلمبند فرمائیے۔ آپ کے فلاں مضمون میں یہ کمی رہ گئی۔ اس میں یہ غیر ضروری بات در آئی۔ اتنا ہی نہیں۔ وہ اپنا جال اپنے حلقے سے باہر بھی ڈالنے سے نہیں چوکتے۔ حالی اور عبدالرزاق کانپوری (البرامکہ والے) ان سے عمر میں کہیں بڑے تھے لیکن وہ ان سے بھی فرمائش کرتے ہیں کہ میں نے آپ کے لئے یہ موضوع انتخاب کیا ہے اس پر کتاب لکھ ڈالئے۔ میر ناصر علی سے کہتے ہیں کہ آپ اپنے مضامین کا مجموعہ چھاپئے۔ غرض کہ مہدی نے عجیب و غریب دل و دماغ پایا تھا۔ لکھنا پڑھنا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اور انہیں جب بھی سوجھتی تھی، اردو زبان کی آرائش و زیبائش کی، اس کی تصنیف و تالیف کی اور علم و فن کی ترقی کی۔

مہدی صاحب طرز نثر نگار ہیں۔ ان کی زبان آسان نہیں، بلکہ مشکل الفاظ سے بوجھل ہے، اس کے باوجود اس میں رنگینی اور رومانویت بدرجۂ اتم ہے۔ اگر کھوج لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں ان کی رومانویت کا سلسلہ بلکہ منبع صلائے عام والے میر ناصر علی دہلوی تک پہنچتا ہے۔ نیاز فتحپوری بھی میر ناصر علی سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ یہ دونوں میر صاحب موصوف کے نیاز مند اور دوست "صلائے عام" کے مداح اور مضمون نگار تھے۔ میر ناصر علی کی نثر میں ایک خاص قسم کا البیلا پن تھا۔ ان کے حافظے میں خدا معلوم کتنے شعر محفوظ تھے اور وہ اپنی نثر میں ان کا استعمال ایسا برجستہ اور بے ساختہ کرتے تھے جیسا انگوٹھی میں نگینہ جڑ دیا جائے۔ اس صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں ناصر علی بہت مقبول رہے اور ہمارے بہت سے اچھا لکھنے والے پہلے پہل صلائے عام ہی کے افق پر نمودار ہوئے۔ ان میں مہدی اور نیاز نے کامیابی اور شہرت حاصل کی۔ تعجب ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حسن نے اپنے مقالے "اردو ادب میں رومانوی تحریک" میں دنیا جہان کی اور باتیں تو لکھی ہیں لیکن اردو کی رومانوی تحریک پر ناصر علی کا کتنا اثر اور احسان ہے، اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

اب مہدی کے خطوں سے چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

مسز سروجنی نائیڈو جب ابتدا میں قومی جلسوں میں شریک ہوئی ہیں تو ان کی جاذب نظر شخصیت اور ولولہ انگیز خطابت نے "جنت نگاہ" اور "فردوس گوش" کا ایک ایسا دلفریب امتزاج پیش کیا کہ کتنے صاحب ریش و بروت اور اہل جبہ و عمامہ تک نے ہتھیار ڈال دئے۔ اسی زمانے میں سید سلیمان ندوی نے معارف میں شذرات میں اس پر تبصرہ کیا۔ مہدی نے جب یہ شذرات دیکھے تو انہیں خط لکھا:

"آپ نے شاعرۂ دکن پر جو بجلیاں گرائی ہیں اور اس سلسلہ میں مختون، سوسائٹی پر جس

خوبصورتی سے بسر کی ہے، سچ یہ ہے کہ وہ نازک خیالی کی آخری حد ہے، میں نے
بار بار پڑھا اور لطف اٹھاتا رہا۔

جس زمانہ میں یہ پہلی دفعہ اسٹیج پر آئی ہے اور اس کی زبان سے یہ شعر نکلا ہے ؎

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بسے
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

خوب یاد ہے کہ بہتیرے دل تھام کر بیٹھ گئے تھے۔ چڑھتی دوپہر سے ڈھلتی چھاؤں زیادہ
خوشگوار ہوتی ہے، یہ حُسن و عشق کا ایک نہایت ہی نازک نکتہ ہے۔ عورت اتنی باکیف تو ہوسے

من فدائے بتِ شوخے کہ بہ ہنگامِ وصال
بمن آموخت خود آئینِ ہم آغوشی را

مدت سے سوچ رہا تھا اس کی اچکار نسائیت کو اپنی چند سطروں کا تختۂ مشق بناؤں لیکن
آپ میرے لئے بالکل گنجائش نہیں چھوڑی اور ساتھ ہی میرے دل کا ارمان پورا کر دیا۔ جو خاکہ
آپ نے کھینچا ہے اور جس جس پہلو سے چوٹ کی ہے وہ "مال" کی چیز نہیں۔ غلاف شکر میں
اس طرح کوٹ کوٹ کر زہر بھرا ہے کہ خود آپ سے داد لینے کو جی چاہتا ہے لیکن ایک
خلش رہ گئی۔ "اکابر کی تخفیف الحرکۃ" تک تو مضائقہ نہیں لیکن یہ لعنتِ مرتی "لڑالہلال" کی
زبان ہے جو آپ کے لب و لہجہ کی نفاست اور موقع کلام کے لحاظ سے بیگانی سی معلوم
ہوتی ہے۔ بس اس قدر کافی تھا کہ "حافظ کو آٹھویں صدی میں "حسن خلوت" کی شکایت تھی۔
چودھویں صدی کی "خلوت" کچھ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔" میری غرض یہ ہے کہ نقل الفاظ
کی جگہ صرف مفہوم کی تلخی سے کام لیا جاتا۔ یہ مانیں کوئی اور آپ کو نہیں لکھے گا لیکن مجھ کو جس
حد تک خلوص ہے اس کا اقتضائے طبعی یہ ہے کہ جن نکتوں پر غایت ظہور کی وجہ سے دوسروں
کی نگاہ نہیں پڑتی آپ کے نوٹس میں لاؤں۔"

مہدی کے نزدیک عورت پیدا ہی اس لئے ہوئی ہے کہ دنیا کے حسن و لطافت میں اضافہ کرے۔ وہ اس کی ایک ایک ادا پر
جان چھڑکتے ہیں۔ عورت کی نفسیات پر اور وہ بھی جنسی نفسیات پر انہوں نے بڑے پتے کی باتیں لکھی ہیں۔ اس میں اگر ان کا کوئی حریف ہے تو خود
انہی کا معنوی استاد میر ناصر علی۔ افسوس کہ ناصر علی کے مضامین کا مجموعہ شائع نہ ہوا اور اس طرح اردو والے ایک صاحب طرز انشا پرداز کی تحریروں
سے محروم ہو گئے اور اسی لئے اسے بھول بھی گئے۔ نوجوانوں میں آج کتنے ہیں جو ناصر علی اور علامۂ عام کا نام بھی جانتے ہیں، حالانکہ ایک زمانے
میں ان دونوں کا طوطی بولتا تھا۔ سچ ہے ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔

خیر تو مہدی کے خطوں کے چند اور اقتباس دیکھئے:

(۱) "آپ اکبرپور اس لئے نہ آسکے کہ مسلمانوں کو اونٹ کی سواری کی عادت نہیں رہی ورنہ

چاہیل کی سڑک کچھ بڑی بات نہیں۔ آپ کی نقل و حرکت مشرق و مغرب میں دیکھی تھی، کہ یہ دونوں آپ پر مٹے ہوئے ہیں۔ شملہ آپ کو پسند نہیں آیا، لیکن مجھے تو نام سے دلچسپی ہے دیکھیے پھولوں کی سیج پر "حوائی کی ورزش" کی شائقہ اپنے چاہنے والے سے کیا کہتی ہے ؎

دوسرا تیسرا یہ مسئلہ ہے   یہ بھی کیا کوئی شہر شملہ ہے "

---

(۲) "مدت سے وطن اگو رکھیوں نہیں گیا۔ ایک چکر میں پڑ گیا تھا۔ "گورے" کی دل کی سیاہی جب قلم سے ٹپکتی ہے تو زیادہ پھیلتی ہے۔ لباس منعدیۃ پر ایک کم بخت کی نظر لگی یعنی جبل مرغ کی ایک ٹانگ، حریف کو سپرڈالنی پڑی اور میں خدا خدا کر کے ڈیڑھ سال کے بعد گھر سے چھوٹا، یعنی تحصیلداری پر جس کا پیداں شائق نہیں مستقل ہو گیا۔ یہ اضافی تصریح اس لیے ہے کہ وطن آیا تو دارالمصنفین میرے لیے گھر آنگن ہو گا اور آپ سے بوسہ بر پیام کی جگہ آپ عورت ہوتے تو لمنا لب بہ لب کی ٹھہرے گی۔ آخری فقروں سے آپ کے تقدس میں کچھ فرق تو نہیں آیا؟"

---

(۳) "آپ کا برسناں سفری، وہ بھی "تخت رواں" ریل پر بہت ہی لائق رشک رہا۔ سچ یہ ہے کہ حسن لطیف اپنی پاکیزہ وشی اور کافرادائی کے ساتھ "کائنات" کے خوبصورت چہرے کا "غازہ" ہی نہیں بلکہ ہمارے لیے شرط زندگی بھی ہے کہ بغیر اس کے دنیا سرے سے رہنے کے لائق نہیں۔"

---

(۴) "بھائی مقبول! مدت سے کچھ خبر نہیں۔ میں بھی خاموش رہا لیکن آپ کے درد دل کے احساس سے خالی نہیں۔ رفیقہ زندگی شراب کی طرح جتنی پرانی ہو زیادہ باکیف ہوتی ہے یہ وہ راز ہے جو ہوس پرستی کے مبتدیوں کی سمجھ میں نہ آئے لیکن میں اس کے اندازہ سے قاصر نہیں ہوں کیونکہ اس زہر کی تلخی میرے حصہ میں آچکی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں اس وقت مجروح ہوا جب عمر کی دوپہر تھی لیکن ڈھلتی چھاؤں یعنی عمر کے پچھلے دور میں تو یہ سانحہ بالکل ناقابل تلافی ہوتا ہے۔ خاص کر ایک ایسی خوش صفات اور باوفا ہستی کی ابدی جدائی در اصل شوہر کی روحانی موت ہے۔ ان خیالات کے ساتھ میں کیا آپ کی تسلی کر سکتا ہوں۔ لیکن آپ تو بہت دیندار اور پورے مولوی ہیں حوادث کے لحاظ سے "مشیت ایزدی" یا اس کی مترادف سہی لیکن سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔"

صلائے عام کے لئے ایک مضمون بھیجا۔ میر ناصر علی نے اسے پسند کیا، اس پر انہیں لکھتے ہیں:
"تعریف سے خوش ہونا انسانی کمزوری ہے جسے اگلے لوگ حماقت سمجھتے تھے لیکن سچا
اعتراف میرے خیال میں ادبی ترقی کو ابھارتا ہے۔ اس لئے خوش ہوں کہ آپ کے سلسلہ
میں میری بات بھی بنی ہوئی ہے۔ "مقیاس النساب" کی آپ کو داد دینی ہوگی۔ نور جہاں کے
ذکر کے ساتھ کیونکر ممکن تھا کہ اس کا خیال نہ آتا، جسے مغربی شعراء "بہترین عطر فطرت"
کہتے ہیں۔ میں نے اس موقع پر "طبقۂ حسن" کے لئے "مقیاس النساب" لکھا ہے اور یہ
خاص میری گھڑت ہے۔ آپ دیکھیں گے متانت میں کس قدر شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے
اور گو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس ترکیب پر مجھے ناز ہے تاہم لذتِ احساس سفارشی ہے کہ اچھی
سوجھی۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ کہیں اس سے میرے مذاقِ خاص کی غمازی تو نہیں ہوتی!
میں آپ کی نگاہ میں ذرا ثقہ رہنا چاہتا ہوں۔"

مہدی کی پہلی بیوی انہیں جوانی میں داغ مفارقت دے گئی تھی ایک مدت کے بعد دوسرا نکاح کیا۔ اسی زمانے میں میر ناصر علی کو اس
کی خبر دیتے ہوئے لکھا:

"پیارے جناب! میں ادھر ہفتہ عشرہ آپ کی طرف سے کچھ غافل سا رہا لیکن اس کی وجہ بہت
دلچسپ ہے۔ آپ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ دنیا میں کسی کو چاہنا غضب ہے لیکن اس
سے زیادہ قیامت یہ ہے کہ کہیں سے آواز آئے کہ "تو مجھ پر مرتا ہے تو میں بھی تم پر جان دیتی ہوں"۔
پہلے پہل آنکھیں کھولیں۔ مدت ہوئی ایک رفیقِ زندگی مل گیا تھا تو خوابِ طفلی و آرزوئے شباب
دونوں میں تھی۔ زندگی کا بہترین حصہ اس کی پرستش میں گذارا لیکن اس نے ترکِ رفاقت کی آج تک
داغ دل میں موجود ہے ؎

یہ سینے میں تا زندگانی رہے گا
ترا داغ دل میں نشانی رہے گا

دنیا سے طبیعت بیزار ہوگئی۔ قصد کر لیا پھر کبھی عقد نہ کروں گا۔ کئی برس یوں ہی گذر گئے اپنے
ڈھب کی چیز ملتی نظر نہ آئی۔ جیسی چاہتا تھا وہ بس کی چیز نہ تھی۔ خدا خدا کر کے ایک میتی جاگتی
زہرۂ شب آئی اور آج اس لائق ہوگیا کہ آپ کو اپنے اجرام جو بد کی خبر دینے بیٹھا ہوں
میں بعض صورتوں میں کسی حد تک مغربیت پسند کرتا ہوں یعنی تھوڑی سی آزادی لیکن مصیبت
یہ ہے کہ تعزّزِ خاندانی کے ساتھ گھٹاؤ کی کوئی حد نہیں اور ہمارے ہاں اس قسم کے اجرام
اندھیرے کا نشانہ ہیں جس سے مجھ کو طبعی نفرت ہے۔ لیکن شکر ہے کہ اندھیرے میں بجلی چمکی
اور وہ گوہرِ شب چراغ مل گیا جس کی تلاش تھی۔ عورت نہیں تو ہو جسے آپ مجسم شاعری کہہ سکیں
جس کی دلکش آواز کانوں میں موسیقی کا مزا دے جو اپنی لطافت و نزاکت کے لحاظ سے

شائستگی کا انتہائی مخیل ہو۔
نفاست چاہتی ہے حسن سیرت کے ساتھ صورت کی بھی اچھی سے اچھی ہو، لیکن مشکل یہ ہے
کہ ہندوستان میں گوری چٹی فقداً اور رزہرہ کی جگہ سانولی کرتی اور نفیس پیدا ہونے لگیں اور
حسن صبیح کی جگہ ایک طرح کا نمک ایجاد کیا گیا۔ لیکن جس طرح میں دوسرے درجہ کی کوئی چیز پسند
نہیں کرتا، یہاں بھی یہ معیار قائم رہا۔ آئندہ ہفتہ میں میرے پاس آجائے گی اور آپ
اس کی جلوہ گری کے آثار صلائے عام کے صفوں پر پردے پردے میں دیکھیں گے۔"

اقتباسات غالباً طویل ہو رہے ہیں۔ لیکن جی نہیں مانتا کہ مہدی کی تنقید کی دو ایک مثالیں پیش کئے بغیر گذر جاؤں۔ کسی زمانے میں لکھنؤ سے مولانا عبدالماجد دریا بادی کے ایما پر ایک ہفتہ وار اخبار "حقیقت" نکلا تھا۔ پس پردہ مولانا دریا بادی کا ہاتھ تھا اور وہ نام سے اور بے نام اس میں لکھا کرتے تھے۔ مدیر حقیقت نے ایک ناول زلیخا لکھا اور اسے مولانا دریا بادی کے نام معنون کیا۔ جب اس کا ایک نسخہ مہدی کو ملا تو انہوں نے اس پر اپنی رائے یوں ظاہر کی:

"زلیخا میں لکھنؤ کی شستہ رفتہ زبان کا دعویٰ کیا گیا ہے، لیکن ایک موقع پر نند بھاوج کی
گفتگو اور اس کا لب و لہجہ اس قدر عامیانہ اور سوقیانہ (VULGAR) ہے کہ ایک بھٹیاری
بھی اس بھدے پن کا تحمل نہیں کر سکتی۔ فاطمہ شوخ سہی، لیکن بے باکی میں بھی ایک انداز ہوتا
تھا۔ اظہار سے زیادہ خیال کے لئے بعض نکتوں کو چھوڑنا تھا لیکن ان نزاکتوں پر آپ
کی طرح دوسروں کی نظر نہیں پڑے گی۔ ہنر سے مجھیں گے تصویر کے دونوں رُخ ہیں،
بُرے کو زیادہ نمایاں کر کے دکھایا ہے اور یوں مقصود ہاتھ سے نہیں گیا۔"

ادب اور لٹریچر کی تعریف ملاحظہ ہو۔

"میری غرض مستقلاً "لطائف ادبی" یعنی (Belles letters) سے ہے۔ غالب
نے اپنی مشکل پسندی کے ساتھ اس رنگ کو کسی حد تک نبا ہا، لیکن نفسِ لٹریچر جو خود
ایک مستقل چیز ہے، خاص طرح کی شرافت اور نزاکتِ خیال چاہتا ہے۔ نرے روزمرہ اور
محاورے کے الٹ پھیر سے کام نہیں چلتا۔ یہ بات میں آپ میں پاتا ہوں، یعنی آپ
جو کچھ لکھتے ہیں خالص ادیب کی حیثیت سے، اور کمال انشا پردازی کا اقتضا بھی یہی ہے
کہ ادب یعنی لٹریچر اور اصنافِ سخن کی طرح خود مستقل بالذات ہو۔"

افسوس کہ مہدی نے بہت کم وقت پایا۔ سرکاری ملازمت تھی، اس لئے بھی فرصت کم ملتی تھی اور عمر بھی کم ہی پائی۔ خوش درخشید و لے دولت مستعجل بود۔

میں نے مہدی کے ساتھ نیاز فتحپوری کا نام لیا ہے۔ نیاز کے خطوط کے تین مجموعے مکتوباتِ نیاز کے نام سے چھپ چکے ہیں شاید یہ بات عام طور پر معلوم نہیں کہ چند خطوں کو چھوڑ کر ان میں سے بیشتر کسی خاص شخص کے نام نہیں لکھے گئے بلکہ جب انہیں خیال آیا انھوں نے

قلم برداشتہ چند سطریں خط کی شکل میں لکھ دیں۔ ان میں چند خط خود میرے نام ہیں لیکن یہ مشکل ہے کہ معلوم کیا جائے کہ کتنے خط اصلی ہیں اور کتنے بنائے نام۔ بہرحال جہاں تک انشا کا تعلق ہے یہ بے مثال ہیں اور اُردو کی بہترین نثر کے نمونے ان میں موجود ہیں۔

مہدی کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط کا مجموعہ غبارِ خاطر قابلِ ذکر ہے۔ مولانا کے علم و فضل کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ ایسے وقت میں پیدا ہوئے جب مسلمانوں میں سیاسی زوال کے باعث علم و فن کی طرف سے کچھ بے نیازی سی پیدا ہو گئی تھی اس لئے ان کی کما حقہٗ قدر نہیں ہوئی۔ کس حسرت سے فرماتے ہیں:

"میری زندگی کا سارا ماتم یہ ہے کہ اس عہد اور محل کا آدمی نہیں تھا مگر اس کے حوالے کر دیا گیا۔"

یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ دو تین سو برس پہلے پیدا ہوئے ہوتے تو آج ہم انہیں بھی ان ائمہ دین اور اساطین علم کے گروہ میں جگہ دیتے جن کے نام سُن کر فرطِ ادب و عقیدت سے بے اختیار ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں۔ چونکہ وہ ہمارے سامنے ہیں اور اس کے علاوہ سیاست نے بھی انہیں اتنی فرصت نہیں دی کہ وہ اپنے افکار قلم بند کر دیتے اس لئے ہم ان کا مقام پہچاننے سے قاصر رہے۔

مولانا آزاد نے یہ خطوط جیل خانے میں لکھے تھے لیکن چونکہ اس زمانے میں رسل و رسائل پر پابندیاں تھیں اس لئے یہ مکتوب الیہ کو بھیجے نہیں گئے۔ جب وہ رہا ہوئے تو انہوں نے انہیں چھاپنے کی اجازت دے دی اور اس طرح مکتوب الیہ کو بھی یہ مطبوعہ شکل ہی میں ملے۔ دنیائے ادب میں غالباً اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

ان خطوط میں بھی وہی رنگا رنگی اور بوقلمونی ہے جو مولانا آزاد کی اپنی زندگی میں ہے۔ ان میں سیاست ہے، دین ہے، فلسفہ ہے، انسانہ ہے، ادب ہے، تاریخ ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ انشا ان سب پر بھاری ہے۔ ہر جگہ طرزِ تحریر ایسا دلکش اور زبان ایسی پیاری ہے کہ ؎

وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی

ان سے اقتباس کرنا مشکل ہے کیونکہ عبارت میں وہ تسلسل اور روانی ہے کہ جب تک صفحے کے صفحے نقل نہ کئے جائیں۔ نہ موضوع ختم ہوتا ہے اور نہ اس کا پورا لطف ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

سب سے پہلے آپ بیتی کا ایک ٹکڑا سنئیے:

"اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ بھی کیا زمانہ تھا اور طبیعت کے کیا کیا ولولے تھے۔ میری عمر سترہ برس سے زیادہ نہ ہو گی، لیکن اس وقت بھی طبیعت کی افتاد یہی تھی کہ جس میدان میں قدم اٹھائیے پوری طرح اٹھائیے اور جہاں تک راہ ملے بڑھتے ہی جائیے کوئی کام بھی ہو لیکن طبیعت اس پر کبھی راضی نہیں ہوتی کہ ادھورا کر کے چھوڑ دیا جائے۔ جس کوچے میں بھی قدم اٹھایا اسے پوری طرح چھان کر چھوڑا۔ ثواب کے کام کئے تو وہ بھی پوری طرح کئے۔ گناہ کے کام کئے تو انہیں بھی ادھورا نہ چھوڑا۔ رندی کا کوچہ ملا تھا تو اس میں بھی سب سے آگے رہے تھے، پارسائی کی راہ ملی تو اس میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ طبیعت کا تقاضا ہمیشہ یہی رہا کہ جہاں کہیں جائیے ناقصوں اور خاموں کی طرح نہ جائیے۔ رسم و راہ رکھئے تو راہ کے کاملوں سے۔ شیخ علی حزیں نے بڑی بانی

کہا تھا ؂

"تا دستِ ہمہ بود، زدم چاک گریباں   شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم"

مولانا چائے کے بہت رسیا ہیں اور چائے بھی خاص چینی۔ جن ایام میں یہ جیل میں تھے وہاں بھی یہی پیتے تھے لیکن ان کے بیشتر ہم جلیس اس متاعِ گراں مایہ کے قدر داں نہیں تھے۔ ان کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"یہاں ہمارے زنداںیوں کے قافلہ میں اس جنس کا شناسا کوئی نہیں ہے۔ اکثر حضرات دودھ اور دہی کے شائق ہیں اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دودھ اور دہی کی دنیا چائے کی دنیا سے کتنی دور واقع ہوئی ہے۔ عمریں گذر جائیں، پھر بھی یہ مسافت طے نہیں ہو سکتی۔ کہاں چائے کے ذوقِ لطیف کا شہرستانِ کیف و سرور اور کہاں دودھ اور دہی کی شکم پروری کی نگری۔

اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق   رکھتی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

جواہر لال بلاشبہ چائے کے عادی ہیں اور چائے پیتے بھی ہیں، خواص یورپ کی ہم مشربی کے ذوق میں بغیر دودھ کی۔ لیکن جہاں تک چائے کی نوعیت کا تعلق ہے، شاہراہِ عام سے باہر قدم نہیں نکال سکے اور اپنی چھوٹی چھوٹی قسموں پر قانع رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ان حضرات کو اس چائے کے پینے کی زحمت دینا نہ صرف بے سود تھا بلکہ "وضع الشئ فی غیر محلہ" کے حکم میں داخل تھا ؂

مے بہ تاریک گن عرضہ کہ ایں جوہرِ ناب

پیشِ ایں قوم بہ شورابۂ زمزم نرسد

ان حضرات میں صرف ایک صاحب ایسے نکلے جنہوں نے ایک مرتبہ میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے یہ چائے پی تھی اور محسوس کیا تھا کہ "اگرچہ بغیر دودھ کی ہے مگر اچھی ہے"۔ یعنی بہتر تو یہی دودھ والا گرم شربت ہوا جو وہ روز پیا کرتے ہیں، مگر یہ بھی چنداں بری نہیں۔ زمانے کی عالمگیر تیرہ مذاقی دیکھتے ہوئے ان کی صرف "اچھی ہے" کی داد بھی مجھے اتنی غنیمت معلوم ہوئی کہ کبھی کبھی انہیں بلا لیا کرتا تھا کہ آئیے ایک پیالی اس "اچھی ہے" کی بھی پی لیجئے۔

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

ان کے لئے یہ صرف "اچھی" ہوئی۔ یہاں چائے کا سارا معاملہ ہی ختم ہو جائے اگر یہ "اچھی ہے" "ختم" ہو جائے۔ غالب کیا خوب کہہ گیا ہے ؂

"زاہد از ما خوشۂ تاکے بہ چشمِ کم مبیں   ہیں! نمی دانی کہ یک میخانہ نقصاں کردہ ایم"

انسانی دماغ نقل اور تقلید کا جس طرح گرویدہ ہے عقیدہ اور خیال کتنا ہی غیر معقول اور لغو کیوں نہ ہو انسانی طبیعت آسانی سے اسے نہیں ہوتی۔ آج ہم تعجب کرتے ہیں کہ انبیاء اور مصلحین کی کیوں اتنی مخالفت ہوئی۔ اس کی تہ میں بھی یہی بات ہے۔ مولانا آزاد ایک خط میں لکھتے ہیں :

"انسان کی دماغی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی روک اس کے تقلیدی عقائد ہیں۔ اسے کوئی طاقت اس طرح جکڑ بند نہیں کر دے سکتی جس طرح تقلیدی عقائد کی زنجیریں کر دیا کرتی ہیں۔ وہ ان زنجیروں کو توڑ نہیں سکتا اس لئے کہ توڑنا چاہتا ہی نہیں۔ وہ انہیں زیور کی طرح محبوب رکھتا ہے۔ ہر عقیدہ، ہر عمل، ہر نقطۂ نگاہ جو اسے خاندانی روایات اور ابتدائی تعلیم و صحبت کے ہاتھوں مل گیا ہے اس کے لئے ایک مقدس ورثہ ہے۔ وہ اس ورثہ کی حفاظت کرے گا مگر اسے چھونے کی جرأت نہیں کرے گا۔ بسا اوقات موروثی عقاید کی پکڑ اتنی سخت ہوتی ہے کہ تعلیم اور گردوپیش کا اثر بھی اسے ڈھیلا نہیں کر سکتا۔ تعلیم دماغ پر ایک نیا رنگ چڑھا دے گی، لیکن اس کی بناوٹ کے اندر نہیں اترے گی۔ بناوٹ کے اندر ہمیشہ نسل، خاندان اور صدیوں کی متوارث روایات ہی کا ہاتھ کام کرتا رہے گا۔"

ایک جگہ بہار کا ذکر کرتے ہوئے بلبل کے ترانوں پر یوں گہر افشانی کی ہے :

"حقیقت یہ ہے کہ نوائے بلبل بہشتِ بہار کا ملکوتی ترانہ ہے۔ ہر ملک اس بہشت سے محروم ہے وہ اس ترانے کے ذوق سے بھی محروم ہے۔ گرم ملکوں کو اس عالم کی کیا خبر۔ زمستان کی برف باری اور پت جھڑ کے بعد جب موسم کا رخ پلٹنے لگتا ہے اور بہار اپنی ساری رعنائیوں اور جلوہ فروشیوں کے ساتھ باغ و صحرا پر چھا جاتی ہے تو اس وقت برف کی بے رنگیوں سے ٹھٹھری ہوئی دنیا یکایک محسوس کرنے لگتی ہے کہ اب موت کی افسردگیوں کی جگہ زندگی کی سرگرمیوں کی ایک نئی دنیا نمودار ہو گئی۔ انسان اپنے جسم کے اندر دیکھتا ہے تو زندگی کا تازہ خون ایک ایک رگ کے اندر ابلتا دکھائی دیتا ہے۔ اپنے سے باہر دیکھتا ہے تو فضا کا ایک ایک ذرہ عیش و نشاطِ ہستی کی سرمستیوں میں رقص کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز جو کل تک محرومیوں کی سوگواری اور افسردگیوں کی جاں کاہی تھی، آج آنکھیں کھولئے تو حسن کی عشوہ طرازی ہے۔ کان لگائیے تو نغمہ کی جاں نوازی ہے۔ سونگھئے تو سرتاسر بو کی عطر بیزی ہے۔"

یہ نثر نہیں، شعر ہے۔ شعر بھی ایسا کہ اگرچہ یہ عروض کے کسی اصول پر نہ آ سکے لیکن اس کا لطف شعر سے کسی طرح کم نہیں۔ ہاں یہ درست ہے پورے طور پر لطف اندوز ہونا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

اوپر کے اقتباس بھی اس سے خالی نہیں، لیکن ایک اور مختصر سی عبارت دیکھ لیجئے جس میں تصویر کشی کی گئی ہے :

سر رات کا سماں، ستاروں کی چھاؤں، ڈھلتی ہوئی چاندنی اور اپریل کی بھیگی ہوئی رات۔ چاروں
طرف تاج کے سارے سر اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ بُرجیاں دم بخود بیٹھی تھیں۔ بیچ
میں چاندنی سے دُھلا ہوا روپہلی گنبد اپنی کرسی پر بے حس و حرکت متمکن تھا۔ نیچے جمنا کی پتلی
جدولیں بل کھا کھا کر دوڑ رہی تھیں اور اوپر ستاروں کی اَن گنت نگاہیں حیرت کے عالم میں
تک رہی تھیں۔ نور و ظلمت کی اس ملی جُلی فضا میں اچانک پردہ ہائے ستار سے لرزتے
بے حرف اٹھتے اور ہوا کی لہروں پر بے روک تیرنے لگتے۔ آسمان سے تارے جھڑ رہے
تھے اور میری انگلی کے زخموں سے نغمے ؎

زخمہ بر تارِ رگِ جاں می زنم — کس چہ داند تا چہ دستاں می زنم"

حقیقت یہ ہے کہ ان خطوط کی خوبیوں کا اندازہ ان اقتباسات سے نہیں ہو سکتا۔ پوری کتاب اس قابل ہے کہ اسے مسلسل
مطالعہ میں رکھا جائے اور بار بار پڑھا جائے۔

ابھی پچھلے دنوں ایک اور ایسا خطوط کا مجموعہ شائع ہوا ہے کہ اسے دیکھ کر جی خوش ہو گیا اور اسے پڑھ کر وجدان وجد کرنے لگا
خدا کا شکر کیا کہ ع

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

میری مراد چودھری محمد علی ردولوی کے خطوط سے ہے جو "گویا دبستاں کھل گیا" کے بولتے عنواں سے شائع ہوئے ہیں۔ ان
خطوں میں وہی بے ساختگی اور آمد ہے جو غالب کا حصّہ تھی۔ چودھری محمد علی کی ندرتِ زبان کی تعریف فضول ہے کہ وہ اس دریا کے پرانے
شناور ہیں۔ بقول نیاز فتحپوری "وہ لکھتے نہیں بات کرتے ہیں۔" دوسرے لفظوں میں انہوں نے بھی غالب کی طرح مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے
میں نے انہیں باتیں کرتے نہیں سنا لیکن ان خطوں کے پڑھنے کے بعد میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی گفتگو بھی بڑی دلچسپ اور
باغ و بہار ہوگی۔ نیاز ہی نے لکھا ہے کہ "جس نے انہیں بات کرتے سنا ہے وہ ہی سمجھ سکتا ہے کہ منہ سے پھول جھڑنا کسے کہتے ہیں۔" میں
شرحِ صدر سے اس پر "آمنت بالغیب" کہہ سکتا ہوں۔

آج کل ہمارے ادیب اور مصنف جو زبان لکھتے ہیں اسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ بے محل مشکل لفظ، عربی اور فارسی ترکیبوں کی بھرمار
عبارت میں الجھاؤ، طولِ کلامی ان کا امتیازی نشان ہے۔ یہ اصحاب گھر بار یا گلی بازار میں اس زبان میں گفتگو نہیں کرتے۔ آخر کیا بات ہے کہ
ایک شخص بات چیت میں تو چنگی بھلی زبان بولتا ہے جس کے بولنے میں خود اسے کوئی کاوش نہیں کرنا پڑتی اور جس کے سمجھنے میں سننے والے
کو دماغ پر زور نہیں دینا پڑتا۔ اِدھر دل سے نکلی اُدھر دل پر اثر انداز ہوئی۔ لیکن جونہی وہ کچھ لکھنے بیٹھتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا تحریر "انتخاب
صراح و قاموس" ہے۔ ممکن ہے اس کے اور اسباب بھی ہوں لیکن بولنے اور لکھنے کی زبان میں جو نمایاں فرق ہے میرے نزدیک اس کی بڑی
وجہ خود لکھنے والوں کی غلط فہمی ہے۔ یہ اصحاب خیال کرتے ہیں کہ جب تک مشکل اور پُرشکوہ الفاظ نہ لکھے جائیں پڑھنے والے پر رعب نہیں
پڑے گا، یا شاید تحریر کمزور رہ جائے گی۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ بے شک بعض موضوع ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے روزمرہ کی سیدھی سادی
زبان کافی نہیں ہوتی اور شاید مناسب بھی نہیں ہوتی، لیکن علمی اور فنی موضوعات کو چھوڑ کر جہاں اصطلاحات سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں

کوئی اور ایسا مضمون نہیں جو ہم اپنی عام فہم زبان میں ادا نہ کر سکیں۔ جب سے ہمارے انگریزی دان اصحاب نے اردو میں لکھنا شروع کیا ہے آہستہ آہستہ ایک اور نقص بھی داخل ہو گیا ہے۔ آپ کسی ڈاکٹر صاحب یا بی اے ایم اے کا مضمون دیکھ لیجئے۔ آپ کو قدم قدم پر ایسے فقرے ملیں گے جو انگریزی سے ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی بدیشی ترکیبیں اور محاورے کسی طرح ہماری زبان کے مزاج سے میل نہیں کھاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصحاب سوچتے انگریزی میں اور لکھتے اردو میں ہیں۔ دونوں زبانیں جاننے کی وجہ سے اپنے خیال کا ترجمہ تو اردو میں کر لیں گے لیکن چونکہ مزاج میں سہل انگاری بہت ہے اس لئے وہ اس بات کی پروا نہیں کریں گے کہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ ہمارے مسلمہ معیار پر بھی پورا اترتا ہے یا نہیں۔ بے شک زبان بڑھتی دولت ہے۔ اس میں نئے الفاظ آتے رہتے ہیں اور پرانے الفاظ میں سے ترک بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اسلوب اور طرز کا بھی یہی حال ہے۔ آج ایک طرز مقبول ہے کل وہی مردود ہو جاتا ہے۔ تجربوں سے کوئی نہیں روکتا۔ اگر کوئی روکتا ہے تو وہ زبان کی ترقی کا دشمن ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ آپ زبان کو امیر خسرو کی اٹل بنا کے رکھ دیں۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ آپ چودھری محمد علی کے یہ خط پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ زبان کسے کہتے ہیں اور اس میں کیسے کیسے خیالات ظاہر کرنے کی صلاحیت ہے۔ آپ صفحوں کے صفحے پڑھ جائیے، آپ کو کسرۂ اضافت کہیں ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ جو زبان بولتے ہیں اسی میں انہوں نے خط لکھ دیئے ہیں۔ ایسی رواں دواں نثر بہت مدت کے بعد دیکھنے میں آئی اور اسے پڑھ کر بے ساختہ زبان سے نکل گیا "خوش گفتی و درسفتی"۔

اب دو تین مثالیں دیکھئے۔ پہلے دو ایک تازہ تشبیہیں ملاحظہ ہوں۔

بیٹی کی بیماری کی خبر سنی ہے اسے لکھتے ہیں:

"قربانت شوم! سن رہا ہوں کہ تمہارے دشمنوں کو حرارت آ گئی۔ تمہاری بیماری میں میری وہی کیفیت ہوتی ہے جو میر تقی میر کی برسات میں پرانے گھر کو دیکھ کر ہوتی تھی کہ

تر ٹک ہو تو سو کھتے ہیں ہم"

ان کی ایک کتاب "کشکول محمد علی شاہ فقیر" ہے۔ کاتبوں اور ناشروں نے اس کا ستیاناس کر دیا ہے۔ اس کی اطلاع ایک دوست کو دیتے ہیں:

"کشکول محمد علی شاہ فقیر" امید ہے کہ ڈھائی برس کے بعد پریس سے آ جائے۔ جیسے ہی آئی حاضر کروں گا مگر صلاح الدین صاحب! چھاپنے والے نے کیا ظلم کیا ہے۔ چھپائی ایسی ہے جیسے یتیم بچے کا منہ ہوتا ہے۔ غلطیاں ایسی ہیں کہ جیسے بڑے گھر کی لونڈی ہوتی ہے۔ کتاب مسخ ہو کر رہ گئی ہے اور ہم ہیں کہ بے بس بے اختیار دم بخود بیٹھے ہیں۔"

ایک دوست کی بیوی فوت ہو گئی ہیں اسے تعزیت کا خط لکھتے ہیں اور دیکھئے کیسے انوکھے طریقے سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے:

"میں ناتجربہ کاری کے زمانہ میں تعزیت اور پرسے پر ہنسا کرتا تھا۔ میری ایک لڑکی

جو بہت دنوں سے بیمار تھی (اس کے علاوہ چار لڑکیاں اور بھی تھیں) وہ گزر گئی۔ صبح کو ایک صاحب تعزیت کو آئے۔ بیچارے کم سخن تھے۔ آ کر چپ بیٹھ گئے میں نے کہا۔ ہاں تو پھر شروع کیجئے " بچی کیا بیمار تھی؟ مجھ کو اطلاع بھی نہیں ہوئی خدا آپ کو صبر دے" وہ بیچارے پریشان ہو گئے۔ اس کے بعد میرا اکلوتا بیٹا گزر گیا۔ اس واقعے کے بعد ایک دیہاتی جاہل ملاقاتی نے ہمدردی کی عجب بھونڈے طریقے سے اس نے مجھے تسکین دی۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ جیسے زخم پر کسی نے مرہم رکھ دیا۔ اس نے کہا " وہ لڑکا تمہارا تھا ہی نہیں۔ اگر تمہارا ہوتا تو تمہارے پاس رہتا۔ وہ جس کا تھا اس نے لے لیا۔ تم کیوں رنج کرتے ہو"

ہاشمی صاحب! اس وقت بھی وہ زخم ہرا ہے اور اس وقت بھی وہ مرہم اپنا کام کر رہا ہے۔ اس کے بعد سے میں ہر پہلو سے تعزیت کی قیمت سمجھنے لگا اور اسی وجہ سے یہ صفحہ سیاہ کیا کہ شاید دلی ہمدردی غم میں کچھ اضافہ کرے۔ ارحم الراحمین آپ حضرات کو صبر دے۔ آمین!

محمد علی کی مزاح کی حس بہت تیز ہے۔ موقع مل جائے تو جلنے بسانے سے نہیں چوکتے۔ اگر کسی اور پر نہیں ہنس سکتے تو اپنے کو بھی تختۂ مشق بنانے میں دریغ نہیں۔ ایک دوست جن سے بہت دن سے ملاقات نہیں ہوئی اور انہوں نے خیر خیریت کا خط بھی نہیں لکھا، انہیں لکھتے ہیں:

"زمانہ اور اسباب زمانہ اتنے دوسرے ہو گئے ہیں کہ نہ معلوم کتنے ہیں کہ جن سے مل کر جی خوش ہوتا تھا اور اب برسوں خبر بھی نہیں ہوتی۔ خود ہمارے ساتھی تو قریب قریب ختم ہو چلے۔ جیسے کہ ہم نے اپنے سے کم سن لوگوں سے رسم بڑھائی تھی۔ گویا سینگ کٹا کے بچھڑوں میں داخل ہو گئے تھے۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہے کہ ان سے بھی واسطہ نہ رہا۔ اب دو ایک بڈھے رہ گئے ہیں۔ ان سے کبھی ملاقات ہو جاتی ہے تو آپس میں ایسی باتیں ہوتی ہیں، جیسے ہم لوگ اعراف میں بیٹھے ہیں۔"

صحت خراب ہے اور کمر میں درد ہے۔ اس کی اطلاع ایک صاحب کو دیتے ہیں:

"آج کل علاوہ روحانی تکلیف کے ایک جسمانی تکلیف بھی اضافہ ہو گئی ہے یعنی کمر میں سخت ٹیک آ گئی ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ کون ایسی مصیبت تھی جس کی بنا پر احباب سے خراج ہمدردی وصول کیا جائے۔ حضرت بات یہ ہے کہ ایک بار

دو کاشتکار میرے پاس ایک غرض لے کر آئے اور بہت چالاکی سے اپنا مطلب نکالنے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے کہا "ہونہ کاشتکار! اپنا مطلب نکالنے کے لئے دوسروں کے نقصان کی پروا نہیں کرتے۔" انہوں نے جواب دیا "ہم وہ کاشتکار نہیں ہیں جو آپ سمجھتے ہیں۔" اسی طرح میری کمر کی جھکاوٹ وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ یہ ایسی جھکاوٹ ہے جو نمازمیں جھکی بنا دیتی ہے۔"

ایک صاحب کو بہت دن سے خط نہیں لکھا۔ انہوں نے ایک خط کا جواب نہ ملنے پر دوسرا لکھا ہے۔ اس پر لکھتے ہیں:

"بھائی خورشید! سلامِ شوق۔ آپ کا محبت نامہ آیا تھا اور جہاں تک یاد پڑتا ہے میں نے جواب بھی لکھا تھا مگر قسم نہیں کھاؤں گا۔ ممکن ہے لکھنے کا ارادہ ہی کرتے کرتے رہ گیا ہوں۔ بہر حال اگر وہ خط میں نے نہ بھی لکھا ہو تو آپ از نگاہ دور رہے ہوں مگر از دل دور کبھی نہیں رہے۔ اس دوسرے خط کا بھی شکریہ قبول فرمائیے۔ میں زندہ ہوں اور ابھی تک چلا جاتا ہوں مگر ابھی تک یہ حالت ہے کہ ایک دن اگر بالکل ہی چلا جاؤں تو افسوس کر لیجئے گا مگر تعجب کی گنجائش نہ ہوگی۔"

اسی طرح ایک دوسرے دوست کو لکھتے ہیں انہیں بھی ان کے خطوں کے جواب نہیں دئے:

مائی ڈیر مولانا! ایک عورت تھی، وہ بڑی ہنس مکھ تھی۔ جس مرد کو دیکھتی تھی ہنس دیتی تھی۔ اس کے شوہر کو کچھ یہ بات پسند نہ تھی

عشق است و ہزار بدگمانی

اس نے اپنے شوہر کو اطمینان دلایا "ہنسنا میرا سبھاؤ بالم تم چنتا نہ مانیو"[1] یہی حال میری کوتاہ قلمی کا ہے۔ آپ اپنے خطوطِ محبت کا جواب دیر میں پاکر گلہ نہ کیجئے۔ اگر میں روز روز خطوط کا جواب دیا کروں تو اتنی تمہیدیں کہاں سے پاؤں۔"

اگر میں اسی طرح اقتباس نقل کرتا جاؤں تو بلا مبالغہ آدھی کتاب نقل ہو جائے۔ کتاب کی خوبیوں کا اندازہ اس کے پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ ان خطوں کی امتیازی خصوصیت ان کا تصنع سے عاری ہونا ہے۔ انگریزی میں ایک محاورہ ہے (THINKIG ALOUD) یعنی اونچی آواز سے سوچنا۔ یہ تعریف پوری طرح ان خطوں پر صادق آتی ہے۔ چودھری محمد علی نے یہ خط نہیں لکھے بلکہ ان کے قلم نے جس وقت وہ یہ باتیں سوچ رہے تھے ان کے ذہن و قلب کی تصویر کھینچ لی ہے۔ اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کیمرے کی تصویر اصل سے مختلف ہو۔

---

[1] یعنی پیار سے! ہنسی مذاق میری گھٹی میں پڑا ہے، تم اس سے بدگمان نہ ہونا۔

تصویر تو اصل کے مطابق ہی ہوگی۔

ان خطوں کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان کا لکھنے والا محبت کرنے والا باپ، مخلص دوست، خدا سے ڈرنے والا عمل اور اچھا اور نیک شہری اور بڑے رتبے کا انسان ہے اور جب کوئی آدمی بڑے مرتبے کا انسان ہو تو اسے اس کی پروا نہیں رہتی کہ لوگ مجھے شیعہ سمجھتے ہیں یا سنی۔ ہندو خیال کرتے ہیں یا مسلمان۔ اس کے نزدیک انسان خلاصۂ کائنات ہے۔ کیونکہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے نہ کہ سنی یا شیعہ، ہندو یا مسلمان۔

ختم کرنے سے پہلے ایک بات لکھ دوں کہ اگر "گویا دبستاں کھل گیا" کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو تو اس کی کتابت اور تصحیح پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ چودھری محمد علی کی مختصر سوانح عمری کا اضافہ لازمی ہے اور مکتوب الیہم کے کوائف اور ان کا مکتوب نگار سے کیا رشتہ ہے، اس کی وضاحت اشد ضروری۔

عکسی خطوط

مکتوب مولانا حالی

مکتوب الیہ وحشت کلکتوی

مکتوب علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

Dr. Sir Mohd Iqbal, Kt
M. A. Ph. D
Barrister-at-Law,
Lahore

۵ر جولائی ۳۲ء

جناب مولانا السلام علیکم

مکتوب الیہ مولانا محمد عرفان صاحب

مکتوب ڈپٹی نذیر احمد

عالی جناب

السلام علیکم۔ آپ کو شاید معلوم ہو کہ میں نے بڑی محنت سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا ہے۔
مجھکو اس کے لئے تین برس محنت شاقہ اٹھانی پڑی ہے اور تراجم موجودہ
اور تفاسیر اور احادیث سے مطابق کرنے کے لئے مولویوں کا اسٹاف رکھنا
پڑا ہے تب کہیں جا کر یہ ترجمہ میرے نزدیک باوجود سلیس مطلب خیز
ہے اور تراجم موجودہ سے بہت بہتر ہوا ہے۔ ترجمے کے ساتھ اشارات بھی
رکھے دیئے گئے ہیں اور منظور یہ ہے کہ ان اطراف میں اچھی طرح اعلان کر دیا جائے
کہ قرآن مجید کا نیا ترجمہ مل سکتا ہے۔ پس آپ دیکھ کر اچھی طرح اطمینان
حاصل کر لیجئے کہ آیا واقع میں یہ ترجمہ تراجم موجودہ سے ہر طرح بہتر ہے یا نہیں
اور اگر آپ کے نزدیک بہتر ثابت ہو تو آپ اس کی سرپرستی کیجئے
کیونکہ اس کی اشاعت میں مدد دینا گویا اغراض سیاست کی تکمیل کرنا ہے
بلکہ اگر آپ کر سکیں تو اس ترجمہ کی کچھ جلدیں سرکار کے گوش زد کریں
اور ان سے سرپرستی کی تحریک فرمائیں۔ ترجمے کا حجم اور سواد خط اور چھاپہ
آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ قیمت جو قرار دی گئی ہے اس میں کوئی ذاتی مفاد
مقصود نہیں ورنہ میں اگر اچھی جگہ اور مولویوں کی تنخواہ لگاتا تو ...
لاگت پڑی مگر میں نے یہ تمام جتنا گیا ہے ان اجری الا علی اللہ
میرٹھ میں آپ سے تفصیلی ملاقات نہ ہونے کا افسوس باقی رہ گیا۔

فقط عاشق نذیر احمد
۶ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء

ترجمہ بذریعہ ریل آپ کی خدمت میں
روانہ کیا گیا ہے اور صرف خرچ کا
وی پی کیا گیا ہے براہ مہربانی
وصول کرا لیجئے گا۔

مکتوب الیہ نواب مولانا سید علی حسن صاحب۔

مکتوب نواب محسن الملک

Honorary Secretary's Office,
M. A.-O. COLLEGE.
Aligarh 190

[illegible]

مکتوب نواب وقار الملک

امروہہ ۸ اپریل ۱۳ء

جناب حکیم صاحب مکرم و محترم حکیم محمد عبدالسلام صاحب

تسلیم

مسیح ارشد دادری صاحب ہمیشہ کمیپ پر رہتے ہیں و جناب کی خدمت میں اپنے علاج

کی غرض سے تشریف لاتے ہیں اور حضرات میں سے ہیں جو اپنے مال اور جان تک کو

قومی کاموں میں قربان کئے ہوئے ہیں اگر ایسے لوگ قوم میں کچھ زیادہ تعداد سے

ہوتے تو مسلمانوں کی حالت ہی کچھ اور ہوتی ایسے ایسے جناب جیسے کہ قوم کو زیادہ کام

اور نہایت خاص التفات اور توجہ سے ایسے ایسوں کی حفاظت کی ضرورت ہے

وہ کتاب ... ہیں میں نے خود بجائے ان کے ساتھ خدمت میں حاضر ہونا

چاہا تھا اور ان سے عرض کر دیا ہے کہ آپ یہ سمجھیں کہ گویا ان کے ساتھ میں

خود بھی حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں والسلام

خاکسار

مشتاق حسین

مکتوب الیہ حکیم محمد عبدالسلام صاحب

مکتوب منشی محمد ذکاءاللہ

مکتوب الیہ مولانا محمد حسین آزاد

مکتوب مولانا حبیب الرحمن شروانی

CENTRAL OFFICE OF
ALL INDIA MUSLIM EDUCATIONAL CONFERENCE
SULTAN JAHAN MANZIL
ALIGARH

مکتوب الیہ طاہر فاروقی صاحب

مکتوب مولانا شوکت علی

KHILAFAT HOUSE,
Love Lane,
BOMBAY

THE CENTRAL KHILAFAT COMMITTEE (INDIA)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

BOMBAY, 7-7 193

مکتوب وحیدالدین سلیم

دفتر معارف
علی گڑھ
6/6/96

جناب من

آپ کے مضمون "بلاغت مستورات عرب کی تصنیفات اور اہل یورپ کی فیاضی" کو ناظرین معارف نے بہت پسند کیا اور اخبارات میں بھی نقل ہوا۔ اب لوگ منتظر اور مشتاق اور بیتاب ہیں کہ اسکے باقی حصے بھی اسی آب و تاب سے معارف میں طبع ہو کر انکی نظر سے گذریں۔ کیا آپ ناظرین معارف کے اس اشتیاق اور انتظار پر رحم نہ کرینگے۔

مکتوب الیہ نواب سید علی حسن صاحب

آپ کی عنایتوں سے تو یہی امید ہے کہ آج کل میں
آپ نہ صرف عنایت نامہ ارسال کریں گے بلکہ
اپنے مضمون کے بقیہ حصے بھی لطف فرمائیں گے۔
"المقتطف" کا آئندہ پرچہ صادر ہونے تک
آپ کی زحمت فرمائی کی بدولت
تو عنایت ربانی سے مستفید ہوں گا۔

والسلام خیر ختام

آپ کا نیازمند قدیم
وحید الدین سلیم

مکتوب سید احمد دہلوی (فرہنگ آصفیہ)

حافظ صفدر علی صاحب مصحح سنگ رفاہ عام پریس لاہور نے میری کتاب فرہنگ آصفیہ
کی جلد چہارم کے پتھر تقریباً نصف سے زیادہ بنائے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ منشی علی بخش صاحب سے
زیادہ اس کام میں دوسرا شخص مہارت نہیں رکھتا کیونکہ اول تو وہ گورنمنٹ بک ڈپو
میں میرے ماتحت ۱۸۷۸ء سے ۱۸۹۰ء تک ہمیشہ تحسین و آفرین کے مورد رہے۔ دوسرے
یہ حافظ صاحب کے استاد بھی رہے ہیں۔ لیکن چونکہ منشی علی بخش صاحب نے تقاضائے عمر سے
یہ کام بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اس وجہ سے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اس وقت حافظ صفدر علی صاحب سے
بہتر لاہور میں کوئی سنگساز نہیں ہے۔ انہوں نے صفحے کے صفحے میری کتاب کے از سر نو
بہتر لکھے اکثر اوقات خط سے خط ملا دیا۔ غلطیوں کو نہایت احتیاط اور درستی سے
بنایا بلکہ اصلاح بھی کہیں غلطی نہیں کی۔ انگریزی اور ناگری کے الفاظ بھی خوب بنائے
پس اس سے زیادہ کیا لیاقت ہو سکتی ہے۔ میں نے خوش ہو کر انکو کچھ پان کھانے کے واسطے
بھی دیا لیکن میں خوش جب ہوتا کہ اس وقت انکی خدمت جیسا دل چاہتا تھا
ویسی کر سکتا اور مجھکو اس وقت کی عسرت مانع نہ آتی۔ فقط ۱۲ جولائی ۱۹۰۱ء

سید احمد دہلوی بقلم خود

12/7/1901

مکتوب الیہ حافظ صفدر علی صاحب

مکتوب جالب دہلوی

دفتر روزنامہ ہمت لکھنؤ

نیا گاؤں

مکتوب الیہ مولانا الطاف علی بریلوی صاحب

مکتوب وحشت کلکتوی

ڈھاکا ۲۴ نومبر ۵۵ء

عزیزی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ مورخہ ۲۰ اپریل پہنچکر باعث مسرت ہوا۔ معلوم ہوا کہ آپ عنقریب حیدرآباد سے جانے والے ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی آپ مجھے اور اپنے احباب کو اپنے نئے پتے سے آگاہ کیجئے۔ جوش صاحب ڈھاکا آئے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ منیر کاشانی کو (نیا مضمون بھیج چکے ہیں۔ منیر صاحب کا حال معلوم نہیں اور میں 'وحشت بنام کاشانی' کے متعلق اپنے کسی ملنے والے سے ذکر کرنا نہیں چاہتا۔ آپ اس کام کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ ترانۂ وحشت کی کتابت ہو رہی ہے اور ممکن ہے دسمبر کے اخیر تک کتاب مکمل ہو جائے۔

آپکا مضمون 'ترقی' میں میری نظر سے گزرا۔ یہ مضمون قابل قدر ہے۔ ڈھاکا میں اکثر میرے ملنے والوں نے اسکو دیکھا اور تعریف کی۔ ایک فہرست سی میرے شاگردوں کی اس میں نظر آئی۔ یہ نہ ہوتی تو بہتر تھا۔ اس فہرست میں دو چار نام ایسے ہیں جنکے متعلق میں نہیں چاہتا کہ لوگ انہیں میرے شاگرد سمجھیں۔ خیر اب 'تیر از کمان رفت'۔

حضرت شمس کے تلامذہ میں آپ نے عزیز کا نام لکھا ہے۔ یہ انکے شاگرد نہ تھے اپنے بھائی صولت سے اصلاح لیتے تھے۔ انکو آپ نے بقید حیات بتایا ہے۔ دو تین سال ہوئے انہوں نے قضا کی۔ انکل مرحوم کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ اگر انکا سارا کلام جمع کیا جائے تو کم از کم پانچ ضخیم دیوان مرتب ہو سکتے ہیں۔ یہ حقیقت نہیں ہے۔ بمشکل ایک دیوان مرتب ہو سکتا ہے۔ مرحوم کہتے کم تھے لیکن جو کہتے تھے خوب کہتے تھے۔

ڈھاکا کے شعرا میں آپنے ایک نام لکھا ہے سید ظل الحسین کمالی۔ انکا تخلص کمالی نہیں شرف ہے۔
امید ہے کہ آپ مع متعلقین بخیر ہیں۔

آپکا خیر طلب
وحشت

مکتوب الیہ وفا راشدی صاحب

مکتوب غلام بھیک نیرنگ

MUSLIM UNIVERSITY,
ALIGARH

مکرمی حکیم صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

[illegible]

مکتوب الیہ حکیم محمد اسحق حقانی

مکتوب میر ناصر علی

'SALA I-AN
Farrash kh.
DEI

مکتوب الیہ مولوی غلام یزدانی صاحب

مکتوب نواب نصیر حسین خیال

سیف آباد - حیدرآباد دکن

۲۰ جنوری ۴۰ء

مکرمی مسلم - آپکا ۱۲ کا خط پاکر بیحد مسرت ہوئی - اسکے
قبل آپکا کوئی خط نہیں ملا - ورنہ ضرور جواب دیتا - آپ
میری عادت سے باخبر ہیں کہ جس لیٹ میں ہوں جواب خط ضرور
دیدیتا ہوں ۔

میں ۲۳ اکتوبر سنہ گذشتہ کو یہاں پہونچا اور سامان کچھ ایسے اُلجھے
تھے کہ رخت سفر اُتارنے کے قبل میرا کام شروع ہوگیا اور
جب سے جتا ہوا ہوں - اسکے مجھے اپنی صحیح جگہ معلوم نہیں
اور جبتک اس کا فیصلہ نہ ہوجائے میرا جی لگ نہیں سکتا ۔
دارالترجمہ وغیرہ کا قصہ طولانی اور ناگفتہ بہ ہے - ملاقات ہو تو بیان
کر سکوں - میں ان شعبہ جات (دارالترجمہ و جامعہ عثمانیہ)
کے متعلق غور کر رہا ہوں کہ کسطرح انہیں تقویت دوں ! آپ مجھ سے برابر
خط و کتابت جاری رکھیں ۔

رسالہ کا تتمہ آخر آپنے تحریر کرہی دیا - مجھے اسکی بڑی خوشی ہوئی - مجھے اب
اسکے دیکھنے کا بیحد اشتیاق ہے - آپکے قلم سے جو کچھ نکلتا ہے میں
اُسے دل سے پڑھتا ہوں ۔

مجھے اتنی فرصت کہاں کہ اُردو کانفرنس والی اسپیچ پر نظر ثانی کرکے
اب اُسے شائع کرسکوں - کاپیاں اسکی میں ذرہ نایاب کہ ہمارے
پاس بھی کوئی نسخہ اس کا نہیں ہے ۔ آپ تعجب میں کیا اور کیونکر
لکھوں - دعا کیجئے کہ یا تو مجھے یہاں اپنی صحیح جگہ ملجائے کہ میں
مطمئن ہو کر کچھ کام کرسکوں یا یہاں سے کلو خلاصی ہوجائے کہ عافیت کی
زندگی نصیب ہو - خدا کرے آپ بخیر ہوں - والسلام

خیال

عزیز حسین مرزا سلمہ کہاں ہیں ؟

مکتوب بنام منشی پریم چند

[illegible]

مکتوب الیہ تاجور نجیب آبادی

مکتوب مولانا عبد الحلیم شرر

[illegible]

مکتوب الیہ مولوی سید ممتاز علی صاحب

مکتوب مولوی عنایت اللہ

مکتوب الیہ مولوی غلام یزدانی صاحب

مکتوب مفتی کفایت اللہ

جناب مکرمی دام مجدہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ محبت نامے نے مسرور فرمایا ۔ یاد آوری کا شکریہ
آپ کی دعا کی برکت اور خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے سفر حجاز نہایت راحت
و امن و عافیت کے ساتھ پورا ہوا ۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ

مگر میں تو رتق کی سعی کر رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں میں افتراق و شقاق
کی خلیج زیادہ وسعت پذیر ہو ۔ اس کی موجودہ حیثیت ہی تباہی کے لئے کیا کم ہے
و وسعت پذیری کا خوف نہ کیا جائے ۔ مگر خدا جانے ہندوستانیوں کی بدقسمتی کی انتہا
کہاں ہو گی اور رتق کی فتح کے لئے کون وقت مقدر ہے کہ جس طرف توجہ کی نظر دوڑاؤ
مایوسی کی ظلمت فضا کو تیرہ کر دیتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ دستگیری فرمائے
اور ہماری حالت زار پر رحم کرے

مولانا عبد الحلیم صاحب مولانا محمد میاں صاحب سفر میں ہیں ۔ مولانا احمد سعید صاحب سلام فرماتے ہیں

محمد کفایت اللہ غفر لہ
دہلی

مکتوب الیہ مولانا غلام رسول صاحب مہر

مکتوب اصغر گونڈوی

هندستانی اکیڈمی
صوبہ متحدہ
الہ آباد

تاریخ ۳۰ / اپریل ۳۱ء

هندستانی
(تماهی رسالہ)
نمبر 276
J. 2/22

جناب مکرم ۔ تسلیم و نیاز

"ہندستانی" کا ایک نمبر جناب کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا، عرض یہ تھی کہ آپ کوئی مضمون اس کے لئے عنایت فرمائیں، مگر اب تک سوائے انتظار کے ہم محروم ہیں آپکی عنایت سے محروم ہوں۔

ایک بار مولانا احسن مارہروی کے یہاں آپ سے شرف نیاز حاصل ہوا تھا، شاید آپ کو یاد ہو۔ اسی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے درخواست کرنے کا مجھ کو حق حاصل ہے، ورنہ اس کے بعد پھر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب کو سفارش کی تکلیف دیتا۔

مضمون کیلئے کوئی سا ادبی موضوع تجویز کرلیں۔ ہندستانی اکیڈمی مضامین کا معقول معاوضہ بھی دیتی ہے۔ والسلام

نیازمند
اصغر

پروفیسر ضیاء احمد ایم۔ اے
شعبۂ فارسی
مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

مکتوب الیہ پروفیسر ضیاء احمد صاحب

مکتوب حسرت موہانی

[illegible]

مکتوب الیہ مولوی محمد بشیر الدین صاحب

لاہور

قبلۂ محترم! آداب فرزندانہ ۔ گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا۔
زیادہ مسرت یوں بھی حاصل ہوئی کہ خط آپ کے مخصوص طرز میں تھا ۔ اجازت
ہو تو اسے شائع کر دیا جائے ۔
"تاجور نمبر" کے لیے اس نمبر میں اعلان کر رہا ہوں ضروری
ہدایات جلد بھجوائیے ۔
سید آر صاحب بیٹھے ہیں ۔ وہ نمبر کے لیے ایک نظم لکھیں گے ۔
"احسان" کو کل بلواؤنگا ۔ مگر میں یہ نہیں سمجھا کہ اُس سے کس قسم کا مشورہ
لیا جانا چاہیے ۔
ٹائٹل پیج اس مرتبہ بدلنا ہے ۔ میں نے تو جولائی نمبر کے لیے
بھی فیصلہ کر لیا تھا مگر دفتر کی سستی اور پریس کی چستی نے معاملہ خراب
کر دیا یعنی پریس کو اطلاع پہنچنے سے پہلے پرچہ طبع کر چکے تھے ۔
اب آپ کا نام یوں شائع ہوگا "شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی"
مجھے اندیشہ ہے کہ شائع شدہ نمبر کی طرف لوگوں نے زیادہ توجہ نہ
کی ہوگی کیونکہ دور سے سرورق دیکھکر پرانے رنگ کا خیال پیدا ہوتا ہے
آپ کی (۱) غزل (۲) شذرات (۳) مبارک باد کے خطوط (۴) اور ہدایات
کا شدت سے انتظار رہے ۔
دو کاپیاں جو خطوط کے لیے وقف ہیں ۔ یہ فیصلہ کیجئے بغیر کہ وہ شروع
میں جائینگی یا آخر میں، پریس میں کوئی کاپی نہیں بھیجی جا سکتی ۔
امید ہے آپ مع الخیر ہونگے ۔ استانی صاحبہ کی خدمت میں آداب

عرض کر دیجئے اور بچوں کو پیار ۔ ۔۔۔

نیاز مند
اختر

مکتوب الیہ تاجور نجیب آبادی

مکتوب سلطان حیدر جوش

Hamid Manzil,
Marris Road
ALIGARH U.P.
7.6.44

محبی! السلام علیکم۔

مئی کا مہینہ ایک ہفتہ ہوا کہ گزر گیا۔ آپ یہاں تشریف نہ لا سکے اور میں بھی "یوم صوفی" کی صدارت کے لئے آگرہ نہ پہنچ سکا

اب یہ سنئے کہ میں نے اپنی تازہ ترین تصنیف ختم کر لی ہے۔ یہ وہی ہے جس کا نام تمثال میں نے دہلی سے اپنی تقریر میں نشر کیا تھا۔ اس میں ۱۲ نہایت چبھتے ہوئے افسانے ہیں۔ اپنی بیس سالہ ملازمت کے غیر معمولی مشاہدات کا مرقع افسانوں کے لباس میں رکھ دیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ افسانوں کے جتنے نمونے مغرب نے آج تک بنائے ہیں وہ سب آ جائیں، بلکہ ایک افسانہ محض ٹیلیفون پر بنایا۔ اس وقت تک اچھوتی جدت ہے۔ ضخامت میں اسکول کی رول دار کاپیوں کے ۲ جز ۱۹ سطریں فی صفحہ ہوتی ہیں، پورے ۲۵۸ صفحے ہیں۔ مئی کے ختم پر یہ ایک سالہ کوشش شکر ہے کہ اختتام کو پہنچ گئی

اب خیر سے کیا ارادہ ہے؟ — سب سے پہلے آپ کو لکھ رہا ہوں۔ والسلام

جواب اگر دینا ہے تو جلد دیجئے۔

احقر سلطان حیدر جوش

مجھے آپ کے دولت خانہ کا پتہ نہیں یاد۔ اس لئے یونیورسٹی کے پتہ سے بھیجتا ہوں۔

مکتوب الیہ محمد طاہر فاروقی صاحب

مکتوب پنڈت دتاتریہ کیفی

Brij Mohan Dattatrya Kaifi

17-[illegible] D [illegible]
MODEL [illegible], P.O.
LAHORE

۱- دریا گنج - دہلی

۲۳ر نومبر سنہ

جناب مکرم

تسلیم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ استفسارات کے جواب یہ ہیں:

(۱) پنڈال چلانا بہتر ہوگا میری رائے میں

(۲) پرتوپال - میں ر اور ت ساکن ہیں - واؤ ساکن ہے اور پ مکسور۔

(۳) غرّہ - اگرچہ اسکے معنی میں بعض لغات میں مغرور بھی لکھا ہے لیکن استعمال اس لفظ کا غرور ہی کے معنی میں ہوتا ہے

(۴) - شفا کے معنی ہیں بیماری کے بعد اچھا ہو جانا یعنی صحت بدنی کا عود کرنا - زخم [illegible] تندرستی کے منافی ہے کیونکہ اسکے معنی ہونگے کہ زخم بیماری سے پہلے جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا جس کے معنی کچھ نہیں بنتے کیونکہ زخم تو خود ایک بیماری ہے - اسی وجہ سے دوسری شکل یعنی "زخم کو شفا ہو گئی" بھی غلط ٹھہرتا ہے۔ صحیح فقرہ ہوگا "زخم سے شفا ہو گئی" جسم کو

مشکور رہیے

نیاز کیش

برجموہن دتاتریہ کیفی

مکتوب الیہ آغا قمر محمد صادق صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی سلام مسنون۔ گرامی نامہ مع غزل و مضمون وصول ہوا۔ شکریہ۔

[illegible]

والسلام

[illegible]

مکتوب الیہ اظہار الحسن صاحب

مکتوب فرحت اللہ بیگ

[illegible]

مکتوب الیہ ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب

غالب

(۱)

۱۔ چودھری عبدالغفور سرور

جناب چودھری صاحب

میں تو خدمت بجا لایا[2]۔ مگر اس کے صلے میں تین باتیں چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ آرہ میں مولوی سید فرزند احمد[3] کے مکان کا پتہ مجھے لکھ بھیجو تاکہ میں ان کو تہنیت لکھوں[4]۔ دوسرے یہ کہ تمہارا خط تم کو واپس بھیجتا ہوں۔ حضرت صاحب[5] کی دستخطی عبارت کو حرف بحرف

---

[1] غالب کے قدردانوں میں کون ہے جس نے غالب کے خطوط پڑھے ہوں اور وہ چودھری عبدالغفور سرور سے ناواقف ہو۔ چودھری صاحب مارہرہ ضلع ایٹہ کے رئیس تھے اور ان کا خاندان کئی صدیوں سے وہاں آباد ہے۔ غالب کے عزیز ترین دوستوں میں تھے اور ان کا شمار ان کے مایۂ ناز شاگردوں میں ہے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور غالب سے اصلاح لیتے تھے۔ اشعار اب بہت کم ملتے ہیں۔ غالب کا یہ نادر خط راقم نے ان کے خاندان کے افراد سے حاصل کیا ہے۔ (مختار الدین احمد)

[2] سرور نے ۳۳ شعروں کا ایک اردو قصیدہ اور دو قطعات اصلاح کے لئے میرزا کے پاس بھیجے تھے۔ یہ قطعہ کاغذ جس پر سرور نے اپنے ہاتھ سے اشعار لکھے ہیں اور غالب کی اصلاح ہے مرتب ہیں اتفاق سے میرے ہاتھ لگ گیا۔ قصیدے کے ۱۱ اشعار پر غالب کی اصلاح ہے بعض قطعات پر غالب نے خاص توجہ کی ہے۔ ایک قطعہ میں پیہم آیا تو سراسر تکلفات بارد ہ لکھ کر اسے قلمزد کر دیا ہے۔ خدمت سے مراد انہی شعروں کی اصلاح ہے۔

[3] صفدر بلگرامی (۱۲۴۹-۱۳۰۱ھ) حضرت صاحب عالم کے نواسے اور میرزا غالب کے شاگرد۔ ان دونوں کے تعلقات کی داستان دیکھنی ہو تو احوال غالب ملاحظہ فرمائیے۔

[4] صفدر بلگرامی کے گھر میں ۱۲۸۳ھ میں ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔ سرور نے اسی سلسلے میں تہنیت کے قطعات لکھے ہیں اور اب غالب صفدر کو مبارکباد کا خط لکھنا چاہتے ہیں اسی لئے ان کا پتہ پوچھ رہے ہیں۔ قیاس ہے کہ غالب نے تہنیت کا خط ضرور لکھا ہوگا لیکن یہ خط بھی ان کے ہزاروں خطوں کی طرح اب تک نامعلوم ہے۔
یہ صاحبزادے غالباً سید نور احمد ہیں جو گرامی تخلص کرتے تھے، ان کا ذکر مرقع فیض (تذکرۂ شاگردان صفیر) اور تذکرۂ یادگار ضیغم میں موجود ہے۔ موخرالذکر میں ان کی تصویر بھی چھپی ہے جو راقم نے اور اردو شعرا کی تصاویر کے ساتھ رسالہ "آجکل" دہلی دسمبر ۱۹۵۵ء میں شائع کر دی ہے۔

[5] مراد صاحب عالم مارہروی (۱۲۱۱-۱۲۸۸ھ) جن کے خطوط سے غالب کو ہمیشہ شکایت رہی کہ ان سے پڑھے نہیں جاتے۔ سرور ہی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:
"حضرت کی تحریر کا ایک لفظ بھی اگر پڑھا گیا ہو تو دیدے پھوٹیں، ایمان نصیب نہ ہو۔ وہ خط بدستور آپ کے پاس بھیجتا ہوں معرفت [illegible]
اس کی نقل کر کے پھر مجھے بھیج دیجئے تاکہ جواب لکھنے میں سعادت حاصل کروں۔"

(مختار الدین احمد)

اپنے ہاتھ سے لکھو اور مجھ کو بھیجو تاکہ میں ان کو تہنیت میں خط لکھوں۔ واللہ ہرگز مجھ سے پڑھا نہیں گیا۔ تشویش و تشویر میں ہوں کہ کیا کروں۔ تم یہ بوجھ مجھ پر سے اٹھا لو۔ تیسری بات یہ کہ یہ معاملہ حضرت صاحب پر ظاہر نہ ہو اور میرے اس خط کا جواب جلد آئے۔

غالب۔ ۲۵ / دسمبر ۱۸۶۶ء

(۲)

۳ / مارچ ۱۸۶۷ء [1]

اے میری جان!

کس وقت میں مجھ سے غزل مانگی کہ میرے واسطے نکیرین کے جواب دینے کا زمانہ قریب آگیا۔ میرا حال اب جس کو دریافت کرنا ہو وہ اہلِ محلہ سے دریافت کرے۔ تمہاری خاطر عزیز ہے۔ فکر کی۔ ہمارے نفسِ ناطقہ نے بُری بھلی طرح مدد دی۔ سو تم کو بھیجتے ہیں، لیکن نہ شاعرانہ نہ عارفانہ۔

غزل

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں　　میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں

ہوں دردمند، جبر ہو یا اختیار ہو　　گہ نالۂ کشیدہ، گہ اشکِ چکیدہ ہوں

جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن　　از بسکہ تلخیٔ غمِ ہجراں چشیدہ ہوں

نے سبحہ سے علاقہ، نہ ساغر سے رابطہ　　میں معرضِ مثال میں دستِ بریدہ ہوں

ہوں خاکسار، پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ　　نے دانۂ فتادہ ہوں نے دامِ چیدہ ہوں

جو چاہیے نہیں وہ مری قدر و منزلت　　میں یوسفِ بقیمتِ اوّل خریدہ ہوں

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ　　ہوں میں کلامِ نغز، ولے ناشنیدہ ہوں

اہلِ ورع کے حلقے میں ہرچند ہوں ذلیل　　پر عاصیوں کے فرقے میں میں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسدؔ
ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

---

(۳)

بنام جناب ذکی دہلوی مرحوم

بندہ پرور!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ از روئے شرافتِ نسبی و لیاقتِ حسبی آفتاب و ماہتاب ہیں۔ آپ کا کیا کہنا ہے۔ اس

---

[1] یہ خط نواب امین الدین احمد خاں بہادر والیٔ لوہارو کے نام ہے۔ اس کے شروع میں تاریخ درج ہے۔ اس خط میں اردو کی جو غزل ہے وہ شائع شدہ ہے۔ خط سے معلوم ہو گیا کہ یہ غزل کب لکھی گئی تھی۔ (مالک رام)

عمر میں علم و فضل میں وہ پایۂ بلند حاصل کیا ہے کہ دوسرے کو یہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ مثنوی کے اشعار میں نے دیکھے اور پسند کیے بطریق سہل ممتنع کہے ہیں۔ اردو فصیح، عبارت سلیس، الفاظ نہایت سنجیدہ و متین، حرف حرف شستہ و رفتہ، جو خوبیاں نظم میں چاہییں وہ سب موجود۔ مگر میری مدح میں اتنا مبالغہ کیوں کیا۔ میں تو اقلیم سخن کا گدائے خاک نشین ہوں، شہنشاہ کہاں سے ہو گیا۔ خیر آپ کی ارادت میرے لئے موجب سعادت ہے۔ جو صاحب شعر میں خود ستائی کو برا جانتے ہیں یا انہوں نے یجوز للشاعر ما لا یجوز لغیرہ نہیں سنا ہے یا اساتذۂ مسلّم الکمال کا فخریہ کلام ان کی نظر سے نہیں گذرا۔ اللہ اللہ اس امر خاص میں کیا کیا بلند پروازی اور اپنے کلام کی کیسے کیسے مدح طرازی کی ہے۔ شیدائے عالمگیری کہتا ہے ؎

چیست دانے بادۂ گلگوں مصفا جوہرے　　شعر ما پروردگارے عشق را پیغمبرے

میں شعر میں تین شاعروں کے سبیل نمونہ یہاں لکھتا ہوں باقی فائدہ کلام اہل سخن پر حوالے کرتا ہوں۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

بہ اقلیم سخن رسول آمدم　　سنائی و فردوسی از امتانم

دوسرا اس سے بھی بڑھ کر کہتا ہے ؎

بہ ملک سخن آں محیط قدیرم　　کہ معنی بلیغ باشد از زینۂ نم

تیسرا کچھ اور ہی راگ گاتا ہے ؎

حوض کوثر کہ مشرب الروح است　　ناودانے ز پارگین منست

ناودان یعنی موری اور پارگین اوس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں مطبخ اور حمام وغیرہ کا پانی جمع ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من تعلیات الشعرا۔ میر صاحب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اس پر امراض متضادہ مزمنہ میں گرفتار، قویٰ بالکل معطل، اٹھنا بیٹھنا لکھنا پڑھنا سب مشکل ہو جاتا ہے اگر تحریر جواب میں تاخیر ہو جائے معاف رہوں۔ والسلام مع الوفا الاحترام۔ فقط!

دعائے خیر کا طالب فقیر غالب ۹ جنوری ۱۸۶۸ء۔ بروز چہارشنبہ۔

(۴)

بنام نواب امین الدین احمد خاں[1]

بھائی سے دو سوال ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجموعۂ نثر[2] کے چھاپنے کو کیا کروں۔ وہ مبنی تھا اس حقیقت پر کہ نول کشور، نواب

[1] نواب امین الدین احمد خاں، نواب احمد بخش خاں کے بیٹے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد لوہارو کے رئیس قرار پائے۔ ۱۸۳۴ء سے اپنی وفات ۱۸۶۹ء تک لوہارو کی جاگیر کا انتظام انہی کے ہاتھ رہا۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیّر و رخشاں ان کے بھائی تھے اور جائداد میں شریک لیکن انہیں امور ریاست سے کچھ تعلق نہ تھا۔ امین الدین کے انتقال کے بعد نواب علاؤ الدین احمد خاں علائی ان کے جانشین ہوئے۔ ان سب لوگوں سے غالب کے گہرے تعلقات تھے۔ اس رقعہ پر مکتوب الیہ کا نام درج نہیں لیکن قریب بہ یقین ہے کہ مرزا نے یہ رقعہ نواب امین الدین احمد خاں کو لکھا ہے۔ اس پر تاریخ تحریر درج نہیں۔ راقم کے خیال میں اس کا زمانۂ تحریر ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء-۱۸۶۴ء ہے (ممتاز الدین احمد)

[2] ۱۲۸۰ھ میں منشی نول کشور دہلی آئے اور مرزا سے ملے۔ انہوں نے کلیات نثر چھاپنے کی خواہش ظاہر کی۔ مرزا نے نواب ضیاء الدین احمد خاں سے مسودہ لے کر منشی صاحب کے حوالے کیا۔ چھپنے میں تعویق ہوئی تو مرزا مایوس ہو گئے اور انہوں نے یہ رقعہ لکھا۔ بالآخر کلیات چار سال کے بعد ۱۲۸۴ھ میں مطبع نولکشور سے شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن اب بہت کمیاب ہے۔

ضیاء الدین خاں سے واسطے انطباع کے لے گیا ہے۔ اگر یہ واقع نہ ہوا تو اب اس کو نکال ڈالوں اور اس کی جگہ کوئی نثر اور رہی ہوا لکھ دوں۔

اوراقِ اشعار مرحوم زین العابدین خاں[1] مستعار ہیں اس واسطے کہ تم اپنے ہاں کے مجموعے کی تصحیح اس سے کرلو۔ پھر یہ امر واقع ہوا یا ہونے والا ہے۔

ترجمۂ ابوالفدا[2] کی جلد واپس پہنچی ہے۔

جواب کا طالب، غالب

(۵)

بنام عزیز اللہ شاہ عزیز صفی پوری[3]

خان صاحب جمیل مناقب عنایت مظہر سلامت!

آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ اوراقِ پنج رقعہ[4] نظر فروز ہوئی۔ خوشامد فقیر کا شیوہ نہیں۔ نگارش تمہاری پنج رقعۂ سابق کی تحریر سے لفظاً و معناً بڑھ کر ہے۔ اس میں یہ معانیِ نازک اور الفاظِ آبدار کہاں؟ مگر ایک امر سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ یہ نثر ظہوری کی نہیں ہے ارادت خاں متخلص بہ واضح عالمگیری سرداروں میں سے ایک شخص تھا۔ مینا بازار[5] اور پنج رقعہ اس کی فکر کا نتیجہ ہے۔ توالیِ کسرات کی طرز ایجاد کی ہوئی اس کی ہے۔ تم سے منقطہ بہتر نکلا۔ یعنی تم نے خوب لکھا ہے ؏

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

جہاں آپ نے فقیر کا مطلع لکھا ہے وہاں آپ یہ عرف میرے معترف ہوئے ہیں[6]۔ متوقع ہوں کہ یا شعر نکال ڈالو یا عرف کی جگہ تخلص لکھ دو۔

نجات کا طالب۔ غالب

---

[1] زین العابدین خاں عارف، مرزا کی سالی کے بیٹے، جنہیں غالب اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے۔ پہلے شاہ نصیر کے شاگرد ہوئے، پھر مرزا سے اصلاح لینے لگے۔ دیوانِ اردو کے کئی نسخے ہندوستان میں موجود ہیں۔

[2] غالباً تاریخ عالم مصنفہ ابوالفدا کا وہ ترجمہ مراد ہے جو مولوی کریم الدین دہلوی نے کیا تھا اور مطبع العلوم دہلی سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا تھا۔ (مختار الدین احمد)

[3] عزیز صفی پوری ۱۸۴۱ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے وہیں عربی و فارسی کی تحصیل کی۔ غدر کے ہنگامے ہوئے تو لکھنؤ چھوڑ کر صفی پور (اناؤ) اپنی ننھیال چلے گئے اور وہیں انہوں نے اپنی پوری عمر گذار دی۔

تصانیف کی تعداد چالیس سے کم نہیں جن میں دیوانِ اردو، نورِ ولایت، خمِ فکر، کلام نظم فارسی، ارمغان، پیش کش شاہجہانی، پنج رقعہ، ترجمہ فسانۂ عجائب (منظوم)، اور مثنوی فتح مبین درجواب شاہنامہ قابل ذکر ہیں۔ عزیز کا انتقال ۱۷ جولائی ۱۹۲۸ء کو ہوا۔

یہ دونوں رقعے غالب کے رقعات کے کسی مجموعے میں اب تک نہیں شائع ہوئے۔ (مختار الدین احمد)

[4] شاہ صاحب کی فارسی نثر کا مختصر سا مجموعہ جو چھپ بھی گیا ہے۔

[5] یہ بات مشکوک ہے کہ مینا بازار اور پنج رقعہ واضح کی لکھی ہوئی ہے۔ اس بحث کیلئے ڈاکٹر نذیر احمد لکھنؤ یونیورسٹی کا تحقیقی مقالہ جو آبنا مطالعہ کیا جائے۔

[6] شاہ صاحب نے غالب کی جگہ "مرزا نوشہ" لکھ دیا تھا۔ غالب کو اپنے عرف سے جو چڑ تھی وہ معلوم ہی ہے۔ (مختار الدین احمد)

(۶)

بنام عزیز اللہ شاہ عزیز صفی پوری

سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست۔ یہ کیا کیا میرا شعر نکال ڈالا یا عرف کی جگہ تخلص لکھ دو موجب ملال خاطر کیوں ہوا اور اس سے یہ مفہوم کیونکر پیدا ہوا کہ میں تمہارے کلام کو اصلاح نہ دوں گا۔ تمہیں غور کرو کہ شعر کو علاقہ تخلص سے ہے یا نام سے۔ عرف سے۔ میں نے تو اصلاح دی تم نے برا مانا۔ ذہن تمہارا مسوّغ ہے اکثر کجی کی طرف جاتا ہے۔ تمہاری اس نثر میں حک و اصلاح کی گنجائش نہیں۔ ہیچ رقعہ سابق سے لفظاً و معناً تمہاری عبارت بہتر ہے۔ اس قول کو باور نہ کرو گے تو منشا اس کا وہی امر جابلِ طبع ہوگا مع سوء ظن۔

نجات کا طالب: غالب

(۷)

بنام نامعلوم شخص

بندہ پرور!

آج میں نے وہ انگریزی عرضی روانہ کردی اور صبح کو آپ کا کہار مسودہ اور میرے محسن کا رقعہ آپ کے نام کا مجھ کو دے گیا۔

اس عنایت کی شکر میں کیا خدمت بجا لاتا بارے ایک رباعی بھیجتا ہوں اس کو آپ پڑھ کر اور لطف اٹھا کر راجہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیجئے۔

امید بہ تشدید میم و تخفیف میم دونوں طرح مستعمل ہے ایسا نہ ہو کہ جناب ممدوح اس کو زحاف سمجھیں۔ پہلے اور دوسرے مصرع میں بہ تخفیف میم ہے اور تیسرے مصرع کا میم مشدد ہے۔

غالب!

(۸)

بنام نواب علاء الدین خاں علائی

جانِ غالب!

دو خط تمہارے متواتر پہنچے۔ معزّی عرفا میں سے ہے بیشتر اس کے کلام میں مضامین حقیقت آگیں ہیں لیکن داماں گر دارد و گریباں گر دارد، اس زمین میں اس کی غزل میں نے نہیں دیکھی۔ حاجی محمد جان قدسی کی غزل اس زمین میں ہے ؎

در بزم وصال تو بہنگام تماشا　　نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد

یہ ایک شعر اس کا مجھے یاد ہے۔ بھائی تمہارا باپ بدگمان ہے یعنی مجھ کو زندہ سمجھتا ہے۔ میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ سناؤ ؎

گمان زیست بود بر منت ز بے دردے　　بدست مرگ دلے سید تماشگاں تو نیست

مجھے کا فور و کفن کے فکر پڑ رہے ہیں وہ شعر و سخن کا طالب ہی زندہ ہوتا تو وہیں کیوں نہ چلا آتا۔ مجھ پہ یہ تکلیف الخطو الواو تم اسی زمین میں شعر کہہ کر بھیج دو میں اصلاح دے کر بھیج دوں گا عصائے پیر بھائے بیرو اللہ میرا کلام ہندی یا فارسی کچھ میرے پاس نہیں آگے جو کچھ حافظہ میں موجود تھا وہ لکھ بھیجا اب جو کچھ یاد آگیا وہ لکھتا ہوں ؎

یا من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست　　در امر خاص حجت دستور عام چیست

شعبہ مکتوم نہ ہو سکا کہ یہ خط کس کے نام ہے (ڈاکٹر علی خاں رام پور)

بستم ز خون دل کہ دو چشم ازاں بہاست — گوئی مخور شراب و نہ ہیچی بجام چیست

با دوست ہر کہ بادہ بخلوت خورد مدام — داند کہ حور و کوثر و دار السلام چیست

ما خستۂ غمیم و بود مے دواے ما — با خستگان حدیث حلال و حرام چیست

از کاسۂ کرام نصیب است خاک را — تا از فلک نصیبۂ کاس کرام چیست

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت — پرسد چرا کہ نرخ مئے لعل فام چیست

یہ شعر یاد آسکے یا یاد آگئے خیر گانے کو یہ بھی کافی و کتنی ہیں[1]۔

دل برد و حق آنست کہ دلبر نتواں گفت — بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت

در رزم گہش ناچخ و خنجر نتواں برد — در بزم گہش بادہ و ساغر نتواں گفت

رخشندگی ساعد و گردن نتواں جست — زیبندگی یارہ و پیکر نتواں گفت

پیوستہ دہد بادہ و ساقی نتواں خواند — ہموارہ تراشد بت و آزر نتواں گفت

در گرم روے سایہ و سرچشمہ نجوئیم — با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت

ہنگامہ سرآمد چہ زنے دم ز تظلم — گر خود ستمے رفت بمحشر نتواں گفت

آں راز کہ در سینہ نہانست نہ وعظ است — بردار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ ما را

مومن نبود غالب و کافر نتواں گفت

کوئی امید بر نہیں آتی — کوئی صورت نظر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی

موت کا ایک دن معیّن ہے — نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

داغِ دل گر نظر نہیں آتا — بُو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد — پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی — کچھ ہماری خبر نہیں آتی

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب — شرم تم کو مگر نہیں آتی

---

[1] یہ خط پہلے چھپ چکا ہے مگر نامکمل، پہلا خط اس مصرع پر ختم ہو جاتا ہے

پرسد چرا کہ نرخ مئے لعل فام چیست (ملاحظہ ہو مکاتیب غالب مرتبہ عرشی طبع دوم)

خط کی باقی عبارت اس میں نہیں آئی لیکن اصل خط میں موجود ہے جو غالباً کسی وجہ سے ابتدا ہی میں حذف ہو گئی۔ میرزا نے اپنی ایک اور فارسی غزل اور معاً اردو غزلیں بھی اس خط کے ساتھ بھیجی تھیں جو مضمون خط سے واضح ہے۔ لوہارو سے ایسی غزلوں کی فرمائش آئی تھی جنھیں گانے کے لئے قوال کو دیا جا سکے۔

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے — کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل — اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا — ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے — کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر — کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

<u>بنام سید حبیب اللہ صاحب</u>

(۱)

عزیزی سید حبیب اللہ اکبر

تمہارا خط اسپیچ کرنے پر تمہاری مستعدی معلوم ہونے سے نہایت خوشی ہوئی۔ بعض مصلحتوں سے ہم نے تمہارے یہاں آنے کی بھی ۱۳ر فروری مقرر کی ہے تم کو مناسب ہوگا کہ بارھویں تاریخ یہاں آجاؤ کچھ اور باتیں تم کو سمجھائی جاویں گی۔ ۱۳ تاریخ ایک بجے مدرسہ میں جلسہ ہوگا اور رات کو ڈنر۔

آج میں نے تمہارے چچا صاحب کو خط لکھا ہے کہ وہ تاریخ مذکورہ کو پسند فرمائیں۔ ان کا جواب آنے پر ہم کارروائی شروع کریں گے۔ اس درمیان میں تم کو مناسب ہے کہ ڈبی کورٹ میں ان رول ہو جاؤ۔ تم کو دو اسپیچیں کرنی ہوں گی۔ ایک دن کے جلسہ میں اور ایک رات کے ڈنر پر۔ ان دونوں اسپیچوں کو تم لکھ لو اور خوب یاد کر لو اسی میں چند فقرے مناسب وقت بڑھا رہنا۔ طرز بیان و طریقہ کھڑے ہونے کا نہایت عمدہ ہونا چاہئے۔ ایک مہینہ کا عرصہ ہے اس میں تم بخوبی طیار ہو سکتے ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ایسی عمدہ اسپیچ ہو کہ کسی کو مقام گرفت نہ رہے۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڑھ ۱۱ر جنوری ۱۸۸۹ء

<u>بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم</u>

(۲)

جناب والا مناقب مخدوم و مکرم جناب مولوی محمد علی حسن خان بہادر دام عنایتکم

آپ کا نوازش نامہ مورخہ تیسری ربیع الثانی [illegible]ھ معہ قطعہ کرنسی نوٹ تعدادی پانسو روپیہ پہنچا۔ باعث افتخار و ذریعہ ہزاراں اعزاز ہوا۔ گو عطیہ کو میں شعبۃ من الشرک سمجھتا ہوں مگر اس فیاضانہ رحمت کو مدرسۃ العلوم کے اور قوم کے لئے فال نیک سمجھتا ہوں۔ کچھ شبہ نہیں کہ مدرسۃ العلوم اور میری کوشش فلاحِ قومی دنیاوی امور سے متعلق ہے لیکن اگر نیت نیک اور تمام کام حسبتاً للہ ہو تو خدا سے امید ہے کہ جزائے انما الاعمال بالنیات سے جو نتیجۂ ایمان ہے محروم نہ رکھے گا۔

آپ باور کریں یا نہ کریں مگر میں یقین کرتا ہوں کہ اس اسلامی اخوت اور ہمدردی قومی کی جزائے خیر ضرور خدائے تعالیٰ آپ کو عطا فرماوے گا۔ یہ تو مجھ کو یقین کامل ہے جبکہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس وظیفہ سے کسی طرح کی شہرت و یادگار آپ کو

منظور نہیں ہے اور بلاشبہ خیرات مخفی ہزار درجہ خیرات جلی سے بہتر ہے۔ مگر نیک نیتی اور بے ریائی کو تسلیم کر کے دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈالنی ضرور ہے کہ اعلان اس قسم کی خیرات کا جو قومی بھلائی سے نہ شخصی مراعات سے متعلق ہے اور قوم کو اس قسم کی خیرات کی شدید ضرورت ہے، ذریعہ ہوگا اوروں کی ترغیب کا اور خیرات دینے والا اجر الدال علی الخیر کفاعلہ میں ضرور داخل ہوگا۔ پس قومی فلاح کے کاموں میں با اعلان خیرات کرنا اگر نیت نیک ہو تو دو چند اجر کا مستحق کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس اعلان سے قومی عظمت اور اسلامی شوکت ثابت ہوتی ہے جو ہماری عین تمنا اور آرزو ہے۔ آپ نے مدرستہ العلوم کو ملاحظہ نہیں فرمایا اور جس نے نہ دیکھا ہو اس کے خیال میں آ ہی نہیں سکتا کہ وہ کیسا ہوگا۔ اس کی عمارت جس شان و شوکت سے بنائی قرار دی گئی اور جس قدر کہ اس وقت تک بن چکی ہے قومی عظمت اور اسلامی شوکت کو ثابت کرتی ہے۔ ایک انگریز نے کہا کہ یہ خیال کہ مسلمانوں میں قومی جوش اور ان میں سے قومی عظمت جاتی رہی، علیگڈھ میں جا کر اور مدرستہ العلوم کی عمارت کو دیکھ کر بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ جبکہ غیر قوم کے لوگ اس کی دیواروں پر جا بجا مسلمانوں کے نام کثرت سے کندہ دیکھتے ہیں تو اور بھی زیادہ قومی عظمت اور اسلامی شوکت کا اثر ان کے دل میں بیٹھتا ہے۔ بس ان وجوہ سے آپ مجھ کو مجاز رہنے دیں کہ اس روپیہ کو ایک مناسب فنڈ میں داخل کروں اور اس کے ساتھ آپ کے نام نامی کی بقید ولدیت نشانی قائم رکھوں۔

مدرستہ العلوم کی درمیانی عمارت جو سنٹرل ہال سے موسوم ہے بہت بڑی عمارت ہے۔ سات ہزار روپیہ اس کی لاگت کا تخمینہ ہوا اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ لاگت آوے گی ــــــ اس میں نہایت خوش اسلوبی سے ایک سو بیس پتھر لگائے گئے ہیں۔ جس بزرگ نے پانسو روپیہ دیا ہے وہ روپیہ اس کی تعمیر کے فنڈ میں جمع کیا گیا ہے اور ان پتھروں میں سے ایک پتھر پر اس کا نام کندہ کر دیا ہے۔ جس قدر نام کندہ ہو چکے ہیں غیر قوم کے لوگ جب آن کر دیکھتے ہیں تو قومی عظمت کا بے انتہا اثر ان کے دل پر ہوتا ہے اور مسلمانوں کے دل بھی ایک قسم کی فرحت اپنے میں پاتے ہیں۔ پس میرا ارادہ ہے کہ آپ کے زر عطیہ کو بھی اسی فنڈ میں داخل کروں اور آپ کا نام بقید ولدیت کندہ کر دوں جبکہ آپ نے یہ روپیہ عنایت کیا اور مجھ کو مختار کیا کہ اس کو کسی کار خیر میں صرف کروں تو اب آپ کو اس میں مداخلت ضرور نہیں ہے۔ آپ ثواب میں داخل ہو گئے۔ اب جو گناہ و ثواب رہا میری گردن پر ہے۔ اگر میری نیت بخیر ہے تو خدا سے امید ہے کہ مجھ کو بھی میری نیت کے موافق بدلہ دے گا۔ اس تحریر کا میں آپ سے جواب نہیں چاہتا۔ میں یہ کروں گا جو انشاء اللہ چاہے گا۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اب کے سال الٰہ آباد میں ہوگا۔ ۲۸، ۲۹، اور ۳۰ دسمبر تواریخ اجلاس مقرر ہوئی ہیں پہلے اجلاس میں وہ امور تنقیح پاویں گے جو بحث کے لیے پیش ہوں گے۔ مگر تمام مبحث تعلیم مسلمانان سے متعلق ہوں گی۔ نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں غالباً اسباب تنزل مسلمانان پر لیکچر دیں گے۔ ہمارے کالج کے ایک نہایت نیک اور عالم پروفیسر انگریز مسٹر آرنلڈ چین اور جاوہ میں اسلام کی ترقی اور وہاں کے مسلمانوں کی حالت پر لیکچر دیں گے۔ وہ یہ ثابت کریں گے کہ بغیر کسی ذریعہ حکومت کے وہاں اسلام پھیلا ہے۔ اس وقت انہی دو صاحبوں کا ارادہ معلوم ہوا ہے مگر غالباً مولوی سید علی بلگرامی جو حیدر آباد سے آنے والے ہیں وہ بھی کوئی لیکچر دیں گے غرضکہ تمام جلسہ میں ہائے مسلمان ہائے مسلمان اس کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

گذشتہ سال کی اجلاس کی رپورٹ بطور نذرانہ آپ کے ملاحظہ کے لیے بھیجتا ہوں، منظور فرمائی جاوے اور آپ مجھ کو ہمیشہ اپنا نیاز مند لیک عاجز نیاز مند متصور فرماویں۔ آپ کی خدمت میں نیاز نامجات ارسال کرنے باعث میرے فخر کا ہوگا۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

خاکسار سید احمد علی گڈھ ۲۰ نومبر ۱۸۸۸ء

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

(۳)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم من مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر۔

آپ کا نوازش نامہ پہنچا ممنون بار آور ہی ہوا اگر آپ کا تشریف لانا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس میں بمقام الہ آباد ہوتا تو بلاشبہ قوم کو باعث عزت ہوتی اور آپ کی ملاقات سے میرے لئے باعث فخر و مسرت!

جلسۂ الہ آباد درحقیقت قومی شان و عزت کا جلسہ تھا اور قومی مطالب کے لئے اس میں نہایت کامیابی ہوئی۔ رپورٹ جلسۂ مذکور معہ تمین لکچروں کے جو اس میں دیئے گئے حسب حال ہی روانہ ہوتی ہے۔ امید کہ از راہ الطاف ان کو قبول فرماویں گے انگریزی خوان ماسٹر جو لائق ہو تلاش سے مل سکے گا۔ سر دست جلدی سے ملنا ذرا مشکل ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو تلاش کیا جاوے مگر جس مدرسہ کے لئے درکار ہے اس کا کسی قدر حال سے بھی مطلع فرمانا ضرور ہے یعنی سررشتہ تعلیم ریاست کس کے ماتحت ہے اور اس ماسٹر کو کس سے تعلق رہے گا۔ کیونکہ ریاست ہائے ہندوستانی میں جب تک ان کو طمانیت نہ ہو لائق آدمی جانا پسند نہیں کرتے۔ جن کو اور کہیں کچھ نہیں ملتا اچھی لیاقت نہیں رکھتے وہ آنے کو تیار رہتے ہیں۔ بس اگر ان کو پسند ہو تو کچھ مفصل امر تحریر فرماویں میں تلاش کرنے میں کوشش کروں گا۔

میرا ارادہ حیدر آباد جانے کا ہے اور کسی قدر خیال بھوپال آنے کا بھی ہے گو کہ بھوپال میں کالج کی بھی کامیابی ہونے کی توقع نہیں ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مجھے ریاست بھوپال کا حال اس سے زیادہ کہ وہاں کے ارکان میں باہمی رنج و بے لطفی ہے اور کچھ معلوم نہیں ہے لیکن اگر میں وہاں آؤں تو میرے نزدیک سب ایک سے ہوں گے اور ہر ایک سے کالج کی امداد میں چندہ و خیرات چاہوں گا پس میں حیران ہوں کہ مجھے کیا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

افسوس ہے کہ ریاست بھوپال سے قومی مدرسہ مسلمانان کے لئے کچھ امداد نہیں ہوتی اور شاید اب بھی نہ ہو۔ مگر بھوپال میں بہت سے مسلمان رئیس اور اہلکار ہیں ان سے کیوں توقع امداد نہ رکھی جاوے۔ میں آج ایک خط اس باب میں منشی محمد امتیاز علی کو لکھتا ہوں۔ آپ کی اس بات میں جو رائے ہو اس سے بھی مطلع فرمایا جاوے۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ!

خاکسار سید احمد علی گڑھ ۱۰ جولائی ۱۸۹۱ء

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

(۴)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم معظم من ابو النصر مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر

نوازش نامہ عالی محررہ ۲۸ ذوالحجہ پہنچا ممنون عنایت کیا۔ جو کچھ کہ آپ نے واسطے بہتری مسلمانوں کے حق میں سرکار عالیہ سے سعی فرمائی اور مدرسۃ العلوم اور اس ناچیز کے حق میں کلمۃ الخیر فرمائے اس کی نسبت بجز اس کے کہ اجرکم علی اللہ اور کیا کہہ سکتا ہوں بلاشبہ سرکار عالیہ کو تائید مدرسۃ العلوم میں تامل ہوگا خصوصاً اس وجہ سے کہ مخالفین نے بہت کچھ غلط باتیں نسبت مدرسۃ العلوم کے مشہور کر رکھی ہیں علاوہ اس کے ایک عام خیال نسبت حسنات و خیرات و مبرات کے محدود ہو گیا ہے۔ اس خیال کو توڑنا اور یہ بات دل میں ڈالنی کہ درحقیقت جس امر کی مسلمانوں کو ضرورت ہے اور جس کے نہ ہونے سے مسلمانوں کی روز بروز ذلت ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ اسلام کی بھی ذلت ہے اس میں تائید کرنا اور اس ذلت سے مسلمانوں کو نکالنا سب سے بڑی حسنات

میں شامل ہیں . . . . اور ظاہر ہے کہ دین میں یا عقبیٰ میں کچھ کام آنے والی نہیں ہے مگر انگریزی نہ جاننے کے سبب روز بروز مسلمانانِ ہندوستان ذلت و خواری میں پڑتے جاتے ہیں، عہدہ ہائے سرکاری سے روز بروز خارج ہوتے جاتے ہیں۔ اصلی مدد معاش ان کے ہاتھ سے نکلتے جاتے ہیں۔ ہندو بنگالی روز بروز ترقیاں پاتے جاتے ہیں اور مسلمان ہر امر میں ان کے مغلوب و دست نگر ہوتے جاتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو ہندوؤں و بنگالیوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے یا ان سے مغلوب نہ ہونے دینے کے لئے مسلمانوں کو انگریزی زبان کی تعلیم دینا درحقیقت ہندوؤں اور بنگالیوں پر ان کو فتحمند کرنا ہے اور اس زمانہ میں جو حال مسلمانوں کا ہے درحقیقت ان کی تعلیم انگریزی میں امداد کرنا پوری حسنات میں داخل ہے مگر سرکار عالیہ کو یا عموماً مسلمانوں کو اس خیال کی طرف . . . . . محالات سے ہے۔

مدرسۃ العلوم میں مسجد کی تعمیر مکمل نہ ہونے سے درحقیقت طالب علموں کو نماز کی تکلیف ہے۔ نواب سر آسمان جاہ نے جس قدر روپیہ دیا تھا اس سے مسجد کرسی تک تعمیر ہو کر رہ گئی ہے اسی پر ایک چھپر ڈال دیا ہے جس میں نماز ہوتی ہے۔ دو سو طالب علموں کے قریب پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں ان کے وضو کے لئے پانی کا اہتمام بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس کے لئے کنواں بھی بن رہا ہے، مسجد کے صحن میں وضو کے لئے حوض بھی بن رہا ہے۔ اگر سرکار عالیہ مسجد ہی کے لئے تائید فرمائیں گی تو بہتر ہے۔ اسی کی کسی قدر تکمیل ہو جاوے گی۔ میں کل یہاں سے علی گڈھ جاؤں گا اور وہاں پہنچ کر کوئی تاریخ روانگی بھوپال مقرر کر کے آپ کو اور وزیر صاحب کو اطلاع دوں گا۔ ہمارے سب کام توکلنا علی اللہ ہوتے ہیں، جو خدا کو منظور ہو گا ہو گا۔

کارساز ما بفکر کار ما ست　　　فکر ما در کار ما آزار ما ست

جو خدا کو منظور ہے وہ ہو گا مگر آپ نے جو سعی و کوشش کی اس کا شکر ہم پر واجب اور اجر دینا خدا کے اختیار میں ہے۔ والسلام علیکم!

خاکسار

سید احمد۔ الہ آباد ۸ راگست ۱۸۹۱ء

بنام سید علی حسن صاحب مرحوم

(۵)

جناب مخدوم و مکرم من ابوالنصر مولوی سید محمد علی حسن خان بہادر!

آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ جہاں آپ کی اور عنایتوں کا میرے دل پر نقش ہے اس سعی و عنایت کا بھی جس کے سبب آپ کے اور مخدومی عالمگیر محمد خان صاحب کے نام سے ہزار روپیہ کا اضافہ ہوا، ہزار ہزار شکر ہے۔ تو مجھے تشریف لائیے میں حاضر موجود رہوں گا۔ تمام احباب جو میرے ساتھ ہیں وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں کوئی وقت تجویز فرما کر اطلاع فرما دیں تا کہ وہ سب حاضر ہوں۔

میں تو آپ کے دسترخوانِ نعمت کا ایک ٹکڑہ کھانا بھی فخر سمجھتا ہوں مگر نہایت عاجزی سے ملتمس ہوں کہ دعوت کو ملتوی فرمائیے کیونکہ میرا عہد ٹوٹ جاوے گا اور حیدر آباد میں باعث نقصانِ عظیم ہو گا۔

پانسو روپیہ جو آپ کی طرف سے دیا جاتا ہے اس کو میں کاغذات و حسابات میں آپ کے نام سے کہ بابت دعوت نقد عنایت کیا، لکھوں گا بلکہ عالمگیر محمد خان صاحب بھی اگر ایسی ہی اجازت دیں تو مدرسۃ العلوم کو حیدر آباد میں زیادہ فائدہ ہو گا۔ اس کے متعلق مفصل حالات زبانی عرض کروں گا۔ والسلام!

خاکسار

سید احمد۔ بھوپال ۲ ستمبر ۱۸۹۱ء

<u>بنام نواب سید علی حسن صاحب</u>

(۶)

جناب مخدومی و مکرمی!

بجواب عنایت نامہ ملتمس ہوں کہ جو آپ کی خوشی ہے اوس کی تعمیل میں ہم سب کو اعتقاد ہوگا تعمیل ارشاد ہوگی بعد نماز عصر ہم سب حاضر دولت خانہ ہوں گے اور وہاں سے کھانا کھا کر اسٹیشن چلے جاویں گے۔

خانہ آباد دولت زیادہ۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد ۴ ستمبر ۱۸۹۱ء

<u>بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم</u>

(۷)

مخدومم و مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۱ مارچ اور آج پلندہ چار نسخہ البیان کا پہنچا۔ آپ کی عنایت اور نوازش کا اور اس امر کا کہ آپ کو ہر وقت مدرسۃ العلوم کا خیال رہتا ہے ممنون ہوا۔ البیان جو آپ نے عنایت کیا ہے حتی المقدور فروخت کیا جاوے گا اور جس قدر قیمت وصول ہوگی مدرسہ میں داخل کی جاوے گی۔ نہایت عمدہ مضمون پر آپ نے لکھ دیا ہے۔

جلد تہذیب الاخلاق سنہ ۱۳۲۴ نبوی اور جلد کامل سنہ ۱۳۲۵ نبوی خدمت عالی میں مرسل ہے۔ سنہ ۱۳۲۵ کا پرچہ شعبان علیحدہ نہ تھا اس واسطے پوری جلد بھیج دی گئی ہے۔ یہ دونوں جلدیں خاص میری ملکیت ہیں۔ کالج سے ان کو کچھ علاقہ نہیں اس لئے بطور نذر آپ کی خدمت میں مرسل ہیں امید کہ آپ قبول فرماویں گے۔ زیادہ بجز نیاز مندی کے اور کیا عرض کروں۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد

<u>بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم</u>

(۸)

جناب مخدومی مکرمی نواب علی حسن خان بہادر بالقابہ!

آپ کے شکوی محلی میں فرزند ارجمند کے پیدا ہونے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ خدا اس کی عمر دراز کرے اور آپ کے سایۂ عاطفت میں با اقبال ہو آمین!

ایسی خوشی اور مبارکی میں قوم کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ خدا کا اصلی شکریہ اس کے بندوں کے ساتھ سلوک کرنا ہے پس آپ خدا کے شکریہ میں قومی کام قومی بھلائی میں کچھ عنایت فرمائیے۔ فقط والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۲ مئی ۱۸۹۳ء

(۹)

<u>بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم خلف والاجاہ نواب صدیق حسن خان صاحب</u>

جناب مخدوم مکرم نواب محمد علی حسن خان بہادر

چند روز ہوئے کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۶ اگست میرے پاس پہنچا تھا باعث اعزاز ہوا تھا۔ ان دنوں میں بعض امور ایسے درپیش تھے کہ مجھ کو نہایت کم فرصت تھی اس لئے تحریر جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ معاف فرماویں۔ جو الفاظ عنایت اور شفقت آمیز آپ نے اپنے عنایت نامہ میں لکھے ہیں میں ان کا دل سے شکر گذار ہوں۔ مجھ ناچیز کو ایسے الفاظ سے یاد فرمانا جو آپ کے

عنایت نامہ میں مندرج ہیں صرف آپ کی بزرگی اور عنایت ہے۔ آیا بہ ہندسکی بابت صرف ایک رسالہ انگریزی شائع ہوا ہے جس کی جلدیں میں نے مدرسہ کو دے دی ہیں اور کچھ جلدیں ہنوز فروخت کو باقی ہیں۔ عہ اس کی قیمت ہے اگر آپ فرماویں تو میں آپ کے پاس بھیج دوں۔ مگر اس کا اردو میں ترجمہ کرنا اور چھاپنا اب مناسب وقت نہیں ہے۔ وہ زمانہ گیا اور اب زمانہ نہیں ہے کہ ان پرانے قصوں کو پھر یاد دلایا جاوے۔

تاریخ اسلام مصنفہ مسٹر آرنلڈ یورپ میں چھپ رہی ہے بعد چھاپہ ہونے کے ہندوستان میں آوے گی اس کا ترجمہ کرانے کے لئے مسٹر آرنلڈ کی اجازت درکار ہوگی بسبب تعطیل کالج کے مسٹر آرنلڈ پہاڑ پر گئے ہوئے ہیں۔ جب وہ واپس آویں گے تو میں ان سے ذکر کروں گا۔ آپ سے ملنے کو ہمیشہ دل چاہتا ہے مگر فاصلہ اس قدر دور دراز ہے کہ نہ میں آپکے پاس آسکتا ہوں اور نہ آپ کو ایسے اشتغال رہتے ہیں کہ جن سے آپ کو بھی فرصت نہیں ہوتی۔

میں آپ کو اپنا اصلی دوست اور معین و مددگار اس قومی کام کا سمجھتا ہوں جس کے انجام پر میں نے اپنی عمر صرف کی ہے اور مجھ کو امید آپ سے ہے کہ آپ ہمیشہ اس کام کے مددگار رہیں گے۔

اب کے سال محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس شاہجہان پور میں قرار پایا ہے جو حسب معمول اخیر دسمبر میں ہوگا اور مجھے امید ہے کہ آپ اس جلسہ میں تشریف لاویں گے اور مجھ سے اور اور احباب سے آپ سے ملاقات ہوگی۔ شاہجہان پور کے جلسہ کے مہتمم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیل عدالت قرار پائے ہیں۔ اگر آپ کا ارادہ تشریف آوری کا ہو تو ان سے آپ خط و کتابت فرماویں۔

والسلام علیکم!

خاکسار

سید احمد۔ علی گڈھ ۱۱ ستمبر ۱۸۹۵ء

---

(۱۰)

بنام نواب علی حسن مرحوم

مخدوم و مکرم بندہ جناب ابو النصر نواب سید علی حسن خاں بہادر

بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ بلحاظ اس شفقت اور عنایت کے جو آپ کو میرے حال پر ہے اور بلحاظ اس قومی ہمدردی کے جو مسلمانوں کی ترقی اور بہبودی کی آپ کے دل میں ہے۔ مجھے جرأت ہوتی ہے کہ آپ کی خدمت عالی میں ایک ضروری امر التماس کروں۔

آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ دفتر مدرسۃ العلوم کے ہیڈ کلرک نے بذریعہ جعلی چکوں کے ایک زر خطیر زر امانت مدرسۃ العلوم میں سے جو بنک میں جمع تھا غبن و تصرف کر لیا جس کے سبب سے نقصان کثیر زر امانت مدرسۃ العلوم میں ہو گیا۔ اگر وہ غبن و تصرف صرف زر امانت ہی میں ہوتا تو صبر کیا جاتا۔ مگر اس غبن و تصرف کے سبب چالیس ہزار روپیہ بنک کا مدرسہ پر فاضل ہو گیا اور اگر زر فاضلات کی ادائی جلد تر تدبیر نہ کی جاوے تو اس کا سود اس قدر بڑھ جاوے گا جس کا ادا کرنا ناممکن ہوگا اس لئے یہ تجویز ہوئی ہے کہ اس زر فاضل کو چندہ باہمی سے جس قدر جلد ممکن ہو ادا کیا جاوے چنانچہ اس کے لئے چندہ کھولا گیا ہے اور احباب اور ٹرسٹیان کالج نے قریب دس ہزار روپیہ کے چندہ دینے کا وعدہ کیا ہے اور اور لوگوں نے بھی اس میں چندہ دیا ہے۔ اس لئے میں آپ سے تین امر کی درخواست کرتا ہوں اور امید ہے کہ آپ اس پر توجہ فرمائیں گے۔

اوّل یہ کہ آپ بھی اپنی ذات خاص سے اس نقصان کے پورا کرنے میں کچھ امداد فرماویں تاکہ زر فاضل بنک کا ادا

بنام جناب محمد عبدالسلام صاحب مرحوم

(۱۴)

مخدومی مکرمی محمد عبدالسلام صاحب

آپ کا عنایت نامہ از مقام پنجاب گڑھ پہنچا۔ جو تجویز کہ آپ نے اس میں مندرج کی ہے میں تو اس کو نہایت نامناسب اور محض ناواجب اور سراسر بیجا سمجھتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار، سید احمد۔ علی گڑھ ۶ جون ۱۸۹۵ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۱۵)

مخدوم مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید محمد علی حسن خان بہادر!

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۷ جون پہنچا۔ اول تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ کو ہمیشہ مدرسہ کی تائید کا خیال رہتا ہے بعد اس کے بتہ عبدالرب صاحب کا اور ان نیک دل لوگوں کا جنھوں نے سید عبدالرب صاحب کے اضافہ کی خوشی میں ایک ایک روپیہ دیا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کم مایہ بزرگ جو باوجود اپنی قلت معاش کے کالج کی مدد کرتے ہیں ان کا میں زیادہ از حد شکر گزار رہتا ہوں کہ با وصف قلت معاش کے قومی مدرسہ کا خیال رکھتے ہیں۔

مبلغ میرے پاس پہنچ گئے ہیں اور مدرسہ میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ خدا دینے والوں کا بھلا کرے۔

نواب محسن الملک اٹاوہ چلے گئے ہیں، ۲۱ جون کو واپس آجاویں گے۔ خطبات احمدیہ انگریزی زبان میں موجود ہے۔ ایک جلد خدمت عالی میں روانہ ہو رہی ہے۔ پانچ روپیہ اس کی قیمت ہے اور محصول ڈاک اس کے علاوہ میں آپ کی عنایت اور یاد آوری کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار: سید احمد۔ علی گڑھ ۱۹ جون ۱۸۹۶ء

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

(۱۶)

مخدوم مکرم من جناب ابوالنصر نواب سید علی حسن خان بہادر!

چونکہ مجھ کو آپ کی خدمت میں خالص نیازمندی ہے اس واسطے میں بلا تکلف چند امر آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں آپ بھی بلا تکلف ان کا جواب ہاں یا نا کا ارقام فرماویں گے۔

امر اول یہ ہے کہ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں آپ کو ٹرسٹی مقرر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھ کو امید ہے کہ آپ میرے بعد بھی کالج کی بہتری اور سرسبزی کا خیال رکھیں گے۔ پس آپ اطلاع فرمائیے کہ آپ کو خوشی ٹرسٹی ہونا منظور فرماتے ہیں یا نہیں۔

دوسرا امر یہ ہے کہ بسعی منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے جناب عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال نے دس ہزار روپیہ تعمیر مسجد کے لیے عنایت فرمایا تھا اب اس مسجد کی تعمیر کی نوبت پہنچ گئی ہے صرف برج اور منار اور استرکاری باقی ہے۔ نماز اس میں ہونے لگی ہے اور مؤذن اور امام وغیرہ اس کے لیے مقرر ہو گئے ہیں اور ایک مولوی صاحب واسطے وعظ اور تعلیم مذہبی کے بھی اسی روپیہ سے یہاں مقرر کیے ہیں چاہتا ہوں کہ پچاس روپیہ ماہواری بالکم و بیش حضور عالیہ جناب بیگم صاحبہ کی طرف سے واسطے اخراجات مسجد کے مقرر ہو جائے میں نے اس باب میں مولوی عبدالجبار خان صاحب کو بھی خط لکھا تھا مگر انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا پس آپ کی سعی اس امر میں

کچھ کارگر ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر کارگر ہو سکے تو سعی فرمائیے اور اگر کارگر نہ ہو سکے تو خیر۔

تیسرا امر یہ ہے کہ میں آپ کی عنایت کا اور عزیزان دوستوں کی عنایت کا جنھوں نے واسطے تلافی نقصان کالج کے چندہ دیا ہے شکر ادا کرتا ہوں۔ لیکن فاضلات بنک کی اب تک قریب پچیس ۲۵۰۰۰ ہزار روپیہ کے باقی ہے اس کی ادا کے لئے میں چاہتا ہوں کہ چند دوست مل کر بقدر اپنی حیثیت کے روپیہ بطور قرض بلا سود دیں پانچ برس کی میعاد پر اور میں ان کو دستاویز لکھ دوں گا اور بنک سے طمانیت کرا دوں گا کہ تاریخ معینہ پر بنک سے روپیہ مل جاوے گا۔ ہم کو ۱۲ روپیہ سیکڑہ کے حساب سے زرِ فاضلات سود دینا ہوتا ہے اور جس کی نہایت زیر باری ہوتی ہے ہمارے پاس سی نوٹ جس قدر بنک میں جمع ہیں ان کا سود ۱۲۵۲ سالانہ ملتا ہے جو اس قرضہ کی ادا کے لئے بنک میں جمع ہوتا رہے گا پس پانچ برس کے اندر ۱۲۲۶۴ صرف سود ہماری نوکروں کے ہوا کرے گا۔ سر سالار جنگ مرحوم کی جاگیر میں سے جو روپیہ کالج کو ملتا تھا وہ چند روز سے رک گیا تھا مگر اب اس کے ملنے کا حکم ہو گیا ہے اور ہمارا واجب الطلب ہے وہ یکمشت ملے گا۔

جن دوستوں نے نقصان کے پورا کرنے کے لئے چندہ لکھا ہے نکلا اس کے ۱۲۵۵ روپیہ وصول ہونا باقی ہے جو وصول ہو جاوے گا ڈیڑھ سو ۱۵۰ روپیہ ماہواری ایک دوست واسطے پورا کرنے نقصان کالج کے دیتے ہیں جو پانچ برس کے عرصہ میں نو ہزار ۹۰۰۰ روپیہ ہو جاویں گے۔ مجموعہ ان کل رقمات کا بتعداد ۲۸۹۲۹ ہوتا ہے۔ پس ہم بآسانی میعاد معین پر کل زرِ قرضہ ادا کر دیں گے بلکہ اس سے پیشتر۔ پس آپ ایسی کوشش کر سکتے ہیں کہ حضور عالیہ بیگم صاحبہ ہم کو کچھ روپیہ قرض دیں یا آپ اپنے پاس سے اور اپنے احباب سے ہم کو کچھ روپیہ قرض دلا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کا صاف جواب بلا کسی تکلف کے لکھ دیجئے گا۔ میں نے اور چند دوستوں کو بھی خطوط لکھے ہیں۔ کیونکہ کسی ایک شخص سے پچیس ہزار روپیہ ملنا غیر ممکن ہے لیکن اگر دس بارہ دوست بقدر اپنے مقدور کے قرض دینا چاہیں تو جمع ہو جانا ممکن ہے۔ اس قدر میں خط لکھ چکا تھا کہ آپ کا عنایت نامہ بذریعہ تار کے میرے پاس پہنچا۔ اس کا جواب کل یا پرسوں میں آپ کو لکھوں گا۔

اور میں ہر طرح سے جو تعلیم کا کام آپ اٹھانا چاہتے ہیں دل و جان سے اس میں مدد دینے کو موجود ہوں۔ والسلام علیکم

خاکسار: سید احمد۔ علی گڈھ ۱۴ ر جولائی ۱۸۹۰ء

محمد حسین آزاد

(۱)

بنام مولوی محمد فضل شہری

آپ کے حب الوطنی کا خیال قابل ہزار تعریف کے ہے اور یہ عنایت خاص جو بندۂ آزاد کے حال پر مبذول ہوتی ہے اس کا شکریہ ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں اپنی طبیعت کا حال کیا بیان کروں۔ آپ تصویر منگاتے ہیں۔ میرا یہ حال ہے کہ کئی برس ہوئے آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا کرتا تھا اور کیا ہو گیا۔ کبھی آئینہ سامنے آجاتا ہے تو اپنے آپ کو پہچان نہیں سکتا۔ جو شخص خود اپنی صورت دیکھ کر شرما جائے اسے فوٹوگراف اتروانا اور تصویر کو اس عالم میں شہرت دینا کب گوارا ہوگا۔

دو برس ہوئے ایک دوست رستے میں سے بہانہ کر کے مجھے لے گئے اور میری تصویر اتروائی۔ اگرچہ رنج ہوا مگر جو شکر خدا کیا کہ الحمد للہ اسے صحیح الاوضاع اور سلیم الصورۃ پیدا کیا ہے اور رکھا ہے۔ حقیقتاً اب میں اپنا حال کیا عرض کروں۔ دربار اکبری چھپنے کے بعد آج انشاء اللہ نہانے کا ارادہ ہے اگر خدا پورا کرے۔ کیا کروں فرصت نہیں ہوتی اور جو وقت بچتا ہے کہتا ہوں کہ چار سطریں لکھوں گا۔ نہانے کو بھی دیکھا جائے گا۔ آج کل دربار اکبری لکھ رہا ہوں۔ اس میں اکبر کے امرائے دربار کا حال آپ اسی طرح پڑھیں گے جس طرح آب حیات میں شعرا کے دیکھا۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ ہر ایک امیر کے حال کے بعد ان کی تصویر بھی ہو۔ چند تصویریں بہم پہنچائی ہیں مگر بعض اب تک نہیں ملیں۔ اگر آپ کے ذریعہ سے ممکن ہو تو ضرور مطلع فرمائیں۔

محمد حسین عفی عنہ - فروری ۱۸۸۲ء

---

(۲)

بنام ... حیدرآباد

جناب من دام اقبالکم و حفظکم اللہ اعانکم!

تسلیم۔ آپ کا محبت نامہ پہنچا مگر اس نے رنج کو دوبالا کیا۔ کیونکہ نہایت دل شکستگی پائی جاتی تھی۔ بے دل ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ مولیٰ اسد اللہ الغالب موجود ہیں۔ انشاء اللہ پہلے سے اچھا ہوگا۔ میں نے انہیں احتیاطاً کچھ نہیں لکھا۔ آپ کہہ بھیجئے گا کہ رجوع قلب سے عرض کرتے رہیں، سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔

؎ مجھے پھر کوئی سی مشکل ہے اے حیدر — اگر تیرا علی مشکل کشا ہے

میں گنہگار روسیاہ کس منہ سے کہوں کہ دعا کرتا ہوں۔ خیر جو کچھ ہے خدا قبول کرے۔ دنیا کے اعتبار سے نا ہ
کر چھاڑ۔ سامان بہر کا خیالات کو بدلا، جہاں جہاں ہو سکا قلم کو رسائی دی ہے۔ جو کچھ خدمت میں پہنچتا ہے ملاحظہ فرمائیے گا۔ ہر
پاس کیفیت احوال کے پہنچنے کا کوئی رستہ نہیں، آپ ہی کوئی تسلی نامہ لکھیں تو لکھیں اگرچہ غیروں کو اس بات کا یقین نہ آئے لیکن
غالباً آپ کے دل پر اس فقرہ کا اثر ہوگا کہ مجھے شاید ہی کچھ آپ سے کم رنج ہو۔ میں رویا اور میں نے اور سب نے یہاں س
اس مرحوم کی نمازِ ہدیہ نیت پڑھی۔ مجھے امید نہیں کسان کے بیٹوں نے پڑھی ہوگی۔ حضرت آپ ہم لوگوں کو نہیں جانتے آپ نے
جدّ جانتے ہیں۔ ہم کچھ اور لوگ ہیں۔ الغرض ان کے صدقے سے، ان کی خاکِ آستاں کے صدقے سے، ان کے کتوں کے صدقے
سے خیر و برکت شاملِ حال رکھے اور فی الحال تو میری عرض ہے کہ خدا آپ کی بات کو بنا دے۔ فقط والدعا و بالتماس الدعا!

آزاد — ۱۵ فروری ۱۸۸۲ء

(۳)

جنابِ منشی!

تسلیم۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ۔ قد رجع الحق علی مکانہ۔ کل اخبار میں اس خبر کا ظہور دیکھا جس کا آپ نے۔ میں ہرنا بیاں
کیا تھا۔ چاہا تھا کہ مولوی صاحب (یعنی آپ کے بھائی صاحب) کو مبارکباد لکھوں۔ پھر سمجھا کہ آپ کو لکھنا انہی کو لکھنا ہے۔ اچھا
ہوورڈ کا عالم استقلال اور خیر و برکت کے ساتھ مبارک کرے۔ دل بہت چاہا کہ حاضرِ خدمت ہوں مگر کالج میں سالانہ امتحان ہو ر
۸ اور پہلے دن عربی و فارسی کا امتحان ہے۔ مجھے جماعتوں کے لئے سوالات بنانے ہیں۔ کچھ بنائے ہیں کچھ کل بناؤں گا۔ ۳
کے بعد چھٹیاں آنے والی ہیں۔ انشاء اللہ ان میں ایک دن حاضر ہوں گا اور نعمان لنگر ان کو بھی ساتھ لیتا آؤں گا۔ تسلیم بالا فوالکریم والسلام دعا

محمد حسین آزاد۔ لاہور، بنگلہ ایوب شاہ ۱۶ فروری ۱۸۸۴ء

(۴)

بنام میر حسن حیدر آباد[1]

جنابِ من!

تسلیم۔ پرسوں شفق کے ۳ پرچے ایک ہی لفافہ میں پہنچے۔ کل صبح کی ریل میں روانہ کئے ہیں رسید ضرور عنایت فرمائے
خدا کرے پہنچیں کہ شفق کی طرح سرخرو ہوں۔ ڈاک کا مطلق اعتبار نہیں، روز نقصان اٹھا رہا ہوں۔ قرق جنگ کوئی صاحب
ہیں انہوں نے بڑی محبت سے ایک خط لکھا اور از راہ تصنیفات طلب فرمائے۔ میں نے نیرنگِ خیال بھیجے۔ ۲۰ دن کے بعد
آیا کہ کتاب نہیں پہنچی۔ فرمائیے ۳ کی کتاب پر ۲ رجسٹری کے دیتا تو آپ کو کیا جواب دیتا۔ دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی
کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔ یونیورسٹی بیت و علی کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ ہم تجویز کر رہے ہیں۔ بہت خوب اور بھی اچھا ہو

[1] یہ مکتوب غالباً میر حسن شہرامی کے نام ہے، جو مدیر شفق تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد انہی کو "جناب من" یا "عالی جناب من" کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ نیز انہی کے نام مکتوب مرقومہ ۲۴ فروری ۱۸۸۴ء میں "نعمان لنگر ان" کے ارسال کا ذکر ہے (مکتوبات آزاد طبع ثانی ص ۴۳)

میں اگست ستمبر کی چھٹیاں بھی اسی میں گذر جائیں گی۔

ابراہیم انشاء اللہ ۸ ، ۱۰ دن میں رڑکی کو روانہ ہوگا کیونکہ ۱۵ مئی سے جماعت کھلے گی اور کوئی بات قابلِ تحریر نہیں ہے مگر دعا و التماس دعا!

آزاد - لاہور بنگلہ ایوب شاہ ۱۶ اپریل ۱۸۸۴ء

---

(۵)

نام ، معلوم

عزیز من زاد اللہ انسا بکم!

بعد از دعا ہائے فراواں معلوم باد - تمہارا محبت نامہ پہنچا - اس لئے باعث مسرت ہوا - مجھے تو خبر ہی نہ تھی - خدا انہیں صحت دے - گھبراؤ نہیں، علاج کرتے رہئے - انشاء اللہ شفا ہوگی۔

میرا حال بدستور ہے، مدرسہ کا حال یہ ہے کہ حضور سائم صاحب بہادر پرنسپل بھی ہیں اور انسپکٹری حلقہ لاہور کی بھی فرماتے ہیں - ڈاکٹر شلپ نائل صاحب انسپکٹر حلقہ انبالہ ہو کر شملہ تشریف لے گئے ہیں - ان کی جگہ ایک صاحب عارضی طور پر تشریف لائے ہیں - کوب صاحب ان کا نام ہے یہ بھی عالم ہیں اور بڑے شوق سے پڑھاتے ہیں - ماسٹر پیرو وی پرشاد؟ اسسٹنٹ پروفیسر ہیں - ماسٹر ساگر چند بشرح ایضاً بابو شانتی بھوشن بشرح ایضاً مگر مستقل -

بس اور کیا لکھوں - اپنی علالت کی طرف سے تم ہرگز گھبراؤ نہیں انشاء اللہ عنقریب رو بصحت ہے والدعا و التماس دعا!

محمد حسین عفی عنہ، پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور

امیر مینائی

بنام منشی محمد عسکری وسیم ترمذی خیرآبادی

(۱)

نورچشم من - کل قطعات تاریخ بھیج چکا ہوں - ایک قطعہ تاریخی اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے، اس کے
بعد خیال آیا کہ نام سے تاریخ پیدا کی جائے - اس وقت ایک صورت سے موزوں ہوئی اس کو بھی لکھے بھیجتا ہوں
اگر یہ قطعہ پسند ہے تو خیر ؎

خفت کہ با نو بخاک و کفتند اشد سینہ چاک — طالعش در گردش از دور نجوم آمد کنوں
سال مرگ از نام آں مرحومہ پیدا کرد امیر — در ریاض فاطمہ باد سموم آمد کنوں

۱۵۲ ۔ ۴۶ ۔ = ۱۲۹۹

چاہیئے کہ رسید دونوں تاریخوں کی اور کیفیت پسند اور ناپسند سب عزیزان و یارانِ انجمن کی
لکھ بھیجیے اور جس تاریخ کا کندہ ہونا قرار پائے اس سے بھی اطلاع دیجئے - میرے ایک شفیق تخمہ شیراز ال
میرے پاس تشریف رکھتے تھے - انہوں نے اس تاریخ کو پسند کر کے دو مصرعے اول کے اس طرح موزوں کیے

امروز ماتم سرا نا دیدہ چشم روزگار — ماتم زنیاں کہ از دور نجوم آمد کنوں

۱۲ ربیع ۱۲۹۹ھ

راقم آثم امیر احمد از رام پور

بنام جناب سید محمد عسکری صاحب وسیم ترمذی خیرآبادی

(۲)

میاں وسیم - تمہاری پریشانی سے مجھ کو بھی پریشانی ہوئی - سوائے کام چھوڑ کر چلے جانے کے، اور جو بات
امکانی ہو تم مجھ کو بتاؤ تو وہ میں کروں - میں کسی حالت میں اپنے عزیز اپنے دوست کا نقصان نہیں چاہتا اگر تم یہ
سمجھتے ہو کہ (امیر اللغات کا) ایک حصہ مکمل ہو جانے تک تمہارے جانے سے اس کام کو نقصان سخت پہنچے گا تو
تم کو اختیار ہے، تم بجائے خود خوب سوچ کر جو درخواست قابل قبول ہو - مجھ سے کرو اس میں میں حاضر ہوں
تمہاری راحت سے یہ حلف لکھتا ہوں کہ مجھے راحت ہوتی ہے اور تمہاری تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے کل
تمہارا ؟ کم ہے اور اب مجھے پسند نہیں کہ تمہارا لفافہ ترقی نہ کرے - آئندہ سے میں تم کو معہ تنخواہ علاوہ
دس ماہوار کے دوں گا - اور تمہارے پاس سے یہ خط نہ آتا تو بھی میرا یہ قصد حتماً تھا - اس سے زیادہ کوئی نکتہ

خیال میں نہیں آتی کہ تمہاری پریشانی رفع کردوں تم میری پریشانی مٹانے کے لئے جواب مفصل مجھے لکھو کہ سکون خاطر ہو فقط

امیر فقیر عفی عنہ
۳۱ دسمبر ۱۸۹۸ء

اس رقعہ کو ضائع نہ کرنا یا واپس کر دینا یا احتیاط سے رکھنا۔

(۳)

بنام مرزا داغ دہلوی

مصدر لطف اتم۔ قدیمی مکرم سلامت۔ سلام مسنون، اخلاص مقرون۔ مدت کے بعد نوازش نامہ آیا۔ ممنون یاد آوری فرمایا۔ بندہ نواز! مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی خط کا جواب قلم انداز کیا ہو۔ یہ میرے مقدر کی نارسائی کہ خط نہ پہنچا ہو۔ بہرکیف جرم ناکردہ کا عذر خواہ ہوں۔ اخبار گورکھپور میں دیکھا تھا کہ آپ کا مخاطب بخطاب استاد السلطان ہونا اور سات سو روپیہ مشاہرہ مقرر ہونا چھاپا۔ یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوا تھا۔ مگر اس تحریر میں ان دونوں اعزازوں کا ذکر نہ تھا۔ اس وجہ سے وہ سرور گھٹ گیا۔ عزت افزائی جو سرکار دولت مدار نے تلمذ سے فرمائی وہ میرے سر بساط اور آئندہ ترقیوں کی امید دل کو بڑھا رہے ہیں۔ خدا جلد ظہور میں لائے۔

شکایت جو آپ نے "صنم خانۂ عشق" دیوان دوم کے نہ پہنچنے کی لکھی ہے۔ وہ دیوان چھپا کہاں؟ ورنہ ممکن تھا کہ نہ پہنچتا؟ تالیفاتِ کہنہ کا حضور میں آپ کے واسطے سے نہ پہنچنا معاذاللہ اس وجہ سے نہ تھا کہ آپ نے رشک و حسد سے نہ گزرانیں۔ افسوس کہ اتنی مدت تک یکجائی اور میری طبیعت کی صفائی دیکھ کر بھی آپ کو بدگمانیاں باقی ہیں۔ میاں بوڑھے ہو گئے ہو، یہ شیوہ چھوڑ دو کہ زبردستی رکاوٹ کے لئے ایک بات قرار دی ہے۔

اول تو میں خطاب لینے ہی کے قابل اپنی قابلیت کو نہیں سمجھتا۔ اور پھر درخواست دے کر خطاب مانگنا یہ تو بالکل پسند نہیں۔ میاں "اب تو وہ وقت آ گیا کہ مرحوم و مغفور کا خطاب بارگاہ شہنشاہ حقیقی سے عطا ہو۔ کوئی اور حوصلہ نہیں ہے۔

آپ کا تازہ کلام دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ میں کہتا کیا ہوں جو بھیجوں۔ جی افسردہ رہتا ہے۔ کبھی کسی گلدستے والے کے اصرار سے کچھ بکتا ہوں تو وہ چھپ جاتا ہے۔ یہ فراغتیں چشم بد دور آپ کے واسطے ہیں کہ شعر کے سوا کوئی فکر نہیں۔ خدا جمعیت خاطر بڑھائے۔

اور سنیے یار، استاد السلطان ہونے کی مٹھائی تو لاؤ۔ یا "استاد" یا "استاد" برسوں کہا گیا ہے۔ اب جو

---

۱ ۱۸۹۸ء میں نظام دکن میر محبوب علی خاں نے مرزا داغ کو "استاد السلطان" کا خطاب دیا۔ اخباروں میں اس کا تذکرہ چھپا۔ امیر مینائی نے بھی دیکھا۔ ان ہی دنوں میں مرزا داغ کا خط امیر کے پاس آیا۔ لیکن انہوں نے اپنے خطاب و اعزاز کا ذکر نہ کیا تھا۔ اس خط کے جواب میں امیر صاحب نے یہ خط لکھا۔

۲ مرزا داغ کے سلام۔

۳ مرزا داغ نے اپنے خط میں امیر صاحب کے خطاب کے متعلق استفسار کیا ہو گا۔ اس کا جواب ہے۔

۴ یہ بے تکلفی اور خلوص کا کیا کہنا!

وہ وقت آیا تو اُستاد کی شیرینی ندارد۔ امید ہے کہ کبھی کبھی رسم رسل و رسائل رہے۔ میں ابتدا سے تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔ میری طرف سے گمان فاسد نہ کرو۔ زیادہ کیا لکھوں۔

۲۱ مارچ ۱۸۹۱ء　　　　امیر فقیر

<u>بنام ولی شاہجہاں پوری</u>

(۴)

مخلصی سلام مسنون۔ آپ کے اکثر مہربانی نامے آئے اور افسوس ہیں اپنی معذوریوں کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ نہیں لیاں کا دورہ اس کے سخت پڑا جس میں دو مرتبہ قاذ طبیب سے کام لیا گیا۔ خون کئی روز تک آیا۔ اب اللہ کی عنایت سے افاقہ ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنی خیریت سے کبھی کبھی مسرور کرتے رہیں گے۔ اور اگر جواب میں تاخیر ہو تو مجھے رنجور و معذور سمجھ کر بے التفاتی پر محمول نہ کریں۔

رامپور ۶ نومبر ۱۸۹۶ء　　　　امیر فقیر

<u>بنام ولی شاہجہان پوری</u>

(۵)

مخلصی سلام مسنون۔ دعائے مشمول بہت سے گرامی نامے آپ کے آکر باعث شکرگزاری ہوئے کچھ کی وسعذوری نے مجھے جواب دینے سے محروم رکھا۔ اس وقت ۲۸ اپریل کا کارڈ پیش نظر ہے۔ اس کا جواب سنیئے۔ چلمن نہ فارسی ہے نہ عربی اس کی اضافت فارسی کی ہرگز جائز نہ ہوگی جانب متھرا اس کے لئے سند نہیں متھرا علم ہے شہر کا نام ہے اس کا ترجمہ عربی فارسی میں کیا ہوگا۔ لہذا یہی لفظ ترکیبوں کے ساتھ بلا تردد باندھئے آپ کا مصرع جس میں پس چلمن ہے یوں اصلاح ہو سکتی ہے۔

دلِ صد چاک میں دیکھا رُخ روشن اُن کا　　　　ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن اُن کا

آپ ہر خط میں اپنی غزل طلب کرتے ہیں۔ آج میں نے مکان بھر تلاش کی نہیں ملی ورنہ دیکھ کر بھیجتا۔ مختلف کلام کثرت سے جمع ہے اس میں کہیں بے ترتیبی سے اِدھر اُدھر ہو گئی ہو گی جواب ڈھونڈھنے سے نہیں ملی اطلاعاً آپکو لکھا

رامپور ۲ مئی ۱۸۹۹ء　　　　امیر فقیر

<u>بنام منشی امتیاز احمد خاں صاحب رازؔ رامپوری</u>[1]

(۶)

پیارے رازؔ عمر درازہ۔ خزانہ خالی ہونے کا جو ذکر تم نے کیا۔ اس عذر کے مرتفع کرنے کے لئے میں نے رباعی

---

[1] منشی امتیاز احمد خاں صاحب رازؔ رامپوری مرحوم (عرف پیارے خاں) امیر مینائی کے شاگرد رشید تھے ریاست رامپور میں حضرت امیر کے قریب ہی رہتے تھے۔ مستاجر تھے۔ یعنی سرکاری دیہات کا ٹھیکہ لیتے تھے۔ حضرت جلیلؔ مرحوم کے ساتھ دفتر امیر اللغات میں بھی رازؔ صاحب نے کام کیا۔ حضرت امیر جب ان کو خط لکھتے تھے تو رازؔ صاحب کے عرف (پیارے) کی مناسبت سے القاب میں کبھی "پیارے رازؔ" کبھی "پیارے پیارے" لکھتے تھے ایک مرتبہ جناب پیارے خاں صاحب رازؔ ریاست بھوپال میں تھے۔ حضرت امیر مینائی نے بیگم صاحبہ بھوپال کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کرایا تھا۔ بیگم صاحبہ نے پسند کیا اور فرمایا کہ قحط کے سبب سے خزانہ خالی ہے ورنہ اس کا معقول صلہ دیا جاتا۔ یہ جواب امیر صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے ایک رباعی لکھ کر رازؔ صاحب کو بھوپال بھیجی کہ سرکار میں پیش کر دیں۔

ہیں۔ جسے خوشخط لکھوا کر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ بہت جلد اچھے صاحب کی خدمت میں پہنچاؤ۔ اور کہو کہ مہربانی کر کے سرکار عالیہ متعالیہ کے ملاحظے سے گزرانیں۔ اور جو کیفیت ہو اس سے آگاہ کرو۔ یہاں خیریت ہے۔ کئی روز ہوئے تمہارے خط کے جواب میں ایک تحریر بھیج چکا ہوں۔

۲۴ ستمبر ۱۸۹۹ء　　　امیر فقیر

وہ رباعی یہ ہے :-

رباعی

کب ہے یہ خدائی کارخانہ خالی　　　عالم سے نہیں کوئی زمانہ خالی
معمور ہے گنجینۂ دل ہمت سے　　　ممکن ہی نہیں کہ ہو خزانہ خالی

(۷)

بنام جہان پوری

محبی ضمیر سلمہٗ القدیر۔ پندرہ بیس دن ہوئے کہ ایک نوجوان کشیدہ قامت کولوں کے تاجر شاید عبدالقدیر خان کا نام ہے۔ شعر بھی کہتے ہیں اور اس تجارت کا کارخانہ ان کا رونق پر ہے، یہاں کے سوداگر کی طلب پر کولے لائے تھے اور مجھ سے بھی مل کر کچھ اپنے شعر سنائے تھے تمہاری خیر و عافیت بھی میں نے ان سے پوچھی تھی۔ غالب ہے کہ ان سب پتوں سے تم ان کو پہچان گئے ہو گے ان سے مل کر میری طرف سے کہو کہ کولے بھیجنے کا وعدہ اب تک وفا نہ ہوا۔ اب فی الفور حسب وعدہ بیجے اعلیٰ کے کولے پختہ جو چٹکتے نہ ہوں میرے پاس بھجوا دیں میں نے ان کے بھروسے پر یہاں کولوں کا بندوبست نہیں کیا۔ اور جو کچھ وہ کہیں اور جو بات قرار پائے اس سے مجھے مطلع کرو اپنے بزرگوں کو میری طرف سے سلام مسنون پہونچا دو۔ مکرمی منشی ظہور خاں صاحب اور مخدومی جناب حافظ صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام و نیاز عرض کرو۔

رامپور ۴ جنوری ۱۸۹۷ء　　　امیر فقیر

(۸)

بنام امتیاز احمد خانصاحب راز رامپوری

ایک مرتبہ موسم سرما میں حضرت امیر مینائی نے پیارے خانصاحب راز سے فرمایا کہ اپنے علاقے سے کچھ کھورا[*] اور اُپلے بھیج دینا۔ جب تعمیل ارشاد میں تاخیر ہوئی تو اس طرح یاد دہانی کرتے ہیں :-

رام پور۔

پیارے راز۔ ایک مطلع ٹھٹھرتے ہوئے دل سے کہا ہے اور کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے لکھا ہے سنو اور اس کی قدر کرو :-

نہیں کچھ تاپنے کو، دست و پا سردی سے اکڑے ہیں
نہ کھورا ہے، نہ کنڈے ہیں، نہ سینٹھے ہیں، نہ کوڑے ہیں

۱۲ دسمبر ۱۸۹۷ء　　　امیر فقیر

---

[*] ... کی چھیلن یا چھوٹے ٹکڑوں کو کھورا کہتے ہیں۔

(۹)

بنام احسن مارہروی

عزیز از جان سید علی احسن صاحب۔

کارڈ آیا ممنون یاد آوری کیا۔ گلدستے کی ترتیب اور طبع کو میری غزل پر موقوف نہ رکھیے میری طبیعت اچھی نہیں اور میرے گھر میں کئی عزیز بیمار ہیں۔ میں غزل نہیں کہہ سکتا۔ آئندہ پھر کسی نمبر میں موقع ملے گا کہوں گا فقط۔ جلیل کی طرف سے سلام نیاز۔

۲۳؍جون سنہ ۹۸ء   امیر فقیر

---

(۱۰)

بنام ولی شاہجہانپوری

سعادت نشان پیارے ضمیر اللہ تعالیٰ تمہاری عمر و اقبال و سعادت مندی دو چنداں کرے۔ محبت اور اخلاص سے لبریز تمہارا خط اس وقت آیا اور مجھے محظوظ کیا۔ اس کا مجھے بھی افسوس ہے کہ نور چشم مسعود احمد تم سے اپنا وعدہ پورا کیے بغیر شاہجہانپور سے واپس آئے۔ ان کو اس میں سخت معذوری مجبوری پیش آئی۔ شاید آپ نے بھی سنا ہوگا کہ حضرت مولانا محمد شاہ کی طبع ہمایوں دفعتاً ناساز ہوگئی ضیق النفس کا سخت دورہ پڑا کہ وہ جلسۂ ندوہ میں بھی شریک نہ ہو سکے اور وہ از حال ایسی حالت ہوگئی کہ قبل اختتام ندوہ ان کے رفقا کو واپس آنا پڑا یہ ممکن نہ تھا کہ مسعود احمد جناب مولانا سے جدا ہو کر ایسی حالت میں وہاں رہ جاتے اور آپ سے مل کر آتے ان کو خود بھی انتہا کا افسوس ہے اور کمال خجالت ہے لیکن ان کی معذوری پر قابل قبول ہے اور ان کا اس طرح چلا آنا ہرگز نہ قابل عفو ہے۔ زیادہ تر تاسف یہ ہے کہ جناب قبلہ حافظ صاحب کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے جن کے شرف ملازمت کا میں بھی آرزومند ہوں اللہ تعالیٰ ان کے مقدس انفاس میں برکت دے ان کی شفقت بزرگانہ اور تمہاری محبت مخلصانہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ بندہ زادے کے لیے جو شربت تیار کرائی گئی اور تہیۂ ضیافت کیا اس کا شکریہ میری طرف سے قبول کیا جائے۔ جناب والد صاحب کی خدمت میں میری یہ تحریر پیش کر دو اور میری طرف سے نیز مسعود احمد کی جانب سے سلام سپاس بجا لا کر عرض کرو۔ زیادہ کیا عرض کروں غالباً مسعود احمد بھی معذرت آپ کو لکھیں گے۔ محبی منشی ظہور خاں صاحب کو میرا سلام نیاز کہو۔ مسعود احمد آپ سب صاحبوں کے حسن اخلاق کے نہایت معترف ہیں۔ میرے امراض کی حالت بدستور ہے اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر ہے اپنی خیریت سے جلد جلد اطلاع کرو۔ والسلام

رامپور ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۹۹ء   امیر فقیر

---

(۱۱)

بنام ولی شاہجہانپوری

محب من سلام دعا۔ کارڈ آیا۔ مضمون دریافت کیا [illegible] نظم [illegible] کی ہے۔ دامن نکلنا گریباں نکلنا، آستیں نکلنا ہر ایک صحیح ہے۔ کسی کا شعر ہے۔

گریباں کو میں روکوں یا سنبھالوں نیچے دامن کو   بڑی مشکل تو یہ ہے ساتھ ہی دونوں پھٹتے ہیں۔   امیر فقیر

(۱۲)

[illegible] شاہجہاں پوری

محبی و شفیقی۔ سلام مسنون۔ مدت کے بعد آج آپ کی غزل دیکھنے کی نوبت آئی۔ معاف کیجئے گا بیمار تھا۔ ایک دنبل نے جو ران میں نکل آیا تھا مہینوں مجھے بستر معذوری سے اٹھنے نہ دیا۔ آپ کے بہت سے عنایت نامے آئے۔ سخت انفعال ہے کہ جواب بھی نہ دے سکا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور اردو نوازی کی توفیق اس سے زیادہ عطا فرمائے۔ حافظ صاحب کی فارسی غزل دیکھ کر بہت خوش ہوا مگر مجھ میں مصرع لگانے کی فرصت اور اطمینان کہاں۔ آپ حافظ صاحب کی خدمت میں میرا حال تمام و کمال عرض کر کے میری طرف سے معذرت کر دیجئے کہ وہ کسی طرح ناخوش نہ ہوں۔ فقط

امیر فقیر   ۲۹ جولائی رام پور

---

(۱۳)

بنام شاہجہاں پوری

محبی سلام مسنون۔ غزل آپ کی دیکھ کر بھیجتا ہوں۔ مجھے اس زمانے میں حبس بول کے متصل دورے پڑتے تا تا طبر کی یا۔ بار اذیت اٹھانے میں بالکل چور ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی غزل دیکھنے اور آپ کے خطوط کا جواب دینے میں اس قدر تاخیر ہوئی۔ زمین بہت تنگ تھی اس پر بھی آپ نے بہت زیادہ شعر کہے اور اچھے کہے۔ عیوب سے پاک کرنے کی نظر سے کچھ شعر نکال کر منتخب رہ گئے ہیں اب بھی سترہ شعر ہیں بہت ہیں۔ تیروں کا گنجان ہو کر بیٹھنا زبان نہیں ہے۔ درخت آبادی اور خط کی نسبت گنجان کہا جاتا ہے۔ بہت سفید قسم اعلیٰ قند کی جانے کے واسطے ضرورت ہے۔ معلوم نہیں شاہجہان پور میں اس کا آج کل کیا نرخ ہے آپ تحقیق کر کے لکھئے یا یہ تھوڑا سا قند بطور نمونہ بھیجئے تاکہ آئندہ بقدر ضرورت آپ کو بھیجنے کی تکلیف دی جائے۔

رام پور ۲۲ ستمبر   امیر فقیر

---

(۱۴)

بنام شاہجہاں پوری

عزیز از جان من منشی ضمیر حسن سلمکم اللہ تعالیٰ۔ دعائے صلاح و فلاح دارین۔ محبت نامہ سعادت شمامہ آیا۔ شکر کی تھیلی بھی پہنچی۔ دونوں نے مرہون منت کیا۔ حق تعالیٰ سعادت و لیاقت کے ساتھ تم کو شاد و آباد رکھے اور عمر و اقبال میں ترقی دے۔

از دست امیر بے نوا ناید ہیچ
جز آنکہ بصدق دل دعائے بکند

مجمع محاسن فراواں مکرم محترم ظہید خاں کی خدمت گرامی میں سلام مسنون و اخلاص مشحون پہنچے۔ محبی و عزیزی حافظ جلیل حسن اور سعید سرمد قرۃ العین مسعود احمد بادب دعا رساں ہیں۔

امیر فقیر

داغ

بنام نواب حسن علی خاں امیر جاگیردار

(۱)

نواب ۔ حسب تغافل شعار سلمہ اللہ تعالیٰ

تین دن سے خط کا منتظر ہوں۔ جواب ندارد۔ بفضلہ تعالیٰ ترقی کے واسطے ہے اس طرف ہوں آپ نے خوب جھاڑا ہے۔
پانچ روپیہ لڑکی سے لائیں پچاس یہاں سے گئے دس آپ سے مانگے ہیں۔ یا ان کو بھاڑ دینگا۔ میں نے جو ان کو خط لکھا ہے اس
اتا کے معاملہ میں ہے اس کو اتا سے لے کر آپ بھیج دیں نوبتی صاحب۔ ایک غزل ملفوف اور بھیجتا ہوں۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ پہلی
سب غزلیں پہنچیں یا نہیں۔ جو پہنچی ہیں کہ ابھی کوئی باقی ہیں۔ یہاں خیریت ہے۔ گرمی کی شدت ہے۔ بچوں کو دعائیں۔ فقط

فصیح الملک داغ دہلوی یکم جون ۱۹۰۳ء مطابق ۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

بنام نواب حسن علی خاں امیر جاگیردار

(۲)

نواب صاحب سلام!

میں خیر کا طالب ہوں۔ ہرج کا منظور نہیں۔ مرمت کی کیا صورت ہوئی اس بارش میں مشکل ہے۔ بی حجاب کل سے بیمار ہیں اور آپ کی مشتاق۔ ان کا مکان گرا، جان بچ گئی۔ اس کی مرمت ہو رہی ہے۔ یہاں تو کہیں ٹھکانا نہیں۔ زیادہ نیاز!

فصیح الملک داغ دہلوی

یکم اگست ۱۹۰۳ء مطابق ۷ جمادی الاول ۱۳۲۱ھ بروز یک شنبہ

بنام لقمان الدولہ دل

(۳)

الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ روزہ رکھ رہا ہوں۔ کمشنر صاحب سنا ہے چادر گھاٹ سے جھگڑا ہے۔ مثانہ کے درد کے واسطے دوا بھجوا دو۔ پہلی دوا مفید ہوئی۔ فقط!

داغ دہلوی

---

[1] یہ خط لقمان الدولہ دل کی ایک غزل پر اصلاح لکھ کر اسی کے نیچے مرزا داغ نے قلمبند کر دیا ہے۔

بنام __تقی الدین ملک__[۱]

(۴)

مہربانِ من!

آپ کی غزل بہت اچھی ہے۔ آپ کے استاد[۲] شاگرد فیض صاحب[۳] نے بہت خوب بنائی ہے۔ غزل کی تعریف آپ کی طبیعت کی روانی کی اور ان کی اصلاح کی داد دیتا ہوں۔ کہیں بھی گنجائش اصلاح نہیں ہے۔ نسخہ جو لکھے ہیں اس کو آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔

ہیچمداں۔ فصیح الملک داغ دہلوی

۱۔ مکاتیب احسن مارہروی؟

۲۔ ان کے پہلے استاد حفیظ الدین یاس (۱۲۶۱ھ ۔ ۱۳۲۳ھ) تھے جو مرزا داغ کی آمد حیدرآباد سے قبل مرحوم نظام میر محبوب علی خان آصف کے استاد تھے۔ مرزا داغ نے ان کی اصلاح کی تعریف کی ہے۔

۳۔ حافظ شمس الدین محمد فیض (۱۱۹۵ھ تا ۱۲۸۲ھ) حیدرآباد کے استاذ الاساتذہ اور مشہور صوفی تھے۔ اپنے عہد کے سب سے بڑے مصنف شاعر اور اہل اللہ سمجھے جاتے تھے۔ شمس الامرا کو علمی و ادبی خدمات کی طرف مائل کیا۔ ان کی ایک درجن سے زیادہ کتابیں اور متعدد دیوان شائع ہو چکے ہیں۔

ذکاءاللہ

(۱)

بنام مولانا محمد حسین آزاد

جناب مولانا صاحب!

آپ کا محبت نامہ پہنچا۔ افسوس ہے کہ ٹھاکرسی اور دونوں میرے پاس ہیں مگر ان کے مالک ا
کی نہیں ہیں۔ تو ایسا غلط لکھا ہوا ہے فائدہ نقل کا کچھ نہیں۔ چھاپے کی کتاب جب ہے اگر کسی سوداگر انگریزی کو
تلاش کروگے تو مل جائیں گی۔ مجھ سے کئی دفعہ لوگوں سے کہا کہ یہ صلح آپ کرا دیجئے۔ لیکن میں نے یہی کہا کہ دل کا حال
نہیں بھنا کر رکھو نے سے ہی صاف ہو جائے۔ جب دل میں کدورتیں آجاتی ہیں تو مشکل سے وہ صاف ہوتی ہیں۔ جب تک
کا یہ خیال ہے کہ میری نظم کا خاکہ اڑانے کا اب لوگوں نے قصد کیا ہے جب تک دل صاف نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک
مناسب ہے اگرچہ اس کو بعد بہت دنوں تک نہیں۔ مگر اس میں ایک بات ہے اور اس میں آپ کی عالی حوصلگی پائی جاتی۔

ذکاء اللہ (۱۸۷۴ء)

(۲)

بنام نواب محسن الملک

جناب فیض مآب نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ بہادر سلامت!

تسلیم و نیاز کے بعد معروض خدمت عالی میں یہ ہے کہ جناب کا والا نامہ مع ضابطہ مورخہ ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۰۰
صفر ۱۳۰۵ھ میرے پاس آیا۔ اسی مضمون کا والا نامہ نواب انتصار جنگ بہادر کو مورخہ ۱۳ جنوری ۱۸۹۰ء میرے پاس آیا۔ ان
خطوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امور تصفیہ طلب تین ہیں۔ اوّل الکتبیّن رد یہ جو باعتبار میرے پاس ہی رکھا ہے وہ ساہوکار اد
میں کیونکر تقسیم ہو۔ دوم لغات آصفیہ کے حصہ غیر مطبوعہ کیونکر طبع ہو کہ جس سے کتاب تمام ہو جو سرکار عالی مقام کی غرض خریداری
سوم منشی سید احمد کو ساہوکار سے کیونکر نجات ہو۔

امر اوّل کی نسبت عرض یہ ہے کہ ساہوکار ماسٹر تیج پرشاد صاحب اور منشی سید احمد صاحب کے درمیان ۲۲ فروری ۱۸۸۹ء کو ایس،

فیصلہ ہو گیا تھا کہ دو ہزار تین سو اٹھاون روپیہ چھ آنے نو پائی ساہوکار لے اور سات سو اکتالیس روپیہ نو آنہ تین پائی منشی سید احمد لیں۔ چنانچہ اس فیصلہ باہمی کے موافق تقسیم روپیہ کی مولوی عنایت الرحمٰن خاں صاحب کے پاس رجسٹری شدہ لفافہ میں ۲۳ فروری ۱۸۹۰ء کو بھیج گئی اور رسید اس کی مولوی صاحب نے بھیج دی بہ حوالہ ان کے پاس یا دفتر سرکار عالی میں مسل خریداری لغات میں شامل ہوگا۔
میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ جو فیصلہ بہ تراضی طرفین ہو چکا ہے اس کو تبدیل کروں اس لئے میں نے روپیہ کی تقسیم اس طرح قرار دی اور ساہوکار نے میرے پاس رسید بھیج دی ہے میں اس کو روپیہ دے دوں گا۔ مگر منشی سید احمد نے مجھے رسید روپیہ کی نہیں دی نہ وہ اس۔ دیگر بیسے بہ اصرار معلوم ہوتے ہیں۔ سو ان کی عاقبت اندیشی سے بعید ہے۔ اگر انہوں نے روپیہ لے کر رسید دے دی تو میں دونوں شخصوں کی رسیدیں بھیج دوں گا۔ نہیں تو ساہوکار کو روپیہ دے کر رسید اور باقی روپیہ بھیج دوں گا۔

دوم امر کی نسبت التماس یہ ہے کہ منشی سید احمد اپنی کتاب لغات آصفیہ کا مسودہ میرے پاس بھیج دیں میں اس کو ساہوکار مذکور سے روپیہ لے کر بہت جلد چھپوا دوں گا۔ اس صورت میں جناب کو یہ منظور ہوگا کہ جو دو سو پچاس روپیہ جو بابت قیمت لغات آصفیہ باقی ہے وہ میرے پاس اس اطلاع کتاب میں یا بالعرض ارسال فرمائیں۔ جناب نواب افسر جنگ بہادر نے مجھے ارقام فرمایا ہے کہ اگر تم اس روپیہ ملنے کی درخواست کرو تو سرکار عالی یہ روپیہ بھیج دے گی۔ اور جب اقرارنامہ رجسٹری شدہ کے منشی سید احمد خود اس کتاب کو چھاپنے کے مجاز ہیں نہ دوسرے کو اجازت دے سکتے ہیں۔ اگر حیدرآباد میں کتاب چھپے گی تو عدالت میں غالباً فیصلہ کا اثر ہوگا اور معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

سوم امر کی نسبت یہ گذارش ہے کہ جس وقت کتاب چھپ جائے گی تو دونوں شخصوں میں آدھی آدھی کتابیں دے دی جائیں گی وہ اپنے آپ فروخت کر لیں گے۔ ساہوکار اقرار نامہ کے بموجب ایک دفعہ اور چھاپنے کا مجاز ہوگا اور سید احمد صاحب کو اختیار ہوگا کہ جتنی دفعہ چاہیں چھاپیں۔

میری ناقص رائے میں یہ فیصلہ ایسا ہے کہ جس میں انصاف بھی ہے اور آئندہ کوئی عدالت میں جھگڑا بھی نہیں کھڑا ہوگا۔
آئندہ جو مصلحت رائے عالی ہو اس کی تعمیل کی جائے فقط۔

جناب کا نیاز مند: محمد ذکاء اللہ۔ ۲۱ فروری ۱۸۹۰ء اور ۳ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ

نوٹ: یہ خط جنسہ نقل کیا گیا ہے۔ مولانا جگہ جگہ بعض الفاظ چھوڑ دینے کے عادی ہیں۔
اصل خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (شکیل کاظمی)

ڈپٹی نذیر احمد

(۱)

بنام نواب سید علی حسن خان بہادر

جناب عالی!

کرامت نامہ پہنچا۔ میں نے حقیقت واقعی سب بے کم و کاست بالمشافہ عرض کر دی تھی اب کامیابی ہو تو اور ناکامی ہو تو دونوں صورتوں
میں جناب کا احسان میرے ذمہ ثابت ہو چکا اور میں مدت العمر ممنون رہوں گا۔ اگر کسی مد مقابل کے لئے سفارش نہیں کی گئی تو تو کامیابی کا
احتمال ضعیف ہے لیکن آپ نے خط میں اس کی کچھ صراحت نہیں فرمائی۔ رہی حکام انگریزی کی سفارش، اس کا حال یہ ہے کہ میں برسوں سے
میں سرکار انگریزی سے بے تعلق محض ہوں۔ دس برس کے قریب حیدرآباد رہا اور اس کے بعد سے خانہ نشین ہوں۔ ساز باز کی خدمت یا
جستجو نہ تھی طبیعت نے بے فائدہ خوشامد اور روزبارداری کو گوارا نہ کیا۔ لیکن جس وقت تک میں سرکار انگریزی میں تھا لیفٹیننٹ گورنر
تک کے سرٹیفکیٹ کتاب میں آپ نے ملاحظہ کئے ہوں گے۔ بڑی خدمت کے لئے بڑے بڑے عہدیداروں کی سفارش درکار ہے اور
دلی کے ڈپٹی کمشنر اور کمشنر مجھ کو جانتے پہچانتے ہیں۔ ان لوگوں نے میرے لیکچر سنے ہیں اور ضرور میری نسبت اچھا خیال رکھتے ہیں اگر
پوچھا جائے تو اچھا ہی ظاہر کریں گے لیکن میں ان کی کوٹھیوں پر ان کے سلام کو بھی نہیں گیا۔

چونکہ آپ نے ایک طرح کا تعلق اس معاملہ سے پیدا کر لیا ہے وقتاً فوقتاً مجھ کو اطلاع ہوتی رہے تو مزید عنایت۔

خاکسار: نذیر احمد۔ ۳ دسمبر ۱۸۹۶ء

(۲)

بنام نواب سید علی حسن خان بہادر

جناب عالی!

السلام علیکم! آپ کو شاید معلوم ہے کہ میں نے بڑی محنت سے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا ہے مجھ کو اس کے لئے تین
برس محنت شاقہ اٹھانی پڑی ہے اور تراجم موجودہ اور تفاسیر اور احادیث سے مطابق کرنے کے لئے مولویوں کا اسٹاف رکھنا پڑا
تب کہیں جا کر یہ ترجمہ میرے نزدیک بامحاورہ، سلیس، مطلب خیز، مستند اور تراجم موجودہ سے بہت بہتر ہوا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ

اشارات بھی رکھ دیے گئے ہیں اور منظور یہ ہے کہ ان اطراف میں اچھی طرح اعلان کر دیا جائے کہ قرآن مجید کا نیا ترجمہ مل سکتا ہے۔ پہلے آپ دیکھ دیکھا کما حقہ طرح اطمینان حاصل کر لیجیے کہ آیا واقعی یہ ترجمہ تراجم موجودہ سے بہتر ہے یا نہیں اور اگر آپ کے نزدیک بہتر ثابت ہو تو آپ اس کی سرپرستی کیجیے۔ کیونکہ اس کی اشاعت میں مدد دینا گویا اغراض رسالت کی تکمیل کرنا ہے بلکہ اگر آپ کر سکیں تو اس ترجمہ کی کیفیت کو سرکار کے گوش گذار کریں اور ان سے سرپرستی کی تحریک فرمائیں۔ ترجمہ کے حجم اور سواد خط اور چھاپ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ قیمت جو قرار دی گئی ہے اس میں کوئی ذاتی مفاد مضمر نہیں ورنہ میں اگر اپنی محنت اور مولویوں کی تنخواہ لگاتا تو مسے فی جلد لاگت پڑتی مگر میں نے یہ کام استحساناً کیا ہے۔ ان امری الا علی اللہ۔

میرٹھ میں آپ سے تفصیلی ملاقات نہ ہونے کا افسوس باقی رہ گیا۔ ترجمہ تو ہدیۃً آپ کی خدمت میں روانہ کیا گیا ہے اور صرف خرچ کا . . . . . کیا گیا ہے براہ مہربانی . . . . . کرا لیجیے گا۔ فقط!

خاکسار نذیر احمد - ۸ر جنوری ۱۸۹۶ء

(۳)

۔ م خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)[1]

مکرمی!

السلام علیکم۔ میں نے جو مضمون مدراس کانفرنس کے لئے لکھا تھا آج بذریعہ رجسٹری آپ کے نام روانہ کیا گیا آپ کے کام کا ہو تو جس تمہید کے ساتھ چاہئے چھاپئے۔ میں آپ کو گھٹانے بڑھانے کی بھی اجازت دیتا ہوں۔

خاکسار: نذیر احمد - ۲۰ر مارچ ۱۹۰۲ء

(۴)

۔ م خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)

مکرمی!

آپ کے گرامی نامہ تلطف آمیز شعر نیاز مند کا جواب عرصہ ہوا کہ ارسال کیا گیا۔ ہنوز امورات مستفسرہ سے اطلاع نہیں ہوئی توقع کہ براہ نوازش جواب سے مطلع کیجئے تاکہ میں اس کے مطابق عمل کروں۔

نیاز مند: نذیر احمد جھانسی ۱۷ر اپریل ۱۹۰۲ء

(۵)

۔ م خان بہادر بشیر الدین احمد (اٹاوہ)

مکرمی!

السلام علیکم۔ چالیس حمائل جو آپ کو روانہ کی گئی تھیں ہر چند آپ نے ان کی رسید اخبار میں چھاپ دی ہے مگر دفتر میں رکھنے کے لئے ایک رسید باقاعدہ آپ کے ہاں سے ملنی چاہئے۔ فقط!

خاکسار: نذیر احمد - دہلی ۲۱ر مئی ۱۹۰۳ء

---

[1] یہ چار خطوط اٹاوہ میں محفوظ ہیں۔ (عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ)

مولانا حالی

بنام محسن الملک[1]

(۱)

جناب مولوی صاحب محترم و مکرم و معظم دام مجدہم

بعد تسلیم و نیاز کے التماس یہ ہے کہ دو جلدیں کتاب "حیات سعدی" کی اور دو جلدیں "مسدس مد و جزر اسلام" کی خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں، ان میں سے دو سادی جلدیں آپ کے ملاحظہ کے لئے اور دوسری دو جلدیں جن پر دو پہلی [illegible] کیا ہوا ہے حضور نواب صاحب بہادر دام اقبالہم کی نذر کے لئے ہیں؛ پہلی کتاب میں نیازمند نے شیخ سعدی کی لائف اور ان کی تمام تصانیف پر ایک قسم کی جدت کے ساتھ لکھا ہے جس پر منشی محمد ذکاء اللہ صاحب کا ریویو علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مورخہ ۱۶ مارچ میں چھپا ہے اور جس کو پنجاب اور اضلاعِ شمال و مغرب کے معتبر اشخاص عموماً پسند کرتے ہیں۔

دوسری کتاب یعنی مسدس مد و جزر اسلام کے آخر میں ایک بڑا ضمیمہ ۲۰ بند کا اکثر احباب کی تحریک سے اضافہ کیا ہے جس کی نسبت ابھی میں نہیں کہہ سکتا کہ پبلک کی کیا رائے ہوگی۔

غالباً جناب کو کثرتِ مہمات مرحومہ کے سبب یاد نہ رہا ہوگا لیکن نیازمند کو خوب یاد ہے کہ ان دونوں کتابوں کی نسبت جبکہ کی ترتیب و تدوین ختم نہ ہوئی تھی ملازمان سامی کی طرف سے مختلف اوقات میں اعانت و خریداری کی امید دلائی گئی تھی اور زیادہ تر اسی امید کے بھروسے پر ان دونوں کتابوں کے ایک ساتھ چھپوانے کی جرأت کی گئی ہے، التماس یہ ہے کہ اگر ان کتابوں کی اشاعت اس ملک میں مفید سمجھی جائے تو از راہ نوازش و کرم دونوں نسخے جو حضور نواب صاحب بہادر کی نذر کے لئے ارسالِ خدمت والا کئے جاتے ہیں مع عرضداشت فسلکہ نیاز نامہ پیشگاہ جناب معتمد الیہ میں گذران کر جس قسم کی اعانت یا رعایت ممکن ہو اس کے لئے سفارش فرمائیں۔

جو محنت اور زیر باری مجھ کو برداشت کرنی پڑی ہے اس کا تدارک تمام و کمال خواہ ہو جائے گا۔ اگرچہ ہندوستان میں مصنف کی وقعت ایک بک سیلر سے زیادہ نہیں ہے اور نہ میرا کوئی حق آپ پر ایسا ہے جس کے سبب سے میں آپ کو ایسی تکلیفیں دینے کا مجاز سمجھوں لیکن سچ یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہم لوگوں کو ایک حسن ظن اس قسم کا ہے کہ جس امر کی تحریک کو ڈھائی برس سے زیادہ گزر چکے ہیں آج تک اس سے قطعی مایوسی نہیں ہوئی، گو کامیابی تو بہت مشکل ہے اگر یہ امید بھی قائم رہے تو غنیمت ہے۔ زیادہ نیاز

نیاز نامہ خاکسار الطاف حسین حالی از دہلی کوچہ چہلم ۲۹ مارچ ۱۸۸۶ء

---

[1] غالباً یہ خط نواب محسن الملک کا اور اسی سلسلہ میں ان دونوں کتابوں کی جلدیں جیسا یاد ہے خریدی گئی ہیں جن کی رسائد کی نقلوں اور عبدالرحیم خاں کے مرسوم خط کی نقل موجود ہے۔ اصل خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

(۲)

بنام مولوی عبدالرحیم خاں صاحب

مولوی صاحب مخدوم و مکرم دام مجدکم

تسلیم! عنایت نامہ آیا حسب ارشاد قطعہ رسید ٹکٹ لگا کر اس نیاز نامہ کے ساتھ خدمت شریف میں ارسال کرتا ہوں جب روپیہ وصول ہونے کا وقت آئے اس رسید کو داخل فرما کر روپیہ وصول کر لیجئے گا۔ ایک عریضہ جناب مولوی سید مہدی علی خاں بہادر کی خدمت میں بھی اسی وقت بھیجتا ہوں کہ روپیہ مولوی عبدالرحیم خاں صاحب کے حوالہ کر دیا جائے کیونکہ روپیہ کی رسید میں نے مولوی صاحب موصوف کے پاس بھیج دی ہے۔ آپ کی تحریر کے موافق شکریہ کا خط بھی جناب ممدوح کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ روپیہ اگر مناسب ہو تو بذریعہ کرنسی نوٹس کے بھیج دیجئے گا کیونکہ منی آرڈر کی فیس زیادہ لگے گی مگر لفافہ جس میں نوٹ ملفوف ہوں اس کی رجسٹری اور بیمہ کرا دینا چاہئے آئندہ جیسا آپ مناسب سمجھیں ویسا کیجئے گا۔ زیادہ نیاز

نیاز نامہ خاکسار الطاف حسین از دہلی کوچہ پنڈت ۲۲ رجولائی ۱۸۸۶ء

(۳)

نقلِ رسید

منکہ الطاف حسین حالی مدرس عربی و فارسی اینگلو عربک اسکول دہلی می باشم چونکہ مبلغ پانصد روپیہ سکہ چہرہ شاہی عطیۂ سرکار عالی در وجہ قیمت مجلدات "حیات سعدی" و "مسدس مد و جزر اسلام" بتوسط مولوی محمد عبدالرحیم خاں صاحب دہلوی ملازم سرکار عالی از دفتر متعلق درپے وصول یافتہ ام بنا براں ایں چند حرف بطریق رسید نوشتہ شد کہ بطریق یادگار داخل دفتر موصوف باشد۔

تحریر تاریخ ۲۳ رجون ۱۸۸۶ء مطابق ۱۸ ررمضان ۱۳۰۳ھ

یہ عبارت ٹکٹ پر ہے ۔ الطاف حسین حالی بقلم خود

(۴)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

جناب من!

لفظ ہاتھ میں بلاشبہ ہائے مخلوط ہے لیکن بات اور ہات کا قافیہ بھی شعرا نے باندھا ہے۔ قافیہ کی ضرورت ایسی ایسی تخفیف و فروگذاشتوں کو جائز کر دیتی ہے۔ مرزا غالب کبھی اور کسی کی جگہ کبھو اور کسو کو غیر فصیح سمجھتے تھے لیکن ان کے اردو دیوان میں قافیہ کی جگہ کسو اور کبھو بندھا ہوا ہے۔ میں بھی ہمیشہ ہاتھ کو ہائے مخلوط کے ساتھ لکھتا ہوں مگر قافیے میں ہات باندھنا جائز سمجھتا ہوں۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت محلہ انصاریاں ۱۱ رفروری ۱۸۹۰ء

(۵)

والاجناب[1]

مکرمی مولوی سید احمد صاحب دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ خدمت والا میں آتے ہیں۔ جو امر کہ ان کو اس سفر دور دراز پر جرأت کرنے کا باعث ہوا ہے آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے لئے کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں، ان کی سفارش خود ان کی واجب الرحم حالت ہے جس کا کسی قدر اندازہ آپ مولوی سید علی صاحب بلگرامی کی رپورٹ سے جو ان کے پاس موجود ہے کر سکتے ہیں۔ میں یہ عریضہ صرف اس لئے لکھتا ہوں کہ حیدرآباد سے چلتے وقت میں نے ان کے باب میں آپ کی خدمت میں کچھ عرض کیا تھا۔ اس وقت

---

[1] اصل خط میرے پاس موجود ہے معلوم نہ ہو سکا یہ کس کے نام ہے۔ — تمکین کاظمی

جناب نے کسی قدر مجبوری ظاہر فرمائی تھی مگر باوجود اس کے معلوم ہوتا تھا کہ آپ دل سے ان کی اعانت و امداد کرنے پر آمادہ ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اب آپ ان کی اعانت وجہ شائستہ فرما سکتے ہیں جو مشکلات ان کو پیش ہیں ان کے حل ہو سکنے کی توقع سرکار عالی کے سوا اور سرکار ممدوح میں آپ کے سوا کسی سے نہیں کی جا سکتی پس بجائے اس کے کہ میں خدمت عالی میں ان کی سفارش کروں میری یہ دعا ہے (نہ محض بہ اقتضائے فطرتِ انسانی بلکہ بہ امید استجابت) کہ ان کی پچیس سال کی محنت و جانفشانی کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا ہو اور آپ کی عنایت و توجہ کی بدولت اسلام کی ایک لازوال نشانی یعنی زبانِ اردو ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے جڑ پکڑ جائے۔ یہ احسان صرف مولوی سید احمد پر نہیں بلکہ تمام ہندوستان پر عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں پر خصوصاً سمجھنا چاہئے۔ زیادہ حد ادب

عریضۂ نیاز

خاکسار نیاز مند الطاف حسین حالی از دہلی ۱۴ر دسمبر ۱۸۹۲ء

نام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور (۶)

جنابِ من!

آج باقی کتاب کے دیکھنے کا موقع بھی مل گیا اور کتاب کی عظمت پہلے سے بہت زیادہ دل میں پیدا ہوئی۔ مختصر یہ ہے کہ گذشتہ پانچ برس میں اگر کوئی کام ندوۃ العلماء نے کیا ہے تو (علمائے سلف کے حالات) کا لکھوانا ہے اور بس۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر مسلمان عالم اور ہر مسلمان طالب علم اس کو حرزِ جان بنائے۔ فجزاکم اللہ عنا و عن سائر مسلمی الہند خیرا۔

خاکسار: حالی از پانی پت ۱۲ر ستمبر ۱۸۹۶ء

نام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور (۷)

مخدومی!

مہمان ناخواندہ عزیز تر از مہمان خواندہ پہنچا باوجودیکہ آج کل قلتِ فرصت کے سبب مطبوعاتِ جدیدہ کے مطالعے کے لئے بالکل وقت نہیں ہے مگر اسی حالت میں قریب نصف کے رسالہ علمائے سلف کو دیکھا گیا۔ افسوس ہے کہ مجھے اس عمدہ تصنیف پر مفصل ریویو لکھنے کی فرصت نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس رسالے نے میرے دل میں آپ کی محبت اور عظمت بہ نسبت سابق کے مضاعف مضاعف کر دی ہے۔ مسلمانوں کے لٹریچر میں اپنی طرز کی یہ پہلی کتاب ہے۔ شاید کوئی ناواقف آدمی یہ کہے کہ کیا مسلمانوں نے فنِ رجال میں ایسی صدہا کتابیں نہیں لکھیں مگر ایسا سوال کرنا سخت غلطی کی بات ہے۔ آپ نے درحقیقت وہ کام کیا ہے جو انگلستان کے مشہور مصنف مسٹر سمائل نے سلف ہیلپ کے لکھنے میں کیا ہے۔ اس نے بھی ہزاروں بائیوگرافیاں پڑھ کر ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے جس سے بہتر آج تک کوئی کتاب انگریزی میں اس طرز کی نہیں لکھی گئی۔ مسلمان علماء کے حالات لکھنا اور بات ہے اور تمام بائیوگرافیز کو دیکھ کر چند عنوان تجویز کرنے اور ہر عنوان کے مناسب اس ذخیرۂ طویل الذیل سے مضامین انتخاب کرنے اور ان کو جدا جدا عنوانوں کے تحت میں درج کرنا نہایت محنت اور لیاقت اور غور و فکر کا کام ہے۔ آپ کی تصنیف میں اور مسٹر سمائل کی کتاب میں صرف یہ فرق ہے کہ اس نے سلف ہیلپ میں کتاب کا موضوع صرف علماء میں محدود نہیں رکھا بلکہ اس میں تمام ریفارمر اور موجد اور صناع اور سٹیٹسمین اور سپہ سالار وغیرہ وغیرہ شامل ہیں اور اس رسالے میں صرف علمائے سلف کے حالات سے بحث کی گئی ہے۔ اگر آپ

اس کے حاشیے کو زیادہ وسیع کر دیتے تو یہ بالکل اسی قسم کی کتاب ہو جاتی جیسی سلف ہیلپ ہے۔ اس کتاب میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں مگر میں نے صرف ایک خوبی کا جو کہ تمام تصنیف کی جان ہے ذکر کرنا کافی سمجھا ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ اگر آپ انگلش لٹریچر سے واقف نہ ہوتے تو ایسی تصنیف کا خیال ہرگز آپ کے دل میں نہ گزرتا۔ پس ان لوگوں کے جو علی العموم انگریزی تعلیم کی ضرورت پر زور دیتے ہیں اس کی چیخ و پکار سے کوئی معتدبہ نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ مرا یہ بھی خیال ہے کہ صرف انگریزی تعلیم جب تک کہ اس میں مشرقی تعلیم کی چاشنی نہ دی جائے گی ہرگز مفید نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ مجھے ایک انگریزی تعلیم یافتہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جو مسلمان علماء کے حالات پر ایک ایسی کتاب لکھ دے جیسی کہ آپ نے لکھی ہے۔ میرے نزدیک یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کی ایک ایک دو دو جلدیں ہر مدرسۂ اسلامیہ میں رہنی چاہئیں بلکہ محمڈن کالج کے طلبا بھی اس سے مستفید ہوں تو بہت مناسب ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کتاب آپ نے اپنے خرچ سے چھپوائی ہے یا ندوۃ العلماء نے اس کو چھپوایا ہے۔ مسلمان اور خاص کر پرانے خیالات کے مسلمان ایسی کتابوں کے خریدنے میں بہت ممسک ہیں اس لئے مدارس اسلامیہ میں اس کو مفت تقسیم کرنا چاہئے۔ آخر میں میری یہ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے عام رئیسوں اور رئیس زادوں کو اسی طرح زیورِ علم و لیاقت و حسنِ اخلاق سے آراستہ کرے جیسا کہ اس نے شرفائے رئیسوں میں آپ کو زیورِ علم و فضل و اخلاق سے آراستہ کیا ہے اور آپ کو جملہ مکروہاتِ روزگار سے محفوظ رکھ کر صد و سی سال تک زندہ و سلامت رکھے۔ زیادہ نیاز۔

خاکسار الطاف حسین حالی عفی عنہ از پانی پت ۱۰ ستمبر ۱۸۹۸ء

---

(۸)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

مخدوما جناب!

مکرمت نامہ شرفِ صدور لایا جس سے خاکسار کو عزت حاصل ہوئی۔ قاری عبد الرحمٰن صاحب کے باب میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کا تہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ ضرور کبھی نہ کبھی کامیاب ہوں گے۔

جو عنایت آمیز الفاظ در باب طلب خاکسار تحریر فرمائے گئے ہیں وہ میرے لئے سرمایۂ نازش ہیں ؎

حاجت کند از طرب فراموش　　　　خوانی چو بسوئے خود گدا را

میں تعمیل حکم کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں مگر آج کل سرسید مرحوم کی لائف لکھنے اور اس کے چھپانے میں مصروف ہوں اس لئے جب تک کہ اس ضروری کام سے فارغ نہ ہو جاؤں کہیں نقل و حرکت کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ سرسید کی لائف اب تک کبھی کی ختم ہو جاتی مگر اوّل تو میں مدتوں مہینے بیمار رہا پھر صاحب مطبع کی بی بی کا انتقال ہو گیا اس کے بعد وہ خود شدید بیمار ہو گئے اور کئی مہینے تک مطبع کا تمام کاروبار بند رہا اس سبب سے حرج عظیم واقع ہو گیا۔ اب چند روز سے پھر کام شروع ہوا ہے اور اگر خدا کو منظور ہے تو تین چار مہینے میں کتاب ختم ہو جائے گی لیکن ختم ہونے کی پہلی علامت کتاب کا ملاحظہ عالی میں گزرنا ہو گا۔ لائف میں جو سب سے زیادہ دشوار گزار مرحلہ ہے وہ تفسیر قرآن کا ریویو ہے اور ما بقی ابھی وہ زیر تحریر ہے یہ مرحلہ طے ہو جائے تو پھر آگے میدان صاف ہے۔ غالباً الفاروق ملاحظہ سے گزر چکی ہوگی بعض مصنف نے ایک نسخہ مجھ کو بھی بھیجا ہے اور میں اس کو اوّل سے آخر تک دیکھ چکا ہوں۔ سچ یہ ہے کہ اس کتاب کی تعریف کرنا تحصیل حاصل ہے بس اس کی تعریف میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ جس رتبہ کا مؤلف ہے اسی رتبہ کی اس کی تالیف ہے اگر جناب عالی سے نہ گزری ہو تو اس کو ضرور ملاحظہ فرمانا چاہئے۔ زیادہ نیاز۔

خاکسار دعا گو الطاف حسین حالی از پانی پت ضلع کرنال ۱۰ [illegible] ۱۸۹۹ء

---

(۹)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

جناب خان صاحب مخدوم و مکرم دام مجدہم

عنایت نامہ کرامت (یعنی مسلمان معلمہ کی طلب میں صادر ہوا۔ میں جہاں تک خیال کرتا ہوں اس میں کامیابی بہت مشکل ہے۔ پانی پت میں سے دس کہ ایک ملا کی رہنے والی معلمہ ہے سجاد حسین نے جبکہ وہ کرنال میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر تھے پانی پت میں ایک مدرسہ نسواں قائم کر کے اس معلمہ کو بمشاہرہ دس روپیہ ماہوار اس میں نوکر رکھا تھا آٹھ دس مہینے میں شاگردیں استانی کے برابر ہو گئیں بلکہ بعض اس سے بھی بڑھ گئیں۔ یہ حال تو اس کی استعداد کا ہے اور مذہب اس کا شیعہ ہے وہ تو فوراً چلی آتی مگر اس کا حال یہ ہے جو گذارش کیا گیا۔ مولوی احمد علی خاں صاحب سب جج علی گڑھ نے اس کو بلانا چاہا تھا مگر جب اس کے مذہب اور استعداد کا حال سنا تو انہوں نے موقوف رکھا۔ دلی میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں لائق استانی عنقا شمار ہے مگر میں اپنے احباب سے دریافت کروں گا اگر کوئی لائق معلمہ مل گئی تو اس کے حالات سے اطلاع دوں گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بجٹ میٹنگ اور سالانہ جلسے کے متعلق جو ایجنڈا سیکرٹری کالج نے ٹرسٹیوں کے پاس بھیجا تھا اس کا جواب بہت کم لوگوں نے بھیجا ہے اور اس لئے ووٹوں کی تعداد کافی نہیں ہے۔ غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ ماریسن صاحب نے اپنا علی گڑھ میں رہنا اس شرط سے مشروط کیا ہے کہ سید محمود صاحب کو پریسیڈنسی سے سبکدوش کیا جائے اور ایسا ہی ارادہ نواب محسن الملک کا معلوم ہوتا ہے پس اگر اس سالانہ جلسے میں جو ۳۱ جنوری کو ہونے والا ہے سید محمود کی علیحدگی کے لئے ٹرسٹیوں کے کافی ووٹ نہ آئے تو کالج کا خاتمہ معلوم ہوتا ہے اگر آپ کو کسی ذریعے سے معلوم ہو جائے کہ ۲۵ جنوری سے پہلے کافی ووٹ آ گئے یا نہیں تو میں نہایت ممنون ہوں گا، اگر آپ بھی مطلع فرمائیں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۵ جنوری سنہ ۱۹ء

---

(۱۰)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

جناب من!

آج کل دلی میں عموماً نکان کا لفظ مونث بولا جاتا ہے اور اکثر حاصل مصدر یا دوسرے نام جو الف نون سے بنتے ہیں وہ مونث ہی بولے جاتے ہیں۔ جیسے چوڑان، چکلان، اٹھان، اٹھان وغیرہ مگر نہان مذکر بولا جاتا ہے۔ استانی کے باب میں جب تک میں خود دلی نہ جاؤں سلسلہ جنبانی نہیں ہو سکتی۔ شاید عنقریب وہاں جانا ہو۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے اور کسی مفید مشغلے میں مصروف ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۳۱ مارچ سنہ ۱۹ء

---

(۱۱)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

مخدوم و مکرم دام مجدکم!

التسلیم اولیٰ بالتقدیم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مرہون یاد آوری ہوا۔ آپ نے جو عنایت اور محبت بھرے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں ان کا خاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگرچہ علی گڑھ میں سر سید کے بعد ویسی دل لگی نہیں رہی جیسی ان کے سامنے تھی مگر خدانخواستہ وہاں سے بالکل انقطاع بھی نہیں ہوا۔ قطع نظر دوستی اور محبت کے تعلقات کے سب سے بڑا تعلق محمڈن کالج کا ہے حفظہ اللہ من شرور الاعداء،

بکثرت جی چاہتا ہے کہ وہاں چل کر دو چار مہینے رہوں مگر جب تک سرسید کی لائف ختم نہیں ہوتی میں کہیں جنبش نہیں کر سکتا۔ اس کے پیدا ہونے میں جن وجوہ و اسباب سے تاخیر ظہور میں آئی ان کی تفصیل تو بہت طولانی ہے اور ان کا لکھنا بھی فضول ہے۔ خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ لائف انشاء اللہ عنقریب ختم ہونے والی ہے اگر خدا کو منظور ہے تو اس سال کے ختم ہونے سے پہلے شائع ہو جائیگی اور پھر بشرط زندگی فراغ خاطر کے ساتھ علی گڈھ میں رہنا ہو سکے گا۔ دیوان انور کا جو مصرعہ آپ نے تحریر فرمایا ہے افسوس ہے کہ وہ خود مصنف کی غلطی معلوم ہوتی ہے اگر پبلشر لائق ہوتا تو اس کا یہ کام تھا کہ اس شعر کو نکال ڈالتا مگر پبلشر ایک ہندو گریجوایٹ اور صاحب مطبع سید ممتاز علی صاحب بے پروا ایک غلطی کیا اس میں ایسی ایسی بہت سی غلطیاں نکلیں گی۔

یہاں بھی اب کی دفعہ جیسی گرمی اور آندھیاں اور خاک باری ہوئی ہے کبھی پہلے نہ دیکھی نہ سُنی مگر خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ پرسوں سے یہاں برسات کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ کل دن کو بھی بارش ہوئی اور رات کو بھی معقول چھینٹا ہو گیا جس کی نسبت لوگوں کا خیال ہے کہ آل سے آل مل گئی ہے اور تخم ریزی شروع ہو گئی ہے۔ بیس بیس تیس تیس کوس سے بھی بارش کے ہونے کی خبر آئی ہے مگر زیادہ مفصل حالات اخباروں سے معلوم ہوں گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ضلع علی گڈھ میں بھی اس بارش کا اثر ضرور پہنچا ہوگا۔ مدت سے شمس العلماء مولانا شبلی کا حال معلوم نہیں۔ ندوۃ العلماء کی نسبت عجیب عجیب افواہیں سُنی جاتی ہیں مگر معتبر ذریعے سے کوئی بات آج تک نہیں سُنی گئی۔ نواب لفٹیننٹ گورنر کے دل میں اس کی طرف سے شکوک کا پیدا ہونا معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے اگر آپ کو فرصت ہو اور آپ مناسب سمجھیں تو اس کے مختصر حال سے خاکسار کو ضرور مطلع فرمائیں۔ زیادہ نیاز!

خاکسار نیاز مند الطاف حسین عفی عنہ از پانی پت ۶ رجولائی سنہ ۱۹۰۰ء

---

(۱۲)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

مخدومی!

میں نہایت ادب سے معافی چاہتا ہوں سرسید کی لائف قریب الاختتام ہے۔ مجھے یہ جلدی ہے کہ دسمبر تک سارا ہو جائے اور کام بہت باقی ہے اس لئے سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ پچھلے دو مہینے نہایت پریشانی میں گذرے۔ میری اہل خانہ کا ہیضے میں انتقال ہو گیا اور وبا نے نہایت پریشان رکھا۔ اب بخار پھیلا ہوا ہے۔ بارش کی طغیانی جیسی تمام ملک میں ہوئی ہے آپ کو معلوم ہوگی ان وجوہ سے آپ کے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکی۔ ذرا اطمینان ہو جائے تو میں نظم کو بغور دیکھوں گا۔ آپ کا عنایت نامہ سابق [illegible] ہوا ہے نواب محسن الملک کو مجبور کرنا چاہئے کہ اپنا استعفا واپس لے لیں ورنہ پنجاب میں مدرسے کی طرف سے بہت بے دلی پیدا ہو جائے گی۔ میں بھی متعدد تحریریں ان کی خدمت میں بھیج چکا ہوں آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ "مسلمانوں کی خود غرضی کا مرض لا علاج اور مہلک ہے" میں نہیں سمجھا کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے کیا کچھ لوگ محسن الملک کے مخالف ہیں اگر نامناسب نہ سمجھو تو ان صاحبوں کے نام سے ضرور مطلع فرمائیں۔ معلوم نہیں ہمارے حاجی اسمٰعیل خاں صاحب کی اس میں کیا رائے ہے اور مرزا عابد علی بیگ صاحب کیا چاہتے ہیں اور نواب لطف علی خاں کیا فرماتے ہیں۔ زیادہ نیاز!

خاکسار حالی از پانی پت ۱۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء

بنام مولوی بشیر الدین

(۱۳)

جنابِ من!

منشی رحمت اللہ رعد مالک مطبع نامی پریس کانپور آپ کی خدمت میں ایک جلد سرسید کی لائف کی آج کل میں بھیجیں گے اس کو قبول فرمائیے گا امید ہے کہ آپ اپنے معزز پرچہ میں دو چار بار اس کا اشتہار جو ٹائٹل پیج کے آخیر صفحہ پر چھپا ہے شائع فرمائیں گے۔ مگر لائف جو تیسرے درجہ کے کاغذ پر چھپی ہے اس کی صرف دو سو جلدیں چھپوائی گئی تھیں۔ سو کتاب کے شائع ہونے سے پہلے ہی اس کی بہت سی درخواستیں آگئی تھیں اور اب پانچ سات روز میں وہ دو سو جلدیں ختم ہو جائیں گے اس لئے آپ صرف دو قسم کی کتابیں اشتہار میں درج کرائیے گا یعنی قسم اول و قسم دوم اور قسم سوم کی خانہ قیمت میں بجائے قیمت کے یہ لکھوا دیجئے گا کہ اس کی کل جلدیں فروخت ہو گئیں۔ آپ کی خدمت میں جو جلد آئے گی وہ بھی غالباً تیسرے درجہ کے کاغذ کی ہوگی - زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی پانی پت ۶ ر اپریل ۱۹۰۱ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

(۱۴)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم! گبن کی تاریخ کے ترجمے کا مسودہ جو کالج لائبریری سے تلف ہو گیا ہے اور جس کی نسبت ابھی میں نے آپ سے ذکر کیا تھا کہ وہ ایک جگہ موجود ہے کل مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھ سے آئے اور وہ مسودہ مجھے دے گئے۔ چار سو سینتیس صفحے کی ایک ضخیم جلد ہے خوش قلم سے لکھی ہوئی جس کے ترجمے کی اجرت میں سید صاحب نے مولوی ابوالحسن کو جو حیدر آباد میں نوکر ہیں ایک ہزار روپیہ دیا تھا کالج کی مہریں جا بجا لگی ہوئی تھیں مگر چوٹٹے نے بعض کو جو حاشیے پر تھیں کتر کر نکال ڈالا اور کاغذ چپکا دیا ہے اور اکثر جگہ چھپے مہر کی سرخی کو سیاہ قلم سے کاٹا ہے اور پھر کاغذ کا ٹکڑا چپکا دیا ہے مگر ہر ایک چیز چغلی کھاتی ہے اس کے سوا اس مسودے کے بہت سے آدمی پہچاننے والے موجود ہیں۔ بہر حال یہ مسودہ میرے قبضے میں آگیا ہے۔ کہئے تو محسن الملک کے پاس بھیج دوں اور کہئے آپ کے پاس یا مزمل اللہ خاں صاحب کے پاس روانہ کر دوں مگر مجھ کو آپ کی نگہداشت پر زیادہ اطمینان ہے اس لئے میرا یہ جی چاہتا ہے کہ آپ ہی کی خدمت میں بھیجوں لیکن شرط یہ ہے کہ اس معاملے کی عدالت تک نوبت نہ پہنچائی جائے ورنہ جس معزز اور شریف آدمی نے یہ کتاب لا کر دی ہے ان کو عدالت میں شہادت کے لئے جانا پڑے گا اور ملزم کی طرف سے ان پر وکلا کے سخت حملے ہوں گے جن سے وہ گھبراتے ہیں اور میرے نزدیک تو اس کا ذکر یورپین پروفیسروں سے بھی کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ وہی مثل ہے اپنا گھٹنا کھولئے اور آپ ہی لاجوں مریئے۔ سوا اس کے کہ مسلمانوں کی اور زیادہ رسوائی ہو اور کوئی نتیجہ نہیں معلوم ہوتا۔ جواب سے جلدی مطلع فرمائیے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار الطاف حسین حالی عفی عنہ از پانی پت ۹ مئی ۱۹۰۱ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

(۱۵)

جنابِ من!

ڈیڑھ مہینے سے زیادہ عرصہ ہو چکا کہ حیاتِ جاوید کی جلدیں تینوں قسم کی ڈپوٹی شاپ میں پہنچ گئیں۔ مجھے یقین تھا کہ آپ نے خود وہاں سے کتاب منگوالی ہوگی کیونکہ اگر مصنف قابلِ وقعت نہ تھا تو بہر حال بلاشبہ ایسا تھا کہ اس کی بابت کچھ دیکھنے کا خاص کر آپ جیسے

لوگوں کو ضرور مشتاق ہونا چاہیئے تھا مگر جہاں تک خیال کیا جاتا ہے مصنف کی بے وقعتی نے ہیرو کی بھی قدر گھٹا دی ہے۔ جن لوگوں سے یہ امید تھی کہ اس کتاب کے منگوانے میں ایک دوسرے پر سبقت کریں گے ان کی طرف سے سرد مہری کے سوا میں نے اب تک کچھ نہیں دیکھا۔ اگرچہ اس قلیل عرصے میں کتابیں توقع سے زیادہ فروخت ہو گئی ہیں مگر ایسی قدر دانی سے وہی شخص خوش ہو سکتا ہے جو تجارت کے سوا تصنیف و تالیف کا اور کوئی مقصد خیال نہیں کرتا۔ بلاشبہ میں نے کسی سے اشتہار یا ریویو وغیرہ لکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی مگر یہ خواہش نہ کرنا اس بات کا ہرگز مقتضی نہ تھا کہ سرسید کا کوئی دوست اس کتاب سے بالکل نوٹس نہ لے اور اخباروں کو جانے دیجیے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ جس کو سرسید کی یادگار کہا جاتا ہے اور جس کا اہتمام محمڈن کالج کے آنریری سیکرٹری اور سرسید کے جانشین اور ان کے زبدۂ احباب کے ہاتھ میں ہے، آج تک حیاتِ جاوید کی نسبت اس میں ایک حرف نہیں لکھا گیا۔ اگرچہ میں صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ سرسید کی لائف جیسی کہ چاہیئے تھی ویسی مجھ سے نہیں لکھی گئی لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ میں نے باوجود اپنی ناقابلیت کے اس بارِ گراں کو اپنے ذمے لے کر سرسید کے تمام اصحاب اور حواریین کو ایک فرضِ کفایہ سے سبکدوش کیا ہے اور اس لئے میں اپنے زعم میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ سرسید کے احباب اگر اس تصنیف کو پسند نہ کریں گے تو اس کی اشاعت میں ضرور مددگار ہوں گے مگر آج تک کسی نے اس کی بات نہیں پوچھی بلکہ بجائے امداد کے بعض اصحاب متوقع ہیں کہ ان کی خدمت میں ایک ایک کاپی ہدیۃً پیش کی جائے۔ حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب نے سرسید کی زندگی میں وعدہ کیا تھا کہ پانسو روپیہ کی کتابیں خرید کر کالج کو دوں گا۔ مگر میں سرسید کو اور اپنے تئیں بڑا خوش قسمت سمجھوں گا جب یہ سنوں گا کہ انہوں نے کوئی کاپی ڈپلیٹی سے خرید فرمائی ہے اور اس کو مطالعے کے لائق سمجھا ہے۔ آپ یقین جانیے کہ میں اس زمانے کی لٹریری ترقی کے آگے ایسے لوگوں کی تحریرات کو جو میری طرح محض اردو فارسی کے مردِ میدان ہیں لاشے محض جانتا ہوں مگر کڑی جو اپنا جالا پورنے میں انتہائے طاقت صرف کرتی ہے وہ اسی کو حریر و اطلس بلکہ ان سے بھی زیادہ گراں قدر تصور کرتی ہے اس لئے کہا گیا ہے ؎

اگر بریاں کند بہرام گورے   نہ چوں پائے ملخ باشد ز مورے

اُمید ہے کہ آپ میری اس خارج آہنگی اور زیادہ سرائی کو معاف فرمائیں گے۔ زیادہ نیاز

آپ کا تابعدار الطاف حسین حالی از پانی پت، ۱۱ر جولائی ۱۹۰۱ء

---

(۱۶)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور

جنابِ مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

عنایت نامہ پہنچا۔ برسات کے مطالعے سے برسات کا لطف دونا ہو گیا۔ بہت عمدہ مثنوی ہے اس میں کسی قسم کا تعرض کرنے کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی اگرچہ کہیں کہیں شعرائے ایران و ہندوستان کے مسلّمات کے خلاف کیا گیا ہے جیسے کرشمہ کا قافیہ جلوہ یا برسیں کا قافیہ بھروں یا بدلا کا قافیہ آیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر میرے نزدیک اب ان قیود کو اٹھا دینا ہی بہتر ہے جن کے سبب سے شاعری کا میدان نہایت تنگ ہو گیا ہے۔ گبن کی تاریخ کا ترجمہ حسبِ تحریر مولوی بہادر علی صاحب ایم۔ اے جو انہوں نے مسٹر مارلین کے ایما سے مجھ کو بھیجی تھی میں نے اپنے ایک عزیز کے ہاتھ مارلین صاحب کے پاس بھیج دی ہے مگر اب تک باوجود گزرنے پندرہ سولہ روز کے اس کی رسید نہیں آئی۔ میں بعنایتِ الٰہی جہاں تک کہ تندرست رہ سکتا ہوں اچھا ہوں۔ مولوی سید حمید الدین صاحب سلّمہ نے

رسالہ معارف ماہ جون و جولائی میں حیات جاوید پر ایک لمبا چوڑا ریویو لکھا ہے جو غالباً اگست کے نمبر تک شائع ہو جائے گا۔ نواب
محسن الملک بہادر نے بھی کچھ ریمارکس کرنے کا ارادہ کیا ہے مگر ان کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسا ہر مسلمان کو حج کا ارادہ رکھنا ہے۔ مولوی عبدالحلیم شرر
نے مختصر نوٹ میں اس کتاب کی تعریف رسالہ دلگداز میں لکھی ہے۔ شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب کا بھی ارادہ کچھ لکھنے کا ہے
میں نے سوا اس کے کہ نواب محسن الملک کو انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں اس کتاب پر نوٹس نہ لینے کی شکایت لکھی تھی اور کسی صاحب
کو اس باب میں کچھ نہیں لکھا اس لئے میں سب صاحبوں کا شکر گزار ہوں۔ اور بھی کئی دوستوں نے ریویو لکھنے پر آمادگی ظاہر کی ہے مگر چونکہ
ریویو لکھنا ذرا محنت کا کام ہے امید نہیں کہ ایک آدھ کے سوا کوئی کچھ لکھے۔ افسوس صد افسوس و ہزار افسوس کہ پرسوں بروز چہار شنبہ چار بجے
حکیم حاذق الملک عبدالمجید خاں نے اسی مرض میں جو ایک عرصے سے ان کو لاحق تھا دلی میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
امید ہے کہ آپ مع جملہ متعلقین کے بخیریت ہوں گے۔ زیادہ نیاز

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۲ / جولائی ۱۹۰۱ء

(۱۷)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم۔ میں بعض وجوہ سے ووٹ کا کاغذ بابت اس جلسہ کے ٹرسٹیان کو جو ۲۷ اکتوبر سن حال کو منعقد ہونے والا ہے ۱۴ ستمبر
تک سیکرٹری صاحب کی خدمت میں نہیں بھیج سکا اس لئے قواعد جدیدہ کے موافق میں نے ان پر رائیں جلسۂ مذکور میں پیش کرنے کے لئے
آپ کو اپنی طرف سے نائب مقرر کیا ہے اور پراکسی کے فارم جو سیکرٹری صاحب نے میرے پاس بھیجے تھے اس کی خانہ پری کر کے
ان کے پاس بھیج کر لکھ دیا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے آپ کو اپنے ووٹ دینے کے لئے قائم مقام مقرر کیا ہے کیونکہ شاید
جلسہ ٹرسٹیان میں میں خود حاضر نہ ہو سکوں۔ لہٰذا اس نیاز نامہ کے ساتھ میں اپنی رائیں ہر مد کے متعلق آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں امید
ہے کہ آپ جلسہ ٹرسٹیان منعقدہ ۲۷ / اکتوبر میں میری رائیں پیش کر دیں گے۔ زیادہ نیاز

آپ کا نیاز مند الطاف حسین حالی ٹرسٹی محمڈن کالج علی گڑھ

میں آپ کو یہ بھی اختیار دیتا ہوں کہ میری جس رائے کو آپ قرین صواب نہ سمجھیں اس کی جگہ جو کچھ آپ کی رائے ہو میری طرف
سے ظاہر فرما دیں۔

حالی

(۱۸)

باعث تحریر آنکہ

۱۳۰۹ فصلی الٰہی میں حسب دستور سررشتہ تعلیمات سرکار عالی میں نیاز مند کی تصنیف کتابیں خرید کی گئی تھیں ان کی قیمت مبلغ
دو سو چونسٹھ روپیہ دس آنے سکہ کمپنی معرفت مولوی عبدالحق بی۔ اے ایڈیٹر رسالہ افسر وصول ہوئے اس لئے یہ رسید لکھ دی گئی۔

فقط: مرقومہ ۱۴ / نومبر ۱۹۰۱ء

وظیفہ خوار سرکار عالی الطاف حسین حالی بقلم خود

(اصل محفوظ در ذخیرۂ تمکین کاظمی)

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب رئیس بھیکم پور (۱۹)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

آپ نے سن لیا ہوگا کہ ہز میجسٹی ایمپرر آف انڈیا کی علالت کی وجہ سے آج دربار تاج پوشی ملتوی ہوگیا اور ہندوستان میں
کی تعطیل قرار پائی تھی اس کے التوا کا حکم بذریعہ تار برقی کے تمام ملک میں شائع کر دیا گیا۔ چونکہ بیماری کا حال معلوم نہیں ہوا کہ معمولی
یا خدانخواستہ کوئی سخت مرض ہے اس لئے آج کا دن تشویش و تردد میں گزرا۔ اس حالت میں کسی کام کے کرنے کو جی تو نہیں چاہتا
آپ کے عنایت نامے کو آئے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے اس لئے اس کا جواب عرض کرنا ضرور تھا۔

لکچر اور نظم اور عنایت نامہ تینوں ایک ساتھ وصول ہوئے۔ تصویر عبرت کو اول میں نے مخزن میں دیکھا تھا پھر
میں دیکھا اور اب لکچر کے ساتھ اس کو بھی اول سے آخر تک پھر پڑھا اور بلا تصنع ہر دفعہ اس کے پڑھنے سے لطف تازہ
ہوا۔ ھو المسک ما کررتہ یتضوع —— اول تو مضمون ہی فی نفسہ موثر اور عبرت انگیز ہے اور پھر مناسب الفاظ اور
نے اس میں اور بھی جان ڈال دی ہے مگر شاید یہ کبر سن کا تقاضا ہے کہ جو اثر پہلے عمدہ نظم کے پڑھنے یا سننے سے دل پر ہوتا
بات اب نہیں رہی اور یہی وجہ ہے کہ فکر شعر سے اب طبیعت کوسوں بھاگنے لگی ہے۔

لکچر جس وقت میرے پاس پہنچا جب تک اس کو اول سے آخر تک نہیں دیکھ لیا اپنی جگہ سے نہیں اٹھا اگرچہ
بعض خیالات ایسے ظاہر کئے گئے ہیں جن سے مجھ کو اتفاق نہیں ہے لیکن اس بات کے خیال کرنے سے بے انتہا
ہے کہ ہمارے سپیکروں اور لکچراروں میں آپ کے سبب سے ایک معقول اور قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ سب سے پہلے
آپ کی وہ بے مثل تقریر سنی تھی جو حافظ الملک کی یادگار کے جلسے میں بمقام علی گڑھ اسٹریچی ہال میں آپ نے کی تھی۔ اس کے
اخلاق اسلامی پر جو لکچر آپ کا انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں چھپا ہے اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور اب یہ لکچر جو حمایت اسلام
لاہور میں دیا تھا میری نظر سے گزرا۔ مسلمانوں میں اول تو عموماً قحط الرجال ہے اور پھر خاص کر رئیسوں کے طبقے میں تو گویا بالکل
ہی ہوگیا ہے۔ پس یہ کچھ کم خوشی اور فخر کا مقام نہیں ہے کہ ہمارے رئیسوں میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو قطع نظر اعلیٰ درجے
علمی اور لٹریری مذاق کے مسلمانوں کا خیر خواہ اور اسلام کا حامی اور قومی کاموں میں بھی سرگرم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جملہ مکروہات سے
اور اسلام کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی ہمدردی سے آپ کو حظِ وافر نصیب کرے۔ زیادہ نیاز

خاکسار نیاز مند الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۶ جون سنہ ۱۹۰۲ء

بنام مولوی بشیر الدین (۲۰)

جنابِ من!

کانفرنس گزٹ کا بطور ضمیمہ کے البشیر کے ساتھ شائع ہونا بہت مناسب ہوا ہے خدا کرے کہ وہ مفید بھی ہو
نے یہ صلاح دی ہے کہ "کانفرنس گزٹ" کے اوپر ذرا خفی قلم سے یہ الفاظ اور لکھنے چاہئیں "ایم اے او ایجوکیشنل"
کانفرنس اور مسلمانوں کی کانفرنس میں تمیز ہو۔ میں بھی اس رائے کو پسند کرتا ہوں۔ اطلاعاً عرض کیا گیا۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۸ اگست سنہ ۱۹۰۲ء

بنام مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب رئیس بھیکم پور

(۲۱)

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم! عنایت نامہ پہنچا۔ مولوی ذوالفقار حسین صاحب کے انتقال کا حال معلوم ہونے سے نہایت افسوس ہوا۔ میں آپ کے حال سے اور ان کے خاندان کے اکثر لوگوں سے واقف ہوں۔ ایسا آدمی ملنا سخت دشوار ہے۔ یہ صاحب دہلوی الاصل نہ تھے بلکہ ان کا خاندان نبیل دہلی تھا۔ ریاست داوری وبہاں گڈھ کے علاقہ میں ایک قصبہ کلیانہ ہے جو مردم خیزی میں ضرب المثل ہے۔ مولوی ظہور علی بتقریب ملازمت سرکاری وہاں سے دہلی چلے آئے تھے پھر اپنے وطن کی طرف رُخ نہیں کیا۔ مولوی ذوالفقار حسین صاحب اور ان کے بڑے بھائی نے شاید کلیانہ دیکھا بھی نہ ہوگا۔ اہلِ کلیانہ معلّمی کے فن سے ایک خاص مناسبت رکھتے تھے۔ ایک کلیانوی بزرگ سے میں نے بھی صغر سنی میں کچھ پڑھا تھا۔ بہرحال مرحوم کا بدل مشکل سے ملے گا اور خاص کر پانی پت میں تو ایسے لوگوں کا وجود عنقا ہے مگر میں گرد و نواح کے قصبوں میں اور نیز دہلی میں تلاش کراؤں گا۔ اگر کوئی لائق آدمی میسر آیا تو فوراً آپ کو اطلاع دوں گا۔ امید ہے کہ آپ بہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے۔ افسوس ہے کہ مدت دراز کے بعد بتقریب تودیع مسٹر آرنلڈ علی گڈھ جانا ہوا تھا مگر آپ سے اور نیز مکرمی محمد مزمل اللہ خان صاحب سے ملاقات کا موقع نہیں ملا۔ دہلی میں بھی جبکہ حکیم واصل خان صاحب کے ہاں ہنگامۂ رقص و سرود گرم تھا ایک بجلی کی سی چمک نظر آئی تھی پھر برابر آنکھیں ترستی رہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔ والسلام بخیر ختام۔

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۲۳ اپریل ۱۹۰۴ء

بنام سعید

(۲۲)

مبلغ ۱۰۰ روپے بابت قیمت کتاب یادگار غالب جو ۱۳۰۲ فصلی میں حسب الحکم سرکار عالی نظام اعلیٰ اللہ ملکہ ماہر تعلیمات سرکار موصوف میں نیاز مند راقم سے خریدی گئی تھی معرفت سر رشتہ موصوف کے وصول ہوئی۔

چونکہ پہلی رسید تلف ہو گئی تھی اس لئے مکرر یہ رسید لکھی گئی۔ فقط المرقوم ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء

(یہ الفاظ ایک آنہ کے ٹکٹ پر ہیں) : وظیفہ خوار سرکار عالی الطاف حسین حالی بقلم خود

(محفوظ در ذخیرۂ تمکین کاظمی)

بنام عبداللہ حسینی حریف

(۲۳)

کوسگی علاقہ جاگیر نواب سر سالار جنگ بہادر میں ایک قدیم قصبہ ہے جس کے تاریخی و جغرافی حالات پر ایک مفید رسالہ سید عبداللہ صاحب حسینی متخلص بہ حریف نے جو خاص کوسگی کے رئیس ہیں مرتب کیا ہے۔ یہ رسالہ ان لوگوں کے لئے جو قدیم زمانہ سے دلچسپی رکھتے ہیں ایک نہایت قابل قدر چیز ہے۔ مصنف موصوف نے اس کے ترتیب دینے میں بہت سی قدیم و جدید تواریخ سے مدد لی ہے اور بہت سے ایسے دلچسپ حالات اس میں درج کئے ہیں جن کے فراہم کرنے میں ان کو بڑی زحمت اٹھانی پڑی ہوگی۔ رام چندر جی کے زمانہ سے لے کر زمانۂ حال تک کے اہم واقعات جو کوسگی اور اس کے گرد و نواح سے علاقہ رکھتے ہیں اس میں کافی تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور اس کا جغرافیہ اور اس کے ذرائع آبپاشی و محاصل زمین و خانہ شماری و مردم شماری اور باشندوں کی زبان وغیرہ کی کیفیت اور مزارات اہل اللہ کا بیان بہت عمدگی سے لکھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ ایک لوکل تصنیف ہے جس سے خاص کر وہاں کے باشندوں کو

زیادہ وابستگی ہونی چاہیے لیکن چونکہ اس کو ہندوستان کے افضل ترین مدبر نواب مختار الملک بہادر مرحوم و مغفور کے جلیل القدر خاندان سے تعلق ہے اور نیز خاندانِ موصوف کے حالات بھی اس میں درج ہیں اس لحاظ سے وہ ایک ایسا مجموعہ ہے جس سے عام ہندوستانی برابر لطف اٹھا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ مولوی سید عبداللہ صاحب کی کوشش جو اس کتاب کے ترتیب دینے میں ان کو اٹھانی پڑی ہے ملک میں حسنِ قبول کا درجہ حاصل کرے گی۔

راقم الطاف حسین حالی وارد حیدرآباد ۲۸ر جولائی سنہ۱۹۰۶ء

---

(۲۴)

بنام مولوی قمر علی صاحب

مہربانی فرما کر عزیزی محمود احمد صاحب عباسی کے حال سے مطلع فرمایئے کہ وہ بالفعل بریلی میں ہیں یا علی گڑھ میں اور ان کا مزاج کیسا ہے اور حضرت شاہ نظام الدین صاحب کے صاحبزادے یعنی مولانا نیاز احمد صاحب قدس سرہٗ کے پوتے کا پورا نام اور لقب اور جس محلہ میں وہ تشریف رکھتے ہیں بالتفصیل مجھ کو لکھ بھیجئے اور اس تکلیف دہی کو معاف فرمایئے۔ امید ہے کہ آپ بہمہ جہت بخیریت ہونگے۔ زیادہ

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۹ر فروری سنہ۱۹۰۹ء

---

(۲۵)

بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم

جنابِ نواب صاحب مخدوم و مکرم!

تسلیم اولے بالتقدیم! آپ کی تصنیفِ جدید "فطرۃ الاسلام" کا ایک نسخہ عطیۂ جناب خاکسار کے پاس پہنچا۔ اس خاص عنایت کا شکریہ تہ دل سے ادا کرتا ہوں۔ رسید اور شکریہ بھیجنے میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ میں ایک عرصہ سے علیل چلا جاتا ہوں۔ اگرچہ اب تک کوئی مرض مہلک عارض نہیں ہوا مگر لکھنا پڑھنا بالکل چھوٹ گیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ فطرۃ الاسلام کے مطالعہ سے مستفیض ہونے کے بعد جواب عرض کروں لیکن ضعفِ بصارت اور ضعفِ دماغ نے مجبور کر دیا ہے۔ اکثر احباب و اکابر اپنی تصنیفات بھیج کر ممنون فرماتے ہیں مگر میں ان سے بہت ہی کم مستفیض ہوتا ہوں۔ اگرچہ دوسرے شخص سے پڑھوا کر سننا ممکن ہے مگر سننے سے جی خوش نہیں ہوتا خصوصاً عمدہ تصانیف کو خود پڑھ کر جو لطف آتا ہے سننے سے وہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی۔ بہرحال موجودہ شکایتیں رفع ہونے کے بعد ضرور کوشش کروں گا کہ خود پڑھ کر یا کسی عزیز سے سن کر آپ کے افاداتِ طیبات سے مستفیض ہوں۔

فہرستِ مضامین دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ دہریت اور الحاد وبائے عام کی طرح چاروں طرف پھیلا ہوا ہے ایسی کتابوں کا شائع ہونا نہایت ضروری و مفید ہے۔ آپ نے قوم کی بہت بڑی خدمت کی ہے خدائے تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ امید ہے کہ جناب مع متعلقین و متوسلین کے بہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار دعاگو الطاف حسین حالی از پانی پت ۱۸ر اکتوبر سنہ۱۹۱۰ء

---

(۲۶)

بنام سید افتخار عالم صاحب

مکرمی سید صاحب دام مجدہم

آپ کا الطاف نامہ مع مطلوبہ ترجموں کے پہنچا۔ میرے سر میں پانچ سات دن سے درد رہتا ہے اس وجہ سے اب تک ریویو نہیں لکھ سکا۔ درد میں تخفیف ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اس فرض سے سبکدوش ہوں گا۔ امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ ریویو کے ساتھ ہی حیات النذیر کی نامکمل جلد جو آپ نے بھیجی ہے وہ بھی بھیج دوں گا اور دوسری مکمل جلد کا منتظر رہوں گا۔ زیادہ نیاز

خاکسار الطاف حسین حالی از پانی پت یکم اکتوبر سنہ۱۹۱۲ء

نواب محسنُ الملک

بنام منشی ذکاء اللہ صاحب

(۱)

مخدوم و مکرم بندہ شمس العلماء منشی ذکاء اللہ صاحب زاد لطفہٗ

مولوی سید احمد مصنف فرہنگِ آصفیہ جن کی چار سو کتابیں سرکار نے خرید فرمائی ہیں یہاں آئے اور جناب نواب مدارالمہام سرکارِ عالی کی ملازمت حاصل کی۔ نواب انتصار جنگ[۱] بہادر اور بندہ نے بھی ان کے مشکلات جو کتاب کے چھاپے کے ختم ہونے میں پیش ہیں سُنیں اور سرکار میں عرض کیا کہ کسی طرح اس کتاب کا تمام ہو جانا چاہیئے تاکہ جس غرض سے سرکار نے چار سو جلدیں خریدی ہیں وہ حاصل ہو اور اس پر یہ امر قرار پایا ہے کہ یہ معاملہ آپ کے سپرد کیا جاوے اس لئے میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ آپ مہربانی کر کے اتنی محنت اپنے اوپر گوارا فرمایئے کہ جو معاملہ ان کا ساہوکار سے ہے وہ کس طور پر ہو سکتا ہے اور وہ کس طرح اس کے پنجے سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور سرکار کی کیا مدد اس کام میں مطلوب ہے اور آئندہ باقی ماندہ کتاب کے چھاپنے کے لئے یہ بہتر ہو گا کہ سرکاری مطبع حیدرآباد میں چھپوائی جاوے اور مولوی سید احمد صاحب اس کی تصحیح یہاں آکر یا وہاں رہ کر کر دیا کریں۔ آپ سے بہتر اس کام کے واسطے دوسرا کوئی نہیں ہے اس لئے آخری تصفیہ اس کا آپ کی رائے عالی پر عمدہ طور سے ہو سکے گا۔ زیادہ نیاز!

محسن الملک۔ ۱۱ر جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ (۲ر فروری ۱۸۹۰ء)

بنام انتصار الملک بہادر

(۲)

بخدمت شریف جناب معتمد صاحب مال[۲]

یہ خطوط سید احمد صاحب کے آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے براہِ مہربانی مطلع فرمایئے تاکہ ویسا ہی جواب ان صاحب کو دیا جاوے۔ فقط!

محسن الملک ۷ر شوال ۱۳۰۷ھ (۲۷ر مئی ۱۸۹۰ء)

---

[۱] نواب وقار الملک۔

[۲] یہ خط محسن الملک کا انتصار جنگ بہادر کے نام ہے اور اسی کی پشت پر انتصار جنگ کا جواب بھی ہے۔ یہ متعلق ہے سید احمد دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ سے۔ اصل خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

جناب من!

اصل تو یہ ہے کہ سرکار کا منشا اس خریداری سے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ رہا ہے کہ کتاب تمام و کمال چھاپی جاوے اور جو معاملات مصنف اور ساہوکار کے درمیان ہوئے تھے ان سے ہم کو کچھ مطلب نہیں۔ سرکار عالی کا تعلق خود مصنف سے ہے نہ (جنہوں) نے سرکار میں کتابیں داخل کی ہیں اس وقت تک جو خیال کیا گیا تھا کہ ساہوکار سے اور مصنف سے فیصلہ ہو جاوے وہ محض ایک اخلاق امر تھا مگر اس قدر اور ہونا چاہئے کہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں بہادر سے اور دریافت کیجئے کہ اون کی رائے کیا ہے اور ان کو سرکار کی یہ پالیسی بتلا دی جائے اور اس وجہ سے مصنف کو مطلع کر دیا جاوے کہ وہ چندے اور تامل فرماویں اور مطمئن رہیں۔ میری رائے یہ ہے آئندہ آپ کے نزدیک جیسا مناسب ہو۔

انتصار جنگ معتمد ملل ۷ شوال ۱۳۰۸ھ (۱۴ مئی ۱۸۹۱ء)

بنام مولوی بشیر الدین

(۳)

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

مجھ اوروں سے کچھ امید نہیں کہ لکھنؤ جا کر کانفرنس کا انتظام کریں۔ اگر آپ سے ہو سکے تو آپ خود لکھنؤ جائیے اور کوشش کیجئے اگر آپ کی کوشش میں ناکامیابی ہوئی تو یا آپ کی کانفرنس موقوف رہے گی یا علی گڑھ میں رسم فاتحہ خوانی ادا کی جائے گی۔

خط راجہ نوشاد علی خاں کے نام بھیجتا ہوں اور کوئی شخص ایسا نہیں نظر آتا کہ میرے خط پر کچھ خیال کرے۔ فقط!

مہدی (محسن الملک) علی گڑھ ۴ اگست ۱۹۰۱ء

بنام نواب سید علی حسن

(۴)

جناب مخدوم مکرم بندہ نواب علی حسن خاں بہادر

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ لکھنؤ میں تشریف رکھتے ہیں اور امین الدین کے ذریعہ سے آپ کا پتہ بھی دریافت کیا تاکہ خط لکھوں مگر پتہ معلوم نہ ہوا۔ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے عنایت نامہ بھیج کر یاد فرمایا۔

آپ نے جو خواہش فرمائی ہے وہ تمام قوم کی ممنونی کا باعث ہے۔ آپ کو قومی ہمدردی تو ہمیشہ سے ہے اب وہ آتش اور مشتعل ہو گئی ہے۔ یہ قوم کی خوش نصیبی ہے۔ اگرچہ آپ کا بھوپال سے تشریف لانا دشمنوں کو پسند ہوا ہو تو قوم کے لئے مفید ہوا۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد   خمیر مایۂ دکان شیشہ گر سنگ است

قوم کی پہلی خدمت تو یہ ہے کہ آپ تعلیمی معاملات پر وقتاً فوقتاً کچھ مضمون لکھ کر علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں بھیج دیا کیجئے۔ دوسرا یہ ہے کہ اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں کو قومی کاموں پر متوجہ کیجئے اور عمدہ مشورہ اور صلاحیں ہم کو دیا کیجئے۔ ایک تجویز ہو رہی ہے کہ تعداد ٹرسٹیوں کی زیادہ کی جائے۔ اس وقت جتنی جگہ ہیں وہ سب بھری ہیں اگر یہ تجویز منظور ہوئی تو ٹرسٹیوں کی فہرست میں آپ کا معزز نام بھی جلد نظر آوے گا مگر ٹرسٹی ہونا اور نہ ہونا اور بات ہے۔ آپ کی شان اس سے ارفع اور اعلیٰ ہے اور آپ سے ہر طرح کی مدد ملنے کی امید ہے۔

۱؎ اصل خط تمکین کاظمی کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔

میں ایک درخواست جو نہایت چھوٹی ہے کرتا ہوں، یقین ہے کہ آپ اس کو منظور فرماویں گے یعنی علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کو آپ خریدا کریں جس کی سالانہ قیمت ۸؎ ہے اور اگر معاونین میں آپ داخل ہونا چاہیں تو ۱۶؎ یا ۱۲؎ آپ دے کر اس کو دے سکتے ہیں۔ پچھلا اخبار بطور نمونہ آپ کی خدمت میں مرسل ہے۔

محسن الملک، از علی گڑھ یکم اگست ۱۹۰۲ء

---

(۵)

مولوی بشیر الدین

مکرمی بشیر الدین صاحب!

فروری کا مہینہ بھی آدھا ہو گیا اور آپ کی رپورٹ کانفرنس کا ابھی آغاز بھی نہیں ہوا اب بھی آپ کچھ مہینے لگائیں گے اور یہ مجھے منظور نہیں۔ چاروں طرف سے رپورٹ کی مانگ ہو رہی ہے اور آپ نے اب تک کوئی مضمون کانفرنس کی کارروائی پر اخبار میں بھی نہ لکھا اور اخباروں میں مضمون بھی لکھے گئے، رائیں بھی ظاہر کر دی گئیں اس کے نتائج پر بھی بحث ہو گئی اور آپ کے یہاں اب تک ریزولیوشن بھی مشتہر نہ ہوئی۔ چندہ دینے والوں کی فہرست بھی شائع نہ کی گئی۔ ہمارے اور ہمارے کالج کا اثر آپ کے اوپر بھی پڑ گیا۔ میں اخیر فروری میں دورہ پر جاتا ہوں اگر اس عرصے میں رپورٹ کا خاکہ آپ نے تیار نہ کر لیا تو آپ جانیں اور آپ کی رپورٹ۔ میں نہ دیکھ سکوں گا نہ اصلاح کر سکوں گا اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میرا لکھنا آپ پر کچھ اثر نہ کرے گا اس لئے کہ اوّل تو آپ بیمار، اس پر کام کا انبار اور یک انار و صد بیمار۔

آپ نے باوجود میرے متواتر طلب کے نواب سر امین الدین خان کی انگریزی اسپیچ بھی نہ روانہ کی۔ فقط والسلام!

آپ اس کا جواب دیں کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے اور اگر ممکن ہو تو دو ایک روز کے لئے آپ یہاں ہو جائیں آمد و رفت کا خرچ یہاں سے دیا جائے گا۔

مہدی (محسن الملک)

---

(۶)

مولوی بشیر الدین

مخدوم مکرم بندہ مولوی بشیر الدین صاحب!

کل انوار احمد صاحب آئے اور مسودات روئیداد کانفرنس کے جو نوٹ لکھنے والوں نے تحریر کئے تھے اپنے ہمراہ لائے جیسا کہ آپ کو خود معلوم ہے اب کی مرتبہ نوٹ لکھنے والوں نے ہوشیاری اور مستعدی سے کام نہیں کیا۔ پہلے بھی ان کے نوٹ ایسے ہی ہوں گے مگر آپ نے دو بار ایک دفتر کا دفتر اپنے قلم سے لکھا تھا اس لئے وہ اچھے معلوم ہوتے تھے۔ بہرحال ان نوٹوں اور مسودوں سے اسپیچوں اور تقریروں کا درست کرنا روح القدس کا کام ہے۔ سوائے بشیر الدین کے کسی اور بشر سے تو ہو نہیں سکتا میں اب کی مرتبہ عمر ناحق کی کانفرنس سے ایسا شکستہ دل ہو گیا ہوں کہ رپورٹ شائع کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ نہایت ناکامیابی ہوئی

؎ خط پر تاریخ درج نہیں، اغلب ہے یہ فروری ۱۹۰۳ء کا ہے۔

اور اس کا سبب صرف بدانتظامی اور فضول خرچی ہے۔ اب کی مرتبہ ایسے رنج اور شکایت کے خط میرے نام آئے ہیں کہ اس
شرم کے جواب بھی نہیں دے سکا۔ دل نہیں چاہتا اور نہ جرأت ہوتی ہے کہ کانفرنس کے لئے روپیہ مانگا جائے یا چندہ
جاوے۔ غضب خدا کا ۳۰۰۰۰[1] صرف ہوا اور نتیجہ سوائے شکایت اور ملامت کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ آج آپ کا خط آیا اس
اور نیز خواجہ احمد کی زبانی آپ کی پریشانی اور تکلیف کی کیفیت معلوم ہو کر نہایت رنج ہوا اور جو خطوط میں نے لکھے تھے ان
لکھنے پر نہایت افسوس اور شرمندگی ہوئی۔ مجھے اگر یہ کیفیت معلوم ہوتی تو ہرگز کوئی ایسی بات نہ لکھتا جس سے آپ کو رنج
ہوتا۔ میں نے صرف جلد کام ہونے کی غرض سے بے تکلف آپ کو وہ باتیں لکھی تھیں جن سے آپ کو غصہ آتا اور میرا یہ خیال تھا
ہیں کہ آپ جلد رپورٹ لکھ کر بھیج دیں گے اور سب کام چھوڑ دیں گے مگر مجھ کو یہ کیا معلوم تھا کہ وہاں حالت ہی دوسری ہے اور آپ
بیماریوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ میں نہایت افسوس کرتا ہوں اور جو رنج آپ کو پہنچا اس کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ کی
اور محبت جس قدر میرے دل میں ہے وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ چھیڑ چھاڑ دوسری چیز ہے مگر کوئی ایسی بات جس سے آپ کو رنج
کرنا نہایت رنج دہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس رنج کو جو میرے خطوں سے پہنچا معاف کریں گے۔

مدراس کی رپورٹ کی نسبت میرا وہی خیال ہے جو پہلے تھا ہرگز کسی قسم کی تبدیلی میری رائے میں نہیں ہوئی۔ جو
اس رپورٹ پر آپ نے کی اور جس خوبی سے آپ نے اس کو لکھا اس کی تعریف عارضی نہ تھی بلکہ اصلی تھی۔ افوار احمد صاحب
شاید میری بات سمجھے نہیں۔ میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ دلی کی کانفرنس کی رپورٹ میں تقریریں طویل طویل لکھنا مضمون اور بے فائدہ
اور اسپیچوں کے طول دینے میں کچھ حاصل نہیں۔ پر میں نے کیا غلط کہا کہ اسپیچیں آپ نے لی ہیں۔ میں نے خود اپنی اسپیچوں کو
دیکھا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا گو مطلب وہی تھا مگر آپ نے اس کی نظم و ترتیب ایسی خوبی سے کی کہ مجھے اس کے دیکھنے سے
خوشی ہوئی۔ مگر کیوں اتنا وقت آپ ان اسپیچوں کے مرتب کرنے میں ضائع کریں جس میں کوئی خاص خوبی اور خاص بات نہ
رہا روپیہ کا زیادہ خرچ ہونا اس کا حال یہ ہے کہ . . . . ۔[2] کانفرنس کا خرچ ادا کرنا اب تک باقی ہے۔ صوفی صاحب
تقاضا جاری ہے اور ضمیمہ خرچ کے نہ ہونے سے اب تک چھپا نہیں۔ روپیہ معمولی کام کے لئے بھی نہیں مختلف سیکشن جو
ہوتے ہیں ان کے لئے روپیہ مانگا جاتا ہے۔ یہاں کیسہ خالی ہے روپیہ کہاں سے دیا جائے؟ ایسی حالت میں رپورٹ کا
اگر زیادہ ہوا اور وہ بھی دس ماہ کے بعد شائع ہوئی تو اس سے کیا حاصل؟ اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے آپ ناراض
ہوتے۔ ہاں جس طرز سے آپ کو میرا بیان نقل کیا گیا اس سے رنج پہنچنا ممکن تھا۔ آپ کے اس فقرہ سے کہ خوب العاقبۃ
نے آپ کو دیا اور حقیقت مجھے شرمندگی ہوئی۔ بلاشبہ بعض فقرات سے میرے خطوں کے آپ نے ایسا خیال کیا ہوگا مگر
بشیر الدین بالیقین جانو کہ وہ باتیں صرف تمہاری طبیعت کو مشتعل کرنے اور جلد کام کرنے کے لئے تھیں، نہ کہ دل سے۔

یہ امر مجھے نہایت ناگوار ہوا کہ آپ بوجہ آزادی طبیعت کے علی گڑھ نہیں آتے۔ یہاں کون سی آزادی آپ سے
چھینی جاتی ہے اور کیا آپ کو اپنی مرضی کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے۔ آپ کسی کے نوکر نہیں آپ کسی کے ذلیل نہیں نہ
کسی کے ممنونِ احسان نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ آزاد نہ رہیں اور یہاں کے آنے کو آزادی کے خلاف سمجھیں؟ اور میرا کہنا

---

[1] یہ رقم صحیح نہیں معلوم نہیں ہوتی۔ [2] یہ حصہ کٹا ہوا ہے۔

اور میرا آپ پر زور دینا وہ صرف دوستی کے سبب ہے۔ آپ میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے ہیں، مہربانی سے پیش آتے ہیں، میرا کہنا سنتے ہیں اس لئے مجھے بھی جرأت ہوتی ہے کہ آپ سے وہ باتیں کہوں جو دوسروں سے نہیں کہہ سکتا۔ شکایت رالبوو شرط آشنائی۔ اگر یہ خیال میرے دل میں نہ ہوتا تو کسی بے تکلفی کی حالت میں بھی ایک لفظ زبان سے ایسا نہ نکلتا جو سوائے خالص دوستوں کے دوسروں سے نہیں کہا جا سکتا۔

کانفرنس کا کام آپ نے اپنی مہربانی سے لیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس میں آپ کو کچھ مالی فائدہ نہیں ہوا بلکہ نقصان پہنچا۔ اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ میں نے آپ کو معاوضہ کے خیال سے تاکیدی خطوط لکھے تو اس کا مجھے افسوس ہے۔ میرے تو وہم و گمان میں ایسی ناپاک بات نہ تھی اور نہ ہے۔ چونکہ آپ خود جانتے ہیں کہ رپورٹ کے شائع ہونے میں تاخیر ہونے سے اس کا لطف جاتا رہتا ہے اور سب سے بڑھ کر آپ اس تاخیر کے شاکی رہتے تھے اس لئے میں نے آپ پر تاکید کی اور اسی حالت میں بعض الفاظ قلم سے ایسے نکل گئے جن سے آپ کو رنج ہوا۔ رہا دہلی میں تکلیف پہنچنا اس کے اکیلے آپ ہی شاکی نہیں ہیں بلکہ کوئی کانفرنس کا ممبر ہوگا جس کو تکلیف نہ پہنچی ہو۔ میں ڈھائی مہینے برابر بیمار رہا اور میرے گھر کے لوگ اب تک اس تکلیف سے جوان کو دلی میں پہنچی فارغ نہیں ہوئے۔ ایسا منحوس دن تھا جب دہلی میں کانفرنس کرنے کی تجویز قرار پائی سوائے نقصان اور تکلیف اور شکایت کے کچھ حاصل نہ ہوا اور جو نقصان، بدانتظامی اور فضول خرچی کی وجہ سے پہنچا اس کی تلافی برسوں میں بھی نہیں ہو سکی۔ آپ تو درحقیقت وہاں بیمار ہو گئے تھے اور اسی کا سبب ہے کہ اب تک بیمار چلے جاتے ہیں۔

طاعون نے جو اس مصیبت کو دوبالا کر دیا وہ بھی ہماری ہی بدقسمتی ہے۔ مجھے یہ سُن کر کہ آپ کے مکان کی آب و ہوا خراب ہو گئی تھی اور طاعون کے سبب سے کام بند ہو گیا تھا یہاں تک کہ اخبار بھی جاری نہ ہو سکا، نہایت افسوس ہے اور مجھے کس قدر رنج کہ ان باتوں کی لاعلمی کی وجہ سے میں نے آپ کو اور پریشان کیا جس کی میں معافی چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ ضرور معاف کریں گے۔

رپورٹ موجودہ مسودات سے اگر کوئی لکھ سکتا ہے تو صرف آپ لکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کی طبیعت اس قدر بحال ہو کہ آپ ایک ماہ میں اس رپورٹ کو لکھ دیں تو میں آپ کے پاس سب کاغذات واپس کر دوں ورنہ میں خود رویداد بطور خلاصہ کے لکھ کر شائع کر دوں گا اور جو اصلی اسپیچیں اور تقریریں ملیں گی وہ درج کر دوں گا۔ باقی اسپیچوں کا نہایت مختصر خلاصہ لکھ دوں گا۔

مجھے آپ کے اس خیال سے کہ جو خرچ آپ نے کیا وہ آپ اپنے اوپر جرمانہ سمجھیں گے اور کانفرنس سے نہ لیں گے نہایت رنج ہوا۔ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو اپنا دوست نہ سمجھوں اور آئندہ مثل غیروں کے آپ سے بھی برتاؤ کروں اور آخری فقرہ سے آپ کے خط کے مجھے نہایت رنج ہوا اور آپ اپنے قصور کی معافی چاہتے ہیں یہ لکھ کر کہ میں خاصہ اپنے اوپر جرمانہ کرتا ہوں؟ اس لئے میں آپ کا قصور معاف نہیں کرتا۔ والسلام!

مہدی،

(محسن الملک)

۱۷ اپریل ۱۹۰۲ء

(۷)

بنام مولوی بشیر الدین

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

یہ مہینہ بھی ختم ہوا اور مسودہ روئیداد کا ختم نہ ہوا۔ کل کانفرنس کی میٹنگ تھی مگر میں نے رپورٹ کا ذکر نہ کرنے دیا مگر درحقیقت لوگوں کو بہت ناامیدی ہوئی اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی حالت نہایت افسوس کے قابل ہے اس دفعہ کے البشیر کی چھپائی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حالت نہایت نازک اور نہایت واجب الرحم ہے۔ چونکہ آپ مجھ سے زیادہ اس تاخیر پر افسوس کر رہے ہیں اس لئے اس باب میں کچھ آپ کو لکھنا تکلیف دینا ہے۔

بہت نیا رہوتا ہے اگر آپ نے اپنے اصول کی پالیسی تیار نہ کی اور آپ یہاں سے کر خود نہ آئے تو یہ سال بھی خالی جائے گا اور آپ کے اصول کے لئے تو نہ سنو رہنے کہ کسی طرح پر اس کی مالی حالت درست کی جائے۔ فقط!

محسن الملک علی گڑھ، ۲ مئی ۱۹۰۲ء

---

(۸)

بنام مولوی بشیر الدین

مکرمی مولوی بشیر الدین صاحب!

آپ نے جنرل اسٹینڈنگ کمیٹی کانفرنس میں کمیٹی کے روبرو کہا تھا کہ کانفرنس کی رپورٹ آخر جولائی تک آجاوے گی۔ نصف مہینہ اگست کا بھی گذر گیا مگر رپورٹ کا پتہ نہیں۔ اب صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ آپ کو اپنے وعدہ کا، نہ آپ کو کانفرنس کا نہ میری عزت کا، نہ اپنی ذلت کا کچھ خیال ہے۔ خدا جانے آپ رپورٹ میں کیا طول طویل لکھ رہے ہیں جو ختم ہی نہیں ہوتی۔ کانفرنس کو مولوی عبدالاحد نے اوّل اور آخر کو آپ نے تباہ کر دیا۔ میرا تو منہ نہیں پڑتا کہ کسی کو کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے لکھوں یا چندہ ممبری مانگوں۔

اب اگر رپورٹ بھی ہوئی تو کب چھپے گی اور کب تقسیم ہوگی؟ آخر کیا ہوگا؟ لوگ مجھ پر لعنت کریں گے اور اب کی مرتبہ کانفرنس میں اتنا روپیہ بھی نہ ملے گا کہ معمولی خرچ سال بھر کا چل سکے۔ اس رپورٹ کے سبب سے آپ نے انڈا راحمد کو بھی روک لیا کہ وہ کالج اور میموریل فنڈ کا کچھ کام کرتے اور آپ نے اخبار میں بھی معذرت تاخیر رپورٹ کی نہ چھاپی۔ اس اخبار میں اگر آپ نے بصراحت اس کے متعلق مضمون نہ لکھا اور معذرت نہ کی تو میں آئندہ سوسائٹی کے اخبار میں اپنی طرف سے اپنی روسیاہی اور ذلت کا عذر چھاپنے پر مجبور ہوں گا۔

محسن الملک ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء

(۹)

بنام مولوی بشیر الدین

مخدومی مولوی بشیر الدین صاحب!

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں اور کیونکر آپ کے ساتھ کام کروں۔ ایک بڑی عادت آپ میں یہ ہو گئی ہے کہ آپ خطوں کا جواب نہیں دیتے۔ اگر دو سطر میں جواب بھی دے دیا کرو تو اس قدر تو معلوم ہو کہ تم زندہ ہو اور مرے نہیں۔ میں نے دو تین خط لکھے مگر ایک کا بھی جواب نہیں آیا۔ تمام دنیا میں پار سال کی طرح پھر میری ذلت اور رسوائی ہو گی کہ وقت پر کام نہ ہوا۔ آپ نے نہ اس وقت تک رزولیوشن بھیجے نہ چندہ کی فہرست اور میں اس وقت تک ان سب کمیٹیوں کے ممبروں کو کچھ اطلاع نہیں دے سکا جو مختلف کاموں کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ آج کا اخبار بھی پہنچا اس میں بھی سب کچھ ہے سوائے کانفرنس کے نہ اس کی کچھ کیفیت ہے نہ رزولیوشن۔ اگرچہ تو پریسیڈنٹ کو سختی کے ساتھ برا بھلا کہا گیا ہے۔ یہ طریقہ یعنی جس سختی سے آپ تحریر کرتے ہیں مجھ کو تو پسند نہیں ہے۔ آپ ہی اس کو شاید پسند کرتے ہوں۔ رائے ظاہر کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ سختی سے کام لیا جائے۔ بلکہ خوبی اسی میں ہے کہ اپنا مطلب نرم لفظوں میں ظاہر کیا جائے اور انسانیت اور اخلاق کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ لیکن مجھ کو اس سے کچھ مطلب نہیں، نہ میں آپ کا ناصح ہوں نہ آپ کسی کی سننے والے ہیں۔ ہاں مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ آپ مجھے بہت تکلیف دیتے ہیں اور وقت پر میرے خطوں کا نہ جواب دیتے ہیں نہ کام کرتے ہیں آپ رزولیوشن اور فہرست چندہ کی بھیج دیجئے یا جواب دیجئے ورنہ میں کوئی دوسرا انتظام کر لوں گا۔ مجھ بار سال کے سے آثار نظر آتے ہیں کہ بالوں میں دن گذر جاویں گے اور رپورٹ وقت پر تیار نہ ہو گی لیکن میں آپ سے صاف کہے دیتا ہوں کہ میں اب اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر آپ رپورٹ نہ لکھ سکیں تو جن لوگوں نے نوٹ لکھے ہیں ان کو میرے پاس بھیج دیجئے تاکہ میں خود اپنا سر ماروں اور آپ کو آئندہ تکلیف نہ دوں۔

یہ کیا طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے کہ اوّل آپ اخبار میں شائع کر کے کالج کو بدنام اور فضیحت کر دیتے ہیں پھر مجھے توجہ دلاتے ہیں۔ کالج کے طالب علموں پر مشن کا کیا جال چلا اور کیا ہوا جس پر آپ میری توجہ چاہتے ہیں اور درصورت نہ توجہ ہونے کے آپ بذریعہ اخبار کالج کی فضیحت کرنے پر آمادہ ہیں۔ مجھے اس وقت تک کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ بجائے اخبار میں لکھنے کے اوّل مجھے تو اطلاع دی ہوتی۔ یہ کوئی دوستی نہیں ہے نہ کالج کی خیر خواہی کہ آپ ایسی باتیں کہ جس سے مسلمانوں کو کالج کے خلاف جوش پیدا ہو اخبار میں لکھ دیں اور مجھ کو خبر تک نہ کریں اور پھر بھی گول گول لکھیں جس سے یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کیا آفت آئی۔ کیا قیامت برپا ہوئی۔ خیر اگر اسی کا نام آزادی یا خیر خواہی ہے تو یہ آپ کو مبارک رہے اور جو آپ کا دل چاہے کریں۔ انوار احمد اور علی محمد کہاں ہیں۔

محسن الملک ۱۵ر جنوری ۱۹۰۶ء

بنام نواب سید علی حسن

(۱۰)

جناب من!

والا نامہ مورخہ ۱۸ راگست پہنچا۔ ممنون فرمایا۔ یہ تجویز آپ کی نہایت مناسب ہے کہ ہز آنر[1] کے نام سے وظیفہ موسوم کیا جائے مگر ہز آنر کو اس وقت اطلاع دی جاوے گی جبکہ اس کا سرمایہ مستقل کالج میں جمع ہو جاوے گا۔

اس لئے کہ جو وظیفہ ہز آنر کے نام پر ہو وہ دوامی ہو اور دوامی کا اعلان کالج اسی وقت کر سکتا ہے جبکہ مستقل سرمایہ اس کے سپرد کر دیا جائے اور یہ قاعدہ کی بات ہے آپ بھی خود اس کو پہلے سے سمجھتے ہوں گے۔ والسلام!

محسن الملک

از آنریری سیکرٹریز آفس ایم۔ اے۔ او کالج ۲۲ راگست ۱۹۰۶ء

بنام نواب سید علی حسن

(۱۱)

بعالی خدمت جناب مخدوم بندہ صفی الدولہ حسام الملک نواب علی حسن خاں صاحب زاد العطائکم!

تسلیم! میں عربی تعلیم کے متعلق نقل چٹھی کی جو گورنمنٹ کی طرف سے آئی تھی بذریعہ عریضہ مورخہ ۲۰ رمارچ کے آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ اس کے بعد میں ہز آنر سے بمقام لکھنؤ ملا۔ ہز آنر نے زبانی ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے عربی کے وظیفہ کے لئے چندہ دینے کا وعدہ کر لیا ہے جب تک وہ بقدر اس آمدنی کے فنڈ جمع نہ کریں اور کالج کے ہاتھ میں اس کی آمدنی نہ آ جائے یا کالج پورے طور پر اس آمدنی کے دوامی ہونے پر اطمینان نہ کر لے ہم گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت میں دوبارہ عربی کی سکیم کی منظوری اور عربی کے پروفیسر کی تنخواہ دینے کے لئے سفارش نہیں کر سکتے۔ اگر چندہ کا وعدہ کرنے والے اس کا انتظام نہ کر دیں گے تو ان کا وعدہ سالانہ چندہ دینے کا قابلِ اطمینان نہ سمجھا جائے گا نہ ان کا چندہ دوامی خیال کیا جائے گا نہ گورنمنٹ اس پر بھروسا کرے گی اور نہ اس کی بنا پر گورنمنٹ آف انڈیا اس اسکیم کو منظور کرے گی۔

چونکہ ہز آنر اخیر جولائی میں علی گڑھ تشریف لانے والے ہیں اور اس وقت حضور ممدوح قطعی فیصلہ اس کا فرمائیں گے اس لئے آپ ۲۵ رجولائی ۱۹۰۵ء تک اپنے موعودہ چندہ کی آمدنی کے بقدر یا روپیہ نقد بھیج دیں یا کالج میں بقدر اس آمدنی کے کرے بنانے کا خرچ بھیج دیں یا کوئی دوسرا ایسا انتظام کر دیں جس سے آپ کے موعودہ وظیفہ کی آمدنی کالج کے ہاتھ میں آ جائے یا اس پر ایسا باضابطہ اطمینان ہو کہ وہ وظیفہ مستقل اور دوامی سمجھا جائے۔

چونکہ یہ معاملہ گورنمنٹ آف انڈیا تک باضابطہ جا چکا ہے اور ہز آنر نے خود اپنے جواب میں جو ٹرسٹیوں کے اڈریس کا ۲۳ رجولائی سنہ گذشتہ[2] کو دیا تھا آپ کا نام نامی اور موعود چندہ تحریر فرما کر مشتہر کر دیا ہے اس لئے اگر اس چندہ کے دوامی ہونے کے لئے آپ نے فنڈ کا انتظام نہ کر دیا اور آپ کا نام نامی فہرست میں چندہ کی قائم نہ رہا تو یہ امر آپ کی شان اور درجے سے بعید ہوگا اور پبلک پر بھی اس کا اثر اچھا نہ پڑے گا اور یہ تو یقینی بات ہے کہ عربی کی مجوزہ اسکیم ہمیشہ کے لئے خارج اور نامنظور ہو جائے گی۔

---

[1] یعنی یو۔ پی کا لفٹیننٹ گورنر

[2] جولائی ۱۹۰۴ء

۹

یہ آخری عریضہ ہے جو آپ کی خدمت میں اس معاملہ کے متعلق لکھا جاتا ہے۔ براہ مہربانی اس کا جواب بذریعہ رجسٹری شدہ خط کے جلد دیجئے۔ تاکہ ہز آنر کے روبرو جبکہ جناب ممدوح آخیر جولائی میں یہاں تشریف لائیں گے پیش کر دیا جائے۔ کیونکہ ہز آنر جب یہاں تشریف لائیں گے اس معاملہ کو قطعی فیصل فرمائیں گے اور یہ آپ یقین کر لیں کہ سالانہ چندہ دینے کے وعدہ کو بغیر اس کے کہ فنڈ کا انتظام کیا جائے ہز آنر مثل انکار کے سمجھیں گے۔ فقط!

محسن الملک علی گڈھ ۲۹ مئی ۱۹۰۵ء

بنام مولوی نظام الدین حسن

(۱۲)

جناب مخدوم ومکرم بندہ مولوی نظام الدین حسن صاحب!

تسلیم۔ مصطفےٰ حسین کے خط سے معلوم ہوا کہ بھوپال میں ان کو کامیابی ہوئی اور کانفرنس کے لئے چندہ بھی ملا اور امید ہے کہ ہر ہائنس علیا جناب بیگم صاحبہ بھی مدد کریں گی اور آپ کے واپس آنے پر اوس کا اعلان ہونے والا تھا چونکہ اب آپ تشریف لے آئے ہیں اس لئے میں یہ عریضہ لکھتا ہوں کہ آپ براہ مہربانی حضور عالیہ سے ایک معقول رقم دلوا دیجئے اور چونکہ آپ ہمیشہ خود مدد کیا کرتے ہیں اور آپ ہی کی مہربانی سے ہر ہائنس نے بارہ سو روپیہ تعلیم نسواں کے لئے مقرر کر دیا ہے اس لئے مجھے آپ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر مجھے کانفرنس کی حالت نے اس قدر لکھنے پر مجبور کیا ہے۔ کانفرنس بالفعل قرضدار ہے اور بمبئی اور لکھنؤ کی لوکل کمیٹیوں نے کچھ روپیہ نہیں دیا اور راب کی جو ایجنٹ کانفرنس کے لئے بھیجے گئے تھے اون کو بھی کچھ نہیں ملا۔ میں بمبئی اور مدراس سے کانفرنس کے لئے کچھ چندہ جمع کرنے کی غرض سے علی گڈھ سے نکلا تھا مگر یہاں آکر بیمار ہو گیا اور بیمار بھی ایسا سخت کہ کچھ کام نہیں کر سکتا۔ دو ہفتہ سے تو میں کمرہ سے باہر نہیں نکلا۔ جب چلنا پھرتا نہ ہو تو چندہ کیونکر مل سکتا ہے اس لئے خاص ضرورت ہے کہ کہیں سے کوئی بڑی رقم کانفرنس کے لئے ملے۔ مجھے آپ سے بہت امید ہے اور پورا یقین ہے کہ آپ کی خاص کوشش سے ہر ہائنس معقول رقم عطا فرمائیں گی خصوصاً شادی کی مبارک تقریب پر۔ میں آپ کو ہرگز تکلیف نہ دیتا اگر کسی اور طرح پر کام نکلتا معلوم ہوتا۔

جو لڑکے ڈیپوٹیشن میں بنگلور گئے تھے اون کو بہت اچھی کامیابی ہوئی۔ چار ہزار روپیہ کا عام چندہ ہوا اور دو ہزار روپیہ گورنمنٹ میسور نے دیئے۔ کم سے کم اتنا تو آپ ہم کو اپنے یہاں سے دلوائیے۔

محسن الملک

بمبئی ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء

پشت پر تحریر ہے:

شامل مثل مدرستہ العلوم علی گڈھ　نظام الدین

غلام عباس

(۱۳)

بنام نواب افسر الدولہ بہادر

آنریری سیکرٹری آفس ایم۔ اے۔ او کالج
۴ جولائی علی گڈھ (غالباً سنہ ۱۹۰۶ء) } ریڈ انشا سپ سے چھپا ہے

جناب مخدوم مکرم بندہ نواب افسر الدولہ بہادر!

تسلیم۔ تعلیم نسواں کا ڈیپوٹیشن وہاں آتا ہے اگرچہ وہاں عموماً ایسے معاملات میں دلچسپی نہیں ہے مگر آپ کو اس ضروری اور مفید کام میں خاص توجہ ہے اس لئے آپ کے بھروسے پر یہ لوگ آتے ہیں مجھے امید ہے کہ آپ کی مہربانی اور کوشش سے ڈیپوٹیشن وہاں سے محروم نہ آئے گا اور آپ سے پوری امید ہے کہ جہاں تک آپ سے ہوگا آپ امداد سے دریغ نہ فرمائیں گے ہماری قوم کو تو ایسے کاموں سے نہ دلچسپی ہے نہ اس پر توجہ بلکہ نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ایسی قومی خدمت کرنے والوں کو بھیک مانگنے والوں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں لیکن خال خال مثل آپ کے ایسے روشن خیال مسلمان بھی موجود ہیں جو ایسے کاموں کی قدر کرتے ہیں اور ایسے قومی خدمت کرنے والوں کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

جناب نواب صاحب! اب میں دوسری قوموں کی حالت دیکھتا ہوں اور ان کی کوشش اور محنت اور ایسے ... جو اپنی ... پر نظر کرتا ہوں تو اپنی قوم کی حالت پر نہایت رنج ہوتا ہے اور اکثر یہ خیال آتا ہے کہ جس قوم پر خدا کا غضب ہوا اور جو دور ... گئی ہو اس کے لئے کوشش کرنا محض بے سود ہے۔ دل چاہتا ہے کہ جس خبط میں گرفتار ہوں اسے چھوڑ دوں اور غمخواری ... مشغولہ اپنے اوپر کیوں عائد کروں مگر عادت سے مجبور ہوں اس لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں مگر افسوس ہے کہ نہ مددگاری ... قوم کو ذرا توجہ ہوتی ہے۔ بہرحال السعی منی والاتمام من اللہ۔ شاید کچھ ہو جائے اور اس مردہ جسم میں قوم کے پھر کچھ جان آ جائے۔ زیادہ ...

محسن الملک[1]

---

(۱۴)

بنام مولوی بشیر الدین

۳۱ جولائی سنہ ۱۹۰۷ء بمبئی۔ واٹسن ہوٹل

مکرمی بشیر الدین صاحب!

آپ کا خط آیا جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کا ایک ایک لفظ صحیح ہے اور میں اس کی دل سے تصدیق کرتا ہوں ... طرف سے انہی الفاظ کو آپ کی نسبت لکھتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی اس کی تصدیق کریں گے کہ مجھے بھی آپ سے ... محبت ہے جیسی کہ آپ کو مجھ سے۔ باقی رہی خفگی اور غصہ کی باتیں، یہ تو ساز و نیاز ہیں جو آپ کے لئے مخصوص ہیں۔

---

[1] یہ خط کسی دوسرے شخص سے لکھوایا گیا ہے۔ محسن الملک نے اس پر صرف دستخط کئے ہیں۔ اس پر شروع میں تاریخ ہے مگر سنہ ... البتہ اسی کے ساتھ ایک انگریزی خط آفتاب احمد خان کا تھا جس پر سنہ ۱۹۰۶ء درج ہے اس لئے اسے بھی ۴ جولائی سنہ ۱۹۰۶ء کا سمجھا ہے۔
(ثقلین کاظمی)

آپ کو جو کامیابی انٹرنس کے امتحان میں ہوئی اس پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں[1]۔ یہ نتیجہ آپ کے اس حال کا ہے اور خدا نے چاہا تو روز بروز اس میں ترقی ہوگی۔ آپ بمبئی ضرور آئیے، یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو کیا ملے گا مگر میں کوشش ضرور کروں گا اور کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ اب تک جس طرح پر توکل پر کام ہوتے ہیں ویسے ہی یہ کام بھی کیجئے۔ آپ کی ملاقات کو خود دل چاہتا ہے اس لئے کہ یہاں تنہا پڑے پڑے طبیعت گھبرا گئی ہے۔ آپ کے یہاں آنے سے کچھ دن لطف سے گذر جائیں گے۔

محسن الملک

(۱۵)

جناب مخدوم و مکرم بندہ!

دو تین روز سے میں یہاں آیا ہوا ہوں اور متعلق ریفارم مجوزہ کے گورنمنٹ کے خاص خاص حاکموں سے گفتگو ہوئی ہے منشاء گورنمنٹ کا یہ ہے کہ جو تجویزیں اوس نے پیش کی ہیں اون پر کامل بحث اور کافی غور کیا جائے اور پبلک اپنی رائے آزادی کے ساتھ دے اور اس میں جو اصلاحیں معلوم ہوں اون کو پیش کرے۔ تاکہ بعد آجانے تمام رایوں کے گورنمنٹ اوس پر غور کر کے قطعی فیصلہ کرے۔ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک اور کام کرنے کا وقت ہے اور ان کو چاہیئے کہ گورنمنٹ کی منشاء کے موافق اوس کی تجویزوں کی نسبت اپنی رائے صاف صاف دیں اور متفق ہو کر متفقہ یادداشت پیش کریں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ذریعہ سے اس کام کا ہونا مناسب ہے اور جس طرح پر ڈیپوٹیشن کے وقت سب ہندوستان کے معزز مسلمانوں نے مل کر کام کیا تھا ویسا ہی اب ریفارم کے متعلق مل کر کام کرنا چاہیئے۔ کسی کسی خیال سے اختلاف کرنا اور اپنی طرف سے علیحدہ علیحدہ کارروائی کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اس لئے میں آپ کی توجہ اس طرف چاہتا ہوں کہ جو تحریریں نواب وقار الملک بہادر سیکرٹری مسلم لیگ کی طرف سے آپ کے پاس پہنچیں اون پر آپ غور کریں اور ایک جلسے میں اپنی تجویزیں بطور یادداشت کے تحریر کر کے ان کے پاس بھیج دیں۔ تاکہ بعد آجانے تمام رایوں کے پھر ایک یادداشت مرتب کی جائے اور کراچی میں جبکہ کانفرنس کا اجلاس ہوگا اوسی دنوں میں کوئی ایک دن اس کے تصفیہ کے لئے مقرر کیا جاوے اور جو آخری یادداشت گورنمنٹ میں بھیجنی قرار پاوے وہ وہاں مرتب کر لی جاوے۔ اس کام میں اگر ذرا غفلت یا تاخیر کی گئی یا کسی غلط خیال سے اختلاف کیا گیا اور مل کر کارروائی نہ کی گئی تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا نقصان مسلمانوں کو پہنچے گا کہ جس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔

دوسرا امر لائق گذارش یہ ہے کہ یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ بجائے اس کے کہ ایک بڑی مجلس کر کے شکریہ کا تار وائسرائے کے حضور میں بھیجا جاوے۔ مناسب یہ ہے کہ مختلف مقامات میں جلسے کئے جائیں اور مختلف انجمنوں کے ذریعے سے علیحدہ علیحدہ شکریہ کے تار وائسرائے کے حضور بھیجے جائیں۔ اس کا اثر بھی اچھا ہوگا اور پبلک اور گورنمنٹ کو مسلمانوں کی دلچسپی لینے کا یقین ہوگا۔ اس لئے میں آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ اس کا انتظام کریں اور نواب وقار الملک بہادر سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ اس کے متعلق آپ کو لکھیں گے۔ اس کام میں غفلت نہ کرنی چاہیئے۔ ایک مسودہ تار کا جو تحریر کیا گیا ہے

---

[1] بظاہر سکول کے طلبہ کی کامیابی کی طرف اشارہ ہے۔

آپ کے ملاحظہ کے لئے بھیجتا ہوں۔ جو تار شکریہ کا آپ کی طرف سے بھیجا جائے اس میں یہ تبدیل الفاظ اگر ایسا ہی مضمون ہو تو مناسب ہوگا۔

آپ نہ صرف اپنی انجمن کی طرف سے ہی تار بھیجا ہے بلکہ دیگر انجمنوں کی طرف سے بھی جن کو آپ جانتے ہوں۔ اگرچہ لکھنؤ کے راہ سے آیا تھا مگر رات کا وقت تھا اس لئے آپ کو اطلاع نہیں دی اور آپ کو آنے کی زحمت سے بچایا۔ میری طبیعت مکدر ہے شاید یہاں کی ہوا کچھ فائدہ دے۔[1] فقط

محسن الملک

(۱۶)

مخدوم و مکرم بندہ!

بعد سلام بیشمار کے التماس ہے کہ ڈاکٹر سید سراج الحسن کے متعلق میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ کرنل بار نے بہت عمدہ چٹھی لکھی ہے غالباً اب تک آپ کو اوس کی کیفیت معلوم ہوگئی ہوگی۔ بالفعل وہ دورہ پر ہیں جب آپ اون کے بلانے کی ضرورت سمجھیں مجھے اطلاع دیں۔

مجھے بعض دوستوں نے صلاح دی ہے کہ کالج کی مدد کے لئے حضور عالیہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ سے درخواست کی جائے کہ وہ ڈیپوٹیشن آنے کی اور کالج کے حالات سننے کی اجازت دیں اور کچھ مدد فرمائیں۔ اگر ہر ہائنس اجازت دیں تو میں خود اس ڈیپوٹیشن میں شریک ہوں گا مگر میں بغیر آپ کی صلاح کے ایسی جرأت نہیں کر سکتا اس لئے میں آپ سے پرائیویٹ طور پر پوچھتا ہوں کہ ایسی درخواست کرنا مناسب ہے یا نہیں۔ اس وقت کالج کی طرف ہز اکسیلنسی لارڈ کرزن اور تمام حکام کی نہایت توجہ ہے۔ اگر حضور عالیہ اپنے قومی کالج پر توجہ کریں تو نہایت ناموری ہوگی اور حضور عالیہ کی عالی دماغی کا ثبوت ہوگا۔

آپ سے بہتر کوئی شخص جان سکتا ہے کہ اس سے کیسے آئندہ فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ قوم میں ناموری اور شہرت اور پبلک کے دلوں میں کی محبت اور عزت انہی باتوں سے پیدا ہوتی ہے اور گورنمنٹ پر جو ایسی باتوں سے اثر ہوتا ہے وہ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں۔ بالفعل اگر زیادہ امداد عطا کرنے کا موقع نہ ہو تو عربی کی تعلیم کے لئے شاہانہ مدد حضور عالیہ اچھی طرح فرما سکتی ہیں۔ ہمارا کالج اگرچہ مسلمانی کالج ہے مگر افسوس ہے کہ عربی کی تعلیم اچھی نہیں ہوتی۔ اس کے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کے عالم درکار ہیں اور پڑھنے والوں کے لئے وظیفے دینے کی ضرورت ہے۔ اس صیغہ کے اچھی طرح پر چلانے کے لئے بالفعل ساڑھے سات سو روپیہ ماہوار درکار ہیں اگر اس میں کا نصف حصہ یا جس قدر مناسب ہو حضور عالیہ عطا فرمائیں تو اون کے نام سے عربی ڈیپارٹمنٹ قائم ہو سکتا ہے۔ بہرحال میں اس وقت خانگی طور پر آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ڈیپوٹیشن کے آنے کی درخواست کی جائے یا نہیں۔ آپ خانگی طور پر اس کا جواب دیں۔[2]

محسن الملک۔ علی گڑھ۔

---

[1] اس مکتوب میں جن اصلاحات کا ذکر ہے وہ منٹو مارلے کی اصلاحات تھیں جو اس زمانے میں حکومت کے زیر غور تھیں۔ ڈیپوٹیشن سے مراد وہ ڈیپوٹیشن ہے جو سر آغا خاں کی سرکردگی میں لارڈ منٹو کے پاس پیش ہوا تھا اور اس نے دوسرے معاملات کے علاوہ مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا۔

[2] یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ خط کس کے نام ہے لیکن ظاہر ہے کہ حضور عالیہ سے علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال مراد ہیں۔ اغلب ہے یہ خط نواب سید علی حسن خاں (صفی الدولہ حسام الملک) کو لکھا گیا ہو۔

(۱۷)

بنام بشیر الدین

مکرمی بشیر الدین صاحب!

آپ نے کانفرنس گزٹ میں مناسب شکایت اسکول سیکشن کی کی ہے اور اسٹینڈنگ کمیٹی کو خوب ڈرایا ہے مگر مجھ سے نہ آپ نے زبانی اس کی نسبت کچھ کہا نہ کسی کو کہا اب تک معلوم نہیں کیا معاملہ ہے اور کیا شکایت ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ کم سے خود گلہ کیا جاوے اور کمیٹی کو اطلاع نہ دی جائے اور آئندہ کے لئے ڈرایا جائے۔ کانفرنس گزٹ اب کیوں جاری ہے۔ یکم اگست سے تو سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی نے آپ کے سامنے اس کے موقوف کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ افسوس کہ اس وقت کسی کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ آئندہ تنخواہیں عملہ کی دی جاسکیں۔ دہلی کی کانفرنس نے اوّل اور بعد آپ کی تاخیر نے فوراً اس کے بارے ہیں۔ ... نقصان پہنچایا بلکہ کہنا چاہئے کہ کانفرنس کا خاتمہ کر دیا۔ بہار سے خبر آئی ہے کہ وہاں اب کے کوئی ایک بھی کانفرنس کی ممبری پر راضی نہیں ہوتا اور پانچ روپے دینا نہیں چاہتا۔ فقط!

مہدی (محسن الملک)

---

(۱۸)

بنام وقار الملک

مخدوم بندہ!

اب کے میل[1] میں کسی کا خط بھی نہیں آیا نہ تار یہاں تک کہ[2] ــــــ صاحب کا بھی نہیں۔ فرمیوں جی صاحب[3] نے تو شاید کمال احتیاط کی وجہ سے خط لکھنا ہی چھوڑ دیا۔ خدا کرے کہ وہ زیادہ محتاط نہ ہو جاویں۔

آپ تو تاروں کا جواب اس قدر دیر سے دیتے ہیں اور ایسا مجمل کہ طبیعت کو کوفت ہوتی ہے۔ کیا اب وہاں دوبارہ[4] صاحب سے مشورہ کر کے جواب دیتے ہیں یا تار دیر کر کے پہنچتا ہے یا کیا بات ہے کہ اتنی دیر ہوتی ہے اور جواب بھی تسلی بخش نہیں ہوتا پرسوں جو تار دیا ہے اس کے جواب کا انتظار ہے۔ اگر آپ نے تمام تفصیلات پر مطلع ہونے کے بعد رائے اور حکم دینے کو زیادہ مناسب جانا تو کام کا ہونا زیادہ مشکل ہے مگر غالباً اب میرے اخیر کے تار پر ضرور قطعی حکم بھجوا دیں گے۔

یہاں کے کام اب بند ہو گئے ہیں۔ لوگ باہر چلے، اکتوبر نومبر تک کچھ کام نہ ہوگا اگر آپ کا جواب خاطر خواہ آ گیا تو شاید نہیدی انتظام کچھ ہو جاوے ورنہ اس کی بھی اُمید نہیں اور میں ہم راکتوبر کے بعد رہنا نہیں چاہتا اس لئے کہ سردی میں میرا مزاج ضرور بگڑ جائے گا اس لئے اگر کام ختم نہ ہوا اور رہنا پڑا تو مناسب ہوگا کہ اب بھی واپس آنے کی اجازت دیں اور مہدی حسن کو رہنے کے لئے لکھ بھیجیں۔ اس لئے کہ نومبر سے پہلے کام شروع نہ ہوگا اور تمام موسم سرما میں یہاں رہنا پڑے گا اور یہ تو ظاہر ہے کہ مجھ سے اس کی برداشت نہ ہو سکے گی۔ اخبارات میں شملہ کا حال دیکھ کر مناسب خوشی ہوئی۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے کامیاب کیا اور سرکار عالی میں عزت اور نیک نامی کے ساتھ واپس آئے ہم غریبوں نے بھی کچھ انتظام کیا ہے اس کے بھی کچھ نتیجے ظاہر ہوں گے۔

مہدی (محسن الملک)

---

[1] ایسا آدھا لفظ پڑھا نہیں گیا۔ [2] ظاہر ہے کہ خط ولایت سے لکھا گیا۔ [3] نام درج نہیں [4] صاحب بعد ازاں سر فرید الملک بن گئے تھے۔ نام درج نہیں [5] سرکار سے بظاہر اشارہ حضور نظام کی طرف ہے

بنام منشی منصب علی خاں

(۱۹)

جناب مخدوم و مکرم بندہ منشی منصب علی صاحب!

تسلیم ؛ شدم تے زگفت پشتو باقر روندار اے بے نصیب گوئم واے بے نوا بیم

میں نے جو عریضہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اوس کے جواب سے اب تک محروم ہوں ۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ ملال یا رنج ہو گا مگر جو لوگ بھوپال سے آئے اون کی باتوں سے یہ خیال تو جاتا رہا اس لئے کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ کی مہربانی ویسی ہی ہے اور جو عمدہ خیالات آپ کے تھے اون میں کچھ فرق [۲] نہیں آیا ۔ مجھے افسوس ہے کہ ظفر عمر سے وہ امید پوری نہ ہوئی جو اور آپ کے ساتھ مخلصانہ تعلقات رکھنے کے لئے جو کچھ میں نے نصیحتیں اون کو کی تھیں میں نے اون کو ہمیشہ حالی خط میں لکھا اور اب زبانی بھی بہت کچھ کہا ہے ۔ اگر نوجوانی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے کچھ غلطیاں اون سے ہوئی ہوں تو آپ معاف کیجئے اور پھر اون کو ایک موقع آپ کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرنے کا دیجئے ۔ مگر آپ یقین کیجئے کہ میں بھوپال میں صرف آپ ہی کا ہوں اور ہمیشہ آپ ہی کو اپنا دوست اور مددگار سمجھتا رہوں گا اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ آپ کے خیالات بھی بری نسبت عمدہ ہیں ۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ مجھے کوئی ذاتی غرض نہیں ہے البتہ کالج کے لئے ہمیشہ تکلیف دینے کی ضرورت رہی ہے اور رہے گی اور اوس کے لئے سب سے بڑی امید آپ سے ہے اور الحمد للہ کہ آپ ویسی ہی اب تک مدد دیتے رہے ہیں اور اب تک دیتے رہتے ہیں

میں دو قطعہ اپیل مطبوعہ کے آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں اون کے دیکھنے سے آپ کو موجودہ ضرورت کی معلوم ہوگی ۔ یہ موقع آپ کے خاص مدد کرنے کا ہے ۔ اب تک جو توجہ ہز ہائنس[1] نے کالج کی نسبت ظاہر فرمائی ہے اوس کا شکریہ نہیں ہو سکتا ۔ مگر اس وقت تک کوئی سالانہ گرانٹ خاص کالج کے لئے ریاست سے مقرر نہیں ہوئی ۔ اگرچہ سو روپیہ ماہوار کا کے لئے جو دی جاتی ہے وہ بھی علی گڑھ ہی کے مقاصد کے لئے ہے ۔ اگر اس وقت سائنس کی تعلیم کے لئے ریاست سے ماہانہ گرانٹ مقرر ہو جائے تو عزت [۳] رہ جائے ورنہ یادگار کا قائم ہونا مشکل ہے اور اگر مدد نہ ملنے کی وجہ سے نہ ہوئی تو پھر ایسا موقع ہاتھ نہ آئے گا اور ہمیشہ کے لئے شرم اور ذلت نصیب ہوگی ۔

اگر آپ مناسب سمجھیں اور ہز ہائنس پسند فرمائیں تو میں خود حاضر ہونے کے لئے آمادہ ہوں ۔

چونکہ وقت بہت کم ہے براہ عنایت اس عریضے کا جواب جلد عنایت فرمائیے[2] ۔

محسن الملک

---

[1] ہز ہائنس سے اشارہ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کی طرف ہے ۔

[2] یہ مکتوب ڈاکٹر مختار الدین احمد کا عطیہ ہے ۔

(۲۰)

بنام مولوی بشیرالدین

مکرمی مولوی بشیرالدین صاحب!

آج آپ کا خط آیا۔ اگر یہی کیفیت پہلے لکھ بھیجتے تو نہ مجھے انتظار کی تکلیف ہوتی نہ تم کو میری تحریروں سے رنج ہوتا۔ بہرحال آئندہ آپ حساب دے دیا کریں اور جو کیفیت ہو وہ لکھ بھیجا کریں۔

متعلق رپورٹ کے آپ ایک مضمون البشیر کانفرنس گزٹ میں چھاپ دیجئے اور جو معذرت کرنی ہو وہ معذرت کیجئے تاکہ لوگوں کو تاخیر کا سبب تو معلوم ہو جائے۔ علاوہ ازیں پنجاب کے اکثر مسلمان بہت شاکی ہیں ان کی شکایت دور نہ ہو مگر کسی قدر کم تو ہو جائے۔

رپورٹ کا مسودہ جس قدر تیار ہو گیا ہو اس کو آپ میرے پاس بھیجے جائیں۔ فقط والسلام!

محسن الملک ۵ جون

(۲۱)

بنام مولوی بشیرالدین

مکرمی مولوی بشیرالدین صاحب!

تم سوتے ہو یا جاگتے۔ زندہ ہو یا دنیا سے چل بسے۔ تمہاری طرف سے کوئی صدا سننے میں نہیں آتی اور کانفرنس کے متعلق تمہاری کوشش کی کوئی نشانی معلوم نہیں ہوتی۔ اب تک کانفرنس کے لئے کہیں سے دعوت نہیں آئی۔ کیا تم کانپور میں امسال کانفرنس قائم کرنے کے لئے کچھ کوشش نہیں کر سکتے؟ ذرا ہمت کرو۔ کانپور جاؤ وہاں کے لوگوں سے ملو اور اگر ممکن ہو تو امسال وہاں کانفرنس قائم کرنے کا بندوبست کرو۔ اخوان الصفا کے بعض ممبر گو غریب ہیں مگر ایسے کام کے لئے مستعد معلوم ہوتے ہیں۔

اگر وہاں سے ناامیدی ہو تو جیسا تم کہا کرتے ہو اٹاوہ میں تجویز کرو، گو میرے نزدیک اٹاوہ اس کے لائق نہیں ہے۔ خود اٹاوہ میں تو صرف بے کم مسلمان ایسے ہیں جو معمولی کا چندہ بھی دے سکیں لیکن ہندوؤں سے کچھ ملنے کی امید ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کانفرنس کے لئے مشن ہائی اسکول جو ان دنوں خالی ہو گا مل جائے۔ غالباً ہیڈ ماسٹر صاحب اس کام کیلئے مدرسہ کی اجازت دے دیں اور ایسی حالت میں جلسہ کیلئے کسی ہال بنا لینے اور خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اور مہمانوں کیلئے میں اپنی کوٹھی خالی کر دوں گا اور کچھ خیمہ کرایہ پر کانپور سے منگوا لئے جائیں گے مگر ممبر کہاں سے آئیں گے۔ اٹاوہ اور اس کے گرد و نواح کے اضلاع ایسے نہیں ہیں کہ جہاں سے چندہ دینے والے ممبروں کے آنے کی امید ہو اور نیز سواری اور گاڑیوں کی بھی مشکل ہوگی اور وہاں کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جس کا شوق لوگوں کو وہاں آنے پر آمادہ کرے مگر چونکہ آپ کا مدت سے یہ خیال تھا اس لئے میں نے اسے بھی ظاہر کر دیا۔ آپ یہ خط جناب صاحبزادہ روح اللہ خان صاحب کو دکھلا دیجئے اور جو رائے قرار پائے اس سے اطلاع دیجئے۔

میرے دوست محمد حسین صاحب ضلعدار کا ایک خط میرے نام عبدالصمد صاحب طالب علم کے متعلق آیا تھا مجھے افسوس ہے کہ جواب بھیجنے میں دیر ہوئی۔ عـہ روپیہ میں بھی چندہ میں بھیج دوں گا۔ آپ ان کو مطلع فرما دیجئے۔ فقط!

محسن الملک بمبئی ۶ ستمبر

بنام مولوی بشیرالدین

(۲۲)

مکرمی بشیرالدین صاحب

اودوں کے لئے آپ سرد مہر جاؤ اور اب دل کا غصہ مجھ پر دل کھول کر نکال جاؤ مگر میرا حال بھی کچھ سن لو۔ با
رام پور کی کانفرنس میں چند امور ضروری کے لئے صلاح لینے کے واسطے بلاتا ہوں۔ انشاء اللہ آپ یہاں سے ناخوش نہ جائیں

اے ما بہ بیا بخانۂ ما — بیگانہ مشو بیگانۂ ما
رسم کسوی زحساب بیدار — گرگرش کبی فسانۂ ما

محسن الملک۔ علی گڑھ ۹ دسمبر

بنام مولوی بشیرالدین

(۲۳)

مکرمی!

میں انتظار کرتے کرتے آج لونا روانہ ہوا اور آپ نے رپورٹ نہ بھیجی۔ ابتدا میں طاعون اور بیماری وغیرہ کا
ہوں کہ اخیر کو سوائے بے توجہی اور بے پروائی کے یا کثرت اشغال کے، دوسرا کوئی عذر باری رپورٹ کے لئے نہ
میرا تو منہ کالا ہو گیا۔ اوّل دلّی کی کانفرنس کی وجہ سے دوسرے آپ کی وجہ سے۔ آٹھ ماہ تک سارے کاموں
رپورٹ کا تیار نہ ہونا ایک ایسا امر ہے کہ اس کے لئے بجز کوئی عذر نہ سُنے گی۔ آپ کو یہ بھی خیال نہ ہوا
یعنی سنٹرل کمیٹی کے روبرو آپ کہہ گئے کہ جولائی کے اخیر تک ضرور رپورٹ بھیج دوں گا اور آپ نے اپنے ا
تک نہ رکھا۔ علاوہ اس کے آپ نے اپنے اخبار میں باوجود میری متواتر تاکیدوں کے کوئی معذرت بھی نہ چھاپی۔
ہو کر، عاجز ہو کر میں نے ایک مختصر مضمون علی گڑھ گزٹ میں دے دیا ہے اور اپنی ندامت اور ذلت کا اعتراف
ہے کہ یہ کام آپ کے سپرد تھا آپ اس کی وجہ پبلک کو بتا دیں گے۔ میں کل صبح پونا جاتا ہوں اور غالباً ۱۵ اکتو
نہ ہوں گا۔ اس وقت تک رپورٹ نہ دیکھ سکتا ہوں اور نہ درست کر سکتا ہوں۔ پھر دسمبر قریب ہو جاوے گا۔
دسمبر تک چھپ سکے اس لئے غالباً کانفرنس دہلی کی رپورٹ نہ چھپ سکے گی نہ شائع ہو سکے گی۔ چونکہ آپ مجھ سے
اور ان باتوں کے خیال کرنے والے ہیں آپ سے کیا شکایت کروں۔ مگر آخر یہ بات ثابت ہو گی کہ ہم اور آپ
ہم پر خدا کا قہر ہے اور ہم اس کے مستوجب ہیں۔ مگر درحقیقت مجھ کو سخت رنج اور افسوس ہے اور مارے شرمندگی
ایک شخص کو بھی نہ خط لکھا نہ ممبر ہونے کی درخواست کی۔ آخر شرم بھی کوئی چیز ہے۔ میں کس منہ سے اب لوگوں سے
کروں اور کس طرح اپنی روسیاہی دور کروں۔ اپنی مہربانی سے افسار احمد کو بھی آپ نے روک لیا اور جو کچھ
نہ کرنے دیا۔

محسن الملک

نواب وقار الملک

(یہ نواب وقار الملک مرحوم و مغفور کے مکاتیب کا مجموعہ ہے جن میں سے کاتب کے نام کی جگہ بعض مقامات
پر نام اور خطاب دونوں درج ہیں بعض میں صرف نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے یعنی مشتاق حسین۔ پہلی عرضداشت
فارسی میں ہے۔ بعد کے تمام مکاتیب اُردو میں ہیں۔ جو تشریحات ضروری تھیں وہ ہر مکتوب کے ساتھ حواشی
میں درج کر دی گئی ہیں اور مکاتیب بہ ترتیب اہم کے اعتبار سے نہیں بلکہ تاریخوں کے لحاظ سے ترتیب دیے گئے ہیں)

---

(۱)

بخدمت سرآسمان جاہ مدار المہام

بعرضِ عالی می‌رساند

از ارشادِ عالی مطلع و مشرف شدم و حسب الایما بہ سر و چشم مثل کار ذاتی و خانگی تعمیل خواہد شد انشاء اللہ العزیز۔
چند کاغذات قابلِ اطلاعِ سرکار بودہ اند وقتیکہ ارشاد شود حاضر شوم۔ این کاغذات ضروری نبودہ اند کہ ہرج دیگر کارہائے ضروری کردہ شود
تاہم بغیر از ملاحظہ سرکار اطمینان صحیح و تصفیہ ہم نخواہد شد۔
منجملہ این کاغذات روبکارے بودہ است کہ از محکمہ سرکار وارد شد: اسے وہ برآں الزام دروغ بیانی بر محکمہ صدر المہام عدالت
عائد کردہ اند گویا مرا دروغ گو گفتہ اند۔ این روبکار مرا ہم لازم می‌کند کہ از ین قسم معتمدی استعفا پیش کنم۔ لاکن چونکہ بر حقیقت اسلام ایمان و بر مروت خود
بفضل دارم ہیچ گاہ براین امر ہم باطمینان تمام یقین کی جازم کہ بامسودہ این روبکار از نظر انور نہ گذشتہ است یا سرکار بروقت دستخط بر مطالب مندرجہ
آن توجہ نفرمودہ اند و از اخلاق حمیدہ سرکار کہ یک جہان معترف و گرویدہ آن است ہرگز یقین نمی‌شود کہ سرکار یکے را بر خدمت معتمدی ہم دارند
و باز این قسم شبہات ہم بہ نسبت آن فرمایند لہذا بجرأت عرض می‌کنم و معافی آن می‌خواہم کہ من این روبکار را از آنجا نبازیچۂ اطفال در دلِ خود حساب
سادہ ام و ہیچ پروائے آن نکردہ ام مگر ہمین قدر کہ بہ سرکار اطلاع نمایم و بس زیادہ حد آداب

عرضی

فدوی مشتاق حسین

مورخہ ہفتم رمضان ۱۲۹۴ھ (۱۵ ستمبر ۱۸۷۷ء)

بنام مولوی تحسین عطاء اللہ خاں

(۲)

جناب مخدومی و مکرمی،

تسلیم! سرکار نے ارشاد فرمایا ہے کہ نواب نادر جنگ بہادر کے زمانۂ مددگاری کو زوالی بلدہ کے تنخواہ کی مثل کی جاوے۔[1] والتسلیم —

خاکسار

وقار الملک ۱۱ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ

بنام سر سید احمد خاں

(۳)

جناب قبلہ و کعبہ ام سلامت

تسلیم! آپ کا ارشاد تو مثل حکم کے ہے جس کے بعد سکوت کے سوا اس قسم کے معاملات میں کچھ چارہ نہیں مگر جو ارشاد ہوئی میں اور آپ کی اجازت سے اس قدر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ ممبروں میں سے بھی بہت سے ممبر اس جلسے شاید دو بارہ شرکت کی تکلیف نہ کریں اور جن ہمارے غیر ممبروں نے غلط رپورٹ چھپی ہے ان کو تو مطبوعہ رپورٹ سے تعلق رہے گا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پائونیر اخبار انگریزی پڑھنے والوں کے لئے تو اردو مطبوعہ رپورٹ اور اس طرح ہمارا فیصلہ لوگوں کا خیال اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ کسی بیوقوف مسلمان سے اس بات کی بھی کانفرنس کو چاہیے کہ وہ اپنے موجودہ مسلمان ماسٹروں کے ذریعے سے مذہبی تعلیم بھی کرادے۔

مگر میں اور یہ عرض کر چکا کہ اگر آپ کی رائے سوسائٹی کے اخبار میں جو اردو و انگریزی دونوں کا اخبار ہے تو مجھ کو اس پر کوئی اصرار نہیں ہے لیکن اس حالت میں اب آپ کو آزاد سمجھوں گا کہ اگر کوئی موقع مجھے ملے تو میں اپنے اور شائع کرنے کی کوئی مناسب کارروائی کر سکوں اور راوی کے ساتھ وہ دوسری اصلاح بھی ہو گی۔ گو کہ یہ میں قطعی طور پر نہیں مگر شاید کبھی کروں۔ والتسلیم[2]

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۱۵ / مارچ

بنام نواب سید علی حسن صاحب

(۴)

جناب نواب صاحب معلی القاب نواب معتمد الدولہ حسام الملک مولوی سید علی حسن خان

تسلیم! اس عریضہ کے ساتھ میں ایک مطبوعہ خط بر سوم ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ مرسل خدمت کر کے متعرف کرتا ہوں اس سے جناب عالی کو معلوم ہو گا کہ کمیٹی ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم میں قانون ٹرسٹیان کی ترمیم کا مسئلہ زیر غور ہوتی ہے جس کے سیکرٹری ہونے کی عزت احقر کو بخشی گئی ہے۔ سلیکٹ کمیٹی نے یہ بھی تجویز کی ہے کہ ان ممبر اکابر میں مدد لی جاوے جو کہ ٹرسٹی ہونے سے گو کمیٹی ٹرسٹیز کو عزت حاصل نہیں ہوتی ہے لیکن جن کی توجہ ہمیشہ اس

---

[1] یہ چٹھی نواب وقار الملک کی لکھی ہے جہاں دونوں معتمد تھے۔ مرا ریاست مراد مدارالمہام وقت میں نادر جنگ افسر الملک کے بیٹے تھے کو لکھی گئی ہے جو مددگار معتمد تھے۔ (اصل محفوظ در ذخیرہ تمکین کاظمی)

[2] اس خط کی نقل ڈاکٹر مختار الدین احمد نے ذخیرۂ امین زبیری لٹن لائبریری سے بھیجی ہے۔ نواب وقار الملک نے کانفرنس کے اجلاس ۱۸۹۶ء

خصوصاً مسلمانوں کے تعلیمی مسئلہ کی طرف مبذول رہی ہے جیسے کہ جناب والا کی ذات ستودہ صفات . . . . میں نے ایک نسخہ موجودہ رولز و قواعد ٹرسٹیان کالج کا جناب عالی کی خدمت میں مرسل کیا ہے اور امید ہے کہ جناب عالی اپنا کچھ قیمتی وقت اس قومی کام میں بھی صرف فرما کر ٹرسٹیوں کو بلکہ قوم کو ممنون فرماویں گے۔ کوئی نیا مسودہ ابھی کسی ٹرسٹی کی طرف سے پیش نہیں ہوا ہے بلکہ تجویز ہے کہ موجودہ مجموعہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد بزرگانِ اہل الرائے جہاں جہاں ترمیم و توسیع کی ضرورت سمجھیں گے اس کی یادداشت سلیکٹ کمیٹی میں بھیج دیں گے اور ان ہی یادداشتوں وغیرہ کے لحاظ سے نیا مسودہ مرتب ہو۔ پس امید ہے کہ جناب بھی مہربانی فرما کر اپنی یادداشت عطف فرماویں گے۔ اگست تک اس یادداشت کا آجانا کافی ہوگا اور اگر اس سے قبل ہی عطف فرمائی جاسکے تو امر بھی موجب مسرت ہے۔
آخیر میں اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اور امید ہے کہ اس عریضہ قانون کی رسید سے بھی عزت بخشی جائے گی۔ والتسلیم
خاکسار مشتاق حسین از امروہہ ۱۶ جولائی ۱۸۹۹ء

سید علی حسن صاحب

(۵)

جناب نواب صاحب مخدومی و مخلصی نواب حسام الملک بہادر بسلامت

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ! مجھ کو اگرچہ جناب سے شرفِ ملاقات حاصل نہیں ہوا۔ لیکن ذکرِ خیر اکثر اوقات سنتا رہا ہوں اور خصوصاً جناب مولوی حافظ سید احمد رضا خان صاحب سے بہت کچھ جناب کے متعلق سنا ہے اور شکر کیا ہے کہ قوم میں ابھی ایسے افراد موجود ہیں۔ میں گذشتہ چند مہینہ میں علیل تھا اور اس لئے جن کاغذات کو مجھے دو مہینہ پہلے پڑھنا اور دیکھنا چاہئے تھا ان کی نوبت اب آئی ہے اور آج شام ابھی میں نے جناب کا مضمون عرب کی تصنیفات اور یورپ کی ناانصافی پر گذشتہ مئی کے معارف میں پڑھا ہے۔ جناب نے اس مضمون میں علیگڈھ کی کوششوں کے متعلق ظاہر فرمایا ہے میں اسے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر جو وہاں زیادہ عرصہ تک عمر بسر کرنے کی حالت میں مجھ کو حاصل ہوا ہے یہ عرض کر سکتا ہوں کہ وہ بالکل صحیح ہے اور اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ مذہبی تعلیم کی نسبت جو کچھ وہاں سے امداد ملتی تھی وہ محض برائے نام تھی۔ فی نفسہٖ کبھی یہ ارادہ نہیں کیا گیا تھا کہ طلباء اپنی دنیاوی تعلیم کی تکمیل کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی صحیح طریقہ سے حاصل کریں اور اسلامی اخلاق ان میں پیدا ہوں لیکن خیر وہ زمانہ گذر گیا ہے اور اب دیکھنا ہے کہ صاحبانِ حل و عقد زمانہ موجودہ و آئندہ اس میں کیا تغیر پیدا کرتے ہیں۔ اس وقت تک تو اب بھی وہاں جو کچھ کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے وہ صرف چند الفاظ سے زیادہ نہیں ہے۔ و لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

معارف کے اس مضمون میں جو کچھ کہ حضرت نے تحریر فرمایا ہے اس میں جان سخن یہ ہے کہ قوم اور علماء میں پھر قریب کا تعلق قائم ہو اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ مطلب فی زمانہ ندوۃ العلماء کے گروہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا جب کہ ندوہ کے ناظم صاحب اور نائب ناظم صاحب اور چند مشاہیر علماء ندوہ نے مہربانی سے امروہہ کو اپنی تشریف آوری سے عزت بخشی تھی اس وقت میں نے ان حضرات سے دریافت کیا تھا کہ آیا بھوپال میں بھی ندوہ کی طرف سے کوئی تحریک ہوئی ہے تو اس کے جواب سے میں اسی قدر نتیجہ نکال سکا کہ کوئی موثر تحریک نہیں ہوئی اور اب جناب کے ان تازہ اظہار خیالات کے لحاظ سے میرے نزدیک مناسب ہے کہ آئندہ جلسہ ندوہ کا بھوپال میں ہو بشرطیکہ اولاً جناب اور نواب مدار المہام صاحب بالتقابہ اس کو پسند فرمائیں اور پھر حضور عالیہ متعالیہ سے استمزاج کر کے منظور فرمائیں اور جس وقت کہ یہ ارادہ ہو اور منظوری ہو جائے تب جلسہ کے زمانہ اور اوقات کا تصفیہ خود جناب اور نواب مدار المہام صاحب

کی مرضی اور صوابدید پر منحصر ہوگا اور حضرات ندوہ یقیناً کمال تشکر و امتنان سے اس کو قبول کریں گے اور پھر یہ امر ن
کا جلسہ بھوپال میں وہ پہلا جلسہ ہوگا جس کی نسبت یہ صحیح طور پر کہا جا سکے گا کہ ندوہ اب تک ایک جسم تھا اور ا
ڈال دی ہے اور اس جسم بے جان میں جان کا ڈالنا ان کل کلیوں کو پھر درست اور سلسلے وار کر دے گا جس سے کہ ندوہ کو
سلسلہ علماء اور قوم کے ساتھ صرف برائے نام باقی رہ گیا ہے اور حضور عالیہ دامت اقبالہا اسی زمانہ میں ندوہ کا
ہونا منظور فرمائیں جو گویا تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی اور قوم کی مربی کسی ہوگی اور بلحاظ ان کی نظر اور عنایا
مراسم اور نوازشات کے جو حضور ممدوحہ کی ذات بابرکت کے ساتھ مختص ہیں، ندوہ کے پیٹرن کا عہدہ حضور ممدوحہ
موزوں سمجھا جاوے گا۔

حضور ملکہ معظمہ قیصر ہند کے زمانہ فرماں روائی ہندوستان میں حضور عالیہ متعالیہ ہی اس کی مستحق ہیں کہ
مسلمانان ہند کی مادر مشفقہ و معظمہ تسلیم کی جاویں۔ حضرت کے نام نامی کے ساتھ ڈائرکٹری تعلیمات کا انضمام و نگ
عہدہ کو افتخار حاصل ہوتا ہے۔ میں آج کی ڈاک سے چند کاغذات اردو انگریزی جناب کے ملاحظہ کی غرض سے
جن میں سے چار سال کی متواتر کوشش ہیں اپنے صوبجات متحدہ ممالک مغربی و شمالی و اودھ کے واسطے حاصل ک
ہے اب یہ بات خود اہل ملک کے ہاتھ میں آگئی ہے کہ وہ انگریزی سرکاری مدارس میں دینیات کی تعلیم کا انتظا
نہ کریں تو پھر ان کو خدا سمجھے۔

ندوہ کے جلسۂ بھوپال کی نسبت ایک احتیاطی کارروائی ہے جس کا ذکر میں نے اوپر پیش کیا تھ
متعلق یہ بھی عرض کر دینا کافی ہے کہ اگر مدار المہام اس کو پسند فرمالیں تو قبل اس کے کہ اس پسندیدگی ک
صاحب ریجنٹ گورنر جنرل سے کسی ملاقات کے موقع پر اس کا صرف زبانی تذکرہ کفایت کرے گا اور ایم
میرے ہی خیالات کا اظہار ہے حضرات ندوہ پر میں بھی اس کے بعد ہی پیش کروں گا۔ والسلام۔

خاکسار مشتاق حسین از امروہہ۔ ۲۷ر جولائی ۹۹ء

---

(۶)

بنام مولوی محمد بشیر الدین صاحب

عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: محبت نامہ نے مشکور کیا۔ آپ کی فرمائش اخبار میں مضامین
ہے۔ پہلے بھی آپ نے لکھا اور فی الحقیقت قطع نظر دیگر امور کے تمہارا اخبار ریل بھی میرا ہی اخبار ہے اور
اس میں میں کچھ لکھتا ہوتا لیکن طبیعت کچھ ایسی بجھی بجھی ہو گئی ہے کہ بہت ہی کم کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے
لکھنے کے لئے جو قابلیت درکار ہے وہ بھی میں اپنے میں نہیں دیکھتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنا کوئی دردِ دل
ہی لیتا ہے اسی طرح اگر کوئی موقع پیش آیا اور میں کچھ البشیر کے لئے کسی وقت لکھ سکا تو وہ خود میری مسرت کا با

---

[1] نواب سید علی حسن (صفی الدولہ حسام الملک) نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اصغر تھے۔ مدت تک محکمہ تعلیمات کے کما
اقامت اختیار کر لی تھی۔ وہیں وفات پائی۔

علی گڈھ میں سیکرٹری کو مدد دینے کی کیفیت یہ ہے کہ نواب محسن الملک بہادر وہ شخص ہیں جو ایسے ایسے دس کابجوں کا کام کر سکتے ہیں بشرطیکہ کام کی طرح اس کو کریں نہ کہ پالیسی کی طرح اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ پالیسی ہے نہ کہ کام۔ پریسیڈنٹ، آنریری سیکرٹری، اسسٹنٹ سیکرٹری، اسسٹنٹ سیکرٹری کا پورا عملہ موجود ہے اور پھر بھی کام کی پکار مچی ہوئی ہے اور لوگ مدد کے لئے تلاش کئے جاتے ہیں تو آخر اس کی کوئی وجہ بھی ہے اور یہی وجہ ہے وہ صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام تقررات سوائے ایک رجسٹرار کے کام کرنے کی غرض سے ہوئے ہی نہیں۔ میں مخالف تھا کہ سید محمود کی پریسیڈنسی سے بہت ہرج ہوگا لیکن پالیسی اسی کی مقتضی ہوئی۔ خود نواب محسن الملک بہادر نے اپنے تقرر کے وقت یہ بھی خیال نہیں کیا کہ پتا مار کر کام بھی کرنا پڑے گا انہوں نے کام کے لئے ایک رجسٹرار کو مقرر کر لیا اور سب بوجھ ان پر چھوڑ دیا جس کو اکثروں نے بہت افسوس کے ساتھ دیکھا۔ اسسٹنٹ سیکرٹری کا عہدہ سید محمد احمد کے ہاتھ میں کس قدر بے معنی عہدہ ہو رہا ہے۔ صاحب زادہ آفتاب احمد خاں کو اسسٹنٹ سیکرٹری بنانے کی تجویز پیش ہوئی اس وقت بھی محرک اور امیدوار عہدہ دونوں میں سے ہر ایک بخوبی جانتا تھا کہ آفتاب احمد خاں کو اپنی بیرسٹری کا کام بیٹھنے نہ دے گا بجز بالائی بالائی باتوں کے وہ کبھی کام کے اندر گھس کر کام انجام نہ دیں گے مگر پالیسی کی مقتضی تھی تو جہاں پالیسی کی گرم بازاری ہوگی وہاں کام کا بھی ستیاناس ہوگا۔ غضب خدا کا جس شخص نے ایک ریاست کی فنانس سیکرٹری کا عہدہ انجام دیا ہو وہ اور آج تک۔ کالج کا بجٹ نہ بنا سکے (رجسٹرار کے لئے دو دن سے زائد کا کام نہیں تھا) اور بابو صاحب جگر مرتی کی بجٹ بنا دیں تو بجٹ ہے اور نہیں تو نہیں۔ میری رائے یہ ہے اور پھر یہی نے با۔ ہاں نواب محسن الملک کو لکھا بھی ہے کہ ان اصول سے تو یہاں نہ بچے گی ایک تنخواہ دار اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر کرو جس کی تنخواہ اڑھائی سو تین سو روپیہ ہو تب کام چلے گا اور مجھ کو یقین ہے کہ اس تقرر کی گنجائش وہ بجٹ میں سے نکال سکیں گے اور جب وہ رجسٹراری کو کالج اسٹاف کے ہاتھ میں سے لے کر اس کی جگہ ایک اسسٹنٹ سیکرٹری تنخواہ دار مقرر کرنا چاہیں گے تمام ٹرسٹی اس کو شکر گزاری کے ساتھ قبول کریں گے اور کالج اسٹاف کا کام تعلیم دینے کا باقی رہے گا۔ میں تو رجسٹراری کا کالج اسٹاف کے ہاتھ میں ہونا ہر درجہ ناپسند کرتا ہوں مگر محض محسن الملک کو پالیسی مجبور کر رہی ہے ایمانداری کی بات یہ ہے کہ اگر میں سمجھوں کہ مجھ سے کام نہ ہو سکے گا تو مجھ کو وہ کام اختیار ہی نہ کرنا چاہئے۔

اب مجھ سے کہا جاتا ہے کہ میں تمام سیاہ و سفید کا مالک ہو کر کام میں ہاتھ ڈالوں جس کے بعد پھر شاید وہ کالج اسٹاف سے رجسٹراری کا لے لینا پسند کریں گے یا نہ کریں گے لیکن چونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں ان پالیسیوں کی بھول بھلیاں میں مبتلا ہو کر کسی کام بھی خوشی کے ساتھ نہ کر سکوں گا لہٰذا میں نے ہمیشہ اس سے معافی چاہی ہے اور معافی چاہوں گا۔

اور میں نے صاف صاف اپنے کام نہ کرنے کے وجوہ نواب محسن الملک بہادر کو لکھ کر بھیج دیئے ہیں اور اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ مبادا ایسے پرائیویٹ خطوں میں نواب محسن الملک بہادر ان وجوہ کا اظہار پسند کریں گے یا نہیں تو میں صاف صاف وہ وجوہ تم کو لکھ دیتا البتہ ایک عذر ان میں ایسا بھی ہے جس کو میں اس خط میں بھی ظاہر کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کھلے ہوئے ووٹ کے ذریعہ سے میں اپنے لئے کسی بادشاہت کو بھی پسند نہ کروں گا۔ ووٹ مخفی ہونا چاہئے تاکہ ہر شخص کی آزاد رائے معلوم ہو سکے اس کے بعد جو فیصلہ ہو وہ فیصلہ ہے اور جن کوششوں کے ساتھ آج کل ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں یا جس طرح جناب سید صاحب مرحوم مغفور نے سید محمود کے لئے ووٹ حاصل کئے اس پر تو بالکل رفتن بہ پائے مردی ہمسایہ در بہشت کی مثل صادق آتی ہے اور میں تو ایسے دوسرے صوبے کے ووٹوں کے ذریعہ سے اپنے لئے کسی چیز کے حاصل کرنے کو اپنی ذلت سمجھوں گا۔

گھر میں اور بچہ کو بہت بہت دعا کہنا۔ امید ہے کہ برخوردار شبیر احمد اپنی تعلیم میں ترقی کر رہے ہوں گے سلمہ اللہ تعالیٰ عزیزی

و احسان الحسن بہت بہت سلام عرض کرتے ہیں والسلام — خاکسار مشتاق حسین

اور یہاں سب خیریت ہے امید ہے کہ وہاں بھی سب اچھے ہوں گے۔

میں نے ایک ترمیم قانون میں گذشتہ سال بھی پیش کی تھی تاکہ یہ کھلے ہوئے ووٹوں کا سد باب ہو جس سے آنا دولی نے بہت

ہو رہی ہے اور دوسری ترمیم یہ تھی کہ جو ٹرسٹی اجلاس میں موجود نہیں ہوتے وہ بھی تبادلہ خیالات کے فوائد سے محروم نہ رہیں ایک

سال کا اجلاس پالیسیوں کا اجلاس تھا کام کرنے کا اجلاس نہیں تھا آئندہ سال میں پھر اس کو پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن لیا مولوی

کمروں جو قانون گذشتہ سال ترمیم ہوا تھا وہ اب تک کسی صورت میں ہاتھ ہی میں نہیں آیا جس سے دفعات کی ٹھیک ترتیب معلوم

ہوتی اور ترمیم آئندہ کے پیش کرنے والوں کو سہولت ہوتی مہینے ہو گئے جو نواب محسن الملک بہادر سے کسی قانون کا تقاضا کر رہا ہوں

لیکن صدائے برنخیزد۔ مسٹر بیک کو بھی ایک دفعہ میں نے اس کے واسطے لکھا اس بیچارے نے اتنا تو جواب دیا کہ یہ طبع ہو رہا

پھر معلوم نہ ہوا کہ کہاں زیر طبع تھا اور ٹرسٹ کے بعد کیا ہوا۔ مجھ سے نواب محسن الملک بہادر نے مکرر وعدہ کیا کہ میں بہت جلد ہونے والے

والے معاملے کی پوری کیفیت چھاپ کر ٹرسٹیوں کے پاس بھیجوں گا مگر آج تک انہوں نے اس وعدہ کو پورا نہ کیا اب ٹرسٹی کیا

کریں کیا کریں۔ سُنی سُنائی باتوں پر میں تو قلم اٹھا نہیں سکتا حتیٰ کہ خود نواب محسن الملک بہادر کے دستخط سے کسی واقعہ کے متعلق

حالات معلوم نہ ہوں اور رہا یہ کہ ٹرسٹیوں کو ملزم قرار دیتی ہے یہ ایک معاملہ سُنا کہ اگر باہمی طور پر طے نہ ہوا تھا تو سول

کے سامنے تصفیہ کے لئے پیش ہونا چاہئے تھا اور معاف کیجئے جس طریقہ سے کہ آپ نے اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے

اس کو طے کر دیا اس آسانی سے تو وہ طے نہیں ہو سکتا جس کا جو قصور ہو اس کو جب تک اس پر سزا یا تنبیہہ نہ ہو کچھ استقلال

نہیں رہ سکتا۔ یہاں ہم کو سیکرٹری صاحب نے ابھی یہ بھی نہیں بتلایا کہ کس کا کیا قصور تھا بجز اس کے کہ آپس میں مل کر بہت سے

اور بڑھ رہے ہیں مگر کام کی بات اب تک بھی نہ ہوئی۔

مشتاق حسین
امروہہ ۳۱ اکتوبر ۱۸۹۹ء

بنام مولوی بشیر الدین

(۷)

عزیز القدر سلمہ اللہ تعالیٰ

آج ایک خط سے معلوم ہوا کہ برخوردار عبد القیوم سلمہ اللہ تعالیٰ کانپور آ گئے ہیں۔ خود انہوں نے بھی لکھا کہ مجھ کو اب جلد

علی گڈھ جانا چاہئے۔ میں نے آج ہی دوسرا خط ان کو کانپور بھیج دیا ہے کہ فی الفور آپ کے پاس اٹاوہ آویں اور آپ کے ساتھ

علی گڈھ جائیں۔

آپ جس وقت علی گڈھ پہنچیں گے تو وہاں آپ کو دس روپیہ بر سر صاحب مدرسۃ العلوم سے بتوسط پروفیسر عبد اللہ

صاحب ملیں گے۔ باقی آئندہ کے لئے جس طرح آپ مناسب سمجھیں اسی طرح وظیفہ پہنچتا رہے گا۔ والسلام

خاکسار

مشتاق حسین (وقار الملک) امروہہ ۴ اپریل

نواب بشیر الدین احمد صاحب

(۸)

عزیز القدر میاں بشیر الدین احمد صاحب سلامت

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ محبت نامہ نے مشکور فرمایا آپ کے گھر میں سے خاص کر اور بچوں وغیرہ کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے اطمینان حاصل ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ تصویر کے متعلق یہ ہے کہ میں تو تصویر کا کبھی عادی نہیں رہا۔ بعض وقتوں میں بعض دوستوں کے اصرار سے کبھی تصویریں تیار ہوئیں تو اکثر تقسیم ہو گئیں تاہم شاید کہیں کوئی تصویر پڑی ہو۔ ایک بڑی تصویر جو میرے پاس تھی وہ مسز محمد احمد[1] مرحوم اپنے ساتھ انگلستان لے گئیں۔ البتہ ایک متوسط تقطیع کی تصویر حسب الطلب سید افتخار عالم صاحب کے پاس بھیج کر وہ کالج کی تاریخ لکھ رہے تھے ایک دوست سے مانگ کر میں نے بھیج دی تھی انہوں نے لکھا تھا کہ میں کل ٹرسٹیوں کا مرقع تاریخ میں شامل کروں گا لیکن کوئی گروپ انہوں نے اس میں شامل نہیں کیا لہٰذا آج میں نے ان کو لکھ دیا ہے کہ وہ تصویر براہ مہربانی آپ کے پاس بھیج دیں۔

آج کل ایسوسی ایشن کی نسبت یہ ہے کہ میں آپ سے کچھ کم اس بات کو سمجھے ہوئے نہیں ہوں کہ قوم کی طرف سے یقیناً بہت کچھ کاہلی و سستی کا اظہار ہوگا اور شاید کہ کامیابی نہ ہو سکے لیکن اس سب کو جان کر اور اس پر پورا یقین رکھنے کے بعد بھی ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنا اپنا حصّہ ادا کریں میں بھی جو کچھ اس باب میں میرا فرض ہے اس کو ادا کروں گا۔ تقریباً دو ہفتے بعد اب سے آپ کو لکھنؤ سے غالباً ایک مطبوعہ خط ملے گا اس پر آپ میرے دستخط بھی دیکھیں گے یہ خط عام طور پہ بھی مشتہر کیا جائے گا اور جس کسی کو آنا ہوگا اور جس کے دل کو لگی ہو گی وہ آوے گا اس موقع پر مجھ کو درحقیقت یہی دیکھنا ہے کہ کس قدر ایسے لوگ ہیں جن کے دل کو ان امور کی فکر ہے۔ دورہ کرنے کے لئے نہ مجھ کو فرصت ہے اور نہ میں اس کو اس موقع پر اپنے لئے مناسب سمجھتا ہوں۔ تعلیمی کاروبار لکھنؤ کے اس جلسے کے بعد شروع ہوگا اس وقت پھر دورہ وغیرہ جو کچھ بھی درکار ہوگا سب کچھ کیا جاوے گا ابھی تو اوّل ہم کو لکھنؤ کے جلسہ آئندہ میں اس بات کا طے کرنا ہے کہ کیا طریقہ اختیار کیا جاوے۔ میں اگر بتقریب دورہ کہیں گیا تو لوگ مجھ سے سوال کریں گے کہ حضرت پھر کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے اس وقت جو کچھ جواب میں ان کو دے سکوں گا وہ صرف میری اپنی ذاتی رائے ہو گی اور یہ بہت کمزور مسلک اور فاش[2] پوزیشن ہوگا اور ناکامی کی بدنامی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ السعی منّی والاتمام من اللہ تعالیٰ۔ والسلام۔

ہمارے سب کی طرف سے گھر میں اور بچوں کو بہت بہت سلام و دعا کہئے۔

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۲۴ اگست ۱۹۱۰ء

---

[1] محمد احمد بیرسٹر ایٹ لا نواب وقار الملک مرحوم کے صاحبزادے تھے جو جوانی ہی میں انتقال کر گئے۔ ان کی اہلیہ انگریز تھیں جو مرحوم کے انتقال کے بعد ولایت چلی گئی تھیں۔

[2] یعنی غلط موقف

بنام مولوی محمد بشیر الدین مدیر "البشیر"

(۹)

برخوردار عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ۷/ اگست کا محبت نامہ مجھ کو بھی ملا ہے جس معاملہ میں آپ نے لکھا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ نواب محسن الملک بہادر کا ایک مطبوعہ خط بحیثیت آنریری سیکرٹری اس سے قبل مجھ کو ملا جس کے ساتھ نواب فیاض علی خاں صاحب کا ایک مطبوعہ خط بھی شامل تھا، مرسومہ نواب محسن الملک بہادر اور دونوں خطوں کا یہ منشا تھا کہ ہز آنر کی یادگار میں ایک بورڈنگ ہوس بنایا جاوے جس کا نقشہ و اسٹیمیٹ شملہ میں تیار ہوا ہے اور مجھ سے بھی بحیثیت ٹرسٹی رائے طلب کی گئی تھی اور جواب بہت جلد مانگا گیا تھا اور غالباً وہ خط اسی درخواست سے اور ہر ایک ٹرسٹی کے پاس بھی بھیجا گیا ہوگا۔

میں نے ان کو جواب دیا کہ رائے طلب کرنے کا یہ کوئی طریقہ ٹرسٹیوں کے قانون میں نہیں ہے۔ قاعدہ کے مطابق آپ کو اس تحریک کے تصفیہ کے لئے ٹرسٹیوں کا جلسہ طلب کرنا چاہئے اور حسب قاعدہ اس کا ایجنڈا جاری کیجئے آپ کو غالباً خیال ہوگا کہ اب ایجنڈے کے بعد یک طرفہ ووٹ شماری کا پہلا ناقص طریقہ باقی نہیں رہا ہے بلکہ اب دو مہینہ کے فاصلہ سے تاریخ لگائی جاوے گی اور اوّل مہینہ میں ہر ایک ٹرسٹی کے پاس سے ابتدائی رائیں آویں گی اور جن ٹرسٹیوں کو تحریک سے کوئی اختلاف ہوگا ان کا اختلاف پھر بجنسہٖ چھاپ کر سب ٹرسٹیوں میں بھیجا جاوے گا اور پھر ہر ایک ٹرسٹی کو موقع ہوگا کہ خواہ اپنی پہلی رائے پر قائم رہے اور خواہ دوسری کوئی بھی دے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب موافق ووٹوں کے حاصل کرنے میں پہلی سی آسانی قائم نہیں رہی۔

اس کے جواب میں نواب محسن الملک بہادر نے مجھ کو لکھا کہ وقت اس قدر باقی نہیں ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ وقت بہت باقی ہے اور بالفرض اگر وقت باقی بھی نہیں ہے تو یہ اور بھی اچھا ہے کیونکہ اس قسم کی یادگاریں بجائے اس کے کہ خود اس شخص کی حکومت کے زمانہ میں قائم ہوں زیادہ عزت کی بات ہے کہ اس کے بعد ہوں آخر میں میں نے لکھا ہے کہ اگر ہم کو اپنے قانون کی عزت کرنی ہے تو اس کے مطابق کارروائی کرنی چاہئے ورنہ اگر ٹرسٹیوں کی کمیٹی کو قانون کی چوپال قرار دینا ہے تو ہم سے جس صاحب کا جی جس قسم کی کارروائی کو چاہے وہ ویسا کرے۔ میں تو کوئی رائے اس باب میں اس طرح پر نہ دوں گا۔

میں نے ان کو یہ بھی لکھا تھا کہ بورڈنگ کا نقشہ اور اسٹیمیٹ بھی اُردو میں چھپوا کر ایجنڈے کے ساتھ سب ٹرسٹیوں پر تقسیم کیجئے اور یہ بھی بتلاؤ کہ اس بورڈنگ کا بنانا کون سے قطعہ زمین پر تجویز ہوا ہے۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ ان باتوں کو دور کے رہنے والے ٹرسٹی کیا سمجھیں گے اور اس پر کیا رائے دیں گے۔ میں نے لکھا کہ اس سے آپ کو کچھ مطلب نہیں۔ اس امر پر اس وقت غور کیا کیجئے جب آپ کسی کو ٹرسٹی مقرر کرتے ہیں مگر جب کہ کوئی شخص ٹرسٹی ہے تو اب خواہ دور کا رہنے والا ہے یا قریب کا ہر ایک کو یکساں حق ہے اور آپ ان کے اس حق سے بے پروائی نہیں کر سکتے۔

آپ کو تعجب ہوگا جب آپ سنیں گے کہ اس کے جواب میں جناب ممدوح نے کیا تحریر فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں کہ نقشہ و اسٹیمیٹ ڈائریکٹر صاحب نے گورنمنٹ میں بھیج دیا ہے جہاں سے یہ جواب آیا ہے کہ اوّل ضلع کے انجینئر کی رائے اس پر

ہونی چاہیئے یعنی کہ ٹرسٹی دغیرہ سب چپکے ہوئے جھک مارا کریں۔ وہاں پرنسپل صاحب اس تحریک کو گورنمنٹ میں پیش بھی کر چکے ہیں۔ نے اس کے جواب میں آنریری سکریٹری صاحب سے دریافت کیا ہے کہ آیا پرنسپل صاحب کی یہ کارروائی آپ کی اجازت سے ہوئی ہے؛ بہرحال جو کچھ پرنسپل صاحب نے گورنمنٹ کو لکھا ہے اور اس کا جو جواب آیا ہے اس کی نقل آپ مہربانی سے اوّل ہمارے دیکھنے کے لئے بھیجئے اس کے بعد اور جو کچھ لکھنا ہے وہ دیکھا جاوے گا۔

اس قدر تو ضابطہ کے خط میں میں نے ان کو جواب دیا ہے اور ایک پرائیویٹ خط جو اس سے علیحدہ میں نے ان کو لکھا ہے اس میں ان کے اس طریقۂ کارروائی کی نسبت از حد شکایت کی ہے اور شاید کہ بہرے وہ الفاظ سخت بھی ہو گئے ہیں، غصہ کہاں تک نہ آئے یقیناً ان کو اس سے رنج ہوا ہوگا مگر کیا کیجئے کہ مجبوری ہے۔

یہ کارروائی تو ابھی یہیں تک پہنچی ہے اور اگر وہ ایجنڈا جاری کریں گے تو جو کچھ لکھنا ہوگا میں انشاءاللہ تعالیٰ آزادی سے لکھوں گا بھی مگر اور کسے ٹرسٹیوں سے آپ اس قسم کی امید کر سکتے ہیں؟ نواب محسن الملک بہادر نے یہ بھی لکھا تھا کہ کیا آپ کی رائے میں اس معاملہ کو سالانہ جلسہ تک ملتوی رکھنا چاہیئے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو تحریک پیش ہوئی ہے اس کا تصفیہ جلد ہونا چاہیئے آپ اجلاس کی تاریخ مقرر کریں اور ایجنڈا جاری کریں۔

ایک مشتاق حسین نہیں، بیس مشتاق حسین اور ایک بشیر الدین نہیں بیس بشیر الدین نواب محسن الملک بہادر کو اس باب میں چاہیے کچھ لکھیں یہ لکھو رکھو کہ ان سے ناممکن ہے اور محال ہے جو وہ اس آزادی کا دسواں، بیسواں، سواں حصہ بھی اختیار کریں جس کی ان سے خواہش کی جاتی ہے۔ وہاں خدا نے یہ طبیعت ہی نہیں دی اللہ قوم پر رحم کرے۔ والسلام؛

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۲۰ اگست ۱۹۰۱ء

میں نے نواب محسن الملک بہادر کو لکھا کہ ایک کارروائی کی نظیر بھی دکھلائی ہے کہ دیکھیے ہز آنر نے چاہا تھا کہ ایک قانونی ترمیم یونیورسٹی کے قواعد میں کر دیں اور اس کے واسطے وہ ۱۰ اگست کو جلسہ طلب کرنے کو تھے مگر جب کہ علماء یونیورسٹی کا خیال ان کو یہ معلوم ہوا کہ اس قدر جلد ایسا قانوناً جلسہ طلب نہیں ہو سکتا تو ہز آنر نے اس کارروائی کو تا اطلاع نومبر پر ملتوی کر دیا ہے۔

مگر یہاں تو وہ مثل ہے کہ من چہ می سرایم و طنبورۂ من چہ می سراید — مسٹر ماریسن جیسے عمدہ اور آزاد شخص کو بھی نواب محسن الملک بہادر نے اپنے کرنے کے کاموں میں خود زبردستی دخل دے دے کر قریباً قریباً دوسرا مسٹر بیک بنا دیا ہے ورنہ اس کے معنی کیا ہوں گے کہ ایک طرف تو ٹرسٹیوں سے رقعوں پرچوں کے ذریعہ سے جلدی جلدی ضابطہ پورا کرنے یا بے ضابطگی کے مکمل کرنے کی غرض سے رائے طلب کی جا رہی ہے اور دوسری طرف مسٹر ماریسن اس تحریک کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

"م"

بنام مولوی بشیر الدین صاحب

(۱۰)

عزیز القدر منشی بشیر الدین صاحب سلامت

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ محبت نامہ پہنچا مشکور کیا۔ جناب سرسید صاحب مرحوم و مغفور کو علی گڑھ میں قیام رکھنے کی وجہ سے انگریزی سے بہت کچھ مدد مل جاتی تھی اور ان کو قریب ہی میں ضروری کتابیں بھی بہم پہنچ جاتی تھیں اور یہ امر آپ کو معلوم ہے کہ دوسری مشکلات خانہ داری کی اس کا دسواں حصہ بھی نہ تھیں جن میں مجھ کو مبتلا ہونا ہوتا ہے اور امروہہ میں رہ کر تو کسی اس قسم کے کام کا بیڑا اٹھانا محالات سے ہے اور امروہہ کا چھوڑنا بھی ان علائق کے ساتھ دشوار۔ آئندہ جب تفصیل سے ملاقات ہوگی تو امید ہے کہ آپ میرا عذر قبول کر لیں گے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر میں دیکھتا کہ در حقیقت میں اس کام کو سنبھال سکتا ہوں تو اپنی ذاتی ضرورتوں پر اس کو ترجیح بھی دیتا اور مالی مشکلات کے باوجود بھی میں اپنا قیام کسی دوسری جگہ اختیار کرتا لیکن میں صاف صاف دیکھتا ہوں کہ اس صیغہ کی سیکرٹری شپ کو میں کسی طرح انجام نہیں دے سکتا اس کے لیے تو آپ کو دوسری کسی طرف غور کرنا ہوگا اور حامد علی خاں صاحب ہی کو کوئی مدد ایسی دیں[۱]... مفید ہوگی جو آپ مجھ کو دینا چاہتے ہیں۔ اس مدد کے ساتھ وہ اس کام کو بخوبی کامیابی کے ساتھ انجام دے سکیں گے۔ میرے عذر کی وجہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ قوم سے قومی خدمات کا صلہ لوگوں کو جیسا چاہیئے نہیں ملتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو شخص بھی اس قسم کے معاوضوں سے متاثر ہو کر قومی کاموں کو اختیار کرنا پسند کرے گا وہ کرایہ کے مزدور کی طرح کام کرے گا۔ ایسے شخص کے کام میں کبھی خدا برکت نہیں بخشتا، قومی کام انہی کا حصہ ہے جو بلا خیال معاوضہ اور بلا اندیشہ لومۃ لائم اپنا قومی فرض سمجھ کر کسی کام کو انجام دیتے ہیں گو یہ سچ ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور یہی سبب ہے کہ قومی کام بھی اچھی طرح انجام نہیں پا رہے اس قسم کی روح صرف عمدہ تعلیم ہی سے پھونکی جا سکتی ہے۔

یہ خوب ہوا کہ ۲۱ / ۲۲ / اکتوبر کو لکھنؤ میں مشورہ کا جلسہ قرار پا گیا اب جو کچھ تجویز بھی اختیار کی جاوے گی کافی غور و خوض اور تبادلۂ خیالات کے بعد اختیار کی جاوے گی۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین (وقار الملک) امروہہ ۴م ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء

بنام جناب حکیم محمد عبدالسلام

(۱۱)

جناب حکیم صاحب مخدومی و مکرمی مولوی حکیم محمد عبدالسلام صاحب سلامت

منشی ارشاد الدین صاحب پنشنر کیمپ میرٹھ جناب کی خدمت میں اپنے علاج کی غرض سے تشریف لاتے ہیں ان حضرات میں سے ہیں جو اپنے مال اور جان تک کو قومی کاموں پر قربان کیے ہوئے ہیں اگر اس قسم کے لوگ قوم میں کچھ زیادہ تعداد سے ہوتے تو مسلمانوں کی حالت ہی کچھ اور ہوتی پس ایک ایسی جان جیسی کہ قوم کو عزیز ہونی چاہیئے اور جس خاص التفات اور توجہ سے ایک ایسی جان کی حفاظت کی ضرورت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ میں نے خود بھی ان کے ساتھ خدمت میں حاضر ہونا چاہا تھا اور ان سے عرض کر دیا ہے کہ یوں ہی سمجھ لیں کہ گویا ان کے ساتھ میں خود ہی حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین۔ امروہہ ۲۸/ مارچ سنہ ۱۹۰۳ء

---

[۱] یہاں ایک لفظ پڑھا نہیں گیا۔

بنام محمد بشیر الدین

(۱۲)

عزیز القدر محمد بشیر الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ! ۴ اگست کا جو نوٹ پولیٹکل ایسوسی ایشن مسلمانان کے متعلق آپ نے دیا ہے وہ میں نے شکرگزاری کے ساتھ پڑھا۔ مراد آباد، بریلی، شاہجہان پور، پیلی بھیت، بدایوں، بجنور، علی گڑھ، بلند شہر، میرٹھ، مظفر نگر، سہارن پور، فرخ آباد یہ بارہ ضلع ختم ہو گئے ہیں۔ مراد آباد کی روئیداد غالباً مارچ گذشتہ میں میں آپ کے پاس بھیج چکا ہوں لیکن آج پھر مراد آباد و شاہجہان پور و پیلی بھیت کی روئیداد میں نے آپ کی خدمت میں بھیج دی ہے باقی اضلاع کے متعلق ہنوز روئیدادیں میرے پاس نہیں آئیں متعاقب آویں گی۔ دو دو اضلاع کے دو جلسے یکجائی ہوئے یعنی علی گڑھ و بلند شہر کا یکجائی جلسہ بمقام علی گڑھ اور سہارن پور و مظفر نگر کا یکجائی جلسہ سہارن پور۔ بدایوں، بجنور، فرخ آباد میں مجھ کو جانا نہیں پڑا وہاں کے لائق حضرات نے خود ہی انتظام کر لیا۔

باقی ماندہ اضلاع صوبہ کے ساتھ خط و کتابت جاری ہے۔ اٹاوہ کے متعلق اس موقع پر پھر یاددہی کی معافی چاہتا ہوں اب جلدی کرنی چاہیے۔ پہلا کام مجسٹریٹ ضلع سے اطلاع ہو جانی ہے اس کے بعد جلسہ کی تاریخ و مقام و وقت مقرر ہو کر اشتہارات کا ایک یا چند بستخطوں سے جاری ہونا ہے۔

ایڈیٹر کے واسطے سابق میں نو چودھری محمد یعقوب صاحب نے وعدہ فرمایا تھا اور اب محمد موسیٰ خاں صاحب نے وعدہ کیا ہے۔

اودھ کے اضلاع کا منشی احتشام علی خاں صاحب امید ہے کہ انتظام کریں گے۔ اکتوبر تک انشاءاللہ باقی اضلاع ختم ہو جاویں گے جس کے بعد نومبر کے عمدہ موسم میں بمقام لکھنؤ پہلا جلسہ ڈیلیگیٹوں کا ہونا چاہیے۔ ارادہ تو یہی ہے آئندہ کامیابی خداوند تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ ۱۱؍ اگست ۱۹۰۷ء

علی گڑھ گزٹ میں ایک مضمون بجانب اخبار اور پائنیر میں ایک تار سہارن پور سے چھپا ہے ان دونوں کی اصلاح کرنی چاہیے متعاقب آپ ان اخباروں میں دیکھیں گے۔

میں متعاقب آپ کو البشیر کے واسطے ایک خط لکھتا ہوں جو آپ کی پالیسی کے خلاف ہوگا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں کو ایسی خراب فیلنگ اختیار کرنی نہیں چاہیے جس سے کہ "البشیر" اکثر مملو پایا جاتا ہے گو وہ ہندو اس کے خلاف ہی کرتے ہوئے پائے جائیں مگر مسلمانوں کو اپنا اسلامی اخلاق وسیع ہاتھ سے نہ دینا چاہیے اسی پر میں کچھ لکھوں گا۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین

بنام مولوی بشیر الدین

(۱۳)

عزیز القدر سلمکم اللہ تعالیٰ

نہایت افسوس ہے کہ جناب حجی صاحب قبلہ نے کل شام نماز مغرب کے وقت اس دار فانی سے انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخر لحظہ تک بھی مرحوم کے ہوش و حواس سب درست تھے۔ ۔ ۔ [۱] ۔ ۔ ۔ محمدیہ قبر کے متصل ہی دفن کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ جناب مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ مشیت ایزدی ہم گھر میں اور بچوں کو بہت بہت دعا۔ خالہ پھوپھی صاحبہ معظمہ کی خدمت میں بھی میں نے ہمیشہ کو علیحدہ خط لکھ کا سب سے زیادہ اس موقع پر خیال ہے وہ جناب معظمہ مرصوفہ کا ہے۔ ان سے یہ سانحہ بہت ہی مشکل ہے اور یوں تو جو کچھ بھی خدا کی مرضی ہوتی ہے انسان کو اس پر صبر ہی کرنا پڑتا ہے۔ اپنے دو نوجوان قابل فرزند صدمہاں کو برداشت ہی کرنا پڑا ہے۔ والسلام!

خاکسار

مشتاق حسین۔ امروہہ

بنام سید افتخار عالم صاحب

(۱۴)

جناب مخدومی و مکرمی مولوی سید افتخار عالم صاحب سلامت

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ گرامی صحیفہ اور حیات النذیر کا شکریہ عرض ہے لیکن افسوس ہے کہ اجازت نہیں دیتی کہ میں اس عمدہ کتاب کو بالاستیعاب دیکھ بھی سکوں جس کے بدوں ریویو لکھا نہیں جا سکتا۔ اتنی طاقت ہے۔ علی گڑھ سے میں رخصت ہوا ایسی حالت میں کہ مجموعۂ عوارض ہو رہا تھا اور یہاں پہنچتے ہی آگیا جس نے معدے کو بھی بہت خراب کر دیا ہے اور روزانہ جو کام علی گڑھ سے یا ڈاک سے اب بھی آتا ہے کا روزنامچہ نہیں کر سکتا۔ امید ہے کہ میری یہ معذرت مہربانی سے قبول فرمائی جاوے گی۔ آپ کی کتاب میں جس کے پاس فرمائیے میں بھیج دوں ہاں میں نے اس لئے عرض کیا کہ شاید ریویو کی غرض سے کسی اور صاحب کو بھیجنا پسند فرماویں اور ابھی زیادہ کتابیں آپ کے پاس بیار [۲] بھیج ہیں۔ والسلام!

خاکسار۔ مشتاق حسین ۔ ۴ ستمبر ۱۹۱۲ء

بنام سید افتخار عالم صاحب

(۱۵)

جناب مخدوم و مکرم مولوی سید افتخار عالم سلامت

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ گرامی نامے نے ممنون فرمایا۔ آپ کا ارشاد میرے سر اور آنکھ پر۔ لیکن لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا، جن چیزوں میں مجبور کر کچھ لکھتا نہیں پڑھتا نہیں سوچتا نہیں صرف زبان سے بتلانے جا۔

---

[۱] یہاں چند الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

[۲] سید افتخار عالم مصنف "حیات النذیر" (سوانح مولانا نذیر احمد) نے کتاب تبصرے کے لئے بھیجی تھی۔ نواب صاحب نے معذرت کر دی کہ انہیں مطالعے کی فرصت نہ تھی اور نہ وہ ریویو لکھ سکتے تھے۔

بہت ضروری تحریر مسلم یونیورسٹی کی نسبت ہے جو میرا سب کچھ سمجھا ہوا مضمون ہے مگر ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا اور آجکل آجکل ہی میں وقت گذر رہا ہے کیا کیا یاد ہے جب کہ دل و دماغ کام ہی نہ دیں اس کے علاوہ آپ نے کسی کتاب پر میرا کوئی ریویو غالباً دیکھا بھی نہ ہوگا اور سواے اظہار مجبوری اور معافی چاہنے کے سوا اور کچھ بن ہی نہیں پڑتا اب تو مخدومنا صرف یہ دعا فرمائیے کہ میری زندگی کے جو انفاس باقی ہیں وہ عافیت سے کٹ جاویں اور خدا خاتمہ بخیر کر دے۔ آج کی ڈاک سے میں آپ کی رسالہ کتاب حیات النذیر بصیغہ رجسٹری خدمت عالی میں بہت سے شکریوں کے ساتھ واپس کرتا ہوں۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین از ڈیرہ دون ۲۲ ستمبر ۱۹۱۲ء

سید اختیار عالم صاحب

(16)

جناب مخدومنا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! الطاف نامے کا شکریہ۔ ہاں حضرت سرور عالم صلعم کے فرامین ایک وقت میں میں نے طبع کرا کر کالج کی نذر کر دیے تھے وہ فارسی زبان میں ہیں۔ میرے پاس شاید ان کی کوئی ایک جلد ہو تو ہو لیکن آپ مولوی عنایت حسین صاحب . . . علی گڑھ کو تحریر فرماویں وہاں سے کوئی نسخہ اس کا مل جاوے گا۔ والسلام!

خاکسار: مشتاق حسین امروہہ ۲۲ جنوری ۱۹۱۳ء

[illegible][1]

(17)

جناب مخدومی

آپ خفا ہوتے ہوں گے کہ آپ کے خطوں اور خصوصاً تاروں کا جواب وقت پر ملا۔ اصل یہ ہے کہ میں نے شملہ سے لوٹتے وقت الٰہ آباد کے مقام سے ایک ہفتہ کی رخصت سرکار سے علاوہ عید کی تعطیل کے لے لی تھی پرسوں شام واپس آیا ہوں مگر صحت خراب ہے۔ آپ کا ایک خط ۷ جولائی کا دو خط ۳ اگست کے ملے۔ جواب آئندہ کے خط میں دوں گا۔ پانچ ہزار پونڈ کے متعلق آپ کا خط مجھ کو وہاں سے چلنے کے دن شملہ میں ملا تھا۔ پہلی ہی منزل پر سرکار نے تار پر روپیہ بھیجنے کا حکم حیدرآباد بھیج دیا تھا۔ یقین ہے کہ اوس وقت روپیہ پہنچ گیا ہوگا۔ میجر رابرٹس صاحب کا تقرر در حقیقت اوس قسم کی پالیسی سے ہے جس کو میں ہمیشہ عزیز رکھتا ہوں۔ پنڈت وشنوناتھ کو جب میں نے اپنا مددگار معتمد عدالت عہد راجہ صاحب کے وقت میں بنایا تھا تو وہ بھی پالیسی تھی یعنی کہ اپنی صفائی اور راستبازی کا پاس کیا۔ جواب میں اس لئے دیر ہوئی کہ . . . .[2] اور اوس کے بغیر سودی صاحب کو جواب دینا مناسب نہ تھا۔ آپ کے مکان پر سب خیریت ہے۔ خدا کے شاب نوجوان آئے، جی اکتا گیا۔ میں مفصل آئندہ لکھوں گا۔ والسلام والتسلیم!

خاکسار

مشتاق حسین حیدرآباد دکن ۲۴ اگست دوشنبہ صبح

۱۔ مکتوب غالباً نواب محسن الملک کے نام ہے جب وہ معدنیات کے مقدمے کی پیروی کے لئے دولت آصفیہ کی طرف سے لندن گئے ہوئے تھے۔

۲۔ عبارت پڑھی نہیں گئی۔

بنام منشی محمد محمود شاہ خاں صاحب

(۱۸)

مکرمی منشی محمد محمود شاہ خاں صاحب سلامت

جناب سید محمود صاحب نے جو کچھ اس خط میں لکھا ہے سب صحیح لکھا ہے اور پہلے سے آپ کا بھی یہی خیال ہے۔ وہاں جانا کچھ جناب ممدوح پر احسان کرنے کی غرض سے نہیں ہے۔ بلکہ صرف اپنے آئندہ کے نفع کے لحاظ سے جس کی امید یہاں کی نسبت وہاں زیادہ ہے۔

کل بھی جو خط جناب ممدوح کا میرے پاس آیا تھا اور جس کی بنا پر میں نے کل آپ کو ایک خط لکھا تھا اس میں بھی تمام مطالب اُسی کے قریب قریب تھے۔ خاص وجہ جو اون کو اس خط کے لکھنے کی باعث ہوئی ہے وہ منظوری کا لفظ ہے جو آپ کی جانب سے جناب صدر یا عظے صاحب نے لکھ دیا۔ اب آپ کو ایک اطمینان کا خط اور اوس کے ساتھ ایک عرضی بھی بھیج دیں۔ ادب اور تعظیم کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے سب صحیح ہے ہمارا خود پہلے سے یہی خیال ہے نپولین بونا پارٹ کی سرگذشت میں اوس کے ایک نہایت دلی دوست اور ہم مکتب اور بے تکلف یار بوریں کا قصہ موجود ہے کہ جب وہ اول ہی مرتبہ نپولین کے حسب الطلب نپولین کی شاہنشاہی کے بعد نپولین کے پاس حاضر ہوا تو ویسے ہی ادب سے پیش آیا جیسا شاہنشاہ کے رتبہ کے مناسب تھا، نپولین کہتا تھا کہ مجھ کو پہلے سے یہ فکر تھی کہ بوریں آج میرے سامنے وہی بے تکلفی کرتا ہے یا یہ ادب سے پیش آتا ہے اور جب میں نے بوریں کا وہ طرز دیکھا تو . . . . اور گو آپ سے ایسے امور میں کچھ لکھنے کی حاجت نہیں تھی کیونکہ آپ کے خیالات خود عمدہ ہیں مگر جناب سید صاحب نے جو اپنی طرف سے صاف صاف سب مراتب بیان فرما دئے ہیں اون کا یہ صاف صاف طریقہ بلاشبہ نہایت عمدہ ہے میں تعریف کرتا ہوں اون کی اس بد مآل اندیشیوں کی اور اس سے زیادہ اطمینان اس بات کا ہوتا ہے کہ جو مواقع احتیاط سے کام کرنے کے ہوں گے اون میں وہ اچھی طرح احتیاط سے کام کر سکیں گے۔

آپ جناب سید صاحب ممدوح کو رجسٹری شدہ لفافہ میں خط اور عرضی بھیج دیجئے۔ میں بالکل متفق ہوں کہ آپ اپنے نفع . . . . . سب امید میں جائیے اور اگر کامیابی نہ بھی ہو تو اس کو اپنی قسمت اور اپنی رائے کی خطا سے منسوب کیجئے نہ اون کی عدم توجہی سے اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اون لوگوں کا دل ہمیشہ بہت زیادہ خوش رہا کرتا ہے جو ایک کام کو اختیار کرتے وقت اوّل اس کی مضرتوں اور خطرات کو تسلیم کر لیتے ہیں اور ان کے برداشت کرنے کے واسطے اپنے آپ کو آمادہ کر لیتے ہیں۔ پھر اگر ان خطروں سے نجات ہو جاتی ہے تو دو چند خوشی ہوتی ہے اور اگر وہ خطرات پیش آ جاتے ہیں تو وہ گویا پہلے ہی سے سوچے ہوئے ہوا کرتے ہیں اور اس لئے زیادہ رنج دہ نہیں ہوتے۔

مجھ کو سب خود لکھئے اور یہ خط واپس فرمائیے۔ جناب قبلہ ام مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب بہادر بھی . . . . . تمام خط و کتابت کو ملاحظہ فرماویں۔ والتسلیم![1]

خاکسار

مشتاق حسین از علی گڑھ ۱۲

---

[1] جہاں نقطے لگے ہوئے ہیں وہاں کاغذ کی خستگی کے باعث عبارت پڑھی نہیں گئی۔

(۱۹)

برخوردار یمن چودھری محمد یونس صاحب سلامت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! خواجہ غلام الثقلین صاحب مارہرہ تشریف لائے ہوں یا تشریف لانے والے ہوں گے۔ کونسل کی ممبری کے متعلق اون کی ہم سب کو مدد کرنی چاہئے۔ میرے نزدیک وہ اون چند نوجوان کامیاب طلبائے علیگڑھ کالج میں سے ہیں جن کو کالج کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اون کی یہ کوشش اپنی ذاتی ترقی مدارج کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف قوم کو اور ملک کو نفع پہنچانے کی کوشش میں وہ یہ تمام دردِ سر مول لے رہے ہیں۔ والسلام

اور یہ میری ذاتی رائے ان کی نسبت مختلف تجربوں کے بعد قائم ہوئی ہے۔

اور میرا یہ خط آپ جس کو چاہیں ملاحظہ کرائیں۔

خاکسار

مشتاق حسین۔ ڈیرہ دون ۲۴ر اکتوبر ۱۹۱۲ء

جلال لکھنوی

(۱)

بنام وقار الملک

بہ جناب مرجع خاص و عام نواب انتصار جنگ بہادر دام اقبالکم!

بعد تسلیم گذارش پرداز ہوں۔

مدت ہوئی جناب عالی کی مدح میں ایک مستزاد عرض کر چکا ہوں۔ شرف اندوز ملاحظہ بھی ہوا ہوگا۔ بابت ۱۹ فروری ۱۸۹۰ء کو ایک نیاز مند لکھنؤ میں تھا قصیدہ ناکام یا یوں کہوں کہ کل ناکامی مجھ کو واپس نہیں ملی۔ ہر چند مجھ کو ضرورت اس کے واپس پانے کی نہ اب ہے لیکن چونکہ حضرت نے واپسی کی اطلاع فرمائی لہٰذا اب ضرور ہوا کہ میں حضرت کو اس کے واپس نہ آنے کی اور چونکہ ہمارے حضرت نے اس کو ارسال فرمایا لہٰذا کی قریب قریب منصفانہ گذارش کو ایک حد سے متجاوز تعریف... اس کا داخل دفتر رہنا بھی ناگوار خاطر فرمایا ہے نواب واجب ہوا کہ میں خود ہی بخواہی اس کو مع عرضداشت ہمراہی واپس لوں۔

امیدوار ہوں کہ وہ کل ناکامی مع عرضداشت ہذا میری واپسی ڈاک میں مرحمت ہو تاکہ میرے خوار ہونے کا باعث گواہ نہ رہے۔

میں وخدا کے لئے ہرگز خوشامدی نہیں ہوں بلکہ خود خوشامدیوں کا دشمن اور اس قسم کے حضرات پر تعریض کرنے والا ہوں۔ خود جانتا ہوں میری اسی تعریض کا پاداش ہے جو مجھے حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کے الطاف ملا کر خوشامد گروں میں داخل ہوا۔ مکرمی مولوی سیف الحق صاحب بالعاہ نے تعریض خوشامد گری بھی اپنے نگارش ایسی سیکرٹری اوده اخبار میں... مگر کروڑ کروڑ شکر ہے کہ بہت ہی جلد مجھے کبھو کر دار مل گیا اور جو کہیں کبیر میں ادھر سے در رنگ ہوتا تو نہ جانے کہاں کہاں کی خوشامد کرنا اور جانے کیا کیا توہین و تذلیل کی سزائیں جھیلنا۔

الحمد للہ بمقتضائے الخیر فی ما وقع مجھے اس قصیدہ میں دو صلے ملے۔ ایک میرے خوشامدیوں کی نسبت طعن کرنے والے کہ خود بھی مطعون ہوا دوسرے آئندہ مدت العمر کے واسطے اس ناز یبا کردار سے اجتناب بلکہ تیسرا ایک اور فائدہ بھی ہے یعنی حضرات خوشامد گر کی نسبت زبان طعن دراز نہ کرنا اور یہ سب فائدے بدولت جناب ہوئے۔ خدا آپ کو فائز المرام...

سے نام رکھے۔ بشرطیکہ آپ اس دعا کو بھی خوشامد نہ سمجھیں اور اگر خوشامد جانیں تو پھر یہ دعا میری دلی نہیں ہے۔ گستاخی معاف ہو۔

قصیدہ اس نشان سے واپس عنایت ہو۔ اجمیر شریف سرائے چمن چشتی بذریعہ محمد خان ٹھیکہ دار سرائے چمن چشتی، سید جلال مسافر مقیم خانقاہ معلیٰ کو پہنچے۔ زیادہ ادب!

سید جلال۔ ۲۵ فروری ۱۸۹۰ء

(۲)

ادیب الدین

قدر دانا سلامت!

سلام مسنون کے بعد مدعا نگار ہوں کہ عنایت نامہ ۱۸ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۹ھ کا مع یک غزل اصلاح طلب آیا تھا مگر چونکہ میں لکھنؤ میں نہ تھا، ریاست رامپور میں بطلب جنہیں رامپور چلا آیا تھا بلکہ ابھی تک رامپور ہی میں مقیم ہوں آپ کے عنایت نامہ کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اب چند روز ہوئے کہ یہی عنایت نامہ سامی مع غزل گرامی رامپور میں میرے پاس آیا ہوا ہے تو اس کا جواب لکھنے میں بدیں وجہ تعویق ہوئی کہ آپ نے اپنے دیوان کے طبع کی تاریخ کی بھی فرمائش کی، پس اس کی فکر میں تھا اب تاریخ طبع دیوان سامی کی نکل آئی لہٰذا اس کا قطعہ درست کر کے خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ اگر پسند آجائے تو درج دیوان فرمایا جائے اور غزل مرسلہ سامی پر اصلاح دے دی گئی اور غزلیات آپ کے جو پہلے آئی تھیں وہ اصلاح شدہ آج دو مہینے کا زمانہ ہوا کہ ارسال خدمت سامی کر چکا ہوں یقین ہے کہ پہنچی ہوں اور آپ نے دیکھی ہوں۔ نام آپ کے دیوان کا "گنجینۂ معرفت" بہت اچھا رکھا گیا ہے اس سے بہتر نام اب نہ نکلے گا۔ فقط!

راقم آثم جلال بے کمال از رامپور

مکرر یہ ہے کہ اب جو آپ مجھ کو کوئی تحریر بھیجیں تو وہیں لکھنؤ ہی میں بھیجیں کہ میں اب رامپور سے جانے کا قصد رکھتا ہوں۔

اصلاحی غزل یہ ہے

وصل ہی وصل ہے جب دل میں ہے ہر وقت حبیب

مطلع
ہجر کا خوف نہیں پاس ہے پہلو میں حبیب
سنتے ہیں اس کی جگہ ہے رگ جاں سے بھی قریب

۲
اس شہِ حسن تک اپنی ہے رسائی مشکل
جس کے دروازے پہ لاکھوں ہوں نگہبان رقیب

۳
خیر جلد خدا کے لئے نکلو باہر
بیٹھا دروازہ پہ مدت سے ہے سجادہ غریب

۴
اتنی تدبیریں ہوئیں ایک بھی پوری نہ ہوئی
بگڑے بنتے نہیں کیا کیجئے کم بخت نصیب

مقطع
رو برو کیوں وہ اسے سجادہ نہیں آتے ہیں
اپنے مشتاق سے بھی پردہ ہے یہ بات عجیب

۵
درد دل ایسا نہیں ہے کہ دوا سے جائے
دیکھ کر مرض مرا ہو گیا ناچار طبیب

۶
شب دیجور سے دل میرا بہت ڈرتا ہے
نہ دکھانا مجھے شکل اس کی مہیب

اصلاح: یا الٰہی نہ دکھا مجھ کو تو یہ شکل مہیب

شبلی نعمانی

شمس العلماء مولانا شبلی مرحوم و مغفور کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کے بہت سے مکاتیب اب تک
کسی بھی مجموعے میں شائع نہ ہوئے تھے اور ان میں سے بعض مرحوم کی سیرت پر نہایت عمدہ روشنی
ڈالتے ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام مولانا شبلی کے بہت سے مکاتیب "مکاتیب شبلی"
میں چھپ چکے ہیں لیکن جو مکاتیب ذیل میں شائع کئے جاتے ہیں وہ بالکل نئے اور غیر مطبوعہ ہیں۔

(۱)

بنام مولانا مفتی شبیر علی[1]

عنایت نامۂ سامی پہنچا۔ میرے نزدیک آپ کا جواب عین صحت ہے مگر چونکہ میں نے افتا کا کام مدت سے چھوڑ دیا
اور اب اپنے تئیں اس منصب بزرگ کے قابل نہیں سمجھتا اس لئے دستخط کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں
اور بزرگان دین کے ہوتے میری کیا حاجت ہے۔ والسلام! شبلی۔ علیگڑھ ... اکتوبر ۱۸۹۸ء

(۲)

بنام خان بہادر بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر اٹاوہ

مکرمی! امر رشتہ علوم و فنون جس سے میرا تعلق ہے اس کے متعلق اگر آپ کی کانفرنس میں اظہار پسندیدگی کا ریزولیشن پاس ہو تو میری ...
کا باعث ہوگا۔ ریاست کے لئے اس قسم کا تمغہ عزت کا باعث ہے۔ یہاں بادروان لوگ اس کو فضول سمجھتے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس ہی حق لیں۔

شبلی۔ حیدرآباد ۱۵ ر نومبر ۱۹۰۱ء

(۳)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مبارکباد۔ ریویو پڑھا اور بار بار پڑھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ تحسین نہیں بلکہ حسد کے قابل ہیں اور سچ یہ ہے کہ اگر آپ کسی کتاب
پر لکھیں تو محبت میں اسی کمبخت شبلی کا طور ہوگا۔ یہ ریویو اخبار تک محدود رہ کر گذر جائے گا۔ اس کو الگ رسالے کی صورت میں چھپوا اور شائع کیجئے
اس سے اور بہت نمونے قائم ہوں گے اور شاید رفتہ رفتہ ہیئت معاویہ کا کل خون فاسد ان نشتروں سے نکل جائے۔ والسلام!

شبلی ۲۴ فروری ۱۹۰۲ء از حیدرآباد

[1] مولانا مفتی شبیر علی صاحب آخر میں جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں استاذ تفسیر مقرر ہو گئے تھے۔

(۴)

جناب بہادر بشیر الدین صاحب

جس قدر مجھ کو بد وسوسہ کاذب، ہرزہ گو ہائے تعجب نہیں۔ میں نے دو مہینے ہوئے سرکار میں سفارش بھیج دی کہ فلاں فلاں اشخاص کو کتابیں ہدیۃً بھیجی جائیں اس کی منظوری اب تک نہیں آئی۔ بار بار لکھ چکا ہوں۔ نواب محسن الملک کا بڑا تقاضا تھا، مجبور ہو کر میں نے کتاب بہ قیمت خریدی اور بھیجی۔ کتابیں تمام وہیں ہیں اور میں اعظم گڈھ آ گیا ہوں۔ اگر یہ بارہ روپیہ ہوئی تو کالج سے خرید کر کے بھیجوں گا۔

شبلی۔ اعظم گڈھ ۲۲ ستمبر ۱۹۰۲ء

(۵)

جناب بہادر بشیر الدین صاحب

یہ فوراً چھاپ دیجئے

"الغزالی (مصنفہ شبلی نعمانی) کے ملنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ڈپوٹی شاپ علی گڈھ کالج سے منگوائی جائے۔"

شبلی نعمانی ۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

(۶)

مولوی بشیر الدین صاحب

علی گڈھ گزٹ میں کتب ترجمہ انجمن ترقی اردو کی فہرست چھپے گی جس میں معمولات ہیں اس کو لے لیجئے گا۔ میرے پاس محرر نہیں۔ خود کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے متعدد نقلیں بھیجی نہیں جا سکتی تھیں۔

شبلی۔ حیدرآباد ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء

(۷)

جناب مولانا بشیر الدین صاحب

مخدومی!

انجمن ترقی اردو کی رپورٹ بابت ماہ جون ۳ء علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نمبر ۶۴ جلد ۳۸ مورخہ ۴ جولائی ۳ء[1] میں چھپی ہے۔ براہِ کرم آپ بھی اپنے اخبار میں جلدی طبع فرماویں۔ اتفاق سے اس رپورٹ کو شائع ہونے میں بہت دیر لگی۔ جولائی کی رپورٹ بھی تیار ہے۔

شبلی۔ سیکرٹری انجمن ترقی اردو۔ ۴ اگست ۱۹۰۳ء

(۸)

جناب مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

میرا ہر روز معتد بہ وقت ندوے کی ادھیڑبن میں صرف ہوتا ہے۔ ندوہ اب تک کہیں کامیاب نہیں ہوا اس کی وجہ یہ ہوئی

---

[1] ۳ء سے مراد ۱۹۰۳ء ہے۔

طے کر لیجئے۔ ندوے کو منتقل کرنا اگرچہ مالی مشکلات کے لحاظ سے دقت طلب ہے۔ موجودہ مکان اونے پونے بیچ ڈالے جائیں اور
ٹسوائی وغیرہ میں کچھ مکانات سردست تعمیر کرا دئے جائیں۔ بہرحال اب اٹھئے اور کر ڈالئے ورنہ خالی ممبر بننا بہت بڑے مواخذے
کا موجب ہے۔ والسلام!

شبلی۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء

(۱۰)

حبیب الرحمن خان شروانی

مکرمی!

(۱) اسلامی خبروں کو میں نے نکال ڈالا۔ (۲) اڈیٹری کی تقسیم یوں ہوگی کہ ہر مہینے میں نصف رسالے کا مضمون آپ اور نصف
کا میں بہم پہنچایا کروں۔ باہر سے جو مضامین آجائیں وہ بالائی آمدنی ہوگی۔ (۳) مضمون نگاروں کا یا کسی اور کا کوئی مضمون اس وقت تک نہ چھپنے پائے
جب تک میں یا آپ اس کو دیکھ نہ لیں۔ (۴) معاوضۂ مضامین کے لئے ۔/۵۰ ماہوار مخصوص ہوں گے۔ مطلع حسب علحدگی مضامین باختلاف
مرتب ہو جائے گا۔ (۵) اصلی دشواری طبع کی ہے۔ آگرے کو میں ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ ندوے کا رسالہ کم از کم اردوئے معلیٰ اور مخزن
سے زیادہ خوشخط اور نفیس الطبع ہو۔ اس کے لئے ندوہ خود ایک پریس کیوں نہ کھولے؟ ندوے کے پاس چھاپنے کے لئے خود اتنا
کام رہتا ہے کہ ایک پریس بخوبی چلا سکتا ہے۔ میں اپنی تصنیفات بلکہ انجمن اردو کی بھی سب تصنیفات اس کو دے سکتا ہوں۔ بعض
داخل درس کتابیں بھی آخر چھپانی پڑیں گی۔ یہ تجویز ضرور ہے۔ (۶) اس نصاب کے لئے آپ نے کیا کیا۔ میں مفصل خط بھیج چکا ہوں جس میں
قابلِ اخراج کتابوں کے نام لکھے ہیں۔

شبلی۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۰۳ء

(۱۱)

مولوی حبیب الرحمن خان شروانی

مکرمی!

یورپ میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی علمی رسالہ نکالنا چاہتے ہیں تو قریباً سال بھر کے لئے مضامین تیار کر لیتے ہیں تب نکالتے ہیں
الندوے کے لئے بھی یہ ہونا چاہیئے اور چونکہ بڑی دقت چھپنے کی ہے اس لئے میری تو یہ رائے ہے کہ دو تین مہینے کا ذخیرہ اس طرح چھپا
لیا جائے کہ صرف ٹائٹل پیج اور علمی خبروں کے اضافہ کر دینے کے بعد رسالہ بن جائے۔ میں نے ایک چھوٹا سا مضمون فنِ تفسیر پر اور ایک
ریویو فنِ منطق پر جس میں یونانی منطق کی غلطیاں بتائی ہیں۔ ایک فرنچ عالم کے ایک مضمون کا جو اسلام پر ہے ترجمہ کرایا ہے۔ مثنوی مولانا روم
پر تقریظ کا ایک وسیع سلسلہ شروع کیا ہے۔ آپ بھی اسی طرح جستہ جستہ مضامین لکھ چلئے۔ صحابہ کے اخلاق سے شروع کیجئے اور
جو جو خیال میں آتا جائے۔ ہاں یہ بتائیے تقطیع کیا ہو۔ کیا اردوئے معلیٰ کے برابر؟ لیکن خط اس سے جلی ہونا چاہئے۔ اڈیٹر کا ترجمہ
عربی میں کیا ہو۔ دیر سے سوچا کوئی لفظ نہیں ملتا۔ درج پر اڈیٹروں کا نام لکھنا ہوگا۔ جی اس کو بھی اڑا دیتا لیکن اوّل تو [illegible] احکام
اس کی ضرورت ہے دوسرے یہ کہ نئے لوگوں میں ندوے کی ہوا اس قدر اکھڑ چلی ہے کہ محض ندوے کے نام سے اس حلقے

فغاں از گرمیِ ہنگامۂ خوبانِ زردشتی　　　بہم آمیختہ از زلف و عارض ظلمت و نور را[۱]

بہر سو از ہجوم دلبرانِ شوخ بے پروا　　　گذشتن از سرِ یک مشکل افتاد است رہرو را

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت　　　کنارِ آبِ چوپاٹی و گلگشتِ اپالو را[۲]

بیا شبلی بہ یادِ بچۂ گبرے سرِ کاکش

نگر در بادہ گرداں این قبائے بہ صد نو را

شبلی۔ از بمبئی کلیر روڈ بنگلہ دھن کا سٹ پرسن اسن بائی کلہ [illegible]

---

(۱۷)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

تسلیم۔ ایسی جلدی نہیں [illegible] کے بعد چل سکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ الہ آباد لکھنؤ وغیرہ سے بہت گرم [illegible] شروع ہو گئی۔ ہاں یہ بھی طے کر لیجئے کہ بمبئی میں کب تک رہنے کا ارادہ ہے۔ یعنی فوراً حیدرآباد کا قصد تو نہ ہو۔ یہ گو نہیں ہوتی لیکن سخت گرم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میرے مصالح اس کے مقتضی ہیں کہ میں کم از کم ایک مہینہ کے [illegible] بہت ہی چاہتا ہے کہ آپ کو ساتھ لے چلوں لیکن آپ حضرت عمرؓ کی طرح دریا سے ڈرتے ہیں[۳]۔

حافظ احمد رضا خاں سابق جج ہائیکورٹ حیدرآباد نے اپنی تمام کتابیں جو چار الماریوں کی قدر ہیں ندوہ کو وقف کر دیں [illegible] نے آدمی بھیج کر فہرست منگوائی ہے۔ کتابیں بھی عنقریب آتی ہیں۔ ان میں خواجہ حسن دہلوی کا دیوان بھی ہے جو بزعل ہیں عدیم النظیر [illegible]

اچھے صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ دو معزز صاحب ندوہ کی برائی بیان کرتے تھے اور آپ لوگ جواب دے [illegible] وہ لوگ تو معذور ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کسی وقت ذاتی اغراض کی بنا پر گورنمنٹ سے ندوہ کی برائی کر چکے ہیں۔ اب کیا وہ [illegible] آپ مجھ سے ملتے نہیں؟ والتسلیم!

شبلی۔ الہ آباد۔ بہری کی گلی۔ ۸ اپریل ۱۹۰۷ء

۱؎ یہ شعر خوبانِ زردشتی سے متعلق ہے اور زردشتیوں یعنی پارسیوں کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں دو قوتیں کارفرما ہیں۔ ایک یزداں دوسری اہرمن [illegible] سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور اسی کا نام وحدت کے مقابلے میں ثنویت ہے۔ خوبان زردشتی نے زلف و عارض سے ظلمت و نور کو باہم ملا دیا۔

۲؎ چوپاٹی اور اپالو بمبئی کی مشہور تفریح گاہیں ہیں۔

۳؎ یہ محض ایک لطیفہ ہے جو غالباً اس واقعہ پر مبنی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے مصر فتح کر لینے کے بعد ارادہ کیا تھا کہ بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم کو نہر کے ذریعے سے ملا دیں۔ یہ نہر موجودہ نہر سویز سے ذرا مشرق میں کھودی جانے والی تھی۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے اجازت نہ دی۔ انہیں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ یونانی جہاز نہر کے اندر آ کر مصر کی طرف سے آنے والے حاجیوں پر یورشیں کریں گے [illegible] راستہ محفوظ نہ رہے گا۔ اس وقت مسلمانوں نے بحری قوت کی بنیاد بھی نہ رکھی تھی۔ بعد میں ان کی بحری قوت نے یونان و روم کی دولت درہم برہم کر ڈالی۔ بہرحال اگر حضرت عمرؓ ممانعت نہ فرما دیتے تو نہر سویز تیرہ سو سال پیشتر جاری ہو جاتی۔

(۱۸)

... الملک

بخدمت جناب نواب انتصار جنگ دام مجدہ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ معمولی اطلاع دفتر سے جا چکی ہوگی لیکن مزید احتیاط کے لئے گذارش ہے کہ اس جلسۂ ندوہ میں ۲۷، ۲۸ مارچ کو ہوگا آپ کا تشریف لانا ضروری ہے۔ نواب محسن الملک بہادر ضرور تشریف لائیں گے لیکن اگر کالج کا جھگڑا نہ لگے تو اتفاقاً شاید نہ آسکیں۔

ایبونت علی خان نے مجھ کو خط لکھا ہے کہ وہ بھی ضرور شریک جلسہ ہوں گے۔ والتسلیم

شبلی۔ دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ ۱۹۰۶ء

(۱۹)

... صاحب

جناب مولوی صاحب زید عنایتہ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ اس سال کتب ذیل کا امتحان آپ لیجئے اور پرچے تیار کرکے کم اپریل تک سربمہر میرے پاس بھیج دیجئے۔ یہ قومی کام ہے۔ اس تکلیف کو ضرور گوارا کیجئے۔

(۱) شرح حکمۃ الاشراق از حکمت فی ما تبین اتباع المشائین ناشل افلاطونیہ۔ (۲) شرح حکمۃ العین مقالہ اول (۳) سلم العلوم کامل۔ (۴) ہدایہ جلد رابع تصرف کتاب الکراہۃ باب خطر و اباحۃ۔

۱۔ فی کتاب ۸ سوال سے کم اور دس سوال سے زائد نہ ہوں۔
۲۔ وقت امتحان کی تعیین کر دی جائے۔
۳۔ نمبر مقررہ تنا ... رکھے جائیں۔
۴۔ ہر سوال کے آغاز پر اس کے نمبر لکھ دیئے جائیں۔

شبلی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء، ۷ صفر ۱۳۲۷ھ (۲۸ فروری ۱۹۰۹ء)

(۲۰)

... صاحب

مولانا!

تسلیم۔ آپ کی تکلیف فرمائی کا دل سے مشکور ہوں۔ آپ نے جو شکایت کی ہے یہ تو میرے ہی دل کا زخم ہے لیکن کیا کروں ... طرح مدرسوں کو ابھارا، خود جا کر درس میں بیٹھا، پڑھا کر بتایا، اعتراضات کئے، جواب مانگے لیکن وہ جگہ سے نہیں ہلتے۔ بحث کوفت ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے۔ آشنائے فن تمام ملک میں ناپید ہیں اور ذوق علمی کا پتہ نہیں۔ مجبوراً میں نے ادب کو مطمع نظر بنایا ہے جس میں ...

... نواب وقار الملک کا پہلا خطاب تھا۔ معلوم نہ ہو سکا کہ مشہور و معروف خطاب کی جگہ یہ کم معروف خطاب کیوں استعمال کیا گیا؟

ہیں ایک عرب ادیب مقرر کیا ہے۔

مجھ کو وحشت ہوئی اور دیکھ کر نا۔ لیکن یک سرہ ہزار سودا۔ موجودہ تصنیف جب تک ختم نہ ہو لے کر لوں گا۔ نہیں

یہ۔ آپ نے عمر خیام کا بہ غور مقابلہ چھاپا ہے اس نے بہت مسائل قدما پہ اعتراض کیے ہیں۔ فرنچ زبان میں ترجمہ اور ریویو کیا ہے۔

شبلی۔ لکھنؤ ۲ ر جولائی ۱۹۰۹ء

(۲۱)

بنام مفتی نبیر علی صاحب

مکرمی!

السلام علیکم۔ کیا آپ دار العلوم ندوہ کی پرنسپلی مشاہرہ ۱۰۰ بہ شرط ترقی قبول فرما سکتے ہیں؟ مشاہرہ

لیکن وسیع قومی کام ہے اور ہر طرح کی اصلاح کا موقع ہے۔ مشاہرہ بھی ضرور بڑھے گا آمدنی کے ساتھ۔

شبلی۔ ندوہ، لکھنؤ، ۱۳ اگست ۱۹۰۹ء

(۲۲)

بنام مفتی تنبر علی صاحب

مکرمی،

میں حیدر آباد آرہا تھا اور آپ کو وہیں سے لکھنؤ روانہ کرتا لیکن انقلاب حال نے روک دیا۔ ۱۰ شوال ے

کھل جائے گا۔ آپ اس وقت تک ضرور بالضرور لکھنؤ پہنچ جائیں۔ میں وہاں ہوں یا نہ ہوں۔ ہاں ایک بات محض بر

ضرورت ہے وہ یہ کہ مولوی حفیظ اللہ اگرچہ مستقل نوکر ہو کر ڈھاکہ گئے ہیں لیکن انگریزی میں قاعدہ ہے کہ ہر اسامی نام پہلے تقرر

مدت لکھی جاتی ہے۔ اس بنا پر مولوی حفیظ اللہ تو دیکھنے کے لئے گئے ہیں اور یہی صورت آپ کے لئے بھی ہوگی

قطعی ہے آپ ہرگز پس و پیش نہ کیجئے گا۔ فوراً تشریف لائیے گا۔ یعنی ۱۰ شوال تک جواب لکھنا ہو تو پالن پور

کے پتہ سے لکھئے گا۔

شبلی۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۹ء

(۲۳)

بنام مفتی شبر علی صاحب

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ۱۰ شوال تک آپ لکھنؤ تشریف لائیں۔ دفتر ندوہ میں تار دے دیجئے گا۔ اسٹیشن

آپ کو لائے گا۔ آپ کے قیام کے لئے بھی مکان وغیرہ کا بندوبست کر دیا جائے گا۔

شبلی۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۹ء

(۲۴)

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

اس ستم ظریفی کی کوئی حد ہے کہ شعر العجم آپ دہلی مانگتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں ۱۲ فروری کو گھر سے نکلا ہوں اس وقت تک کتاب ریلوے سے نہیں آئی ہے۔ اب دفتر کو لکھتا ہوں پہنچ جائے گی۔ مکرر کتابوں کی فہرست لکھنؤ پہنچوں تو بھیجوں۔ ابھی تو دلی ہی ہوں کل علی گڑھ روانہ ہوں گا ایک دو دن وہاں رہوں گا آپ آجاتے تو زیارت ہو جاتی۔

شبلی از دہلی ۳؍مارچ ۱۹۱۰ء

(۲۵)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

مکرمی!

گرمیاں سخت ہوگئیں۔ میں چند ضروری کام ندوے کے انجام دے کر کشمیر وغیرہ بھاگ جانا چاہتا ہوں۔ شاید ایک ہفتہ کے اندر اندر یہ آدمی ساتھ ہوں گے۔ نظامت کا مسئلہ معرکۃ الآرا ہے اور جتنی شورشیں ہیں سب اس کی نتیجہ ہیں۔ میری بد اعتقادی، دہریت، بے نظامی، تحکم، استبداد یہ تمام اوصاف پہلے ہی تھے لیکن نظامت کی دوربین نہ ہونے سے نظر نہیں آتے تھے۔ بہرحال اس کا فیصلہ ضرور کیجئے لیکن چھٹیاں پڑنے کے بعد ورنہ میں موجود نہ ہوں گا اور فیصلہ یک طرفہ ہوگا۔ قاعدے کے رو سے ۳ مہینے کے بعد جلسہ انتظامیہ ہونا چاہئے۔ تاکید کیجئے کہ اس وقت تک دستور العمل بن جائے۔ ترمیمات وغیرہ سب چھپ ہو چکی ہیں۔ مولوی ظہور احمد کو تھوڑا سا کام ہے مولوی عبدالحی صاحب کو لکھئے کہ ان پر تاکید کریں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ دستور العمل موجودہ جو مولوی مسیح الزماں صاحب کے عہد میں بنا ہے اس میں رکنیت کے لئے صاحب تقریر و تحریر ہونا، مشہور ہونا، با اثر ہونا شرط ہے لیکن نظامت کے لئے صرف ۲ قیدیں ہیں۔ عالم باعمل ہو، ندوے سے دلچسپی رکھتا ہو۔ یہ مفہوم اس لئے بنایا گیا ہے کہ ایسے حضرات پر بھی صادق آسکے۔ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کام محنت، صرف زر، صرف لیاقت اور لوگ کریں اور یہ لوگ صرف افسری جتائیں لیکن تجری الریاح بما لا تشتہی السفن۔

شبلی ۱۴؍اپریل ۱۹۱۰ء

(۲۶)

بنام منشی نبیر علی صاحب

مولانا!

گورنمنٹ کو اب اپنی رقم پر توجہ ہوئی ہے اور کلاسوں اور سبقوں کی جانچ پڑتال کرے گی۔ مولوی شیخ محمد صاحب کے گھنٹے اس قدر کم ہیں کہ ان کی تنخواہ دینے میں گورنمنٹ کو تامل ہوگا اس لئے متنبی، مقامات حریری وغیرہ کے سبق ان سے متعلق کرنے چاہئیں۔ اس کے علاوہ ان کے دو گھنٹے مدرسہ میں اس کام کے لئے رکھئے کہ کتب درجہ تکمیل مثلاً دواوین وغیرہ کی فرہنگ بنا ڈالیں اور حل الابیات لکھیں۔ ان تحریروں کو انگریزی طریقہ تدریس میں لکچر کہہ سکتے ہیں۔ مذہبی پابندی کی انتظام میں کوئی ترقی محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟

شبلی۔ الہ آباد پتھر کی گلی ۲۴؍اپریل ۱۹۱۰ء

(۲۷)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

میں پہلے سے افسردہ تھا، بیماری نے اور دل توڑ دیا۔ اپیل شائع کرنے کی ضرورت نہیں میں نے کام تقریباً چھوڑ دیا ہے لوگ آئیں اور کام سنبھالیں۔ ۵ ہزار خرچ ہو چکے عمارت ناتمام رہی۔ ۴ ہزار کی اور ضرورت ہوگی اس کے علاوہ وہ بورڈنگ کا سامان؟ اضافہ ماہوار، ترقی تعلیم، یہ سب کام ہیں۔ لوگ آئیں اور انجام دیں۔ میں انشاء اللہ کسی اور صوبے میں قیام کروں گا اور اور کوئی مشغلہ ڈھونڈ لوں گا۔ مولوی سیف الرحمٰن کو بلوائیے اور تقرر کیجئے۔ مصر سے عربی میں نقشہ مل سکتا ہے۔ والتسلیم!

شبلی۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۰ء

---

(۲۸)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب من!

آپ کو شاید میرا خط نہیں ملا۔ آپ کے جانے کا سخت افسوس ہے کوئی نعم البدل نہیں مل سکتا۔ ۶ اپریل کو یہاں جلسہ انتظامیہ ہے اس میں یہ فیصلہ ہوگا۔ مخالفین تو مولوی حفیظ اللہ کو بلانا چاہتے ہیں۔

آپ سر دست درخواست رخصت بیماری مع سرٹیفکیٹ طبی بھیج دیجئے۔

شبلی۔ ۳ اپریل ۱۹۱۱ء

---

(۲۹)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا!

عجب اتفاق ہے جب آپ کی درخواست رخصت بیماری آئی، میں سخت علیل اور صاحب فراش تھا۔ اسی گڑبڑ میں وہ درخواست کھو گئی۔ براہ عنایت اس کی نقل دوبارہ بھجوا دیجئے یا جدید درخواست۔ مولوی عبداللہ ٹونکی کچھ جواب نہیں دیتے۔

شبلی۔ لکھنؤ ۳۰ اپریل ۱۹۱۱ء

---

(۳۰)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

بمبئی کیونکر جاؤں۔ درجہ مولویت کے طلبا کی کتابیں ناتمام پڑی ہیں۔ مدرس اول چھ چھ مہینے سے مدارد، جلسہ انتظامیہ کو دو مہینے ہو گئے تجربہ شدہ ہنرمند گئے، ایک ایک احتمال پر اتنا بڑا کام موقوف، ڈائرکٹر خاص ان طلبا کے نام مانگتے ہیں جو درجہ مولویت میں ہیں۔ سب کچھ ہے لیکن نہ مجھ کو کچھ اختیار نہ اور کوئی انتظام کرتا، کسی کو اس سے بحث ہی نہیں۔ میں برابر بحث ہوں۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب راضی ہو جائیں تو سب راضی ہیں کہ مولوی فضل حق رامپور سے بلائے جائیں وہ فرماتے ہیں کہ نواب صاحب ان کی تنخواہ بڑھا کر ان کو بلا لیں گے۔ قرض لے کر کیونکر کام چلے۔ عمارت کا وہ حال، مدرسہ کی یہ کیفیت۔ انا للہ۔

شبلی۔ لکھنؤ ۷ مئی ۱۹۱۱ء

---

(۳۱)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

دار العلوم کی حالت نہایت قابلِ رحم ہے۔ لڑکی وغیرہ کوئی نہیں آتے۔ آپ ہی رحم فرمائیے۔ مشاہرہ میں ۲۵ کا اس وقت اضافہ اور سبق آپ کی مرضی کے مطابق جس قدر آپ پڑھا سکیں۔ بورڈنگ وغیرہ کے اہتمام سے سبکدوشی، عہدہ وہی پرنسپلی۔ اس صورت میں تو درخواست منظور فرمائیے۔ جو رائے ہو فوراً بلکہ بذریعہ تار مطلع فرمائیے۔ عنقریب مجلس منعقد ہوگی اور کوئی انتظام قطعی ہوگا۔

شبلی۔ ۲ر جولائی ۱۹۱۱ء

(۳۲)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

صاحبِ اختیار افسران کالج سے دریافت فرما کر لکھئے کہ میں اگر آؤں تو کیا مجھ کو گیسٹ ہاؤس میں جگہ مل سکے گی یا اور کہاں؟
تنقید حضرت امیر خسرو کیا آپ کے کتب خانے میں ہے۔ ہاں کیا الغزالی، سوانح روم، الکلام اعلیٰ درجے کے کاغذ پر آپ کے ہاں ہیں؟

شبلی۔ بمبئی ۸ ر دسمبر ۱۹۱۲ء

(۳۳)

بنام نواب علی حسن خاں

جنابِ من!

تسلیم۔ ایک خط پہلے بھیج چکا ہوں۔ ارادہ ہے کہ عنقریب لکھنؤ آؤں۔ ۸ ر دسمبر کو جو جلسہ انتظامیہ ہونے والا ہے اس کی شرکت کا تقاضا ہے۔ آپ وہاں کے موجودہ حالات سے واقف ہیں۔ نیز حکیم عبدالولی صاحب اور مولوی عبدالحیٔ صاحب وغیرہ سے دریافت فرما کر لکھئے کہ وہاں کا آنا کہیں کدورت کا باعث تو نہ ہو۔ اگر طبیعتوں میں کدورت اور جوشِ غرض ہے اور ندوہ کی کارروائیاں بے ڈھنگی ہیں تو ضرور مجھ کو سوہانِ روح ہوگا۔ اس لئے آپ کی کیا رائے ہے؟ شریک ہوں یا نہ ہوں؟

چونکہ وقت بہت کم ہے اس لئے جواب بہ واپسی ڈاک عنایت ہو بلکہ مختصر تار ہی دے دیجئے تو اور بہتر ہے۔ میں غالباً آپ ہی کی کوٹھی پر قیام بھی کروں گا۔ جلسہ کے پروگرام میں بہت بے قاعدگیاں ہیں ان کو الگ خط میں لکھوں گا۔

شبلی۔ حیدر آباد، کاچی گوڑہ ۲۴ر جنوری ۱۹۱۳ء

(۳۴)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

مکرمی!

تسلیم۔ مشکور یاد آوری ہوں لیکن علیل ہوں۔ اس وقت صرف ذیل کی سطریں حاضر کر سکتا ہوں۔
مشیرِ نسواں۔ یہ کتاب ایسی حالت میں مجھ کو ملی کہ پیہم تین راتوں سے نیند نہیں آئی ہے اور دماغ بالکل بیکار ہے تاہم

کتاب کو جابجا سے دیکھا۔ مجھ کو ہرگز توقع نہ تھی کہ ہمارے زمانہ کی مخدرات ایسی فاضلانہ، مفید، دلچسپ اور فصیح کتابیں تصنیف کر سکتی ہیں۔ یہ کتاب محاسن سے مملو اور معائب سے بالکل پاک ہے۔

شبلی - ۱۷ مارچ ۱۹۱۳ء

(۳۵)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

جناب مولانا

تسلیم۔ یاد آوری اور مبارکباد کا شکریہ۔ افسوس یہ ہے کہ سیرت نبوی کا کام اس وقت شروع کیا کہ آنکھوں میں پانی آیا۔ ایک آنکھ بالکل بیکار ہے گو ابھی قدح کے قابل نہیں۔ دوسری پر بھی زور پڑتا ہے تاہم قصد کر لیا ہے جو کچھ ہو سکے گا کروں گا۔

افسوس ہے مجھ کو املا کی عادت نہیں ورنہ لکھوانا آسانی سے ممکن تھا۔

ندوہ کی عمارت نہایت عمدہ بن رہی ہے۔ ۲۴ ہزار خرچ ہو چکے، ۲۵ ہزار کی اور ضرورت ہے۔ اب تک گیارہ ہزار کا چندہ بھی ہوا۔ ایک رئیس نے ۵۰ ماہوار بھی مقرر کئے۔

ندوہ کا بار سر پر ہے لیکن دوستوں کی عنایت بحال خود باقی ہے۔ مولانا اور شاہ صاحب کسی کام کو چلنے نہیں دیتے۔ خیر ہمدردانِ اسلام ہیں۔ آپ کی یاد مدرسہ دیوبند کو بھی نہیں بھولی۔

ع　عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

شبلی - ۲۶ اپریل ۱۹۱۳ء

(۳۶)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

تسلیم۔ آپ کے تشریف لے جانے پر کئی دن سے تلاش رہا۔ کتاب مذکور قدیم تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ کیا اس کے مضامین اسی قسم کے ہیں جیسے کہ میزان الحکمت کے؟

سب لوگ سلام نیاز عرض کرتے ہیں۔

شبلی۔ بمبئی ۱۶ جولائی ۱۹۱۳ء

اگر کوئی حرج نہ ہو تو کتاب مذکور رجسٹرڈ چند روز کے لئے بھیج دیجئے۔

(۳۷)

بنام مفتی شبیر علی صاحب

مولانا!

سلام مسنون۔ کتاب پہنچی لیکن یہ نوادر کی کتاب ہے۔ آپ نے جس کتاب کا ذکر فرمایا تھا یعنی ترازو

وہ تو یہ نہیں ہے۔ کیا یہ کتاب غلطی سے آ گئی ہے؟

شبلی۔ بمبئی ۲۵ جولائی ۱۹۱۳ء

(۳۸)

بنام مفتی تنبیر علی صاحب

جناب مولانا تنبیر علی صاحب دام مجدکم:

تحیۃ وسلام۔ ان چند مظلوموں کی عرضی اس خط میں ملفوف ہے آپ اگر جناب مولوی انوار اللہ خاں صاحب[1] سے مل کر یا جس مناسب صورت سے ممکن ہو مولوی صاحب موصوف کو وہیں کہ اعلیٰ حضرت تک پہنچا کر دادرسی کرا دیں تو داخل حسنات اور موجب شکر گذاری ہوگا۔

واقعی یہ مظلومین موجب رحم اور اعانت ہیں۔

شبلی نعمانی۔ ۵ اگست ۱۹۱۳ء

(۳۹)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی!

تسلیم۔ مدت سے خیریت مزاج اور حالات سامی معلوم نہیں ہوتے۔ میں بدل ہوا اور عماد الملک کے ایما سے حیدر آباد آیا اور اب تک یہیں ہوں اور چونکہ ہر روز ارادۂ سفر رہتا ہے، آپ کو خط بھی نہ لکھ سکا کہ خط کے بجائے زیارت حاصل کروں گا بیسیر ہو رہی ہے ایک جگہ بیٹھ کر دوبارہ نظر اور تکمیل کی ضرورت ہے۔

ندوہ کے موجودہ ارکان جنہوں نے ممبری قبول کر لی ہے (ان کی فہرست) دفتر سے منگوا کر بھیج دیجئے۔

شبلی۔ حیدر آباد۔ کاچی گوڑہ ۱۸ نومبر ۱۹۱۳ء

(۴۰)

بنام سید افتخار عالم صاحب

جناب من!

تسلیم میری لائف میرے بعد لکھئے گا ورنہ مکمل لائف کیونکر ہوگی۔ تاریخ کا مادہ نہایت عمدہ بلکہ الہامی ہے۔ کسی مناسب موقع پر چھپا سکوں گا۔

شبلی۔ لکھنؤ ۲۵ جنوری ۱۹۱۴ء

---

[1] مولوی محمد انوار اللہ خاں فضیلت جنگ قندھار شریف کے قاضی، مدرسہ نظامیہ حیدر آباد کے بانی، میر محبوب علی خاں اور میر عثمان علی خاں کے استاد تھے۔ آخر کار صدر المہام امور مذہبی مقرر ہوئے تھے۔ متعدد تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔

(۴۱)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

آپ نے دیکھا ادھر اوقاف اسلامی کی تحریک شروع ہوئی اُدھر گورنمنٹ نے بار دوست شائع کی اور ایک کانفرنس اسی مہینے میں بٹھانے والی ہے۔ مگر میرا کام تو اس کے پیچھے جان لڑا دینا ہے ع

آگے نصیب ہے جسے پروردگار دے

دارالمصنفین پر آپ نے کیوں سکوت کیا۔ آپ سے بڑھ کر اس کی شرکت کا کس کو حق ہے۔ میں اس عمارت کو انشاء اللہ پورا کر کے رہوں گا اور سامان وہی پیدا کرے گا۔ میں بھی تو ۲۴ سے پہلے علی گڑھ دیکھوں گا۔

شبلی۔ لکھنؤ ۱۶ فروری ۱۹۱۴ء

(۴۲)

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

کرمی!

رسالے کے ٹائٹل پیج کا مسودہ لکھ کر بھیجئے۔ ابن خلکان پر عمدہ ریویو لکھا جائے تو کیا کہنا۔ انگریزی ترجمہ ابن خلکان سے بہت مدد ملے گی کیونکہ اس میں بڑی انڈکس بھی شامل ہے۔ میری ایڈیٹری کے لئے جلسے کے مجتمع ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ناظم صاحب کو لکھیے وہ ممبروں کے نام خطوط بھیج دیں۔ اس سلسلے میں یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ میں آپ کو دنیا میں اپنا سب سے سچا اور مخلص اور بے ریا دوست سمجھتا ہوں میرے دل میں اگر آپ کی طرف سے کھٹک پیدا ہوئی تو میری زندگی بدمزا ہو جائے گی اور ندوے پر بہت بڑا اثر پڑے گا۔ آپ کے الفاظ ایسے ہیں جن سے میری ایڈیٹری کی طرف سے بے دلی پائی جاتی ہے۔ مجھ کو اپنی نام آوری کی اب خواہش نہیں رہی۔ لیکن جب ندوے کی طرف سے مجھ کو ایسا ہوا بنایا جاتا ہے کہ میرے نام لینے سے ندوے کا سارا کارخانہ برہم ہو جائے گا تو میں بھی انسان ہوں سخت رنج اور غصہ آتا ہے۔ مولوی محمد علی صاحب نے اسی قسم کی باتوں سے ہمیشہ مجھ کو بے دل رکھا اور ندوے کو نقصان پہنچایا۔ حالانکہ لوگوں کا یہ خیال بھی محض بیکار ہے۔ جب میں نے حیدرآباد سے وظیفہ لیا تو اسی زمانے میں خود میرے اشارے سے ناظم صاحب نے ارکان سے دریافت کیا کہ میں آ کر ندوے میں کام کروں تو کیسا ہے؟ اور مرحوم پر بھی ارکان سے رائے لی گئی۔ ہمیشہ مجارٹی میری طرف رہی۔ باوجود اس کے میں ایسا خطرناک شخص ہوں کہ میرے اظہار نام سے ایسی ہلچل پڑ جائے گی۔ مجھ کو یہ بہت بے ہودہ اور ناپاک پالیسی ہے جو میرے ساتھ بعض لوگوں نے برتی۔ خدا کے واسطے آپ پر اس کی چھینٹیں نہ پڑنے پائیں۔ لوگ جہاں نیچریت سے نہیں ڈرتے بلکہ اس سے ڈرتے ہیں کہ ان کی روشنی ماند نہ پڑ جائے۔ ہاں اس سلسلے میں ایک راز کی بات کہتا ہوں، اپنے ہی تک رکھئے گا۔ کئی مہینے سے نواب محسن الملک نہایت اصرار سے زور دے رہے ہیں کہ کالج میں آ جاؤ دو سو مشاہرہ ہوگا اور وظیفہ حیدرآباد بھی بحال رہے گا۔ میں سال بھر سے کوشش کر رہا تھا کہ وظیفہ بحال ہو جائے تو نوکری چھوڑ کر

ندوے میں چلا آؤں۔ میں بیٹھے ہوئے اس کوشش میں ناکامی ہوئی۔ نواب محسن الملک لکھتے ہیں کہ اگر کالج میں آؤ تو یہاں سے کوشش کرائی جائے اور وظیفہ جاری ہو جائے۔ اب فرمائیے کیا کروں۔ کالج میں ندوے کا کام کیونکر ہو سکے گا اور کالج میں نہ آؤں تو حیدرآباد رہ کر اور بھی ندوے سے دوری ہے۔ کوئی معقول رائے دیجئے۔ والسلام!

شبلی

---

(۴۳)

<u>بنام مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی</u>

مکرمی!

ندوے کے سلسلے میں اس قدر اور گزارش ہے کہ مصارف میں مصارفِ طبع کے علاوہ سو روپیہ اڈیٹر کی تنخواہ، ورنہ ماہوار اجرتِ مضامین حساب میں داخل رکھنا چاہئے۔ ابھی اڈیٹر کی ضرورت نہیں لیکن مد محفوظ رکھنی چاہئے۔ کیا معلوم کس وقت ایسی ضرورت پڑے گی۔ آمدنی جب کافی ہوگی تو مستقل اڈیٹر مقرر کیا جائے گا اور مضامین کی اجرت تو ابھی سے دینی پڑے گی۔ فلسفۂ جدیدہ کا حصہ انگریزی داں بغیر معاوضہ کے کب پورا کریں گے۔ اور مکان موجودہ کا بکنا اگر بعجلت ہی تو کار رہا تو ممکن نہ ہوگا۔ لیکن ایک مشاہرہ دار شخص یا کوئی دلال بوعدۂ کمیشن مقرر کیجئے کہ اونے پونے بیچ ڈالے۔ بے لیت ولعل کا کام نہیں۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب نے مجھ کو لکھا کہ لکھنؤ کی آب و ہوا اور موقع بہت اچھا ہے، فوراً وہاں جھونپڑے ڈال لینے چاہئیں۔ میں اگر آیا تو محمدؐ و صحابہؓ کی وہ سادہ زندگی موجودہ تکلفات سے بہت زیادہ محبوب ہے۔ بہرحال ناظم حال کو لکھئے کہ دلال یا کوئی تنخواہ دار مقرر کریں۔

شبلی

---

(۴۴)

<u>بنام نواب سید علی حسن خاں</u>

ساغرِ زندگیم حیف کہ جز دُرد نداشت — جز ہمیں جرعۂ آخر کہ بپایاں زدہ ام
جامۂ زہد چو بر قامتِ من راست نبود — شیشۂ تقویٰ سی سالہ بسنداں زدہ ام
کس چہ داند کہ بخلوت گہِ آں ماہ لقا — زدہ ام ساغر و بر یادِ حریفاں[1] زدہ ام
جائے آں است کہ گلشن دمد از کنجِ لبم — بوسہا بسکہ براں عارضِ خنداں زدہ ام

نے فراں برد کہ ایں زمزمہ چیزے نیست
شبلی ایں تازہ نواہا نہ بہ مستاں زدہ ام

---

[1] حریفاں کے سلسلے میں سید علی حسن خاں کا نام مرقوم ہے۔

اکبر الہ آبادی

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

(۱)

روشن جبین دصاحب قلم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریانواں مجھ سے شکایت کرتے ہیں کہ "آپ کی تحریک سے میں نے اسشیر لینا شروع کیا لیکن جناب مولوی بشیر الدین صاحب نہ تو میرے مضامین چھاپتے ہیں اور نہ اخبار وقت بھیجتے ہیں حالانکہ آپ ہی کی تشویق و تحریص سے میں نے مضمون لکھنے کا ارادہ کیا"

اب میں عرض کروں کہ اس شکایت کو دور کیجئے اور مکرمی خان بہادر صاحب کو جو آپ کے قدیمی دوست ہیں معذرت کا خط لکھئے۔

تعلیم مذہبی کے باب میں انہوں نے جو مضمون لکھا تھا اس کا مسودہ میں نے دیکھا تھا مجھ کو بھی پسند نہ آیا اور میں نے سمجھا کہ بہ سبب ناواقفیت کے لکھا گیا ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ جب یہ چھپے گا میں اس کی تردید لکھوں گا اور آپ کی غلطی قطعی ظاہر کر دوں گا۔ وہ بہت خوشی سے اس پر راضی ہیں۔

بہر کیف میری رائے میں آپ ان کے مضامین چھاپ دیا کیجئے۔ غلط یا غیر مفید مضمون کی خبر لینے کو میں خود موجود ہوں گا یا آپ نوٹ کر دیا کیجئے۔

ان دنوں حسن میاں سلمہٗ جو میرے چھوٹے بھائی ہیں، علیل ہیں اسی سبب سے تردد رہا۔ یہ فرمائیے کہ کلکتہ کا ارادہ ہے یا نہیں۔ نہ کیوں ہوگا ایک وقت الہ آباد میں ٹھہر کر ہم سے بھی مل لیجئے۔ وقت سے مطلع کیجئے تو انتظار کروں مکرمی جناب خاں صاحب کی خدمت سراپا برکت میں تسلیم بہ صد تعظیم۔

۵ دسمبر ۱۸۹۹ء آپ کا نیاز مند اکبر حسین

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

(۲)

مولانا۔ مزاج مبارک۔ آپ نے بانیٔ اسلام اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحب وغیرہ غلط اور بے ادبی کے الفاظ پر جو اعتراض کیا اس سے نہایت مسرت ہوئی اور معلوم ہوا کہ آپ کا دل محبت و ادب حضور سرور کائنات سے بھرا ہوا ہے۔

علی گڈھ منتھلی میں ایک مضمون ماریسن صاحب کا چھپا ہے جس میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ہندوؤں اور بنگالیوں کے حصہ ہو جائیں علٰحدہ اُن کی کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔

بغداد و عرب و افغان سے ان کو کچھ سروکار نہیں ہے۔ نہ پولیٹکل حق میں وہ ہندوؤں وغیرہ کے [illegible] کیے جا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ

یہ مضمون ذرا ملاحظہ کیجیے اور سید صاحب کا [illegible] اُن کی باتیں یاد کیجیے۔ ماریسن کی بات گویا انگلش نیشن کی بات ہے۔

مارسین نے مجبوری سے یہ لکھا، کیا مجبوری تھی جب آپ سے ملوں گا اپنا خیال ظاہر کروں گا۔

اٹاوہ کی آب و ہوا کیسی ہے میں ارادہ کرتا ہوں کہ تعطیل ملے تو ۱۰-۵ دن ڈاک بنگلے میں رہوں یا سٹیشن روم لے لوں۔ مین پوری سے مراسلت کر کے اس میں تکلیف و طوالت ہے۔

الحمد للہ کہ عشرت سلمہٗ کیمبرج کالج کے حصہ اوّل کے امتحان میں جو بہت مشکل تھا ۲ر جون گزشتہ کو پاس ہو گئے انشاء اللہ سال آئندہ میں ڈگری حاصل کر کے وطن آئیں گے۔

۲۲ر جولائی سنہ ۱۹۰۳ء　　　نیازمند اکبر حسین

(۳)

بنام مولوی بشیرالدین صاحب مرحوم

مکرمی امید ہے کہ آپ کا مزاج خیر و عافیت سے ہو۔ افسوس ہے کہ وہ حصہ تعطیل کا جو میں آپ کے حضور بسر کرنے والا تھا اور آنریبل حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب اور شیخ احمد حسین خاں صاحب نے بھی میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا غیر معمولی بارش کی نذر ہو گیا۔ حاجی صاحب تو علیگڈھ چلے گئے ہیں لیکن کچہری کھلنے کو صرف ۵-۴ روز باقی رہ گئے۔ افسوس ہے کہ مجھ کو چند روز سے شکایت چشم پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے کار نوشت و خواند خصوصاً کتب و اخبار بینی قریباً بالکل بند ہو گیا ہے اور اسی سبب سے عنقریب ریٹائر بھی ہوا چاہتا ہوں۔

آج لکھنؤ جا رہا ہوں اور ڈاکٹر اینڈرسن سے مشورہ کرنے کو، اگر وقت ملا تو ایک دن آپ سے ملنے کو اٹاوہ چلا آؤں گا ورنہ کوئی اور وقت مقرر کروں گا۔

علی گڈھ منتھلی جس میں مارسین صاحب کا مضمون چھپا ہے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس پر کچھ لکھوں ذکا صاحب نے خود ہی کہا اب مصلحت ہے کہ ہم اس کو اور شہرت دیں اور مخالفین کے انبساط کا باعث ہوں۔ غالباً آپ کا بھی یہی خیال ہو۔

یہ خط محض پرائیوٹ ہے　　　مشتاق و نیازمند
۱۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء　　　اکبر

(۴)

بنام مولوی بشیرالدین صاحب

عشرت منزل۔ الٰہ آباد۔ مخدومنا تسلیم عرض۔ "البشیر" جناب خان بہادر صاحب مدظلہٗ کو سنایا گیا۔ جناب ممدوح بہت

خوش ہوئے اور یہ فرمایا کہ مولانا کو ہمارا شکریہ لکھ دو اور یہ کہ باوجود کچھ دنیاوی خیالات میں مخالفت ہونے کے مجھ کو آپ سے بہت محبت ہے اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے۔

طبیعت کی یہ حالت کہ ہنوز طاقت گفتار نہیں۔ ظاہراً تپ نے مفارقت کر لی ہے لیکن معدہ ابھی غذا کو قبول نہیں کرتا۔ دعا فرمائیے کہ اللہ صحت جلد مرحمت فرمائے۔

۲۰ رجون سنہ ۱۹۰۵ء — کمترین محمد ظہیر پرائیویٹ کلرک

(۵)

بنام منشی محمد الدین فوق

الٰہ آباد۔ مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ عرصہ گزریں آپ سے مراسلت نہیں ہوئی۔ میں کیا لکھوں ایک مدت سے کس مصیبت میں ہوں۔ صرف علیل ہی نہیں ہوں۔ اس کے سوا اور بہت کچھ ہوں۔ تفصیل کیا عرض کروں ؏

پڑ گئے گیسوئے اوہام بتاں کے پھندے پا بہ زنجیر رہے اکبر کا قلم آج کے دن

بہر حال دعا ہے کہ خدا عاقبت بخیر کرے۔

رسالہ "طریقت" ماہ دسمبر سنہ ۱۵ء دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ زوائد اور تصنع (لفاظی وغیرہ) خود آرائی، خود فروشی سے پاک۔ سچے روحانی مفید مضامین سے مالا مال۔ جزاک اللہ۔ مس کوریلی کی تقریر سبحان اللہ نور علیٰ نور۔ بابا صاحب کے خیالات بھی خوب۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ پرچہ انگریزی زبان میں شائع ہوتا۔ کچھ مضر نہیں کہ اعلیٰ درجہ کا انگریزی لٹریچر محض کام سے کام مطلب سے مطلب۔ کاش گورنمنٹ اسی طریق کی حامی اور مددگار ہو۔ امیر ملحد دنیا پرستی کا وعظ کہہ کر گویا اپنا ہی گھر لٹوانے کی بنیاد قائم کرتا ہے۔ اپنی خیریت لکھئے۔ دعا کیجئے، دعا دیجئے۔

۲۶ دسمبر سنہ ۱۹۱۵ء — اکبر

(۶)

الٰہ آباد۔ میرے مکرم۔ یاد آوری اور عزت افزائی کا سپاس گزار ہوں۔ چار پانچ سال سے میں ایسی شکایات اور عوارض میں مبتلا ہوں کہ کسی باضابطہ مجلس میں شاید دو گھنٹے تک بھی باطمینان نہیں بیٹھ سکتا۔ اس موسم میں معذوریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ نیز ایسی احتیاطیں ملحوظ ہیں کہ سفر میں بھی کسی کا مہمان نہیں ہو سکتا۔

انہیں وجوہ سے مدت سے آپ کی ملازمت سے مسرت حاصل نہیں کر سکا۔ آپ ملت کے ایک بڑے باخبر اور سرگرم خیر طلب ہیں۔ اللہ آپ کو کامیاب فرمائے۔ زندگی ہے تو شاید مارچ اپریل میں مل سکوں۔ سچ تو یہ ہے کہ اب مجھ پر زندگانی بار ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب کو کیوں نہ ممد بنائیے؟ مجھ کو بالتحقیق معلوم ہوا ہے کہ چیف سکریٹری صاحب گورنمنٹ نے اردو کانفرنس لکھنؤ میں ان کی شرکت منظور کی اور ان سے ملنے کا بھی وعدہ فرمایا۔ یہ بات طے پائی اور بلا شبہ بھی مناسب تھا کہ خواجہ صاحب پالٹکس کو چھوڑ دیں۔ تصوف کی اشاعت کا شغل کافی ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں ان کو لکھوں۔

۹ دسمبر سنہ ۱۹ء — آپ کا دعاگو اور .... اکبر

(۷)

بنام نواب سید علی حسن صاحب

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ! جناب نواب نور الحسن خانصاحب کے انتقال کی خبر نے اس قدر مغموم کیا کہ اس کا اظہار محال ہے۔ ایسے فرشتہ خصلت لوگ کہاں نظر آتے ہیں میرے بڑے محب اور قدردان تھے۔ آپ کے دل پر کیا گزری ہوگی اس فقرہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ یہی خیال تسکین دہ ہے کہ ما نیز براہ سفریم۔

میں اس سال برسات میں بہت علیل رہا ارادہ تھا کہ فوراً تعزیت کے لئے حاضر ہوں لیکن نہ آسکا۔ خود ایسی پریشانی میں رہتا ہوں کہ عرض نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو مدت دراز تک صحیح و سالم اور مسند عزت پر متمکن رکھے۔ آپ سے بہت کچھ دلی قوت ہے خدا کرے جلد حاضر ہوسکوں۔

۱۶ر نومبر سنہ [illegible] — خاکسار اکبر حسین الہ آباد

(۸)

بنام منشی محمد امین زبیری

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امراض متعددہ کے سبب سے دل ودماغ پر قابو نہیں۔ افسوس کہ آپ کے عنایت ناموں کا جواب ابھی تک نہ لکھ سکا اس وقت تو لکھنا بھی مشکل ہے۔ انگلیوں میں درد ہے دیوان کے کچھ اشعار بھیجے ہیں۔ زندگی رہی تو پھر کبھی۔ طریقت پر خدا آپ کو مستقیم رکھے۔

۲۶ر دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء — اکبر حسین۔ الہ آباد

(۹)

بنام منشی محمد امین زبیری

کتاب حریت اسلام پہنچی۔ یادآوری کا سپاس گزار ہوں۔ بہت دلچسپ کتاب ہے۔ وقت کے مناسب حال ہے۔ خداوند تعالیٰ ہم لوگوں کو عزت عطا فرمائے۔ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں چند سنہ سے بہت بیمار ہوں طبیعت کو انتشار ہے۔

۲۸ر اپریل سنہ ۱۹۲۱ء — طالب دعا اکبر

(۱۰)

بنام منشی محمد امین زبیری

برادر طریقت[1] سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی محبت اور مزاج پرسی سے دل کو بہت مسرت ہوئی۔ ضعیفی کے دن ہیں۔ نفس واپسیں کا انتظار ہے۔ ہر حال میں خدا کا شکر ہے۔ اس وقت تو علاج سے نفع ہوا ہے۔ امید ہے آپ کا رسالہ اچھی طرح چل رہا ہوگا اور آپ بھی راہ سلوک میں سرگرم اور اس سے بہرہ اندوز ہوں گے۔

الہ آباد ۱۸ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۴ء — خاکسار اکبر

(۱۱)

مکرمی افسوس ہے کہ آج آپ کی مکالمت و مجالست کے لطف سے محروم رہا۔ حالت یہ پیش آئی کہ دوسرے

---

[1] طریقت

مہمان صاحب بہ سبب ضعف کے آنہ سکے اور لکھ بھیجا کہ میرا کھانا یہیں بھیج دیجئے ادھر ہاشم سلمہ بھی بیمار ہیں اور میں مشغول ہوا خود بھی کھانے کے لئے تیار نہ تھا۔ کچہری کا وقت آن پہنچا۔ میں سمجھا کہ نہایت بے لطفی ہو گی کہ آپ تنہا طعام نوش کریں۔ بہ مجبوری وہیں بھیج دیا۔ اس وقت آپ کا منتظر تھا۔ سُنا کہ آپ باہر گئے ہیں کیا کل شب کو آپکا قیام نہ ہوگا تاکہ آپ سے اطمینان سے ملنے کا موقع ہو۔

اکبر حسین

(۱۲)

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے خط سے روحانی مسرت ہوئی اگرچہ میں اب دنیا سے قریباً بالکل بے تعلق ہو گیا ہوں۔ لیکن آپ کی محبت اور قابلیت کی یاد دل سے نہیں گئی۔

آپ تو اربابِ طریقت میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اب کوئی جلد کلیات کی باقی نہیں ہے پرسوں ، خیر کاپی حصہ اول کی کسی کو بھیج دی گئی۔

حصہ دوم پریس میں ہے۔ امید ہے کہ اگست میں اشاعت پا جائے۔ حصہ سوم ابھی زیر ترتیب ہے۔

گردشِ لیل و نہار کو دیکھئے۔ خوب تماشے ملا کرتے ہیں۔ خدا آپ کو ترقیات باطنی نصیب کرے۔ دنیائے فانی صرف تماشا اور لہو و لعب ہے۔

الٰہ آباد ۱۲ رجون ۱۹ء　　　نیاز مند دعاگو اکبر حسین

(۱۳)

مولوی بشیر الدین مرحوم

پیارے عنایت فرما۔ افسوس ہے کہ مایوسی والا مضمون میں اب تک نہ بھیج سکا۔ انشاء اللہ معہ ترجمہ بھیجوں گا۔

۱۴ راگست کے البشیر میں محمد علی صاحب نے ہماری حالتِ ملی کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے بہت جوش اور قابلیت سے لکھا ہے۔

ہمارے برادر مکرم شیخ احمد حسین خان بہادر رئیس پریانواں دریافت فرماتے ہیں کہ یہ مسٹر محمد علی صاحب کون بزرگ ہیں۔ کیا ایڈریس ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ براہ کرم جلد اس امر سے مطلع فرمائیں گے۔ خان بہادر صاحب پردے کے باب میں ایک پمفلٹ شائع کیا چاہتے ہیں۔ خدا آپ کی مدد کرے۔

خادم اکبر حسین

(۱۴)

مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم ایڈیٹر البشیر

جناب ایڈیٹر صاحب۔ جناب مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے قرآن مجید کا جو بامحاورہ اردو ترجمہ شائع کیا ہے وہ درحقیقت نہایت عمدہ بلکہ لاجواب ہے اس سے بہتر خدمت اسلام کی اس زمانے میں ذہن میں نہیں آ سکتی۔

اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے ان کے علم و قابلیت سے قوم کو بہت فائدہ پہنچا اور بہت فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔

بعض مقامات پر مجھ کو شبہ پیدا ہوا ہے یا تو میرا شبہ بیجا ہے اور ایسا ہونا کچھ بعید نہیں کیونکہ بغیر علم کی روشنی کے محض عقل و قیاس کو اس منزل میں کہاں تک رسائی ہو سکتی ہے اور یا فی الواقع ترجمہ میں کچھ غلطی ہو گئی ایسا ہونا بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ مولوی صاحب کے مددگار اور بزرگوار بھی تھے شاید کسی نے غلطی کی اور نظر ثانی میں اس پر نگاہ نہ پڑی اتنے بڑے عظیم الشان قانون معرفت کے ترجمے میں اگر انہیں دو چار غلطیوں پر نظر نہ پڑی تو کچھ تعجب نہیں۔ اب میں اپنا شبہ بیان کرتا ہوں۔ سورہ والتین کے ترجمہ پر صفحہ ۹۰۱ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل السافلین کا ترجمہ حسب ذیل کیا گیا ہے۔ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا۔ پھر ہم اس کو (بوڑھا کر کے) کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے۔

بریکٹ میں جو الفاظ توضیح کے لئے بڑھائے گئے ہیں اس کی صحت میں مجھ کو شبہ ہے درحقیقت یہ غلط نہیں ہے معنی کے بیان میں شاید غلطی ہوئی میرا خیال تھا اور ہے کہ یہاں جوانی اور بڑھاپا مقصود نہیں ہے بلکہ انسان کی روحانی اور اخلاقی حالت کا بیان ہے ترک دنیا کن و بگذر

دوسری آیت الا الذین آمنوا و عملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون اس خیال کی تائید کرتی ہے اگر میرا خیال صحیح تسلیم کیا جائے تو آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح چاہئے۔ اگر میرا خیال صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو یہ بات زیر بحث ہو گی۔

سید اکبر حسین از الٰہ آباد

(۱۵)

بنام جناب بشیر الدین صاحب مرحوم

واہ حضرت کلکتہ سے واپسی کے وقت وعدہ تشریف آوری آپ نے خوب پورا کیا میں تمام خیالات و مضامین لئے ہوئے آپ کا منتظر رہا۔ آپ نہ آئے تو خوب گئیں اڑتیں، وہ منصوبے گھٹتے خراب بھی تعمیل ارشاد پر کرتا ہوں۔ ماہ صیام نے زیادہ تر نکما کر دیا ہے۔

آپ کلکتہ کے تحائف لئے ہوئے سیدھے گھر پہنچے اس ڈر سے کہ حصہ نہ لگائے۔

نیازمند اکبر

(۱۶)

بنام مولوی بشیر الدین صاحب مرحوم

مکرمی۔ میں تو آپ کا پرانا آسامی ہوں۔ عشرت صاحب نے بھی تحریک کرتے تو تعمیل ارشاد کرتا۔ چنانچہ قیمت دے کر اخبار لیا۔ میں علیل رہتا ہوں۔ تعلقات منقطع ہو چکے ہیں اگرچہ اکثر امور لائق بیان ذہن میں آیا کرتے ہیں لیکن خاموشی کو ترجیح دیتا ہوں۔ کبھی اخلاق، معرفت، موعظت میں کوئی نوٹ لکھ دیتا ہوں۔ خاتمہ قریب ہے اللہ تعالیٰ عاقبت بخیر کرے

صدیوں فلاسفی کی چناں و چنیں رہی ۔۔۔ لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

یعنی نجات آخرت کا خیال سب کو ہے۔

اکبر

آپ کے دوست جعفر حسین صاحب کہاں ہیں کیا کرتے ہیں؟

شاد عظیم آبادی

(۱)

بنام محمد مسلم صاحب علی گڈھ (پٹنہ)

مکرمی!

اردو تعلیم کے پروف جہاں تک چھپے ہیں افسوس ہے کہ ناقص چھپے ہیں۔ اس کے حالات دیباچہ سے واضح ہو سکتے ہیں مگر وہ آخر میں چھپے گا۔ اس وقت جتنے اوراق چھپے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ جو جو پروف چھپتے جائیں گے انشاء اللہ حاضر کرتا جاؤں گا۔ حتی الوسع اسی تعلیم کی پہلی کتاب میں تمام رسم الخط و اشارات املائی اور بعض جدید نقائص اس خط کے وضع کئے گئے ہیں۔ اس کا حال بغیر تفصیل ملاحظہ فرمائے ہوئے معلوم نہیں ہو سکے گا۔ یہ تحریر میں نے ایک موقع کے لئے لکھی تھی۔ یہی مسودہ ہے صاف بھی نہیں کیا گیا ہے اور نہ نظر ثانی کی ہے۔ امید ہے کہ از راہ عنایات بشرط فرصت اس کو ملاحظہ فرما کر واپس مرحمت فرمائیے گا۔ ہر چند اس مسودے میں اکثر زوائد ہیں جن پر اصلاح دینا ضروری ہے مگر آپ سے ایسی یک جہتی ہے کہ مجھ کو اس کے بھیجنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ ملاحظہ فرما کر واپس فرما دیجئے۔ عمر کم طویل و عدو کم ذلیل۔

خاکسار سید علی محمد شاد ۱۱ مئی ۱۹۰۵ء

(۲)

بنام مولانا شاہ سلیمان صاحب مرحوم پھلواروی

جناب مولائی و ملاذی!

تسلیم بجا لاتا ہوں۔ اس دفعہ خاکسار نے محرم میں کوئی مجلس نہیں پڑھی ورنہ حسب وعدہ تکلیف دیتا۔

میرا تو دل چاہتا ہے کہ کسی دن پھلواری میں حاضر ہوں۔ چند گھنٹے تک خدمت والا میں حاضر رہ کر مرثیہ پڑھوں۔ ممکن ہے کہ کوئی منبر بھی رکھوا دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرش پر بیٹھ کے پڑھوں۔ گو پیرانہ سالی و امراض قلب و معدہ میں گرفتار ہوں مگر ممکن ہے کہ دو گھنٹے کی صحبت ہو جائے۔

غالباً آگرہ کی اردو کانفرنس میں ۲۶ دسمبر تک مجھ کو جانا پڑے۔ اگر اس سے قبل کوئی تاریخ مناسب ہو تو مجھ کو مطلع فرمایا جائے

حالت یہ ہے کہ میں بارہ بجے دن کو صرف ایک وقت غذا کرتا ہوں، بعد اس کے بلا فصل دو گھنٹہ تک سو رہتا ہوں یا تین بجے کا وقت رکھا جائے یا نو بجے دن کا۔ مجھ کو معلوم نہیں کہ پھلواری جانے آنے میں مجھ کو ریل کا کون سا وقت اختیار کرنا ہوگا تاکہ اسی دن شام کو گھر واپس آ جاؤں۔ پھلواری کے بعض بزرگوں نے او ر دو دفعہ بھی مجھ پر اصرار کیا تھا مگر مجھ سے نہ ہو سکا۔ غالباً ان بزرگوں کو بھی میری حاضری کی خبر مل جائے گی۔ ظلکم ممدود برب الودود۔

خاکسار خادم: السید علی محمد شاد۔ پٹنہ ۱۶ دسمبر ۱۹۱۳ء

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

برادر عزیز مسلم روحی فداکم!

میں تعجب کرتا ہوں کہ اس مفصل خط کے بعد جو خط میں نے آپ کو لکھا وہ کیوں نہ پہنچا۔ تصویر کا ایک ورق چھپا ہوا میرے پاس پہنچا۔ دیکھ کر افسوس ہوا میں نے جو پیمانہ اس کا قائم کیا تھا وہی پیمانہ مثنوی کا تھا چنانچہ سراحت بار بار خطوں میں اطلاع دیتا گیا ہوں مگر یہ تصویر اس پیمانہ سے دونی ہے۔ اب بجز اس کے اور کیا کر سکتا ہوں کہ مثنوی کی تقطیع بھی اتنی ہی رکھی جائے۔ سخت تعجب ہے کہ منیجر صاحب نے غور نہ کر لیا۔ یہاں کے مطبع سے اب مجھ کو پوری یاس ہو گئی یعنی اب تک صاحب مطبع نے مجھ سے ملاقات تک نہیں کی ہے۔ نیا صاحب نے بڑی مشکلوں سے بلوایا تو عجیب عجیب باتیں اس نے کیں یعنی اب دیر نہ ہوگی۔ میں نے بھی ڈھیل دے دی ہے کیونکہ جب تصویر ہی بڑی بن گئی تو خواہی نخواہی تقطیع بدلنا پڑا۔ میں نے پرسوں الہلال کو مفصل خط لکھا تھا۔ باقی پور کے مطبع کھڑگ بلاس کا منیجر مولوی شجاعت علی خاں صاحب کا سفارشی خط لے کر میرے پاس آیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی کتاب کے جمع کر کے چھاپنے کا قصد کیا ہے جس میں لیڈی ہارڈنگ کے مرنے پر جس جس زبان میں ماتم نامہ لکھا گیا ہے سب کو ایک جگہ جمع کر کے وائسرائے کے پاس بھیج دے مجھ سے بھی اس کی خواہش ہے کہ میں بھی مسدس دے دوں۔ اس سے اس مثنوی کا ذکر آیا تو وہ خوشخط ٹائپ میں چھاپنے پر راضی ہے۔ آج غالباً وہ حساب وغیرہ اور نمونہ لے کر آئے گا دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ طبع کتاب کے بارے میں ہمیشہ سے میری تقدیر یہی رنگ دکھایا کی ہے جس کو آپ نے ملاحظہ کیا۔ دیوان کے بارے میں مخدومی جناب مولانا ابوالکلام صاحب کے ارشاد کا میں ممنون ہوں۔ اہلِ علم سے میں کوئی چیز عزیز نہیں کرتا خاص کر کے جب خود میری ہی بھلائی اس میں ہے۔ اس بارے میں ان سے خط و کتابت ضرور کروں گا۔ ساتی پوری ساریاں کلکتہ میں ہر قسم کی افراط سے ملتی ہیں۔ کرپر بیل والی ساریاں یہاں کی عورتیں پسند نہیں کرتیں۔ ایک انچ کی بیل چار طرف کورمیں ہو اس کو پسند کرتی ہیں۔ معمولی قد کی ساری ململ کا کپڑا قیمتی دو روپیہ چار آنہ زیادہ کی دو عدد ساری اور کسی قدر دراز قد عورت کے قابل ویسی ہی ساری ایک عدد درکار ہے۔ رنگوئی سلیپر خاص کر کے نئے بازار یا ٹھٹھیاں میں بہت ملتی ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ تک فی عدد قیمت ہے۔ ایک سلیپر ۹ انچ لانبی اور ایک ساڑھے سات انچ لانبی درکار ہے۔ دو معمولی موزے یعنی بوٹ گھنڈی دار ایک تین برس کے لڑکے اور ایک دو برس کے بچے کے قابل قیمتی فی ڈیڑھ روپیہ۔ مذکورہ بالا چیزوں کی فہرست ذیل میں ہے:

ساری ساتی پوری جس میں چار طرف بیل ایک انچ کی ہو معمولی قد کی ساڑھے چار گز لمبی دو عدد فی عہ نقرہ للعہ

ایضاً درازقد او رمذکورہ بالا ساریوں سے کسی قدر کمتا زساڑھے چار گز لانبی ۴ عدد
سلیپر سیاہ رنگونی آٹھ انچ لمبی ۴ عدد
ایضاً ۹ انچ لمبی ۴ عدد
ایضاً سات انچ لمبی ۴ عدد
بوٹ گھنڈی دار تین برس کے لڑکے کے قابل ۴ عدد
ایضاً دو برس کے بچہ کے قابل ۴ عدد

اگر آپ کا قیام وہاں ایک ہفتہ تک اور ہے تو میں منی آرڈر بھیج دوں اور اگر موقع نہ ہو بشرطیکہ اتنے روپے آپ کے پاس ہوں تو از راہِ عنایت خود خرید فرما کر اپنے ساتھ لیتے آئیے گا۔ اس کے علاوہ دو تکیہ صابون عمدہ قیمتی ہمراہ لائیے گا۔
میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کو خریداری میں زحمت ضرور ہوگی مگر مجبور ہو گیا ہوں۔ چینا مرغی کا بھیجنا بھی ضروری سمجھئے۔
اگر آپ کا وہاں ایک ہفتہ اور بھی قیام ہوگا تو مسدس مطلوبہ مولانا ابوالکلام حاضر کر دوں گا۔ لیکن آپ کو مولانا ابوالکلام صاحب کے پاس جانے میں اتنی تکلیف نہ ہوتی ہوگی جیسی ہم لوگوں کو باقی پور جانے میں مگر اب چنداں تکلیف کی حاجت نہیں ہے۔ آپ نے ادھورا ترجمہ کیوں بھیجا۔ پورا کر دیتے تو میں دوسروں کے بارِ احسان سے کسی قدر سبکدوش رہتا۔ نہ اس وجہ سے کہ آپ مجھ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں بلکہ اس سبب سے کہ آپ جس خاندانِ عالی کے ممبر ہیں مجھ کو اس خاندان سے دلی موانست ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے فی زمانہ آپ کو ایسا سعادت مند پیدا کیا ہے کہ آپ کو دیکھ کر میں فخر کرتا ہوں کہ میرے شہر کے پرانے خاندان میں آپ ایسا جوہرِ کامل پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو طویل العمر کرے، اور جیسے آپ ہیں ویسی ہی ترقی بخشے۔ آمین رب العالمین!

خاکسار دعاگو: سید علی محمد شاد۔ جولائی ۱۹۱۴ء

(۴)

سید وصی احمد صاحب فانی بلگرامی

برخوردار نورِ چشم فضائل مآب سلمکم اللہ تعالیٰ!

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد مجھ کو زیر ناف سخت درد پیدا ہو گیا۔ رات تڑپ کر کٹی۔ تھوڑی دیر سے کچھ افاقہ ہے جس میموریل کا آپ سے ذکر کیا ہے اس کا ایک انگریزی مسودہ اور کچھ مضمون اس پر زیادہ کیا ہے۔ اردو میں وہ مضمون جاتا ہے۔ پوری امید ہے کہ آپ ان مضامین کو اپنے طور پر انگریزی میں لکھ دیجئے اور صاف کر کے اس دوشنبہ کے قبل میرے پاس روانہ کر دیجئے۔ دوشنبہ کے دن کمشنر صاحب کو دکھا کر چھپوانے کا ارادہ ہے اور اگر آپ کی عنایت ہوگی تو انشاء اللہ ۱۵ نومبر کو داخل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر و اقبال میں ترقی عطا کرے۔ آمین!

رقیمۃ الدعا: السید علی محمد شاد۔ ۱۷ نومبر ۱۹۱۸ء پٹنہ۔

(۵)

<u>بنام سید محمد احمد صاحب فانی بلگرامی</u>

جان و دل نثار و قربان شما!

ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا کہ آپ کا گرامی نامہ باعث قوت دل حسرت منزل ہوا تھا۔ کتابوں کی نسبت کیا عرض کروں، بس ہفتہ سے چھپ رہا ہے۔ کل چاروں کا ایک ایک جزو تیار ہو جائے گا مگر کوئی نہ کوئی بکھیڑا نکل آتا ہے۔ شاید اب تو ادھر تک تیار ہو کر آپ کے پاس روانہ ہو جائے۔

بھائی اس عمر اور درد جگر اور ضعف نے مجھ کو مار ڈالا ہے۔ اس پر مسودہ دیکھنا، کاپی دیکھنا، پروف دیکھنا اور پھر مطلب مضامین پر نظر رکھنا۔ خدا اہل علم و فن میں عزت رکھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور درجۂ اعلیٰ پر پہنچائے جب دیکھ کر دل باغ باغ ہوتا ہے۔ میں تو اس وقت بھی فخر کرتا ہوں اور دل چاہتا ہے کہ تمہارے پاؤں کی خاک اپنی آنکھوں سے لگایا کروں۔

تمہارا خاکسار السید علی محمد شاد۔ ۳ دسمبر ۱۹۲۰ء

---

(۶)

<u>بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ</u>

سلمکم اللہ بالعیش والسرور

السلام علیکم۔ مجھ کو شکایت ہے کہ آپ نے متعلق اپنے حالات کی مجھ کو خبر نہیں دی۔ دریافت کرنے سے کوئی درست پتہ بھی نہ مل سکا۔ ابھی قاضی عبدالودود صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ علی گڑھ میں ہیں۔ مسٹر راس مسعود صاحب نے مجھ کو لکھا تھا کہ آپ مولوی محمد مسلم صاحب سے کہہ دیجئے کہ جب یہ حیدرآباد پہنچ جائیں (یہ خط جاپان سے لکھا تھا اور نومبر کے آخر میں اپنا پہنچنا بتایا تھا)، تو ہم کو اطلاع دیں۔ مجھ کو پتہ ہی آپ کا نہ مل سکا۔ مولوی عباس حسین صاحب کا خط بھی مل گیا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو دونوں بھیج دوں۔ قاضی عبدالودود صاحب میرے غزلیات باصرار چھپوایا چاہتے ہیں۔ حالت یہ کہ دو بارہ جزو سے زیادہ نہیں چھپواتے اور خود منتخب بھی کرتے ہیں۔ اب میں سخت مجبور ہوں کہ کیا کروں۔ میں برابر بیمار رہا اور دوسرے کاموں میں ایسا الجھا کہ غزلوں کو دوبارہ نہ دیکھ سکا۔ وہ کل مسودات غزلوں کے لئے ہوئے چلے گئے۔ ان کے دادا سے بے حد ربط تھا میں کیا بولتا۔ غرض جہاں تک معلوم ہوا پانچ جزو تک کاپیاں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ ان کا ارادہ ہے کہ وہ علی گڑھ چھاپنے کو بھیج رہے ہیں۔ جس مطبع میں تاریخ اسلامیہ چھپی ہے وہیں اس کو بھی چھپوائیں گے۔ مجھ کو بہت بڑی خوشی اور فرحت ہوئی کہ آپ وہاں موجود ہیں۔ انشاء اللہ کوئی غلطی میری خود اور کتابت کی نہ رہ جائے گی مگر حالت یہ ہے کہ جب تک میری کتاب فکر بلیغ شائع نہ ہو دیوان کا چھپنا مصلحت نہ تھا کیونکہ میرے اصولوں سے ہنوز لوگوں کو اطلاع نہیں ہے اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ ان غزلیات کے ساتھ ساتھ فکر بلیغ کا چھپنا بھی وہیں شروع کیا جائے۔ کتاب مرتب ہے اور مجلد۔ وہیں کتابت ہو، آپ تصحیح کریں۔ مالکان مطبع سے طے کیجئے اور کہئے کہ مصنف اس کا غریب شخص ہے۔ حصہ اول کا آب کا بارہ تیرہ جزو سے کم نہیں، حصہ دوم کچھ زیادہ ہے۔ تقطیع تاریخ اسلامیہ سے زیادہ ہو تو بہتر ہے ورنہ جو رائے آپ کی۔ (۱) کس بھاؤ سے چھپے گی (۲) کتابت اور چھپائی ٹھیک تاریخ اسلامیہ کی سی (۳) پوری کتاب جون میں مل جائے اور حصہ اول تو اپریل میں ضرور (۴) فی جزو

مل ہو جائے کہ روپے چار قسطوں میں ملیں گے۔ شروع کتاب کے ساتھ ایک سو، چار جزو چھپنے پر ڈیڑھ سو، نصف چھپنے پر ایک سو، بقیہ کل چھپنے پر (۵۰)، وعدہ خلافی کا مطبع ذمہ دار ہے اور غلطی کتابت کے مولوی محمد مسلم صاحب سلمہٗ۔ بواپسی ڈاک مفصل جواب دیجئے۔ یہ اخیر کام میرا آپ کو کرنا ہوگا۔ سنا کہ آپ لڑکے کو بھی ساتھ لے گئے ہیں بہت اچھا کیا خدا اپنے حفظ و اماں میں رکھے۔ اس کتاب کے چھپنے کے لئے مشکل سے روپے فراہم کئے ہیں، ڈرتا ہوں کہ ضرورت ہی خرچ نہ ہو جائیں۔

میری غزلوں کی کاپیاں خود آپ نظر غائر سے دیکھئے۔ ۸۰ برس کی عمر ہے پوک جانا عمداً غلطی کا رہ جانا ضروریات سے ہے اور خاص میرے ساتھ جو زمانہ کی حالت ہے آپ سے مخفی نہیں۔ میں یہاں تک آپ سے مطمئن ہوں کہ اگر وقت کم ہو تو کچھ ضرورت مجھ سے پوچھنے کی نہیں ہے جو مناسب معلوم ہو خود بنا دیجئے گا۔ مسٹر راس مسعود صاحب نے ایک تذکرہ چھاپا ہے۔ میرا بھی ذکر کیا ہے کیا آپ نے اس کو پڑھا ہے؟

میں اب جتنے دن دنیا میں ہوں جلد کام ختم کر لوں اسی کی دھن ہے۔ میری نظر میں دو شخص پٹنہ بھر میں ایسے ہیں جن پر میں اطمینان کروں مگر ایک عدیم الفرصت اور دلچسپی نہیں رکھتے یعنی لاڈلے صاحب سلمہٗ ایک آپ، اگرچہ آپ بھی حد سے زیادہ عدیم الفرصت ہیں مگر دلچسپی تو رکھتے ہیں۔ والسلام بالاکرام!

مخلص دعاگو شادؔ: سید علی محمد شادؔ عظیم آباد ۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء

---

(۷)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

مطالب محفوظ

حبیبنا و مولانا محمد مسلم روحنا فداکم!

اس میں شک نہیں کہ عزیزی قاضی صاحب نے نہایت قدر دانی کے ساتھ میرے ناچیز کلام کے چھپوا دینے کا صرفہ گوارا کر لیا۔ تفصیلی حالت یہ ہے کہ میری غزلیں ایک تو منتشر دوسرے ترتیب دیئے ہوئے کئی مجموعے۔ وہ مجموعے بھی اس طرح کے کہ اکثر غزلیں اور اشعار ایک کے دوسرے میں تھیں۔ مزید برآں وقتاً فوقتاً جو مصرع یا الفاظ بدل دیئے ہیں وہ بھی ایک نئے۔ دوسرے میں ہیں۔ ارادہ تھا کہ اس کتاب فکر بلیغ سے فارغ ہو کر باطمینان دیوان کی ترتیب دوں گا اسی لئے اکثر مجموعہ کی غزلوں پر بطور یادداشت کچھ کچھ نشان بنا دیئے تھے وہ سب مجموعے اور منتشر مسودے میاں قیس صاحب مستحکم وعدہ کر کے اور نہایت اطمینان دلوا کر اٹھا لے گئے اور یہ کہا گیا کہ ہم لوگ ایک جگہ صاف کر لیں گے اور ایک کا۔ ہر سرے سے مقابلہ بخوبی کر لیں گے اس کے بعد آپ کو ملاحظہ کروا کے کاپیاں لکھوائیں گے۔ کچھ تو مروت اور کچھ اپنی محنت کے کم ہو جانے کے خیال سے بابیوقوفی اور اعتبار کر کے مطلق عذر نہ کیا یہاں تک کہ میاں قیس نے ایک غزل بھی نہ چھوڑی۔ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر سب لے گئے۔ جب لے جا چکے تو یہ ظاہر کیا کہ قاضی صاحب چونکہ یورپ جلد جائیں گے اس لئے صرف دس جزو کو بقدر مختصر کر کے چھپوائیں گے۔ اگرچہ مجھ پر گراں ہوا مگر جب یہ اطمینان دیا گیا کہ انتخاب تم خود کرو گے تو مجبوراً راضی ہونا پڑا۔ اس کے بعد میاں قیس نے تھیں صورت نہ دکھائی۔ بلا بلا بھیجنے پر بلا مبالغہ سیکڑوں خط لکھے ہر دفعہ غلط وعدہ کیا اور نہ آئے آخر بصد خرابی میرے پاس چند اجزا اس مجموعہ کے بھیجے گئے کہ منتخب کر دو سب مجموعے تو

ان کے پاس رہتے ہیں پھر ان کو منتخب کرتا گیا کروں۔ اصرار کیا کہ بھائی جب تک وہ سب مجموعے نہ ہوں گے فقط ان چند اجزا سے دیباچہ وغیرہ کا کیونکر پتہ لگے لیکن گویا وہ سب مجموعے گرو ہو گئے کسی طرح واپس نہ دیئے۔ ہزار ہزار سر پٹکا مگر سنتا کون ہے آخر تھک کر یہ اجزا بھی حوالے کر دیئے اور کہا کہ بغیر ان سب متفرق مجموعوں کے مجھ سے انتخاب غیر ممکن ہے اس کا بھی جھینپا جواب نہ ملا۔ میاں قیس نے صورت دکھائی۔ خارجاً سنا گیا کہ کاپیاں لکھی جا رہی ہیں، پھر لکھا کہ صاحب آپ بغیر میرے انتخاب کے کاپیاں کیوں لکھوا رہے ہیں۔ جواب ندارد۔ مولانا مسلّم خدا شاہد ہے کہ مجھ کو جس قدر اس کا صدمہ ہوا ہے میں بیان نہیں کر سکتا یعنی میری چیز ضبط کی گئی اور زبردستی مجبور رکھ کے نورراثی کا مجھے اس پیرانہ سالی میں شکار بنایا گیا۔ پھر سنا کہ پانچ جزو کا پیاں لکھی جا چکی ہیں۔ خط بھیجا پہلا جواب کون دیتا ہے۔ زبانی جواب یہ کہ کاپی آپ کو دکھالی جائے گی آخر ڈیڑھ جزو کاپی خدمتگار کی معرفت میرے پاس اس حکم کے ساتھ بھیجی گئی کہ آج ہی اس کو دیکھ کر دے دو۔ کاپی دیکھ کر سخت صدمہ ہوا۔ تمام تر الیسی فروگذاشتیں پائیں کہ ایک آہ منہ سے نکلی پھر آرزو و منت کی کہ آپ لوگ اپنی جلد بازی کے سبب سے میرے منہ میں کالک نہ لگائیے۔ ہاتھ تک جوڑے۔ خدا کے لئے اب بھی میرا ذخیرہ بھیج دیجئے کہ میں کسی طرح ان کاپیوں کا تدارک کروں اور برابر یہ بھی لکھا کیا کہ اگر میری جانب سے اعتبار نہیں ہے تو نقد روپے لے کر بطور ضمانت رکھ لیجئے اور وہ ذخیرہ بھیج دیجئے۔ ہزار ہزار منت پر صرف ایک مجموعہ الیسا میرے پاس بھیجا گیا جو موقوف علیہ دوسرے مجموعہ کا ہے۔ اللہ اللہ کس ضیق میں میری جان پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں قیس نے گھر کی راہ لی اور لکھا کہ آپ کے پاس جو کاپی گئی ہے اس کو بھیج دیجئے تو سب ذخیرہ آپ کا پہنچا دیں گے۔ میں نے یقین کیا کہ ضرور وہ الیسا کریں گے وہ ڈیڑھ جزو بجنسہ بھیج دیئے پھر نہ ذخیرہ واپس ملا نہ کوئی خبر دی گئی۔ افواہاً سنا گیا کہ علی گڈھ میں چھپنا شروع ہو گیا تب یہ لگ کر دست آرہے۔ کتنے پچاس روپے قرض کئے اور بہ ہزار دشواری کرایہ کی گاڑی کر کے پہلے حضور میں جناب قیس صاحب کے حاضر ہوا و ضرجا لیا اور دولت پر جناب قاضی صاحب کے گئے بہرا اس نے یہ حال جو گزر رہا تھا جو آپ کا عرض ہوا ہے مجھ سے پہنچے ذخیرہ مجھ کو مرحمت کیجئے اور جو کچھ بھی ہے میرے ذمہ کیجئے اور مجھ سے میری ترتیب کے مطابق چھپوانے میں راضی ہوں۔ قاضی صاحب نے آخر میں فرمایا کہ میرے سب روپے دے دو تو میں ممانعت لکھ بھیجوں اور وہاں جو کچھ چھپا ہے اس کا تاوان اپنے ذمہ کرو بعد وصولی کے تمہارا ذخیرہ ملے گا گویا اس عمر میں مجھ کو چور اور بدمعاش سمجھا۔ میں راضی ہو گیا کہ بہتر یہی ہے تو کہا گیا کہ کل حساب ہو جائے گا۔ روپیہ بھیج دو تو لے کر ذخیرہ دیں گے۔ دوسرے دن ذیل کا حساب آیا:

خرچ طبع اشتہارات جو اخباروں وغیرہ میں دئے گئے = ۲ ، اجرت کاپی دس جزو = لعہ
خرچ روانگی خطوط و سواری چہ نگاوغیرہ و پوسٹ کا خرچ = ۲ ، نقد قیمت کاغذ = ۱۰ } ما ۲

اس کے علاوہ تاوان طبع وغیرہ جو میاں قیس سے بعد کو معلوم ہوگا۔

یہ سب دیکھ کر اپنی غربت، مجبوری، پیرانہ سالی، عمر بھر کی ریاضت، مزید برآں خلاف امید میاں قیس صاحب کی نظر سب نے میرا دل چور کر دیا اور میں نے سمجھ لیا کہ مقصود ابتدا ہی سے اور مجبور محض کرنا ہے، ناچار لہو کا گھونٹ گھونٹنا پڑا اور خاموشی اختیار کر لی یہ ہے بڑا کم و کاست واقعہ۔ اب اصرار شروع ہوا کہ دیباچہ لکھ دو، تصانیف کی فہرست دو۔ بعض کا اصرار ہوا کہ خاندان کا ذکر بھی لکھ دو۔ اب پھر یہ بھی فرمائش ہے کہ اکثر ردیفوں میں غزلیں کم یا نہیں ہیں کچھ غزلیں اور دو، اور طرح

ماجرا یہ ہے کہ پھر بھی کم بخت ذخیرہ غزلیات اور وہ رباعیات آٹھ تازہ غزلوں کا مسودہ جو بعد کو میاں قیس لے گئے ہیں کسی طرح واپس نہیں ملتا
مولانا مسلم آپ کو خدا نے ذی علم و کمال، صاحب تصنیف اور بڑی وہی بات یہ ہے کہ شریف النفس اور سب سے بالا یہ خاندانی رئیس
بنایا ہے انصاف کیجئے کہ شرفا اس کو سن کر کیا کہیں گے۔ آپ نے اپنے خط میں قاضی صاحب کو جو دو فقرے انصافانہ لکھے تھے
اس پر ان کو سخت رنج ہے اور مجھ پر یہ اصرار ہے کہ تم محمد مسلم صاحب کو اس بارے میں کچھ نہ لکھو۔ بھلا جو تعلقات کہ میرے
آپ کے ساتھ ہیں کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں اپنے دکھ کو ان پر تمام نہ کروں۔ خدا کے لئے آپ مذکورہ بالا باتوں میں سے کوئی
بات ان کو نہ لکھیئے ورنہ خدا جانے اور کیا کیا صدمے مجھ کو اٹھانے پڑیں البتہ کسی تدبیر سے یا اپنی عبارت آرائی سے ایسا کچھ
بطور صلاح و فہمائش کے ان کو لکھیئے کہ میرا ذخیرہ اور میاں قیس سے میری غزلیں جلد مل جائیں ورنہ میری موت ہے اور یہ وقت
نرمی کا ہے غصہ کی کوئی بات نہ لکھیئے گا ورنہ معاوضہ میرے ساتھ کیا جائے گا۔ میں بڈھا اور غریب شخص ہوں اور خانہ نشین۔

اب دوسری بات سنئے یہ دیوان تو خیر جس حالت میں چھپے چھپ جائے گا مگر اب فرض ہو گیا کہ جس طرح بنے اپنا
پورا دیوان جلد مرتب کر کے چھپوا دوں۔ یہ مختصر دیوان گویا اشتہار اور پیش خیمہ ہے۔ ناچار بہ مشکل تمام بعض احباب سے نقلیں لے کے
اور کچھ اپنی یاد پر اور باس موجودہ ناتمام و ناقص مجموعہ سے (جو انہوں نے بھیج دیا تھا) دس جزو تک صاف کر چکا ہوں۔ خدا جانے
اب میرے ذخیرہ کے منضبط رکھنے سے کیا مطلب ہے البتہ کوشش کیجئے کہ میرا ذخیرہ واپس ملے یکے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ
میرا مصمم قصد ہو گیا ہے کہ کسی طرح میرا پورا دیوان اور کتاب فکر بلیغ کم سے کم ڈیڑھ ڈیڑھ سو ہی سہی چھپ جائے۔ دو سو روپے تو
بہ دست مسودے کے ساتھ بھیج سکتا ہوں باقی کی فکر ہو رہی ہے اب از راہ عنایت ترتیب و فراز کا لحاظ فرما کر حسب ذیل دریافت
کر کے جلد تر جواب لکھیئے:

دیوان بیس جزو　　اگر ڈیڑھ سو چھپے گا تو مع لکھائی کیا خرچ ہو گا؟
فکر بلیغ ۲۵ جزو　　ایضاً　　ایضاً
فوٹو کا بلاک　　کس حساب سے بنتا ہے اور کس حساب سے چھپتا ہے؟

مصرع ہائے مطلوبہ ؎ اپنی ناکامی کا غم کیا ہے مگر حشر کے دن : کیا قیامت ہے۔ الخ
مقطع خدا جانے ذخیرہ میں کیا ہے ناچار تصنیف کر کے بھیجتا ہوں ؎

بدن سے روح چلی شاد سوئے کوچۂ یار
جواب خط کا بھلا اس کو انتظار کہاں

آپ کی بے مثل تحریر بمندرجہ جامعہ میں نے کئی مرتبہ پڑھی اور لطف اٹھایا بارک اللہ الحمد للہ!

دعا گو، سید علی محمد شاد۔ پٹنہ ۲۵ / فروری ۲۳ء

مکرر ؎　　در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ اند
　　　　باز می گوئید تر دامن مشو ہشیار باش

کل میں نے قاضی صاحب کو لکھ بھیجا تھا کہ اب جو غزلیں آپ مجھ سے مانگ رہے ہیں تو جن غزلوں کو میں مناسب

جانتا ہوں وہ اس ناقص مجموعہ میں نہیں ہیں اسی نخبو میں ہیں اور اب تو آپ اس سے کام بھی لے چکے مجھ کو بھیج دیجئے تو میں صاف کر کے بھیج دوں ابھی بیان قیس کی طرف۔ بیسہ اس کا جواب آیا اس کو میں ملفوف کرتا ہوں ملاحظہ کر کے واپس کر دیجئے۔ فرمائیے اس کا یہ جواب ہے۔ تو یہ ہے کہ اب مجھ کو وہ ذخیرہ بروز قیامت ملے گا اور طرح طرح کے سامنے ہوں گے خدا کے لئے آپ جا کر کے وقت فرصت لے کر چلے آئیے ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا اب اس ذخیرہ کے ضبط رکھنے سے کیا مطلب ہے۔

سید علی محمد شاد۔ ۲۶ فروری ۲۳ء

فرمائیے غلط سلط بے ترتیب سودہ کو مولوی سلیمان صاحب کے پاس بغیر مرتب انتزاع۔ کہ اگر یہ صحیح ہے بھیجئے کہ کیا میں نے

شاد

---

(۸)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

جان قابلیت مولانا محمد مسلم روحی فداک!

ان اوراق کو پہلے اوّل سے آخر تک بنظر غائر ملاحظہ فرمائیے جہاں مجھ سے بھول چوک ہوئی ہو یا اشعار مثنوی میں کوئی سقم پائیں شیاع ہو بے تکلف کاٹ دیجئے۔ میں پھر اگلے زمانہ کا ہوں اور آپ اس زمانے کے۔ ادھر نئی غزلیں بیس پچیس کہی ہیں اور اچھی ہیں وقت اور شمباتش دیکھ کر مجھ کو جیسا حکم دیجئے عمل کروں۔ والسلام بالاکرام!

سید علی محمد شاد۔ مرقومہ ۱۹ اپریل ۱۹۲۱ء

---

(۹)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب (پٹنہ)

مولانا محمد مسلم روحی فداکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میرے خط کے جواب میں آپ کا خط پہنچا۔ مجھ کو پہلے بھی یقین تھا کہ آپ ضرور ایسی کتاب کی قدر کریں گے قریب پانچ سو محاورے تو میں ضبط کر چکا ہوں اور کئی سو ایسے محاورے جن میں بسبب امتداد زمانہ مجھ کو شبہ تھا ملا جلال الدین ایڈیٹر سالار حبل المتین کے پاس بھیج دیئے ہیں عنقریب جواب آجائے گا۔ میرے خیال میں پندرہ سو سے زیادہ محاورے جمع کئے جائیں گے۔ زندگی کی حد نہیں اس پیرانہ سالی میں بمجبوری روزانہ آٹھ گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے صاف کرنے لگا تھا کہ آپ کا خط پایا۔ اچھا معلوم ہوا بطور نمونہ آپ کے پاس بھیج دوں۔ جہاں تک اس مخزن میں محاورات درج ہیں وہ ہنوز مہمل یا نشان نہیں ہیں۔ آگے ایسے ایسے الفاظ اور محاورے لکھے جائیں گے کہ اہل ہند کے گوش زدہ نہیں ہیں۔ اس نمونہ کو دیکھ کر اپنی رائے قائم کیجئے اور اس کو جلد واپس کیجئے فارسی والی مثنوی اور وہ رسفر نامکمل اور نسب نامہ بالضرور میرے پاس بھیج دیجئے۔ اس نے شعر بغیر ترمیم کے دنیا بھر کو میرا عدو بیکار بنا دیں گے عالی آپ کبھی اس کو گوارا نہ کریں گے جب تک یہ چیزیں واپس نہ آئیں گی غلط نامہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ جس قدر توقف ہو گا مجھ پر الزام نہیں ہے آپ نے اپنا حال کچھ نہ لکھا۔ کیسے رہتے ہیں رمضان کیسا کٹا لڑکا کیا رہا ہے مشغولی کتنی ہے کب تک مجھ سے ملئے گا سب کا جواب دے کر ممنون فرمائیے۔

دعاگو۔ سید علی محمد شاد۔ ۲۹ ماہ صیام ۱۳۴۱ھ

---

(۱۰)

بنام محمد مسلم صاحب علی گڑھ (پٹنہ)

روحی فداکم:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میری ایک فارسی نظم بطور مثنوی دیوان میں چھپنے کے لئے آپ کے پاس گئی ہے یا اب بھی جائے کیونکہ نفیس صاحب ہفتہ ہوئے لے گئے ہیں اس کے آخر کے اشعار طنز و تشنیع سے بھرے ہیں ان سب کو ضرور نکال دیجئے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمیشہ کے لئے دیوان میں یہ داغ لگا رہے۔ جہاں سے یہ شعر شروع ہے ع ہزار ایک لکھنے فقیرانہ سب کو آخر تک نکال دیجئے، ہرگز رہنے نہ دیجئے ورنہ برا الزام مجھ پر ہوگا۔ اس کے پہلے کے اشعار میں بھی کوئی شعر توہین والا رہ گیا ہو تو قلم زد کر دیجئے اور میری طرح جوش میں آکر باقی نہ رکھئے کیونکہ دوسروں کے شاگردوں کے دل میں چبھے گا۔ یہ صدمہ پیدا ہوا، وہ اپنا صدمہ دوسری ترکیب سے نکالیں۔

اس کا جواب فوراً دیجئے اور یہ بھی فرمایئے کہ کتنے اجزا دیوان کے چھپ چکے ہیں اور آیا جہاں تک فرمے چھپے ہیں میرے دیکھنے کو بھیجے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ ادھر میں ایک کتاب "فارسی تعلیم" لکھ رہا ہوں۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ موجودہ فارسی زبان اور پرانی زبان و الفاظ و طریقۂ استعمال میں کیا کیا فرق و تجدد ہو گیا۔ قریب قریب ایک ہزار کی فہرست لکھ چکا ہوں۔ میری بیماری، تعلقات و مصائب کے ہجوم میں اگر کوئی کام ہو جائے تو ہزار شکر ہے۔ سید حسین تسلیم کہتے ہیں۔

سید علی محمد شاد۔ ۵ مئی ۲۳ء

مولانا عبدالحلیم شرر

بنام مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی

(۱)

جناب من۔ السلام علیکم۔ آپ نے اپنے والا نامے مورخہ ۲ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں جناب حکیم سعید الدین صاحب قبلہ مرحوم و مغفور کی حسرت ناک وفات کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے بجا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حکیم صاحب مرحوم کی زندگی کا بہت زیادہ حصہ آپ ہی لوگوں میں گزرا۔ اور جس طرح آپ نے ان کو اپنا بنا لیا تھا اُسی طرح اُن کو بھی مرتے دم تک آپ ہی کے ساتھ تعلق رہا جس رئیس کے گھر انتقال ہوا وہ بھی آپ کے ایک معزز عزیز ہیں۔ اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جس دن انتقال ہوا ہے عین اُسی تاریخ جناب خلیل اللہ خانصاحب کے گھر کے لوگوں کا علاج کرنے کو جانے والے تھے۔ میں آپ کا نہایت ہی شکرگزار ہوں۔ اور اسی طرح حکیم صاحب مرحوم کے تمام متعلقین آپ کے ممنون ہیں کہ ایسی غم و اندوہ کی حالت میں آپ نے دل دہی اور تسلی دینے کی کوشش فرمائی۔ حکیم صاحب مرحوم کے جن اوصاف کا آپ نے تذکرہ فرمایا۔ وہ اوصاف بے شک ایسے ہیں۔ کہ اُسی طبقے کے بزرگوں کے ساتھ ختم ہوتے جاتے ہیں جس سے خود اُن مرحوم کو تعلق تھا۔ مگر مجبوری میں کہتا ہوں کہ آپ پھر بھی اس عظیم صدمے کو محسوس نہ کر سکیں گے۔ جو اس نیک ذات کے اٹھ جانے سے ہم لوگوں کو ہوا ہے۔ در حقیقت خاندان ہی بگڑ گیا۔ آپ کو شاید نہ معلوم ہوگا کہ جس خاندان کی یادگار حکیم صاحب مرحوم تھے اُس کی پچھلی یادگار اکیلے وہی تھے اور اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ضعیفہ اور بیوہ عورتوں کی ایک بڑی جماعت کی خبر گیری وہی کرتے تھے۔ اب اُن لوگوں کی بیکسی کی حالت ایسی نازک ہے کہ خیال کرنے سے بھی دل کانپ جاتا ہے۔ اگرچہ مرحوم کے بعد قدرۃً ان تمام باتوں کا ذمہ دار میں ہوں مگر ایسی فیاض و نیک ذات کی جانشینی کے لیے بہت سی لیاقتیں چاہئیں جو مجھ سے ناکارہ شخص میں بالکل نہیں۔ اصل یہ ہے کہ میرے زخم جگر پہ مرہم رکھا جا سکتا ہے مگر اُن لوگوں کے دلوں کو ڈھارس بندھانا امکان سے باہر اور خدا ہی کے اختیار میں نظر آتا ہے جس کو اب مرحوم کے بعد زندگی کے باقی ماندہ ایام بسر کرنا دشوار بلکہ غیر قابل برداشت مصیبت نظر آتا ہے۔ حکیم

صاحب مرحوم کو آپ کے خاندان بھر میں آپ کے والد ماجد سے بہت زیادہ تعلق تھا اُن کو ہمیشہ یاد کرتے تھے اور اُن کے نیک اخلاق اور اُن کی کریم النفسی کے ہر وقت معترف رہا کرتے تھے۔ یقیناً اُن کو بھی بہت بڑا صدمہ ہوا ہوگا۔ آپ کی طرف سے میں نے جناب حکیم صاحب مرحوم کے گھر میں لوگوں کو بہت کچھ تسلی و تشفی دی۔ اور وہ سب آپ کے شکر گزار ہیں۔ میں ان دنوں لکھنؤ سے باہر تھا اور اسی وجہ سے والا نامے کے جواب میں تاخیر ہوئی۔ مجھے ندامت ہے کہ لکھنؤ میں بھی ایک اتفاق اور فوری بیماری کی وجہ سے مجھے ملنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ والسلام

۲۳ اپریل ۱۹۰۹ء　　میں ہوں آپ کا خادم محمد عبدالحلیم شرر از لکھنؤ

(۳)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر[1]

دفتر دلگداز لکھنؤ کتہ و بزن بیگ خاں۔ بندہ پرور تسلیم۔ میں حیدر آباد سے ایک ایسے عجب عنوان سے نکالا گیا کہ کسی دوست سے ملنے اور رخصت ہونے کا بھی موقع نہیں ملا۔ اب یہاں آکے اپنے پرانے کاروبار کو پھر جاری کیا ہے۔ مطبع کھول دیا ہے جس میں اعلیٰ درجہ کی چھپائی دقت پہ ہوتی ہے۔ مولوی شبلی صاحب اور بعض اور معزز اصحاب نے اپنی اپنی کتابیں چھاپنے کو عنایت فرمائی ہیں۔ خدا نے چاہا تو کام چل ہی جائے گا۔ آپ سے بھی اگر کوئی امکانی امداد ہو تو اس میں دریغ نہ فرمایئے۔

ابھی جلدی میں میں اپنی تمام کتابیں اور کل ضروری سامان جو ہمراہ تھا وہیں چھوڑ آیا ہوں اور ابھی تک اس کے منگوانے کا موقع نہیں ملا۔ آپ کے ذریعہ سے جو نوٹس دئے گئے تھے ان کے جوابات آئے ہوں تو براہ کرم میرے پاس بھیج دیجئے۔ اس لئے کہ اب یہاں سے کارروائی کرنے کا ارادہ ہے۔ اور بالکل نہیں خبر کہ ان لوگوں نے کیا ارادہ کیا ہے۔ اور کیا جواب دیئے ہیں۔ براہ کرم ان سب جوابات کو اگر کچھ ہوں تو فوراً بواپسی ڈاک مرحمت فرمایئے۔

مسز ہمایوں مرزا کی کتاب پر ریویو لکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ اور وہ کتاب وہیں پڑی ہے۔ اور ایسی جگہ کہ جہاں سے مجھے نہ مل سکے گی۔ برخوردار صدیق بھی یہاں آیا ہے۔ اور وہ ان کتابوں کو جو میرے کتب خانہ کی ہیں مولوی سید طالب الحق صاحب کے مکان میں اپنے ہاتھ سے رکھ کر بند کرایا ہے۔ اجازت دی جائے تو نکال کر بھیجئے اگر آپ کوئی نسخہ اس ناول کا ارسال فرمائیں تو میں دلگداز میں ریویو لکھ کے شائع کر دوں گا۔ والسلام

۲۹ دسمبر ۱۹۰۹ء　　خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

(۴)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

مکرمی تسلیم۔ نادم ہوں کہ اخلاق ملاقات سے پہلے مطلب کی بات عرض کرنا پڑتی ہے۔ مگر زمانے کا تقاضا یہی ہے تو کیا کیا جائے۔ مجھے بڑے اور وسیع مکان کی ضرورت ہے اگرچہ ویسی حیثیت نہیں رکھتا۔ سرکار سے کوئی رقم بابت کرایہ مکان عطا نہیں ہوتی۔ اور اپنے سر پہ اس کا بار اٹھانا ہے آپ کی توجہ ہوئی تو یہ بار کسی قدر ہلکا ہو جائے گا۔ میں سو روپے بھی اپنی حالت سے زیادہ پاتا ہوں۔ مگر مجبوراً کسی قدر زیادہ بوجھ اٹھاؤں گا۔ اچھا ہوتا

---

[1] سید ہمایوں مرزا بیرسٹر ایٹ لا فرزند سید الفت حسین۔ زیادہ ان کی زندگی حیدر آباد میں گزری۔

کہ نقصان گوارا فرما کے آپ مجھے (۱۲۵) ماہوار پر مکان دے دینے۔ اس مرحمت و نوازش کا شکرگزار ہوں۔ اور ہمیشہ رہوں گا۔ اور ہمیشہ رہین منت رہوں گا۔ والسلام

۲۹ رجب سنہ ۱۹۱۹ء　　　خاکسار عبدالحلیم شرر

(۵)

بنام نواب سید علی حسن

ملجائے وماوائے من۔ آداب و نیاز اور السلام علیکم کے بعد بصد ادب عرض ہے کہ گرامی نامہ مورخہ ۲۹ جولائی سنہ ۱۹ء وصول ہو کر باعث سرفرازی ہوا۔ میں جو وعدہ کر گیا تھا اس کو بھولا نہیں۔ آتے ہی مولوی سید عبدالمجید صاحب سے اس بارے میں گفتگو ہوئی اور معلوم ہوا کہ اس بارے میں جناب نے اُن سے بھی مراسلت فرمائی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اس معاملہ میں غور کرتا رہا جن خاندانی تعلقات کا جناب نے تذکرہ فرمایا ہے اُن کا پتہ لگانا نہایت دشوار ہے اس لئے کہ جن دنوں کا یہ واقعہ ہے اُس زمانہ میں یہاں دفاتر کی ایسی ابتر حالت تھی کہ کسی اگلے خاندان کا اب پتہ لگانا قریب قریب غیر ممکن کے ہے۔ اور بالفرض پتہ لگے بھی تو حاصل کیا۔ اس لئے کہ ان کے ثبوت سے کوئی خاص حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ رہا یہ امر کہ جناب یہاں توطن اختیار فرمانا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے کسی اجازت کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص آزادی کے ساتھ یہاں آ کے رہ سکتا اور جائداد خرید سکتا ہے۔ اور توطن اختیار کرنے کے چند ہی روز بعد سے اسے جملہ حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔ بجز اس کے کہ ملازمت کے لئے بارہ سال تک یہاں مقیم رہنا شرط ہے۔ مگر یہاں آ جانے اور مکان خرید لینے کے بعد اگر درخواست کی جائے تو یقیناً یہ بارہ سال کی شرط بھی اٹھ سکتی ہے۔ الغرض آپ کے لئے کوئی امر مانع توطن حیدرآباد نہیں ہے۔

لیکن یہ بات کہ آپ کے تشریف لانے سے پیشتر حضور سے کوئی اجازت حاصل ہو تو بقول سید عبدالمجید صاحب کے ایسی درخواست کو اعلیٰ حضرت مشتبہ نظر سے دیکھیں گے۔ اور خیال ہوگا کہ اجازتِ توطن کے پردے میں کوئی اور حق حاصل کرنا مقصود ہے۔ اور ایسے شبہ کا پیدا ہونا اچھا نہیں۔ میرے خیال میں اگر جناب کو یہاں رہنے کا شوق ہے تو عمدہ کوٹھی یہاں خرید لیجیے اور اُس میں آ کے رہنا شروع کر دیجئے۔ اور یہیں کے قیام کے زمانہ میں وہ کوششیں عمل میں لائیے۔ جو کہ جناب یہاں آنے سے پہلے کر رہے ہیں۔ آ جانے اور مکان خرید لینے کے بعد سب باتیں بالکل خود بخود پوری ہو جائیں گی۔

میں یہاں حضور کی سیرۃ لکھنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اور میرا سابق کا وظیفہ ملا کے پانچسو روپیہ ماہوار تنخواہ قرار پائی تھی۔ یہاں آنے کے بعد اس کام کے لئے تین سو تینتالیس ماہوار کا عملہ ملا۔ اور مواد جمع کرنے کی کوشش شروع ہو گئی۔ اور دفتر کا نام دفتر شوکتِ عثمانیہ قرار پایا۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت کے ایک فرمان سے حکم ہوا کہ مجھ ہی سے ایک مکمل تاریخ اسلام تصنیف کرائی جائے اور اس کی بابت جداگانہ ماہوار دی جائے۔ اس حکم کے مطابق میرے لئے علاوہ ماہوار سابق کے دوسری ماہوار پانچسو روپیہ اور تین سو چوہتر روپیہ ماہوار کا عملہ معتمدی سے منظور ہو کے بارگاہِ خسروی میں پیش ہوا ہے۔ شاید آج کل

میں منظور ہو کے آجاسکے۔ مگر ان سب جائدادوں پر اشخاص بہیں سے نامزد ہو گئے ہیں۔ بہرحال شکر ہے۔ میں حضور میں بلا واسطہ عرائض پیش کر سکتا ہوں اور جو لکھتا ہوں اُس کا فوراً جواب ملتا ہے۔ میرے حال پر نظرِ عنایت بھی غیر معمولی ہے مگر باریابی کا موقع ابھی ایک ہی بار ملا ہے۔ لیکن صاحب، اور شاہی مزاج کی نزاکت کی یہ حالت ہے کہ اپنے امور متعلقہ کے سوا اور کسی بات کے عرض کرنے کی مجھے یا کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ آئندہ اگر زیادہ صحبت ہوئی جس کے چار پانچ ماہ بعد قطعی اُمید ہے اس وقت شاید کسی ادبیات کے عرض کرنے کا موقع بھی مل سکے۔ والسلام

۲۵ رجولائی ۱۹۱۸ء خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

پیارے صاحب اور اچھے صاحب کی خدمات میں سلام نیازانہ اور آداب قبول ہو۔ (شرر) محبوب پیرہ جام باغ حیدرآباد دکن

(۵)

جناب سید علی حسن

ملجائے من و ماوائے من ابقاہ اللہ الیٰ یوم القرار۔ گرامی نامہ مورخہ ۱۲ راگست باعث افتخار و مایۂ شرف ہوا۔

میرے ماہوار پانچسو روپیہ تاریخ اسلام لکھنے کے لئے فرمان اعلیٰحضرت صادر ہوا تھا کہ جداگانہ ماہوار دی جائے اس پر متعلق عدالت نے حسبِ قاعدہ پانچسو روپیہ جداگانہ ماہوار پیش کی۔ اس پر وزیر فنانس مسٹر گلینسی نے لکھا کہ ایک شخص کو دو ماہوار دینا خلافِ دستور ہے بہتر یہ ہے کہ اس کام کی بابت کوئی سربستہ رقم یکمشت دے دی جائے۔ اعلیٰحضرت نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا۔ اور میری تنخواہ وہی رہی جو تھی۔ اور وہ یکمشت رقم خدا جانے کتنی ملے اور کب ملے اور ملے یا نہ ملے۔ کام میں کر رہا ہوں۔

میری نسبت جو کلمات آپ نے فرمائے اُن میں حقیقت سے زیادہ دخل آپ کی محبت و عنایت کو ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ کبر لی موت الکبریٰ اچھے اور لائق لوگ مر گئے اور مجھ سے نالائق خواہ مخواہ مرد آدمی بن گئے۔

اس میں شک نہیں کہ اعلیٰحضرت کی ذرہ نوازی کا مجھے بیحد شکرگزار ہونا چاہئے کہ مجھ سے ذرۂ ناچیز کو بلا کے سرفراز فرمایا۔ آپ میری ترقی و بہبود سے خوش نہ ہوں گے جبکہ آپ میرے قدیم محسن کرم فرما اور وہ رئیس قوم ہیں جنہوں نے مجھے سخت ترین افکار دُنیاوی سے نجات دلائی اور میری ناد ہندی کو آج تک برداشت فرمایا۔

اب کے سفرِ بمبئی کے موقع پر چند روز کے لئے یہاں ضرور تشریف لائیے۔ مگر حیدرآباد عجیب مقام ہے۔ یہاں کی سوسائٹی چند روزہ اور سطحی نظر سے تو بہت ہی اچھی اور شاندار معلوم ہوتی ہے۔ مگر جب قیام کر کے غور فرمائیے تو مسلمانوں کی باہمی عداوتوں ہندوستانیوں و دکھنیوں اور مدراسیوں کی باہمی ناسازگاریوں اور سازشوں سے سخت صدمہ ہوتا ہے اور اس کی تکلیف روز بروز اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ کسی گاؤں کا گوشۂ تنہائی اس سے بدرجہا زیادہ محلِ آسائش و اطمینان نظر آنے لگتا ہے۔ اب میں یہاں ہوں۔ آئے دو مہینے ہوئے ہیں۔ لیکن لکھنؤ کی خاموش زندگی پر یہاں کی سی ہمہ پُرشور زندگیوں کو قربان کرنے کو تیار ہوں۔ روز طرح طرح کی خبریں اڑتی ہیں اور ہزار دروازہ بند کر کے بیٹھئے پہنچ ہی جاتی ہیں۔ اور وہ ایسا بُرا روحانی اثر دل پر پیدا کرتی ہیں کہ نہ کام میں دل لگتا ہے اور نہ جینے میں۔ جسم کے لئے یہاں کی آب و ہوا موافق ہو یا ناموافق اس کا زیادہ خیال نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ تدبیر

سے آفتیں جسمانی سے بچاؤ ہو سکتا ہے مگر یہاں کے روحانی امراض جو آب و ہوا کی تمدنی خرابی سے پیدا
کا کوئی علاج نہیں۔ اگر میری ذاتی رائے پوچھئے تو میں تو آپ کو ہرگز مشورہ نہ دوں گا کہ یہاں قیام پذیر ہو
کر روحانی اطمینان کو نقصان پہنچائیے۔

آپ نے شاید سنا ہو کہ ظفر علی خاں صاحب کو برٹش گورنمنٹ نے یہاں نہیں رہنے دیا وہ مم
سے گئے۔ اور حضور نے بکمالِ نوازش حکم دیا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھ کے دارالترجمہ کا کام کریں۔ ان کا
کام دگار رہے، اور ان کو اپنے سابقہ وظیفے ماہانہ ۱۲۵ ماہوار کے علاوہ تھا۔ ذات کے اور ۱۰۰ ان کے
مہاشہ ۲۲۵ ایصال کئے جایا کریں۔ میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا اگر میرے لئے یہ حکم ہوتا
کہ ظفر علی خاں صاحب کے لئے یہ اچھا نہیں۔ اس لئے کہ برٹش گورنمنٹ شاید ان کی طرف سے زیادہ
اچھے صاحب اور پیارے صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجئے۔ والسلام

۵ اگست ۱۹۱۶ء خاکسار محمد عبدالحلیم شرر از دفتر شرکتِ عثمانیہ [illegible]

(۶)

دفتر دل گداز، کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ۔ مکرمی تسلیم۔ مدت سے نہ آپ کا کوئی خط آیا نہ آپ کی
نصیب ہوئی۔ سالانہ دورہ ہندوستان میں آپ کا اب بھی ہوتا ہوگا مگر دفتر ناظر سے آپ کے تعلقات قطع
کے باعث میں آپ کی زیارت و صحبت سے محروم ہو گیا۔ شاید کوئی میرا گناہ بھی ہو جو مجھ کو نہ معلوم ہو۔ ایسی
سزا دینے سے پہلے آپ کو میرا جرم بھی بتا دینا چاہئے۔ بہرحال یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آپ سے اب ملاقات
ہے یا نہیں۔ اب میرا مکان بھی اس قابل ہو گیا ہے کہ آپ اس میں ہفتہ عشرہ آرام سے قیام فرمائیں۔ الغرض
خاص میں مطلع فرما کے مجھے امید و بیم کے مخمصے سے نجات دلائیے۔

اس وقت باعثِ تصدیع یہ ہوا کہ میرے ایک عزیز دوست کے عزیز مولوی محمد حسین صاحب نائب
مدرس مدہول کئی سال سے وہاں پڑے ہوئے ہیں۔ جو وہاں نہایت پریشان اور اپنے اعزا و احباب سے
کے باعث جلا وطن ہو گئے ہیں۔ ان کے بارے میں چاہا جاتا ہے کہ آپ ان کو اگر اہل پائیں تو خود اپنے
میں، اور اگر یہ مناسب نہ ہو تو پھر اورنگ آباد ہی کے کسی مدرسہ میں تبادلہ کر دیں تاکہ ان کی جان عذاب جا
چھوٹے۔ اور اگر آپ سے ان کو اس آرزو میں کامیابی ہوئی تو میں نہایت ہی شکرگزار اور رہین منت ہو
صدیق ایجانب اعداد آداب عرض کرتا ہے۔ ۱۱ جون سنہ [illegible] خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

بنام ڈاکٹر زور

(۷)

مکرمی تسلیم۔ "روحِ تنقید"[1] آپ نے بڑی محنت اور قابلیت سے لکھی ہے۔ میں آپ کی اس
بہت ہی قابل قدر تسلیم کرتا ہوں۔ اور اردو لٹریچر کی جانب سے آپ کا شکرگزار ہوں۔ والسلام خاکسار

[1] یہ میری پہلی کتاب ہے جو پہلی بار اوائل ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ زور

(۸)

بنام مخدومی مولوی سید ممتاز علی صاحب

لکھنؤ ۔ مخدومی و محترمی ۔ تسلیم ۔ یادفرمائی کا شکریہ ۔ آپ کے ایسے محسن قوم بندگان وطن کو بہ قیمت کتاب دینا خلاف شرافت و عزم تصور کرتا ہوں۔

ریویو کے بارے میں کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ اور نہ یہ کتابیں معاوضہ ریویو کے مقصد سے بھیجی گئی ہیں بلکہ میاں سراج نے آپ کو صرف آپ کا ایک کام یاد دلایا تھا ۔ یہ جانتا ہوں کہ عشقیہ ناولوں کا عورتوں کے مطالعہ میں آنا ابھی ہندوستانی معاشرت کے تحمل سے باہر ہے ۔ لیکن شاید میرا ناول "طاہرہ" اس سے مستثنیٰ ہو سکے ۔ فی الحال وہ صوبہ مدراس کے ہائی اسکولوں کے فائنل ایگزامینیشن کے نصاب میں داخل ہو گیا ہے ۔ لیکن ایسے امور میں اصرار نہیں ہے ۔ یہ آپ کے مذاق اور آپ کے اصول و مصالح پر منحصر ہے ۔

میں صحت یاب تو ہو گیا اور کام بھی کرنے لگا ۔ مگر دماغ برداشت نہیں کر سکتا اور ڈاکٹروں کی تاکید ہے کہ لکھنا پڑھنا کلیتہً چھوڑ دو ۔ کسی کو خط تک نہ لکھو ۔ مگر آپ ہی بتائیے کہ نہ لکھوں پڑھوں تو کیسے جیوں؟

آپ کے صاف ستھرے اور پختہ حروف دیکھ کر کیا کہوں ۔ کہ اپنے اس گندے اور کثیف خط پر کیسی ندامت ہوتی ہے ۔ مگر کیا کروں خط ہی بگڑ گیا بلکہ میری حالت ناگفتہ بہ ہے نادیدہ یہ نمونہ ہے ۔ والسلام

۳۰ جولائی ۱۹۲۶ء　　　خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

مژدۂ آمد سن کر چشم براہ ہوں ۔ خدا وہ دن لائے ۔ مگر شرط یہ ہے کہ کم از کم ایک دن میرے یہاں قیام رہے ۔ بغیر اس کے نہ ملاقات سے کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ سیری ہوتی ہے ۔

(۹)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد بہادر پیشکار سرکار عالی ۔ بعرض عالی مرساند ۔ صحیفۂ والا نے شرف فخر بخشا ۔ حسب الحکم والا رجسٹرڈ گلدستہ کو جناب کے محترم نام سے عزت دی گئی ۔ اور سنہ ۱۹ء کے کل پرچے مرسل خدمت والا ہیں ۔ رسید سے سرفراز فرمایا جاؤں ۔

خط اور لفافہ سے غم و اندوہ کا اظہار ہوتا ہے ۔ مگر فدوی کو خبر نہیں کہ وہ کونسا سانحہ جان فرسا پیش آیا جس کی وجہ سے خط کے کونے میرے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ ہیں ۔ مجھے اس قدر سے اپنا ہوا شریک غم تصور فرما کے ذرا اطلاع دی جائے ۔

یہ امر میرے لئے باعث فخر و مسرت ہے کہ جناب نے سر پنجاب کے میڈل کو پسند فرمایا ۔ یہ تو میرا فرض تھا جس کو میں ضرور ادا کرتا

"دلگداز" کو میں نے وی پی نہیں روانہ کیا ۔ وہ اصل وہی نام قیمت جو سالانہ ہر کسی سے لی جاتی ہے اسی کو جناب سے بھی لینا میں جناب کی شان کے خلاف تصور کرتا ہوں ۔ میں چاہتا ہوں کہ سرکار سے "دلگداز" کی کچھ سالانہ تنخواہ مقرر ہو جائے ۔ اور امید ہے کہ سرکار اس درخواست کو قبول فرمائیں گے ۔

فی الحال نئے ناولوں میں حسب ذیل ہیں اگر ارشاد ہو تو پیش کئے جائیں - اوّل مدرسۂ
کاڈاکو حصہ اول - سوم حسن کا ڈاکو حصہ دوم - چہارم اسرار دربار حرام پور۔

اس موقع پر مجھے خاص طور پر یہ التماس ہے کہ سرکار نے ایک بار تین چار سو روپے کا عطیہ
جو کار خانہ دمن الریاحین سے بھیجا گیا - اور سرکار کے مطبوعۂ طبع شریف بھی ہوا تھا - مگر پھر اس کے
کارخانے کی سرپرستی فرمانا بھول گئے - لہٰذا میں بکمال ادب یاد دلاتا ہوں کہ عید الفطر کا زمانہ ق
جبکہ سرکار میں عید کی حاضری لازمی طور پر ہوگی - اگر اس موقع پر پھر کارخانۂ مذکور کو یاد کیا جا
ہوگی - میں امید رکھتا ہوں کہ اس عنایت سے محروم نہ رکھا جاؤں گا۔

سرکار نے لکھنؤ میں آنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا اور اس وقت جو شوق قدمبوسی خاکسار
پیدا ہوا تھا - اس وقت تک باقی ہے معلوم نہیں سرکار کا کب تک آنے کا ارادہ ہے - اس سے
دی جائے - والسلام

خاکسار محمد عبدالحلیم شرر - ایڈیٹر
لکھنؤ کٹرہ بزن بیگ

---

(۱۰)

بنام احسن مارہروی

دلگداز آفس لکھنؤ - کرمی تسلیم - دلگداز کی حسب ذیل جلدیں بابت سنہ ۱۹۰۱ء مہم سنہ ۱۹۰۴ء
مہم سنہ ۱۹۰۶ء مہم سنہ ۱۹۰۵ء مہم جلد ہے نصف قیمت میں ہے کو وی - پی - روانہ خدمت ہیں
منی آرڈر فیس ۵ ر چونکہ ہے کا وی - پی - حاضر ہوتا ہے قبول فرمائیے - مولوی عبدالحق صاحب کا پتہ
عدالت دیوانی حیدرآباد دکن کافی ہے - اردو لٹریچر پر پل کے فردوسی اسلام کے دو پرچوں میں لکھا
خدمت میں جا چکے ہیں - فروری کا پرچہ رہ ہو تو بھیج دوں میں بڑا خوش ہوا کہ اردو کے متعلق صد بندی
پالیسی ہو بہ ہو نہیں چاہتے - کہ اسے ہندو مسلمانوں کے سابقہ اتحاد کی یادگار اور دونوں کی ملکی ثابت کر
زمانہ نہیں رہا کہ تنگ خیالی سے کام نکلے - رہے آپ کے کمالات و احسانات جو زبان پہ ہیں وہ کہ
نہیں سکتے -

خاکسار شرر

سید محمود

(۱)

بنام وقار الملک

حبیبی مشتاق حسین!

کل ایک بڑا خط لکھ چکا ہوں۔ آج صرف مسعود شاہ خاں کی نسبت لکھتا ہوں۔ امور مفصلہ ذیل پر آپ کو غور کرنا چاہئے۔

اول۔ یہ کہ مجھ کو اون کے یہاں بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو سررشتہ دار مجھ کو ملا ہے وہ ہوشیار آدمی ہے اور انگریزی داں ہے اوس سے بخوبی کام چلتا ہے۔

دوم۔ مسعود شاہ خاں کو صرف اس صورت میں یہاں بلایا جا سکتا ہے کہ میں اپنے سررشتہ دار کو دلو کی منصفی کا منصرم کروں۔ وہ عہدہ خالی ہے۔ مگر یہاں بہت امیدوار اوس عہدہ کے ہیں اون کے فرائض پر میں نے اب تک حکم نہیں دیا بعض اون میں سے ظاہرا مستحق ہیں۔

سوم۔ مسعود شاہ خاں کے یہاں آنے میں اون کا دس روپیہ ماہواری کا نقصان ہے۔ اس کے مکافات بالفعل تو ممکن نہیں اور آئندہ بھی تحقیق نہیں بلکہ صرف اوس کا احتمال ہے۔ پچاس روپیہ سے زیادہ کے جتنے عہدے میرے اختیار میں ہیں اون میں انگریزی دانی ضرور ہے۔ پس جب تک کہ موقع منصفی یا تحصیلداری کا نہ ہو مسعود شاہ خاں کی ترقی عمل کی حیثیت سے نہیں ہو سکتی۔ نسبت منصفی یا تحصیلداری کے آپ جانتے ہیں کہ بیسیوں آدمی ان عہدوں کے امیدوار ہیں اور ان کا نام ہٹانا آسان نہیں ہے اور نہ میں محقق طور پر اس امر کا وعدہ کر سکتا ہوں کہ ایسا عہدہ ضرور مسعود شاہ خاں کو دلوا دوں گا۔ پس در حقیقت مسعود شاہ خاں کو میری خاطر کرنے کے لئے یہاں آنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنا نفع نقصان خود سمجھ لینا چاہئے۔ مجھ کو اپنی کسی ضرورت کے سبب سے اون کو بلانا نہیں ہے۔ یہ بات میں اس لئے صاف تحریر کرتا ہوں کہ اگر شاید آئندہ میں اون کے لئے کچھ نہ کر سکا تو موجب شکایت نہ ہو۔ میرا اون کے لئے آئندہ کوشش کرنا یا نہ کرنا اون کی کارروائی اور نیک چلنی اور میری خوشی پر منحصر ہے۔ اون کو اگر یہاں آنا بہر حال منظور ہو تو اون کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ایک محض غیر بلکہ انگریز حاکم کے سامنے کام کرنا ہے اور بالکل اپنا برتاؤ اسی خیال پر رکھنا چاہئے ہوگا۔ ورنہ اگر میرا دل میں خیال کچھ ہو، اگر ظاہری برتاؤ اون کے ساتھ زیادہ خلوص و رعایت کا رکھا گیا بہ نسبت دیگر اہلکاران عملہ کے تو ضرور حسد اور کینہ کی وجہ سے ایسی خرابیاں اور گمنام

(۲)

بنام سید عطاء اللہ[1]

مکرمی!

آپ کا عنایت نامہ ۴ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ میرے پاس پہنچا۔ اوس کا جواب لکھنے سے میں اس وجہ سے قاصر رہا کہ میں نے حیدر آباد کی ملازمت کا تصفیہ نہیں کیا اور مجھ کو امید تھی کہ آخر فروری یعنی آجکل میں وہاں ہوتا لیکن شاید آپ نے سنا ہوگا کہ چند روز سے میں سیدھا اپنے والد[2] کے پاس بغرض مشورہ چلا گیا اور تعجیل اس سبب سے کرنی پڑی کہ اس ہی زمانہ تک ہائیکورٹ الہ آباد میں ایک ہندوستانی جج کی تقرری کی خبر محض معلوم ہوئی بلکہ جب میں الہ آباد پہنچا تو معلوم ہوا کہ رپورٹ روانہ بھی ہو گئی اور حکام ہائیکورٹ نے میرا نام تقرری کے لئے اس لئے نہیں لکھا کہ ان کو خیال تھا کہ مجھ کو گورنمنٹ انگریزی کی نوکری منظور نہیں ہے۔ اس سبب سے یہ ضرورت پیش آئی کہ قبل اس کے کہ وائسرائے اس معاملہ میں بھی ہائیکورٹ کا فیصلہ کریں میں اپنے تئیں ہائیکورٹ کی ججی پر آمادہ اور راضی بتلاؤں۔ چنانچہ ایک چٹھی اس مضمون کی میں نے گورنمنٹ کو لکھی ہے اور وہ ہائیکورٹ کو واسطے رائے کے بھیج دی گئی ہے اور چند روز میں وہ مع رائے کے یہاں واپس آوے گی اور پھر تقرری کا فیصلہ ہوگا۔ اس عرصہ میں یہ چاہتا تھا کہ اگر ہائیکورٹ کی ججی بالفعل نہ ملے تو ضرور سرکار آصفیہ کی نوکری مستقل کر لینی چاہیئے اس لئے کہ نواب صاحب نے میرے لئے عمدہ تنخواہ اور نہایت عمدہ پیش قرار سامی تھی۔ لیکن میرے والد جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میرے سرکار انگریزی کی ملازمت سے علیحدہ ہونے کو ناپسند کرتے ہیں اور بعد بڑی گفتگو کے انہوں نے یہ رائے قرار دی کہ نواب صاحب[3] کو اطلاع دے دینی چاہیئے کہ حیدر آباد میں مستقل ملازمت کا ارادہ نہیں ہے۔ آخر کار میں نے نواب صاحب کی خدمت میں ایک عرضی اس مضمون کی لکھ بھیجی اور اب یہ امر فیصل شدہ ہو گیا۔

نواب گورنر جنرل بہادر نے میرے والد کو ممبر ایک بڑے کمیشن کا جو واسطے درستی انتظام تعلیم تمام ہندوستان کے لئے مقرر ہوا ہے اور جس میں بمبئی، مدراس اور میسور اور پنجاب غرض کہ ہر ممالک سے ممبر انگریز یا ہندوستانی آئے ہیں، مقرر کیا تھا چند مخالف رائے کے سبب سے میرے والد نے اس کمیشن کو چھوڑ دیا اور پھر مجھ کو بلا کر ممبر کمیشن مقرر کر دیا۔ میرے والد جیسا کہ شاید آپ کو معلوم ہو گورنر جنرل کی کونسل میں ممبر دوبارہ ہوئے ہیں اور ان کا ذاتی کام قانونی اس قدر ہے کہ جس میں میری مدد کی ضرورت ہے۔ پس بالفعل مجھ کو یہاں شدت سے کام ہے اور اس کمیشن میں میرے ممبر ہونے کے سبب سے اور بھی کام میں کثرت ہے۔ میں نے نواب صاحب سے اجازت چاہی ہے کہ تا صدور احکام گورنمنٹ آف انڈیا در بارہ باز استعمال میری خدمات کے، مجھ کو اجازت بطور رخصت مرحمت فرمائیں۔ گورنمنٹ آف انڈیا مجھ کو بخوشی واپس لے گی۔ بلکہ اس کمیشن میں ممبر کرنا درحقیقت واپس لینا ہے۔ پس میری واپسی خدمات کا حکم صادر ہو جاوے گا۔ مگر تا ہم میرا ارادہ ہے کہ صرف بطور ادائے مراسم رخصت و برائے اظہار اس احسان مندی کے جو میرے دل میں نواب صاحب کے ذاتی عنایات سے پیدا ہوئے ہیں اور نیز آ جناب سے ملنے کے لئے

---

[1] مولوی حسین عطاء اللہ صاحب اس وقت مددگار معتمد عدالت حکومت حیدر آباد تھے۔ مولوی نصیر الدین ہاشمی انہی کے نواسے ہیں اور یہ خط انہی نے ادارے کو عطا فرمایا ہے۔

[2] سر سید احمد خاں   [3] نواب سالار جنگ مختار الملک وزیر اعظم حیدر آباد۔

اس کمیشن کے کام سے فارغ ہو کر ماہ اپریل یا مئی میں چند روز کے لئے حیدر آباد آؤں گا۔ امید کہ آپ سے بھی بسرت ملاقات حاصل ہوگی۔ آپ کے اور مولوی محمد صدیق صاحب[1] کے اخلاق اور عنایت مجھ کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ گو کہ اب حیدر آباد میں میری ملازمت نہ ہوگی۔

دربارہ کاغذات وغیرہ کے۔ سب کاغذات جو میرے لئے مرتب ہوئے تھے ان میں کاغذات اصلی سرکاری دفاتر کے بہت کم ہیں۔ وہ سب مولوی مہدی علی صاحب[2] کے پاس بھجوا دئے جائیں گے۔ آپ ان سے مانگ لیجئے۔ چند کاغذات وغیرہ جو خاص میرے لئے لکھے گئے ہیں ان کو میں پھر ایک دفعہ پڑھنا چاہتا ہوں۔ حقیقت میں میرے دل میں بہت سے خیالات دربارہ درستی انتظام عدالت و کوتوالی قائم ہو گئے ہیں اور ان سب کو بہ ترتیب لکھ کر نواب صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس کمیشن کے کام سے ذرا مہلت ملے تو اس یادداشت کو مکمل طور پر تیار کروں گا۔ تب جملہ کاغذات آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ بلفعل جس قدر کاغذات و گوشوارہ جات متعلق دفاتر ہیں اور وہ میں نے آپ سے مستعار لئے تھیں وہ سب مولوی مہدی علی صاحب آپ کو واپس دیں گے اور جو کاغذات خاص میری مدد کے لئے آپ نے تحریر فرمائے تھے وہ میں تھوڑے عرصہ کے بعد واپس کر دوں گا اگر آپ کو تکلیف نہ ہو۔

مجھ کو اس بات کا نہایت رنج ہے کہ میرا مستقل طور پر حیدر آباد میں رہنا نہ ہوا۔ لیکن درحقیقت اگر مجھ کو ہائیکورٹ کی جگہ بھی مل جاوے تو اس کے مقابلہ میں جو تنخواہ کہ حیدر آباد میں مجھ کو مل سکتی تھی وہ کم ہے اور قطع نظر بھی ہائیکورٹ کے مجھ کو ملک اودھ میں پانچ سات سال کے بعد کمشنری کی توقع ہے۔ لیکن جہاں تک میری دلی خواہش تھی وہ حیدر آباد کے انتظام میں شرکت کی تھی اور درحقیقت جس قدر عمدہ انتظام وہاں ہو سکتا ہے کسی ہندوستانی ریاست میں ممکن نہیں ہے اور چونکہ اسلامی ریاست ہے اس کے انتظام میں سعی کرنے کی میرے دل میں ہمیشہ سے خواہش ہے۔

افسوس ہے کہ یہ امید پوری نہ ہو سکے گی۔ گو کہ کچھ وجہ نہیں ہے کہ اگر نواب صاحب توجہ فرماویں نواب بھی کیوں عمدہ انتظام نہ ہو سکے مگر چند اصول انتظام کے اختیار کئے بغیر انتظام ممکن نہیں ہے۔

بہرحال اپنے خیالات اور آراء اپنی یادداشت میں انشاء اللہ مفصل ظاہر کروں گا اور آپ بھی شاید اس کو دیکھیں گے۔ جب تک تعلیم کا کمیشن یہاں اجلاس کرے گا جب تک مجھ کو یہاں رہنا لازم ہے۔ مولوی محمد صدیق صاحب کی خدمت میں سلام و نیاز پہنچے۔ امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ آپ بخیریت ہیں۔

خاکسار محمود۔ کلکتہ ۲۴ فروری ۱۸۸۲ء

---

[1] مولوی محمد صدیق عمار جنگ اوّل اس وقت معتمد عدالت حیدر آباد تھے۔ نواب مختار الملک ان کو اور ان کے بڑے بھائی رفعت یار جنگ اوّل کو بہت چاہتے اور ان پر اعتماد کرتے تھے چنانچہ اپنے بھانجے اور داماد مکرم الدولہ کے ہمراہ انہی رفعت یار جنگ کو اتالیق بنا کر انگلستان روانہ کیا تھا۔

[2] مہدی علی محسن الملک اس وقت حیدر آباد میں معتمد تھے اور بہت با اثر۔

(۳)

صاحب شروانی

مکرم بندہ!

بعد سلام مسنون ملتمس ہوں کہ میں بذریعہ جداگانہ پاکٹ پوسٹ کے آج کی ڈاک میں اپنی رائے بابت چند امور مندرجہ
ایجنڈا کارروائی اجلاس بحث بٹنگ ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم معینہ ۲۷ ؍اکتوبر ۱۹۰۱ء آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔
ا ر او مقدم سامور متعلقہ کالج کے ہیں اور میں نے ان کو صریح اور مفصل خاص برائے ملاحظہ ٹرسٹیان اور ان کی توجہ تحریر
ورمیں امید کرتا ہوں کہ آپ ان پر غور اور توجہ فرماویں گے (۲) دیگر چند مدات کی نسبت بھی میں نے رائے لکھی ہے
ب چھپ کر آپ کی خدمت میں پہنچے گی (۳) اگر آپ نے قبل ملاحظہ اس رائے کے اپنے ووٹ روانہ کر دیئے ہیں تو
رض کرتا ہوں کہ از روئے جدید قاعدہ دفعہ ۲۳ ترمیم شدہ کے جو نوٹس کی پشت پر بصفحہ نمبر ۲ چھپ کر شائع کیا گیا ہے آپ
ہے کہ اپنی رائے ترمیم کریں یا بدل کر آنریری سکریٹری کے پاس بمقام علی گڈھ بھیج دیں کہ وہ شمار میں آویں گے ——
ہ عنایت ان کاغذات کی رسید میرے پاس بمقام سیتاپور ارسال فرمائیں۔

راقم نیازمند سید محمود۔ سیتاپور۔ ۲۵ ؍ستمبر ۱۹۰۱ء

منشی حیات بخش رسا

(۱)

بنام احسن مارہروی

سید صاحب مکرم۔

آپ کا کارڈ صادر ہوا۔ اس سے پہلے جناب طیش کا کارڈ بھی پہنچ چکا تھا۔ نسخہ مطبع سے کم آئے۔ اس لئے صرف ایک نسخہ پر اکتفا کیا گیا۔ بھیجتا ہوں ملاحظہ سے گزرے گا۔ اور حضرت طیش کو بھی ملاحظہ کرا دیجئے اس کی بابت مولوی محمد محسن صاحب کے بھیجتا ہوں اور ایک کارڈ لکھنؤ کا آیا ہوا جس میں مولوی صاحب کی تحریر لکھنؤ کی تحریر میری تصنیف کی بابت قابل ملاحظہ ہے۔ اور یہ خطوط میں نے سنداً اپنے پاس رکھے ہیں۔ مجھے بعد ملاحظہ واپس فرما دیجئے۔ صرف آپ کے دیکھنے کے لئے بھیجتا ہوں۔ اور ایک اور سند ہے جس کو آپ نے اپنے قطعہ تاریخ میں لکھ دیا ہے کہ نہ ہوگا رسا کے برابر کوئی۔ یہ بھی میرے واسطے سند ہے۔ جو لوگ مارہرہ میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ ان کی کیا بات ہے۔ میں تو ایک سیدھا سادا بلا پیچ و تاب کے لکھنے والا آدمی ہوں۔ اتفاق سے لوگوں کو کچھ پسند آ جاتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ سب ہی ڈگریٹ کرنے والا آج کل کوئی نہیں ہے مضمون آفرین لوگوں کی زیادہ پوچھ ہے۔ یہ آپ لوگوں کی عنایت اور قدردانی ہے کہ مجھے بھی شاعروں میں شمار کر رکھا ہے۔ تینوں کارڈ واپس فرمائیے۔ مگر اچھی طرح پڑھ کر۔ آپ ۲۹ محرم کے بعد کہاں تشریف لے جاویں گے۔ نہایت صدمہ آپ کی مفارقت کا ہوگا۔ ابھی گرمی پڑتی ہے۔ بارش ہو پر جاتے تو اچھا تھا۔ اور رہتے ہو وہاں جہاں خیال پہنچنا بھی دشوار ہے یہاں کہیں ہوتے تو مل آیا کرتے۔ کل ایک کارڈ سید کلب احمد صاحب کا ایٹہ سے آیا۔ تنہا تو مانگتے نہ تجھی کو خدا سے ہم یہ طرح قائم کر کے ۷ اپریل مقرر کی ہے۔ اور مجھے طلب فرمایا ہے۔ آپ تشریف نہیں لے جاویں گے تو میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔ لہٰذا فوراً اطلاع فرمائیے کہ آپ تشریف لے جاویں گے یا نہیں۔ بمعروہ جو طرح کیا گیا ہے مبتذل ہے۔ میرے پانچ چھ شعر اس میں پہلے سے ہیں۔ اب اور کہہ سکتا مگر اب آگے کو بڑھنے کی امید نہیں ہے۔ باقی کیا کہوں۔ طیش سے کہنا کہ کمبخت تو نے یہ نہ پوچھا کہ اس نازنین زہرہ جبیں کے پہنچے تیری کیا حالت ہے جس نے بار ششر سے اور محمود آباد تک بسمل کر دیا اور تڑپتا چھوڑ گئی۔ جواب فوراً مرحمت فرمائیے اور میری اسناد یعنی ہر سہ خطوط بعد ملاحظہ واپس فرمائیے۔ اس کے ساتھ دلبر طیش سب کو سلام پہنچے۔ ۱۲ اپریل ۱۹۱۲ء

(۲)

بنام احسن مارہروی

جناب بندہ۔　　　　(از بلیسر)

آج آپ کا پھر تقاضا پہنچا۔ اتنے بھاری سفر سے بیٹھا جاتا ہوں۔۔۔ چونکہ آپ کی یہ تحریر مجھے جڑا دے چلنے تو بہت کافی تھی مگر ہمت نہیں پڑتی گرمی کی وجہ سے غزل نہیں کہی جاتی۔ نہایت مجبوری ہے۔ آج مولوی صاحب کو بھی خط لکھتا ہوں اگر وہ معاف فرما دیں تو بہتر ہے۔ نالش کے قصد سے باز نہ آؤں گا۔ آپ جہاں ہوں گے بذریعہ کمیشن اظہار کراؤں گا۔ مولوی محسن صاحب سے جواب آتا تو آپ میں متعرض لکھے ہیں۔ آپ نے نہ لکھے تو خیر حضرت ناصح صبر ہے

۱۶ر جون سن ۱۹۰۴ء　　　　حیات بخش رسا

(۳)

بنام احسن مارہروی

یا حضرت۔　　　　(از فرخ آباد)

میں نے مشاعرہ میں پوری غزل آپ کی خدمت میں روانہ کی۔ اس پر اصلاح تو درکنار رسید غزل سے بھی اعزاز نہیں بخشا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا باعث ہوا۔ میں خیریت سے ہوں۔ لیکن میرے گھر میں بہت طبیعت خراب ہے تین ماہ رخصت کی درخواست دے دی ہے۔ بعد ایک ہفتہ کے بغرض علاج دہلی جاؤں گا۔ باقی آئندہ

۲۳ر ستمبر سن ۱۹۰۶ء　　　　حیات بخش رسا

(۴)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔　　　　(از فتح گڑھ)

وہ امیر حسن صاحب کا خط آیا دکھا۔ تو ٹنگا اڑنگا آپ کیوں کہا آؤں گا۔ مگر آج خط مولوی نور احسن صاحب کاظمی پوری سے آیا۔ کہ سید علی احسن صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ شرکت مشاعرہ ۲۹ر ستمبر سن ۱۹۰۷ء نہیں کر سکتے اس سے قبل ۷ر اکتوبر کوئی تاریخ مقرر فرمایئے۔ مجبوراً جب یہ دیکھا کہ آپ کے ہی لئے مشاعرہ ہوا اور آپ ہی نہ آئیں تو مجبور ۶ر اکتوبر بروز اتوار کے لئے آج صبح سے کوشش کی گئی۔ میر طاہر علی صاحب نے یہی کہا کہ بغیر ان کے یعنی آپ کے ہم شریک مشاعرہ نہ ہوں گے۔ اس لئے مجبوراً ۶ر اکتوبر مقرر کی گئی۔ اور جا بجا خط جا چکے تھے۔ اب پھر ترمیمی خط بھیجے جاتے ہیں۔ ۶ر اکتوبر کو تو کوئی عذر آپ کو غالباً نہ ہوگا۔ میں نے ترمیمی خطوں میں سب جگہ آپ کا حوالہ لکھ دیا ہے کہ وہ نہیں آتے اس لئے ۶ر اکتوبر مقرر ہوئی۔ جواب واپسی ڈاک دیجئے۔ امیر حسن صاحب کو بھی اطلاع کر دیجئے فقط

۱۵ر ستمبر سن ۱۹۰۷ء　　　　حیات بخش

(۵)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔　　　　(از فتح گڑھ)

آج مالیر کوٹلہ سے خط آیا۔ میں نے پہلے جو خط مالیر کوٹلہ بھیجا تھا۔ آپ کی بے حد تعریف لکھ دی تھی۔ اور عرض کیا تھا کہ تعجب ہے کہ حضور نے ان کو طلب نہیں فرمایا۔ آج کے خط میں لکھا ہے کہ حضرت احسن کو بھی ۱۰ر جنوری

کے لئے مدعو کیا ہے اس سے نہایت خوشی ہوئی۔ لیکن ایک بڑی رنج ہے کہ رامپور سے کل خط آیا ہے وہ مجھے بہ جلد طلب فرماتے ہیں یعنی قبل ۲۰ ارکے۔ اب جیسی مائے ہو سکندرآباد اطلاع دیجئے۔

۱۰ر جنوری ۱۹۱۰ء حیات بخش

(۶)

بنام احسن مارہروی

(ازمقام رامپور)

مکرم بندہ۔

تسلیم نیاز۔ والانامہ صادر ہوا۔ معزز فرمایا۔ کئی روز سے عدیم الفرصت تھا۔ اور مضطر صاحب پر جو پریشانی تھی۔ اس میں شریک تھا۔ مضطر صاحب کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ اور اس کے تین روز بعد ان کے گھر میں بخار زچگی کے مرض میں مبتلا ہوئیں۔ آٹھ روز سخت علیل رہ کر کل شب کو زچہ نے انتقال کیا۔ لڑکا زندہ ہے۔ آج مضطر صاحب بحصول رخصت دو ہفتہ سب بال بچہ لیکر گوالیار ان کے ننھیال میں پہنچانے گئے ہیں۔ بچارے کو یکایک نہایت پریشانی وزیر باری کا سامنا ہوا۔ مرضی خدا۔ مجھے فی الحقیقت سوائے دربار داری کے اور کچھ کام نہیں ہے۔ وہ بھی شب گر رات کے جاگنے سے دن میں کسلمند رہتا ہوں۔ عادت پڑتی جاتی ہے اس لئے غزل کہنے کا اتفاق ہوتا ہے جب کوئی فرمائش یا حکم صادر ہوتا ہے تو کہہ لیتا ہوں۔ ورنہ ضرورت بھی ایسی کیا ہے۔ حکما عروض ایک استاد سے دیکھتا ہوں۔ اور بھی اسی فن کے متعلق کچھ وقت صرف کرتا ہوں۔ دیکھئے کچھ آتا ہے یا نہیں۔ وکالت شروع کردی ہے کچہری جاتا ہوں لیکن ابھی کچھ کام چلا نہیں ہے۔ رفتہ رفتہ چلے گا۔ حکام سب عنایت کرنے لگے ہیں سرکار کی پرورش اور خاوندی دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔ باقی خیریت ہے۔ سید امیر حسن صاحب کو تسلیمات کہہ دیجئے۔ غزل بھیجتا ہوں۔ مکرر یہ کہ جو شعر خراب ہو یا پھیکا ہو فوراً نکال دینا۔

غزل حیات بخش رسا مصاحب و وکیل دربار رامپور شاگرد فصیح الملک دہلوی

گوندھ لینا دلِ عشاق نہ تم ہاروں میں
پھول تکتے ہوئے رہ جائیں گے گلزاروں میں

مفت بھی دل نہیں لیتا کوئی بازاروں میں
اک تمہیں تم نظر آتے ہو خریداروں میں

جس کو خود رحمتِ باری نہ منانے آئے
وہ گنہگار بھی ہے کوئی گنہ گاروں میں

لاکھ پردے میں چھپنے پر بھی ہوئے تم رسوا
گھر میں بیٹھے ہوئے مشہور ہو بازاروں میں

اپنے عشاق کو گھر سے نہ نکالو اچھے
گر سزا دینی ہے چُن دو انہیں دیواروں میں

کھل گیا فیصلۂ روزِ جزا کا عقدہ
کہ خدا بھی ہے بتوں کے ہی طرفداروں میں

لطف ہو حشر میں زاہد کو جو یوں دیکھوں میں
کہ گنہ گار سے بیٹھے ہیں گنہ گاروں میں

کس سے زنداں میں اسیری کے طریقے سیکھیں
کوئی کمبخت نہیں اگلے گرفتاروں میں

تجھ کو اس رنگ کی جنت میں ملے یا نہ ملے
محتسب دیکھ تو کیا چیز ہے میخواروں میں

تم عیادت کو نہ آتا کہ برائے تعظیم
طاقت اٹھنے کی نہیں ضعف سے بیماروں میں

گالی دے دی، دردسے کیا پیار کیا۔ ہے تم کو　　پڑ گئے نیل جو یوں پھول سے رخساروں میں
طلب بوسۂ رخسار کا مجرم ہوں میں　　جھونک دو مجھ کو دہکتے ہوئے انگاروں میں
آپ کے ملنے سے شہرت ہے جہاں میں اسکی　　انگلیاں اٹھنے لگیں غیر پہ بازاروں میں
جان دی جنبش ابرو پہ ہمیشہ ہم نے　　منہ نہ موڑا کبھی چلتی ہوئی تلواروں میں

اے رسا رشک سے ہے اہلِ سخا کا دم بند
میرے آقا کی وہ سرکار ہے سرکاروں میں

حیات بخش رسا
۱۰ اپریل ۱۹۰۸ء

---

(۷)

بنام احسن مارہروی

مکرم بندہ - آداب نیاز -

آپ کا گرامی نامہ معہ ایک کارڈ کے پہنچا کارڈ دیکھ کر سخت حیرت ہے کہ ایسا کون آپ کا دشمن ہے جس نے ایسی لغو کارروائی کی ہے - یہ بالکل غلط ہے کہ آپ کے خلاف کوئی بات مشہور ہو - نہ خدانخواستہ آپ کے کلام کی بابت میں نے کسی سے چرچا سنا - نہ کسی کی مجال اور ہستی ہے - کہ میرے منہ پر آپ کی بابت کچھ کہہ سکے نہ یہ میری ہمت کہ میں اس کو سن سکوں - یہ کسی ایسے بدمعاش کا کام ہے - جو آپ سے در پردہ بغض رکھتا ہے - یا جس کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ یہاں آئے تو میرے حالات کہہ کر میرے حق میں کانٹے بو جائیں گے - یا مجھے ان کے آنے سے کوئی نقصان پہنچے گا - اندیشہ یا خطرہ ہے - حافظ صاحب جو آپ کے پاس سے آئے وہ میرے پاس بھی پرسوں آئے تھے - وہ رامپور میں ایسے شخص نہیں ہیں کہ کسی ایسے آدمی کو جانتے بھی ہوں - جو ایسے بد اور نطفہ حرام ہیں اور انہوں نے اگر کسی سے تذکرہ آپ کی آمد کا کیا بھی ہو تو سننے والے کو ایسی کیا غرض تھی - کہ آپ کو ایسے جھوٹے حالات سے اطلاع دینا اور آپ کے دل کو تکلیف پہنچانا بہرحال آپ خود عقلمند اور قابل ہیں اس کا فیصلہ آپ اپنے دل میں فرما سکتے ہیں - اور ذرا بھی اس کا خیال نہ فرمایئے - یہاں کوئی شخص برائے نام بھی آپ کے خلاف نظر نہیں آتا - اور اگر آپ کا مخالف بھی ہو یا آپ کے کلام سے رغبت نہ رکھتا ہو - تو کسی کی مجال یا ہستی نہیں ہے کہ ایسا عمل کر سکے جو کارڈ میں درج ہے - یہ کارڈ مصنوعی کسی پختہ کار کا ہے - یہاں والے کا نہیں ہے - میرے نزدیک میری اس تحریر کو کسی پر ظاہر نہ فرمایئے - میں نے وہ کارڈ احتیاط سے رکھ چھوڑا ہے جب آپ تشریف لائیں گے اس وقت اس کی بابت میں اور آپ بات چیت کریں گے - جاورہ سے واپسی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے ٹیلیگرام آئے گا اسی وقت یا تشریف آوری کے بعد آپ کو مطلع کروں گا - بلیغ کل شام کو یہاں سے مارہرہ گئے - وہ آپ سے ملے ہوں گے - ان سے میرے نزدیک آپ اپنے یہاں آنے کے متعلق کوئی بات یا مشورہ نہ فرمایئے - اگر آپ اپنے قبلہ مشفق سیماب حسن صاحب دبیر کو بھی لائیں تو عجب لطف ہو گا - باقی خیریت -

۱۱ مارچ ۱۹۰۹ء　　　　راقم نیاز - رسا -

بنام احسن مارہروی

(۸)

بھائی، احب کرم تسلیم (رامپور)

آپ کا والا نامہ ۲۰ جون کا لکھا ہوا آج ۸ جولائی کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نینی تال تھا کیونکہ سرکار ابد قرار نینی تال پر ہیں۔ صرف پیروی مقدمات کی غرض سے کل اجازت لے کر آیا ہوں۔ آپ کے خط میں جو کچھ لکھا ہے اس کو میں بھی جوں کا تسلیم کرتا ہوں۔ اور خدا کی قسم آپ کی اس تحریر سے میں بیحد متاثر ہوا۔ لیکن کیا کیا جائے۔ جب کوئی اپنے کمینہ پن سے باز نہ آئے۔ تو اس کے لئے علاج سوائے سرزنش کے اور نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا کچھ ظہور ہوا بھی ہے۔ اور آئندہ ہوگا وہ آپ جلد سن لیں گے۔ آپ کی کچھلی تحریرات جس میں ان حضرات کی تعریف کے دفتر کے دفتر پیش کر دیا۔ یہ معاملہ ایک تھا کہ وہ آپ کے ہلکے کے فرار ہے۔ جس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ کے نمک خوار قدیم ہیں۔ اور آپ کے ساتھ اس نے کیا کیا گستاخی اور نمک حرامی کی۔ جو کچھ ان کے ساتھ اس وقت تک برتاؤ ہوا وہ خود آپ سن لیں گے میں لکھ دوں گا۔ تو یہ سمجھے گا کہ بوجہ رنج کے جھوٹ سچ لکھ دیا ہے۔ ۲۴ گھنٹہ کے اندر نقل مکان و محلہ کرنا پڑا۔ اور کیا اور کیا۔ غرضیکہ آئندہ لکھنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں تمام شہر میں اس کم بخت نے یہ مشہور کیا ہے کہ احسن صاحب کا یہ فعل ہے کہ رسا پر اعتراض کیا۔ میرا خیال یہ نہیں ہو سکتا۔ لاحول ولاقوۃ۔ ایسے پاجی کے قول کو کیوں کر مان سکتا ہوں۔ فقط۔

۸ جولائی ۱۹۱۰ء

رسا

بنام احسن مارہروی

(۹)

مکرم بندہ۔ آداب نیاز۔ (از مقام ریاست رامپور)

والا نامہ صادر ہوا۔ معزز کیا۔ پہلے خط میں آپ کی کوئی بات جواب طلب نہ تھی اس لئے کسی قدر اس کے جواب میں تساہل ہوا۔ پھر خط لکھنے والا ہی تھا کہ یکایک میری لڑکی ایسی علیل ہوئی۔ کہ اب تک طمانیت سے نہیں ہوں بہت چھوٹی چیچک نہایت خفیف تھی تین دن بخار آنے کے نمودار ہو کر ڈھل گئی۔ اس کے بعد بخار جم گیا یہاں تک کہ لڑکی روز بے آب و دانہ غافل رہی۔ ایک حکیم صاحب یہاں بڑے نامی ہیں انہوں نے علاج کیا کچھ دست وغیرہ آئے شکر ہے کہ پرسوں سے اس کی طبیعت اچھی ہے۔ ابھی ٹھنڈائی پیتی ہے۔ کھچڑی کھاتی ہے۔ چلنا پھرنا تک دشوار ہے۔ آپ میری طرف اترانے کے خیالات کو کیوں عائد فرماتے ہیں۔ وہ کیسی ہی ہو پھر نوکری ہے۔ اور نوکری کی جڑ جس قدر کمزور ہوتی ہے اس کو میں اچھی طرح کئی مرتبہ آزما چکا ہوں۔ پھر یہ ہے اور یقین ہے کہ ایسے خیال کو پاس آنے دوں۔ الحمدللہ کہ سیدھے راستے چلا جاتا ہوں۔ اور چلا جاؤں گا۔ اگر اس شعار کو کسی ترکیب یا مصلحت سے بدل بھی دوں۔ تو اس سے آپ سے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ نیازمند خاص تصور فرماتے رہیے۔ ابھی خط و کتابت کی دیر۔ آپ یاد کیجئے ایسا توقف تو کبھی کبھی فرخ آباد، ایٹہ وغیرہ سے بھی ہوتا رہا ہے۔ حرم صاحب بہادر کے پاؤں میں پھنسیاں نکل آئی تھیں ایک ہفتہ تک قلعہ میں بھی تشریف نہیں لے گئے تھے مگر اب فضل الٰہی سے اور اچھی طرح تندرست ہیں۔ آج کل

رخصت ہوئے میں ان کے مکان پر صبح کے وقت حسبِ معمول بیٹھا تھا طپش کا خط بھوپال سے ان کے نام آیا تھا۔ طپش نے مجھے اُن سے دریافت کیا تھا۔ چنانچہ وہ خط مرحوم صاحب بہادر نے مجھے دکھلایا جو نہایت طول طویل تھا۔ اور اس سے پہلے مضطر صاحب سے بھی طپش مذکور کی خط و کتابت ہے مضطر صاحب کا بیان ان کی طرف اچھا ہے۔ اور جب ان کا خیال اچھا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ مرحوم صاحب بہادر کا خیال اچھا نہ ہو۔ مجھ سے مرحوم صاحب بہادر ان کا حال پوچھتے تھے۔ میں نے جہاں تک زبان نے یاری دی۔ ان کے حالات عمدہ طور پر بیان کر دئے۔ میں ملیح آباد چلنے کی بابت کیا عرض کروں۔ آپ کے حکم سے گریز نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ نائب کوٹلہ جانے کو روکا گیا تھا۔ خیر وہ تو ابتدائی حالت تھی۔ مولوی عبد الوحید صاحب نے جو مشاعرہ مین پوری میں کیا تھا۔ انہوں نے مجھے خط لکھا۔ اور ایک درخواست حضور پُر نور نواب صاحب بہادر دام اقبالہ کو میری شرکت کے لئے بھیجی۔ لیکن وہ قطعی نامنظور ہوئی یہاں جو مشاعرے ہوتے ہیں۔ ان میں مہتمم مشاعرہ کی درخواست بندگان حضور میں پیش ہوتی ہے تب کہیں شرکت نصیب ہوتی ہے۔ ویسے کہیں جانے آنے کی ممانعت تھوڑا ہی ہے۔ رخصت بھی مل سکتی ہے لیکن چونکہ مولوی بشیر احمد ان صاحب ایک رئیس ہیں اور لکھنؤ کا قرب ہے۔ اور میرا نام بھی اب مخفی نہیں رہا اس لئے اگر کسی اخبار نے میری موجودگی مشاعرہ کی لکھ دی تو میرے لئے خرابی ہے اور صاف صاف اجازت مشاعرہ کے لئے لی جائے تو ناممکن۔ اس بارہ میں جیسا آپ کا ارشاد ہو تعمیل کی جائے۔ مجھے کسی صورت سے عذر نہیں ہے۔ غزل مزید لکھوں گا۔ یہاں اکثر مشاعرے ہوتے ہیں۔ فی الحال کرنیل صاحب بہادر کے مکان پر ۴ رجون کو عام مشاعرہ ہے اور اسی طرح ۱۱ رجون کو مرحوم صاحب بہادر کے مکان پر۔ طرح کرنیل صاحب بہادر کے یہاں۔ ع چپکے چپکے مجھے دشنام دئے جاتے ہیں۔ دشنام۔ پیغام۔ قافیہ ہے۔ مرحوم صاحب بہادر کے یہاں۔ پھڑکتی ہے ہماری آنکھ اب کوئی خوشی ہوگی + خوشی قافیہ ہے۔ اطلاعاً عرض کیا۔ باقی حال میرا اچھا ہے۔ روز شب کو ۹ بجے جاتا ہوں بارہ بجے ایک بجے آتا ہوں۔ دربار کی حالت نہایت عمدہ قابلِ دید ہے۔ سرکار کی مدح سے زبان قاصر ہے۔ باقی خیریت ہے۔ ہمیشہ تابعدار کو تابعدار خیال فرما کر یاد فرماتے رہیئے دلبر صاحب کو تسلیمات۔ کبھی کبھی خیریت سے مطلع فرمایا کیجئے۔ اور سید مقبول حسین صاحب کی خیر و عافیت مزاج سے بھی اطلاع دیجئے فقط

رسا

۲۵ رمئی

---

(۱۰)

احسن مارہروی

حضرت جی (از ریاست رامپور)

آداب بجا لاتا ہوں۔ میں جس روز سے جدا ہوا۔ میں نے آپ کو اپنے حالات سے مطلع نہیں کیا۔ یہ توقف قصداً تھا بلکہ سہواً یا کسی اور وجہ سے نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ کہ میں اپنی حالت پر مطمئن نہ تھا اور ایسا غیر مطمئن تھا کہ اپنی حالت آپ کو بھی کہتے ہوئے بار معلوم ہوتا تھا لیجئے سنئے۔ ۱۵ رجنوری کو عید الضحیٰ کے روز یہاں پہنچا۔ ۱۸ جنوری تک سلام کی نوبت نہ آئی۔ ۱۹ رکو سلام ہوا۔ کلکتہ جانے کی طیاریاں تھیں۔ وائسرائے کا تار آیا کہ زیادہ جماعت لانا ضروری نہیں ہے

آپ ہماری کوٹھی میں مقام فرمائیں گے۔ اس وجہ سے ساتھ جانے والوں میں پندرہ آدمی کم ہوئے۔ میں کئی بار
ذکر نہ جا کر یہیں بھی رہ گیا۔ اور جانے والے کلکتہ سدھارے۔ ۲ر فروری کو واپسی ہوئی۔ میرے لئے کوئی حکم نہ
جس روز سے یہاں پہنچا البتہ خوان نعمت تو ضرور پہنچا۔ باقی ادھر میں لٹکا رہا۔ وہاں سے واپسی کے بعد احکام
جاری ہوئے اس میں بھی درمیانی لوگوں نے کچھ سے کچھ احکام جاری کئے۔ اس کی ترمیم کی بابت کوشش ہوئی۔
آخر کار یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ آپ کا خط لے کر آپ کے استاد پہنچ گئے۔ یہ ضرور کہ میں دربار عالی میں برابر
جاتا رہا۔ اور غزل خوانی بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہی۔ مگر رنگ ڈھنگ دیکھتے دیکھتے آخر کار قریب ڈیڑھ ماہ کے وقت
گزر گیا۔ تو اب ایسی باتوں کی اطلاع آپ کو کیا دیتا۔ ہاں اب بعد واپسی کلکتہ محرم شریف تشریف لائے اس میں
وغیرہ وغیرہ جملہ کارخانجات کی پندرہ روز کی تعطیل رہی۔ جس میں سوائے مجالس عزا کے کوئی کام نہ ہوا۔ اور اب
معاملات کی اصلاح کے لئے ذرا سا موقع بھی نہ ملا۔ اس میں شک نہیں کہ رئیس نہایت قدردان سخی امیر ابن امیر ہیں
اُن کی قدر افزائی کے شکریہ کو منہ میں زبان نہیں۔ آخر کار یہ طے ہوا۔ کہ ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ اور وکالت کا سارٹیفکیٹ
اب آپ فرما سکتے ہیں کہ کیا اصلاح معاملات میں کرنی پڑی۔ اور ستموں میں سے ایک کہتا ہوں کہ ایک افسر نے
اجراء حکم وکالت لکھ دیا کہ مشروط بامتحان وکیل مقرر کئے جائیں۔ یہ مجھے منظور نہ تھا۔ آخر بعد محرم جب عرض کیا۔ تو
مستثنیٰ ہونے کا فوراً دوبارہ حکم جاری ہوا۔ غرضیکہ اب کوئی خلش باقی نہیں رہی۔ جس روز آپ کے استاد تشریف لائے
تھے۔ میں نے فوراً ہوم صاحب بہادر سے ملا دیا۔ انہوں نے باخلاق یہ حکم دے دیا ہے کہ جس وقت آپ کا مزاج
چاہے میرے پاس آیا کیجئے۔ میں اس کے بعد دو روز کی اجازت لے کر سکندر آباد گیا۔ اور گھر کے لوگوں کو کل رات
میں لے کر آ گیا۔ ایک مکان بازار نصر اللہ خاں میں لے لیا ہے اس میں کل اٹھ کر جاؤں گا۔ مکان اچھا ہے۔ گھر کے
لوگ بہادر قاضی علاؤ الدین کے مکان میں فروکش ہیں۔ وکالت کا کام مارچ کے شروع مہینے سے شروع کروں گا لوگ
کہتے ہیں کہ بہت اچھی چلے گی۔ ابھی وجھی تو خیر دیکھی جائے گی۔ مگر فی الحال یہاں مقام کی ٹھہرادی ہے۔ میرے بعد آغا مظفر
لکھنوی ۶۰ ماہوار پر۔ عاشق حسین بزم ۵۰ ماہوار پر ملازم رکھے گئے ہیں۔ مضطر صاحب یکم جنوری کے
کے بعد سرکار سے وعدہ کر گئے تھے کہ میں ہفتہ عشرہ میں حاضر ہوں گا۔ مگر گوالیار سے جا کر یہ لکھا کہ مہاراج گوالیار
مجھے ڈھائی سو روپیہ تنخواہ دیتے ہیں۔ اس لئے میں دو سو روپیہ پر رام پور نہیں آ سکتا۔ ۱۵ر جنوری کو جب
میں یہاں پہنچا تھا تو مجھ سے سرکار نے فرمایا تھا کہ دیکھو مضطر وعدہ کر گئے تھے مگر وہاں سے انکار لکھ دیا۔ چند روز
بعد اپنے لڑکے کو معافی قصور کے لئے رام پور بھیجا۔ آخر کار پھر وہ دو سو روپیہ پر یہاں آنے کو راضی ہو گئے۔
کریم کا شکر ہے کہ میں جلد آ گیا اور سرکار کے دل کی سی بات ہو گئی۔ غرضیکہ مضطر صاحب اتوار تک یہاں آ جائیں گے
دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بعد تشریف آوری مضطر صاحب کیا رنگ رہتا ہے۔ لیکن یہ دم خم تو جناب نواب
علی خاں صاحب بہادر کا ہے۔ ورنہ مضطر ایسے بیجا طریقہ سے انکار کرنے پر پھر یہاں نہ آ سکتے اب دیکھئے
نے کس قدر مفصل حالات سے اطلاع دی ہے۔ میں غزل اپنی بھیجتا ہوں۔ اس کو آپ چھاپ دیجئے۔ باقی آئندہ

کہ میرے نام کی غزل جب آپ چھاپیں تو عنوان فقط اتنا ہونا چاہئے۔ ابھی اس سے زیادہ چند وجوہ سے مصلحت نہیں ہے۔ غزل حضرت رسا شاگرد فصیح الملک دہلوی۔

ساقی جو دیے جائے یہ کہہ کے پیئے جا
تو میں بھی پیے جاؤں یہ کہہ کر کہ دیے جا

جانے کی جو ضد ہے تو مجھے زہر دیئے جا
اتنا تو کہا مان لے اتنا تو کئے جا

کچھ اور نہ کر مجھ پہ جفائیں تو کئے جا
کچھ اور نہ لے میری دعائیں تو لئے جا

آکر مرے ساقی کا کرم تو کوئی دیکھے
زاہد سے بھی کہتا ہے کہ تھوڑی سی پیے جا

ہم سے تو مسیحا کی خوشامد نہیں ہوتی
اے خضر مبارک ہو تجھے تو ہی جیئے جا

گستاخ نہ ہو وصل میں اے دستِ تمنا
کچھ دیر ابھی ان کی بلائیں تو لئے جا

کہتا ہے کسی شوخ کا مجھ سے یہ لڑکپن
ارمان کئے جا ابھی ارمان کئے جا

کیا لذتِ تعزیر نے مجبور کیا ہے
آتا ہے یہی جی میں کہ تقصیر کئے جا

ان کو مری حالت پہ یقین آئے نہ آئے
اس واسطے قاصد مری تصویر لئے جا

تو مجھ کو دعا کی تجھے دشنام کی عادت
میں تجھ کو دیے جاؤں گا تو مجھ کو دیئے جا

کمبخت رسا تیری رسائی نہیں ان تک
تو خوب سا اس نام کو بدنام کئے جا

سید افتخار عالم صاحب کو آداب نیاز۔ انشاء اللہ غزل آئندہ بھیجوں گا۔ اس وقت رخصت ہوتا ہوں سو اکبر میاں کو تسلیمات۔ جواب اس کا فوراً دیجئے۔ پتہ۔ حیات بخش رسا، بر مکان قاضی علاء الدین پیشکار فوجداری،

رسا

۲۷ فروری

(۱۱)

بنام احسن مارہروی

یا حضرت۔

والا نامہ صادر ہوا۔ معزز فرمایا۔ میں نے اپنے عدم ترسیل عریضہ کے وجوہ آپ کو مفصل لکھ دیے تھے۔ اب میں اطمینان سے گھر پر بیٹھا ہوں۔ کل تک عدالتوں میں چار روز کی تعطیل تھی۔ آج کچہری ہے۔ کچہری جاؤں گا۔ مضطر صاحب پرسوں دوپہر کی گاڑی میں گوالیار سے مستعفی ہو کر یہاں پہنچ گئے۔ وہ روز سے برابر سرکار میں آتے جاتے ہیں۔ بہت عزت و توقیر سے دربار میں دیکھے جاتے ہیں۔ دیر جانے میں ہوتی ہے تو ٹیلیفون کے ذریعہ سے بلائے جاتے ہیں۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ رئیس یہاں قابل اور سنجیدہ اور قدر دان ہے۔ ڈیڑھ مہینے سے میں یہاں ہوں۔ روزمرہ حاضر دربار ہوتا ہوں۔ جو باتیں باہر سننے میں آتی تھیں، ان کا بالکل پتہ نہیں۔ خدا جانے کیونکر مشہور ہوئیں یا یہ کہ پہلے ایسی باتوں کا وجود ہوگا۔ اب چند روز سے ترک کی ہوں گی۔ تہذیب کی یہ حالت ہے کہ رسا کے ساتھ صاحب کا لفظ موجود ہوتا ہے، جب کبھی مجھے مخاطب فرماتے ہیں۔ پھر جملہ حاضرین دربار سے نہایت عمدہ طریقہ سے پیش آتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ پہلے جو یہاں دارالمہام تھے ہنوز چند ایسے میلے

جو نکال دیئے گئے انہوں نے نہایت بدنام کیا ہے آپ کو ایک روز مجھ سے دربار میں پوچھتے تھے ۔ بایں الفاظ کہ وہ ان شعرا
مرزا داغ کے شاگردوں میں سے تھے ۔ جنہوں نے طرح میں چند شعر قصیدے کے بھی ہمارے سامنے پڑھے تھے ۔ میں
نے سب حال آپ کا بیان کر دیا ۔ اس کے بعد [illegible] کی بابت تذکرہ اچھے الفاظ میں نہیں فرمایا ۔ یہاں تک کہ اس کی بولی
و نتری و وضع قطع پر امداد صاحب پر بہت ہنستے رہے ۔ اس روز مشاعرہ سرکاری کا تذکرہ آگیا تھا ۔ یاد کی کیفیت یہ ہے
کہ جس کو ایک مرتبہ دیکھ لیا پھر ہمیشہ یاد رکھا ۔ قابلیت اردو ۔ فارسی ۔ عربی ۔ انگریزی نہایت عمدہ ہے ۔ سمجھ اعلیٰ
درجہ کی ان سب پر سخاوت بہت بڑھی ہوئی ہے ۔ میں نے بازار نصراللہ خاں میں ایک مکان لیا ہے ۔ اب آپ
اسی پتہ سے خط بھیجیں ۔ ہوم صاحب بہادر آج کل مصنفر صاحب کی خاطر و مدارات میں لگے ہوئے ہیں ۔ وہ مع
بال بچوں کے آئے ہیں ۔ مسٹر[25] ماہوار کا ایک مکان کرایہ پر لیا ہے ہوم صاحب بہادر سے ایک آدھ مرتبہ آپ
کا تذکرہ آیا ۔ جشن خطابی کی ابھی کچھ خبر نہیں ۔ جشن سالگرہ ۲۱ اگست کو ہوگا ۔ حضور پرنور نے ایک روز مجھ سے
فرمایا تھا کہ ایک مشاعرہ گرمیوں میں ادھر ہونا چاہئے ۔ مگر ہوم صاحب بہادر اس کو ٹال گئے ۔ پھر سرکار نے بھی دوبارہ
کچھ نہ فرمایا ۔ مگر میں نے یہ مزید رائے دی تھی کہ ہونا چاہئے ۔ اب کے سال جو مشاعرہ ہوگا اس کے لئے ہزار
روپیہ کی منظوری ہے ۔ جو مدح اخبار بھی ہو چکی ہے ۔ ذوالفقار علی خاں صاحب یہاں سپرنٹنڈنٹ آبکاری مقرر
ہوئے ہیں ۔ گورنمنٹ سے ان کی سروس مستقل کرا لی ہے ۔ وہ بھی کبھی کبھی دربار میں جاتے ہیں ۔ مجھ کو مکان
معمولی اچھا مل گیا ہے رات کو ۸ بجے دربار میں جاتا ہوں ۔ ایک بجے دو بجے واپس آتا ہوں ۔ دن کو ذرا بھی
واسطہ نہیں ۔ کبھی کبھی تھیٹر بھی چلا جاتا ہوں ۔ جس روز سرکار تشریف لے جاتے ہیں اس روز ضرور جانا ہوتا ہے آج
کل یہاں کے لوگ طرح ذیل میں غزل لکھ رہے ہیں ۔ میں بھی غزل لکھ رہا ہوں ۔ چند اشعار میں نے بھی لکھے ہیں ۔
بھیجتا ہوں بنظر اصلاح ملاحظہ فرمائیے ۔

غزل

خم میکدے میں آ کر واعظ نے پھوڑ ڈالے		بادہ کشوں کے گویا دل اس نے توڑ ڈالے
بہتان میرے خوں کا کوئی نہ چھوڑ ڈالے		دامن کو اپنے دھو کر قاتل نچوڑ ڈالے
جڑتا نہیں کبھی دل جب کوئی توڑ ڈالے		ممکن نہیں کسی سے شیشے میں جوڑ ڈالے
کوئی کرے کہاں تک وحشت کی پردہ پوشی		کب تک کوئی ہمارے دامن میں جوڑ ڈالے
ایسے کی منہ کی توبہ توبہ ہے کوئی توبہ		سو بار رات دن میں جو شخص توڑ ڈالے
تھے دوست وہ تو ان کو دشمن بنا کے چھوڑا		دشمن نے دوست بن کر وہ جوڑ توڑ ڈالے
میں اور ان کا شکوہ وہ بھی عدو کے آگے		یوں جوڑنے کو کوئی بہتان جوڑ ڈالے
کیا اوس پڑ گئی ہے اب گھر پہ اس کے جاکر		بال اس نے جب نہا کر اپنے نچوڑ ڈالے
خواب عدم سے کوئی اٹھتے ہیں سونے والے		سو بار شور محشر ان کو جھنجھوڑ ڈالے
قید قفس میں بلبل کہتی ہے آہ کر کے		اس سے تو کوئی میری گردن مروڑ ڈالے

مدت ہوئی رسا نے کرلی ہے مے سے توبہ　　　　جام و سبو تھے جتنے سب توڑ پھوڑ ڈالے

ذوالفقار علی خانصاحب آج کچہری میں ملے تھے آپ کو سلام کہا ہے اور کوئی تازہ بات نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہوگا آئندہ لکھوں گا۔ دلبر صاحب کو تسلیم۔ ممنون ہوا وہ شعر میری غزل سے خارج کر دیجئے اور آئندہ بھی اسی طرح ٹوکتے رہیے۔

خادم رسا

۴ رمارچ ۵

(۱۲)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔

آج دونوں خط آپ کے پہنچے۔ یہاں پر لوگ غزلیں کہہ رہے ہیں۔ مگر آج آپ کا خط آنے سے مشاعرہ پتا ہوا۔ یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں صرف آپ کا کلام سننے کے یہاں کے لوگ مشتاق ہیں۔ سید امیر حسن اور طیش کی بابت علیٰ ہذا القیاس لوگ بیحد اشتیاق رکھتے ہیں۔ اس مشاعرہ میں تحصیلدار صاحب بھی شامل ہوں گے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو کسی طرح بلوائیے جب مزہ ہے۔ کیونکہ تحصیلدار صاحب یہاں کے چھپرا مئو کے رہنے والے ہیں۔ ان کے تشریف لانے سے تحصیلدار صاحب خود منتظم مشاعرہ ہوں گے۔ میر اوصاف علی صاحب یہاں بڑے سربرآوردہ اور لائق آدمی ہیں اگر آپ سب آئے تو واللہ یہ مشاعرہ بھی قابل دید ہوگا۔ اب میں نے خطوط ، رمئی کے جاری کردئے کوئی شرط ، رمئی تک نہ سنوں گا۔ جہاں جاؤ وہاں بعد ، رمئی کے جانا خدا کے لئے۔ اس بہانہ سے آپ سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ پھر حیدرآباد جانے آپ کب آئیں۔ فقط

حیات بخش

جلیسر ۲۸ راپریل

(۱۳)

بنام احسن مارہروی

مکرم۔

والا نامہ صادر ہوا۔ کیا کہوں کیا لکھوں۔ خدا کی قسم کبھی مستعد نہ ہوتا اگر آپ کا اس قدر زور سے تقاضا نہ ہوتا۔ مگر آپ یہ تو سوچا کیجئے کہ اور جیسے والوں میں اور مجھ میں کتنا فرق ہے کہ میں پرایا نوکر ہوں۔ اور اس قدر پابند کہ کسی طرح جنبش نہیں کرسکتا۔ ابھی تک اجازت منظور نہیں ہوئی۔ لیکن لوگوں کی خوشامدیں کر رہا ہوں۔ صاحب کلکٹر یہاں موجود ہیں۔ وہ تعطیل میں کچہری کریں گے۔ ان سے ایک دن کے لئے دریافت کروں گا۔ اور بموجب ارشاد چلوں گا۔ غزل کا ایک لفظ اب تک نہیں کہا۔ لیکن آج سے شروع کرتا ہوں۔ ۳۱ ردسمبر کو صبح رامپور پہنچنا چاہیے لہذا میں ۳۰ ر دسمبر کی شام کی گاڑی سے یہاں سے چلوں گا۔ اب اسی طرح رات کو دونوں صاحب کاسگنج میں مل جاویں۔ جب مجھ سا غیور شخص آپ کو آزردہ نہیں کرسکتا تو دلبر ایسے کب ہیں کہ آپ کو آزردہ کرسکیں۔ بہرحال ان کو ضرور آپ کے ساتھ چلنا چاہیے۔ میں چاہے نہ جاتا۔ ولیکن ان کو ضرور جانا چاہیے۔ صدر خزانچی سے قرض لئے تب تعطیل کا کام چلا ہے۔ کرایہ ایک پیسہ میرے پاس نہیں ہے۔ یہ تاریخ جو میں نے لکھی ہے اس کے خلاف کوئی ٹائم مقرر نہ فرمائیے گا۔ اس کا جواب فوراً دیجئے کہ کاسگنج رات کی گاڑی پر ملیں گے۔ ۳۱ ردسمبر کو اس مشاعرہ میں ضرور پہنچنا چاہئے۔ حیات بخش ۲۰ دسمبر

بنام احسن مارہروی

(۱۴)

مکرم

میں بخیریت پہنچا۔ درخواست رخصت دے دی ہے۔ اب آپ وہ قصیدہ فوراً بھیج دیجئے۔ کیونکہ کوئی دو تین روز قلیل وقت میں نیا قصیدہ طیار نہیں ہو سکتا۔ فصیح الملک تک آپ چاہیں گے۔ وہ مصرعے جو میں نے آپ کے غزل کے لئے دیئے تھے۔ تلاش فرمائیے اور ان کو ضرور چھاپئے۔ قصیدہ کا منتظر ہوں۔ براہ عنایت جلد بھیج دیجئے۔ اور کوئی بات تازہ نہیں ہے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے گھر میں انتقال ہو گیا افسوس ہے۔ مگر باوجود اس کے انہوں نے غزل کو یہ چھاپہ کر انہوں نے پڑھی تھی۔ میں نے لکھ دیا کہ وہ تبرکے پڑھی تھی۔ مشاعرہ میں بھی اور نواب صاحب بہادر کے سامنے۔ آپ بھی کہہ دیجئے گا۔ فقط

۶ رجنوری فتح گڑھ — حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۵)

(ضلع بلند شہر۔ محلہ قاضی واڑہ)

مکرم۔

والا نامہ بہ رنگ صادر ہوا۔ معزز کیا۔ قصیدہ پہنچنے سے بڑی مدد ملی۔ غزل کہہ رہا ہوں جس کے مطلع اور دو شعر یہ ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

سب کچھ دیا خدا نے کہ اس کو دیا سبھی	اب کیا ہے اب تو عید ہے روز جزا مجھے
آیا ہوں حشر میں کہ ملے گی جزا مجھے	صدقے میں ان بتوں کے ملا ہے خدا مجھے
بہلا رہے ہو وعدۂ محشر پہ کیا مجھے	معلوم ہے نتیجۂ روز جزا مجھے
رشکِ مسیح آپ بھی مشہور ہو گئے	اچھا کیا کہ آپ نے اچھا کیا مجھے

رخصت منظور۔ اللہ کا نام لے کر ۱۱ رجنوری کی رات کو ۲ بجے یہاں سے روانہ ہو کر سکندر آباد جاتا ہوں۔ وہاں سے ۲۰ کو مالیر کوٹلہ۔ باقی آئندہ حال لکھوں گا۔ آپ بے تکلف ان اشعار کو دیکھ کر مطلع فرمائیے۔ جاتا ہوں۔ مگر آپ کے میرے قدم نہیں اٹھتے۔ یا جی ہو جو بغیر آپ کے کہیں رہے۔ اگر دوامی نہیں تو ضرور پھیلاؤں گا کہ آپ ہر مہینہ یا ہر پندرہ روز میں آتے رہیں۔ جاتے ہی تو طرح کر کے بعد محرم مشاعرہ کی طرح مل جائے گی۔ جواب اس کا سکندر آباد ۱۰ رجنوری کی شام کو دیجئے۔ تاکہ ۱۲ رجنوری کو مل جائے۔ فقط دلبر کو سلام

۸ رجنوری — حیات بخش رسا

بنام احسن مارہروی

(۱۶)

مکرم بندہ تسلیم۔

والا نامہ صادر ہوا۔ معزز فرمایا۔ بعد واپسی علیگڑھ جناب ہوم صاحب بہادر نے آپ کے ملنے کی کیفیت سب بیان فرمائی تھی۔ اور میرے مقطع کا حال بھی فرمایا تھا۔ یہ اس کی قدر افزائی ہے کہ وہ اپنے نوکروں کو ایسی توجہ سے دیکھتے ہیں ورنہ میں کمبخت کیا اور میرا کلام کیا۔ ہاں اس سرکار ابد قرار کی روز افزوں قدردانی سے امید ہے

کہ شاید کچھ ہو رہے۔ اب تک خداوند کریم کا شکر ہے کہ کسی نے یہ نہیں کہا، کہ مارخ کے نام کو بدنام کرتا ہے اور جس بہا کے ساتھ میرا کلام لوگوں نے سنا تھا اب تک فضل الٰہی سے وہی بہا ہے۔ یہ خدا کی عنایت اور آپ دوستوں کی دعا کا اثر ہے۔ قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اب تک اس مطلع کی غزل پوری نہیں کی صرف دو تین شعر معمولی نکالے ہیں۔ اس درمیان میں سرکار کی غزل پر مصرعہ لگانے میں سرگرمی رہی اس لئے کوئی غزل نہیں لکھی۔ یہ بات حکماً ہے، اس لئے مقدم سمجھا گیا۔ فکر کرتا ہوں۔ جب تک آپ تشریف لائیں گے شرکت ہو جائے گی۔ طیش صاحب رامپور کے ذکر ہو گئے۔ چھٹن صاحب بہادر کے مکان پر فروکش ہیں اور وہیں کھانا کھاتے ہیں۔ وہ پرانے ان کے محسن ہیں۔ اطلاع پر دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ یہ یہاں اگر آپ کی تشریف آوری تک رہے۔ تو ضرور تلاش کئے جائیں گے۔ ملی گنج سے تو کیا اچھے ہوتے ہیں۔ کس تاریخ تشریف لائیں گے۔ فقط

رسا

سن مارہروی

(۱۷)

مخدوم مکرم بندہ۔ آداب نیاز۔ (از مقام رامپور)

میں نے کئی روز ہوئے ایک کارڈ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے ملاحظہ سے گذرا ہوگا۔ فصیح الملک میں جو مضمون عالی صاحب بدایونی کا چھپا ہے اس کا جواب لکھ کر ارسال خدمت کیا جاتا ہے۔ بعد ملاحظہ اس میں جو کچھ ترمیم مناسب ہو اس کو کیجئے۔ اور بموجب نوٹ کے میری طرف سے آپ وکیل ہیں علاوہ میرے مرسلہ مضمون کے اور جس طرح چاہیں آپ اس کو ثابت کر سکتے ہیں یا اس کی تائید میں آپ تحریر فرما سکتے ہیں۔ اس بارہ میں بلکہ میرے وکیل مقرر کرنے کی آپ کو ضرورت کیا ہے۔ آپ تو میرے بہت پرانے وکیل ہیں۔ اور چونکہ ہم سب میں آپ کو بیرسٹری کی سند حاصل ہے اس لئے آپ بلا وکالت نامہ پیروی کے مجاز ہیں۔ رسید سے اس کے بوابسی مطلع فرمائیے۔ اور وہاں جو طاعون وغیرہ سے تشویش تھی۔ اس کا حال لکھئے اور کوئی بات تازہ نہیں ہے۔ میں آپ کی دعا سے بخیریت اور اچھی طرح ہوں۔ زیادہ، بجز نیاز کیا عرض کروں فقط بخدمت دلبر صاحب تسلیمات۔

بندہ حیات بخش رسا

سیّد احمد دہلوی

(۱)

بنام مدار المہام

عالیجاہا!

فدوی آج اس امر کا مژدہ سناتا ہے کہ آپ جیسے مقدس بزرگوں اور قدردانوں کی توجہ باطنی سے یہ نیاز مند روز
شبانہ روز محنت کر کے فرہنگ آصفیہ کی تالیف و تصنیف سے ۲۴ نومبر ۱۸۹۹ء روز یکشنبہ کو بہمہ وجوہ فارغ ہو گیا
چون ہزار چار سو انچاس لغات و محاورے چار ہزار صفحوں میں لکھے گئے اب صرف دیباچہ - گورنمنٹ نظام کے نام کا
خطبہ - حضور کی قدردانی اور ذرہ پروری کا شکریہ لکھنا باقی ہے - جو اس سبب سے تاجواب گزارش ملتوی ہے حضور
نے بروقت تشریف آوری شملہ فرہنگ مذکور کے سرورق کو ملاحظہ فرما کر حضور نظام کے القاب و خطاب میں کچھ غلطی پا
فرمائی تھی اور ارشاد کیا تھا کہ اس کو ضرور درست کر لینا - چونکہ اب وہ موقع آگیا ہے اس لئے امیدوار ہوں کہ اب اور صاف
حضرت نظام کا پورا پورا القاب و خطاب عنایت فرمائیں -

دوسری عرض یہ ہے کہ اگست ۱۸۹۸ء میں فرہنگ آصفیہ کی نسبت سردست اکتیس سو روپے اور بعد
اختتام پر دو سو روپے کے ملنے کا حکم امداداً بطور خریداری نافذ فرمایا گیا تھا - میری بدقسمتی سے ساہوکار کی خوش نصیبی سے
ایک سال چار ماہ کا عرصہ گزر گیا اور لغات کے مطبوعہ حصص بھی داخل حضور ہو گئے مگر ہنوز روپیہ مرحمت نہیں ہوا جس
کے سبب ایک سال سے لغات کا چھپنا بند ہے - اگر حسب ارشاد انہی دنوں میں یہ روپیہ مل جاتا تو آج کو ساہوکار
دو روپے کی سود کی رقم پانے کا مستحق نہ ہوتا یعنی بندہ ۳۱۰۰ سو روپے کے سود سے بچ جاتا چنانچہ اسی سود زر کے اندیشہ
سے فدوی نے ۶ مارچ - ۲ مئی - ۸ مئی ۱۸۹۹ء کو بذریعہ رجسٹری بار بار یاد دہانی بھی کی تھی جس کے جواب سے
آج تک محروم ہے اور اب تو دہری مشکل ہو گئی - قطعہ ؎

بس کہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض — اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری آمد میں تہائی کا — ہو گیا ہے شریک ساہوکار

ناچار فدوی نے ہر طرف سے مجبور اور تنگ ہو کر رخصت کی درخواست کر دی کہ خود ہی حاضر خدمت ہو کر گزارش کرے

۲۳ر دسمبر کو شملہ سے دہلی وہاں سے تا قرض دام کے کیم جنوری کو ریاست فیض بنیاد حیدرآباد کی طرف مع مسودہ فرہنگ آصفیہ روانہ ہوگا۔ تاکہ حضور کی بدولت اس کے جلد چھپنے کا قرار واقعی حضور سے انتظام کرائے اور یہ ساڑھے چار ہزار روپیہ بھی خود ہی آ کر سے تاکہ ساہوکار کے تقاضے اور سود کے روز افزوں رقم سے نجات پائے فقط زیادہ الٰہی تا ابد حامی اسلام اور علم و ہنر کی قدرداں ریاست کو تا یوم القیامہ ہر بلا سے محفوظ اور برقرار رکھے۔ فقط

۲۹ر نومبر ۱۸۹۱ء عرضی :- فدوی سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ وغیرہ وغیرہ مقیم کوہ شملہ

[illegible] شمار اردو کے محسنوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے فرہنگ آصفیہ نام نہایت جامع لغت اردو کا لکھ کر زبان پر غیر معمولی احسان کیا۔ ولادت ۹ محرم الحرام ۱۲۶۲ھ مطابق ۸ جنوری ۱۸۴۶ء کو بلاقی بیگم کے کوچہ میں ہوئی اور شاہ صاحب بخش کے باغ واقع فیض بازار میں ہوش سنبھالا۔ آپ مولوی حافظ سید عبدالرحمن [illegible] سید خواجہ علی کے فرزند تھے۔ آبائے اجداد سادات بخارا سے حسنی و حسینی سید اور حضرت غوث الاعظمؓ کی اولاد سے تھے۔

مولوی صاحب نے درسی کتابیں بڑے بڑے اساتذہ سے گھر پر اور سررشتہ تعلیم کی کتابیں سرکاری سکولوں میں پڑھیں۔ تصنیف و [illegible] کا شوق ابتدا ہی سے تھا۔ شعرائے ماضی و حال کا مطالعہ نہایت توجہ سے کیا اور شہزادگان دہلی اور مشہور شعرا کی صحبتوں میں بیٹھ کر اپنے ذوق کو پختہ [illegible] علم عمل نامہ درسی پر اور اس کے تقویت الصبیان اردو میں تصنیف کی۔ پھر ۱۸۶۸ء میں ایک مختصر رسالہ مناظرہ تقدیر و تدبیر تصنیف کیا جس کا نام کنز الفوائد تھا۔ اس پر دو سو روپیہ [illegible] اور سرکاری خرچ سے یہ کتاب شائع ہوئی۔ اس سے ہمت بڑھی اور آپ نے اردو لغات کی جمع و ترتیب کا ڈول ڈالا۔ ۱۸۷۱ء میں ایک کتاب [illegible] ارمغان دہلی تالیف کی جس پر گورنمنٹ نے ڈیڑھ سو روپیہ انعام دیا۔ اس سے لغت کے کام کو اور تقویت ملی۔ چنانچہ چھ سال کی مساعی [illegible] لغات اردو کا بہت سا حصہ مسودات کی شکل میں تیار ہوگیا۔

اس زمانہ میں ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو فیلن صاحب انسپکٹر مدارس صوبہ بہار ایک ہندوستانی انگلش ڈکشنری مرتب کر رہے تھے۔ وہ مولوی صاحب کا تذکرہ سن کر دہلی آئے اور ان کو اپنے ساتھ دانا پور لے گئے۔ جہاں مولوی صاحب کی امداد سے سات سال کے عرصہ میں ان کی ڈکشنری مکمل ہوئی۔ اس کے بعد نواب سیالوہ کے طلب کرنے پر ان کا سفرنامہ لکھنے کے لئے الور چلے گئے۔ تقریباً چھ ماہ میں سفرنامہ کے کام سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ گورنمنٹ [illegible] کی نائب مترجمی پر لاہور بلائے گئے۔ ڈکشنری کی ترتیب کے زمانہ میں تکمیل الکلام، تحقیق الکلام، رسم کہانی، ریت کہانی، ناری کتھا [illegible] لغات النساء اور ساجن موہنی وغیرہ کتابیں اردو میں لکھیں۔

لاہور آ کر اس خیال سے کہ لغات کی اتنی بڑی کتاب چھاپنا مقدرت سے باہر ہے اس کا خلاصہ کیا۔ اور ۱۸۸۲ء سے ماہوار رسالہ کی صورت میں نکالنا شروع کیا۔ لیکن یوں بھی کام نہ چلا۔ آخر سولہ مہینے تک چالیس نمبر نکال کر کام بند کر دیا۔ ۱۸۸۸ء میں مدار المہام نظام دکن شملہ تشریف لائے۔ یہ اس زمانہ میں شملہ ہائی سکول کے ہیڈ مولوی تھے۔ آپ نے ان کی خدمت میں مسودہ پیش کیا۔ مطبوعہ رسالے اور دیگر کتابیں [illegible] اور حضور نظام کے نام نامی پر ڈیڈیکیٹ کرنے کی اجازت مانگی۔ اس پر پانچسو روپیہ کا انعام اور چار سو جلدوں کی خریداری منظور ہوئی اور [illegible] پر مستقل انعام کا وعدہ ہوا۔ اس وقت سے کتاب کے طبع کی بنیاد پڑی اور نام اس کا فرہنگ آصفیہ رکھا گیا۔ غرض جس لغات کی ابتدا ۱۸۶۸ء میں ہوئی تھی۔ وہ ۱۸۹۸ء میں ختم ہوئی اور ۱۹۰۱ء میں بہمہ وجوہ تکمیل کو پہنچ کر پورے تیس سال میں پایۂ تحتانی تک شائع ہوگئی [illegible] پانچ ہزار روپیہ کا انعام مرحمت ہوا اور ماہوار وظیفہ مقرر ہوگیا۔ حکومت پنجاب نے بھی پانچ سو روپیہ انعام اور ہزار روپیہ کی خریداری سے مصنف کی حوصلہ افزائی کی۔ فرہنگ آصفیہ میں چون ہزار کے قریب لغات، محاورات، اصطلاحات اور ضرب الامثال وغیرہ ہیں۔ آج کل یہ کتاب نایاب ہے [illegible]

(۲)

بنام ملک صفدر علی خوش نویس لاہور

حافظ صفدر علی صاحب!　　　میر صاحب[1] بھی ملاحظہ فرمائیں

آپ کی لیاقت اور حسن کارگزاری کو میں مانتا ہوں ۶۰۵ صفحوں میں جو آپ نے سطریں بنائی ہیں وہ قابل تعریف ہیں مگر بعض لفظ (جز) چھوٹ گیا۔ یا چند اعراب رہ گئے یا بعض جگہ قلم باریک ہو کر کشادہ جگہ بے موزوں معلوم دینے لگی لیکن بڑا عیب جو تھا وہ نکل گیا۔ مجھے ایک امر کی آپ سے شکایت ہے۔ اگر وہ بھی نہ رہے تو آپ میری ذات سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ غلطیاں کم چھپنے میں یا سیاہی بھرنے میں پیدا ہو جاتی ہیں جس کے سبب از سر نو پروف پڑھنا اور بار بار پروف دیکھنے کا مشغلہ لازم ہو جاتا ہے۔ اس سے وقت بھی بہت ضائع ہوتا ہے۔ بعض غلطیاں سخت بدستور قائم رہتی ہیں جو بہ سبب پیش یا تو کھوئے نہیں جاتے یا سیاہی خراب ہے کہ پھر بھر جاتے ہیں۔ ۵۱۴ صفحہ سے ۶۰۸ تک نشان لگائے ہیں جن سے آپ معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً ۵۱۴ صفحہ میں نیم کا نم۔ میرا کا میر۔ نمو کا نمد۔ ۵۲۲ میں جال کا جنال۔ کچھ عنایہ کا کچھ رعنا۔ کال کا کال۔ ۵۴۴ دلراتی کا دلواتی۔ نیاض کا نیاض۔ ۶۰۵ میں نمود کا نمو کر دیا۔ علی ہذا القیاس اسی طرح کی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ ۶۲۴ صفحہ کی دو آخیر سطریں پریس میں سے خدا جانے کیوں اڑ گئیں۔ یہ بدت قابل اجازت تھے۔ مگر اس قسم کی فروگذاشت کی اجازت بغیر دیکھے نہیں دی جاتی۔

چونکہ اس فروگذاشت کے مقابلہ میں تمہاری عمدہ کارگزاری اور لیاقت کا پلڑا بھاری ہے۔ لہٰذا بالفعل دو روپے بطور انعام تمہارے واسطے اس وقت تجویز کئے گئے۔ جو کاتب کی لکھائی سے بھی زیادہ ہیں اور تین روپے اور اس وقت ملیں گے جبکہ میں حرف نون سے کتاب کے خاتمہ تک دیکھ لوں گا۔ کہ اجازت طبع دیتے ہوئے پروفوں میں کوئی غلطی قابل صحت نامہ نہیں چھوڑی گئی۔ ورنہ وہی دام صحت نامہ لکھوانے میں صرف کر دیئے جائیں گے۔ اگرچہ اب میں نے صحت نامہ کرنا ساور اس کے لئے کوئی صفحہ نہیں رکھا اگر قابل گرفت غلطیاں نکلیں تو مجبوراً صحت نامہ بڑھانا پڑے گا جس کے سبب سے صفحوں میں بڑی دقت پیش آئے گی۔ کیونکہ سرورق کے اخیر صفحہ پر مع تعداد صفحات صحت نامہ بندسہ چھپ کر یہاں بھیج گئے ہیں۔

یہ روپے ہفتہ کے روز میر صاحب کے والد کے واسطے جو باورچی جائے گا۔ اس کے ہاتھ روانہ کئے جائیں گے۔ اور میر صاحب تم کو دے کر رسید مجھے بھیج دیں گے۔

امید ہے کہ آئندہ زیادہ تندہی کی جائے گی۔ میں کسی کی زائد محنت کا حق نہیں رکھتا۔ اور دانستہ سہل انگاری کرنے والے کا حق بھی مطلق نہیں سمجھتا۔ فقط

۱۴ رفروری سنہ ۱۹۰۱ء　　　سید احمد (دہلوی)

---

[1] میر صاحب سے مراد مولوی سید ممتاز علی ملک رفاہ عام پریس لاہور و دارالاشاعت پنجاب ہیں جن کی سرپرستی میں اخبار تہذیب نسواں اور پھول وغیرہ جاری ہوئے۔ وہ بعد میں شمس العلماء کے خطاب سے ممتاز کئے گئے۔

بنام ملک صفدر علی خوش نویس لاہور

(۳)

حافظ صفدر علی صاحب سنگ ساز رفاہ عام پریس لاہور نے میری کتاب فرہنگ آصفیہ کی جلد چہارم کے پتھر تقریباً نصف سے زیادہ بنائے۔ میرا خیال تھا کہ منشی علی بخش صاحب سے زیادہ اس کام میں دوسرا شخص مہارت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اول تو وہ گورنمنٹ بک ڈپو میں میرے ماتحت [illegible] میں رہ کر ہمیشہ تحسین و آفرین کے مورد رہے۔ دوسرے یہ کہ حافظ صاحب کے استاد بھی رہے ہیں۔ لیکن چونکہ منشی علی بخش صاحب نے تقاضائے عمر سے یہ کام بالکل چھوڑ دیا ہے اس وجہ سے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اس وقت حافظ صفدر علی صاحب سے بہتر لاہور میں کوئی سنگ ساز نہیں ہے۔ انہوں نے صفحے کے صفحے میری کتاب کے از سر نو تحریر لکھ کر اکثر اوقات خط سے خط ملا دیا۔ غلطیوں کو نہایت احتیاط اور درستی سے بنایا بلکہ املا بھی کہیں غلطی نہیں کی۔ انگریزی اور ناگری کے الفاظ بھی خوب بنائے۔ پس اس سے زیادہ کیا لیاقت ہو سکتی ہے۔ میں نے خوش ہو کر ان کو کچھ پان کھانے کے واسطے بھی دیا۔ لیکن میں خوش جب ہوتا کہ اس وقت ان کی خدمت جیسا دل چاہتا تھا ویسی کر سکتا اور مجھ کو اس وقت کی عسرت مانع نہ آتی۔ فقط

۱۲ جولائی سنہ ۱۹۰۱ء — سید احمد دہلوی بقلم خود

بنام مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شروانی

(۴)

آپ جیسے ہوں جب حبیب اپنے — کیوں نہ اچھے ہوں پھر نصیب اپنے

میرے محسن۔ میرے مربّی۔ میرے ہمدرد۔ میرے حبیب خوش نصیب سلمہ اللہ تعالیٰ

تسلیم بعد تعظیم کے بعد گزارش خدمت ہے۔ کہ نامۂ والا محررہ یکم اگست اس کی تیسری تاریخ کو فرحت بخش دل و نظر ہوا۔ اس یاد آوری اس ہمدردی کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ بیشک لاہور میں جناب نے احباب کو برائے نام دعوت دی تھی۔ جس کے سبب بدنام ہونا پڑا۔ دعوت کے رقعے پر صاف لکھا تھا ؎

نہ وہ دعوت کہ جس میں ہو رنگ ایک — یک رکابی طعام و دیگر بس

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گو اس تقریب میں آپ کا شریک کرنا باعث فخر تھا لیکن اتنی دور سے تکلیف دینا باعث شرم۔ دلی قربت ہی کو کافی سمجھا۔ جلد سوم و چہارم حسب ارشاد کل والا نامہ آتے ہی مع سہ نمبر سابقہ یعنی رسالہ علم اللسان ارسال خدمت ہوئے۔ چونکہ کاغذ کی تخصیص نہ تھی اس وجہ سے سرسری پوری کاغذ کی جلدیں روانہ ہوئیں۔ گو ابتدائی حصص اس پندرہ سولہ برس کے عرصے میں ختم ہو گئے مگر آپ کے نمبر پورے کرنے کے لئے کوشش بدل و جان کی جائے گی۔ چنانچہ ایک کتاب جو انہیں ۳ نمبروں کے سبب ناقص تھی اس میں سے جو نمبر آپ کے کارآمد تھے انہیں نکال کر اور ناقص کر دیا۔ مگر جناب کے ارشاد کو ٹال نہ سکا۔ اکثر احباب کو اس امر کی ضرورت پڑ رہی ہے۔ مجبوراً قلمی لکھوا کر ان کا کام کر دیتا ہوں۔ روپے جلد سے کوئی کم نہیں لکھتا ہے۔ یہی نمبر جو خدمت عالی میں گئے ہیں، اگر نہ ہوتے تو چھ روپے خرچ ہو جاتے۔ چونکہ موجود تھے اس سبب سے اُس سابقہ قیمت پر بھیج دیئے گئے۔ باقی نمبروں کا بھی اسی طرح پورا کر دیا جائے گا۔ جن

احباب ما حوحیار دہلی کے پاس ہیں وہ پہلی کتاب تو شاید دے دیں مگر نمبر نہ دیں۔ جس کو پورا کرا لینا منظور ہو۔ اس وقت تک وہ بھی نہ رہنے۔ میرا بے شک ارادہ از سر نو چھاپنے کا تھا اور اسی وجہ سے اطلاع کرنے بہت کچھ بڑھا بھی لیا تھا۔ بلکہ ابھی تک بڑھائے جاتا ہوں مگر میری مصیبتوں اور قلت زر نے پورا نہ ہونے دیا۔ آپ جلد چہارم کے حاشیے میں میرے اکثر حالات ملاحظہ فرمائیں گے۔ مجھ سا سخت جان کو انجام پر پہنچا۔ نہ۔ جس وقت جلد سوم و چہارم کا قرضہ ادا ہو فوراً اس طرف توجہ کی جائے گی۔ اس ہزار کا قرضہ اہل مطابع کا دینا ہے اسی وجہ سے تعداد طبع بھی گھٹا دی اور ابتدائی حصص کو بھی از سر امر کو غنیمت نہ سمجھا کہ کسی طرح ایک مرتبہ یہ بدخط مسودہ میری زندگی میں چھپ جائے بعد میں اصلاح و والے بہتر سے ہو جائیں گے۔ لیکن یہ ذخیرہ جس پر قومی زبان کی بنیاد اور تکمیل منحصر ہے پھر میسر نہیں ہو گا۔ یہ گورنمنٹ نظام والا کے طفیل اور عالی ہمتی سے اتنا بھی ہوا ورنہ پبلک کی طرف سے تو مایوسی اب بھی بہت سا مصالحہ یوں ہی پڑا رہا۔ ورنہ اس سے بھی زیادہ طول ہو جاتا۔ صرف ضروری باتوں کو مجھے اس قابل کیا تو طبع ثانی میں اس کو دیکھئے گا۔ اب تو اس کا اولیں مسودہ یا نقش اول سمجھنا چاہئے بلکہ وہ صحت بھی نہ ہوئی۔ کاتبان مطبع نے اپنی طرف سے کچھ کا کچھ اکثر جگہ سے بہتر پر بنا دیا جس سے نام بھی لگا یا پڑا۔ گو آپ کسی قدر بھول گئے ہوں مگر میری نظروں میں وہ زمانہ ہر وقت موجود تھا۔ اگر تو یہ سلسلہ ٹوٹ جاتا۔ مجھے آپ ہمیشہ یاد رہے اور میں نے اپنی نیاز مندی کو اپنا افتخار سمجھا۔ اس اٹھارہ نہیں بلکہ ۱۹ برس ہونے ۱۸۸۳ء سے مجھ کو جناب کی خدمت میں نیاز حاصل ہے۔ اور اگر کچھ جناب نے فوری امداد فرمائی ہے وہ بھی یاد ہے یہ استقلال انشاء اللہ تعالیٰ اور زیادہ ترقی پکڑے۔ مبارک باد کا تہ دل سے ممنون ہوں خدا تعالیٰ آپ کی عمر و ہمت۔ ہمدردی اور اس قدر دانی میں برکت کی دعا سے مجھے بار بار یہ فرہنگ حسب منشا چھاپنی نصیب ہو۔ دیباچے کے ۸ صفحے کیا بہت سے لکھے تقطیع پر لکھے جاتے اسی وجہ سے چھوڑ دیئے تھے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ؎

بے زر مردم کار نیاید زر می باید زر می باید

نقادوں کا یہ مقولہ بہت ٹھیک ہے۔ ان آٹھ صفحوں میں جو کچھ لکھا جاتا وہ جلد چہارم کے آخر میں لکھ اس کا دیباچہ وہی ہے جو ارمغان دہلی کا ہے اور مقدمہ وہ رسالہ ہے جو خدمت عالی میں علم اللسان بندہ دسویں تاریخ کو شملے جائے گا۔ وہاں وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے مل کر مہینہ واپس آئے گا۔ اور ایک ہفتہ دہلی میں رہ کر حیدر آباد کے راہ خرچ کا انتظام کر کے حیدر آباد پہنچے آپ بس دعا کیجئے اور جو چیز شملے یا حیدر آباد کی مطلوب ہو بلا تکلف لکھئے بسر و چشم تعمیل ارشاد ہو گی۔ پیکٹ میں نقشہ سواری اکبر شاہ ثانی و دربار نہ روانہ کر دیا خیر پھر دیکھا جائے گا۔ امید ہے کہ آم میں یہ عریضہ ملے گا۔ فقط آپ کا رہین احسان سید احمد دہلوی بقلم خود نظر ثانی معاف۔

چند دوستوں نے سوانح عمری لکھنے پر مجبور کیا ہے۔ میراں میں کیا لکھوں۔ از دہلی

۴ر اگست ۱۹۱۶ء سید احمد دہلوی

(۵)

راجا سر کشن پرشاد

عالی جناب من۔

تسلیم بصد تعظیم کے بعد مؤدبانہ گزارش خدمت ہے کہ نیاز مند نے جو ۲۶ر جون ۱۹۱۶ء کو رسالۂ خدا صفت طبع ثانی ارسال خدمت کیا تھا۔ اس کے صفحہ ۳ سطر ۱۳ میں نام کی غلطی مطبع کی طرف سے ہوئی تھی صرف دس پندرہ ورق چھاپے گئے تھے کہ وہ غلطی معلوم کر کے درستی کرا دی گئی۔ چنانچہ وہ ورق خدمت عالی میں بدیں غرض ارسال کیا جاتا ہے کہ سابقہ ورق صفحہ ۳ - ۴ کا نکلوا کر اس کے بجائے اسے چسپاں کرا دیں از حد مہربانی و بندہ نوازی ہوگی۔ فقط

آپ کا نہایت مرہون منت احسان سید احمد دہلوی المخاطب بہ خانصاحب

۱۴ر جولائی ۱۹۱۶ء مؤلف فرہنگ آصفیہ و ارمغان وغیرہ

ریاض خیرآبادی

بنام احسن مارہروی (۱)

مکرمی!

کارڈ ملا۔ ریاض الاخبار کی بابت عرض کردہ قیمت قبول فرمانے کا شکریہ۔ ستمبر سے پرچے تلاش کر کے آج یا کل حالات روانہ کر
دوں گا۔ مگر دلیوے گا۔ اخبار رہے یہ بڑی صاف روشن جو آتا دلاتی ہے ورنہ فضول ہے ہے

میں جا سا ہوں نہ طلبی کو نہ مال عیب دینار داغ ہے مرے دستِ سوال کا

اگر میرا یہ عمل کچھ بھی گراں ہو تو بے تکلف واپس کر دیجیے گا میں ناداں کو سزا، قصور سمجھ کہ پھر وہی پرچہ پوسٹ روانہ کر دوں گا۔ یہ امر کہ نفع
زیادہ ہے لوگ پسند نہ کریں گے۔ میں نے صرف رائے کا اظہار کیا تھا ع

ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

آپ کو ضرور مجھ سے دلی انس ہے۔ اس قدر متاثر ہوں کہ بے تکلف آرزوئے یکجائی کر بیٹھا۔ آپ میرا خیال صحیح ہے
بات یہ ہے کہ میں زر سے پریشان ہو رہا ہوں۔ اوّل تو بالکل تہی کیسہ ہوں چہ خود رو بامداد فرزندم کی ہر وقت فکر دوسرے محض تنہا ایسے
تجارتی کام تنہا جب ہی چل سکتے ہیں کہ انسان فارغ البال ہو صیغۂ ملازمت وسیع ہو۔ معافی

ننگی تلوار ادھر ہیں لاغر کیا نچوڑے گی کیا نہائے گی

یکجائی کا کوئی مناسب طریقہ ممکن ہوتا تو آپ کی ذاتی مالی و عنایت سے ایک مرتبہ زمین سر پر اٹھا لینے کی کوشش کی جاتی۔ مگر یہ
حسنِ اتفاق کہاں ممکن۔ پریس ضرور قائم کیجیے صرف گلدستہ کے لئے۔ تجارتی چھپائی یا اخبار نکالنے کو مارہرہ بہت ہی چھوٹا معاملہ ہے
بہرحال کچھ کرتے رہیے، خصوصاً نام آوری کے کام۔ طرح میں غزل نہ دوں مگر بہت ہی امتیاز خاص چاہتا ہوں یہ آپ کا کام ہے
ریاض تخلیل کے ذریعے پبلک کے روبرو جس طرح چاہے مجھے نمایاں کیجیے۔ آپ وفورِ اخلاق سے یہ سب کچھ کر سکتے ہیں کہ آ و ملیگن کے ہاتھ
بچے سے پر جوش الفاظ میں خیر مقدم کیجیے۔ تصویر پھولوں سے لدی ہوئی شائع کیجیے یہاں تک کریں کہ دنیا میں میرا کوئی ثانی نظر آئے۔ جب
جب کلام پر نظر پڑے گی تو سب مسرت افسوس سے بدل جائے گی آنکھ میں آنسو آ جائیں گے۔ کلام اس قابل ہوتا تو تذکرہ کا منشا
نہ تھا۔ نہیں حضرت نہیں۔ واللہ مجھ کو آپ مخلصی سادگی کے ساتھ معمولی درجہ کے شعراء کی آخری حالت میں لیجیے۔ یہ باہر جانا

کی تھیں۔ میں غزل ضرور بھیجوں گا۔ میرے نام کے ساتھ زائد الفاظ نہ ہوں گے صرف ریاض کافی ہوگا۔ دعویٰ تو اس بشاشت سے کر رہا ہوں کہ غزل بھیجوں گا اور قصد یہی ہے مگر غزل بھی تو ہو جائے۔ آج آپ نے محبت جتا کر بہت ہی وقت لیا خدا آپ کا بھلا کرے باتوں میں چند منٹ دل خوب بہلا۔ اب نہ وہ ہم نہ ہماری حالت فکر دنیا کھا گئی کچھ روز سے اور عالم ہو گیا ہے

یاد ہوں گی تجھے گلشن کی بہاریں گلچیں　　　پنکھڑی ٹوٹتی تو شور رسا دل ہوتا

پژمردہ ریاض ۷ نومبر ۱۸۹۸ء

---

(۲)

مکرمی!

کارڈ ملا۔ افسوس میری کیفیت سے آپ کو آگاہی نہیں۔ دو سال سے میں اخبار کی خدمت بوجہ معذوری کچھ نہیں کر سکتا۔ اخبار حکیم برہم صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ غالباً آپ سے خط و کتابت ہوگی۔ وہ جناب داغ مرحوم سے کس قدر خلاف تھے اور جلوۂ داغ سے زیادہ۔ مگر مرحوم کے انتقال کے بعد انہوں نے نکتہ چینی سے احتراز کیا۔ اشتہار حسب ہدایت درج ریاض الاخبار ہوگا۔ اگر آپ سے برہم صاحب سے خط و کتابت نہ ہو تو ضرور خط و کتابت کیجئے۔ وہ جلد صاف ہو جانے والے شخص ہیں۔ میں ان سے کہوں گا کہ اگر ریویو لکھیں تو ان کی مصلحت پر نظر رکھیں۔ آپ ایک کارڈ ان کو براہ راست بھیج دیجئے۔ میں ان سے زیادہ دور رہتا ہوں۔ کم سے کم دو میل کے فاصلے پر۔ دیوان آیا وہ حکیم برہم صاحب کے پاس ہے آپ ایک جلد مجھ کو بھیج دیجئے مگر انہی کی معرفت میں انہی کے نام پر ہو۔ میں پرسوں مراد آباد جاؤں گا کوشش کروں گا کہ آپ کا دیوان مانگ کر ساتھ لے جاؤں کہ ریل پر سفر میں دیکھنے کا موقع ملے۔ میں جلد آپ کو دوسرا خط بھیجوں گا۔ والتسلیم زیادہ حد۔

ریاض۔ ۳۱ جنوری ۱۹۰۶ء

---

(۳)

عالیجناب!

تسلیم۔ کارڈ ملا۔ آپ کے نوازش ہائے بے پایاں کا شکریہ۔ ۷ کا وی پی ارسال ہے۔ اور وہ ۷ جنوری سے مسلسل پرچوں کا پیکٹ بھی جاتا ہے اور جنوری کے سارے اخبارات میں واقعات انیس یا میرانیس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی روانہ ہیں۔ مجھے تو آرزو تھی کہ آپ فصیح الملک لکھنؤ سے نکالتے اور ریاض الاخبار کی اڈیٹری کا چارج بھی اپنے ہاتھ میں لیتے۔ مجھ سے اب لکھا پڑھا نہیں جاتا۔ چاہتا ہوں ع

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

میرا بہت زیادہ کلام ضائع ہو گیا۔ بہرحال میں آپ کے لئے ضرور تازہ غزل کا اہتمام کروں گا۔ آپ نہیں جانتے میرا وقت کیسی پریشانی میں گذر رہا ہے ورنہ آپ سا مہربان قدردان مجھ سے فرمائش کرے اور میں تعمیل نہ کروں۔

ریاض از حسین آباد مبارک لکھنؤ ۲۹ جنوری ۱۹۰۹ء

بنام احسن مارہروی

(۴)

اخی احسن!

کبھی کسی رسالے کو غزل نہیں بھیجی ڈرتے ڈرتے آپ کی فرمائش کی تعمیل کرتا ہوں۔ یہ غزل گذشتہ مہینہ بھیجی گئی بھول جاتا تھا۔ آج فصیح الملک نے یاد تازہ کر دی۔ خدا کرے آپ کو پسند آئے اور رحم صاحب میں ملے۔ کسی شعر میں کچھ تامل ہو تو مجھے لکھ بھیجئے۔ واقعات پر تنقید دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ اللہ کرے روز کل معیار شائع ہوا ہے اس میں جواب لکھا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوا تو کسی وقت میں بھی کوئی نوٹ لکھ دوں کہ آپ کی طرفداری کروں یا صاحب واقعات کی۔ مجھے آپ اکثر یاد فرماتے رہیں۔

نیاز مند سید ریاض احمد ریاض۔ ۱۹ مارچ ۲۹ء

میں شکرگذار ہوں ایک پرچہ فصیح الملک کا جس میں تنقید واقعات انہیں ہیں ذیل کے پتہ سے صاحب دلگیر آگرہ۔ میرے کا کٹرہ۔

بنام جناب جگر صاحب

(۵)

عالی جناب جگر صاحب!

آقائے سخن و تسلیم کی گرانمایہ ہستی سے نہ صرف گونڈہ بلکہ ہندوستان خالی ہو گیا۔ مرحوم کو آپ بھی آپ کی سنجیدہ وضع اور مذاق سخن کو سراہتا ہوں۔ میری گرویدگی کو اور بھی اس لئے ترقی ہوئی کہ آپ نے وہ شفقت روا رکھی جس کی توقع آپ کی ذات ستودہ صفات سے تھی۔ خدا کرے وہ روز افزوں ترقیاں کریں۔ خدا وہ دن لائے کہ اکبر کے چھوٹے بھائی مولوی خلیل احمد نسیم بھی گورکھپور پہنچ جائیں۔ دونوں آقائے من نظر صاحب کو بھی نگاہ امتیاز سے دیکھتا ہوں۔ عیوب سخن پر وہ کافی نگاہ رکھتے ہیں اور زیادہ قابل قدر ہیں۔

میں ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رکھتا ہوں اور اس کے معاوضے کا خواستگار نہیں ہوں۔ انشاء اللہ جلد حا

نیاز مند ریاض ۱۲ ستمبر ۲۹ء

بنام دل شاہجہان پوری

(۶)

مکرمی!

۴ جولائی ۳۳ء کے کارڈ سے یاد فرمائی و عزت افزائی کا شکرگذار ہوں۔ بیمار تھا جواب میں تعویق ہوئی معافی کا خیرآبادی ہے لکھنؤ کبھی دو چار روز کیلئے چلا جاتا ہوں۔ بہت ضعیف ہو گیا ہوں آلام و افکار نے مردہ بنا رکھا ہے سے بہت مسرت ہوئی انشاء اللہ مقبول عام ہو گا اب تو شاعری اور زبان کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئی ہے۔

سیفی کے چلے جانے کا بہت افسوس ہوا اگرچہ وہ مزاج کے کیسے ہی تھے بہر حال اچھے تھے کبھی مجھے یاد کرتے تھے

ساون میں خاک اڑ رہی ہے دو ہفتہ سے بارش نہیں ہوئی۔ اللہ رحم کرے۔

چودھری فتح محمد صاحب شیفتہ بی۔ اے	(۷)

عالی جناب چودھری فتح محمد صاحب بالقابہ!

ہندوستاں میں دھوم ہے کس کے کلام کی		وہ کون ہے ریاض کو جو جانتا نہیں

عنوان تو شاعرانہ تعلی ہے من آنم کہ من دانم۔ حقیقت اتنی ہے کہ "ریاض الاخبار" ہفتے میں دو بار، "فتنہ" ہفتہ وار، "تاریخی رونما"۔ "عطر فتنہ" ہفتہ وار، "گلچیں" ماہانہ، "صلح کل" روزانہ۔ یہ سب میری ایڈیٹری اور ملکیت میں برسوں شائع ہوتے رہے۔ اس زمانے میں اخبار کم تھے۔ "کوہ نور" پنجابی لاہور سے۔ "اودھ اخبار" روزانہ لکھنؤ سے۔ "لارنس گزٹ" ہفتہ وار میرٹھ سے شائع ہوتے تھے۔ میرے نام اور تخلص کی شہرت کا یہی سبب تھے یعنی وہ پرچے جنھیں میں نکالتا تھا۔ سر عبدالقادر صاحب قریب قریب اسی زمانے کے بزرگ ہیں یقیناً خط و کتابت کے ذریعے سے میرے شناسا بھی۔ نیز ان کی تحقیق، تدقیق، ذکاوت و ذہانت اور عالمانہ وسیع معلومات کا مدت سے معترف ہوں۔ سر اقبال شاعرانہ حیثیت سے مجھے جانتے ہیں اور اخباری حیثیت سے بھی۔ مجھے اس وقت مرحوم گرامی کی یاد بے اختیار آئی۔ وہ مجھ سے حیدرآباد میں اس وقت ملے تھے جب میں سر مہاراجہ کشن پرشاد شاد کا مہمان تھا۔ میں ان کی فارسی شاعری کا بہت احترام کرتا ہوں۔ اس سے میری یہ غرض نہیں کہ سر اقبال کی اردو و فارسی شاعری کا احترام ان کے بلند خیالات کو دیکھتے ہوئے میرے دل میں فرق کے ساتھ ہے۔ میں سمجھتا ہوں سر اقبال کے بلند خیالات نے ان کے ہر مصرع کو ہمالیہ کی بلند چوٹی کا ہم پایہ بنا دیا ہے۔

پچاس سال ہوئے سر سید مرحوم نے زندہ دلان پنجاب کا فقرہ لکھ کر پنجاب کو اور صوبوں سے امتیازی حالت میں ظاہر کیا تھا۔ ممکن ہے اس وقت کی تعلیمی دلچسپیاں لاہور کو گل سرسبد بنائے ہوں مگر دیکھتے ہی دیکھتے تمام اصناف میں پنجاب نے اپنی زندہ دلی سے قابو حاصل کر لیا۔ بے اختیار دل سے یہ دعا نکلتی ہے		ریاض

تری اٹھان ترقی کرے قیامت کی

ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح

مجھے بہت زیادہ حیرت زبان کی ترقی پر ہے۔ پنجاب کے شہری افراد ہوں یا اہل تصنیف و تالیف، روزانہ، ہفتہ وار پرچے ہوں یا ماہوار شائع ہونے والے رسالے، قریب قریب کیسی پاکیزہ اُردو، ساختہ و بے ساختہ زبان میں استعمال کرتے ہیں۔

پنجاب ٹکسالی اردو میں بھی دہلی و لکھنؤ سے قریب قریب یکسانیت حاصل کر لیتا مگر ٹکسالی زبان تو بوجوہ اپنے خاص گھروں سے رخصت ہو رہی ہے۔ پھر بھی مایوسی میں امید کی جھلک اس اعتبار سے نظر آ رہی ہے کہ زندہ دلان پنجاب اگر ٹکسالی زبان کی طرف متوجہ ہو گئے تو ضرور اس پر بھی قابو حاصل کر لیں گے۔ وہ ٹکسالی زبان جو غالب و انیس کا حصہ سمجھی جاتی ہے اور زمانہ سر سید سے لے کر نواب بہادر میر ناصر علی مرحوم مدیر صلائے عام کا جو حصہ ہو گئی تھی نثر در ٹکسالی اُردو کی نظم کو امیر، داغ، جلال نے چار چاند لگائے تھے۔ زندہ دلان پنجاب کاش ادھر بھی توجہ فرمائیں۔ جو زبان اسکولوں اور کالجوں میں اور ابتدائی مکاتیب میں داخل درس ہو چکی ہے عادی ہوتی جاتی ہے خاص توجہ سے ٹکسالی زبان ہو سکتی ہے ورنہ تا شہر تا می رود دریا رگ کی مصداق جیسی اب ہے آئندہ بھی رہے گی۔

میں آپ کو کیا لکھنا چاہتا تھا اور کیا لکھ گیا گویا کسی اخبار کے لئے بہ امید معاوضہ کاغذ سیاہ کر رہا ہوں۔ مجھے جناب کو

بیان ہمہ لکھنے کا اتفاق اس بنا پر ہوا کہ میں نے فضا صاحب کو ایک خط اس غرض سے لکھا کہ میرے دیوان کے
میں زیادہ عرصہ سے ہے مگر تاخیر نے ہر طرف ناامیدی کی صورت پیدا کر دی ہے اس لئے فضا اور دوسرے احبا
چاہتا تھا کہ دیوان کی طباعت و اشاعت کا زمانہ اب قریب ہے اور اعتبار دلانے کو میں نے ملک کے سرمایۂ
چیف جسٹس الہ آباد کی چٹھی جو اسی دن میرے نام آئی تھی بصورت نقل اسی خط میں ملفوف کر دی تھی۔ فضا صاحب
ہو کر یہ پوچھا کہ دیوان ریاض کے متعلق اپنے صوبے کے سرمایۂ ناز حضرات یعنی سر عبدالقادر صاحب بالقابہ،
ملک سر فیروز خان نون الیہ السلام وزیر تعلیم پنجاب سے ایسی ہی چٹھیاں یا نوٹ حاصل کئے جائیں کہ دیوان ریاض
سے بھی روشناس عالم ہونے کا موقع حاصل ہو سکے۔

فضا صاحب نے مجھ سے خواہش کی کہ میں اماناً نیاز نامہ جناب کو بھیجوں۔ آپ محاسن اور مخلف خو
مجھ پر آپ کی ستائش کا نحو صحبت مخلص یعنی ملل ہیں کہ فائدگل بود بس است یہ اثر ہوا کہ میں آپ کو خط بھیجنے
سے مجھے اس کی بھی خواہش نہیں ہے کہ آپ جواب لکھنے کی تکلیف گوارا کریں یا میری اس بے سروپا طول
وقت ضائع کریں۔ میں پنجاب اولڈ پولیس میں ہوں میں جانتا ہوں۔ مالی حالت سے بہ لحاظ کثیر الاولاد ہونے اور رہ
ہونے کے مجھ پر عرصۂ دنیا تنگ کر دیا ہے مگر دیوان کی اشاعت انشاءاللہ ضرور میرے لئے اطمینان پیدا کر دے

آس اک سیڑھی ہے دنیا میں اگر ٹوٹ نہ جائے

سر نواب قاضی عزیزالدین وزیر دیا پور میرے واسطے بہترین ذریعہ تھے کہ میں لکھنؤ میں اعلیٰ حضرت نظام
قسمت نے مجھے روک دیا۔

بیشک سر عبدالقادر صاحب، سر اقبال صاحب، ملک سر فیروز خان صاحب نون ایسی بلند پایہ شخصیتیں
کے متعلق اظہار خیال فرمائیں تو ممدوحین کی یہ قدرشناسی ملک کی شکرگزاری کا باعث ہوگی مگر میں ممدوحین سے ایسی ا
بزرگ کے ادب اور شان کے خلاف سمجھتا ہوں جس نے مجھ سے بے بضاعت کم مایہ شخص کی شاعری کو اس مرتبے
بلند پایہ حضرات جن کی صحبت نے دور حاضرہ کی شاعری کو کچھ سے کچھ بنا دیا ہے میرے لئے تو ناہیں مگر میرے ان
الفاظ سے تحمل نہیں فرماتے ۔ کہنا تھا اگلی زبانوں سے ریاض ہم سے حال ۔ مجھ کو نہ دیکھئے میرے اشعار دیکھیے
میرا خیال یہ ہے جو شعر ... دیوان کشتہ شامہ پیمائی فرمائیں گے وہ اب نئے میرے دیوان میں اپنی مستقل
ع نوشتہ بماند سیہ بر سپید ۔

فضا صاحب نے اپنی امیدیں جو آپ کے دامن سے وابستہ کی ہیں ان کا لحاظ فرماتے ہوئے آپ حضرات ممدوحین کو تکلیف
کے لئے اس کی ضرورت معلوم ہو تو آپ سر سلیمان صاحب چیف جسٹس کی چٹھی نقل شدہ جو ملفوف بھیجتا ہوں آپ پبلک نش
کی خدمت میں بھیج دیں یا خود کسی وقت دکھا دیں گے۔ میں وہ غزل بھی ملفوف بھیجتا ہوں جس کے لئے اچھے الفاظ خان
اسسٹنٹ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے اپنی تیجئی مرصوارہ حال میں مجھ کو لکھے ہیں ۔

قدرداں گوہر سخن کے ریاض　　　منہ مرا موتیوں سے بھرتے ہیں

[illegible] جہان پوری   مکرمی!   (۸)

دو صفحوں سے بہ ترمیم یا بلا ترمیم آپ جو چاہیں اپنے کام میں لا سکتے ہیں۔ میرے الفاظ ویسے آپ کے اتفاق و اختلاف کے محتاج ہیں اور وہ بھی صرف میری اور آپ کی آگاہی کے لئے۔

ہے پرے* سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود

یہ مصرع کبھی میری نظر سے نہیں گزرا ہے۔ میں پرے کے لفظ کو متروک سمجھتا ہوں۔ داغ و امیر و جلال نے بھی استعمال نہیں کیا نہ ان کے جانشینوں نے۔ عام بول چال میں بھی نہیں بعض دلی والے شاعر بولتے ہیں ع

دور ہے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود

پرے کا استعمال بے جا ہوا ہے ممکن ہے بہت سال قبل غزل مسی صاحب کی دیکھی ہوئی ہو اس صورت میں نوٹ دے دینا ضروری تھا۔ میں نے بے تکلفانہ اپنا خیال ظاہر کر دیا نہ جواب کی ضرورت نہ بحث کی۔

۱۔ اب تو ہر ہر نفس سرور ہے افسانۂ دل۔ ہر ہر کا لفظ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

۳۔ کہ ایک وقت میں ہم ترکِ آرزو کرتے۔ ترکِ آرزو کرتے اس کے لئے "ایک وقت میں" کیسا۔ اس وقت ضرورت بھی سمجھ میں نہ آئی آئندہ شاید سمجھ میں آجائے۔

۴۔ اٹھے نہ محو تماشا تو غرقِ بیداد۔ عزیز نے بھی انتخاب میں لیا۔ میرے خیال میں غرق کا لفظ باعتبار مناسبت کوئی رعایتی لفظ چاہتا ہے جیسے غرقِ بحرِ الفت یا آبِ خجالت۔

دیوان میں جب کہیں کوئی بات قابلِ استفسار نظر آئے گی آپ سے دریافت کروں گا۔
نیاز نے مقدمے میں بے ضرورت داغ کا یہ شعر لکھ کر ؎

کچھ زہر نہ تھی شرابِ انگور   کیا چیز حرام ہوگئی ہے

داغ کو میخوار ظاہر کیا ہے اور فوری ثبوت بھی اسی شعر سے دے دیا ہے۔ یہ بھی اشارہ فرما کر کہ پینے والے کا شعر پینے والے کو زیادہ مزا دیتا ہے اپنی نسبت بھی لوگوں کو بدگمانی کا موقع دے دیا ہے۔ آپ کو صاف صاف دامن آلودہ کہیں کیا غنیمت ہے مجھ سے نیاز سے بہت یکجائی رہی ہے میں نے کبھی پیتے نہیں دیکھا نہ کبھی ایسی حالت میں کہ شبہ کر سکوں۔ مگر مجھے تو بحث داغ سے ہے کیا داغ کے پینے نہ پینے کے متعلق آپ کچھ کہہ سکتے ہیں؟ یہ غیر ضروری باتیں اس وقت میرے قلم سے نکل گئیں۔ میں خود نیاز سے کسی وقت پوچھ لوں گا۔ میں نے آپ کا وقت ضائع کیا معاف کیجئے اور اپنا ہوا خواہ اور دعاگو سمجھئے۔ اب لکھنے پڑھنے سے معذور ہوتا چلا ہوں اور ساتھ ہی ؎

کچھ اپنے حال کا مجھے احساس ہی نہیں
یہ میں ہوں پیرہن میں کہ مردہ کفن میں ہے

ریاض ۱۵ اکتوبر ۳۳ء خیرآباد

---

* اس مرحوم کو سہو ہوا یہ مصرع ولی صاحب کا نہیں غالب کا ہے نیاز فتحپوری نے مقدمے میں لکھ دیا تھا۔

آپ کشمیر کے حاکم ہیں عارف سیکرٹری ہیں۔ نہایت اعلیٰ نفیس پٹی گرم بھیجیں گے۔
پچھلے سال علامہ سر اقبال نے مجھے لکھا تھا کہ اقبال و گرامی کشمیر کی سیر کریں مگر گرامی جالندھری میری قبر پہ آیا ہے۔ گرامی کی بدقسمتی کہ وہ کاہلی کی آغوش میں بیخود رہا۔

کاہلی کت شکند استخواں　　　　شکنی اش بیخ زہے ناتواں

گرامی کا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا ہے۔ آئندہ سال کا وعدہ نقش بر آب ہے۔

خدمت عالی حضرت ناظر صاحب[1] کا غائبانہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرا سلام کہہ دیں۔ خدمت اقدس حکیم مسیح الملک بہادر رئیس اعظم دہلی، گرامی کا سلام پہنچا دیجئے۔

گرامی

رباعی: یارا ارما نگر ندادند برات　　　　وز تنگی کشاکش موت و حیات

نگذاشت کہ یک نفس بخود پردازیم　　　　فریاد و افسوس آہ حسرت ہیہات

بنام پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی صاحب

(۳)

خدمت اقدس حضرت کیفی صاحب　تسلیم

گرم پٹی پہنچ گئی۔ پنڈت دیوی چند صاحب رئیس اعظم جالندھر نے میرے پاس پہنچائی ہے۔ آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ مہربانی فرما کر قیمت سے مجھے اطلاع دیجئے۔ بہ ذریعہ منی آرڈر گرامی کی فرمائش پوری کی۔ گرامی کی عرض بھی قبول کیجئے۔ وہ یہ کہ قیمت سے اطلاع دیجئے۔ روپیہ بار خاطر ہے نہ بار خاطر۔ گرامی آپ کا رہین منت ہے۔

ایک غزل خدمت عالی میں بھیجتا ہوں۔ جناب چودھری صاحب بہادر حضرت ناظر کی نسبت وہ اپنا خیال ظاہر کریں۔ آپ بھی اس غزل کی نسبت اپنی رائے دلآویز کا اظہار کیجئے۔ راجہ دلیپ سنگھ صاحب بہادر رئیس اعظم جالندھر تقاضا کر رہے ہیں کہ رباعیات ہم سردار امراؤ سنگھ صاحب سے انگریزی میں ترجمہ کرائیں گے اور ڈاکٹر سر اقبال لکھ رہے ہیں ہم ترجمہ کروں گا۔ فرمائیے آپ کی رائے صحیح کیا ہے۔[2] والسلام

گرامی

---

[1] چودھری خوشی محمد ناظر (جوگی اور ماتر والے) مراد ہیں۔

[2] اتفاق سے، اس خط کا جو جواب پنڈت کیفی صاحب نے لکھا تھا، وہ بھی مل گیا ہے - ملاحظہ فرمائیے:-

جموں - ۱۰ ردسمبر ۱۹۲۲ء

میرے محب مولانا گرامی کی خدمت میں سلام شوق۔ گرامی نامہ پہنچا۔ اس پٹی کی قیمت پوچھ اوّل تو وہ چیز ہی کیا ہے جس کی آپ قیمت پوچھتے ہیں۔ اور پھر یہ بار خاطر والا فقرہ سناتے ہیں حضرت

...موہن دتاتریہ کیفی صاحب

(۴)

خدمت عالی حضرت کیفی صاحب تسلیم

"خمخانۂ کیفی" گرامی کو مل گیا۔ میں کیا لکھوں کہ یہ میکدۂ معانی کیا چیز ہے۔ میرے دوست میرے عنایت فرمائے
... باصفا جوہر فروش حضرت چودھری خوشی محمد صاحب ناظر ممبر کونسل کشمیر نے جو کچھ آپ کے کلام کی نسبت لکھا ہے
... صحیح ہے۔

چہ فصاحت چہ بلاغت چہ معانی چہ بیاں — جلوہ فرماست در آغوش زبانِ کیفی

... مادر گرامی کے حواس خمسہ پنجاب کی نذر، گرامی کو خاک دکن ہی جذب کرے گی۔ داغؔ اور امیرؔ مینائی چشم براہ ہیں۔
حضرت کیفی صاحب صاحب، دہلی میں آپ کی یاد نے گرامی کو مضطرب کر دیا۔ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے
... تکلف اور لطیفے کی دعوت اور آپ کی یاد گرامی نہیں بھول سکتا۔
خدمت اقدس چودھری صاحب بہادر گرامی کا سلام پہنچا دیجئے گا۔

والسلام گرامی

... فرمائیے اور آئندہ کشمیر سے جو کچھ مددکار ہو بلا تکلف ارشاد کیجئے۔
غزل کا شکریہ۔ کیا اچھا کہا ہے۔

رہِ عشق است امید از زمیں یاس می روید — دریں صحرا دل ہر رشتہ یوسف بچہ ماند

... بڑھاپے والا شعر ہے۔ غزل کتنی اعلیٰ استادانہ شان رکھتی ہے۔ مگر برائے خدا ایسے مکڑے قافیے نہ رکھا کیجئے۔ چودھری
صاحب کے پاس ضرور بھیجوں گا۔ اپنی چند نظموں کا مجموعہ جو احباب نے زبردستی چھپوا دیا ہے بھیجتا ہوں۔ غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ معاف
...طلب ماہی غزل کی گنجائش نکلی۔

رباعیات کے ترجمے کی نسبت جو آپ پوچھتے ہیں، سو میری رائے یہ ہے کہ سردار امراؤ سنگھ ہیں وہ سب ضروری اوصاف
رکھتے ہیں جو اس ترجمہ کے لئے چاہئیں اور وہ دل دے کر ترجمہ کر بھی دیں گے۔ ڈاکٹر اقبال بھی اس کام کے ایسے ہی اہل ہیں لیکن
ان سے پھدی پڑتی نظر نہیں آتی۔ یہ ترجمہ ضرور ہونا چاہئے۔
لاہور آنا ہو تو لکھئے گا۔ واللہ آپ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ والشوق

برج موہن دتاتریہ کیفی

... کیفی صاحب نے یہ چند لفظ قلم بند فرمائے ہیں:
میں نے حضرت گرامی کو ایک نسخہ اپنے مجموعۂ نظم خمخانۂ کیفی کا بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے یہ خط
اور رباعیات بھیجی ہیں۔ ان کے کلام نے یہ رنگ ابھی اختیار کیا ہے۔ خدا سلامت رکھے۔ ان کا دم غنیمت ہے۔
برجموہن دتاتریہ۔ سری نگر کشمیر
۲۰؍اگست ۱۹۲۴ء

خط و صدائی میں سمجھتا ہوں ملے

راقم
شیخ غلام قادر گرامی شاعر خاص حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ

(۵)

بنام نواب حسن علی خاں صاحب امیر جاگیردار مرحوم

حضرت جاگیردار صاحب جانشین حضرت نواب فصیح الملک

تسلیم۔ میرا جی بہت چاہتا ہے کہ میں آپ کو ملوں۔ ایک زمانہ گزر گیا ملاقات نہیں ہوئی۔ میں خوش ہوں کہ آپ بفضل خدا تندرست ہیں خوش ہیں۔

دیوان داغ آپ کی امانت میرے پاس ہے۔ پرسوں اسی وقت اپنے آدمی کو بھیج دیجئے۔ کوئی شخص دیکھنے کو لے گیا ہے منگوا کر دے دیا جاوے گا۔ انشاء اللہ آپ کو ملوں گا۔ اور حضرت باعث علی شاہ صاحب کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گا

راقم گرامی

(۶)

بنام نواب حسن علی خاں صاحب امیر جاگیردار مرحوم

حضرت جاگیردار صاحب بہادر

تسلیم۔ کیا کروں توپ بازار کے اعمار مجھے نہیں چھوڑتے ہیں۔ ان کی یہ سعی ہے کہ میں توپ بازار نہ چھوڑ دوں سب نے مل کر ایک مکان توپ بازار میں تجویز کر دیا ہے۔ میں آپ کی ہمدردی اور آپ کی عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں

راقم گرامی

ایک دو روز تک خدمت عالی میں حاضر ہوں گا

ملے اس پر جناب ناظر نے یہ دو دعائیں لکھی ہیں:۔

"دل شکریہ۔ حضرت گرامی کی صحت و عافیت کے لئے دعائے صبحگاہی احقر ناظر کا وظیفہ ہے۔ ان کے دم سے رکن آباد و مصلّی کی یاد قائم ہے۔ احقر ناظر"

اس کے علاوہ انہوں نے ایک مختصر خط بھی کیفی صاحب کی خدمت میں لکھا تھا۔ جو درج ذیل ہے:۔

"مکرمی پنڈت صاحب۔

تسلیم۔ رباعیات قابل داد بہ شکریہ کے ساتھ واپس ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ کسی فرصت کے وقت میں دو ایک رباعیاں ساتھ لگا دوں۔ مگر افسوس ہے کہ فرصت نہ ملی اور یہ خواہش بھی داخل دفتر کرنی پڑی۔

آپ کا مخلص خوشی محمد

سیّد امداد امام اثر

(۱)

بنام احسن مارہروی

جناب مستطاب سید صاحب دام مجدکم!

تسلیم۔ عنایت نامہ وارد ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آپ کے خاندان علمی سے خوب واقف ہوں بزرگان مارہرہ کے حالات سنا کیا ہوں۔ سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ افسوس کہ سادات بلگرام سے آرہ خالی ہو گیا۔ مجھے جیسے صاحبان کو ان سے شرف نیاز حاصل تھا اور میں ہمیشہ ان کا مورد عنایات رہا۔ اب ان محترم بزرگواروں سے بہت کم حضرات باقی ہیں۔ انقلاب زمانہ کیا چیز ہے۔ اللہ اللہ!

شاعری کا مذاق بحیثیت کو نہ تھا اور نہ ہے۔ مگر حالت زمانہ اور کثرت مشاغل سے فرصت بھی نہیں ملی کہ اس کی طرف متوجہ ہو سکتا۔ علاوہ اس کے اس عہد کی شاعری کے ساتھ طبیعت کو فطری مناسبت بھی حاصل نہیں ہے۔ حضرات جدت پسند اردو کی شاعری کو انگریزی کی شاعری بنا ڈالنا چاہتے ہیں۔ مجھے ایسے حضرات کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہیں ہے گو مجھے انگریزی دانی … وصل ہے کلاس بان کی نظم پر تمام نثر زدہ رہوں اور … پر سانٹس (SONNITS) وغیرہ لکھ لیا کرتا ہوں۔ ایسی جدت کے علاوہ مجھے عہد کی غزل سرائی سے بھی کوئی حظ نہیں اٹھتا۔ یا دواوین استادان معروف طومار آورد ہیں یا ایسی شوخی کا جلوہ دکھلاتے ہیں جو زنان بازاری کا شیوہ ہے۔ لگا ہے ما ہے جو درست فی میر اساتذہ گذشتہ کے کلام سے انبساط روحی حاصل کر لیتا ہوں۔ مجھ سے کم فرصت شخص کے لئے مطالعۂ کلام میر، مرزا رفیع سودا، خواجہ میر درد، ذوق، مومن، غالب، آتش و رند کا کافی ہے۔ مجھے ہرگز اس کی تمنا نہیں ہے کہ شاعروں کی چلتی پھرتی بازار … اسی لئے گلدستوں وغیرہ میں کبھی غزل نہیں بھیجا اور اس ذریعہ سے نام آور ہونا پسند نہیں کرتا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ شاعری کی طرف مجھے توجہ کرنے کا موقع بھی نہیں ہے۔ مجھے بالکل فرصت نہیں ہے کہ کسی گلدستہ کو ایک نظر دیکھ سکوں۔ ضرورتوں سے جگہ جگہ جانا بھی پڑتا ہے۔ اردو اخباروں کو کون پوچھتا ہے پائنیر اور انگلشمین کو دیکھ لینے کا بعض اوقات موقع نہیں ملتا ہے۔ ہر چند نیورہ میری قیام گاہ ہے مگر یہاں سے اس قدر غائب رہتا ہوں کہ میرے قیام کا نام ہی نام ہے۔ اس انتشار قیام کے باعث میں کسی اخبار یا گلدستہ کا سبسکرائبر (Subscriber) نہیں ہو سکتا۔ انگریزی اخبار جو میرے عزیزوں کے پاس آتے ہیں ان کے دیکھ لینے کا بھی موقع کم پاتا ہوں۔ فقط والتسلیم۔

امداد امام اثر از نیورہ ۱۴/ ستمبر ۱۹۰۵ء

(۲)

بنام مولوی [illegible]

مجمع فضائل و فیوض جناب خلاصۂ خاندانِ مصطفوی و مرتضوی دام مجدکم!

بعد گذارش آداب و تسلیم عرض ہے کہ محبت نامہ وارد ہوا۔ دریافت خیریت سے مسرت قلبی حاصل ہوئی۔ خدائے تعالےٰ آپ کو ترقی و اقبال کے ساتھ سلامت و قائم رکھے۔ میری سرگذشت یہ ہے کہ آپ کی لقائے صوری کے بعد جب سے میں وطن کو کلکتہ سے واپس آیا انواع اقسام کی تکلیفات روحی و جسمانی میں مبتلا رہا اور اس وقت تک بلاؤں سے نجات نہیں ملی ہے۔ دو مہینے سے ہر ہائنس نواب صاحب فرمانروائے رام پور کا مہمان ہوں۔ یہاں تقریب شکار سے ہمرکاب آیا ہوں۔ نہیں معلوم کہ کب تک وطن کو معاودت کر سکوں گا۔ وطن کی یہ حالت ہے کہ دس مہینے سے نیر سہ نہیں گیا ہوں۔ میں اپنی پریشانیوں کو کیا عرض کروں۔ آپ کی تصنیف شریف کا میں ہے۔ ساتھ نہیں ہے۔ اس پر ریویو لکھنے کا مجھے کوئی موقع حاصل نہیں ہے۔ البتہ گیا جا کر تعمیلِ حکم کر سکوں گا۔ اس وقت امیدوار معافی ہوں۔ فقط زیادہ حدِ ادب!

دعاگو۔ امداد امام عفی عنہ کیمپ بڑکا ڈانڈی رام پور اسٹیٹ (یو۔ پی)
مورخہ ۴ ۱ رمارچ ۱۹۱۲ء

---

(۳)

بنام [illegible]

معظمی و محتشمی دام مجدکم!

تسلیم بعد تکریم۔ نوازش نامہ مصدرہ ۱۹ ر اگست ورود ہوا۔ ذرہ نوازی کا شکریہ قبول ہو۔ میں اپنی تصنیفات سے آپ کو ایک نسخہ معیار الحق اور بہارستانِ سخن جلد دوم کا ارسال کرتا ہوں۔ ایک کاپی شاہ شرف الدین بہاری مخدوم الملک کے حالات کی بھی جو بزبانِ انگریزی ہے روانۂ خدمت ہوتی ہے۔ کتابیں فقیر کی تصنیفات سے بہت ہیں مگر اس وقت موجود نہیں ہیں۔ بہرحال بہارستانِ سخن ایک ایسی کتاب ہے کہ جس میں ہر طرح کے مضامین داخل ہیں۔

ایک غزل اس وقت حاضرِ خدمت کرتا ہوں ؎

اپنی آنکھوں میں کھُبے خود رُخِ زیبا ہو کر — آپ کو دیکھتے ہیں آپ تماشا ہو کر
شوق سے پیس تنِ زار کو میرے اے چرخ — چشمِ عالم میں جگہ پاؤں گا سُرما ہو کر
دیکھ ثابت قدمی اہلِ وفا کی اپنے — تیرے کوچے میں رہے نقشِ کفِ پا ہو کر
اپنے مطلب کا ہوا کرتا ہے دیوانہ بھی — قیس صحرا کو گیا کوچۂ لیلےٰ ہو کر
طُرفہ یہ بھی ہے کوئی انجمن آرائی کا — انجمن سے ہو نہاں انجمن آرا ہو کر
پردہ داریٔ محبت کی نزاکت دیکھو — چشمِ یوسف میں پھری خوابِ زلیخا ہو کر
ایک جانب سے محبت نہیں باقی انجام — میں ترا ہو کے رہوں تو رہے میرا ہو کر

خود ہی طور ہے صحرائے طلب میں اپنے　　ذرہ ذرہ ارنی کہتا ہے موسیٰ ہو کر
خضر و موسیٰ کی حکایت سے عیاں ہوتا ہے　　ق　　جلوہ فرمائیاں کیں آپ نے کیا کیا ہو کر
آب حیواں کے بھی پار کھنے کو ظلمات بنے　　طور پر آئے نظر برقِ تجلی ہو کر

آج کیوں صحبتِ احباب پہ مرتا ہے اثر
زیرِ مدفن تجھے کل رہنا ہے تنہا ہو کر

میرے پاس بھی پرچہ نظام کا مرحمت فرماتے رہئے۔ مجھے بھی اس کا خریدار تصور فرمایئے۔ ہم نہ اس پرچہ کو پسند کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ پرچہ اپنی اشاعت رہنے والے کی خوبیوں کا آئینہ ہے۔ فقط زیادہ حد ادب

فقیر امداد امام عفی عنہ گیا مراد آباد صوبہ بہار

---

(۳)

بنام صغریٰ بیگم ہمایوں مرزا صاحبہ

سلمکم اللہ تعالیٰ

تسلیم۔ آپ دونوں صاحبوں کا تشریف لانا باعث مسرت ہوگا۔ بلکہ شب کو میرے یہاں جو ما حضر موجود ہوگا اوس سے بھی آپ تکلف نہ فرمائیں گی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں خود اس وقت حاضر نہ ہو سکا۔ قصد مصمم تھا مگر مہلت نہ ملی۔ میرے گھر میں سلام کہتی ہیں۔

سید علی حیدر طباطبائی

(۴)

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

سلمکم اللہ۔ تسلیم!

اس سانحۂ جاں گداز کو سن کر نہایت قلق ہوا۔ خدا دشمن کو بھی اس غم میں مبتلا نہ کرے۔ تاریخ کہہ کر بھیج دوں گا۔

خداوند کریم آپ کو خوش رکھے اور دنیا کے مکروہات سے محفوظ۔

میرے گھر کے لوگ اور لڑکیاں تسلیم کہتی ہیں۔

علی حیدر طباطبائی

(۵)

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

لکھا صغریٰ ہمایوں مرزا نے — بہت تفصیل سے کشمیر کا حال
زباں اون کی ہے موج آب کوثر — قلم اون کا ہمایوں فر ہما بال
عبارت ہے کہ تصویریں کھنچی ہیں — مطابق کس قدر ہے حال سے قال
یہی کشمیر کا جغرافیہ ہے — یہی کشمیر کے تاریخی احوال
وہ جھیل اوس کی سمندر آسمانی — پہاڑ اوس کے بلند اور چرخ تمثال
وہ طغیانی وہاں کی ندیوں کی — کریں جو نوحؑ کے طوفاں کو پامال
جو ہیں ان وادیوں کے رہنے والے — پہاڑوں پر وہ چڑھ جاتے ہیں فی الحال
ہزاروں جوش پرشا ایسے ہیں موجود — جو ہیں طوفاں کے ڈر سے فارغ البال
وہ باغات اوس کے شاداب و مطرا — وہ نہریں جن میں جاری آب سلسال
غرض ہے خطۂ کشمیر سارا — رخ ہندوستاں پر خوش نما خال

علی حیدر طباطبائی

(۶)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

ملازمان سرکار مہاراجہ بہادر دام اقبالہٗ

میں اس وقت سرکار دام اقبالہٗ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کرتا ہوں کہ ان کی ملاقات سے سرکار نہایت محظوظ ہوں گے۔

جناب دلو رام صاحب کوثری جن کی نظمیں قومی اخباروں میں گل فشانی کرتی رہی ہیں فراخ دہلی کے رہنے والوں میں ہیں۔ آپ کا مذہب وشنوی ہے۔ توحید کے قائل ہیں اور مذہب اسلام کے بڑے مداح ہیں۔ اہل ہنود میں ایسے حق پرست بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ نعت و منقبت میں ان کا کلام سننے کے قابل ہے مرثیہ بھی کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں اور بڑے بے تعصب خیالات رکھتے ہیں ان کو شرف حضوری حاصل ہوگا تو خیر اندیش نہایت ممنون و شکر گذار سرکار دام اقبالہٗ کا ہوگا۔

عریضہ

خیر اندیش حیدر یار جنگ طباطبائی

حبیب الرحمٰن شروانی

بنام سید منظور عالم صاحب

مخدومی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

[illegible]

صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم [illegible]

۳

ـــ ڈاکٹر ملک صاحب بہادر مرحوم

جناب والا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامے نے معزز کیا۔ کل پنجشنبہ کو قصد روانگی تھا مگر لڑکے کے پاؤں میں انگوٹھے کی رگ چڑھ گئی اس لئے روانگی کا توقف مناسب معلوم ہوا۔ اب کل انشاء اللہ شنبہ کو بوقت صبح یہاں سے روانہ ہو کر شام کو پانچ بجے علی گڑھ سے ریل میں سوار ہونے کا ارادہ ہے۔ اس طرح انشاء اللہ دوشنبہ کو منصوری پہنچوں گا۔ بیچ میں ایک روز ڈیرہ دون آرام دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ راستہ سے انشاء اللہ بذریعہ تار کے جناب کو اطلاع بھیج دی جائے گی۔ بحمد اللہ کہ یہاں خیریت ہے۔ بفضلہ امید ہے کہ عزیزی مشتاق احمد سلمہ کو آب و ہوائے کہسار راس آ رہی ہوگی۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن

۱۹۱۴ء

۴

بہ [illegible]

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ کا شکریہ۔ حضرت امیر خسرو کی لائف کا مسئلہ ابتدائے قیام انجمن ترقی اردو سے پیش نظر رہا ہے۔ علامہ شبلی مرحوم جب سیکرٹری تھے اس وقت بھی توجہ دلائی گئی تھی اور بعض اہل قلم نے وعدہ کیا۔ میں سیکرٹری ہوا تو یاد دلاتا رہا۔ اسی عرصے میں علامہ شبلی نے دو کوششیں کیں ایک شعر العجم میں دوسری بیان خسرو میں۔ جہاں تک میری ناقص نظر ہے جو مواد باہم آ سکتا ہے حالات کے متعلق وہ صرف ہو چکا۔ جب تک کاوش سے اور زیادہ مواد بہم نہ پہنچایا جائے مزید واقعات نہیں مل سکتے۔ کلام کی بابت ایک کوشش کالج میں ہو رہی ہے اور بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ آپ اگر کام کرتے ہیں تو سرسری نہ کیجئے تیر و کمان لیے شیر کرنے کا سامان کیجئے۔ عشق حقیقی است مجازی مگیر + این دم شیر است به بازی مگیر

مقصد ڈرانا نہیں چونکہ آپ نے مجھ کو لکھا ہے اس سبب منزل کی دشواری سے آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔ حیات نگار کلام پر مفصل ریویو کرے گا اس لیے تحقیق و وسیع مطالعے کی ضرورت ہوگی۔ ایک نقطۂ خیال سے آپ احق ہیں، آپ مارہرے کے ہیں امیر خسرو کی زاد بوم پٹیالی بھی آپ ہی کے ضلع کے باشندے تھے۔

رباعی آپ نے کہاں دیکھی ہے مطبوعہ دیوان میں یا قلمی میں۔ کیا قلمی بقیہ نقل کیا ہے یہاں جو مطبوعہ ہے اس میں نہیں ہے۔ قلمی مجموعوں میں سے نکالنا آسان نہیں۔ اس لئے صحت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بظاہر غلط ہے۔ پہلے مصرع میں تو بو ملک تصغیر ہو سکتی ہے۔ دوسرے مصرع میں ہو سکتی ہے تو قافیہ کے لئے مرادف معنی چاہیے۔ برہان قاطع میں یہ لغت نہیں ملا۔ چوتھے مصرع میں قافیہ قطعی نہیں۔

۱۵ ستمبر ۱۹۱۵ء نیاز مند حبیب الرحمٰن حبیب گنج

(۷)

[illegible]ب [illegible]مت یار جنگ ڈپٹی کلکٹر

جناب نواب صاحب سراپا لطف و کرم مدظلہ - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عزیز گرامی قدر ناصر الدین احمد سلمہ کی شادی کی نوید آ[illegible]ے دل کس [illegible] خوش ہوا بیان نہیں، عزیز کی شادی کی آپ کی [illegible] اخلاص محبت اور یاد فرمائی اس سے جو مسرت ہو وہ کس بیان میں آسکتی ہے حاضری سے جسم تو قاصر رہے گا لیکن میرا دل اور روح آپ سے اور عزیز سلمہ کے ساتھ ہے - اللہ تعالیٰ تقریب سعید مبارک فرمائے۔ نیازکیش صدر یار جنگ

حبیب گنج - ضلع علی گڑھ۔ ۴ جنوری ۱۹۲۳ء

(۸)

[illegible] رفعت یار جنگ بہادر

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

میں چھ ہفتے کی عادی رخصت پر کل شب انشاء اللہ روانہ ہوں گا کل قبل دوپہر ۹ اور ۱۰ ساعت کے درمیان آپ کے بنگلہ پر حاضر ہوں گا۔ اگر اس وقت مثل تکیہ بابا شاہ مسافر قدس سرہ موجود رہے تو تبادلہ خیالات بآسانی ممکن ہوگا۔

مجھ کو افسوس ہے کہ ایک بار آپنے یہاں تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائی مگر دوست ملاقات کی نہ پہنچی۔

لیک ویو - ۱۱ جولائی ۱۹۲۱ء　　　یاد مند حبیب الرحمٰن

(۹)

[illegible]ب سید علی اکبر مرحوم

جناب کریم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ - شکر کرم

بحمد اللہ مع الخیر میں یہاں پہنچ گیا - [illegible] کی حاضری کا قصد مصمم ہے انشاء اللہ تعالیٰ [illegible] کا تعین کر کے عرض کروں گا۔ اگست کے اول ہفتے میں وقف کرنال کے ٹرسٹیوں کی میٹنگ طلب کی ہے آپ کی شرکت ضروری ہے - اہم مسائل ہیں جو طے ہونے ہیں۔ تقسیم [illegible] عمل میں آئے گی - والسلام　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۱۸ جولائی ۱۹۲۳ء

(۱۰)

جناب نواب صاحب مکرم - السلام علیکم

پھولوں کی کشتی پہنچی، دل و دماغ پھولوں کی خوشبو سے اور مشام جان الطاف کی بو سے معطر ہو۔ دل و دماغ اور جان سے سب ادائی شکر میں ہیں تو زبان ہیں کر [illegible] کئی وقت پھولوں کی خوشبو سے مہکتے رہے۔ امید ہے کہ مزاج سامی قرین عافیت ہے۔

[illegible] محی الدین صدر آباد　　　احمد منزل، معالو ۵ اپریل ۱۹۳۵ء　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۱۱)

بنام علامہ عبدالعزیز میمن

مکرمی دام الفضائل۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۸ نومبر کا مودت نامہ پہنچا ممنون یاد فرمائی ہوں۔ اس سے مسرت ہوئی کہ آپ کا تقرر مسلم یونیورسٹی میں ہو گیا (۱)

مجھے دوراں نا شکور فرمائیے۔

(۱) کوشش کیجئے کہ آپ کے طلبا میں ذوق اسلامی و علمی پیدا ہو۔ اس کی وہاں بہت کمی ہے بلکہ فقدان ہے

(۲) مولانا سید سلیمان اشرف صاحب سے اکثر نیاز مندانہ ملئے۔

(۳) وہاں کی نظروں سے جو دعوں نہ ہو جئے اور ان کو علمی رنگ کا شائق بنائیے۔ ان شاء اللہ دسمبر کی اواخر میں علامۃ الدوان آ گئے پیش نظر ہیں۔ ان شاء اللہ اجازت طبع عنقریب بھیجتا ہوں امتحان کی بقیہ کل اجزا آ گئے، ان شاء اللہ ساتھ کا کام ہو جائیگی۔ اجرت کتابت اور ہو گی مولینا کھٹکھٹے کو بھی کھٹکھٹانا ہوگا۔ کتاب اچھی ہے نقل دستیاب ہو جائے تو خوب ہو

(۴) پارٹی فیلنگ سے بہت سخت اہتمام کے ساتھ محترز رہیے۔ اسی طرح مذہبی مناقشے سے

امید ہے کہ آپ مع الخیر علی گڑھ پہنچ چکے اسی لئے وہاں کے پتے سے خط بھیجتا ہوں۔

حیدرآباد ۔ ۱۵ / نومبر ۱۹۲۵ء نیاز مند حبیب

(۱۲)

بنام نواب رحمت یار جنگ مرحوم

جناب نواب صاحب مکرم سراپا کرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شکر کرم

الحمد للہ خیریت ہے اور عافیت سامی کی دعا۔ زحمت فرمائی کی مطلق حاجت نہ تھی — ارشاد سابق پاکر حاضری کا عزم کر چکا تھا۔ اب دوبارہ حکم کی بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تعمیل بالراس والعین ہو گی۔

جو مقصد عالی پیش نظر ہے اس ہی کے پیدا کرنے کے لئے آج سے ۳۵ برس پہلے ندوۃ العلما قائم ہوا تھا۔ شروع شروع میں میرا نام ہے۔ اسی مجلس کی فرمائش سے وہ کتاب علمائے سلف نامی میں نے لکھی۔ اس میں ایک خاص باب علمائے ماضی کی اس پر مستند روایتوں سے دکھایا ہے کہ علمائے امت مختلف فرقوں کے علما کے ساتھ کیا برتاؤ فرماتے تھے۔ فرقوں کا مٹنا ممکنات سے خارج ہو لیکن باہمی نفرت اور عداوت تو بہت کچھ کم ہو سکتی ہے۔

مکرر یہ ارشاد نہ ہوا کہ بیان کس وقت ہوگا۔ بہرحال میں صبح ان شاء اللہ حاضر ہو جاتا ہوں ۱۰ بجے کے بعد

اگر اس سے پہلے حاضری پیش نظر ہو ارشاد فرمایا جائے۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن

امید منزل۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۷ء

(۱۳)

مکرمی۔ السلام علیکم

۲۱ نومبر کا عنایت نامہ پہنچا ممنون ہوں۔ میرا نسخہ کلیات میر حسن کا یہاں نہیں ہے میرے ذاتی کتاب خانہ بمقام حبیب گنج ہے میں آپ کا خط مہتمم صاحب کتاب خانہ کے پاس بھیجتا ہوں۔ وہاں سے تفصیل آنے پر ان شاء اللہ مفصل جواب لکھوں گا۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہیں۔[1]　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد ۸ دسمبر ۱۹۲۵ء

(۱۴)

بنام مفتی سید شیر علی صاحب[2]

جناب قدوۃ الفضلا عمدۃ العلما السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جناب کے استاد بھائی مولٰنا سید سلیمان اشرف صاحب[3] کا رسالہ المبین ہدیۃً ارسال خدمت ہے اس کی نسبت جناب کی گراں مایہ رائے مولف فاضل کو مطلوب ہے۔ اگر اوقات گرامی میں سے کچھ وقت نکال کر مطالعہ فرمایا جائے اور رائے سے مستفید ہو تو عنایت کرم ہے جلد ہو سکے تو مزید کرم۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

امید منزل، ۱۵ نومبر ۱۹۲۹ء

(۱۵)

بنام مفتی سید شیر علی صاحب

قدوۃ الفضلا زبدۃ العلما جناب مولٰنا سید شیر علی صاحب مدفیوضہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اجمیر شریف میں مولٰنا سید سلیمان اشرف صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ المبین کی بابت رائے گرامی کا انتظار ہے بار بار تقاضا فرمایا اب مکرمت نامہ آیا ہے۔ حافظ احمد حسین خان صاحب[4] کو حج کو جانے ہی کا ارشاد ہے۔ چنانچہ تعمیلاً حافظ صاحب آئے ہیں۔ امید ہے کہ کامیاب واپس ہوں گے۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد، ۲۲ دسمبر ۱۹۲۹ء

(۱۶)

جناب نواب صاحب۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شکر کرم

الحمد للہ مع الخیر ہوں۔ چہارشنبہ کی شب نواب میرزا یار جنگ بہادر[5] کی دعوت میں پہلے سے مصروف ہے، چہارشنبہ کو ورنگل جانا

---

[1] یہ خط میرے نام لندن میرے استفسار کے جواب میں بھیجا گیا تھا۔ [2] مولانا مفتی شیر علی مرحوم جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں استاد تفسیر تھے [3] مولانا سید سلیمان اشرف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے استاد دینیات۔ [4] نظام کالج حیدرآباد کے استاد دینیات ہیں [5] مرزا سمیع اللہ بیگ، مرزا یار جنگ چیف جسٹس حیدرآباد

امید ہے کہ مزاج سامی قرین عافیت ہوگا۔ بحمد اللہ یہاں خیریت ہے۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء

(۲۳)

بنام عرشی صاحب

مکرمی ناظم صاحب کتابخانہ ریاست، السلام علیکم
شکریہ یادفرمائی۔ یہاں کی کتابوں کی متعدد نوعیت کی فہرستیں مرتب و مکمل تو ہیں مگر مطبوعہ نہیں ہیں۔ اگر ہوتیں تو بنذر ہدایہ ملا
یہاں دیہات میں ناقل کا اہتمام بھی دشوار ہے۔ اگر وہاں سے ناقل آ سکے تو نقل آسانی سے ہو سکے گی۔ بہ بتش کی جائے گی کہ
تکلیف نہ ہو۔ حال میں کیہ عالم کتابخانہ آصفیہ حیدر آباد شاید بمراد فہرست لے گئے ہیں۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۲۸ جون ۱۹۳۶ء

(۲۴)

جناب نواب صاحب مصدر الطاف و کرم مد الطافہ۔ السلام علیکم
کارڈ تقریب عزیزہ دلہا کا آیا۔ یاد فرمائی کا دل شکر گزار ہے۔ بہ ہمہ تو شرکت سے مجبور رہا لیکن میرا دل آپ کی مسرت
اللہ تعالیٰ اہل بیت اطہار کے صدقے میں یہ تقریب مبارک فرمائے، نوشہ دراز عمر دولہا اور دلہن شاد و کامیاب رہیں۔
بارک اللہ علیہما و جمع بینہما بالخیر   نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب منزل، علیگڈھ۔ ۱۲ نومبر ۱۹۳۶ء

(۲۵)

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب خلف جناب نواب سید علی حسن صاحب

عزیز گرامی قدر سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم و رحمت اللہ و برکاتہ!
آپ کے والد ماجد اور اپنے مہربان مخدوم نواب صاحب کی خبر رحلت سے دلی افسوس ہوا انا للہ و انا الیہ راجعون
نواب صاحب کی خدمت میں دیرینہ نیاز تھا جس کے باعث علامہ شبلی مرحوم ہوئے تھے۔ اس دوران میں مرحوم کے جو
وہ ہمیشہ نقش دل رہیں گے۔ ہر ملاقات میں حسن اخلاق اور مخلصانہ محبت کا اثر دل محسوس کرتا تھا۔
ندوۃ العلماء کی نظامت جس بے لوث اور خلوص سے کی وہ یادگار ہے۔ جس وقار اور شان سے زندگی بسر کی وہ مثالی
تعالیٰ مرحوم کو جنات الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ کو اور جملہ پس ماندوں کو صبر جمیل اور اجر جزیل بخشے۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علیگڈھ۔ ۲۴ نومبر ۱۹۳۶ء

(۲۶)

بنام سید محمد منظر بہار پٹنہ

جناب من السلام علیکم

مخل اوقات گرامی ہونے کی معافی چاہ کر چند سطریں ایک ملی تعلیمی تحریک کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے اغراض ومقاصد اور حالات جناب کو معلوم ہیں ان کا بیان لکھنا تضیع اوقات کے جرم کا ارتکاب ہوگا۔ اس کانفرنس کے اجلاس سالانہ ہندوستان کے تمام صوبوں کے دارالصدر کے علاوہ بہت سے اضلاع اور ایک سے زیادہ اسلامی ریاستوں میں ہو چکے ہیں۔ کانفرنس کے خادموں کی دلی آرزو یہ ہے کہ اس کا سالانہ اجلاس صوبہ بہار کے مردم خیز وعلم پرور دارالصدر پٹنہ میں بھی دیکھتے اور وہاں کے اہل علم اصحاب کی رایوں سے مستفید ہوتے۔

بہت عرصہ ہوا کہ ہندوستان کے علماء کی مشہور انجمن ندوۃ العلماء کے اجلاس میں پٹنہ حاضر ہونے کا مجھ کو بھی شرف حاصل ہوا تھا اس وقت کی یاد میرے دل میں خصوصاً یہ تمنا تازہ رکھتی ہے کہ زندگی میں ایک بار دوعوت حاصل ہوتی۔

اجلاس کے متعلق مزید تفصیل نظامی صاحب اور سید الطاف علی صاحب پیش کر سکیں گے۔

۲۵ر اگست ۱۹۳۷ء — نیازمند حبیب الرحمٰن

(۲۷)

بنام...

کرمی۔ السلام علیکم

میرے کتب خانہ کے مہتمم کا جواب آیا۔ انکی علالت کی وجہ سے جواب میں دیر ہوئی
نتیجۂ اطلاع حسب ذیل ہے۔

کلیات حسن اردو:- اول۔ قصائد: منقبت وامرا کی مدح میں۔

مثنویاں: سحر البیان۔ رموز العارفین۔ مدح قصر جواہر۔ در بیان شادی۔ ہجو حویلی گرمی۔ صفت چاہ۔ ہجو خاک۔ در صفت مورچہ۔ تعریف بارہ بیجانہ۔ در تعریف فیض آباد۔ مدح جواہر علی خاں۔ تہنیت عید۔ متفرق ۲۔ جملہ ۱۵ مثنوی۔

اس کے بعد غزلیات۔ مخمسات۔ مسدسات۔ فردیات رباعیات۔ واسوخت۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوگا کہ انگلستان کے نسخے سے میرے یہاں کے نسخے میں کلام زیادہ ہے۔ البتہ مثنوی گلزار ارم کا نام مہتمم نے نہیں لکھا۔ امید کہ آپ بخیریت سے ہیں۔ الحمد للہ یہاں عافیت ہے۔ نیازمند حبیب الرحمٰن

حیدرآباد ۱۰۔ جنوری ۱۹۳۸ء

(۲۸)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اول شکر عنایت نامہ کا اس کے بعد مکاتیب غالب کا

مکاتیب دیکھ رہا ہوں۔ بڑی ادبی خدمت ہوئی۔ ریاست رام پور کی قدیم شان علم پروری کے شایاں۔
ہز ہائنس مد اقبالہ کے عہد کی گرامی پایہ یادگار ہے۔ دل چاہتا ہے کہ بہت سی ایسی یادگاریں مسلسل بنتی رہیں۔
چیف منسٹر صاحب کی توجہ نے بڑی مدد کی، بارے کچھ کر پروان چڑھایا۔
آپ کی دیدہ ریزی اور محنت اور آپ کے معاونوں کی خدمت لائق تحسین و تشکر ہے۔
یہ کام رام پور ہی میں ہونا تھا اور وہ بھی آپ سے نکتہ سنج کے ہاتھوں سے

آن از پرست و بازوئے تو　　　　نیازمند حبیب الرحمن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۴ مارچ ۱۹۳۷ء

(۲۹)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما معنی گستر۔ السلام علیکم

رات مکاتیب غالب صفحہ ۸۰ تک پڑھ لی۔ آپ کی کوشش بلیغ کا دل نے مزید اعتراف کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اعلیٰ انعام میں مشکور ہو۔

جس دیدہ ریزی آپ نے واقعات کے تحقیق کرنے میں روا رکھی ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ ایک واقعہ کی طرف تو جہ دلاؤں۔ آزاد صاحب نے دیوان و کتب کے بابت (صفحہ ۸۰) لکھا ہے۔ یہ پورا ذخیرہ الخ عرض یہ ہے کہ بہت سا حصہ باقی بھی رہ گیا تھا۔ جو مولوی شبلی صاحب مرحوم نے بھی بہت سی کتابیں اس ذخیرہ کی دیکھی تھیں اور اس بنا پر موصوف فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس کا علم ہو جائے تو اس کی وسعت پر لوگ حیرت کریں۔

سات نسخے مختلف علوم کے اور اس ذخیرے کے یہاں بھی ہیں۔ جن پر حکیم مظفر حسین خاں کے دستخط علاوہ مہر سیح الدولہ کی بھی مہر ہے۔ مزاج گرامی کی عافیت کی تمنا ہے اور تم تمنا ہے۔　　　　نیازمند حبیب الرحمن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۵ مارچ ۳۷ء

(۳۰)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما کرم مد لطفہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

۱۳ مارچ کے سالِ نو کا سپاس اور دلی مبارکباد، کیونکہ یہ لطف و کرم پژمردہ جان پرور ہے

(۳۴)

بنام عرشی صاحب

کرم فرمائے لطف گستر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

شکر کرم مضمون بہت وسیع ہے۔ گو میرا علم محدود کوئی تصنیف میرے پیش نظر نہیں جو گزشتہ کتب خانوں کے بابت اس لئے معذور رہوں۔

ایک مخلصانہ گزارش۔ میدان ریڈیو ستان امتیاز نہیں رکھتا والسلام بالاکرام — نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۵ مارچ ۱۹۴۰ء

(۳۵)

بنام علامہ کیفی چریا کوٹی مرحوم و مغفور

مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

التفات نامہ اور تصنیف دو مہینے سے پیش نظر ہے۔ لطف افزا ہے کیف آفریں ہے۔ تاخیر مزور تقابل گرفت ہے گر معذرت اندوزی ہے۔

نظم سے ایک بار زیادہ مستفید ہوا۔ کلام کی خوبی نے گرویدہ کیا۔

ممدوح کی بے مائگی مدح پر شرمندہ۔

بہرحال اس دور میں فارسی کا قصیدہ اس روانی و برجستگی سے امداح کرنا قابل صد آفریں ہے۔

مجھ جیسے ناشناس کی تحسین و آفرین ہیں اہل فہم و سخن شناس کے صد آفریں کے لائق ممنون کرم عمل اور شکر گزار رہا

۳۔ جون ۱۹۴۰ء

(۳۶)

بنام عرشی صاحب

کرم فرمائے لطف گستر مدالعالی فہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

منشی احمد حسین صاحب نے مقالہ سامی لا کر مجھ کو دیا۔ تفسیر کے متعلق مجلت ممکنہ سے میں نے پڑھا۔ روح فرحت عظیم ہے۔ بارک اللہ۔ دل تمنا ہے کہ اور نسخے اور نسخہ کتابخانہ مکمل ہو کر شائع ہو۔ ہز ہائینس نواب صاحب بہادر نے اشاعت عہد کا بڑا عملی کارنامہ ہوگا۔

مکرر مبارک۔ دوسری صدی ہجری کی تالیف تفسیر کی اشاعت بڑا کارنامہ ہوگا۔ انشاءاللہ

منشی موصوف نے یہ مژدہ بھی دیا کہ حبیب گنج میں ملاقات اور معائنہ کتابخانہ آپ کے پیش نظر ہے۔ اہلاً و سہلاً مرحبا۔ بوقت فرصت ضرور قصد کیجئے۔ دلی مسرت حاصل ہوگی۔ امید ہے کہ مزاج سامی مع الخیر ہوگا۔ الحمدللہ تعالیٰ یہاں

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۸ فروری ۱۹۴۱ء — نیاز مند

(۳۷)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما صاحب الفضل عرشی دام امتیازہ کو شروانی خاکسار کا سلام

گرامی نامہ پہنچا ممنون لطف و کرم ہوں۔ مقالہ پڑھا غور سے دل لگا کر پڑھا کسی ترمیم کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لہذا معارف کو بھیجا جا رہا ہے
ممنون ہوں کہ مقدمے میں میرا ذکر لطف خاص سے فرمایا گیا۔ مشتہر کے متعلق میں نے کاہش کی تھی آپ نے بھی کی تحقیق کا قدم آگے بڑھایا و لکم
الفضل۔ والسلام ختم الکلام

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۵ اپریل ۱۹۴۱ء

(۳۸)

بنام عرشی صاحب

عرشی با اقبال کی خدمت میں شروانی نیازمند کا سلام

اس وقت پروفیسر شیرانی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آج کل قدرت اللہ شوق کا تذکرہ طبقات الشعراء حسب فرمائش انجمن
ترقی اردو ایڈٹ کر رہے ہیں دو نسخے موجود ہیں تاہم مزید نسخہ مطلوب ہے۔ کتاب خانہ ریاست رامپور۔
میں نسخہ موجود ہوگا۔ تو آپ شیرانی صاحب کو ذیل کے پتے پر آگاہ فرما دیں۔ مجھ کو اس کا اطمینان ہے کہ آپ کا شوق امکانی مدد میں دریغ نہ فرمائے گا اس لئے
مزید تحریر غیر ضروری ہے۔ والسلام ختم الکلام۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

لاہور ۱۵ اپریل ۱۹۴۱ء

(۳۹)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر مد الطافہم السلام علیکم

باعث تکلیف دہی یہ کہ کتاب شرح صدر شہید علی ادب القاضی امام ابی بکر خصاف کتاب خانہ ریاست میں ہے یا نہیں؟ حیدرآباد میں
اس کے طبع کا اہتمام ہو رہا ہے۔ وہاں نسخہ مطلوب ہے۔

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۴ جولائی ۴۱ء

(۴۰)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر محقق بلند پایہ عرشی صاحب السلام علیکم

المعارف (جولائی، اگست) میں آپ کا محققانہ مضمون پڑھا شوق انگیزی و لطف بخشی آپ کی تحقیق و انداز بیان سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہے۔
کیسے زائد پہلو لطف افزا بلکہ سبق آموز ہیں۔ سب سے اول حیرت یہ ہے کہ صدیوں کی گمنام زندگی کے بعد مشتہر کس قوت سے نمایاں و عیاں ہو رہا ہے۔
حساس پر ہوتی کہ ظہور الاسرار کے پردے سے روز روشن کی طرح نکلا۔ اور جو پردہ چھپانے کے لئے ڈالا گیا تھا وہ ظہور تام کا باعث ہوا۔

اس کے بعد مستشرقین سے جو اضطراب ہم اوطبی سبق آموز ہے۔ آج دار الخلافہ کے نام نہاد اہل تحقیق رہا اور اپنے بھے ہیں۔ عرشی نے اپنے خیال کے بلندی قائم رکھی۔

بالآخر آپ نے کرنی کی تحقیق میں جو مراتب مدارج طے کیے وہ قابل مبارک باد ہیں۔

آپ کے مضمون کو پڑھ کر پورا اطمینان ہو جاتا ہے کہ طرکرہ شاعر اور مولف شرح ظہور الاسرار ایک ہے

معہد کی مدحت آپ کی تحقیق سے شاد ہو گئی ہوگی۔ جزاکم اللہ تعالےٰ

نقوش میں خود بخودمیں مرآۃ الاسرار کا ذکر دیکھ کر طبیعت مشتاق مطالعہ ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کی نقل کا اہتمام ہو سکے

کتابخانہ ریاست سے یہ کتابخانہ فیض حاصل کر رہا ہے۔ والسلام والاکرام　　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۳۰ اگست ۱۹۴۱ء

(۴۱)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما مکرم، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

شکر گزار ہوں سرورست ہوم منسٹر صاحب کا نام تحریر فرما دیا تاکہ خط لکھوں اس تفصیل سے ممنون کیجئے کہ "معمولی خط" کی بیاض کاغذ عمدہ اور مضبوط عکس ماگت میں ہاتھ آئے گا۔

اس کے بعد اس حساب مفصل پیش ہو گا۔ والسلام ختم الکلام　　　نیاز مند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۴ ستمبر ۱۹۴۱ء

(۴۲)

بنام مالک رام

عنایت گستر مہرپرور

خط پڑھ کر کس قدر مسرت ہوئی۔ کیا بیاں کروں۔ جب عرصہ تک کوئی خط نہ آیا تو جامعہ ملیہ سے دریافت کیا جواب شافی میں تسکین و قت، مالک رام پر نظر پڑی۔ دل خوشی سے اچھل گیا کہ مطلب پا لیا۔ اس سے اور زیادہ خوشی ہوئی کہ باوجود دوروں ملک میں کر رہے ہو۔

مفتی والی کی کتاب سراج المعرفت میرے یہاں ہیں ہے۔ غالب کی پنج آہنگ مطبوعہ مطبع نورالہدایت، تذکرہ گلزار کا تیج کردہ چھپا ہوا ضرور ہے۔ مگر مطبع کا نام نہیں۔ اتنا یہ کہ ٹائیٹل پیج بالکل سادہ ہے۔ لیا جہانگیر آباد میں چھاپا گیا۔ اس کے آخر عبارت آرائی سے قطع نظر کر کے مطلب کے الفاظ لکھ رہے ہیں۔

الحمد کہ این آفرین را ستائیش وتا فرخندہ کلام ہیں را نمایش کر تاریخ دوم شہر شوال المکرم ۱۲۵۲ھ یک ہزار دو صد و پنج ہجرت سرچار انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایں جام جہان نما۔۔۔ بر سرم بہ گلشن بیخار۔۔۔ بیساختہ و پرداختہ۔۔۔ زیب
[illegible]

امید ہے مزاج سامی مع الخیر ہوگا۔ الحمدللہ یہاں خیریت ہے۔
کمرر کاغذ کا انتخاب آپ کی رائے زریں پر محمول ہے۔　　نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲ جنوری ۱۹۴۲ء

(۴۶)

بنام عرشی صاحب

مصدر لطف و کرم عرشی صاحب السلام علیکم
ایک محترم کی فرمائش یہ دریافت کرنے کی ہے کہ آیا رام پور لائبریری میں اخبار الاخیار حضرت شیخ دہلوی کا نسخہ بخط مؤلف ہے جو بیاضِ منا [illegible]
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۶ اپریل ۱۹۴۲ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۴۷)

بنام عرشی صاحب

کرم گستر
نیکی اور پوچھ پوچھ رسم معارف میں فوالقہ ادب چکے پکا ہوں۔ مقالہ مزید عنایت ہو۔ والسلام
حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۱۱ مئی ۴۲ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۴۸)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما عنایت گستر۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ
جناب شرف الدین نے ٹائپ کے نمونے آپ کے فرمائش کے بموجب میرے پاس بھیج دیئے ہیں۔ تھوڑی تکلیف گوارا کیجئے نمونے دیکھئے۔ پسند کیجئے۔ مولوی عبدالمجید خاں صاحب نے نمبر ۳ پسند کیا ہے۔ آپ کو بھی اتفاق ہو تو ان سے یہ دریافت کر لیجئے کہ نمونہ مذکورہ کے ہلکا ایک ہزار نسخے طبع ہوں تو کیا خرچ ہوگا۔ نیز ۵۰۰ نسخوں کا۔ آم مدت سے لدے ہوئے ہجوم آئے ہیں اہل شوق کو دعوت دے رہے ہیں یاد کر رہے ہیں۔ میں مسرور ہوں کہ بحمدہٖ تعالیٰ احباب عام پر کرم فرما ہوں گے۔ لطف ہم آہی حاصل ہوگا۔

یارب این آرزوئے من چہ خوش است　٭　تو بدیں آرزو مرا برسان

حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۱۲ مارچ ۱۹۴۳ء　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۴۹)

بنام عرشی صاحب

لطف و کرم فرما سرآمد آدہا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ
یہاں ایک نسخہ کئی نسخوں سے شرح کاشف امام طیبیؒ کا نقل کیا گیا ہے۔ اب اس کے مقابلے کا اہتمام ہے۔ نیز مزید نسخوں کی تلاش ہے
جناب میاں محمد شاہ صاحب محدث مرحوم کے خاندان میں ایک سے زائد نسخے ہیں۔ میں آستانے کے حاضر باشوں میں سے ہوں گر جانشین حال

(۵۲)

بنام قریشی صاحب

ادیب نامور جناب قریشی کی خدمت میں خاکسار قریشی کی تسلیم و تہنیت عید سعید

حافظ شیرازی کا ایک قلمی دیوان بخط قوام شیرازی یہاں ہے۔ خط اس شان خط کا ہے پورا نسخہ ہے مگر سن کتابت نہیں ہے۔ معتبر نسخہ معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] فہرست میں خطاط موصوف کا نوشتہ نسخہ مثنوی مہر و مشتری کا ہے۔ اگر اس پر سنہ کتابت ہو تو اطلاع سے ممنون کیجئے اس سے ان کا زمانہ متعین ہو جاتا ہے۔ والسلام مع الاکرام

نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء

(۵۳)

بنام قریشی صاحب

کرم فرما لطف گستر   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

والا نامہ عالی کو [illegible] لطف آیا کہ حبیب گنج پر لطف فرمائی ہوگی یہ مژدہ لایا مگر یہ بجائے ضرور آئیے اسے آرام سے ہونے کا اطمینان سے کم از کم ایک شب قیام کیجئے تاکہ کتابوں پر تفصیلی نظر پڑ سکے اور مجھ کو اس سے نفع پہنچے اس سے زیادہ کرم ہو وسعید الصفات آپ کے بہ امید تاثیر ہمتی خوب ہوا۔ مجلد نسخہ مجھ کو عنایت ہو تو مع صرف حاضر کی جائے گی

قوام کے دیوان میں آپ کی تحریر چھاپ لیجئے۔ چاہتا ہوں تاکہ عہد کا کچھ تعین ہو جائے۔

الحمد للہ بعافیت ہوں آپ کی عافیت کا آرزو مند۔   نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۳ء

(۵۴)

بنام ڈاکٹر غلام یزدانی صاحب

کرم فرما یزدانی صاحب السلام علیکم

مدت کے بعد نصف ملاقات ہوئی۔ شکر کرم۔ اس لطف پر مزید کرم شمالی افریقہ پر مضمون کی کاپی۔ نقشے دیکھ کر آنکھیں روشن ہوتی ہیں کس قدر محل مزا ہوں گی۔ فرانس کی تاریخی البتہ نظر گذر سکے ہوئی ہے۔ والسلام   نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۳ فروری ۴۴ء

(۵۵)

بنام قریشی صاحب

کرم فرما لطف گستر   السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

الطاف نامہ پہنچا۔ نور چشم کے سانحے کی خبر سے دل دکھا۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل آپ کو بخشے۔ رضینا بقضاء اللہ تعالیٰ۔ کوشش کی جائے کہ طبیعت کا خاطر خواہ اعادہ ہو سکے۔   حبیب منزل علی گڑھ ۲۵ اکتوبر ۴۴ء

(۵۶)

قریشی صاحب

مکرم و کرم فرما قریشی کو مخلص کا فرشی سلام

کتابخانۂ عالیہ ریاست رام پور میں نواب نجیب الدولہ مرحوم والی نجیب آباد کی نادر شبیہ ہے ۔ اگر آپ کی توجہ سے اس کی تین کاپیاں مجھ کو مل سکیں تو دل سے ممنون ہوں گا ۔ مجھ کو [illegible] رام پور کی علم نوازی سے امید ہے کہ پیشگاہ عالی سے اس کی اجازت صادر ہو سکے گی ۔

زیادہ شوق کلام ۔ نیازمند حبیب الرحمٰن

سلطان جہاں منزل علی گڑھ مورخہ ۷ اپریل ۱۹۴۵ء

(۵۷)

قریشی صاحب

ادیب بلند پایہ قریشی با ایمان السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

علی گڑھ سے کارڈ آپ کا لکھا ہوا یہاں آیا ۔ نادرات شاہی کے انطباع کا مژدہ ملا ۔ اس سوال سے بڑا لطف دل نے پایا ۔ کیا جناب نے ملاحظہ فرمائی

جناب کی توجہ ہو اور کتاب ملاحظہ ہو جائے کہ کس طرح عمل ہے ۔ ایک نسخہ تحفتاً میرے پاس آ جائے ۔ نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۸ اپریل ۱۹۴۵ء

(۵۸)

قریشی صاحب

کرم فرما لطف گستر السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

شکر کرامت ۔ نادرات شاہی آئی ۔ ہمیشہ بابر و جہانگیر کی تحریریں اور العمریوں کی تصویریں دیکھ چکی ہیں وہ ان تصنیفوں سے عبرت زدہ ہوتی ہیں ۔ تخت نشین ، شہریار ۔ مشاغل [illegible] ۔ کیسے کیسے امراء گرد حاضر کام کرنے [illegible] تصویر کی اطلاع کا شکریہ کرتا ہوں جس کی فرمائش پر تکلف ہوا تھا ۔

[illegible] یہاں نہیں ہے ۔

مولوی معین الدین صاحب کا سلام مسنون — نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۔ ۲ مئی ۱۹۴۵ء

(۵۹)

قریشی صاحب

کرم فرما الطاف گستر قریشی با امتیاز کی خدمت میں فرشی با نیاز کا سلام اخلاص التیام ۔

گونا گوں نوازشوں کا شکریہ ۔ پیکٹ کھولی ۔ ایک ایک نظر دیر نظر ہی ۔ کیا وجاہت ہے ۔ کیا شان ہے ۔ اب [illegible] سیر تھیں ۔

ایک کاپی سید الطاف علی صاحب فرمائش کو دیدوں گا ۔ اور دو چاہیں گے تو سب ان سے ایک کاپی [illegible] کرانے کے بعد [illegible] کے لیے

یں نے ان کا قیمت بھیج دی ۔ نوادرات شاہی کا شکر کہہ چکا ہوں
"شفقت کرم کم کس طرح ہو سکتا ہے ع تا ہما نیم کہ بودیم و ہماں خواہد بود ۔ کاروبار کی غیر معمولی مصروفیت باعث سکوت رہی ۔ بہار پر
پہلے ذوق سے پڑھ ڈالا ۔ ایک ایک لفظ لفظ پڑھا آپ کی عادی ہمہ گیری ۔ بیان کی پاکیزگی لفظ لفظ سے عیاں ہے ۔ جس قدر روشنی مطالب کے
سمجھنے اور اس عہد کے مناظر کو سامنے لانے کے لئے درکار تھی وہ سب موجود ہے ۔ اس کو پڑھ کر کتاب کا پڑھنا لطف بالائے لطف ہے ۔
ایک کی جان کا ہے کہ آپ کیا کریں ۔ ہیروئن سب کچھ ہے ۔ جو الزام دی ہیں اسی سے تباہ و برباد کیا ۔ نیازمند حبیب الرحمٰن
حبیب منزل علی گڑھ ۳ مئی ۱۹۳۵ء

(۶۰)

بنام طاہر فاروقی صاحب اسلامیہ کالج پشاور

مکرم و کرم فرما السلام علیکم
ابھی سید الطاف علی صاحب نے آپ کی تحریر دکھائی جس میں آپ نے علی گڑھ کانفرنس کے سالانہ اجلاس کو آگرہ میں منعقد کرنے اور بلاوا
دعوت نامہ بھیجنے کا عزم ظاہر فرمایا ہے ۔ مبارک
کس وقت دعوت نامہ آیا انشاء اللہ قبول کیا جائے گا" . . . . اتفاق دیکھئے کہ
جس وقت آپ کی تحریر پڑھی اسی وقت جو گزشتہ کا لفافہ ملا کھولا پڑھا ۔ بدستور معذرت مجبوری کا اظہار سال سے آپ کی ہمت پر مزید آفریں دل سے نکلی والسلام
۱۵ مئی ۱۹۳۵ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۱)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما مکرمت نواز السلام علیکم ورحمۃ اللہ
شکر ہے کہ مراسلت کا سامان ہاتھ آتا رہتا ہے ۔ کام بھی بنتا ہے ۔ دل تنا ہو کام بھی ہوتا ہے ۔ معارف اعظم گڑھ میں اوراق گل پر تبصرہ ہے ۔
ملنے کا پتا نہیں ۔ میں نے کہا کہ آستانہ عرشی کریم پہ حاضر ہوں حصول مدعا ہوگا ۔ انشاء اللہ ایک نسخہ قیمت طلب میرے نام آ جائے ۔
حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۷ مئی ۱۹۴۲ء نیازمند حبیب الرحمٰن

(۶۲)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما السلام علیکم
ابھی (بعد نماز ظہر) الطاف نامہ پڑھا ۔ جواب روانہ ہو چکا تھا کہ شش شوق ہے زیر تحقیق و تحریر مقالہ رفتہ تالیفات کتابخانہ کے معیار پر پورا اترتا
آپ علیل تھے میں بھی علیل رہا ۔ اب آپ بفضلہ تعالیٰ بعافیت ہیں میں بھی ۔ آپ کو ضعف ہے مجھ کو بھی ۔ والسلام ختم الکلام
حبیب منزل علی گڑھ ۹ جون ۱۹۴۵ء نیازمند حبیب الرحمٰن

اس مجموعہ کے ساتھ دیوان ابوالفرج رونی ہے اور یہ کاتب کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر ۹۹۴ھ سنہ کتابت درج ہے۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء　　نیازمند حبیب

(۶۷)

بنام قریشی صاحب

لطف و کرم فرمائے من! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

اطہر عباس صاحب ابوالفضل پر ریسرچ کر رہے ہیں، مہربانی سے یہاں آئے کام کیا۔ اب وہ میرے ساتھ ہیں۔ اجنبیت کا
آپ کے اخلاق کا ذکر کرتے تھے لہٰذا زیادہ تحریر کی ضرورت نہیں کہ خواجہ غلام دستگیر ہندو پر دری۔ الحمدللہ عافیت شامل حال ہے
عافیت مطلوب ہے۔ مولوی عبدالحمید خاں پروفیسر فارسی جامعہ عثمانیہ پاس بیٹھے ہیں، آپ کو سلام شوق کہتے ہیں۔ والسلام۔

۱۱ نومبر ۱۹۴۶ء　　نیازمند

(۶۸)

بنام مالک رام

گرامی قدر! سلام تم السلام

شکریہ بجا آوری۔ فسادوں کا کیا کہنا۔ ملک اور اہل ملک کی قسمت۔ ایک عالم اس سے ماورا ابھی ہے ؎

بنمودے نشانے از صدق دست لیکن۔ دو جہاں بہم بر آید سر شور و شر ندارم

یہ مقالی میں حال ہے۔ واللہ الشکر

تصویروں کی بابت علی گڑھ میں عبدالوحید خاں سے مل کر انتظام کرنے کا ارادہ ہے۔

''مصنف'' کا مطلوب نمبر بھیج کر ایک بھیجتا ہوں

ملاجی کا سلام قبول ہو۔ الحمدللہ تعالیٰ عافیت ہے، آپ کی عافیت کی تمنا

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۱۷ مارچ ۱۹۴۷ء

(۶۹)

بنام ڈاکٹر زور

کرم فرمائے من! السلام علیکم

اس نیاز نامہ کے ساتھ ایک نسخہ مقالات شیروانی کا پیش کرتا ہوں، یہ مقالات میری ۴۲ سالہ محنت ادبی کی یادگار
کے ہیں، امید ہے کہ یہ ادبی تحفہ قبول ہو گا۔ کبھی فرصت سے اس پر نظر ڈالی جائے گی

یہ ضروری التماس ہے کہ یہ کتاب عام مطالعے میں نہ رہے بلکہ کتب حوالجات کی الماری میں محفوظ رکھی جائے۔

سلطان جہاں منزل علی گڑھ ۲۹ جون ۱۹۴۷ء　　نیاز

(۷۰)

بنام ہاشمی صاحب

ادیب با امتیاز بلند پایہ　السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

شکر یہ و کرامت۔ مقالات شروانی کا نسخہ مرسلہ آپ کے واسطے ہے۔ مل گیا۔ لکھ دیا ہے کہ ایک نسخہ کتب خانہ ریاست کے واسطے آپ کے نام اور بھیج دیں۔

"ایک علوی منظر" مقالہ کی قدر دانی باعث مسرت و سپاس خاص ہے۔ اس منظر نے مجھ کو ایسے عالم میں رکھا تھا جو اس عالم سفلی سے ماورا تھا شکر ہے کہ آپ نے اوس کی قدر کی جو ذوق سامی کے نزاکت پسندی کی شہادت ہے۔ تحفہ گرامی فرہنگ غالب کا شوق سے انتظار کروں گا۔

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲ اگست ۱۹۳۶ء　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۱)

بنام ہاشمی صاحب

کرم فرما بر حال مخلص دیرین　السلام علیکم ورحمۃ اللہ

فرہنگ غالب کا نسخہ پہنچا۔ زہے الطاف۔ شکر الطاف قبول ہو۔ غالب آپ کے ذوق خاص سے فیض یاب ہے نیز فارسی ادب۔ ورنہ کون غالب، ادب فارسی کا جویا ہے۔

فرہنگ غالب پر نظر ڈالی۔ بہت فیض رساں تالیف ہے۔ پہلی نظر میں مجھ کو یہ سبق ملا کہ جال بمعنی دام فارسی بھی ہے۔ ورنہ اس کے ہندی ہونے کا علم تھا۔ والسلام　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۷۲)

بنام ملک رام

مصدر لطف و کرم　علیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ

ماہ حال کے الطاف نامے کا شکر گزار ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے خط بھیجا ہو اور اس کو پا کر میں نے پہلے موقع پر جواب نہ دیا ہو میری عام عادت جواب وقت پر لکھنے کی ہے۔ اب یا آپ کے خط نہیں پہنچے یا میرے۔

بہر حال، الحمد للہ بعافیت ہوں صحت درست ہے۔ کسی مرض کی شکایت بفضلہ تعالیٰ نہیں۔ اطمینان رکھیے۔

حالات اس نواح کے پر اضطراب ہیں۔ اخباروں میں آپ پڑھتے ہوں گے۔ میرے مشاغل للہ الحمد باطمینان و فراغ خاطر جاری ہیں۔

امید کہ آپ کا مزاج بھی قرین صحت و عافیت ہوگا۔　　　نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ضلع علی گڑھ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء

(۷۳)

بنام مالک رام

میرے عنایت فرما مالک رام صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ

الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہوں، حالات مثل تمام عالم کے یہاں بھی ہیں امید ہے کہ آپ بھی خیریت و عافیت سے ہوں گے

میرزا افغان دہلوی کا مخطوطہ کتاب خانہ حبیب گنج کا آپ کے پاس سے نہیں آیا ہے۔ آپ نے اس کے فوٹو شائع کیے تھے اصل خط براہ مہربانی فوراً

بھیج دیجیے اگر زیادہ تلف ہونے کا سوء ظن نہ ہو تو بھیجیے گا۔ نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۸ نومبر ۱۹۴۷ء

(۷۴)

بنام مالک رام

گرامی قدر سعادت نشان وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ

شکر یہ یاد آوری آپ کے خطوں کا جواب ہمیشہ وقت پر لکھتا ہوں۔ اس کے وقت پر پہنچنے کا ذمہ دار نہیں آج کل ڈاک کے حالات معلوم۔

ایک ڈاک کا خط علی گڑھ سے پورے چالیس روز میں یہاں پہنچا تھا

علی گڑھ سے ان شاء اللہ آپ کی فرمائشوں کی تعمیل کروں گا۔ یہاں سے مناسب نہیں۔

آپ کی والدہ صاحبہ کی خبر ملنے سے تردد ہے۔ اللہ پاک تردد رفع فرمائے۔ آپ ان کے جمال سے، وہ آپ کے دیدار سے شاد و

شادکام ہوں آج کل ہر طرف یہی قصے ہیں۔ غالب کی شامت یہ ہے

امید ہے کہ آپ کی والدہ صاحبہ اور آپ مع الخیر ہوں گے۔ الحمد للہ یہاں عافیت ہے نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۱۸ نومبر ۱۹۴۷ء

(۷۵)

بنام عرشی صاحب

کرم فرما لطف گستر السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے، امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ آپ بھی بخیریت و عافیت ہوں گے۔ دل تمنا ہے کہ شرح طیبی کی اشاعت ہو جائے ایسی

نادر کتاب اور اب تک گوشۂ خمول میں۔

اول اس کی صحت کا اہتمام ہے یہاں تین نسخوں سے نقل و مقابلہ ہو چکا ہے۔ رام پور کے نسخے کی تشنگی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مکتبہ حبیبیہ کے مہتمم

مولوی معین الدین صاحب کو آپ کے پاس رام پور بھیجوں۔ مولوی صاحب نے طیبی کا نسخہ شوق توجہ سے نقل کیا ہے۔ موصوف رام پور میں رہ کر وہاں کے

نسخوں سے جو کہ قاضی صاحب کے کتب خانے میں ہیں، مقابلہ کریں۔ دوسرے صاحب علم ان کی مدد پر مقرر ہوں۔ حال میں ایک صاحب یہاں سے

گئے ہیں وہ اہل اس کام کے ہیں۔

مکلف خدمت یہ ہوں کہ مولوی صاحب کے قیام میں اور کام میں مدد فرمائیے۔ مصارف یہاں سے ادا ہوں گے ان شاء۔ اس کے بعد بوہلہ و قوۃ تعالیٰ

طبع کا اہتمام ہوگا۔ مولوی صاحب کے قیام کا اہتمام کیا جائے نیز مددگاران تصحیح کا۔ اس طرح اس مقدس کام میں آپ بھی شریک ہو جائیں گے۔ والسلام بالاکرام

حبیب گنج ۱۰ نومبر ۱۹۴۷ء ——— نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۶)

میرے کرم فرما مالک رام صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط آیا مسرور ہوا، ممنون ہوا، جزاک اللہ تعالیٰ خیراً

آپ کے خاندانی حوادث پڑھ کر دل دکھا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ بچھڑے ہوئے عزیزوں کو مع الخیر والعافیہ ملائے

"مصنف" میں ترجمہ بیشک تشنہ چھپا ہے۔ اور مضامین مفصل بھی تھے۔ آپ سوال بھیج دیں میں جواب شافی ان شاء اللہ پیش کر دوں گا۔ آپ کا دوسرا خط یہاں نہیں پہنچا۔

الحمد للہ یہاں خیر و عافیت ہے۔ امن و امان ہے۔ والسلام ——— نیازمند حبیب الرحمٰن

حبیب گنج ۱۰ دسمبر ۴۷ء

(۷۷)

عزیز القدر سلمہ شکریہ یاد آوری

غالب کا خط واپس آ کر داخل کتب خانہ ہو چکا

اب میرا زمانہ دور گزشتہ کم لکھنے کا بھی وقت باقی نہیں رہا ہے۔ ۸۳ برس عمر کے ہو چکے۔ خط لکھنے میں اصحاب مدد کرتے ہیں۔ اس لئے مراسلت موقوف ہو چکی۔ آپ کی فرمائش کی تعمیل سے مجبور ہوں۔ الحمد للہ تعالیٰ عافیت ہے۔ آپ کے لئے تمنائے عافیت۔ والسلام ختم الکلام

حبیب گنج ۲۸ جنوری ۱۹۴۸ء ——— نیازمند حبیب الرحمٰن

(۷۸)

مصدر عنایت و لطف! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۱ اپریل کا التفات نامہ پہنچا۔ دل اس کو پڑھ کر خوش ہوا۔ اے وقت تو خوش کہ وقت من خوش کردی

آپ کے نوازش و عنایت دل کو ہمیشہ خوش کرتے ہیں۔ اب میرا لکھنے پڑھنے کا شغل بہت کم ہو گیا ہے جو مقتضائے سن ہے۔ تھوڑے لکھنے سے بھی ہاتھ کی رگیں دکھ جاتی ہیں۔ الحمد للہ مزاج بہ عافیت رہتا ہے۔ کوئی شکایت نہیں۔

حبیب گنج اپنے وطن سے آپ کی مطلوبہ فہرست کتب طلب کرتا ہوں۔ وہاں سے آنے پر آپ کے پاس بھیج دی جائے گی ان شاء اللہ

اردو کلام کا مجموعہ چھپ گیا ہے۔ دو نسخے بھیجتا ہوں۔ فارسی دیوان بھی زیر طبع ہے۔ چھپ جانے پر وہ بھی پہنچے گا۔ والسلام ختم الکلام

صدر یار جنگ ۲ مئی ۱۹۴۹ء ——— نیازمند حبیب الرحمٰن

کتاب ملنے میں دیکھ کر بہت خوشی ہوگی۔

الحمد للہ تعالیٰ بخیر و عافیت شامل حال ہے۔ میں بعافیت ہوں۔ اپنے مختلف مشاغل میں مصروف ہوں۔ آپ کی خدمت میں از پیشتر کو خط لکھا۔ اگر کوئی ضرورت ذہن میں آئی بے تکلف لکھ دوں گا۔ والسلام خیر الکلام

حبیب گنج　　　نیازمند حبیب الرحمن

(۸۲)

بنام ابوالحسن مرزا صاحب

الطاف فرمائے مخلصان تسلیم

آپ مجھ کو اجازت دیں کہ منشی وزیر خاں صاحب سفیر آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ منشی صاحب موصوف یہاں آئے ہیں۔ امید ہے کہ آپ نہ صرف خود ان کی رہبری قبول فرمائیں گے بلکہ اور صاحبوں کو بھی ترغیب دلا کر اس اعلیٰ الخیر کا درجہ حاصل فرمائیں گے۔ جو ہمدردی آپ کو قومی تعلیم سے ہے اس نے ان چند سطروں کے لکھنے کی جرأت دلائی ہے۔

صدر یار جنگ

(۸۳)

جناب نواب صاحب! السلام علیکم ورحمۃ و برکاتہ

۲۰ ابان سنہ حال رفتہ یکشنبہ کو جو کاغذات متعلق کمیشن کے جناب نے دست بدست عنایت فرمائے تھے وہ اس نیاز نامہ کے ساتھ واپس ہیں۔ میں نے اپنی نوشتہ تجویز پر نظر ڈالی۔ سابق رائے میں تبدیلی کی وجہ محسوس کرنے سے میں قاصر رہا۔ بروقت تحریر کرنے تجویز کے جو امور پیش نظر تھے ان کا پورے طور کے ساتھ لحاظ کیا گیا اور تجویز لکھی گئی تھی۔ اب اس قدر عرصہ دراز کے گزر جانے کے بعد تمام وجوہ کو یاد رکھنا اور تائید میں پیش کرنا ممکن نہیں جو رائے قائم کی گئی ہے اس کی بنیاد تجویز مذکورہ میں ظاہر کر دی گئی ہے۔

آپ کی رائے بالکل آزاد ہے۔ جو رائے قائم فرمائی جائے زیب قلم ہو۔

صدر یار جنگ

(۸۴)

جناب مکرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ

مولوی انوار احمد صاحب سفیر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ دو کتابیں لے کر حاضر خدمت ہوتے ہیں دونوں کتابیں کہ کانفرنس نے شائع کی ہے۔ جو اپنی اپنی جگہ پر مفید و قابل مطالعہ ہیں۔ ایک کتاب دورِ جدید کے مسلم علمی خیالات کا آئینہ ہے۔ دوسری مرحوم نواب وقار الملک کے سوانح حیات کی مکمل سرگزشت ہے۔ امید ہے جناب کا ذوق علمی اس خدمت کی حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا۔ والسلام

صدر یار جنگ　　　سیکرٹری

(۸۵)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

ایک مجموعہ میری تقریروں کا انجمن اسلامیہ کے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔

ایک نسخہ اس کا بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جاتا ہے۔

چونکہ میں جائزہ خدمت دیکر یہاں سے جا رہا ہوں۔ اس لئے امید ہے کہ یہ مجموعہ یادگار آپ کے کتاب خانہ میں رہے گا۔

صدر یار جنگ

علامہ اقبال

(۱)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیئر فوق!

اہل اللہ کے حالات جو آپ نے بنام یادِ رفتگاں تحریر فرمائے ہیں مجھ پر بڑا اثر کیا اور بعض باتوں نے تو جو آپ نے اس مختصر سی کتاب میں درج کی ہیں مجھے اتنا رُلایا کہ میں بے خود ہو گیا۔ خدا کرے آپ کی توجہ اس طرف لگی رہے۔ زمانۂ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے حیرت ناک تذکروں کو زندہ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل علت حسن ظن کا معدوم ہو جانا ہے۔

بھائی فوق! خود بھی اس گوہرِ نایاب کی تلاش میں رہو جو بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں مل سکتا بلکہ کسی خرقہ پوش کے پاؤں کی خاک میں اتفاقیہ مل جاتا ہے۔ والسلام!

از سیالکوٹ
۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء

آپ کا دوست
(شیخ) محمد اقبال ایم۔ اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور)

(۲)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیئر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مجھے کل ملا جس ایک دو روز کے لئے بغرض مشورہ لاہور گیا تھا کیونکہ وہیں کام شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ کشمیری میگزین دیکھتا ہوں۔ اس میں جو کامیابی آپ کو ہوئی اور ہو رہی ہے اس کے لئے مبارک باد دیتا ہوں اور جو کچھ آپ گاہے گاہے میری نسبت اپنے کالموں میں تحریر فرماتے ہیں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ جموں کے راستے (کشمیر) جائیں تو ضرور سیالکوٹ تشریف لائیں تاکہ مجھے آپ کی دوستانہ قدر و منزلت کرنے کا موقع ملے۔ افسوس ہے کہ میں ابھی کچھ عرصہ تک آپ کے لئے کچھ نہ لکھ سکوں گا کیونکہ قانونی کتب کی طرف متوجہ ہوں۔ چونکہ اس کام کو شروع

ملاحظہ ہو علامہ کا شعر

تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

کیا ہے اس واسطے ارادہ ہے کہ اس کو حتی الامکان پورے طور پر کروں - روٹی تو خدا ہر ایک کو دیتا ہے - میری آرزو ہے کہ بہ پاس ملن میں کمال پیدا کروں - آپ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس مہم میں میرا شامل حال ہو -

انشاءاللہ نومبر میں لاہور آ کر مستقل طور پر کام شروع کروں گا - اس وقت آپ سے خوب خوب ملاقاتیں ہوا کریں گی جیسے کبھی کبھی پہلے ہوا کرتی تھیں اور میں کشمیری میگزین کی ترقی اشاعت کے لئے بھی چند باتیں آپ سے کروں گا - باقی خیریت ہے

اڈیٹر صاحب جوگی کی خدمت میں میرا شکریہ پہنچا دیجئے[1] - علاوہ ازیں تارا چند صاحب تارا (حلوائی سوہن فروش دہلی دروازہ) کی خدمت میں - والسلام!

محمد اقبال از شہر سیالکوٹ ۲۹ اگست ۱۹۰۸ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۳)

ڈیر فوق!

مرزا فضل احمد صاحب[2] کا خط ملفوف ہے - وہ اس خط کو کمیٹی میں پیش کرنا چاہتے ہیں - اس کے علاوہ ایک اور کارڈ بھی آیا ہے - مہربانی کر کے اس کی تعمیل بھی کریں - جو خط آپ نے میری طرف سے میگزین میں شائع کیا ہے اس کی چند کاپیاں اگر وہ علیحدہ شائع ہوا ہو، علام محمد از تمصل گھمبٹ گرجاکیوالہ کے نام ارسال کر دیں - اگر علیحدہ شائع نہ ہوا ہو تو ان کو جواب لکھ دیں - یہ صاحب آپ کے میگزین کے خریدار ہیں -

راقم

۱۱ مئی ۱۹۰۹ء　　محمد اقبال (آنریری جنرل سیکرٹری انجمن کشمیری مسلمانان لاہور)

(پوسٹ کارڈ) بنام منشی محمد الدین فوق

(۴)

بصورتِ گلشنِ با صورتِ بہار بیا　　کشادہ دیدہ گل بہرِ انتظار بیا

۷ مارچ ۱۹۱۲ء لاہور　　اقبال

بنام منشی محمد الدین فوق

(۵)

ڈیر فوق!

السلام علیکم - آپ آجکل لاہور میں ہیں یا سرینگر[3] میں؟ ایک دفعہ آپ نے کشمیری میگزین میں میرے حالات شائع کئے تھے - اگر اس رسالہ کی کوئی کاپی آپ کے پاس ہو تو ارسال فرمائیے - پھر واپس کر دی جائے گی - اگر پاس نہ ہو تو کہیں سے منگوا دیجئے -

زیادہ کیا عرض کروں آپ کبھی ملتے ہی نہیں - اب تو آپ پیر طریقت بھی بن گئے - خدا کرے کہ جلد حافظ جماعت علی شاہ صاحب[4] کی طرح آپ کے بھی ورود کشمیر کے متعلق اطلاعیں شائع ہوا کریں - والسلام! اس کارڈ کا جواب جلد ملے -

۲۴ جولائی ۱۹۱۵ء　　آپ کا خادم محمد اقبال - لاہور

---

[1] غالباً جوگی صاحب کا شکریہ اس لئے ادا کیا ہے کہ انہوں نے ولایت سے اقبال کی تشریف آوری پر لاہور کی ایک تقریب میں نظم پڑھی تھی - تارا چند بھی شاعر تھے شاید انہوں نے بھی کوئی نظم پیش کی ہو -

[2] میرزا فضل احمد مرحوم خان صاحب میرزا قطب الدین وکیل راولپنڈی و جاگیردار و مالک اخبار رہنما راولپنڈی کے والد بزرگوار تھے -

[3] سری نگر کشمیر　[4] مرحوم علی پوری

بنام فوق

(۶)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے۔ بھلا آپ کو آنے کی کیونکر ممانعت ہو سکتی ہے؟ میں نے اس خیال سے لکھا تھا کہ آپ معروف آدمی ہیں، آنے میں حرج ہوگا اور تکلیف مزید کہ انار کلی نمبر ۱۰ والہ دروازہ سے دور ہے۔

کتاب جب آئے تو ضرور ہمراہ لا دیجئے بلکہ اس کے آنے میں دیر ہو تو بلا کتاب تشریف لائیے۔ ۲۱ دسمبر کا کشمیری نہیں ملا، نہ آپ کی تازہ کتاب وجدانی نشتر میری نظر سے گزری ہے۔ والسلام!

آپ کا خادم محمد اقبال۔ لاہور ۲۱ دسمبر ۱۹۱۵ء

بنام ایڈیٹر فوق

(۷)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ دونوں کتابیں مل گئی ہیں۔ انگریزی کتاب پہلے سے میرے پاس موجود ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو مفت میں تکلیف ہوئی۔

وجدانی نشتر خوب ہے۔ مگر تعجب ہے کہ شیخ علاء کے ملحدانہ و زندیقانہ شعر "من چہ پروائے مصطفیٰ دارم" کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں، و ملا کی تشریح کس قدر بیہودہ ہے۔ یہی وہ وحدت الوجود ہے جس پر خواجہ حسن نظامی اور اہل طریقت کو ناز ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب مسلمانوں کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وجدانی نشتر پر ریویو دوسرے صفحہ پر درج ہے۔

محمد اقبال۔ لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۱۵ء

بنام ایڈیٹر صاحب

(۸)

مخدومی!

السلام علیکم۔ آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔

میری رائے میں اس بحث پر سب سے بہتر کتاب قرآن کریم ہے مگر تدبر شرط ہے۔ اس میں تمام باتیں موجود ہیں۔ بلکہ Modern Ego Engenics کے تمام مسائل بھی اس میں موجود ہیں۔

زمانہ حال کی سفرجیٹ عورتوں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک کتاب Right of Women میری نظر سے گزری ہے کسی عورت کی لکھی ہوئی ہے مگر افسوس ہے کہ مصنف کا نام ذہن میں محفوظ نہیں ہے۔

جان اسٹورٹ مل نے بھی اس پر ایک مفصل مضمون لکھا تھا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۲۹ اپریل ۱۹۱۶ء

عطیہ ڈاکٹر مختار الدین احمد

بنام محمد الدین فوق

(۹)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا دستی خط مل گیا ہے۔ منشی نور الدین جن کو آپ نے سفارشی خط دے کر بھیجا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ان کو اجازت دی جائے۔ مجھے یہ بات گزشتہ تجربے سے معلوم ہے۔ ورنہ میری عادت میں کسی کو محروم کرنا داخل نہیں۔ علاوہ اس کے یہ لوگ تجارتی اغراض کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ شعر غلط چھپا ہے یا صحیح۔ اس کے بعد اعتراض مجھ پر ہوتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظموں کو میں نے شائع کیا ہے۔

اس سے پیشتر میں اس شخص پر مقدمہ دائر کرنے کو تھا مگر مولوی ظفر علی خاں کے کہنے سے باز رہا۔ اس نے اس سے قبل میری نظموں کو میری اجازت کے بغیر شائع کر دیا تھا۔ اب یہ سب معاملہ مولوی احمد دین وکیل کے سپرد کیا ہے کہ اگر کوئی میرا کلام میری اجازت کے بغیر چھاپے تو اس پر دعویٰ کر دیا جائے۔

اخباروں میں جو کچھ شائع ہوا ہے اسے میں نے پڑھا ہے۔ مگر سب اخبار میری نظر سے نہیں گزرتے۔ "مخبر دکن" کا شکر گزار ہوں۔ مجھے اس معاملہ کا مطلق علم نہیں۔ نہ میں نے حیدر آباد میں کسی کو لکھا ہے نہ وہاں سے مجھے کسی نے تحریک کی ہے۔ میرے خیال میں یہ بات محض اخباری گپ ہے۔ حیدر آباد میں تو مجھ سے بہتر آدمی موجود ہوں گے۔

اودھ پنچ لکھنؤ نے جو اعتراضات مجھ پر کیے ہیں ان کا مجھے علم نہیں۔ وہ پرچہ تلاش کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ ان اعتراضوں میں کوئی کام کی بات ہو۔ لکھنؤ والے یا اور حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ اقبال شاعر ہے۔ مگر میری غرض شاعری سے زبان دانی کا اظہار کرنا نہیں۔ نہ میں نے آج تک اپنے آپ کو شاعر سمجھا ہے۔ حقیقت میں فن شاعری اس قدر دقیق اور مشکل ہے کہ ایک عمر میں بھی انسان اس کا حاوی نہیں ہو سکتا۔ پھر میں کیونکر کامیاب ہو سکتا ہوں جسے روزی کے دھندوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ میرا مقصود گاہ گاہ نظم لکھنے سے صرف اسی قدر ہے کہ چند مطالب جو میرے ذہن میں ہیں ان کو مسلمانوں تک پہنچا دوں اور بس۔ والسلام!

امید ہے کہ آپ نور الدین صاحب کو اجازت نہ دینے سے ناراض نہ ہوں گے۔ غالباً آپ کو ان کے حالات کا پہلے علم نہ تھا ورنہ آپ ان کی سفارش نہ کرتے۔

مخلص محمد اقبال

کسی روز ضرور ملیے۔ آپ کی "زینت" اب اس قدر بلند ہو رہی ہے کہ نظروں سے غائب ہو گئی۔

محمد اقبال۔ ۹ر مارچ ۱۹۱۱ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۰)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ کشمیر اور اہل کشمیر پر مختلف کتابیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔ البتہ کشمیریوں کی قبر پرستی ایک ایسا مضمون ہے جس پر جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ اور اس طرف سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔

رسالہ "تاریخ کشمیر" جو حال میں آپ کے قلم سے نکلا ہے نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ طرزِ بیان بھی دلکش ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ عام لوگوں کے لئے نہایت مفید ہوگا افسوس ہے میں آج تک کشمیر کی سیر نہیں کر سکا لیکن امید رکھتا ہوں کہ آپ کا رسالہ مجھے بھی اُدھر کھینچ لے جائے۔

"اسرارِ خودی" کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ مفت تقسیم ہوئی تھی پہلی ایڈیشن جس کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی ختم ہو گئی۔ میں نے اراوہ کر تعداد میں چھپوانی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اصل (یعنی لفظ نہیں پڑھا گیا) اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے۔ اس واسطے اس کے مضمون سے بہت کم لوگوں کو دلچسپی ہوگی۔

ممکن ہے کہ دوسری ایڈیشن شائع ہو۔ ایسا ہوا تو سب سے پہلے ایک کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہوگی۔ اس مثنوی کا دوسرا حصہ بھی قریب اختتام ہے۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال۔ لاہور ۸ جون ۱۹۱۷ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۱)

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ آپ کا خط معہ ملفوف اخبار مل گیا ہے جس کے لئے شکریہ ہے۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے بعض نمبر پنجاب پبلک لائبریری اور شاید یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہوں۔ آپ کسی روز جا کر خود دیکھیں۔

رسالہ "نظام" کا اجراء مبارک ہو۔ میرے خیال میں تو آپ "طریقت" ہی کو فروغ دیتے تو شاید حضور نظام تصوف کی اشاعت کا سلسلہ فرماتے۔[۱] محمد دین صاحب "صوفی"[۲] آپ سے بہتر نہیں ہیں لیکن وہ آدمی معاملہ فہم اور کاروان ہیں۔

میں بھی آپ کے لئے انشاء اللہ کچھ لکھوں گا۔

حکیم محمد دین صاحب کئی روز سے نہیں ملے۔ خدا کرے کہ اچھے ہوں۔ آپ ملیں تو میری طرف سے استفسارِ حال کیجئے۔ والسلام

محمد اقبال لاہور ۱۰ دسمبر ۱۹۱۸ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱۲)

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے جس میں اودھ پنچ (لکھنؤ) کا ایک صفحہ ملفوف تھا۔ میں لاہور میں ہوں۔ سردی کی وجہ سے کہیں باہر نہیں گیا۔

نظم زیرِ تنقید میری ابتدائی نظموں سے ہے۔ اس میں بہت سی خامیاں ہیں لیکن تعجب ہے کہ معترض نے ان میں سے ایک پر بھی اعتراض نہیں کیا اور جس قدر اعتراض ہیں غالباً کتابت کی غلطیوں پر ہیں۔ لوگ اس نظم کو بار بار چھاپتے ہیں اور بغیر میری اجازت کے کم از کم مجھے مسودہ ہی دکھا لیا کریں۔ اس کا علاج میرے پاس کچھ نہیں۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۲۸ دسمبر ۱۹۱۸ء

---

[۱] فوق صاحب نے "طریقت" بند کر کے "نظام" جاری کیا تھا۔ [۲] مولوی محمد دین صاحب مدیر رسالہ "صوفی" پنڈی بہاؤالدین۔

بنام منشی محمد الدین فوق (۱۳)

مخدومی فوق!

السلام علیکم۔ ایک کاپی اس نظم کی مجھے بھی ارسال کیجئے جس میں نے آپ کو رسالہ نظام میں شائع کرنے کے لئے بھیجی ہے
اس کا مسودہ بھی میرے پاس موجود نہیں۔

مخلص محمد اقبال از لاہور ۲۵ فروری ۱۹۱۹ء

[منشی سراج الدین صاحب جموں کے رہنے والے تھے کئی سال تک مختلف بندوبست افسروں کے ماتحت کام کرتے
رہے پھر تحصیلدار ہو گئے۔ اپنی قابلیت اور حکمت عملی کی بدولت افسر مال کے عہدے تک پہنچے۔ وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ پنشن لینے
کے بعد کشمیر اور جموں میں پیڈنگ ایجنٹ (وکیل) کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔
آج سے قریباً پینتیس چالیس سال قبل، ریاست میں شیخ محمد بخش اور سیٹھ کریم بخش نامور تاجر رئیس اور کوٹھی والے تھے
کے انتقال کے بعد سے ان کی حالت پتلی ہو گئی اور پنجاب نیشنل بنک کی شاخ سری نگر نے حساب کتاب اور لین دین کے معاملہ میں ان کی
اور ترقیاں کمائیں، ہزاروں کی جائداد سیکڑوں نیلام کرائی۔ نیلام، قرقیوں وغیرہ میں بہت سی بے ضابطگیاں ہوئی تھیں۔ منشی سراج الدین
نے جو شیخ محمد بخش مرحوم کے داماد تھے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی قانونی قابلیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے کشمیر بلایا۔ ڈاکٹر صاحب مولوی احمد دین
بی۔ اے پلیڈر اور اپنے منشی شیخ طاہر دین کے ہمراہ کشمیر گئے اور تقریباً دو ہفتے سری نگر میں رہے۔ لاہور واپس آکر منشی صاحب کو جو خط لکھا
اس میں اسی مقدمے کے متعلق ذکر ہے۔]

بنام منشی سراج الدین ریٹائرڈ افسر مال کشمیر (۱۴)

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔
آپ سے رخصت ہو کر پانچ بجے شام راولپنڈی پہنچ گئے اور ۶ بجے شام کی ٹرین بھی مل گئی۔ رستے میں بھی خدا کے فضل و کرم سے
کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ کی مستعدی، خدمت گذاری اور مہمان نوازی کی تعریف کرتے کرتے منزل ختم ہو گئی۔ فالحمد للہ علی ذالک
میرا خیال تھا کہ آپ کے نام میں حکم سنا دیا گیا ہوگا مگر سیٹھ کریم بخش صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ جج صاحب
رخصت سے واپس آکر حکم سنائیں گے۔ آپ سیشن جج صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اگر وہ اشتہار نیلام جو شائع کیا گیا
کیا ہے شامل پر نہیں ہے تو اس کا کچھ اثر نہ ہونا چاہئے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنا چاہیئے۔ وہ مسلمان کی آخری امید ہے
اور بڑے شیخ صاحب سے کہئے کہ درود شریف پڑھنے سے غفلت نہ کریں۔ اس زمانے کے مسلمانوں کے لئے یہ بات خاص کر
زیادہ کی عرض کر دیں۔ خدا کے فضل و کرم سے۔۔۔ سب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے۔ گرمی کی شدت ہے
ہوئی اور اس کے بنا بر کوئی علامات نظر آتے ہیں۔ خواجہ اسد اللہ صاحب ایڈووکیٹ سری نگر کشمیر ملیں تو میرا سلام ان سے
بخدمت سیٹھ کریم بخش صاحب مضمون واحد۔

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۸ جولائی ۱۹۲۱ء

(۱۵)

بنام منشی سراج الدین صاحب

مخدومی منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کی علالت کی خبر معلوم کر کے تردد ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ نقل فیصلہ مرسلہ سیٹھ کریم بخش صاحب مل گئی ہے اور میں نے فیصلہ بغور پڑھا ہے۔

دفعہ ۲۶ کے متعلق جج صاحب بہادر نے جو کچھ لکھا ہے میری رائے میں غلط ہے۔ ہائی کورٹ میں اس کی چارہ جوئی ہو سکتی ہے لیکن اگر عدالت ہائی کورٹ اس امر میں ہم سے متفق ہو اور واقعات پر متفق نہ ہو تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں۔ اس واسطے زیادہ ضروری امر واقعات کے متعلق ہے۔

واقعات کے متعلق یہ عرض ہے کہ جج صاحب نے وہی بات لکھی ہے اور اپنے فیصلے کو اسی بات پر مبنی کیا ہے جس کا احساس ہمیں پہلے ہی سے تھا یعنی یہ بات کہ واقعات اور بے ضابطگیوں سے ڈگری دار کی بدنیتی ثابت نہیں ہوتی۔ میں نے یہ تمام باتیں پہلے ہی عرض کر دی تھیں۔ سب سے بڑی کمزوری اس مقدمہ میں یہی ہے۔ مجھے امید نہیں کہ ہائی کورٹ جہاں تک بے ضابطگیوں اور غلطیوں کا تعلق ہے، اسے ڈی حکیم صاحب سے مختلف تجویز کرے۔

شیخ صاحبان اپنی جگہ سوچ لیں اور اس تمام زیرباری کا اندازہ کر لیں جو اپیل وغیرہ کا نتیجہ ہو گی۔ اگر معمولی مالیت کا مقدمہ ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ مقدمہ کی مالیت بھی بہت ہے اور اخراجات وکلاء وغیرہ بھی اسی حیثیت سے ہوں گے۔ غرض ان کو تمام امور ملحوظ رکھ کر آخری فیصلہ کرنا چاہیئے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی زیرباری میں اور اضافہ ہو۔ وجوہات اپیل دو چار روز تک لکھ کر ارسال خدمت کر دوں گا۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ اپیل دائر کر دیں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ چند ابتدائی غلطیوں کی وجہ سے اس مقدمہ کا فیصلہ آپ کے حق میں نہ ہو سکا مگر خدا تعالیٰ کی درگاہ سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اگر یہ صورت نہیں تو اللہ تعالیٰ سیٹھ صاحبان کے لئے کوئی اور صورت پیدا کر دے گا۔ سیٹھ صاحبان کی خدمت میں السلام علیکم۔

مخلص محمد اقبال لاہور ۳ اراگست ۱۹۲۱ء

---

(۱۶)

بنام منشی سراج الدین صاحب

ڈیر منشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کے ارشاد پر عمل کیا جائے گا۔

افسوس کہ رحمان راہ[1] کامل طور پر نہ بچا مگر پھانسی سے بچ گیا۔ لالہ کنور سین[2] صاحب سے لاہور میں میں نے اس مقدمہ کا مفصل ذکر کیا تھا اور تمام بڑی بڑی باتیں ان کو سمجھا دی تھیں اور یہ بھی درخواست کی تھی کہ مقدمہ کی سماعت جموں میں کریں تو میں بغیر مزید فیس کے بحث

---

[1] رحمان راہ سری نگر کا ایک باشندہ تھا اور وہ قتل کے مقدمہ میں ماخوذ تھا۔ یہ مقدمہ سری نگر میں اقبال کو ملا تھا۔ یہ شخص پھانسی سے تو بچ گیا مگر قید ہو گیا۔

[2] لالہ کنور سین جج ہائی کورٹ کشمیر بھی علامہ اقبال کی طرح مولانا میر حسن کے شاگرد تھے۔ عربی فارسی خوب جانتے تھے۔

کمال کا مگر افسوس کہ وہ مقدمہ کشمیر میں سُنا گیا۔

بہرحال میں نے منشی اسد اللہ کی تحریر پر اپنی بحث کے مفصل نوٹ ان کو بھیج دیئے تھے جو عدالت میں پیش کر دیئے گئے تھے لالہ کنور سین صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری بحث کے مفصل نوٹ مثل پر موجود ہیں۔ اس وقت اگر میعاد کا سوال نہ اٹھایا جاتا تو مقدمہ مہاراجہ سر پرتاب سنگھ کے سامنے ہی غالباً فیصلہ ہو جاتا مگر منشی اسد اللہ صاحب یہ خیال کرتے رہے کہ بار بار مقدمہ کونسل کے سامنے پیش ہوگا جہاں رحمان راہ کی بریت کی توقع ہے اس واسطے اس وقت التوا کو غنیمت سمجھا گیا۔ ورنہ میں نے مہاراجہ صاحب سے بھی کہہ دیا تھا کہ آپ ابھی فیصلہ کر دیں۔ کیونکہ دوبارہ یہاں آنے کا خرچ موکل اپنی غریبی کی وجہ سے نہ اٹھا سکیں گے۔ مگر منشی اسد اللہ صاحب کا یہی خیال تھا کہ التوا بہتر ہے مگر افسوس کہ بعد میں ان کا خیال پورا نہ ہو سکا اور کونسل اب تک نہ بن سکی اسی سبب سمجھتے رہے کہ اس فیس میں جو انہوں نے مجھ کو دی تھی ہیں۔ دوبارہ کشمیر آجاؤں گا۔ مگر یہ کیونکر ممکن تھا۔

اس کے علاوہ مہاراجہ صاحب کے سامنے میں نے یہ سب کچھ کہہ دیا تھا۔ بہرحال اب میں نے سُنا ہے کہ وہ گورنمنٹ آف انڈیا میں لالہ کنور سین صاحب کے فیصلے کے خلاف اپیل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے مندرجہ بالا طویل حالات لکھ کر آپ کو تکلیف دی ہے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ اگر رحمان راہ کے وارثوں کا ارادہ اپیل کرنے کا مصمم ہو تو میں بغیر کسی مزید فیس کے ان کی اپیل کر دوں گا۔ آپ یہ امر ان کے گوش گذار کر دیں۔

چونکہ کشمیر میں یہ معاملہ ہندو مسلمان سوال بن گیا ہے اس واسطے ممکن ہے رحمان راہ کے وارثوں کو یہ خیال ہو کہ گورنمنٹ کی کونسل کا قانونی ممبر بھی تو ایک کشمیری پنڈت ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور دقت بھی ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے مہاراجہ کی طرف سے اگر کسی کو پھانسی کا حکم ہو تو اس کی اپیل گورنمنٹ آف انڈیا میں ہوتی ہے۔ قید کا اگر حکم ہو تو اس کی اپیل نہیں ہوتی۔ بہرحال اگر ان کا ارادہ ہو تو مجھے اس میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ اس صورت میں آپ ان سے کہہ دیں کہ میری بحث کے مفصل نوٹ اور دیگر کاغذات بھیج دیں۔ الحمد للہ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔　　والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور۔ ۲۰ را پریل ۱۹۲۲ء

---

(۱۷)

بنام میر نور رشید احمد[1]

مکرمی!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں شملہ میں آفتاب دیکھنے کو ترس گیا۔ اس کے علاوہ اندیشہ تھا کہ ہوا کی رطوبت سے نقرس عود نہ کر آئے۔

شعر زیر بحث کے متعلق یہ عرض ہے کہ دوسری پارٹی کا خیال صحیح ہے۔ اعتقادات کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے۔ بعض اسلامی فرقے (خاص کر شاعری) مسیحؑ اور علی مرتضیٰؓ کو نصاریٰ کا خدا اور شیعوں کا علیؓ کہہ کر گالیاں دے بیٹھتے ہیں۔ خود مرزا صاحب مرحوم

---

[1] میر نور رشید احمد صاحب ان دنوں حکومت ہند کے فارن اینڈ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے اور اب گلگت ایجنسی سے ریٹائر ہونے کے بعد ... میں مقیم ہیں۔ بڑا سلجھا ہوا علمی مذاق رکھتے ہیں۔

ان کے علاوہ مولوی عبدالکریم نے شیعوں کی تردید میں بھی افسوسناک طریقہ اختیار کیا ہے[1]۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ چودھری محمد حسین[2] صاحب سے سلام کہیے گا۔ والسلام!

محمد اقبال۔ سیالکوٹ ۲۵ اگست ۱۹۲۲ء

(۱۸)

بنام [illegible]

مخدومی!

السلام علیکم۔ والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

مولوی عبدالسلام کی دونوں کتابوں سے میں بھی بہت مستفیض ہوا۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں بہت بہت آداب عرض کیجیے نیز التماس دعا بھی کیجیے۔ کرسمس کے دنوں میں دلی آنے کی امید نہیں۔ البتہ فروری میں ممکن ہے۔ انشاء اللہ العزیز مولوی صاحب سے بھی شرفِ نیاز حاصل ہوگا۔ غزل مطلوب کے جتنے اشعار یاد ہیں عرض کرتا ہوں:

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں! — کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

طرب آشنائے خروش ہو تو نوا ہے محرمِ گوش ہو — وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوتِ پردۂ ساز میں

دمِ طوف کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن — نہ ترے فسانۂ سوز میں نہ مری حدیثِ گداز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ — کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں — نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی — مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں[3]

شاید دو چار شعر اور بھی تھے لیکن اس وقت یاد نہیں آتے، پھر عرض کروں گا۔ جو شعر آپ نے خط میں لکھا ہے معلوم نہیں کس کا ہے مگر شعر خوب ہے۔

---

[1] اقبال کی نظم "ابرِ گہربار" یا "فریادِ امت" کا ایک شعر ہے:

یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علی شیعوں کا — ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو برا کہتے ہیں

غالباً اس کے مفہوم کے متعلق دو فریقوں کی رائیں مختلف تھیں۔ اقبال سے پوچھا گیا تو واضح کر دیا کہ اس میں عقائد کی بحث نہیں بلکہ فرقہ بندی کی بحث ہے۔ مناظروں میں بعض اصحاب نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف برے انداز میں باتیں کرتے تھے اور ٹوکا جاتا تو کہہ دیتے ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں کہتے بلکہ انجیلوں کے مسیح کو کہتے ہیں۔ یہی طریقہ بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کے متعلق اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اقبال نے خود اجمالاً اشارہ کر دیا ہے گویا اقبال کا یہ شعر اس طریق مناظرہ و گفتگو کے خلاف ہے۔

[2] جن کو اقبال نے آخری عمر میں اپنی جائداد کا وصی مقرر کیا تھا۔ (محمد عبداللہ قریشی)

[3] "بانگِ درا" میں اس کا صرف ایک شعر اور ہے:

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا — ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

حضور سرورِ کائنات کو مخاطب کر کے چند اشعار میں نے لکھے تھے جو مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے۔ مجھے امید ہے انہیں پسند آئیں گے۔۔

تیغِ لا در پنجۂ ایں کافرِ دیرینہ دہ — باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الّا ستے من!
از سپہرِ بارگاہت یک جہاں اختر بہ جیب — جلوۂ داری دریغ از وادیِ سینائے من
با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار — یا رسول اللہ او پنہاں و تو پیدائے من[1]

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء

نوٹ: اس خط کا جواب پیر خورشید احمد کی طرف سے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔[2]

---

[1] اس کے سات شعر ہیں جو پیام مشرق میں چھپے۔
[2] فارن آفس دہلی ۱۶ دسمبر ۱۹۲۲ء

مطاعی جناب قبلہ ڈاکٹر صاحب

آداب۔ جناب نے اپنے گرامی نامہ میں اس ننگ آفرینش کو "مخدومی" سے خطاب فرمایا ہے۔ میں اسے پڑھ کر بہت نادم ہوا اول سے اور اب تو جرأت یہ کہ جناب سی ایسی قدر آور ہستی کو خط لکھتا ہوں، دوم گستاخانہ آرزو یہ کہ جواب کا امیدوار رہتا ہوں، اس پر آپ ایسے بزرگ کی ملاطفت آمیز کلمہ کا مخاطب نہ ٹھہروں۔

جواب میں بہت توقف ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہ کہ قبلہ مولوی صاحب کو خط سنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کل صبح ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے خط پڑھ کر سنایا۔ فرمانے لگے، ڈاکٹر صاحب کو میرا سلام کہو اور لکھو ؎

اے سالکِ رہ سخن زِ ہر باب مجو — جز راہِ وصولِ ربِّ ارباب مجو
چوں علتِ نو فراستِ اسبابِ جہاں — جمعیتِ دل زِ جمعِ اسباب مجو

پرسوں شب ایک محفل میں بیٹھے ہوئے یہ مطلع ؎

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

دہرا رہے تھے۔ فرمانے لگے، جو کچھ جس لائق ہوتا ہے اسے وہی ملتا ہے۔ جو ذہن اور تخیل ڈاکٹر صاحب کو عطا ہوا ہے اگر سائل اور مولوی کو عطا ہوتا تو یہ حضرات برداشت نہ کر سکتے۔ ان کے دماغ پھٹ جاتے اور دیوانے ہو جاتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

کل صبح ملا۔ فرماتے تھے میں نے ڈاکٹر صاحب کو دہلی میں دیکھا ہے اور ان سے باتیں بھی کی ہیں۔ شاید انہیں یاد ہو۔

میں منتظر ہوں، کب فروری آئے اور جناب کی صحبت کے فیض سے حاصل ہوں۔ اگرچہ یہ فقرہ رسمی ہے کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو مگر میں اسے دل سے لکھ رہا ہوں کیونکہ اپنے لئے سعادت جانتا ہوں۔

خورشید

(۱۹)

منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ آپ کے مصائب کا حال سُن کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔ مولوی عبداللہ غزنویؒ حدیث کا درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کئے جانے کی خبر ملی۔ ایک لحظہ تامل کیا پھر طلبا کو مخاطب کر کے کہا: "ما بقضائے او راضی ہستیم۔ بیا شید کہ کار خود بکنیم" یہ کہہ کر پھر درس میں مصروف ہو گئے۔ مخلص مسلمان اپنے مصائب کو بھی خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔

"شباب کشمیر" ضرور لکھئے، بہت مفید کتاب ہوگی --- اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کے لوگوں میں خودداری کی روح پیدا کی جائے۔ میں نے بھی ایک نظم اس مضمون پر لکھی ہے جو عنقریب فارسی مجموعہ میں شامل ہوگی۔ افسوس ہے کہ مجھے تاریخ کشمیر سے بہت کم آگاہی ہے۔ ممکن ہے پنڈت شیو نرائن شمیم آپ کی مدد کر سکیں۔ راج ترنگنی غالباً ان کے پاس ہے۔ اگر نہ ہوئی تو پنجاب پبلک لائبریری سے ضرور مل جائے گی۔

"اسلام میں سیاست" چودہ سال ہوئے انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا یعنی ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں انقلاب ہو رہا تھا جس کا نتیجہ آخر کار ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید خان کی معزولی میں ظاہر ہوا۔ یہ مضمون لندن کے سوشیالوجیکل ریویو میں شائع ہوا تھا۔ پیسہ اخبار نے اس کا ترجمہ بہت غلط شائع کیا ہے۔ صحیح ترجمہ زمیندار میں شائع ہوا تھا۔ یہ ترجمہ چودھری محمد حسین صاحب ایم۔ اے سیکرٹری نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب نے کیا تھا، معتبر ہے۔ اگر آپ چھاپنا چاہیں تو بڑی خوشی سے پمفلٹ فارم میں شائع کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں البتہ چودھری صاحب سے بھی اجازت لے لیں تو بہتر ہے۔ وہ ایک آدھ روز تک سیالکوٹ جانے والے ہیں وہاں سے جنوری کے شروع میں واپس آئیں گے۔ ان کو اجازت دینے میں مجھے یقین ہے تامل نہ ہوگا۔ انگریزی مضمون چند روز ہوئے مسلم آؤٹ لک میں چھپا تھا۔ وہ مطلوب ہو تو مسلم آؤٹ لک سے مل سکتا ہے۔

باقی رہے میرے حالات سو ان میں کیا رکھا ہے؟

میری طرز رہائش مشرقی ہے۔ آپ جب چاہیں شوق سے تشریف لا سکتے ہیں۔

محمد اقبال، لاہور ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ء

---

(۲۰)

منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ مخدومی جناب مولوی صاحب[1] نے جو نام لکھے ہیں ان میں سے میں کسی کو نہیں جانتا۔ سوائے عشق پیچہ شاعر کے جو کوئی شاعر نہ تھا، ہاں تک بند ضرور تھا۔ سیالکوٹ کے مشہور قدیم شعرا میں سے شیخ محمد علی ماہر تھے۔ ان کا دیوان فارسی میں بہت ضخیم ہے میں نے خود دیکھا ہے۔ غالباً شاہجہان یا عالمگیر کے عہد میں تھے۔ ٹیک چند نے بہار عجم میں جا بجا ان کے اشعار کو محاورات فارسی کی سند میں لکھا ہے۔ ایک

---

[1] شمس العلماء مولانا سید میر حسن سیالکوٹی۔

شعر مجھے بھی یاد ہے ؂

از جلوۂ سرو قدے گریہ بہ بند افتادہ ام — رود ستانے کہ از بام بلند افتادہ ام

غالباً کسی نہ کسی تذکرہ میں ان کا ذکر ضرور مل جائے گا۔ علی صاحب قبلہ میر حسن صاحب کے متعلق جہاں تک مجھے یاد ہے میری کوئی نظم
شاید کوئی شعر اشارۃً کسی نظم میں ہو۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۴ مارچ ۱۹۲۳ء

(۲۱)

بنام میر خورشید احمد

مخدومی!

تسلیم۔ سائل صاحب (دہلوی) کا جواب میری رائے ناقص میں صحیح ہے۔ اصل عربی لفظ مُدَّتہ (دیکھئے التاج) ہے یہی
تُوہر آتی ہے اور شاید دوراسی بھی۔ فارسی میں یا بغیر تشدید بھی لکھتے ہیں۔ دُرِ یکتا، گوہرِ ثمین، دُرِ مکنون، دُرِ یتیم، دُرِ خوشاب، دُرِ شاہوار، دُرِ نایاب
جہاں تک مجھے معلوم ہے سب درست ہیں۔ اگر ان ترکیبوں میں دُرِ یکتا وغیرہ میں تشدید بھی لکھیں تو بھی درست ہے۔ افسوس ہے کہ
اس وقت مجھے کوئی یاد نہیں۔ اگر مطالعہ میں آگئی تو لکھ بھیجوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ دُرِ یکتا اور دُرِ یکتا دونوں درست ہیں۔ نیاز صاحب
کا استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ قاآنی نے ایزد یکتا (حالانکہ یکتا ایزد کی صفت مشابہ ہونی چاہیئے) اور رخ یکتا بھی لکھا ہے۔ اس
صورت میں دُرِ یکتا میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔

ساقی نامۂ کشمیر[1] کے متعلق بعض لوگوں کا گلہ سن کر مجھے تعجب ہوا۔ افسوس ہے ہندوستان سے فارسی رخصت ہو گئی
نے محض قومی رقابت سے کشمیریوں کی ہتک کی ہوگی۔ کیونکہ ایک زمانہ میں کشمیر ایران کا ہمسر رہ چکا ہے۔ میں نے تو ذکر طرا رویا ہے
سیاق اشعار سے صاف ظاہر ہے۔ ذکر طرے کی بنا بھی واقعات پر ہے جن کا میں نے کشمیر میں خود مشاہدہ کیا۔
پنجاب کے کسانوں کی حالت کشمیر کے کسانوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ نظم کا موضوع کسانِ کشمیر ہیں نہ کسانِ پنجاب

---

[1] ساقی نامہ ’پیام مشرق‘ کی مشہور نظم ہے جو علامہ اقبال نے نشاط باغ کشمیر میں کہی تھی۔ اس میں بہار کا منظر پیش کرنے کے بعد ساقی (سے)
دعا کی گئی ہے کہ وہ باشندگانِ کشمیر کے دلوں میں آزادی کا جذبہ پیدا کر دے۔ اس کے چند شعر جنہیں ہجو تصور کیا گیا ہے، یہ ہیں ؂

کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ — بتے می تراشد ز سنگ مزارے
ضمیرش تہی از خیال بلندے — خودی ناشناسے ز خود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنت او — نصیب تنش جامۂ تار تارے
نہ در دیدۂ او فروغ نگاہے — نہ در سینۂ او دل بیقرارے

ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

(محمد عبداللہ قریشی)

پورے اشعار کشمیریوں کی بابت نقل کر دیں ہیں وہ شعر کے مذاق اور متانت سے بالکل بعید ہوا ہے۔ ان کے متعلق میں جواب کل دوں گا

کہ پورے کیا جواب ان کا نظر میں ہے۔

شعر میں ...... [illegible]

محمد اقبال لاہور ۱۲ مئی ۱۹۲۳ء

نام میر خورشید احمد

(۴۲)

بربناگوشِ تو اے ترکِ تتار دُرِّ یتیم
سنبلِ تازہ ہے بردمد از نقرۂ سیم (فرخی)

اس شعر سے ظاہر ہے کہ دُرّ (مع التشدید) واحد ہے اور اس کی صفت میں لفظ یتیم واقع ہوا ہے جس کے معنی بے نظیر و یکتا کے ہیں۔ والسلام!

محمد اقبال از لاہور ۱۳ مئی ۱۹۲۳ء

نام میر خورشید احمد

(۴۳)

مکرمی!

تسلیم۔ لفظ دُرّ (مع التشدید) جمع نہیں بلکہ واحد ہے۔ میں آج صبح قصیدہ بُردہ پڑھ رہا تھا اس میں یہ شعر نظر آیا ؎

فالدُّرُّ یزدادُ حُسناً وَّهُوَ مُنتظمٌ
وَلَیسَ یَنقُصُ قدراً غیرَ منتظمِ

یعنی موتی حسن کے اعتبار سے بڑھ جاتا ہے جب سلسلہ میں منسلک ہو اور اگر منسلک نہ ہو تو بھی اس کی قدر گھٹتی نہیں۔

ایسی صورت میں دُرِّ یکتا کیونکر غلط ہو سکتا ہے۔ اگر یہ لفظ جمع ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ یکتا کا لفظ اس کی صفت نہیں ہو سکتا۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور یکم جون ۱۹۲۳ء

نام میر خورشید احمد

(۴۴)

مکرم بندہ!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں جہاں آپ چاہیں چھپوائیں۔ ہمایوں بھی اچھا رسالہ ہے

امام شرف الدین کا لقب البصیری ہے۔ عربوں میں تخلص کا دستور نہ تھا۔ میں نے مثنوی رموزِ بیخودی میں بھی ان کا ذکر کیا ہے ؎

اے بصیری را ردا بخشندۂ ۔۔۔ بربطِ سلمیٰ مرا بخشندۂ

والسلام! محمد اقبال لاہور ۴ جون ۱۹۲۳ء

؎ غالباً [illegible] کی رسم کی طرف اشارہ ہے جو خاص اہتمام سے ادا کی جاتی تھی۔

بنام پروفیسر رشید احمد

(۲۵)

مکرم جناب پروفیسر رشید احمد

امین صاحب کا میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجئے۔ نظم ان کا بہت اچھا ہے کسی اخبار میں اس کی اشاعت کر دیجئے شاید زمیندار اس مطلب کے لئے بہتر ہوگا۔

تعجب ہے عربی شعر کو جناب ١ نگار کسی عجمی کا بتاتے ہیں۔ وہ شعر حضرت بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو مصر کے مشہور شعرا میں سے ہیں۔ ان کا نام امام شرف الدین ہے چھٹی صدی کے آخر میں مکہ میں پیدا ہوئے تھے اور ساتویں صدی کے وسط میں بمقام قاہرہ ان کا انتقال ہوا خالص عرب تھے۔ مشہور قصیدہ بردہ جس کا لوگ ورد کرتے ہیں انہی کی تصانیف سے ہے۔ والسلام!

میں انشاء اللہ اگست میں شملہ آؤں گا۔

محمد اقبال لاہور ۲۶ رجون ۱۹۲۳ء

بنام منشی محمد الدین فوق

(۲۶)

ڈیئر فوق صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ تا حال ہر طرح خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اگر آپ نے خواب میں مجھے دوزخ میں دیکھا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ لاہور آج کل دوزخ سے کم نہیں۔ باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور ۳۰ رجون ۱۹۲۴ء

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۲۷)

جناب من!

السلام علیکم۔ میں نقرس کی وجہ سے صاحب فراش تھا اس واسطے اس سے پہلے آپ کے خط کا جواب نہ دے سکا معاف فرمائیے۔ "دکن میں اُردو" نہایت مفید کتاب ہے خصوصاً اس کا پہلا حصہ جو میں نے نہایت غور سے پڑھا۔ اُردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ کے لئے جس قدر مسالہ ممکن ہو جمع کرنا ضروری ہے۔ غالباً پنجاب میں بھی کچھ پرانا مسالہ موجود ہے اگر اس کے جمع کرنے میں کسی کو کامیابی ہو گئی تو مورخ اُردو کے لئے نئے سوالات پیدا ہوں گے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

لاہور ۷ رمئی ۱۹۲۵ء

نوٹ: اس خط کے چند سال بعد "پنجاب میں اُردو" محمود شیرانی نے شائع فرمائی۔

---

١ جناب نیاز فتحپوری۔ مدیر نگار لکھنؤ۔

(۲۸)

بنام منشی محمد الدین فوق

ڈیر فوق!

اودھ پنچ کا مضمون "بیاران لکھنؤ" کے جواب میں ہے۔ مجھے پہلے سے خیال تھا کہ اس کا جواب لکھا جائے گا، بہرحال موجودہ لٹریری مذاق کی حالت قابل ماتم ہے۔

ذخیرۃ الملوک (مصنفہ امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ) کے دیکھنے کا میں بھی مشتاق ہوں۔ سنتا ہے کوئی شخص کشمیر میں اس کا ترجمہ اردو میں کر رہا ہے۔ والسلام!

محمد اقبال۔ ۵ مئی ۱۹۲۶ء

---

(۲۹)

بنام میر حسن الدین[1]

جناب من!

السلام علیکم۔ مجھے کوئی تامل نہیں، آپ بلا تکلف اس کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ کچھ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے اور خود میرے خیالات میں بھی بہت سا انقلاب آ چکا ہے۔ جرمن زبان میں غزالی، طوسی وغیرہ پر علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ تھیں۔ میرے خیال میں اب اس کتاب کا تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ میری رائے میں ترجمہ کرنے سے بہتر یہ بات ہے کہ آپ خود ایسی تاریخ لکھیں۔ فقط!

محمد اقبال لاہور ۱۱ جنوری ۱۹۲۷ء

---

(۳۰)

لاہور۔ ۱۱ جولائی ۱۹۲۷ء

میر ولی اللہ[2] خوش نویس ائمہ جامع مسجد دہلی کے خاندان سے ہیں اور یہ وہ محترم خاندان ہے جس کے مورث اعلیٰ کو شہنشاہ شاہجہاں علیہ الرحمۃ نے بخارا سے بلا کر امام جامع مسجد مقرر کیا تھا۔ میر ولی اللہ کے دادا مولانا حافظ امیر الدین مرحوم و مغفور ابوظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے استاد تھے۔ ان کے والد حافظ سید محمد سعید سلطنت دکن اور بھوپال کے وظیفہ خوار تھے جو ان کو ان کی خاندانی شرافت و نجابت و تقویٰ کی بنا پر عطا کیا گیا تھا، میرے نزدیک اس خاندان کے افراد قدر کے مستحق ہیں۔

محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا۔

---

[1] میر حسن الدین بی۔ اے ایل ایل بی وکیل جامعہ عثمانیہ کے ایک لائق سپوت تھے۔ اقبال کی کتاب "فلسفۂ عجم" کا ترجمہ کیا تھا جو بعد کو تصدق حسین صاحب تاج نے شائع کیا۔ یہ خط اسی کے ترجمہ کا ذکر کرتا ہے۔ حسن الدین صاحب نے حیدرآباد میں سالہا سال تک ایک ہفتہ وار اخبار "مملکت" مرتب اور شائع کیا۔ یہ خط تاج صاحب نے ادارے میں داخل کیا ہے اور اب تک نہیں چھپا ہے۔

[2] اصل خط ولی اللہ بشیر کے پاس محفوظ ہے جس کا فوٹوگراف انہوں نے مجھے دیا ہے جو میرے ذخیرے میں موجود ہے۔ ولی اللہ بشیر (جن کا ذکر اس خط میں ہے) یہاں موجود اور بڑے اچھے خطاط ہیں۔ (تمکین کاظمی)

بنام تمکین کاظمی

(۳۱)

جناب تمکین![1]

تسلیم۔ نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ میں ذاتی طور پر ترجموں کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم آپ چند اشعار ترجمہ کر کے بھیجئے تو میں رائے دینے کے قابل ہو سکوں گا۔ اس سے پہلے جو نمونے تراجم کے وصول ہوئے بہت ناقص تھے۔ میں نے خود اسرار خودی پہلے اردو میں لکھنی شروع کی تھی مگر مطالب ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جو حصہ لکھا گیا تھا اس کو تلف کر دیا گیا۔ کئی سال بعد پھر یہی کوشش ہوئی کی۔ تقریباً ڈیڑھ سو اشعار لکھے مگر میں ان سے مطمئن نہیں ہوں۔

محمد اقبال لاہور ۱۶ اگست ۲۵ء

بنام تمکین کاظمی

(۳۲)

جناب من![2]

تسلیم۔ میں نے آپ کا ترجمہ دیکھا ہے افسوس کہ ناقص اور بعض بعض جگہ غلط ہے۔ میری رائے میں اس ترجمہ سے اردو لٹریچر کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ محض لفظی ترجمہ ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ شاید مضر ہے۔ میری دوستانہ رائے یہ ہے کہ آپ اپنے اوقات کے لئے کوئی بہتر مصرف تلاش کریں۔ امید ہے کہ اس بے لاگ رائے سے آپ ناخوش نہ ہوں گے۔

محمد اقبال لاہور ۴ ستمبر ۲۵ء

بنام تمکین کاظمی

(۳۳)

جناب من![3]

تسلیم۔ نوازش نامہ مل گیا ہے۔ زبور عجم پر شوق سے مضمون لکھئے میری طرف سے اجازت ہے۔ فی الحال علالت کی وجہ سے بہت کم لکھتا پڑھتا ہوں۔ درد گردہ نے دو ماہ تک بیقرار کیا۔ اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں اور صحت کے خیال سے چند روز کے لئے شملہ میں مقیم ہوں۔ لاہور جاتے ہی فرصت کے اوقات الٰہیات اسلامیہ پر لکچر لکھنے میں صرف ہوں گے جن کا وعدہ میں مسلم ایسوسی ایشن مدراس سے کر چکا ہوں اگر فروری ۲۹ء تک یہ لکچر لکھ سکا تو مدراس میں پڑھے جائیں گے۔ امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔

محمد اقبال شملہ ۱۸ ستمبر ۲۸ء

---

[1] یہ خط میرا مسودہ ہے۔ میں نے علامہ کی اسرار خودی کا ترجمہ اردو نظم میں کرنے کا ارادہ کیا تھا اس کی اطلاع علامہ کو دی تو علامہ نے یہ جواب لکھا ہے۔ اصل خط میرے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

[2] اس خط کے متعلق لوگوں کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ یہ میرے نام ہے۔
میں نے اقبال کی فارسی نظموں کا اردو نظم میں ترجمہ کرنا شروع کیا تھا ان دنوں مجھے قافیہ پیمائی کا شوق تھا اور اسی کو میں شاعری تصور کرتا تھا۔ یہ ترجمہ میں نے اقبال کو بھیجا تو انہوں نے یہ رائے دی جو اس خط میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ میں نے غور کیا تو بالکل صحیح مشورہ تھا۔ اسی روز سے میں نے شاعری ترک کر دی اور اب بحمد اللہ اس سے کوسوں دور ہوں۔
میں علامہ اقبال کا ممنون ہوں کہ ان کی وجہ سے میں نے ایک بیکار شغل سے چھٹکارا حاصل کیا۔ یہ خط میرے پاس محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

[3] یہ خط بھی میرے نام ہے جو محفوظ ہے۔ (تمکین کاظمی)

[illegible]

(۳۴)

جناب ایڈیٹر صاحب انقلاب،

السلام علیکم۔ ۲۰ جولائی کے انقلاب میں آپ نے نواب احمد یار خاں صاحب کے ایک مکتوب کا حوالہ دیا ہے۔ میں اس مکتوب کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اور التماس کرتا ہوں کہ سطور ذیل اپنے اخبار کے کسی کالم میں شائع فرما کر ممنون فرمائیے۔

نواب صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ کسی مطبوعہ پمفلٹ میں وہ تمام تجاویز درج تھیں جن پر اب انقلاب معترض ہے اور اس پمفلٹ کی تجاویز پر تمام مسلم ارکان کونسل نے دستخط ثبت کئے تھے اس واسطے نواب صاحب موصوف کے خیال میں اس مسلم کشی کے لئے صرف پنجاب سائمن کمیٹی کے اراکین ہی ذمہ دار نہیں بلکہ تمام مسلم ارکان کونسل ذمہ دار ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا یہ مطبوعہ پمفلٹ وہی تحریر ہے جس پر آپ نے متعدد مضامین "انقلاب" میں لکھے تھے اور جس کی تجاویز کے خلاف لاہور کے تمام میونسپل وارڈوں نے ریزولیوشن پاس کئے تھے۔ یہ ریزولیوشن بھی غالباً آپ کے اخبار میں شائع ہو چکے ہیں۔

پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات کا مجھے کوئی علم نہیں۔ ان کی رپورٹ اب تک شائع نہیں ہوئی لیکن نواب صاحب کے خط سے جس کا ملخص آپ نے "انقلاب" میں شائع کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خطرہ بالکل بجا ہے اور غالباً پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات وہی ہیں جو مذکورہ بالا پمفلٹ میں درج تھیں۔ بہر حال میں نے متعدد ارکان کونسل سے دریافت کیا وہ سب کے سب پمفلٹ مذکورہ کی تجاویز پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ نواب احمد یار خاں صاحب سے بھی میں نے گفتگو کی وہ فرماتے ہیں کہ کوئی میٹنگ کسی جگہ ہوئی تھی جہاں مسلم ارکان کونسل نے ان تجاویز پر دستخط کئے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کے پاس ان حضرات کے دستخط موجود ہوں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہوا اور نہ کسی پمفلٹ کی تجاویز پر میں نے دستخط کئے ہیں۔ جن ارکان کونسل سے میں نے دریافت کیا ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں۔

سردار حبیب اللہ۔ مسٹر دین محمد۔ سید محمد حسین شاہ۔ مولوی مہر رحیم بخش۔ پیر اکبر علی۔ ملک محمد امین شمس آبادی۔ مسٹر غلام یٰسین۔

ان حضرات نے بڑے زور سے نواب احمد یار خاں صاحب کے بیان کی تردید کی۔ مسٹر دین محمد تو شاید اس مضمون کی کوئی تحریر بھی آپ کی خدمت میں اشاعت کے لئے ارسال کر چکے ہیں۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور ۲۴ جولائی ۲۹ء

۱۔ سائمن کمیشن کی اعانت کے لئے ایک مرکزی سائمن کمیٹی بنی تھی، اس کے علاوہ مختلف صوبوں میں بھی سائمن کمیٹیاں بن گئی تھیں۔ پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات شائع ہونے سے قبل ایک پمفلٹ شائع ہوا تھا جس میں ایسی باتیں درج تھیں جنہیں پیش نظر رکھتے ہوئے شبہ ہوتا تھا کہ کمیٹی کی سفارشات اسی نوعیت کی ہوں گی۔ "انقلاب" میں اس پمفلٹ پر نکتہ چینی کی گئی۔ نواب احمد یار خاں مرحوم نے تحریر فرمایا کہ اس پمفلٹ پر پنجاب کونسل کے مسلم ممبروں نے دستخط کئے تھے۔ حضرت علامہ مرحوم اس زمانے میں کونسل کے ممبر تھے انہوں نے فوراً اعلان کر دیا کہ میں نے کسی ایسے پمفلٹ پر دستخط نہیں کئے۔ نیز جن ممبروں کے نام درج کئے ہیں انہوں نے بھی مرحوم کے استفسار پر دستخط کرنے سے صاف انکار کیا۔ یہ گویا نواب احمد یار خاں مرحوم کے بیان کی تردید تھی۔

بنام پروفیسر رشید احمد صدیقی		(۳۵)

جناب صدیقی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے۔

میری رائے ناقص میں خواجہ حافظ کے شعر میں "بادیہ پیمائی" ہے[1]۔

پہلے مصرع میں "اینجا" سے مراد "دریں بادیہ" ہے۔ مفہوم شعر کا یہ ہے کہ اس دشت میں سینکڑوں ہوائیں بے سلسلہ یعنی بے ربط آزادانہ رقص کر رہی ہیں اور یہی ہوائیں اے دل تیری رفیق (حریف بمعنی رفیق) ہیں جب تک تو بادیہ پیما ہے۔ یا ان کا رقص اس غرض سے ہے کہ تو آسانی اور اطمینان سے اس صحرا کو طے کر لے۔ شاعر کا مقصود اپنے آپ کو تسکین دینا ہے کہ تو اس بادیہ گردی میں تنہا نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر ذرہ تیری ہی خاطر حالتِ رقص میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلا مصرع بہت بلند ہے اور کسی اور مضمون کا متقاضی ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

محمد اقبال لاہور، ۲۹ دسمبر [illegible]ء

بنام مدیر انقلاب مہر صاحب		(۳۶)

جناب مدیر انقلاب!

السلام علیکم۔ آپ کے بیش قیمت کالموں کی وساطت سے میں ان بے شمار احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے والد مرحوم کی وفات پر مجھ سے اور میرے اعزا سے اظہارِ ہمدردی فرمایا۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ چونکہ فرداً فرداً خطوط اور برقی بیانات کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ میرا دلی شکریہ میرے احباب تک پہنچا کر مجھے ممنون فرمائیے۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال لاہور یکم ستمبر ۳۰ء

---

[1] خواجہ حافظ کا شعر ہے ؎

صد بادِ صبا اینجا بے سلسلہ مے رقصند		این است حریف اے دل تا بادیہ پیمائی

"بادیہ پیمائی" کی جگہ دیوان میں دو نسخے ہیں۔ ایک "بادہ نہ پیمائی" دوسرا "بادہ نپیمائی"۔ سوال غالباً یہ تھا کہ تینوں میں سے کون سا صحیح ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے "بادیہ پیمائی" کو درست قرار دیا۔

بنام مہر صاحب

(۳۷)

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم - آپ کے اخبار میں یہ شائع ہوا ہے کہ جموں کے حوادث کے متعلق بو پرسس رونما ہوئے تمام فوٹو لے لئے گئے ہیں - اس کے علاوہ سری نگر میں جو آتشبازی ہوئی اس کے فوٹو بھی میں نے سنا ہے موجود ہیں - کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے کسی دوست یا نامہ نگار کی معرفت تمام مذکورہ بالا فوٹو حاصل کر سکیں؟ یہ کام بڑا ضروری اور مفید ہے - اس کے لئے فوراً کوشش شروع کیجئے اور میرے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے سب کو حاصل کر لیجئے - آپ کا جہاز مکتوب ہو چکا یا نہیں؟ چودھری صاحب تو رہ گئے[۱] - والسلام!

محمد اقبال لاہور ۱۶ راگست ۳۱ء

بنام مہر صاحب

(۳۸)

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم - میں تو دہلی کے لئے تیار تھا اور راب علی بخش بستر وغیرہ بھی باندھ چکا تھا - خیال تھا کہ گوٹ کی تکلیف جو مجھے گذشتہ رات ہو گئی تھی - آج شام تک رفع ہو جائے گی - میں نے اس کا علاج بھی کیا مگر اب گر گابی پہنی تو تکلیف بڑھ گئی - اس واسطے میں دہلی نہ جا سکوں گا میری طرف سے ورکنگ کمیٹی کی خدمت میں نیز سیٹھ صاحب کی خدمت میں معذرت کر دیجئے[۲] - والسلام!

محمد اقبال لاہور - ۳ر جنوری ۳۳ء

---

[۱] علامہ مرحوم دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے عازم لندن ہونے والے تھے - اس سے پیشتر جموں اور کشمیر میں مسلمانوں کی طرف سے اپنے حقوق کی بازیافت کے لئے تحریک شروع ہو چکی تھی اور حکومت کشمیر نے مسلمانوں پر سخت ظلم کئے تھے - "حوادث" میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے - چونکہ میں بھی لندن جا رہا تھا اس لئے مرحوم نے استفسار فرمایا کہ جہاز میں نشست کا بندوبست کر لیا ہے یا نہیں چودھری صاحب سے یہاں بھی چودھری محمد حسین مرحوم مراد ہیں -

[۲] اس مکتوب میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی طرف اشارہ ہے جو دہلی میں منعقد ہونے والا تھا - میں بھی اس کا ممبر تھا اور ساتھ جانے والا تھا لہٰذا مجھے اطلاع دی کہ نقرس کی تکلیف شروع ہو جانے کے باعث میرا جانا مشکل ہے - سیٹھ صاحب سے مراد حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون مرحوم ہیں جنہوں نے علامہ مرحوم کو تشریف آوری کے لئے تاکیدی پیغام بھیجا تھا - مہر

بنام مہر صاحب

(۳۹)

ڈیر مہر صاحب!

میں تو آج وہاں جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا مگر جاوید کا بخار بدستور ہے۔ رات بھی اسے ایک سو پانچ
ڈاکٹر صاحب نے دیکھا ہے ان کو شبہ ہے کہ بخار میعادی ہے۔ پختہ پتہ کل صبح کے معائنے سے ہوگا۔ اس تشویش
میں میرے لئے سفر مشکل ہے۔ ڈاکٹر نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔ آپ میری طرف سے ہز ہائی نس کی خدمت میں معذرت
کے حکم کی تعمیل میں سفر کے لئے تیار تھا مگر مذکورہ بالا ناگہانی اتفاق کی وجہ سے رک گیا۔ زیادہ کیا عرض کروں بہت متشوش ہوں

محمد اقبال ۲۹ر فروری ۳۲ء

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۴۰)

مخدومی!

"یورپ میں دکنی مخطوطات" کا نسخہ جو آپ نے کمال عنایت مجھے مرحمت فرمایا ہے اس کے لئے نہایت
یہ کتاب اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسی مفید تالیفات کا سلسلہ جا
کامیاب ہوں گے۔ ابھی بہت سے مواد کا جمع ہونا اور بہت سی کتابوں کے صحیح ایڈیشنوں کا چھپنا باقی ہے تاکہ اردو کی
تاریخ مدون ہو سکے۔ آپ کا یہ کارنامہ قابلِ قدر ہے اور میں آپ کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارک باد دیتا ہوں۔ مخلص محمد اقبال۔

بنام مہر صاحب

(۴۱)

ڈیر مہر صاحب!

گذشتہ رات پنڈت موتی لال نہرو کا ایک تار میرے نام آیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ میں اس بیان پر دستخط کروں جو
اور جو آج کے "انقلاب" میں بھی شائع ہوا ہے۔ اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تار دیا گیا ہے:

mitted to joint statement already issued from Lahore. Sorry can-
now Sign another statement. Another Unity Conference essential
Sd. Md. Iqbal

محمد اقبال

ئے اس مکتوب میں "ہز ہائی نس" سے مراد اعلیٰ حضرت نواب حمید اللہ خان بہادر والیٔ بھوپال ہیں۔ بہت کم اصحاب کو معلوم ہوگا کہ کشمیر میں مسلمانوں نے جو تحریک
میں ایک مرتبہ مہاراجہ ہری سنگھ والیٔ کشمیر کی خواہش کے مطابق اعلیٰ حضرت نواب حمید اللہ خان والیٔ بھوپال مصالحت کرا دینے پر آمادہ ہو گئے تھے
[illegible] نے علامہ مرحوم کی وساطت سے گفتگو شروع کی تھی۔ چنانچہ حضرت مرحوم دو مرتبہ بھوپال تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت وہاں [illegible]
کے لئے [illegible] حضرت علامہ [illegible] کی علالت کے باعث جانا [illegible] اعلیٰ حضرت کی خدمت میں [illegible]

(۴۲)

بنام مولانا [illegible] خان صاحب

۵ جولائی [illegible]　　　(بصیغہ راز)

جناب مولانا!

السلام علیکم۔ مولانا شوکت علی تو اس وقت مفدمہ کی تیاری میں مصروف ہوں گے۔ آپ ان سے دریافت حالات کر کے اس خط کا جواب دیں۔ کچھ روز ہوئے میں نے ان کی خدمت میں لکھا تھا کہ ایک ہندو بزرگ مسٹر للّت کا خط میرے پاس آیا تھا، اس کا مضمون یہ تھا کہ "ٹھاکر صاحب مجھے ہماری اسکیم کو جو تم نے لیگ کی صدارتی ایڈریس میں پیش کی تھی تسلیم کرتے ہیں پنڈت مالوی سے بھی مشورہ کرنے کے لئے جا رہا ہوں وہ بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کی خاطر اس کو تسلیم کر لیں گے۔ گو اس وقت علانیہ طور پر اس اسکیم کو تسلیم کر لینا مصلحت نہیں ہے۔" یہ خط بصیغہ راز تھا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے مولانا شوکت علی صاحب سے بھی گفتگو کی ہے وہ بھی صلح پر آمادہ ہیں۔ اسکیم جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے یعنی شمالی ہندوستان کے مسلمان صوبوں کا ایک ہو جانا۔

اس خط کے موصول ہونے پر میں نے مولانا شوکت علی کو لکھا اور انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ مسٹر للّت ان سے ملے تھے میں نے مسٹر موصوف کو دو خط اس کے جواب میں لکھے تھے مگر یہ خط قریباً ایک ماہ کے بعد ڈیڈ لیٹر آفس کے ذریعہ سے میرے پاس آ گئے ہیں۔ پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ اس میں کوئی چال اور حیاری نہ ہو مگر اب خطوں کے واپس آ جانے سے یہ شبہ رفع ہوا۔ مسٹر للّت اب معلوم نہیں کہ کہاں ہیں اور مذکورہ بالا خط لکھنے سے ان کا کیا مقصد تھا۔ ممکن ہے مولانا شوکت علی اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں بعض لوگ مشورہ دے رہے ہیں کہ میرے خطوط کے واپس آ جانے کے بعد مسٹر للّت کے خط کو شائع کر دینا چاہئے۔ اگر ممکن ہو تو حالات دریافت کرنے کے بعد مجھ کو مطلع فرمائیں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

افسوس کہ بمبئی کے فسادات ختم ہونے میں نہیں آتے۔

مخلص محمد اقبال

(۴۳)

بنام مہر صاحب

ڈیر مہر صاحب!

کل مع الخیر میڈرڈ پہنچے۔ یہاں سے قرطبہ، غرناطہ وغیرہ جائیں گے ۶ فروری تک واپس پہنچنا ہے۔

آج یہاں کے وزیر تعلیم سے ملاقات ہوئی اور پروفیسر آسین سے جنہوں نے دانتے کی ڈیوائن کامیڈی اور اسلام پر کتاب لکھی ہے۔ صدر جمہوریہ سے غالباً ملاقات ہوگی۔ امید ہے سب طرح خیریت ہوگی۔

چودھری صاحب سے مضمون واحد۔

محمد اقبال

یہ مکتوب جیسا کہ اس کی عبارت سے ظاہر ہے ہسپانیہ کے دارالحکومت میڈرڈ سے بھیجا گیا تھا۔ ۱۹۳۳ء کے اواخر میں حضرت علامہ تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت [illegible]

بنام مہر صاحب

(۴۴)

پیرس

ڈیر مہر صاحب!

السلام علیکم۔ کل "انقلاب" کے بہت سے نمبر اقبال شیدائی صاحب[1] سے مل گئے جن کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ ہر چند کہ میں ہسپانیہ کے سفر سے واپس آیا۔ اب ۱۰ فروری کو وینس سے اطالوی جہاز کانٹے وردی پہ سوار ہو کر ۲۲ کی صبح کو انشاءاللہ بمبئی پہنچ جاؤں گا۔ ہسپانیہ میں جو کچھ دیکھا ایک خط کے ظرفِ تنگ میں کیونکر سما سکتا ہے؟

امید ہے آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ چودھری محمد حسین صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجئے اور گھر بھی خیر خیریت بھیج دیجئے۔

خان صاحب ذکاءاللہ[2] کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے۔ ان کے اعزا تک میری طرف سے تعزیت پہنچا دیجئے۔ مجھے ان میں سے کسی کا ایڈریس معلوم نہیں۔

سالک صاحب کس رنگ میں ہیں؟

محمد اقبال یکم فروری ۳۳ء

بنام مہر صاحب

(۴۵)

ڈیر مہر صاحب

یہ اس خط کی نقل ہے جو مسٹر آصف علی بیرسٹر دہلی نے ان حضرات کے نام لکھا تھا جن کے دستخط احیائے مسلم لیگ والے مینی فیسٹو پر تھے۔ آپ کے ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں۔ "ہمدم" کا ایڈیٹر اور مفتی اعظم کے متعلق جو نوٹ ہے اسے بھی پڑھ لیجئے۔

اس کے علاوہ اقبال شیدائی کا خط پیرس سے آیا ہے۔ وہ آپ سے متوقع ہے کہ ساہوکاروں اور سود کے متعلق چند مضامین لکھیں جو عام ہوں۔ ان میں پنجاب کے مسلمانوں کے قرضے کا بھی عام طور پر ذکر ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایسے مضامین مسلمانوں کے ہمدردی پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوں گے۔ والسلام!

محمد اقبال

---

[1] انگریزی دورِ حکومت کے مشہور انقلابی جو پیرس میں مقیم تھے۔ پاکستان بن جانے کے بعد وطن واپس آئے۔ آج کل کاروبار میں مشغول ہیں۔

[2] خان صاحب ذکاءالدین خان مرحوم ڈسٹرکٹ و سیشن جج جو ڈاکٹر صاحب کے دوست تھے۔

Kucha chelan
Delhi 15. Z. 33.
From - Mr. Asif Ali, Bar-at-Law,

The enclosed letter is a draft manifesto which speak for itself. There is every chance of resuscitating the League after a close examination of the possibilities of making the League representative organization. I can assure you that if we proceed in the manner suggested in the manifesto we can secure the objects we have in view. I am, therefore, requesting you to let me know by wire before the 29th April, 1933, if you agree with the manifesto or you may suggest any alterations.

It is proposed to issue the manifesto to the press on the 30th instt. and unless you suggest any -alteration or decline to be signatory you will be included among the signatories·

Further I request you to send in nominations to the council of the league to be put up before the councile see that all of them are reliable and energetic persons.

Further still I must request you to sed that those who are under notice to pay up arrears lest they are put along with other defaulters (who must be removed or struk off).

I am confident that if we enorl a large electorate of Rs.1/- member we can make the League really representative, I need hardly emphasize the necessity of reorganizing the League befor 1935. The future of muslim politics depend entirely on sound organizations and disorganized muslims will be a source of great wekness and the responsibilities of allowing-the interest of the community no less than this country to suffer, will be ours if we neglect our duty now.

Those who have used the League and other organizations for selfish and narrow ends of their tethervand must go it will be very serious to fail to be stirred now and step in to the field.

Please do you duty.

بنام منشی محمد الدین فوق

(۴۶)

ڈیر فوق صاحب!

مجھے معلوم نہیں لفظ سپرو کے معانی کشمیری زبان میں کیا ہیں۔ ممکن ہے اس کے معنی وہی ہوں جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں یعنی وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بڑھوں کی سی ذہانت دکھائے۔ البتہ کشمیری برہمنوں کی جو گوت سپرو ہے اس کے اصل کے متعلق جو کچھ میں نے اپنے والد مرحوم سے سنا تھا وہ عرض کرتا ہوں۔

جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا تو باہمہ کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف بوجہ قدامت پرستی یا اور وجوہ کے توجہ نہ کرتے تھے۔ اس قوم میں سے پہلے جس گروہ نے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومت اسلامی کا اعتماد حاصل کیا وہ سپرو کہلایا۔ اس لفظ کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے (یا جس نے سب سے پہلے پڑھنا شروع کیا) "سَپ" تقدم کے لئے کئی زبانوں میں آتا ہے اور "پرو" کا روٹ وہی ہے جو ہمارے مصدر "پڑھنا" کا ہے۔

والد مرحوم کہتے تھے کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو ازراہِ تعریض و تحقیر دیا تھا جنہوں نے قدیم رسوم تعلقات قومی و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان و علوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ نام ایک مستقل گوت ہو کر مشہور ہو گیا۔

دیوان ٹیک چند (ایم۔ اے) جو پنجاب میں کمشنر تھے، ان کو تحقیق لسان کا بڑا شوق تھا۔ ایک دفعہ انبالہ میں انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ شاپور سے ہے اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہو گئے اور اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

پنجاب میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی گھر مسلمان سپرو[1] خاندان کا نہیں ہے۔ اعجاز[2] کی شادی کے وقت اس امر کی جستجو کی گئی تھی مگر ناکامی ہوئی۔

محمد اقبال ۱۶ر جنوری ۱۹۳۴ء

بنام سرور عبدالحق صاحب

(۴۷)

مخدومی!

السلام علیکم۔ مزاج اقدس! آپ کی کانفرنس کے دو پروگرام دیکھنے میں آئے ہیں ایک انگریزی میں اور ایک اردو میں۔ انگریزی پروگرام کی رو سے اجلاس عام ۲۸ کو ہے اور اردو پروگرام میں ۲۹ کو بتلایا گیا ہے۔ آپ اگرچہ آج کل بے حد مصروف ہیں مگر اتنی تکلیف آپ کو دوں گا کہ مجھے آپ اطلاع دیں کہ کونسا پروگرام صحیح سمجھا جائے۔ نیز یہ کہ مشاعرہ کس تاریخ کو ہے؟

جواب بر تل تاجوری کے پتے پر ارسال فرمائیں کیونکہ کالج کل سے بند ہو رہا ہے۔ والسلام مع الاکرام!

مخلص محمد اقبال ۲۰ر دسمبر ۱۹۳۴ء

---

[1] علامہ اقبال بھی کشمیری برہمنوں کی سپرو گوت سے تعلق رکھتے تھے تفصیل کے لئے منشی محمد الدین فوق کی کتاب تاریخ اقوام کشمیر دیکھئے۔

[2] حضرت علامہ کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب۔

(۴۸)

بنام منشی محمد دین فوق

ڈیر فوق!

السلام علیکم۔ خط دستی ابھی موصول ہوا۔ کل گورکھپور سے حکیم برہم کا خط آیا تھا انہوں نے مجھ سے ۔۔ کا "ریاض الاخبار" ارسال کرنے کا وعدہ کیا ہے مگر ابھی پہنچا نہیں۔ اس پرچہ سے حضرت ریاض (خیر آبادی) کی رائے معلوم ہوگی۔ حکیم برہم لکھتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کے بہت مشکور ہیں۔ والسلام!

آپ کا اقبال!

اس انگریزی مضمون کا ترجمہ بھی انشاء اللہ ضرور شائع ہوگا۔ غالباً شیخ عبدالقادر صاحب کریں گے، کیونکہ انہوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ ایڈیٹر سول اینڈ ملٹری نیوز کا میری طرف سے شکریہ ادا کریں۔

آپ کا اقبال!

میں ایڈیٹر صاحب سول اینڈ ملٹری نیوز کا دل سے ممنون ہوں۔ جو رائے انہوں نے میرے ٹوٹے پھوٹے اشعار کی نسبت اپنے قیمتی اخبار میں ظاہر فرمائی ہے حقیقت میں میں اس کے قابل نہیں ؎

حق تو یوں ہے کہ وہ ہے سب شعرا سے بدتر
آپ اچھے ہیں جو کہتے ہیں جلال اچھا ہے

میں ایڈیٹر صاحب کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ اس انگریزی مضمون کا ترجمہ شیخ عبدالقادر صاحب ایڈیٹر مخزن کریں گے۔

اقبال

لفافہ پر: علی گڑھ منتھلی کا آخری نمبر ضرور دیکھیے۔ اس میں حسرت موہانی نے ایک ..... حملہ آپ پر کیا ہے۔

اقبال

(تاریخ ندارد)

---

(۴۹)

بنام سید مبارک شاہ صاحب جیلانی

جناب من!

السلام علیکم۔ افسوس ہے کہ میں آپ کے تعمیلِ ارشاد سے قاصر ہوں۔ مجھے فرصت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فرمائشی اشعار کیونکر لکھے جا سکتے ہیں۔

محمد اقبال!

سر عبدالقادر

(۱)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد صاحب

جناب کرم بندہ مولوی صاحب۔ السلام علیکم۔ پندرہ کاپی پراسپکٹس کی ارسال خدمت ہیں۔ انہیں کا پہلا کے ساتھ ابھی درخواست فارم سے کارڈ شامل نہیں کئے گئے۔ لیکن چونکہ آپ کی اخبار میں مخزن پر نوٹ لکھنے کے لئے پراسپکٹس کی ضرورت تھی، آپ کو فوراً جلد ہی روانہ کیا گیا ہے۔ آپ خود ملاحظہ فرما کر نوٹ لکھ دیجئے۔ اور بعد میں باقی ماندہ کاپیاں اپنے احباب میں تقسیم کرا دیجئے۔ تاکہ جو صاحب اٹاوہ میں خریداری کا قصد رکھتے ہوں ان کے کارڈ میرے نام جلد پہنچ جائیں۔ اور مجھے پہلا نمبر نکالنے سے پہلے قدرے اندازہ لگانے کا موقع ملے کہ مانگ کہاں تک ہوگی۔

لاہور ۲۸ر مارچ سنہ۱۹۰۱ء — بندہ عبدالقادر

---

(۲)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

میرے کرم فرما جناب خاں صاحب۔ السلام علیکم۔ کارڈ مورخہ ۲ مارچ اور لفافہ مورخہ ۴ مارچ پے در پے پہنچے۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ نہایت خوشی ہے کہ آپ بخیریت وطن پہنچ گئے۔ اب "باز آئی" کا مضمون انشاءاللہ اکتوبر میں چھپ جائے گا۔ اگر آپ کوئی نقش یہاں سے دل پر لے گئے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سے گہرا نقش آپ چھوڑ گئے ہیں۔ ایک دل پر نہیں بلکہ کئی دلوں پر۔ ہمارے میر نیرنگ صاحب نے اپنا ہے پہنچ کر خط لکھا ہے جس میں آپ سے تعارف ہو جانے کا تحدیث سے ذکر کیا ہے۔ اور یہاں کے احباب میں تو اکثر آپ کا ذکر خیر رہتا ہے۔ ابر دد سے کے منیجر صاحب کو لکھ بھیجا ہوں کہ وی پی جناب مزمل اللہ خاں صاحب کی خدمت میں بھیج دے۔ اور مخزن بھی علیحدہ پھرائے دیتا ہوں۔ آپ کی تقریر وطن کے اگلے پرچے میں شائع ہوگی۔ انہوں نے مولوی محبوب عالم صاحب سے لے لی تھی۔ اگر آپ کو بہت زیادہ کاپیاں درکار ہوں تو اخبار کی چند زائد کاپیاں چھپوا کر آپ کو بھجوائی جا سکتی ہیں۔ ورنہ وہاں سے کاغذ فارغ ہوتے ہی مطبع رفاہ عام میں دے دوں گا۔ اور ڈیڑھ سو کاپی حسب ایما چھپوا کر بھجوا دوں گا۔ قبر نور جہاں کے متعلق نظم کا منتظر ہوں۔ زیادہ شوق۔

۶ مارچ سنہ۱۹۰۲ء — بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

---

(۳)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

جناب کرم فرمائے بندہ خاں صاحب زاد عنایتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نظم مرسلہ پہنچی۔ واقعی تصویر عبرت ہے۔ آپ نے جو مضمون انتخاب کیا ہے وہ ایسا ہے کہ اس پر کوئی چاہے تو ایک کتاب لکھ دے۔ چند سطروں میں کیا لکھا جا سکتا ہے۔ مگر جتنا آپ نے لکھا ہے نہایت صاف اور پاکیزہ اور دل گداز ہے۔ اپریل کے پرچے میں آپ اس نظم کو دیکھیں گے۔ گویا مخزن کے نئے سال کی ابتدا میں آپ کی نظم چھپے گی۔ خدا کرے کہ سال بھر آپ کے کلام نظم و نثر سے فیض پہنچتا رہے۔ میں نے آپ کا ریویو پڑھا۔ اور پھر کئی دوستوں کو پڑھنے کے لئے دیا۔ یہی ثبوت پسندیدگی کا ہے۔ آپ نے حیات جاوید کی داد بھی خوب دی ہے اور اس پر تنقید بھی خوب لکھی ہے۔ حیات جاوید ایک ایسی کتاب ہے جس پر بہت سے ریویو نکلنے چاہئے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنی قسم کا یہ پہلا ہی نکلا ہے۔ اور یقین نہیں کہ اور بعد میں جلد نکلیں۔ مجھے افسوس ہے کہ مولوی غلام محمد صاحب کے سفر سے آپ نے اور قاضی شاہ سلیمان صاحب نے امرت سر کا قصد ملتوی کر دیا۔ آج میرے پاس خط آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے صاحبان آپ کے منتظر تھے۔ بہرحال پھر موقع بشرط خیریت آ جاتا ہے۔ منشی محبوب عالم صاحب اور شیخ محمد اقبال صاحب کو آپ کا سلام شوق پہنچا دیا تھا۔ وہ اسی شوق سے جواب سلام عرض کرنے کی فرمائش کرتے ہیں۔

۱۴ مارچ سنہ ۱۹۰۲ء　　　　بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

(۴)

بنام خان بہادر بشیر الدین احمد صاحب

جناب مکرم بندہ مولوی صاحب السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۷ اپریل ملا۔ اس سے پہلے بھی ایک خط آپ کا آیا تھا جس کے جواب میں بوجہ علالت تاخیر ہوئی۔ کوئی ماسٹر ایسا مجھے دستیاب نہیں ہوا جس کو آپ کے ہاں بھیج سکوں۔ متلاشی رہوں گا۔

جن لڑکوں کے سرٹیفکیٹ درکار ہیں۔ ان سب کے رول نمبر اور نام وغیرہ ٹھیک طور پر دریافت کر کے جلد لکھئے میں آپ کو سرٹیفکیٹ بھجوا دوں گا۔ سرٹیفکیٹ عرصہ سے تقسیم ہو چکے ہیں۔ یہاں قاعدہ یہ ہے کہ پرائیویٹ سٹوڈنٹ کی درخواست میں جب تک کسی ایسے شخص کے ذریعہ نہ آئے جن کو یونیورسٹی پہچانتی ہو عطائے سند کے لئے غور نہیں ہوتا۔

مخزن کا دوسرا سال شروع ہوا ہے اور پہلے میں کسی قدر حجم بڑھا دیا گیا ہے۔ اپریل کا پرچہ کل آپ کو بھیجا جائے گا۔ چند سطریں نوٹس کے لئے۔

لاہور ۲۳ اپریل سنہ ۱۹۰۲ء　　　　بندہ شیخ عبدالقادر

(۵)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

جناب مکرم بندہ خاں صاحب۔ السلام علیکم۔ گو عام عقل انسانی یہ تقاضا کرتی ہے کہ اگر کوئی ایک سال کے عرصے میں دو دفعہ پنجاب آ چکا ہو اور دو سفروں میں سے ایک دربار کی چپقلش کا سفر ہو تو اسے پھر تحریک سفر کرنا نادانی ہے مگر
اس دل کو کیا کروں کہ بہتا کہیں نہیں

آپ کا پچھلے سال جلسۂ انجمن کے موقع پر لاہور میں رونق افروز ہونا کچھ ایسا پسند آگیا ہے اور آپ کی آواز انجمن کے پلیٹ فارم پر پھر سننے کا اشتیاق ایسا ہے کہ وہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ آپ کو پھر بلاؤں۔ باوجودیکہ آج ہی سیکرٹری صاحب سے سن چکا ہوں کہ آپ نے عذر کر دیا ہے۔ میرا مطلب لکھنے سے یہ نہیں کہ آپ اپنے کاروبار دنیاوی چھوڑ کر جلسہ دیکھنے پر آ جائیں مگر اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی سخت ہرج یا نقصان کے بغیر آپ آسکیں اور صلی رکاوٹ صرف سہ بارہ سفر پنجاب کی تکالیف سے بچنے کی ہی ہو تو اپنے مشتاقانِ جمال کی خاطر اس کو بھی "بالائے غم ہائے دگر" گوارا کر لیجئے۔ اس درخواست میں اقبال اور میر نیرنگ بھی میرے ساتھ شریک ہیں۔ بلکہ حقیقت یوں ہے کہ میر صاحب کے ایک فقرے نے مجھے اس پُر عبارت درخواست کرنے پر آمادہ کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ اگر آپ کے خانصاحب سے لاہور میں ملاقات کرا دو تو جانیں۔ اب میں کچھ آپ کی طرح تسخیر کا عمل تو رکھتا نہیں کہ جسے اور جب چاہوں بلا لوں۔ یہی ہے کہ جذبِ دل آزما دیکھوں۔ سو یہ چند حروف لکھتا ہوں میں اکثر یہ دعا مانگا کرتا ہوں کہ خدا ہماری قوم میں ایسے اصحاب پیدا کر دے جو آسودہ حال ہوں اور کچھ کاروبار اور مشاغل رکھتے ہوں مگر فکرِ معیشت سے آزاد ہوں اور مشاغل علمی اور قومی کے لئے بہت سا وقت ان کے قابو اور اختیار میں ہو اور اس دعا کے وقت آپ جیسے حضرات کی تصویر سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر آپ کو بھی علائق کی مجبوری ایسے مواقع سے جیسے کہ جلسہ انجمن ہے، روک سے تو پھر امید کس کی طرف نظر اٹھائے۔

۶ فروری ۱۹۰۳ء　　بندہ شیخ عبدالقادر از لاہور

---

(۶)

<u>بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب</u>

میرے عنایت فرما جناب خانصاحب بہادر۔ السلام علیکم۔ کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے ہیں کہ وہ جو سال میں ایک آدھ دفعہ آپ سے ملاقات کے سامان ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ وہ موقع ہوتے تھے جن کا میں شوق سے منتظر رہا کرتا تھا کوئی دو تین سال کے لئے ان کی راہ مسدود ہو۔ اور میں یہ عرصہ ہندوستان سے باہر گزاروں۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی دو مہینے کے اندر سفر انگلستان کا عازم ہوں اور وہاں مقصد قیام تکمیل فن اخبار نویسی ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی اور چیز بھی حاصل کرنے کا موقع ہو جائے تو وہ بھی فتوحات بالائی میں سمجھ کر حاصل کر لی جائے گی۔ اس لئے اس عزم سے آپ کو مطلع کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ آپ ان چیدہ بزرگان قوم میں ہیں جن سے مجھے گو نیاز دیرینہ نہیں مگر تھوڑے ہی دنوں میں تعلق گہرا ہو گیا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ آپ سے خواستگار دعا ہوں کہ خدا مجھے اس کام میں برکت دے۔ اور توفیق عطا فرمائے۔ کہ واپس آکر پھر کچھ خدمت اس کے بندوں کی کر سکوں۔ آپ سے ایک دوستانہ التماس ہے کہ میری غیر حاضری میں آپ مخزن کے حال پر خاص نظرِ عنایت رکھیں۔ اس کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا ہے کہ یہ رسالہ میرے پیچھے چلتا رہے۔ ترتیب و اصلاح مضامین وغیرہ کا کام بدستور میں اپنے ہاتھوں میں رکھوں گا اور وہاں سے ایڈٹ کر کے بھیجتا رہوں گا۔ اور یہاں دفتر کا انتظام آگے سے عمدہ کر کے جاؤں گا۔ چھپائی کی تاریخوں کے انضباط کی بھی معقول صورت پبلشرز سے باضابطہ معاہدے کے فیصلے پیدا ہو گئی ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ چند خاص مربیاں رسالہ اس کے لئے خصوصیت سے ساعی رہیں۔ آپ سے ایک درخواست تو یہ ہے کہ آپ ہر مہینے نہیں تو ہر دوسرے مہینے ضرور ایک مضمون۔ نظم نہیں تو نثر ہی سہی۔ عطا

کیا کریں۔ مضمون نثر خواہ مختصر ہو مگر مخزن کے رنگ کا ہو۔ آپ نے آج تک نثر کا ایک مضمون نہیں دیا۔ اور دوسرے یہ کہ بھی کبھی جلسے بعض چیدہ مضمون نگاروں کو بذریعہ تقاضا کے بیدار کرتے ہیں۔ گو میں خود بھی اُن لوگوں سے پختہ وعدے کر جاؤں گا۔

۹ر جولائی ۱۹۰۳ء — نیازمند عبدالقادر۔ از لاہور

(۵)

بمولوی حبیب الرحمان صاحب

میرے عنایت فرما جناب خانصاحب۔ السلام علیکم۔ نہ آپ وداع عہد کیجیے نہ وداع یار۔ انجمن میں اگر آپ آئیں گے۔ تو انجمن کی رونق بڑھے گی میرا۔ ہاں بیٹھے دل شاد ہوگا۔ اور یہ مسرت کہ آپ اتنی دور سے کسی کے دل کا سرور ہو سکتے ہیں گو آنکھوں سے اوجھل ہوں۔ آپ کو تسلی بخشے گی اور وداع یا سامنے نہیں کہتے کہ امید لگی ہوئی ہے۔ کہ اب واپس آئیے۔ دو ڈھائی سال گزرتے کتنے دن لگتے ہیں اگر خدا نے چاہا تو پھر وہی جلسے ہوں گے۔ اور وہی لطف ملاقات۔ ہو سکا تو فن تقریر آپ کی خاطر ذرا باقاعدہ سیکھ آؤں گا۔ تاکہ فغاں میں تاثیر زیادہ ہو جائے۔ آپ دعا میں یاد فرمایا کیجیے گا۔ یہ میرے حق میں خاص دوستی ہوگی۔ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ انگلستان کی سیر اور وہاں کے قیام کا مجھ پر وہ اثر پڑے جس کی آپ نے آرزو ظاہر فرمائی ہے اور اگر کوئی بُرا اثر پڑتا ہو تو میں جا ہی نہ سکوں۔ مخزن کے متعلق جو تلطف آمیز وعدہ آپ نے فرمایا اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں میر صاحب اور اقبال کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات سے خط و کتابت چھیڑ دیجیے گا۔ خالی از دلچسپی نہ ہوگا اور ہمارا مطلب بھی نکل آئے گا۔ سید کاظم حبیب کنتوری، اورنگ آباد۔ میر علی محمد شاد آنریری مجسٹریٹ پٹنہ اور سید اکبر حسین صاحب جج ہیں سے غالباً آپ کی ملاقات ہوگی۔ کبھی مولانا شبلی سے کچھ لکھوانے کی کوشش کیجیے۔ مجھے تو انہوں نے ایک دفعہ جواب دے دیا تھا اس لیے میں متقاضی نہیں ہوا۔ مگر ع

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب

ان سب حضرات کو اس امر کی تاکید کیجیے گا کہ مضامین عام دلچسپی کے تلاش کریں۔ خالص اسلامی قومی رنگ مخزن میں بدقت کھپتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ نہیں کھپتا۔ اور اس کی اس پالیسی سے یہ فائدہ ہو رہا ہے کہ ہندو صاحبان کے ایک معقول تعداد اس کے ناظرین میں ہے اور اس طرح اردو سے کچھ دلچسپی رکھتی ہے۔ میں انشاءاللہ آپ کو ولایت سے خط لکھتا رہوں گا۔ غزل مرسلہ پہنچ گئی سبحان اللہ مقطع کیا لاجواب ہے۔ اور اس کا دوسرا مصرع تو غضب ہی ہے۔ شکریہ قبول فرمائیے۔

کیا یہ سچ ہے کہ ندوے میں بہت سی اندرونی دقتیں پڑی ہوئی ہیں؟ خدا کرے یہ گتھیاں سلجھ جائیں۔ اب کے مناسب مدراس میں تحریک بھد ہی ہے جو اندازہ میں نے اہل مدراس کی دینداری کا لگایا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ وہاں ندوہ کانفرنس سے کچھ بڑھ کر کامیاب ہوگا۔ قلق ہے کہ اب کے بمبئی کی کانفرنس نہ دیکھ سکوں گا۔ مزید آنکہ جو استفسار آپ نے مدراس کے بند دور فرمایا ہے اس میں ابھی تک مجھے تذبذب تھا مگر امید ہے کہ عنقریب آپ کو اطلاع دے سکوں گا۔ کہ انتظام خاطر خواہ ہو گیا ہے۔ ایک نظر محمد حیات صاحب پر ہے اور دوسری شیخ عبدالعزیز پر جو پہلے میرے نائب تھے اور اب کالج میں ہیں۔ ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔ دوسرے شاہ دین صاحب اس بارے میں خواجہ احمد شاہ صاحب سے خط کتابت کر رہے

ہیں۔ اس بات کی خاص احتیاط سوچی گئی ہے کہ اعتدالِ روش میں فرق نہ آئے۔ جو انگریزی ہماے ہاں پہلے تھا اس کی پھر دوبارہ قائم کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ میں اس بارے میں خصوصیت سے کوشش کر رہا ہوں کہ میری غیر حاضری میں اس کے کام میں کوئی ہرج نہ ہو۔ ممکن ہوا تو وہاں سے بھی کچھ اس کی خدمت کرتا رہوں گا۔

۱۲ر جولائی ۱۹۰۳ء — بندہ عبدالقادر از لاہور

(۸)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

پیارے خانصاحب بہادر۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ پہنچ کر کاشف حالات ہوا۔ آپ کے لئے یہاں آپ کے سب دوست اور ان سب میں نیاز مند بالخصوص برابر چشم براہ رہے۔ اور اس وقت تک اس مجبوری کو کوستے ہیں جس نے ہمیں اس موقع ملاقات سے محروم رکھا۔ تاہم دنیا میں علائق سے چھٹکارا نہیں کسی اور موقع کے منتظر رہیں گے۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور کاروبار میں کامیاب۔ میں علی گڑھ آرنلڈ صاحب کو رخصت کرنے ۲۵ر فروری کو گیا تھا۔ اس سفر کا ارادہ میں نے ان کی روانگی کے قریب ہوا اس لئے پہلے سے آپ کو خط لکھ نہیں لکھ سکا۔ مگر امید غالب تھی کہ آپ وہاں تشریف فرما ہوں گے کیونکہ قریب ٹرسٹی صاحبان کو اس موقع پر بلایا گیا تھا۔ میں نے جاتے ہی دریافت کیا تو کسی نے کہا کہ آپ اس سے شاید ایک دن پہلے تک نمائش میں تھے مگر پھر تشریف لے گئے۔ میں صرف دو روز وہاں ٹھہرا اور اس خیال سے کہ آپ ابھی گئے ہیں بلا بھیجنا مناسب نہ جانا۔ مجھے مسرت ہے کہ مضمون آپ کے پیش نظر ہے۔ مجھے ہر وقت اس کا منتظر سمجھئے۔

۱۱ر اپریل ۱۹۰۴ء — نیاز مند شیخ عبدالقادر از لاہور

(۹)

بنام مولوی بشیر الدین

THOMAS COOK & SON LUDGATE CIRCUS — لندن۔ بعزت

کرم و مشفق بندہ۔ السلام علیکم۔ آپ نے جن عنایت آمیز الفاظ میں مجھے یاد فرمایا ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کو خط لکھنے کا قصد رکھتا تھا مگر موقعہ نہ ملا۔ اب (کتا ہوا ہے پڑھا نہیں گیا) ارادے سے کئی دن آپ کے لئے خط لکھ رکھتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ خدا کے فضل سے آبزرور کے جاری رہنے کا عمدہ بندوبست ہو گیا ہے۔ گزشتہ سال میرے رک جانے کا یہی سبب تھا۔ اور اب تسلی ہو گئی تو چلا۔ آپ دیکھیں گے کہ اس میں بہ وجوہ بہ نسبت سابق رونق ہو گی نہ کہ کمی ٹائپ اب نیا آیا ہے۔ ترتیب مضامین میں کچھ جدت کی گئی ہے۔ ہمارے پرانے ایڈیٹر مسٹر والس سے مضامین میں مدد لی گئی ہے اور خدمت ایڈیٹری شیخ عبدالعزیز صاحب، بی اے کے سپرد ہوئی ہے جو پانچ سال میرے ساتھ اسسٹنٹ ایڈیٹری کا کام کر چکے ہیں اور پورا تجربہ اور قابلیت رکھتے ہیں۔ مجھ سے یہ اقرار ہوا ہے کہ میں ہفتہ وار ایک خط اور ایک مضمون آبزرور کے لئے لکھتا رہوں جس کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ کسی مختصر نوٹ میں اس امر کا تذکرہ کر دیں گے۔ تاکہ قدردانوں کو اطمینان ہو جائے۔

نیز آپ دیکھتے ہوں گے کہ مخزن کا کام بھی بخوبی چل رہا ہے اور اس پر بھی میری غیر حاضری کا کوئی معز اثر نہیں پڑا۔ بلکہ یہاں سے جو مضمون بھیجتا ہوں اور جو تصویریں چھپوانے کا انتظام ہوا ہے اس کے سبب کچھ خوبی بڑھ جائے

اس کو بھی کسی موقع پر داد دیجئے گا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین سے متعدد ملاقاتیں ہو چکی ہیں جن میں متعدد قومی امور کے متعلق مشورے ہوئے، خدا کرے ان کا کچھ نتیجہ ہو۔ وہ چند ضروری مضامین البشیر میں لکھیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ البشیر میری نظر سے گذرا کرے۔ آپ ایک کاپی مجھے بھی باقاعدہ بھجوا سکیں تو نہایت ممنون ہوں گا۔ اور گاہے بگاہے از لائقہ سے یاد فرماتے رہیں۔

۲۶ر جولائی سنہ ۱۹۰۴ء　　عبدالقادر

---

(۱۰)

بنام مولوی حبیب الرحمان صاحب

میرے کرم فرما جناب خانصاحب زاد لطفکم۔ السلام علیکم۔ آپ کو یہ تو بذریعہ اخبارات معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں آخر انگلستان آ پہنچا۔ خدا کا فضل سفر میں شامل حال رہا۔ اور یہاں آکر بھی اب تک نعمت صحت حاصل ہے اور کام بخوبی ہو رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ عجلت میں چلنے کے سبب صرف ایک افسوس رہ گیا کہ آپ حضرات سے وقت رخصت مل نہ ہو سکا۔ اچھا۔ یار زندہ صحبت باقی پھر انشاء اللہ کبھی ہم ہوں گے اور آپ۔ اور تصانیف کا جزدان کھلے گا۔ اور اس سے پیدہ چیدہ کلام سے بہرہ اندوز ہوں گا۔ اس خط کے لکھنے سے محض رسید منظور نہیں۔ یہ آپ کو پہلے سے معلوم ہے۔ دو مطلب ہیں۔ ایک سلسلۂ خط و کتابت جاری کرنا۔ آپ ضرور اوقات فرصت میں مجھے یاد فرمایا کیجئے۔ آپ کے خطوط سے مشرف ہونا مسرت خاص کا باعث ہوگا۔ اور جواب لکھنے میں مجھے راحت ملے گی۔ دوسرے میری غیر حاضری میں مخزن کی طرف خاص طور پر توجہ فرمانے اور مستقل قلمی امداد دینے کا جو وعدہ آپ نے گزشتہ اگست میں فرمایا تھا اس کی تجدید۔ سو میں جانتا ہوں کہ اس مختصر خط سے دونوں مطلب حاصل ہو جائیں گے اور دوبارہ یاد دہانی کی ضرورت نہ پڑے گی۔ میں نے آج نواب محسن الملک بہادر کو خط لکھا ہے کہ اگر وہاں کے اصحاب کی رائے ہو جائے کہ آرنلڈ صاحب کو پرنسپلی پر بلایا جائے تو وہ ہمیں کوئی باضابطہ قرار داد کر کے ارشاد فرمائیں کہ ہم تحریک کریں۔ ہمیں بہت امید کامیابی کی ہے۔ اگر آپ اس خیال کو پسند فرمائیں تو آپ بھی اس بارے میں ساعی ہوں۔ اردو اخبارات میں ندوہ کے متعلق بعض پریشان کن خبریں پڑھتا ہوں۔ معلوم نہیں کہاں تک درست ہیں آپ کچھ مطلع فرمائیں۔

۱۹ر اگست سنہ ۱۹۰۴ء　　نیازمند عبدالقادر از لندن

---

(۱۱)

بنام ڈاکٹر اقبال

پیارے اقبال۔ السلام علیکم۔ آپ کا محبت نامہ مرقومہ ۱۰ر اگست (ایبٹ آباد) ۲۹ر اگست کو ملا۔ میں دو خط سیالکوٹ کے پتے سے لکھ چکا ہوں امید کہ وہ آپ کو مل گئے ہوں گے۔ اگر آپ کے نقل و حرکت مکانی میں کوئی گم ہو گیا۔ تو افسوس ہوگا۔ اب یہ پھر سیالکوٹ ہی کو بھیجتا ہوں کیونکہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ ۵ر ستمبر کو سیالکوٹ جاویں گے۔ گڈ ذاک مس ہونے کی جو معذوریاں آپ نے لکھی ہیں وہ معقول ہیں۔ مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ آپ معذوری میں بھی کچھ لکھ ہی دیا کریں خواہ دو سطریں ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سے دو فائدے ہیں، ایک تو سلسلہ نہیں ٹوٹتا، دوسرے تسلی ہو جاتی ہے۔ اب دیکھئے پچھلے دنوں آپ کا خط نہ آیا تو مجھ سے بھی ایک آدھ ناغہ ہوا۔ آپ تکلیف تحریر کو نہ دیکھا کیجئے بلکہ یہ خیال کیا کیجئے کہ کس طرح ہم منتظر رہتے ہیں بیچ

تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

مشرقی کے مضمون کی تعریف کا شکریہ ادا کرتا ہوں - جیسا کہ آگے لکھ چکا ہوں - میرے لئے تو یہ بس ہے کہ آپ نے پسند کیا اس میں کئی اوروں کی تعریف آ گئی۔

ہاں - اگلے ستمبر کے صرف آپ ہی منتظر نہیں[1] - یہاں بھی کئی لوگ منتظر ہیں - اُن میں سب سے بڑھ کر میں ہوں اور پھر وہ جو میرے ذریعے مشتاق بنتے جاتے ہیں۔

آرنلڈ صاحب[2] سے اب میں اکثر ملتا رہتا ہوں - کیونکہ میری طبیعت نے اجازت نہ دی کہ اُن کی شاگردی سے محروم رہوں اور نہیں تو فرنچ ہی شروع کر دی ہے - کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی ہے - آپ کے آنے تک خوب واقف ہو جاؤں گا۔ اگر ایبٹ آباد میں لیکچر دیا ہے تو اس کا حال لکھئے گا[3] اور جہلم اگر اتریئے تو پوری کیفیت سے مشکور فرمایئے گا۔ مفصل خط اگلے ہفتہ انشاء اللہ لکھوں گا - اب ڈاک کا وقت قریب ہے اور ایک دو دوست ملاقات کے لئے تشریف لے آئے ہیں، اس لئے اسے مختصر کر دینا پڑا۔

لندن ۲ ستمبر سنہ ۱۹۰۷ء

بندہ عبدالقادر

---

(۱۴)

بنام مولانا عبدالعزیز

مکرمی مولانا عبدالعزیز صاحب سلامت باشد - السلام علیکم - یہاں جناب صاحبزادہ صاحب سے ملاقات ہوئی اور آپ کے متعلق گفتگو رہی - انشاء اللہ امید پڑتی ہے کہ عنقریب اس اسامی پر کسی کا تقرر ہوگا - جس کے لئے آپ نے کوشش کی تھی - اور اغلب ہے کہ آپ کے نام ہی قرعۂ فال نکلے - آپ کو اگر یہ خط مل جائے - تو براہ مہربانی بواپسی مطلع فرمائیں کہ اگر آپ کا تقرر ہو جائے تو آپ کب تک چارج لے سکیں گے۔

میرا خیال ہے کہ ان دنوں آپ وطن گئے ہوئے ہوں گے - مگر اب کالجوں کے کھلنے کا زمانہ قریب ہے خدا کرے کہ آپ آ گئے ہوں یا جلد آنے والے ہوں اور میرا خط آپ کو لاہور میں مل جائے۔ زیادہ خیریت

شملہ ۱۸ ستمبر سنہ ۲۵ء

راقم عبدالقادر

---

(۱۴)

بنام سید ہمایوں مرزا بیرسٹر

امید منزل خیرت آباد - کرم فرمائے بندہ دام لطفکم - السلام علیکم - عنایت نامہ ملا - میں آج صبح حاضر ہوا - اور کل شام جا رہا ہوں - اس اثنا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد تھا - اب آپ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ آپ

---

[1] یہ اس دور کا مکتوب ہے - جب سر عبدالقادر مرحوم ولایت جا چکے تھے اور حضرت علامہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے - چنانچہ وہ اگست سنہ ۱۹۰۵ء میں ولایت روانہ ہو گئے اور ستمبر میں پہنچے۔

[2] حضرت علامہ مرحوم کے محبوب استاد، جن کے متعلق ایک نظم بھی "بانگ درا" میں موجود ہے۔

[3] یہ لیکچر انگریزی میں تھا اور اسی زمانے میں چھپ گیا تھا - بعد ازاں اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا تھا - جس کا عنوان تھا "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر"۔

تشریف لاتے ہیں۔ زہے نصیب۔ اگر آپ آج ۲ بجے تشریف لا سکیں تو ملاقات سے مجھے نہایت مسرت حاصل ہوگی ورنہ کل صبح ۸ اور ۹ کے درمیان میں مکان پر ہوں گا۔ اس کے بعد چکر میں ہوں۔ اگر ان وقتوں میں سے کوئی آپ کے لئے موافق نہ ہوا تو میں کسی وقت موقع نکال کر پہنچوں گا۔

میری طرف سے بہن صاحبہ یعنی بیگم صاحبہ ہمایوں مرزا صاحب کی خدمت میں بعد سلام یہ عرض ہے کہ لیڈی عبدالقادر نے انہیں بہت بہت سلام کہلا بھیجا ہے۔ مگر بعض کام شدنی ایسے درپیش تھے کہ وہ میرے ہمراہ نہیں آ سکیں۔ خدا پھر کوئی موقع لائے۔ والسلام

۳۰ر دسمبر ۲۷ء — راقم عبدالقادر

(۱۴)

بنام ڈاکٹر زور صاحب

۷ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی سید صاحب زاد لطفکم۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ ۲۷ راگست ملا۔ زور کے زور[1] کا پیغام بہت دلچسپ ہے۔ بچے کو میری طرف سے دعا پہنچا دیں۔ اور کہئے کہ مجھے معلوم ہوتا کہ وہ میرے ساتھ سات تک جانے کو تیار ہے تو میں ساتھ لے جاتا۔ مگر وہ اکیلے واپس کیسے آتا۔ دیکھئے کیا جاتا ہے۔

آپ سے مل کر اور آپ کی جماعت کا کام دیکھ کر دل خوش ہوا۔ میں ایک خط نواب مہدی یار جنگ صاحب کو لکھنے کو ہوں۔ اس میں آپ کی جماعت کے کام کا ذکر مناسب الفاظ میں کروں گا۔ اور ان کو توجہ دلاؤں گا۔ سب احباب کو سلام شوق کہہ دیں۔

میں ۵ ارکی صبح کو یہاں پہنچا اور اس وقت سے برابر مصروف ہوں۔ اور احباب بکثرت ملنے کو آ رہے ہیں۔ ہر چند کہ تعطیلات کی وجہ سے ایک کثیر تعداد لاہور سے باہر گئی ہوئی ہے۔

فوٹو کا گروپ جو آپ نے ارسال فرمایا۔ اس کا شکریہ قبول فرمائیے۔ فوٹو اچھا نکلا ہے۔

۳۱ راگست ۳۹ء — آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۱۵)

بنام ڈاکٹر زور

لائل پور۔ مکرمی جناب زور صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مرقومہ یکم ستمبر ملا۔ ممنون ہوں۔ آپ کے پہلے خط کا جواب میں نے لاہور سے بھیج دیا تھا۔ اور اسی دن نواب مہدی یار جنگ بہادر کی توجہ ادارۂ ادبیات اردو کی طرف دلائی تھی۔ امید ہے وہ خط ان کو مل گیا ہوگا۔ میں چند روز کے لئے یہاں آیا ہوں۔ اگر خط لکھیں تو لاہور کے پتے سے ہی لکھیں۔ میں عنقریب شملہ جانے والا ہوں۔

آج ایک گرامی نامہ رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری صاحب کا آیا تھا۔ جس میں انہوں نے آپ کے ادارہ کے مفید کام کا اعتراف کیا تھا۔ خدا کرے آپ کو ہر دو حضرات ممدوح کی توجہ سے ادارہ کی ترقی کے لئے مدد ملے۔ گو آج کل جو حالات ہیں۔ وہ چنداں مساعد نہیں۔ بہرحال یہ غنیمت ہے کہ آپ اور آپ کے رفقا اپنے محدود وسائل کے

[1] میرا لڑکا سید شاہ تقی الدین قادری سجادہ نشین۔ (زور)

باوجود ہمہ تن اس کی ترقی میں کوشاں ہیں۔

آپ نے جو مضمون اردو سے متعلق اپنے مجوزہ ارمغان کے لئے طلب کیا ہے اس کے لکھنے کی کوشش کروں گا۔ مگر وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے ان دنوں بہت کم فرصت رہتی ہے۔ یہ بتائیے کہ دیر سے دیر کب تک مضمون آپ کو پہنچ جانا چاہیئے۔ مخزن کے بعد میں نے جو مضامین اردو میں لکھے۔ انہیں اگر آپ جمع کر کے چھاپنا چاہتے ہیں تو ان کا پتہ بتانے میں آپ کی مدد کرنے کو میں تیار ہوں۔ صرف یہ بتا دیجئے کہ اس زمانے میں کئی دیباچے مصنفین کے اصرار پر ان کی کتابوں کے لئے لکھے گئے۔ ایک سے ایک کا رنگ الگ ہے۔ مثلاً سر اقبال مرحوم کے اردو کلیات کا دیباچہ، حفیظ صاحب جالندھری کے شاہ نامے کا دیباچہ، منشی سکھ دیو سنہا بسمل الٰہ آبادی کے دیوان کا دیباچہ، مسٹر تلوک چند محروم کے دیوان کا دیباچہ۔ اگر آپ ان کو شامل کرنا پسند کریں گے تو مجموعہ خاصہ بڑا ہو جائے گا۔ ورنہ بعض رسائل کے مضامین ہی ہیں اور بعض ان میں سے دیرپا بھی ہیں۔

آپ کے ہاں کے گروپ کا فوٹو آپ نے بھیجا تھا۔ اس کی رسید دے چکا ہوں آج جو پرانا گروپ آپ نے نام لکھنے کے لئے بھیجا ہے اس پر جو نام یاد آئے ہیں۔ میں نے لکھ دیئے ہیں وہ آپ چھاپ لیں۔ باقی لوگوں میں سے جن کو شکل سے پہچانتا ہوں مگر نام یاد نہیں آتے وہ گروپ واپس ارسال خدمت ہے۔

صرف نواب محسن الملک اور وقار الملک مرحوم اور دیگر ایسے حضرات کے نام میں نے نیچے نہیں لکھے کیونکہ انہیں آپ خود پہچانتے ہیں۔ وہ نام آپ خود لکھ لیجئے۔

۷ ستمبر ۱۹۳۹ء   آپ کا مخلص عبدالقادر

(۱۶)

بنام ڈاکٹر زور

مکرمی جناب زور صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ لاہور سے ہوتا ہوا مجھے یہاں ملا۔ میں ۸ ستمبر سے یہاں ہوں اور ۲۱ کو انشاء اللہ لاہور واپس جاؤں گا۔

آپ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اب میرے مضامین اور مقدمے الگ چھاپے جائیں۔ میرے خیال میں مضامین تو اتنے نہ ہوں گے کہ ایک علیحدہ معقول جلد ان سے مرتب ہو سکے۔ اس لئے دونو کو یکجا چھاپنا بہتر ہوگا۔ افسوس کہ میرے پاس کوئی یادداشت موجود نہیں جس سے معلوم ہو کہ مضامین کہاں کہاں چھپے۔ حافظے سے جو پتے اس وقت یاد ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

۱۔ حال میں جو تین چار مضمون انیس نسواں کے لئے لکھے۔

۲۔ ۱۹۲۸ء ایک مضمون ادبی دنیا لاہور میں چھپا۔ شاید لندن میں اردو۔ عنوان تھا۔ ۱۹۳۹ء میں ایک مضمون لندن کے عنوان سے ادبی دنیا میں چھپا۔

۳۔ غالباً ۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۲ء میں ایک مضمون مسولینی کے متعلق نیرنگ خیال لاہور میں چھپا۔ اور جو یاد آئیں گے آگے بتاؤں گا۔

انیس نسواں کے مضامین کے لئے میں نے شیخ محمد اکرام صاحب کو لکھا ہے وہ اپنے سب پرچے جو تاحال چھپے ہیں آپ کے پاس بھیج دیں بلکہ ان کو صلاح دی ہے کہ وہ انیس نسواں کا تبادلہ سب رسس سے مستقل طور پر (ARRANGE) کرلیں۔ ادبی دنیا اور نیرنگ خیال کے مضامین لاہور جانے کے بعد آپ کو بھجوانے کی کوشش کروں گا۔ ایک مضمون مخزن میں اس زمانے میں شائع ہوا تھا۔ جب اس کا دور ثانی یا ثالث تھا اور میں اس کا ایڈیٹر تھا۔ وہ سر اقبال مرحوم کی رموزِ بیخودی پر تھا۔ وہ انتخاب مخزن حصہ سوم میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کی ایک جلد اگر مل گئی تو وہ بھی آپ کو بھیج دونگا۔ اورینٹل کانفرنس کی بابت جو آخری فیصلہ ہو اس سے مطلع کیجئے گا۔ رمضان کے لئے مضمون لکھنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن یقینی وعدہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ابھی میں سفروں کی مصروفیات میں ہوں۔ اور خط لکھنے کے لئے بھی مشکل سے وقت نکلتا ہے۔ تا بہ مضمون چہ رسد۔

"مضامین عبدالقادر" یا "مقدمات عبدالقادر" کچھ بہت اچھا نام آپ کی مجوزہ کتاب کے لئے نہیں ہے۔ جب آپ اس کام کو شروع کریں گے تو کچھ اور نام سوچنا ہوگا۔ زیادہ خیریت۔ جواب اگر لکھیں تو لاہور کے پتے سے لکھیں

شملہ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء

آپ کا مخلص عبدالقادر

(۱۷)

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر

مکرم بندہ جناب سید ہمایوں مرزا صاحب سلامت باشند۔ السلام علیکم۔ آج اورینٹل کانفرنس کا افتتاح ہے۔ اچھی رونق کا موقع ہوگا۔ اگر آپ پچھلے پہر فارغ ہوں اور اس میں تشریف لانا چاہیں تو اس کے لئے ایک ٹکٹ ارسال خدمت کرتا ہوں۔ تشریف لائیے گا۔ نیز لیڈی عبدالقادر کی طرف سے بیگم صاحبہ[1] کی خدمت میں یہ پیغام دے دیں کہ وہاں ایک نشست گاہ پردہ دار خواتین کے لئے بھی رکھی گئی ہے۔ اگر بیگم صاحبہ اس اجلاس کو دیکھنا چاہیں تو لیڈی عبدالقادر کے پاس پونے پانچ تک پہنچ جائیں۔ یا انہیں اطلاع دیں کہ وہ پونے پانچ بجے ان کو ہمراہ لے لیں۔ اس صورت میں وہ پونے پانچ سے پہلے تیار رہیں۔ نیز بیگم حمید علی صاحبہ سے بھی پوچھ لیں۔ وہ اگر چلنا چاہیں تو وہ بھی چلیں۔ جواب سے ممنون فرمادیں۔ کہ بیگم صاحبہ اگر جانے کو تیار ہیں تو آیا وہ ادھر آئیں گی یا لیڈی عبدالقادر ادھر آئیں۔ بیگم صاحبہ کو وہ خود خط لکھنے کو تھیں لیکن چونکہ میں آپ کو خط لکھ رہا تھا۔ انہوں نے اسی میں اپنا پیغام بھیج دیا ہے۔ والسلام۔

لاہور۔ ۱۹ رنومبر ۱۹۳۲ء

راقم عبدالقادر

(۱۸)

بنام ڈاکٹر زور

نئی دہلی۔ ۷ کنگ ایڈورڈ روڈ۔ مکرمی جناب محی الدین زور صاحب تسلیم۔ آپ کے عنایت ناموں کا جواب میرے ذمے ہے۔ تاخیر کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے چونکہ اکتوبر میں دفعتاً یہاں آجانا پڑا اور یہاں اگر غیر معمولی مصروفیت رہی اور درمیان میں کچھ زکام وغیرہ کی تکلیف سے کچھ دن علیل رہا۔ اس لئے خط نہ لکھ سکا۔ میں نے آپ کو مضامین

[1] صغریٰ بیگم ہمایوں مرزا۔

اور دیباچہ بھجوانے کی تحریک اس اثنا میں بھی جاری رکھی۔ منشی تلوک چند صاحب محروم کے دیوان کا دیباچہ میں نے لکھا تھا۔ ان سے میں نے کہا تھا کہ آپ کو وہ اپنا دیوان بھجوا دیں۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ لکھیئے کہ پہنچا یا نہیں۔ اگر نہ پہنچا ہو تو انہیں یاد دہانی کی جائے۔

حضرت حفیظ جالندھری کے شاہ نامے کی دونوں جلدوں کے دیباچے میں نے لکھے تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ عنقریب حیدرآباد جائیں گے تو دونوں جلدیں آپ کو دیں گے۔ اور جو مضامین مل سکیں گے آپ کو بھجواؤں گا۔ یا پرچہ

مسٹر عزیز احمد صاحب ایک دن ملے تھے ان سے معلوم ہوا کہ آپ کے ادارے کو پانچ سو روپیہ وزارت تعلیمات سے ملا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو موجب مسرت و تشکر ہے۔ چند روز ہوئے خواجہ حمید الدین صاحب مہتمم مدیر "سب رس" کا کارڈ آیا تھا۔ کہ جنوری ۱۹۴۰ء کے سب رس کے لئے کوئی مضمون بھیجوں۔ مگر میں نہایت متاسف ہوں کہ یہاں کے کام کے ساتھ مضمون نگاری کے لئے وقت نہیں نکال سکتا۔ پھر کبھی کچھ لکھ سکوں تو اور بات ہے۔ یہاں کا عارضی کام جلد ختم ہونے کو ہے اور میں اواخر ماہ حال میں لاہور جاؤں گا۔ وہاں کی خط و کتابت کے لئے وہی پہلا پتہ ہوگا۔ والسلام

۴ دسمبر ۱۹۳۹ء — آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۱۹)

<u>بنام ڈاکٹر زور</u>

کنگ ایڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی۔ مکرمی ڈاکٹر زور صاحب تسلیم۔ عنایت نامہ پہنچا۔ دیوان محروم آپ کے پاس پہنچ گیا۔ خوب ہوا۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے تو کہا تھا انیس نسواں کے پچھلے پرچے بھیج رہے ہیں۔ اب انہیں دوبارہ یاد دہانی کر دی جائے گی۔ اسی طرح حفیظ صاحب کو بھی۔ حفیظ صاحب یہاں آئے تھے۔ آپ کے مجوزہ مجموعے کا نام وہ "مضامین شیخ" یا "مضامین سر شیخ" تجویز کرتے تھے۔

آپ کا ایک خط مجھے نہیں ملا۔ اسی میں غالباً (۵۰۰) روپے سرکار سے ملنے کا ذکر تھا۔

آپ اگر اردو کانفرنس کے لئے دہلی آتے تو آپ کی ملاقات سے بہت مسرت ہوگی۔ میں تو یہاں کے کام سے فارغ ہو کر عنقریب لاہور جانے کو ہوں۔ ۲۱ دسمبر کے بعد جو خط مجھے لکھیں اس پر لاہور کا پتہ درج کیجئے۔ کانفرنس کے متعلق میرا ارادہ ہے کہ میں لاہور جا کر اس جلسے کے لئے پھر دہلی آؤں گا اور ۲۸ سے ۳۰ تک مولوی عبدالحق صاحب کے ہاں مقیم ہوں گا۔ زیادہ خیریت

۱۷ دسمبر ۱۹۳۱ء — آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۲۰)

<u>بنام ڈاکٹر زور</u>

۴۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی ڈاکٹر زور صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ پہلی اور دوسری جنوری کے لئے لاہور آ رہے ہیں۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔ مجھے یہ بڑا افسوس رہا ہے کہ کانفرنس کے جلسے میں بوجہ ناسازی طبع شریک نہیں ہو سکا۔

آپ اگر ۱۲ دسمبر کو دہلی سے روانہ ہونے کو ہیں تو مجھے مندرجہ بالا پتہ پر بذریعہ تار اطلاع دے دیں کہ آپ کس گاڑی سے آ رہے ہیں۔ ایک کا نام فرنٹیر میل ہے جو دہلی سے ۹ بجکر ۲۰ منٹ پر چلتی ہے۔ اور دوسری بھٹنڈہ اور فیروز پور کے راستے چند منٹ بعد چلتی ہے۔ چونکہ یہ دونوں گاڑیاں دو مختلف پلیٹ فارموں پر آتی ہیں اس لئے یہ اطلاع ضروری ہے تاکہ میں کسی کو سٹیشن پر بھیج سکوں۔ اگر یہ اطلاع نہ دے سکیں تو باہر نکل کر یہ پتہ کسی ٹیکسی یا تانگہ والے کو بتا دیجئے۔ وہ آپ کو بہ آسانی لے آئے گا۔ امید کہ آپ یہ دو روز میرے پاس ٹھہریں گے۔ زیادہ خیریت

۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۱)

بنام ڈاکٹر نذیر

۴۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی ڈاکٹر نذیر صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۴ مارچ ملا۔ میں نے اکرام صاحب کو تاکید لکھی ہے کہ وہ اپنا رسالہ آپ کے پاس برابر بھیجتے رہیں۔

سب رس مجھے برابر ملتا ہے۔ خوب ہے۔ میں ابھی ان دنوں میں کوئی مضمون نہیں لکھ سکتا۔ کیونکہ بعض پہلے وعدے ابھی پورے نہیں کر سکا۔ لیکن جب کوئی چیز خیال میں آئے گی تو لکھوں گا۔

لاہور کے بعض رسالے جو اچھا کاغذ بدستور لگا رہے ہیں صرف اپنے استقلال کا نمونہ دکھا رہے ہیں ورنہ سب گرانی کے شاکی ہیں۔

امید کہ آپ بہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔ آپ کو مسٹر کے۔ اے حمید صاحب کی کتاب "انا ناٹ" مل گئی ہوگی اس میں میرا دیباچہ ہے۔ آپ کو کو نسلے اور دو دیباچوں کا پتہ چلا ہے۔

۸ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۲)

بنام صوفی غیرت قادری

مکرمی جناب صوفی محمد شریف صاحب غیرت قادری۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا خط اور مسودہ کتاب شاہنامہ حکیم نذیر احمد صاحب[1] کے آئے۔ مسودہ میں نے سنبھال لیا ہے۔ انشاء اللہ آہستہ آہستہ اسے پڑھتا رہوں گا۔ اور جب موقع ملے گا تو آپ کے ارشاد کی تعمیل کرونگا۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ ۱۱ اکتوبر کے بعد تشریف لا سکتے ہیں۔ اگلا یا ۱۲ کو عید ہو جائے تو ۱۳ اکتوبر کو تشریف لائیں۔ میں ۱۳ تک یہاں ہوں۔ ۱۳ کی شام کو واپسی کا ارادہ ہے۔ مل کر مسرت ہوگی۔ لیکن آپ محض تاکید کے لئے تکلیف سفر نہ کریں۔ جب میں لکھنے کے کام سے فارغ ہوں گا تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ آپ مل بھی لیں گے اور اپنی کتاب بھی لے جائیں گے۔ زیادہ خیریت۔

۷ اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء آپ کا مخلص اور طالب دعا عبدالقادر

(۲۳)

بنام صوفی غیرت قادری

بہاولپور۔ مکرمی جناب صوفی محمد شریف صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مرقومہ یکم مارچ ملا۔ میں آپ

[1] حکیم نذیر احمد کیف صاحب (غیرت قادری)

کی کتاب کو پڑھ چکا ہوں اور جا بجا سے کچھ انتخاب بھی کیا ہے۔ میں انشاء اللہ جس وقت فرصت ملتی ہے ایک مختصر سا دیباچہ یا تعارف لکھ کر بھیجوں گا۔

ہمارے دوست راجہ عنایت اللہ خاں صاحب کے بے وقت انتقال کی خبر سے از حد ملال ہوا۔ خدا مرحوم کو جنت نصیب کرے اور پس ماندگان کو توفیق صبر دے۔ آپ سے انہیں دلی محبت تھی۔ اس لئے آپ کو ان کی جدائی کا رنج ہونا ضروری ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ سن کر کہ آپ علیل رہے ہیں افسوس ہوا مگر شکر ہے کہ اب آپ کو خدا نے صحت بخشی ہے۔

میں جلد تو لاہور آنے کا ٹھیرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ جب دو چار دن کے قیام کی صورت نظر آئے گی تو آپ کو لکھ بھیجوں گا۔ والسلام

۳ مارچ سنہ ۱۹۴۳ء　　　　آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۴)

<u>بنام بشیر النساء بیگم صاحبہ بشیر</u>

عزیزہ من بشیر النساء بیگم صاحبہ تسلیمات۔ میں اور لیڈی عبدالقادر صاحبہ جب سے حیدر آباد سے واپس آئے ارادہ کرتے رہے کہ آپ کو اور آپ کے شوہر جناب ضامن علی صاحب کو خط لکھیں اور جو توجہ آپ دونوں نے ہمارے قیام حیدر آباد کے دوران میں ہمارے حال پر رکھی اس کا شاکرانہ اعتراف کریں مگر اتفاقات ایسے پیش آئے کہ نہ ہو سکا۔

ہم اورنگ آباد ہوتے ہوئے یکم کو دکن سے نکلے اور تیسری اگست کو لاہور پہنچے حیدر آباد سے جاتے وقت یہ افسوس رہا کہ آپ مہمان خانۂ سرکاری پر ہمیں ملنے آئیں اور ہم نہ تھے۔ جو کتابیں اور غیر مطبوعہ نظمیں آپ دے گئیں وہ مل گئیں۔ پھولوں کے خوبصورت ہار جو آپ نے ہمیں دئے تھے جب ہم آپ کے ہاں چائے پر گئے' بہت سا راستہ ہمارے رفیق سفر رہے۔ اور آپ کی علم دوستی اور ذوق ادب کی یاد دلاتے رہے۔ میں لاہور سے روانہ ہو کر ۵ اگست کو یہاں پہنچا مگر آتے ہی مجھے بخار ہو گیا۔ لیڈی بیماری کی خبر سن کر لیڈی صاحبہ لاہور سے یہاں آئیں اور چند دن تیمارداری میں مصروف رہیں۔ پھر وہ بیمار ہو گئیں اور مجھ سے زیادہ تکلیف میں رہیں۔ اب ہم دونوں 'بفضل خدا شفا پا چکے ہیں' اس لئے آپ کو خط لکھنے کا رہا ہوا کام یاد آیا۔ آپ کے ادبی مذاق اور خاص کر سر اقبال مرحوم سے والہانہ عقیدت سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ اور آپ کے شوہر کے اخلاق سے (اور جس شوق سے وہ آپ کی ادبی کوششوں کی اشاعت اور تربیت کے لئے کوشاں رہتے ہیں) بھی ہم بیحد متاثر ہوئے۔ خدا آپ دونوں کو ان ادبی خدمات کے لئے سلامت رکھے۔ اور آپ کے ذوق علمی میں اور ترقی دے۔

آپ نے جو جلدیں رسالہ سب رس کی لیڈی صاحبہ کو پڑھنے کو دی تھیں وہ ان کے زیر مطالعہ رہی ہیں۔ اور آپ کے مضامین کو انہوں نے بہت پسند کیا۔ وہ خود علاحدہ خط لکھنے کی اس وقت معافی چاہتی ہیں۔ کیونکہ ایک مختصر سے سفر کے لئے جو ہمیں پھر درپیش ہے اس وقت وہ تیاری کر رہی ہیں۔ اور آپ کے شکریے میں اور آپ

کو دعا بھیجنے میں میرے ساتھ شریک ہیں۔ آپ دونوں کو ہم دونوں کا سلام۔ آپ لوگ کبھی لاہور آئیں تو مجھے اور انہیں ملیں۔ والسلام

۲۹ اگست ۱۹۴۳ء — آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۲۵)

ا صادق صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

شملہ

مکرمی جناب سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط مورخہ ۹ ستمبر لاہور سے ہوتا ہوا کل یہاں ملا۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس میں تین نظمیں ملفوف ہیں۔ مجھے بہت پسند آئیں۔ انشاء اللہ انہیں اپنے چند الفاظ کے ساتھ بعض رسائل کو بھیج دوں گا۔

آپ نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے ایک خط آپ بھیج چکے ہیں "جس میں زیادہ کاغذات کی گنجائش نہ تھی"۔ وہ خط مجھ تک نہیں پہنچا۔ آیا کہیں ڈاک میں ادھر ادھر ہو گیا یا لاہور والوں نے پتہ بدل کر نہ روانہ کیا۔ درمیان میں ایک مرتبہ یہ ہوا کہ میری ڈاک جو لاہور میں تھی ایک شخص کے ہاتھ دستی یہاں بھیجی گئی اور اس کا سامان جس میں میرے کاغذ بھی تھے، ریل میں چوری ہو گیا۔ اگر آپ کا خط کہیں ان کاغذوں کے ساتھ گم ہو گیا ہے تو افسوس ہے۔ آپ یہ لکھئے کہ وہ خط کس مضمون کا تھا۔ اگر اس میں بھی کچھ نظمیں تھیں تو کسی وقت تکلیف فرما کر ان کی نقلیں دوبارہ بھیج دیجئے۔ اگر اس میں کوئی اور مضمون تھا تو اسے پھر اپنے خط میں دہرائیے۔

امید کہ آپ ہر طرح سے بخیریت ہوں گے اور کوئٹہ میں آپ کے وجہ سے علمی مجالس میں وہی گرمی ہو گی جو میں نے ۴۲ء میں دیکھی تھی۔

اس سال ہم ۱۰ مئی سے یہاں آ گئے تھے اور یہ مہینہ یہاں ختم کر کے اکتوبر کی کسی تاریخ میں لاہور واپس جانے کا قصد ہے۔

والسلام — ۱۶ ستمبر ۴۶ء — آپ کا مخلص عبدالقادر

(۲۶)

آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

شملہ

مکرمی جناب سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۸ ستمبر ملا۔ ممنون ہوا۔ جو خط گم ہو گیا تھا، اس کا مضمون معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنا کلام جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کے لئے "صبح صادق" نام تجویز کیا ہے۔ آپ کے تخلص کے لحاظ سے موزوں نام ہے۔ مزید شائع کیجئے آپ از راہ لطف اس مجموعہ کو میرے نام معنون کرنا چاہتے ہیں، اس خیال کے لئے آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں، اگر میں اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا۔ لیکن اسے آپ کی رائے پر چھوڑتا ہوں۔

آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ آپ کے مجموعہ کلام پر کچھ خامہ فرسائی کروں۔ اس کے لئے میں پورا مسودہ دیکھنا پسند کروں گا۔ اگر مسودہ بھیجیں تو رجسٹری شدہ پارسل ہو۔

میں انشاء اللہ ۱۰ اکتوبر تک لاہور واپس جاؤں گا۔ اس کے بعد خط و کتابت ہو وہ وہاں کے پتہ سے ہو۔

والسلام

۳۰ ستمبر ۱۹۲۶ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۲۷)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۴ ٹمپل روڈ لاہور

مکرمی آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کے اشعار کا مجموعہ مجھے ۴ر نومبر کو مل گیا تھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے صاحبزادے لے کر آئے تھے۔ میں اس دفعہ دہلی جامعہ ملیہ کے جلسۂ جوبلی میں شامل ہونے کو جا رہا تھا۔ یار میں بنا بنایا رکھ ہے۔ میں دہلی سے ۱۹ر کی صبح کو واپس آیا اور اسی شام پھر سفر درپیش تھا۔ کل شام سفر سے واپس آیا ہوں۔ ڈاک میں آپ کا ۲۴ر نومبر کا لکھا ہوا خط پایا۔ آپ کی تشویش رفع کرنے کے لئے جلد خط لکھ رہا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے یا اُن کے لڑکے نے آپ کو اطلاع کر دی ہوگی۔ کہ مجموعۂ اشعار پہنچا دیا گیا ہے۔ میں تھوڑے دنوں میں فرصت پا کر اسے دیکھنا شروع کروں گا اور پھر رفتہ رفتہ تعمیل ارشاد کی فکر کروں گا۔

امید کہ آپ بہمہ وجوہ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

۲۸ر نومبر ۱۹۲۶ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۲۸)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

۴ ٹمپل روڈ لاہور

مکرمی سید آغا صادق حسین صاحب۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ مورخہ ۲۸ر دسمبر ملا۔ میں خط کی بجائے آپ کا منتظر تھا۔ خط سے معلوم ہوا کہ آپ وطن میں پہنچ کر علیل ہو گئے۔ اور اب جنوری کے تیسرے ہفتے میں یہاں آنے کا ارادہ ہے۔

دعا ہے کہ خدا آپ کو جلد صحت بخشے۔ جب آپ لاہور آئیں گے تو آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔

آپ کی "شاہکار فطرت" والی نظم میں نے رسالہ ہمایوں کے جوبلی نمبر میں اشاعت کے لئے بھیجی ہے اور اس کے شروع میں چند سطریں اپنی طرف سے لکھی ہیں۔ والسلام

۳۱ر دسمبر ۱۹۲۶ء　　آپ کا مخلص عبدالقادر

---

(۲۹)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ۔

۴ ٹمپل روڈ
لاہور

My Dear Sadiq

السلام علیکم۔ انگریزی میں سرنامہ لکھ کر قلم نے قدرتی طور پر اردو کی طرف رخ کیا۔ کیونکہ خط آپ کے نام تھا اور جن مصائب کا ذکر آپ کے خط میں تھا اُن کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار اپنی زبان میں ہی بہتر ہو سکتا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کے خاندان اور جائداد پر اتنا بڑا اثر اس انقلاب کا پڑے گا۔ جس سے پنجاب پر اور دہلی پر ایسی

مصیبت آئی ہے اور خاص کر مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو جس تباہی کا سامنا ہوا ہے۔ خدا ان سب پر رحم کرے اور آپ کو پھر گری ہوئی حالت کو سنبھالنے کی ہمت دے۔ فی الحال تو صرف تھوڑی سی تنخواہ پر آپ کا گزارہ محدود ہے۔

بٹالہ کے ایک شاعر کا گھر چوروں نے لوٹ لیا تھا۔ وہ صبح کو اٹھ کر مکان کے باہر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس صرف ایک عینک رہ گئی تھی اور ایک بوتل جس میں پارا تھا۔ دوست پوچھنے آتے تھے کہ کچھ بچا یا نہیں۔ اس نے یہ شعر کہا:[1]

چشم حیران و دل بیتاب بامن ماندہ است نال ہمہ یک عینک و سیماب بامن ماندہ است

وہی کیفیت آپ کی ہے۔ خدا دل بیتاب کو توفیق تاب دے۔ خدا کا شکر ہے کہ مستورات کی آبرو محفوظ رہی۔

"فطرت اسلام" پر آپ کی نظم پڑھی۔ ماشاء اللہ خوب نظم ہے۔ میں بھی بعض تفکرات میں مبتلا رہا۔ اس لئے ابھی دیباچہ دیوان صادق نہیں لکھ سکا۔ انشاء اللہ آپ کے تعطیلات میں آنے تک لکھنے کی کوشش کروں گا۔

شملہ پر آپ کا دیوان دیکھ رہا تھا کہ یکایک وہاں کے طوفان سے بچنے کے لئے نکل آنا پڑا۔ فوجی CONVOY کے ذریعہ بمشکل تین دن میں یہاں مع والیس پہنچا۔ اس کے بعد سے قدرے علیل ہوں۔ والسلام

۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء آپ کا خیر طلب عبدالقادر

(۳۰)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۳ ٹمپل روڈ لاہور

مکرمی آغا سید صادق حسین صاحب صادق۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط ۱۵ فروری کا لکھا ہوا ملا۔ افسوس کہ آپ کا ادھر رخصت پر آنے کا ارادہ ملتوی ہو گیا۔

میں جب گزشتہ گرما میں شملہ گیا تھا تو آپ کے کلام کے مسودات ساتھ لے گیا تھا اور ارادہ یہی تھا کہ وہیں سے آپ کو پیش لفظ لکھ کر بھیج دوں گا۔ اشعار کو پڑھنا شروع کیا۔ نصف کے قریب دیکھ چکا تھا۔ شملہ میں افراتفری شروع ہوئی۔ ہم معہ بال بچوں کے وہاں سے ایک فوجی قافلہ کی مدد سے باہر آیا۔ تین دن راستے میں سڑک پر صرف ہوئے اور تین جگہ ہمارے قافلہ پر گولی چلی۔ مگر خدا کے فضل سے ہم بخیریت پہنچ گئے۔

اس دوران میں میری صحت کچھ خراب رہی اس لئے وہ کام جہاں تھا وہیں رہا۔ پھر اسے شروع کرنے کی نوبت

[1] یہ شعر ملا نورالعین واقف بٹالوی کا ہے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے "خزانۂ عامرہ" میں واقعہ یوں لکھا ہے کہ حاکم لاہوری اور واقف حج کے ارادے سے سورت پہنچے۔ واقف میں جہاز کے سفر کی ہمت نہ رہی اور سورت ہی میں ٹھہر رہا۔ حاکم حج کے بعد واپس ہوا تو دونوں اورنگ آباد پہنچے۔ اورنگ آباد اور بالاپور کے درمیان سب سامان لٹ گیا۔ اس موقع پر واقف نے مولانا غلام علی آزاد کو حیدر آباد اطلاع بھیجی تھی تو یہ شعر لکھا تھا:

عینک و پارۂ سیماب بامن ماندہ است چشم خواب و دل بے تاب بامن ماندہ است

پارۂ سیماب اس لئے ساتھ تھا کہ واقف کو کیمیا گری کا بہت شوق تھا۔ اور پارہ ساتھ رہتا تھا۔ مولانا آزاد نے حیدر آباد سے کچھ روپے بھیجے تو حاکم و واقف وطن پہنچے۔

نہ آئی۔ انشاء اللہ عنقریب پھر شروع کروں گا۔ اس لئے اگر آپ کا کوئی دوست ان دنوں میں مسلمات کا تو اسے خالی ہی جانا پڑے گا۔

آپ اپنے کلام کے مناظر قدرت والے حصے کو علحدہ چھپوائیں تو مناسب ہوگا۔

یہ سن کر کہ کوئٹہ میں نئی انجمن بہار ادب قائم ہوئی ہے اور آپ اس کے سیکرٹری ہیں، خوشی آپ جیسے حضرات کی خدمت کی بیش از پیش ضرورت ہے اور کوئٹہ میں آپ کی کوشش سے بہت کچ

۲۵ رفروری سنہ ۴۸ء آپ کا خیر طلب عبدالقادر

---

(۳۱)

بنام آغا صادق حسین صاحب گورنمنٹ کالج کوئٹہ

۴۔ ٹمپل روڈ، لاہور۔ مکرمی جناب آغا صاحب! تسلیمات! کل آپ کا عنایت نامہ موصول یہ معلوم کرکے کہ آپ کوئٹہ سے ایک اردو رسالہ "سنگ تراش" نکال رہے ہیں، خوشی ہوئی دعا ہے

افسوس کہ میں دو تین ہفتہ سے بیمار ہوں اور صاحب فراش۔ بہت زیادہ بیمار ہوگیا تھا۔ ا حالت ہے مگر ابھی چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ اس لئے ابھی تو آپ کے رسالے کے لئے کچھ لکھنا صحت اور بشرط حیات آگے چل کر دیکھا جائے گا۔

آپ کے دیوان کا دیباچہ بھی بدستور تعویق میں ہے۔ خدا مجھے اس سے بخیریت عہدہ برآ ہو

۳۱ ردسمبر سنہ ۱۹۴۶ء والسلام عبدالقادر

---

(۳۲)

بنام جناب تمکین کاظمی صاحب

۴۔ ٹمپل روڈ۔ لاہور۔ مکرمی جناب تمکین کاظمی صاحب۔ آپ کا ایک خط میری علالت ک ایک دو ماہِ علالت میں، مجھے افسوس ہے کہ ان حالات میں جواب لکھنے سے میں قاصر رہا، اس کے کا آغاز ہوا، مگر کمزوری اب تک باقی ہے، آپ کی دعا کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا رسالہ مینا پہنچا، اسے دیکھ کر خوشی ہوئی تھی ابھی کچھ لکھنے کا ارادہ ہی تھا کہ بیماری نے بعد معلوم نہیں کہ اب چل رہا ہے یا نہیں، اس اثنا میں دنیا میں اور خاص کر آپ کی دنیا میں انقلاب عظیم اس کا آپ پر اور آپ کے کاروبار پر کیا اثر پڑا۔

امید ہے کہ آپ ذاتی طور پر بفضلہ بخیریت ہوں گے۔

۲۷ رمئی سنہ ۴۹ء آپ کا خیر طلب عبدالقادر

---

(۳۳)

بنام جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب

مکرمی جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب زاد لطفکم۔ تسلیم۔ آج بذریعہ رجسٹری آپ کی بیش

قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں نے سرسری نظر میں بھی اس قدر تو دیکھ لیا کہ آپ نے نہایت محنت اور کاوش سے ادب اردو کی ایک بڑی خدمت کی ہے۔ کتاب کے مفصل مطالعہ سے انشاءاللہ اوقات فرصت میں مستفید ہوتا رہوں گا۔ امید کہ اردو کے شائقین آپ کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ اور آپ اسی طرح کے اور اہم کام انجام دے سکیں گے۔ والسلام

آپ کا مخلص (سر) عبدالقادر

مولانا محمد علی جوہر

(۱)

قبلہ و کعبہ!

السلام علیکم - ابھی سرکار سے آرہا ہوں اور چونکہ رجسٹری شدہ ڈاک میں چند منٹ باقی ہیں اس لئے عریضہ لکھے دیتا ہوں۔ سرکار نے کچھ نہیں کہا۔ صرف یہ پوچھا کہ اطلاع مل گئی یا نہیں؟ میں نے کہا کہ جی ہاں - فرمایا "پھر؟" میں نے کہا میں تو نوکر ہوں جو حکم ہو سر آنکھوں پر" ہز ایکسیلنسی صاحب کا حکم میں نہیں مانتا۔ سرکار کا حکم ہے میں ان سے واقف نہیں ہوں۔ کہا "پھر؟" میں نے بھی کہا تھا مگر لاٹ صاحب کو شک تھا۔ میں نے کہا کہ میں شک کی جگہ ہی نہیں ہے۔ وہ میرے اشارے کے خلاف نہ چلیں گے - پھر فرمایا کہ لاٹ صاحب نے کہا کہ آپ ان سے قطع تعلق کر دیجئے۔ اس پر میں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ وہ میری رعایا ہیں - ان کا خاندان مدتوں سے میری ریاست کا ایک جزو ہو گیا ہے تو لاٹ صاحب نے کہا کہ خیر آپ ان کو آیندہ جرأت نہ دلائیں۔ سرکار نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے۔ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے گا - آج ہی تار دے رہے ہیں کہ محمد علی آیا ہے۔ شوکت علی اور محمد علی دونوں کو مفصل کیفیت سمجھا دی ہے آئندہ اطمینان رکھیں شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ شوکت علی آپ کے پاس حاضر ہونا چاہتا ہے کب بھیجوں۔ میں نے تار میں ایسا کوئی لفظ نہیں آنے دیا کہ جو آپ فرمائیں گے وہی وہ کرے گا۔ گویا گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط[1]۔

محمد علی - رام پور ۱۱ر دسمبر ۱۹۰۷ء

---

(۲)

چھندواڑہ - ۲۶ر اپریل ۱۹۱۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر و حبیب الاحترام:

السلام علیکم - ۸ر اپریل کے محبت نامہ کا جواب آج دیتا ہوں اور محجوب ہوں کہ اس تاخیر کا باعث سوائے اس کے کچھ نہیں بیان کر سکتا کہ اس عرصہ میں برابر غم و غصہ کا شکار رہا۔ میں جو بڑے بڑے معاملات میں بھی آج کے عارضی فیصلوں کا

---

[1] یہ مکتوب غالباً نواب صاحب رام پور کو لکھا گیا تھا۔

قائل نہیں اور ان تمام ہنگاموں کو "شرارِ خس" سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ ۸ راپریل کے فیصلہ پر کیا "بندۂ دامِ فریب" ہوں گا۔ مگر دوستوں کی موت اس زمانہ میں بھی جبکہ موت کا بازار گرم ہے دو چار آنسو بطور خراج کے وصول کر ہی لیتی ہے اور ۸ راپریل کو میرے سب سے عزیز ترین دوست نذرِ اجل ہو گئے اس لئے میرا غم و غصہ بے جا نہیں ۔۔۔ مگر موت جسمانی نہیں، اس لئے کہ میں تو اس کا قائل ہی نہیں ہوں۔ بہت سے مُردوں کو جن کی ہڈیوں تک کا بھی پتہ نہیں چلتا "عل احیاء" میں شامل کرتا ہوں۔ گمسان جیتی جاگتی کٹھ پتلیوں کو جو قومی سٹیج پر نچائی جاتی ہیں اور نچائی جا رہی ہیں مُردوں سے بدتر سمجھتا ہوں، کیونکہ موت ان کے جسموں کو نہیں آئی بلکہ ان کی روحوں کو۔ تم تو پہلے ہی کہہ چکے ہو کہ ؎

محروم ہوں، مجبور ہوں، بے تاب و نواں ہوں
مخصوص ترے غم کا مزا میرے لئے ہے

پھر جس چیز کا صحیح معنوں میں اجارہ تم کو اس دربار سے مل گیا ہو اس میں شرکت کے دعوی کی مجھ سے جرأت نہیں ہو سکتی۔ تاہم یہ بھی سچ ہے کہ میں بھی کسی قدر محروم و مجبور ہوں۔ اس پر بھی میں نے انصاری کو راہِ راست پر استقامت کی جس طرح مجھ سے ہو سکا ترغیب دی اور امید کی کہ میری اس دعا کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہو گا کہ "ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا" میرا خط دجوان کو بھیجا گیا تھا، کوئی معمولی تحریر نہ تھی۔ اس میں میرے فگار دل کے متعدد ٹکڑے منسلک تھے۔ مگر برادرم آخرش یہی معلوم ہوا کہ جس دنیا میں ہم لوگ رہتے ہیں وہ اس دنیا سے بہت مختلف ہے جہاں یہ ہمارے عزیز بس رہے ہیں۔ ہمارے تمام خیالات تمام اندازے، تمام تخمینے فضول اور غیر متعلق ہیں۔ میں نے غالب کے ایک مصرع پر جو غزل لکھی تھی اس میں ایک شعر تھا ؎

تقوے کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
عالم ہی اک جُدا ہے وہ رنج و محن کہاں

تقوے کا دعویٰ کرتے بھی ڈر لگتا ہے اور یہ سب جھوٹا فخر ہوگا اگر میں کہوں کہ میں متقی اور خدا ترس ہوں۔ مگر باوجود بار بار ابتلا اور کم از کم چھوٹی موٹی تکلیفوں کے اب تک اس وعدۂ الٰہی کو سچا جان رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ وہ پورا بھی ہو رہا ہے کہ "سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب" اس لئے باوجود فاسق و فاجر اور بندۂ حرص و ہوا ہونے کے اپنے کو اپنے دیرینہ احباب کی دنیا سے ایک الگ دنیا میں پاتا ہوں اور گو اس دنیا کو اس پرانی دنیا سے بدرجہا بہتر جگہ پاتا ہوں اور خوش ہوں کہ اس کی سرحد میں داخل ہو رہا ہوں۔ تاہم پرانے تعلقات دامنگیر ہوتے ہیں اور گو خود بچا کھچا لیتا ہوں تاہم دامن کے ٹکڑے اس خارستان گلستان منظر میں لگے رہ جاتے ہیں جن کے لئے آنسوؤں کا ایک چھوٹا موٹا قافلہ رواں ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ احرار [1] سے زیادہ ہمت والے نہ نکلے۔ اب انہی کی نہیں بلکہ خود حریت کی جگ ہنسائی ہو رہی ہے۔ مگر اس کا زیادہ رنج نہیں۔ رنج پرانے دوستوں کی رفاقت چھوٹنے کا ہے۔ غالب نے سچ لکھا تھا کہ ؎

دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا

مگر اچھا ہوا یہ جھوٹا سہارا بھی گیا۔ اب ایک سہارا باقی ہے اور وہ ہمیشہ کافی تھا اور اب بھی ہے۔ غالب کی غزل کا

---

[1] یہاں پڑھا نہیں گیا۔

ایک شعر پچھلے کئی برسوں سے دل میں کھب چکا ہے ؎

جا کے مت کر جیب کو بے فصلِ گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے

اس پر ایک نامکمل غزل قافیہ کو محدود کر کے میں نے بھی لکھی تھی جس کا ایک شعر ہے ؎

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے
اک فقط تیرا سہارا چاہیئے

گو لکھنے کو تو لکھ گیا۔ خود اب جا کر کہیں اس کا مفہوم سمجھا ہوں اور پھر سورۂ یوسف پڑھتا ہوں تو اس آیہ کریمہ کا مطلب اب سمجھ میں آتا ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت یوسفؑ نے فرعون کے جام بردار سے اس کی رہائی کے وقت کہا تھا کہ کبھی ہمارا بھی ذکر اپنے آقا سے کر دینا کہ مفت ظلم ہوتا ہے اور وہ بھول گیا اور اس طرح چند سال اور حضرت یوسفؑ مبتلائے زنداں رہے۔ جب ایسے برگزیدہ پیغمبر کے لئے بھی فرعونوں کی یاد دہانی داخل شرک نہیں تو کم از کم مذموم سمجھی گئی اور اس حد تک کہ اس میں بھی استعانت غیر اللہ کا شائبہ معلوم ہوا تو پھر ہمارے تمام تعلقات تو شرک جلی ٹھہرے۔ اقامت صلوٰۃ میرا ایمان، اجماع امت پر میرا اعتماد۔ تاہم بعض اوقات اس تنگ و تاریک بتکدہ میں عبادت اپنی نجات کے لئے زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے جہاں ایک وقت میں ایک ہی عبادت کرنے والا اپنے معبود کے حضور میں کھڑا ہو کر اپنی بندگی کا اظہار کر سکتا ہے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اپنے مذہب کی وسیع و فراخ مساجد میں نماز کے ساتھی اور خود امام بھی مجھے کفر و شرک کی طرف نہ گھسیٹ لے جائیں اور دوسروں کی اصلاح تو گئی خود اپنی نجات سے مایوس ہونا پڑے۔ سب کچھ ہو ہوا کر اب یہی رہ گیا ہے کہ اپنی جان بچانے کی کوشش کروں اور مدرسہ کو چھوڑ کر پھر خانقاہ میں اعتکاف کر لوں۔ بھائی دعا کرو کہ اگر اپنی نجات کے متعلق خوف و ہراس میں کمی ہو تو ہو کم از کم دوسروں کے متعلق یہ بے اعتباری باقی نہ رہے۔ اگر یہی حالت رہی تو کہیں کا نہ رہا۔ البتہ جب تمہارا خیال آتا ہے اور تم سے بھی زیادہ بہن کا (جو نہ صرف تمہارے ناموس کو بلکہ ہم سب کے ناموس کو اس طرح ہمت و جرأت کے ساتھ سنبھالے ہیں اور صامت و ساکت نہیں بلکہ کلمۂ حق کو بآواز دُہل سب کو سنا رہی ہیں) تو یہ بے اعتباری دور ہوتی ہے اور جس طرح خدا سے میں مایوس نہیں ہوں اسی طرح اس کے بندوں سے مایوسی بھی قریب کفر معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ لوگ قومی اسٹیج کی کٹھ پتلیاں نہیں ہیں۔ وہی غریب اور کمزور لوگ ہیں جن سے اسلام کی ابتدا ہوئی تھی۔ رہے یہ حضرات تو ان کے متعلق تو بدگمانی بہت پہلے سے تھی۔ چنانچہ میں نے متعدد بار ان "آزادوں" کے مضمون کو غزلوں میں باندھا۔ مثلاً ؎

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے　　　　میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

یا ؎

ہیں اتنے لاف شوق پہ مرعوب حُسن بھی　　　　یہ طائفہ عجیب ہے اک مردِ دوں سے دور
ہے بُعد کربلا سے بھی، قُرب یزید بھی　　　　اور چاہتے یہ ہیں کہ نہ ہوں پنجتن سے دور

یا ؎

دشمنوں سے تعلق ہے تو کچھ　　　　دوستوں سے بھی مدارا چاہیئے

...، حافظ لطف کو دوستوں کے لئے اور مدارا کو دشمنوں کے لئے لازمی گردانتے تھے۔ ہم دوستوں کے لئے مدارا[۱] ... سب کچھ کہہ تو دیا ہے اور آج بھی اس طرح لکھ رہا ہوں کہ گویا ہم ہی انبیاء اللہ اور احباء اللہ ہیں۔ مگر برادرم! ان حیرت انگیز انقلابوں کو دیکھ کر خوف ہوتا ہے کہ کہیں بڑا بول آگے نہ آئے۔ بنی اسرائیل کا وہ واقعہ یاد آتا ہے جس کا قرآن کریم میں مذکور ہے "تو تولوا الا قلیلاً منھم"۔ خود مسلمانوں نے بعض اوقات اس خیر القرون میں بھی سنت بنی اسرائیل کی تقلید کی تھی چنانچہ منھزمین احد سے کہا گیا تھا کہ "ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوہ فقد رایتموہ و انتم تنظرون"۔ دعا کرو کہ یہ حال اپنا بھی نہ ہو بلکہ آخر تک ایمان اور عمل صالح پہ قائم رہیں۔ تمہاری دعا ضرور مقبول ہوگی اس لئے کہ اول تو آل رسول، پھر تقلید سنت ابراہیمی سے مشرف ہو چکے ہو۔ اب چونکہ تم نے مجھے بھی اپنے زمرہ میں جو ابرار اور اخیار کا ہے شامل کر لیا ہے اور خود لکھ چکے ہو کہ

ع خوش اسی حال میں جو ہر بھی ہے آزاد بھی ہے

خیر یہ تو ہوا۔ بھن نے لکھا تھا کہ تم پیشگوئی کرتے ہو کہ جمہور کی خواہش کے خلاف احامیان استبداد ایک ذلیل یونیورسٹی قائم کرنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ ارے بھائی اس میں پیش گوئی ہی کیا ہے۔ تم تو ان کے متبع ہو جو خوابوں کی صحیح تعبیریں بیان فرمایا کرتے تھے اور اس طرح محبس سے نکل کر تخت تک پہنچ گئے۔ میں گو اس مقام سے بہت دور ہوں، یہ تو میں بھی جانتا تھا اور سال گذشتہ ہی میں سب کو جتلا چکا تھا کہ عزیزان من صدمہ یونیورسٹی کا نہیں ہے بلکہ قوم کی بے کسی اور تمہاری خواری و خرابی کا۔ اور رہی یونیورسٹی تو تم ٹوکرا سے ہم بنائیں گے ہم۔ نہ تمہارے قوم فروش اور کالج فروش کیونکہ ہم سے کسی نے حتمی وعدہ کر لیا ہے اور وہ وعدہ کا سب سے پکا بھی ہے کہ "ولا تھنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنون"۔ اگر خوف ہے تو اس شرط کا کہ "ان کنتم مومنون"۔ سو خدا سے دعا ہے کہ ہم کو ایمان پر قائم رکھے اور ان بزرگوں کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے جن کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ "فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصٰبرین"۔ اگر ہم ایمان پر قائم رہے تو پھر سنت اللہ میں تو تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہمارا انعام کہیں نہیں گیا ہے۔ وہاں تو ملے ہی گا، مگر ہمارا یہیں مل جائے گا کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ:

"فاٰتٰھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاٰخرۃ واللہ یحب المحسنین"

اس پر میں نے لکھا ہے کہ ؎

انعام کا عقبیٰ کے تو کیا پوچھنا لیکن ... دنیا میں بھی ایماں کا صلہ میرے لئے ہے

اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ تمہارے دونوں دیوان پڑھ چکا اور نہایت غور سے پڑھے اور بار بار پڑھے۔ ارتقائے سخن ظاہر ہے۔ اب اگر یہ لکھتا ہوں کہ

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

تو اس کے صریح معنی یہ ہوئے کہ جو سختیاں الہ آباد، جھانسی، پرتاب گڑھ اور فیض آباد میں جھیلنا پڑیں ان سے زیادہ کا مستدعی ہوں۔ مگر یہ بھی ہو تو جانتا ہوں کہ تم زیادہ کے بھی متحمل ہو گے اس لئے کہ وہ خود کسی نفس پر اس کی سکت سے زیادہ تکلیف کا بوجھ نہیں ڈالتا اور ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ غم و اندوہ کے لئے لکھا گیا ہے۔ تم میری غزلیں منگوانے ہو،

---

[۱] یہاں کچھ عبارت پڑھی نہیں گئی۔

اچھا بھیج دوں گا۔ مگر بھائی تم شاعر تھے، ہیں تو شاعر نہ تھا۔ البتہ عنایت ایزدی سے نہیں تین دیوانوں والا بنا
نے مجھ سے بھی تین چار غزلیں لکھوا دیں۔ پہلے بھی تک بندی کر لیتا تھا مگر کاغذ کے پھولوں میں خوشبو نہیں
آنے لگی ہے، سو بقول تمہارے ع ترسے غم کو نہ دے کیونکر دعا دل ۔ اس وقت صرف نظر بندی
بہن کو کل خط لکھوں گا۔ تم میری افسردگی کا ذکر کر کے میری طرف سے معافی مانگ لینا ورنہ وہ ناراض ہی

تمہارا مرید باعقیدت: محمد علی

---

(۳)

<u>بنام نواب سید علی حسن خاں</u>

مکرمی!

السلام علیکم۔ ہمدم کے ذریعے سے آپ کے برادر محترم نواب نور الحسن[1] خاں صاحب
معلوم ہوا۔ خدا مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور آپ کو اور مرحوم کے سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرما
میں نے خط و کتابت تقریباً ترک کر دی ہے مگر دل نہ مانا کہ اس موقع پر اظہار ہمدردی سے در
ہوں کہ اس قسم کے اظہار سے کچھ حاصل نہ ہوگا نہ شاید اس کے لکھنے سے کہ آج بازار اجل ساری دنیا
مصائب پر صبر کرنا چاہیئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم کو ان حوادث سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے او
پر ترجیح دینے کی ہمت دے۔ یہ سب اس کی امانتیں ہیں اور خدا ہم سب کو امانت میں خیانت سے بچا
لئے دعا فرمایئے کہ ثبات قدم عطا فرمائے۔ "ربنا اغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا و انصرنا ع
برادرم رشید الدین حسن صاحب کی خدمت میں بھی آداب عرض کرتا ہوں۔ خدا ان کو ا
کو بھی صبر عطا فرمائے۔ والسلام!

نیازمند: محمد علی۔ چھندواڑہ (ممالک متوسط)

یہ مکتوب مختصر سی تمہید کا متقاضی ہے۔ سلطان عبدالعزیز مرحوم والی نجد نے حجاز فتح
جنوری ۱۹۲۶ء میں انہیں بادشاہ تسلیم کر لیا۔ مجلس خلافت میں حجاز کے انتظام
موجود تھا۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور ان کے رفقا چاہتے تھے کہ حجاز
ادارے کے حوالے کر دیا جائے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک یہ تجویز بجا
تھی اور اس میں خرابی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آزاد اسلامی حکومتیں اس باب
تھیں اور صرف مسلمانان ہند کی طرف سے اس کے پیش ہونے کا کوئی اث

---

[1] یہ نواب صدیق حسن خاں کے فرزند اکبر تھے۔

تنہا انتظام کا سارا بار اٹھا سکتے تھے، نہ ان کی محکومی کے پیشِ نظر سلطان یا اہلِ حجاز سے اس تجویز کے قبول کی امید ہو سکتی تھی، نہ بصورت موجودہ کوئی اور موثر قدم اٹھایا جا سکتا تھا۔ پنجاب کے تمام ارکانِ خلافت بالاتفاق مولانا محمد علی کی رائے کے خلاف تھے۔ یہی زمانہ ہے جب مولانا نے انہیں "پنجابی ٹولی" کہہ کر پکارنا شروع کیا۔

سلطان عبدالعزیز نے ۱۹۲۶ء میں حج کے موقع پر ایک موتمر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے تمام اسلامی ملکوں کو دعوت نامے بھیجے۔ مدعوین میں مجلسِ خلافت بھی شامل تھی۔ نمائندوں کے انتخاب کے لئے مجلس مذکورہ کا ایک اجلاس دہلی میں بلایا گیا۔ اس میں دستور کے مطابق مختلف اصحاب نے مختلف نام پیش کئے۔ ارکانِ پنجاب کی طرف سے مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم کا نام پیش کیا گیا۔ جیسا کہ اندیشہ تھا، دونوں کے سلسلے میں خاصی کشمکش اور گرمی پیدا ہوئی۔ مولانا نے جو تفصیلات اپنے مکتوب گرامی میں پیش کی ہیں یا جو قیاس آرائی فرمائی ہے اسے معرضِ بحث میں لانے کا یہ موقع نہیں تاہم اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ ارکانِ پنجاب کا پیش کردہ نام منظور نہ ہو سکا اور مولانا محمد علی مرحوم جن اصحاب کو منتخب کرانا چاہتے تھے وہ کثرتِ رائے سے منتخب ہو گئے۔

چونکہ رائے شماری کی گرمی ہنگامہ میں اک گونہ ناخوشگواری پیدا ہو گئی تھی اس لئے مولانا ابوالکلام آزاد اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم نے دونوں فریقوں کو سمجھا کر حالات کو طبعی رفتار پر لانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں وہ مولانا محمد علی مرحوم سے بھی ملے جس کا ذکر مولانا نے فرمایا ہے۔

میں اس زمانے میں "زمیندار" میں تھا اور پیشِ نظر معاملے میں اختلافِ رائے کے باوجود بے تکلف مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی سے ملتا تھا۔ اپنے فہم و بصیرت کے مطابق میری کوشش یہی تھی کہ ایک خاص معاملے میں اختلاف کے باعث تعلقات میں ناخوشگواری پیدا نہ ہو۔ اس ضمن میں اپنے خیال کے مطابق معذرت کے مناسب پہلو بھی پیش کرتا رہتا تھا۔

مولانا کی صحت اس وقت بھی خاصی خراب تھی۔ بیماریوں کا غلبہ تھا۔ اپنے معتقدات و آراء میں یگانہ خلوص و پختگی کے باعث وہ خفیف سے اختلاف پر بھی غصے میں آ جاتے تھے اور سخت سے سخت باتیں کہہ دینے میں بھی تامل نہ فرماتے تھے۔ اس کی شہادت خود مکتوب بھی پیش کر رہا ہے۔ خدا شاہد ہے کہ ان کی کسی بھی بات پر کبھی ملال پیدا نہ ہوا۔ ان کی بے مثال شخصیت اور بے مثال قربانیوں کے باعث دل میں انتہائی عزت و احترام کے جو جذبات موجزن تھے وہ برابر قائم رہے۔ محاسن کی فراوانی نے انہیں محبوبیت کا ایسا پیکر بنا دیا تھا جس سے نیازمندانہ وابستگی بہرحال زندگی کی ایک عزیز متاع تھی۔ وہ یقیناً ان یگانہ افراد میں سے تھے جن کی جگہ دس عظیم الشان شخصیتیں مل کر بھی پر نہیں کر سکتیں۔

یہ تحریر نجی کی تھی لیکن اب کہ ان کی وفات پر ربع صدی سے زیادہ مدت گزر چکی ہے، اسے ان کے آثارِ منبرکہ کے طور پر شائع کر دینا غالباً نامناسب نہ سمجھا جائے گا۔ (غلام رسول مہر)

(۴)

بنام مہر صاحب

برادرم مہر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ آپ سے جب سے گفتگو ہوئی تھی تو اس قسم کی بحث کو بے سود سمجھ
اٹھ کر چلا آیا تھا۔ مگر شوکت صاحب سے آپ کی گفتگو جاری رہی اور اس کے بعد وہ مُصر تھے کہ میں آپ کے
او ، وہ خیال کر دوں۔ میں نے اس بنا پر آپ سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے عرض کیا، ایک
ہو کر رہئے اور تنہائی میں گفتگو کیجئے، مگر آپ نہ رک سکے اور صرف تھوڑی دیر یوں ہی سی بات چیت ہو کر رہ گئی۔

میرا ارادہ تھا کہ آپ کی دخاص آپ کی بھی ، اور اہل پنجاب اور جو اہل حدیث شریک تھے ان
کی روش کے متعلق تفصیل کے ساتھ ہمدرد میں لکھوں کہ جلسے میں کس طرح جتھہ بندی سے کام لیا گیا اور باوجود کہ بٹھا
ایک ہی پلڑے میں رکھے جانے تھے کس طرح باقی ہندوستان نے تقریباً بلا استثنا آپ کی جتھہ بندی کے خلاف
اسے شکست دی۔ مگر اس کے متعلق ہدایات، مولانا عبدالماجد دریابادی کے مواجہہ میں جو ایک بڑی حد تک ابن[1]
دے کر آپ سے دوبارہ ملنے کے بعد میں نے ان ہدایات کو نظر انداز کرنے کے لئے "ہمدرد" کے عملہ سے ک
"زمیندار" میں پہلا مضمون ہی اس جتھہ بندی کو پھر قائم رکھنے کی کوشش میں لکھا ہوا نظر آتا ہے[2]۔ الحمدللہ کہ اب جو کم
ہے وہ شوکت صاحب، صلح کل شوکت صاحب، بھولے بھالے بڑے بھائی صاحب کے لئے وقف ہے
"ایک دو عظیم الشان شخصیتوں" کی مجہول شمولیت سے زیادہ سخت کسی لقب کا مستحق نہ سمجھا گیا۔ آپ فرمائیں گے
رویہ صحیح نہ تھا۔ مضمون ایک نامہ نگار کا تھا اڈیٹر ذمہ دار نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ مگر دیکھئے کہ اہل حدیث کی جتھہ بندی
صاحب صدر کیا مولوی کفایت اللہ صاحب[3] تک کی حمایت میں جھلک رہی ہے اور پھر دعویٰ یہ ہے کہ نہ میں خ
نہ میرے پیشوا اور مقتدا مولانا عبدالقادر قصوری جن کا انتخاب اہل حدیث کی طرف سے مع اسمٰعیل صاحب غزنوی
والد کے چینیا نوالی یا چینیاں والی مسجد کے جلسے میں کیا گیا ہے۔ بھائی مہر! یہ جھوٹا انکسار، جھوٹی عقیدتمندی چھوڑ دو
بھی لڑائی اچھی۔ درک اسفل کا مقام بلا وجہ نہیں مقرر کیا گیا ہے ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

---

[1] مولانا ابو الکلام آزاد [2] "زمیندار" اس وقت پیش نظر نہیں لیکن یقین ہے کہ اس میں اجلاس کے حالات بیان کئے گئے ہوں گے ج
انہیں بھی مولانا محمد علی مرحوم ہمارا ہم رائے سمجھتے تھے [3] مولانا کفایت اللہ مرحوم صدر جمعیۃ العلما۔

تمہارے "تمہارے ہر طرح نیاز مند" سالک صاحب [1] کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم ڈھگی ہا" کی "ٹنگ پٹہ" کا جواب تو رمضان میں دیا تو عید کے بعد ہی دیا۔ تمہارے اور تمہارے "راجہ" ظفر علی خاں صرف "مالک" نہ کہ "مدیر مسئول" کے پروپیگنڈا کا جن کو "زمیندار" کی قلمی پالیسی سے بقول تمہارے کوئی تعلق نہیں ہے [2] جواب دینا ضروری تھا لیکن پھر نہیں دیا حالانکہ دوبارہ تم نے اور تمہارے جتھے والوں نے منہ کی کھائی اور پھر ہار کر بگڑی بات کو بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کا بھانڈا پھوڑنے کا ارادہ تھا مگر تحمل سے کام لیا گیا۔ اس کے بعد بھی تم لوگ باز نہ آئے۔ جلسہ میں صدر کی اعانت سے تمہارے جتھے نے بہ امکانی کوشش ہماری ہر تجویز کی مخالفت میں کی یہاں تک کہ شوکت کا اور میرا نام جس طرح تم نے زمیندار کی فہرست "اہل حق" یعنی اہل حدیث اور بزعم خود ضعفائے بیرون پنجاب مثلاً حکیم صاحب اور "ندوۃ المذہب" سید سلیمان سے خارج کر دیا تھا اسی طرح تمہارے صدر صاحب نے اپنی فہرست سے بھی خارج کیا اور مجھے مجبور کیا کہ میں تم لوگوں کی طرح سے پس پردہ نہیں بلکہ صاف صاف خود اپنا اور شوکت صاحب کا نام پیش کروں۔ پھر جب ووٹ گننے کا وقت آیا تو تم نے سیکرٹری خلافت کمیٹی پر اپنی بیہودہ بے اعتمادی کا ثبوت اس طرح دیا کہ خود ووٹ شماری کرنے بیٹھ گئے۔ ایک اور شخص نے تم پر بے اعتمادی کا ثبوت اسی طرح دیا مگر ہم نے بند کر دیا اور سیکرٹری کی طرح تمہیں بھی رسماً رائے شماری کرنے دی۔ وہ تو خدا ہی کو منظور تھا کہ تم لوگ ذلیل ہو اور تم نے شعیب غریب کے ۱۶ ووٹ گنے۔ اگر تم نے بھی افضل کی طرح ۱۷ گنے ہوتے تو تمہارے صدر صاحب کا "کاسٹنگ ووٹ" ضرور اس غریب کے خلاف ہوتا۔ پھر ظفر علی خاں کے کذب و افترا کا پردہ چاک کرنے کے جرم میں جناب صدر کی طرف سے ذاتیات کی گندگیوں کا غواص ٹھہرایا گیا۔ گو ہم لوگ تمہاری طرح جلسہ سے فرار نہ ہو جاتے۔ ووٹ دوبارہ گنے گئے اور ۱۸ نکلے۔ تم ذلیل تر ہوئے مگر اس پر بھی تم نے عبرت حاصل نہ کی۔ اب مطالبہ ہوا کہ عبدالقادر صاحب صدر الصدور جماعت اہل حدیث و پنجابیان خلافت کے ووٹ بھی گنے جائیں۔ اب تمہارے نمائندے کے فقط ۱۲ ووٹ نکلے اور اور ذلیل ہوئی۔ ظفر علی خاں کے ۹ ووٹوں نے تمہیں اور ذلیل کیا [3]۔ تاہم ان تمام حقیقتوں پر ہم نے پردہ پڑا رہنے دیا۔ شام ہی کو حکیم صاحب [4] اور تمہارے صدر صاحب تشریف لائے اور مجھے یقین دلایا کہ تمہارے صدر الصدور قصوری صاحب نے بھی اپنی بے قصوری کا ثبوت تم کو سمجھا کر دیا اور طے پایا کہ تم اور ظفر علی صاحب اور اہل حدیث خلافت کے وفد کے خلاف کچھ نہ لکھو گے اور جلسے کی روداد کے متعلق کوئی مخاصمانہ و معاندانہ پہلو اختیار نہ کیا جائے گا مگر افسوس کہ تم سے نہ رہا گیا اور آخرش یہ تحریر چھپ ہی گئی۔

اب تم سے اتنی التجا ہے کہ آئندہ مجھ سے اپنی عقیدتمندی وغیرہ کا دعویٰ میرے سامنے نہ کرو گے۔ میں کسی سے منافقانہ ملنا نہیں چاہتا۔ میں جن کو اچھا سمجھتا ہوں ان سے تو شاید ہی سے چھپا بھی لوں مگر جن کو برا سمجھتا ہوں ان پر کسی نہ کسی طرح اور اکثر بلا سخت و سست کہے ہوئے ایسے ظاہر کر ہی دیتا ہوں۔ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار تم "زمیندار" میں میرے خلاف لغویانیوں کے "سہواً" "چھپ جانے کا اعتذار کر چکے ہو۔ اب آئندہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تم کو اہل حدیث اور حنبلی اور غیر مقلد"

---

[1] پنجابی کا لفظ "ڈھگا" ہے۔ [2] میں نے دو تین مرتبہ اخبار میں لکھا تھا کہ مولانا ظفر علی خاں "زمیندار" کے مالک ہیں لیکن پالیسی کے ذمہ دار ایڈیٹر ہیں۔ مقصود یہ تھا کہ "زمیندار" کی کسی تحریر سے مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں کے باہمی تعلقات میں فرق نہ آئے اور جواب صرف ایڈیٹروں سے مانگا جائے۔ [3] تفصیلات پر بحث غیر ضروری بھی ہے اور غیر مناسب بھی۔ [4] مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم۔ مہر

نہیں "وہابی" اور "غیر مقلدوں" کی تقلید جامد کرنے والا اور وہابیوں کی ہر بدعت کی اسی طرح حمایت کرنے والا سمجھتا؛ بعض حاجی حنفی سلطان ابن سعود کے متعلق ہر خبر کا جوان کے خلاف ہو یقین کرنے والے ثابت ہوئے ہیں۔ گو یہ بھی معلوم مجھے نماز پڑھانے ہو تو نہ رفع یدین کرتے ہو نہ آمین بالجہر کہتے ہو اور برخلاف اس کے ظفر علی خاں سب ایک کے پیچھے حجاز میں نماز پڑھتے ہیں تو آمین بالجہر پکارتے ہیں۔ میں تم کو بیا۔ دوست نہیں سمجھتا بلکہ حاسد اور دشمن حجاز جانتا تو جو وقت اس حج کی تحریر لکھنے میں صرف کیا ہے "ہمدرد" کا ایک مضمون اسی مطلب کا لکھنے میں صرف کرتا۔ حجاز کا قصہ رہے یہ نہیں چاہتا کہ حق کی حمایت ہی میں کمزور نہ ہو تمہارے اور جتھے کی قلعی کھولنے میں "ہمدرد" کے کروں اور عین اس وقت جب کہ ہنود کی مخالفت سے مسلمانوں کو بچانے کی تدابیر سوچی جارہی ہیں، آپس کے نفاق ہوں اس لئے تمہیں کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔

برادرم! ان ایک دو عظیم الشان شخصیتوں "پر رشک و حسد نہ کرو۔" ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و یہ شخصیتوں کی "پرستش" یوں ہی نہیں ہوا کرتی۔ ہمارے پاس تم سے اور تمہارے جتھے والوں سے زیادہ دولت تھی، نہ ہی خاندانی وجاہت سے ہم اس درجہ کو پہنچے ہیں۔ قوم کی خدمت کرتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں ڈرنا چاہیے، اور لومۃ لائم کی پروا نہیں کرتے۔ سلطان ہو یا برادر "عظیم الشان شخصیتوں" کے آگے بھی صاف نہیں چوکتے اور منافقانہ کسی سے نہیں ملتے۔ اگر یہ طریقہ استعمال کرو گے تو اسی درجہ پر پہنچ جاؤ گے ور ظفر علی خاں بن جاؤ گے۔

تم نے نہ صبر و تحمل کا اب تک ثبوت دیا ہے نہ انکسار حقیقی اور صفائے قلب کا۔ تم سے اس "ٹھنڈے دل سے" اس عریضہ کو پڑھو گے اور اس پر غور کرو گے۔ لیکن خداوند کریم سے دعا ہے کہ تمہار اس کا یقین ڈال دے کہ جس غرض سے یہ خط لکھا گیا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ ایک آخری کوشش اور کر ایک نوجوان مسلمان، جس کو اس نے قابلیت سے محروم ہرگز نہیں رکھا ہے راہِ راست پر آجائے اور ر رشک و حسد اور غلو اور جتھہ بندی کو چھوڑ کر حق پرستی اور حق گوئی کو اپنا شعار بنا لے اور آئندہ چل کر قوم و ملک خدمت کر سکے۔

یہ تحریر نجی ہے اور شائع کرنے کی غرض سے نہیں بھیجی جاتی۔ ۸، ۹ مئی کے جلسے کے انتظامات "ہمدرد" کے قرضے کی ادائیگی کی فکر اور پھر اپنے سفر حجاز اور حج کے اخراجات کی فراہمی مارے ڈالتی ہے۔ اب اتنا وقت میرے پاس نہیں ہے کہ میں محض بحث مباحثے میں الجھتا رہوں۔

اگر میری اس تحریر کی سختی کو جائز سمجھتے ہو تو خیر، ورنہ اسے للہ معاف کر دو کہ زندگی کا کیا اعتبار ہے کو پہلے ہی خیرباد کہہ چکا ہوں۔ اگر نہیں معاف کر سکتے تو ایک بار دل کھول کر مجھے برا بھلا کہہ لو میں چلنے سے کترا جاؤں گا اور کہے سنے کی معافی چاہ لوں گا۔ والسلام!

تمہارا خیر طلب بھائی: محمد علی ۲ / مئی ۱۹۲۶ء

---

(۵)

بنام مولانا شوکت علی

پیارے شوکت!

عید مبارک۔ عید مبارک کا تحفہ دس پیرو کاٹ بھیج رہا ہوں۔ یوں تو ہم سب اچھے ہیں، مگر گلنار کے برص کا علاج ہو رہا ہے اور حمیدہ کا علاج بھی حکیم تفضل حسین خاں صاحب کا جاری ہے۔ امجدی کے پاؤں پر بھی کسی قدر ورم ہے۔ میں ویسے تو اچھا رہا مگر حکیم تفضل حسین خاں صاحب کی گولیاں کھا رہا ہوں۔ انشاءاللہ کل پرسوں قارورہ کا امتحان کراؤں گا۔ افلاس نے پریشان کر دیا ہے۔ خدا رحم کرے۔ آپ کی حالت مجھ سے بدتر ہے اور میری ایک حساب سے آپ سے بدتر ہے کہ پندرہ سو روپیہ ماہوار کا خسارہ ہے اور نہ اس کے کم کرنے کی کوئی صورت ہوتی ہے، نہ اس کے کسی سے دلوانے کی۔ خداوند کریم ہمارے ایمان، حب اسلام اور حب وطن کی آزمائش فرما رہا ہے۔

آپ کا خط کل ملا۔ میمین کو اپنی مالی حالت لکھ بھیجی ہے اور پوچھا ہے کہ کم سے کم کس قدر رقم تمہیں درکار ہوگی۔ اگر میں اتنی امداد کر سکا تو "کامریڈ"، "ہمدرد" جاری رکھ کے دونوں اخباروں کے ذریعہ سے خسارہ کو گھٹاؤں گا، ورنہ پھر پبلک زندگی کو خیرباد ہے۔ دو تین لڑکوں کو پڑھا کر پچاس روپیہ ماہوار کما لیا کروں گا، امجدی اور لڑکیاں کپڑا سی کر ستر اسی پیدا کر لیں گی، ان کو بھی پڑھاتا رہوں گا اور مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر قرآن کریم و حدیث شریف پڑھوں گا اور کوئی اگر میرے خیالات سننا چاہے گا تو اسے سنا دیا کروں گا۔ اب یہ ممکن نہیں کہ ترک تعاون جاری رکھ کر (جس کا چھوڑنا ترک اسلام ہے) اخبارات کے خسارے بھی ادا کیا کروں۔ ایک آخری کوشش غالباً اسی ماہ میں اور کر دیکھوں اور شاید آپ کے پاس ایک دو دن کے لئے آؤں ان شاء اللہ۔ امجدی اور بچوں کا سلام۔ طارق بہت یاد آتا ہے۔ زہرہ، زاہد، شاہد، شعیب، قمر کو پیار۔ عابد اچھا ہے۔ قطب میاں صاحب اسے زبردستی پچاس روپیہ دے گئے ہیں۔

کہئے آپ نے سلطان ابن سعود، شریف شرف عدنان اور موتمر کے ارکان کو خط لکھے یا نہیں۔

مفصل جواب کا منتظر، آپ کا محمد علی۔ ۵ر اپریل ۱۹۲۷ء

---

(۶)

بنام مولوی محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ شرمندہ ہوں کہ آپ کے ۱۳ر اپریل کے خط کا ۱۳ر مئی کو جواب دے رہا ہوں۔ آپ غالباً

ایک بار غریب خانہ پر تشریف لائے تھے، مگر وہ وقت میرے لئے نزع کے وقت کی طرح ہوتا ہے، اگر چند منٹ بھی کسی اور طرف توجہ کرنی پڑتی ہے تو اس دن کا اخبار ایک دو اطراف کی ڈاکوں کو کھو دیتا ہے اور ایک ملاقاتی کا لحاظ رکھنا سینکڑوں خریداروں کے ساتھ بدمعاملگی کا مجرم بنا دیتا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہوا کہ آپ پھر تشریف نہ لائے، حالانکہ میں نے عثمان (اپنے بھانجے اور مینیجر) سے کہہ دیا ہے کہ بھائی تم جانتے ہو اس وقت میں کسی سے ملنا ناممکن ہے، شام کے لئے وقت مقرر کر دو۔ خود مجھ سے ساری عمر وقت کی پابندی نہ ہوئی، لیکن اب اس کا طالب ہوں کہ لوگ ملنے سے پہلے وقت مقرر کر لیا کریں یا شام کو آیا کریں۔ کیا کروں اگر صبح کو کسی سے ملاقات کرتا ہوں تو اس دن کا اخبار وقت پر نہیں نکل سکتا۔ یوں بھی طوالت کے باعث (جس کا سبب محض یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو کچھ میرے ذہن میں ہے وہ دوسروں کو سمجھا دوں، اگر زیادہ محنت کرنا پڑے تو گوارا کیا جائے مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ چند الفاظ یا فقروں کی کمی کے باعث میرے خیالات دوسروں کے دماغ و قلب تک نہ پہنچ سکیں) بعض دن کئی ڈاکیں نکل جاتی ہیں اور مقامی فروخت میں بھی کمی ہو جاتی ہے لیکن اس نقصان سے بھی فائدہ تو خریداروں ہی کو پہنچ جاتا ہے۔ اگر محض کسی سے ملاقات کے باعث اخبار وقت پر نہ نکل سکے تو خریداروں کے سامنے کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا۔ کاش آپ کسی دن شام کو مجھ سے مل لیتے تو آپ کو نہ خط لکھنا پڑتا، نہ اتنی دیر جواب کا انتظار کرنا پڑتا اور وہیں بھی سب باتیں آدھ گھنٹے میں آپ کے گوش گذار کر سکتا جن کے لکھنے کے لئے دو گھنٹے درکار ہیں۔ برادرم! اس وقت سارا اسٹاف "ہمدرد" کا میں ہوں ہر روز ۸، ۱۰ گھنٹے کی محنت میں ایک لیڈر لکھ دیتا ہوں (جو دو دو تین تین بلکہ چار چار پانچ پانچ لیڈروں کے برابر ہو جاتا ہے) اور ایک غریب جعفری ہے جو تاروں کا ترجمہ کرتا ہے اور اخبار کو ترتیب دیتا ہے۔ بعض دن ایک اور سب ایڈیٹر جو اب علیحدہ ہو چکے ہیں، لیڈر یا نوٹ لکھ دیتے ہیں جعفری بیمار ہو گیا تھا تو وہ ہی تاروں کا ترجمہ کر دیتے تھے مگر اپنے صبح کے مطب کے بعد، اس لئے کہ ڈاکٹر بھی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر خود اس اخبار کے ضروری بزنس (BUSINESS) سے بھی غافل رہنا پڑے تو کون سی تعجب کی بات ہے؟ یہ معذرت امید ہے کہ قبول ہو گی۔ اس وقت پانچ بجے ہیں، ابھی تھکا ہارا ایک ۸ کالم کا مضمون ختم کر کے پلنگ پر آلیٹا ہوں۔ لیکن لیٹے لیٹے مشکل نہ بھی ہوتا تب بھی آپ کو خط لکھنا آسان نہ تھا۔ ہاں عبدالرحمٰن صدیقی نے مجھ سے دو بار آپ کے متعلق ذکر کیا تھا۔ برادر بزرگ فرید احمد صاحب نے بھی دو تین بار زبانی، تحریری اور ٹیلیفون پر ذکر فرمایا تھا لیکن جواب دینا مشکل تھا۔ دبی زبان سے عبدالرحمٰن سے البتہ اس قدر کہا تھا کہ محمود احمد صاحب کو نوکری کی تلاش ہے یا وہ بھی میری طرح پاگل ہو گئے ہیں جو "ہمدرد" میں کام کرنا چاہتے ہیں اور میری ہی طرح ان کو بھی اپنے دل پر قابو نہیں، وہ مجبور کر رہا ہے کہ جو پیغام خدا نے تمہیں دیا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دو اور بلاغ ہی تک محدود نہیں رکھتا بلکہ باخع النفس بھی بنائے ڈالتا ہے۔ ان کا جواب مجھے مطمئن نہ کر سکا۔ فرید احمد صاحب سے یہ پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔ آپ کے انجینئر بھائی سے شاید پوچھ لیتا، مگر ان سے ملنا نہ ہوا، حالانکہ ان سے ملنے کا بہت ہی متمنی تھا۔ والدہ مرحومہ کی قبر اور آمنہ مرحومہ (میری لڑکی) کی قبر کے پتھر انہی کی معرفت تیار ہو رہے ہیں اور لوح مزار بھی۔ مگر اب تک کام ختم نہیں ہو سکا حالانکہ تقریباً دو سال کی مدت گذر گئی۔ جب جب ملاقات ہو جاتی ہے تقاضا ہو جاتا ہے۔ الحمد للہ کہ اب والدہ کی قبر پر تو لوح کندہ ہو کر لگ گئی، گو پتھر قبر پر ٹھیک نہیں جوڑے گئے ہیں اور چاروں کونوں کے DECORATIVE پتھر ابھی نصب نہیں ہوئے ہیں اور لڑکی کی لوح مزار تیار بھی نہیں ہوئی ہے، نہ پتھر ہی گھڑے جا سکے ہیں۔ وہ بیچارے بھی سخت مصروف ہیں۔ خیر اب خود

آپ کا خط آگیا ہے، براہ راست یہ بظاہر بیہودہ سوال کرتا ہوں۔ "ہمدرد" کا سرمایہ نہ کبھی تھا نہ اب ہے۔ سب کی تنخواہیں مل جاتی ہیں مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پندرہ دن دیر سے ملیں گی یا ڈیڑھ دو مہینے کی دیر سے، کاغذی، ایسوسی ایٹڈ پریس اور مالک مکان کو تو آٹھ آٹھ دس دس ماہ اور ایک ایک سال کا بھی انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ اس لئے کہ پہلے جب آدھا خرچ کامریڈ کے خریداروں پر پڑتا تھا دونوں اخباروں پر پانچ سو سے لے کر ایک ہزار بارہ سو تک خسارہ ماہواری ہو جاتا تھا اور اب جبکہ سب خرچ ہمدرد ہی پر پڑتا ہے پندرہ سو روپیہ ماہوار کا خسارہ ہے۔ خدا شاہد ہے کہ اس لئے ہرگز اس کارخانے کو نہیں چلا رہا ہوں کہ اپنے اور بال بچوں کے اخراجات کے لئے رقم نکالنا مقصود ہے۔ جب سے کامریڈ نکالنے کا خیال ہوا تھا صرف ایک غرض سامنے تھی کہ جو پیغام خدا نے مجھے پہنچایا ہے اسے دنیا تک پہنچا دوں۔ لیکن اب دنیا کی ذہنیت اتنی بدل گئی ہے کہ اخبار اور سفر کے تقریب کے ذریعہ سے یہ پیغام دنیا تک نہیں پہنچا سکتا اس کے لئے مصارف کا انتظام اب ممکن نہیں۔ ارادہ کیا ہے کہ اپنی اس محدود "دنیا" جو "ہمدرد" پڑھتی ہے کو ایک بار اچھی طرح اطلاع دے دوں کہ اگر وہ اسے جاری رکھنا چاہتی ہے تو اس کا قرض ادا کرے اور خریدار بڑھائے تاکہ خواص کی امداد کا انتظار نہ کرنا پڑے (اور اب تو انتظار بھی نہیں کرتا اس لئے کہ یقین ہو گیا ہے کہ امداد نہیں آئے گی)۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تو پھر اس کارخانے کو بند کر دوں اور قوت لایموت کے لئے چند گھنٹے کوئی کام کر کے ہر مہینے چالیس، پچاس یا ساٹھ خود پیدا کر لیا کروں، اتنا ہی بیوی اور بچے بھی پیدا کر لیا کریں، باقی وقت میں انہیں تعلیم دوں، خود تعلیم حاصل کروں اور چند گھنٹے روزانہ اس لئے بچا لیا کروں کہ جو کوئی مجھ سے مشورہ طلب کرنے کے لئے آئے اس کو اپنی رائے سے مطلع کر سکوں تاکہ "گوشہ نشینی" اور خود غرضی کا مجرم نہ بنوں۔ اس طرح پبلک کی وہ خدمت کر سکوں جو ایک پچاس ساٹھ روپیہ کی آمدنی والا کر سکتا ہے۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ عین اس زمانے میں جبکہ "ہمدرد" کی حالت یہ ہے، ملازمت پانے کے لئے بیتاب ہیں، یا خود کسب معاش کے لئے اسی طرح مجبور ہیں جس طرح "ہمدرد" کو بند کر کے میں مجبور ہوں گا اور "ہمدرد" کی سب ایڈیٹری اسی طرح کرنا چاہتے ہیں جس طرح میں "ہمدرد" کو بند کر کے شاید تین چار لڑکوں کی پرائیویٹ ٹیوشن کرنے لگوں۔ یقیناً میں ایمانداری سے اپنی تنخواہ کے برابر محنت کیا کروں گا لیکن مجھے اس سے بحث نہ ہوگی کہ وہ لڑکے کون ہیں اور کس کے ہیں۔ کیا آپ کو بھی آج اس سے بحث نہیں کہ آپ "ہمدرد" کے سب ایڈیٹر مقرر ہوتے ہیں یا کسی اور اخبار کے، یا آپ کی نظر انتخاب خاص "ہمدرد" پر پڑی ہے؟ آپ نے لکھا کہ "ہمدرد" میں کام کرنے کا محرک وہ معاوضہ نہیں ہے جو چند ابیض منقوش کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ اسے تسلیم کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن کیا آپ واقعی اس شخص کے ساتھ رہ کر اس کے مصائب میں شریک ہونا چاہتے ہیں جس کے خیالات کو آج مطلق ہر دلعزیزی حاصل نہیں، حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ آج سے زیادہ وہ کبھی محنت نہیں کیا کرتا تھا اور آج سے زیادہ صحیح رہنمائی اس نے کبھی نہ کی تھی اور آج سے زیادہ وہ ہر دلعزیزی کا کبھی بھی مستحق نہ تھا؟ نہ معلوم آپ "ہمدرد" کو پڑھتے بھی ہیں یا نہیں۔ ۱ر اکتوبر ۱۹۲۶ء سے اس وقت تک سات مہینے مسلسل اتنی محنت میں نے کی ہے کہ کہہ نہیں سکتا اور اردو میں اپنے نزدیک صحیح مذہبی اور سیاسی خیالات کا اتنا انبار لگا دیا ہے کہ چند کتابیں میرے مضامین سے مرتب ہو سکتی ہیں جو باوجود عاجلانہ نویسی کے اس قابل ہوں گی کہ ان سے لوگ دیر تک فائدہ حاصل کر سکیں لیکن جن کے سامنے ان خیالات کا آج اظہار کرنے کی جسارت

کریں گا وہ مجھے پاگل سمجھیں گے اور کہیں گے کہ یہ ہندوستانی اس شخص کے بیوقوف اور بیہودہ ہونے کی صاف دلیل ہے
اس ہندوستانی کی "ہمدرد" کے مضامین پڑھ کر آپ بھی کسی قدر تائید کر سکتے ہیں تو آئیے میرے مصائب میں شریک ہو جائیے
اگر یہ نہیں ہے تو بزنس BUSINESS کے طور پر طے کر لیجئے کہ تاروں کا اور انگریزی اخبارات کے CUTTINGS کا
روپیہ ماہوار پر ترجمہ کر سکے گا اور اخبار کو مرتب کرنے میں مدد دے سکے گا۔ ہمدرد میں جو اشتہار نکل رہا ہے وہ محض بزنس
کارروائی ہے مگر میں نے اب تک اس کو بھی انجام نہیں دیا اس لئے آس بالکل ٹوٹی نہ تھی اور امید تھی کہ شاید کوئی اللہ کا
معنوں میں ASSISTANT بھی مل سکے۔ آج کل تجربہ تو یہی کہہ رہا ہے کہ ASSISTANT تو نہیں RESISTANT ہ
مل جائیں گے۔

تحریری جواب عنایت کرو اور پھر اگر جی چاہے تو ایک دن کے لئے آکر مل جاؤ۔ میں یہاں سے ۸ یا ۹ کو بمبئی
جاؤں گا۔ ۲۳ / ۲۴ تک آنا ہوگا۔ بہتر ہے کہ اس سے پہلے ہی سب کچھ طے ہو جائے۔

جواب کا منتظر اور روپیہ لگانے کی معافی کا خواستگار

آپ کا بھائی: محمد علی ۳ / مئی ۱۹۲۷ء

داؤد صاحب مرحوم کی قبر پر میری طرف سے فاتحہ پڑھ لیجئے گا۔ میں ۱۱½ برس کی عمر میں علی گڑھ گیا تھا تو وہ میرے
کے ہادی اور رہنما تھے۔ آج تک اس پرلطف زمانے کو نہیں بھولا ہوں۔

محمد علی

---

(۷)

بنام مولانا شوکت علی صاحب مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے بھائی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں ایک ہفتے سے برابر اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کو خط لکھوں
مجھے سخت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی اور غالباً میری بھی ڈاک کھولی جاتی ہے اور اگرچہ ہماری زندگی ایک کھلے ورق کی طرح
پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ بعض باتیں غیروں تک جائیں۔ زبانی گفتگو کرنا اور بھی مشکل ہے اور میرا خیال ہے کہ مجھے اسی طرح
خاموش رہنا پڑے گا۔

پہلے اس کے کہ میں اپنے آئندہ پروگرام کے متعلق کچھ کہوں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ ایک ہفتہ ہوا کہ ...
کا جواب آگیا۔ کیا آپ کے لئے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل ہے کہ اس کے دیکھتے ہی میرے جذبات و احساسات
کیفیت تھی اور میں اگر اسی وقت اس کا جواب دیتا تو کیا دیتا۔ میں نے ان حضرت سے نہایت ہی حزم و احتیاط سے
کی ہے اور یہی حال تحریر کا رہا ہے۔ افغانستان کے پاسپورٹوں کے سلسلے میں مولانا عرفان کو اپنے ہمراہ صوبہ سرحد میں
میں نے جانے کے معاملہ میں جب کہ پہلی بار ان سے نیاز حاصل ہوا تھا اور وہ بارہ مولانا عرفان کو منٹگمری پورا جادوا ابھرا

اور جناب جنوبی افریقہ کے داخلہ کے مسئلہ میں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کا طرزِ عمل یہ ہرگز نہ ہوتا، مگر میں جو غم و غصہ مشہور ہوا صورت حالات اور ضرورت دونوں کو پیشِ نظر رکھ کر مجبور ہو گیا کہ اس قدر صبر و ضبط سے کام لوں۔ اگر میں واقعی اس قدر زود خشم ہوتا جس قدر کہ ہمارے دوستوں نے دشمنوں سے بھی زیادہ مشہور کیا ہے تو کبھی اس قدر صبر و ضبط کا یارا نہ رکھ سکتا۔ بہرحال اب اس تمام حزم و احتیاط کا یہ نتیجہ نکلا ہے۔ اب جو آپ کی رائے ہو۔ میں نے ابھی اس جواب کی نقل آپ کے ملاحظہ کے لئے کی تو پھر جی چاہا کہ ان حضرت کو پہلے جواب لکھ دوں اور بعد کو اس کی بھی نقل اس کے ہم رشتہ آپ کو ارسال کر دوں اور تب جا کر آپ کو یہ خط لکھوں۔ مگر میں نے پھر صبر و ضبط سے کام لیا اور ابھی انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ کے دوست سر حبیب اللہ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے ان کو کچھ لکھا تھا یا نہیں؛ وہ ہندوستان کی طرف سے جنیوا میں سرگرمی فرمائیں گے، نہیں معلوم وہ کیا فرماتے ہیں۔ میرا قیاس ہے کہ انہوں نے انہیں حضرت کے ذریعہ سے پیش بندی فرما دی ہے اور ابھی تو پہلا ہی قدم مشکل ہے، یعنی آپ کو پاسپورٹ ملنا۔ جب آپ اس مرحلے سے بھی گذر جائیں گے تب بھی سر حبیب اللہ سے آپ کو واسطہ پڑے گا، بلکہ براہِ راست آپ کو جنوبی افریقہ کی حکومت سے داخلہ کی اجازت مع میرے مانگنا پڑے گی اور جب سنگاپور کی حکومت عرفان صاحب کے صوبہ سرحد کے ریکارڈ کو اس قدر REPROACHABLE سمجھتی ہے تو کیا جنوبی افریقہ کی حکومت ہمارے ریکارڈ کو بالکل IRREPROACHABLE سمجھے گی۔ حقیقتاً دونوں حکومتوں کے درمیان اس معاملہ کے متعلق اب بھی گفتگو و شنید ہو چکی ہو گی تاہم مجھے مطلع کیجئے کہ سر حبیب اللہ کیا فرماتے ہیں اور اس میں کچھ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ نہ بھی مدد کریں تب بھی ہمیں پاسپورٹوں اور داخلہ کی اجازت کے حصول کے لئے کوشش کرنا چاہئے تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہم کو کرنا ہو وہ ہم کریں۔ اسی وجہ سے میں نے سرٹینس برے کے خط کا جواب اب تک نہیں لکھا ہے نہ اخبارات کو مولانا عرفان کے متعلق کوئی اطلاع دی ہے۔ حکومت ہمارے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہے اور ردہ لاہور کا اخبار بیچنے والا اور یہاں دہلی کا قدِ آدم پوسٹر مسلمانوں کو اس کا یقین دلا رہے ہیں کہ ہم حکومت سے مل گئے اور آئندہ کبھی بھی اس کی مخالفت نہ کریں گے۔ ان لوگوں کی اس قسم کی مجنونانہ حرکات پر مجھے حیرت نہیں ہوتی، مرتا کیا نہ کرتا، مگر حیرت اس پر ہوتی ہے کہ عوام کا مذاق ان لوگوں نے اس قدر بگاڑ دیا ہے کہ ایک خاصی جماعت ان مجنونانہ باتوں پر یقین لے آنے کو تیار ہے اور اس میں سے بعض جو کبھی مجھ سے اس کی شکایت کرتے تھے کہ آپ ان لوگوں کے منہ کیوں لگتے ہیں یہ اس قابل نہیں کہ آپ جیسا لیڈر ان کا مدِ مقابل بنے (حالانکہ اوروں میں کسی نے نہ اس طرف توجہ کی، نہ اتنی ہمت کی کہ ان کے روز افزوں اثر کا مقابلہ کر کے عوام پر ان کی حقیقت ظاہر کر دے اور اس لئے عوام میں ان کا اس قدر مہلک مگر زبردست اثر پھیل گیا) وہی آج اس کی تعریف بھی کر رہے ہیں کہ آپ نے اس بار ان لوگوں کو منہ نہیں لگایا، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ لوگوں نے یہ افواہ اڑانا شروع کی ہے کہ یہ دونوں بھائی انگریزوں سے مل گئے ہیں اس کی ضرور تردید کر دینا چاہئے۔ خدا کی شان ہے علی برادران کے متعلق یہ افواہ اڑائی جائے اور انہیں اس کی تردید کرنا پڑے۔ یہ لوگ جو ایسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں، عوام نہیں بلکہ ان سے زیادہ سنجیدہ طبقہ کے لوگ ہیں۔ حقیقتاً سمجھدار لوگوں کی آج اتنی کمی ہے کہ ان کا ایک ہاتھ کی بھی انگلیوں پر گن لینا مشکل نہیں۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ہماری ساری عمر کی محنت کا اس سے زیادہ

نتیجہ نہیں نکلا کہ ہندو ایک نامراد اور متعصب اور تنگ دل جماعت بن گئے اور مسلمان ایک جماعت بھی نہ بن سکے بلکہ منتشر افراد ایک گروہ ہو کر رہ گئے ہیں اور برنارڈ شا کے ڈرامے "BACK TO METHUSELAH" میں EVOLUTION آخری STAGE - "AS FAR AS THE EYE CAN SEE" میں انسان نے جو LABORATORY میں بیٹھ کر جو مشین کا اور عورت کا جوڑا بنایا ہے، اس کی طرح ہو گئے ہیں۔ ان سے جب پوچھا جاتا ہے کہ تم ہمارے متعلق کیا خیال کرتے ہو جواب دیتے ہیں کہ ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔ ہم نے آج صبح کا اخبار نہیں دیکھا ہے۔ مسلمانوں میں آج ایک اخبار بھی نہیں جسے چلانے والے مکر و فریب، زر پرستی اور خود غرضی سے پاک ہوں اور امور عامہ کے متعلق سنجیدگی اور متانت سے اور غور و فکر کے بعد رائے کا اظہار کر سکیں اور پھر قوم ایسی ہے کہ ہر صبح ان کی رائے کی اس طرح محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں دو سال سے اس کا ارادہ کر رہا تھا کہ بہتر ہے کہ دو تین سال اس "قوم" کو اس کے حال پر چھوڑا جائے۔ اس کا جو فرد خود اس کو محسوس کرے کہ ہم سے رائے مانگے، تو اسے اظہار رائے سے کبھی محروم نہ کیا جائے مگر خواہ مخواہ ہر وقت اظہار رائے سے احتراز کیا جائے اور آئندہ کنواں پیاسے کے پاس دوڑا دوڑا نہ پھرے۔ جب یہ لوگ اپنے حاصل کردہ تلخ تجربہ سے سیکھ لیں گے کہ یہ اخبار بیچنے والے اور یہ قدِ آدم پوسٹر اور یہ جلوسوں کے جلوس خود قوم کے محتاج ہیں، قوم ان کی ہرگز محتاج نہیں تو وہ بھی اپنی اس روش کو ترک کر دیں گے کہ؎

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اخبار نویسوں میں آج ایک بھی اہل الرائے نہیں، اگر کچھ ہیں تو "اہل قلم" ہیں جو قلم چلا کر اپنی روٹی کمانا ایک حد تک جانتے ہیں لہٰذا جو کوئی اہل الرائے اس میدان میں آتا ہے اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو ہمیشہ اندھوں میں ایک آنکھوں والے کا ہوتا ہے۔ یہ سراسر غلط ہے کہ IN THE KINGDOM OF THE BLIND THE ONE-EYED IS KING - حقیقت یہ ہے کہ IN THE KINGDOM OF THE BLIND THE ONE-EYED IS HUNG - یہ تو عام بحث تھی اب میرے پروگرام کے متعلق سنئے۔ میں حمیدہ کی علالت اور اپنے افلاس کے باعث مجبور تھا کہ یہاں نہ جاؤں مگر آپ کے اصرار سے اور اس امید پر کہ میرے گھر کے مصارف کے لئے آپ روپیہ بھجوا سکیں گے میں یہاں آ گیا۔ وہاں جو کچھ ہوا اسے میں اپنے خط میں تفصیل سے تحریر کر چکا ہوں اور اگر آپ نے عرفان صاحب سے پوچھا ہوگا تو انہوں نے بھی ساری کیفیت بیان کر دی ہوگی۔ جب گھر کے مصارف کے لئے امجدی کو کچھ بھی نہ مل سکا، اور یہاں ماجد روزانہ مصارف کے لئے تنگ ہونے لگا، اور حمیدہ کی علالت نے دوا دارو کے اخراجات بھی بڑھا دئے، اور ۲۵ - راجندر روڈ پر ڈاکٹر شرف کی کوٹھی اسے کرایہ پر لینا پڑی، اور اسے یہاں ایک کی جگہ دو گھروں کا خرچ درکار تھا، مجھے تعجب ہوا کہ آپ نے مجھے کلکتہ تار دیا کہ کچھ عرصہ تک میں بنگال میں دورہ کروں جہاں ایک شخص بھی میرا دورہ نہیں چاہتا تھا، الّا ماشاءاللہ ان چند لوگوں کے سوائے جنہیں ایک زبردست الیکشن ایجنٹ کی ضرورت تھی جو مفت میں ان کی مدد کیلئے کھڑا ہو جائے۔ یہی وہ قوم ہے جو آج ہماری محتاج ہے، باقی سب مستغنی ہیں۔ سعدی کو تو اسی کی فکر تھی کہ ؎

شب چو عقد نماز بر بندم　　　چہ خورد بامداد فرزندم

لیکن نماز کی نیت باندھنا تو فرض ہے، ان حکومت پرستوں اور خود غرضوں کا الیکشن ایجنٹ بننا کس نے ہمارے لئے فرض مقرر کیا ہے؟ سر عبدالرحیم صاحب اور فضل الحق صاحب کے MANIFESTO میں اپنی جتھہ بندی کے لئے تو سارے جتن کئے گئے، مگر مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ہندوانی غضب سے بچنے کے بارے میں ایک حرف بھی نہ تھا۔ ان حضرات کا آلۂ کار بننا ہمارے لئے کب فرض ہے کہ بال بچوں کو بھوکا چھوڑ کر ہم ان کے مفت کے ایجنٹ بنتے پھریں۔ حقیقتاً مجھے تو اب تک یہ بھی نہیں معلوم کہ ان خود غرضوں اور حکومت پرستوں سے کفیع داؤدی صاحب جیسے مخلص مسلمان نے آئندہ کے لئے کیا سمجھوتہ کیا ہے اور میں اگر اس وقت کام کر بھی سکتا تو ہرگز نہ کرتا جب تک یہ طے نہ ہو جاتا کہ نفس پرستوں کے مقابلے میں ملت پرستوں کا کس طرح انتخاب ہوگا اور جب دونوں کونسلوں میں جا بیٹھیں گے تو ہم عملی کی کیا صورت ہوگی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج میں کسی کام کے قابل بھی نہیں ہوں۔

سب سے پہلے حمیدہ کی علالت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ برسوں سے بیمار چلی آرہی تھی۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں اسے شملہ لے کر گیا اور اگرچہ وہاں جانے سے فائدہ ہوا مگر میرٹھ سے لوٹنے پر ملیریا نے شملہ میں بھی آ دبایا تھا اور وہاں بھی ایک ہفتہ صاحب فراش ہی رہی تھی اور دہلی واپس آنے کے بعد پھر بے اطمینانی تھی۔ ۶ مئی ۱۹۲۸ء کو شادی ہوئی اور ۳۰ مئی سے جو سلسلہ علالت کا شروع ہوا تو آج تک جاری ہے۔ ڈاکٹر انصاری کا ہمیشہ علاج ہوا تھا۔ منصوری میں ڈاکٹر بچر کا علاج ہوا تو مسی پر لیڈی ڈاکٹر کیمبل کا مسلسل علاج ہوتا رہا۔ مگر فروری ۱۹۲۹ء میں حالت اور بگڑ گئی اور حالانکہ ان کا مس کین کا اور ڈاکٹر سنگھ کا CONSULTATION کرایا گیا اور سنگھ کا علاج ہوا لیکن کچھ بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ اب تک ملیریا ہی کا شبہ ہوتا رہا۔ اس کے بعد حکیم محمد احمد صاحب کا علاج کرایا گیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ ہاضمہ ہمیشہ سے خراب تھا، قولنج کا درد برسوں سے اٹھا کرتا تھا، بہت ہی کم ایک وقت سے زائد کھانا کھاتی تھی مگر اب تو پیچش کے سے آثار معلوم ہوئے اور آنوں آنے لگی، جسے سنگھ نے کونین کا اثر سمجھا۔ حکیم محمد احمد خاں کی دوا سے آنوں آنا بند ہوئی مگر نفخ نے سخت تکلیف دی۔ جب پھر ڈاکٹر انصاری اور ان کے ساتھ ڈاکٹر فرقبشی کا علاج کرایا گیا تو BACILLUS COLI کا شک گذرا مگر S.K.SEN BACTERIOLOGIST کی رپورٹ سے ثابت ہوا کہ یہ بھی نہیں ہے، تاہم قیاس کیا گیا کہ اثر اسی کا ہے اور ایک پچکاری کا سلسلہ شروع ہوا جس سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور بخار ۱۰۲ سے بڑھ کر روزانہ ۱۰۳، ۱۰۴ اور ۱۰۵ تک پہنچ گیا۔ تب جا کر ڈاکٹر انصاری نے اس کا اقبال کیا کہ بھائی ہم اب تک اس کے مرض کی تشخیص نہیں کر سکے۔ اتنا جانتے ہیں کہ دق نہیں ہے۔ تاہم چونکہ ایک شب کو باہر سوتے ہوئے سردی لگی اور کچھ اوڑھا نہ گیا جس سے خفیف سی کھانسی کی خراش پیدا ہو گئی ہے، اب ہم علاج میں پہلے کی طرح دق کی رعایت بھی رکھیں گے۔ ایک ہفتہ یہ علاج جاری رہے، اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو سول سرجن کو بلا کر دکھایا جائے تاکہ وہ کوئی آزاد رائے قائم کر سکے۔ آج وہ ہفتہ ختم ہوتا ہے اور غالباً کل سول سرجن بلایا جائے گا۔ روزانہ ۱۰۲ بخار ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ امر ہے کہ غذا بالکل نہیں ہوتی۔ گذشتہ نصف ماہ میں مرغی کا شوربہ اور روٹی کا چھلکا بھی نہیں کھایا گیا، صرف علی الصبح ایک یا نصف انڈا آملٹ کی شکل میں، ایک یا دو بار ایک توس اور مکھن اور ایک یا آدھا پاپا، یہ دن بھر کی کل غذا ہو گئی تھی۔ BULGARIAN BACILLUS CULTURE کا دہی بنا کر دیا گیا، مگر وہ بھی نہ کھا سکا۔ صبح سے رات تک برابر بکائی آتی رہتی ہے

ایکا ئی دھڑکنے کی دوا بھی اب مطلق کارگر نہیں ہوتی۔ بعض دن صبح کا ناشتہ بھی ٹال دیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس دن غذا مطلق نہیں ہوتی! عرفان صاحب کی موجودگی ہی میں حالت بے حد خراب تھی لیکن آج خراب تر ہے۔ تاہم SPUTUM کا امتحان کرایا گیا تھا۔ رپورٹ سے صرف معمولی سی کھانسی کا پتہ چلا، دق کے کوئی آثار نہیں۔ ایسی مریضہ کو چھوڑ کر نہ میں بنگال کا دورہ کر سکتا تھا اور نہ بمبئی آ سکتا ہوں اور جنوبی افریقہ کا تو کسی کو خیال بھی نہیں آ سکتا۔ آمنہ کی موت کے بعد ہی میں امجدی سمیت برما جانے کو تیار ہو گیا تھا مگر آپ کو TYPHOID میں موت کے منہ میں چھوڑ کر برما نہیں جا سکتا تھا، صرف کلکتہ جا سکتا تھا، اور گیا تھا۔ قوم اور ملک کا کام ساری عمر کیا ہے، کبھی اپنے عیش و آرام کے خیال نے یا کسی اور ذاتی غرض نے آج تک اس سے نہیں روکا لیکن ایک جوان لڑکی کی موت کے بعد دوسری جوان لڑکی کو ایسی حالت میں چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا سکتا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس کا شوہر مجبور ہو کر اپنا روپیہ وصول کرنے کے لئے باہر مارا مارا پھرے۔ میں تو برما چھوڑ کر بھی حمیدہ کو دیکھنے نہیں آیا، گو ماجد کو اس کا ڈر تھا۔ روپیہ دلوانے کے لئے تیار تھا کہ تھرڈ کلاس ہی میں سفر کر کے فوراً آ اور پہنچ جاؤں بہ نسبت اس کے کہ تمہارا لڑکا ولایت چلے جائیں تاہم ماجد کو تار میں لکھ دیا تھا کہ برما کے کام میں اس سے ہرج ضرور ہوگا۔ ماجد کا تار آ گیا کہ کام میں ہرج نہ کیجئے، یہاں پر امید بندھی ہے۔ چنانچہ میں برما نہیں گیا اور دس دن اور وہاں ضائع کئے۔ مجھے اور بھی تعجب آپ کا تار کلکتہ میں پا کر اس سے ہوا کہ آپ نے میری مالی حالت اور میرے کوچہ چیلاں کے مکان سے نکالے جانے کا بھی مطلق خیال نہ کیا! آپ کے اصرار پر اور اس امید پر کہ آپ امجدی کو میرے روپیہ میں سے کم از کم اتنا بھجوا دیں گے کہ وہ کام چلا سکیں۔ برما مارچ میں چلا گیا تھا مگر آپ روپیہ فراہم نہ کر سکے اور امجدی جس مصیبت میں گرفتار رہیں اس کا شاید آپ کو اندازہ نہ ہو سکا، ورنہ آپ مجھے ہدایت نہ کرتے کہ برما میں اتنی دیر لگانے کے بعد وہاں سے آتے ہوئے میں بنگال میں دورہ کروں۔ کلکتہ میں خلافت کے سب سے زیادہ پُر جوش اور با اثر کام کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ میں نے اس روپیہ کو جو کمریڈ کے دوبارہ اجرا کے لئے گل شیر خاں وغیرہ نے بلا میری اجازت کے جمع کر دیا تھا، چند ماہ کے لئے قرض مانگا کہ جب تک کچھ کمانے کا انتظام کر سکوں گذر اوقات ہو سکے اور انہوں نے حتمی وعدہ بھی کر لیا کہ دو تین دن میں بذریعہ تار روانہ کر دیں گے، آج تک اسے روانہ کر رہے ہیں۔ ایک صاحب سے پانچ سو روپیہ قرض حسنہ ملے تو اس وقت تک کام چلا اور احمد علی بھائی نے امجدی کی جائیداد میں سے پانچ سو روپیہ بھجوا دئے تو ماجد کے قرضہ میں سے دے دئے ورنہ حمیدہ کے علاج کے لئے بھی کچھ نہ تھا۔ ایسی حالت میں وہ کون سا سیاسی یا مذہبی فرض ہے جس کے ادا کرنے کے لئے میں مجبور ہوں کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوں؟

سب سے بڑی مصیبت مکان کی ہے۔ مسلم لیگ کے جلسہ کے بعد عبدالرحمٰن وکیل کے سامنے صالح صاحب نے قطعی نوٹس دے دیا کہ مکان خالی کر دیا جانا چاہیے انہیں کوئی زیادہ کرایہ دینے والا ملے یا نہ ملے، یا کوئی خریدار مکان خریدے یا نہ خریدے۔ آپ کو معلوم ہے کہ صالح صاحب خود ہی اس کی وجہ بھی ظاہر کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ میں وہابی اور ابن سعود کا خاص نہیں۔ ان کے الفاظ یہ تھے کہ چچا جان پسند نہیں کرتے (وہ آج کل مکہ مکرمہ میں ہیں) اور آپ اختلاف عقائد بھی رکھتے ہیں۔ گذشتہ سال تو میں نے نہ صرف اس زمانے کا تمام کرایہ، بلکہ حسب قرارداد گذشتہ دور کا بھی کرایہ اس دور کے کرایہ کے ساتھ بہ قسط پچاس روپیہ ماہوار ادا کر چکا تھا اب جبکہ وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ کوئی کرایہ دار تم سے زیادہ کرایہ ادا کرنے کو تیار ہے!

۱

کوئی خریدار خرید رہا ہے۔ مجھ سے مکان خالی کرانا اس بنا پر ہے جس بنا پر عبدالحق اور انوار الحق (انوار صالح کا بھتیجا ہے) مسلم لیگ میں ہمارے خلاف اس قدر نمایاں حصہ لے رہے تھے اور جس بنا پر مولانا عبدالقادر قصوری اور پنجابی ٹولی کا ایک نہرو رپورٹ کے موافق ہو گئے ہیں۔ بہرحال میں نے یہ آخری نوٹس پا کر فوراً فیصلہ کر لیا کہ پریس کو بند کر دیا جائے اور اب اس مکان میں ایک دن بھی نہ رہا جائے مگر بستا جانا ضروری تھا اس لئے چند مکانات کو فوراً امجدی کو دکھا کر بستا چلا گیا اور امجدی سے کہہ گیا کہ ۱۰ مئی تک قرول باغ چلی جاؤ۔ پریس کو اکھڑوانے کے لئے ماجد، صدیق، اسرائیلی اور جعفری سے کہہ گیا کہ وہ اسے DISMANTLE کرا کے کسی GODOWN وغیرہ میں رکھوا دیں۔ حمیدہ کے لئے اس کی خواہش کے مطابق ایک ٹھنڈی جگہ کی تلاش تھی جو اس وقت قرول باغ میں نہ مل سکی، مگر ڈاکٹر شراف ولایت جا رہے تھے، راجپور روڈ پر ان کا بنگلہ نصف کرایہ پر ماجد نے لے لیا اور وہ اور حمیدہ تو حسب قرارداد ۱ مئی سے گھر خالی کر کے چلے گئے مگر قرول باغ میں اس وقت کوئی اور مکان طے نہ ہو سکا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مشینوں کے اکھڑوانے، لدوانے اور کسی اور جگہ STORE کرانے کا بندوبست نہ کر سکا۔ ماجد علاوہ تیمارداری کے اپنی مصیبت میں مبتلا ہے اور رات ہی پھر آفس سے لوٹتا ہے اور اب تک کچھ نہ مل سکا۔ اس کو فرصت نہ تھی۔ صدیق صاحب محض بیکار ہیں۔ اسرائیلی صاحب اور جعفری بھی اس میدان کے مرد نہ تھے، نہ اب مجھے حمیدہ کی بیماری میں اتنا ہوش ہے کہ خود کھڑے ہو کر اس کام کو کراؤں۔ جب ماجد باہر جاتا ہے (اور یہ اکثر ہوتا ہے) مجھے اور امجدی کو حمیدہ کے پاس سونا پڑتا ہے۔ ماجد کے نوکر کی ماں کو نمونیہ ہو گیا اور وہ تار ملتے ہی امروہہ چلا گیا اس لئے اس بار تو کوئی نوکر بھی نہیں ہے۔ میرے پاس عرصہ سے کوئی نوکر نہ تھا۔ دن بھر دوا پلانا، غذا کھلانے کی کوشش کرنا، حرارت معلوم کرنا، تسلی اور تشفی دینا، ڈاکٹروں کے پاس جانا اور رات کو تھک کر حمیدہ کے پاس پڑ جانا یہ میرا دن رات کا وظیفہ ہے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر کسی بدمعاش نے ایک پرزہ بھی توڑ ڈالا تو ساری مشین بے کار ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں اکھڑوانے، PACK کرانے اور کہیں سے لدوا کر لے جانے اور STORE کروانے میں صرف کثیر کی ضرورت ہے اور وہ ندارد، مجبور ہو کر فیصلہ کیا ہے کہ پریس کو فروخت کر دوں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کام آسان نہیں۔ پھر اس کی بھی DEBENTURE BOLDER سے اجازت لینا ہے اور تمام مشینوں اور ٹائپ کی فہرست تیار کرانا اور خریدنے وقت کی قیمت نکال کر اس وقت کی قیمت کا تخمینہ کرنا ہے۔ خدا بھلا کرے خان صاحب عبدالعلی خان کا کہ پہلے دور کے ٹائپ وغیرہ کی چوری کا تخمینہ لگانے میں انہوں نے جو کوشش کی تھی اس کے کاغذات موجود ہیں جس سے پریس کی بعض چیزوں کی اصل قیمت معلوم ہو سکتی ہے ورنہ عثمان صاحب نے تو اس بری طرح کام کیا ہے کہ کسی چیز کا پتہ لگانا آسان نہیں۔ جس طرح بھی ہو رہا ہے یہ کام کر رہا ہوں۔ اگر ماجد اب چند دن تک یہاں رہے تو میں گھر جا سکوں گا۔ لیکن یہ مہینہ بھی ختم ہو رہا ہے اور اب میں سو روپیہ یا ہمارا مکان کا کرایہ کس طرح اور کہاں سے لا کر دے سکتا ہوں؟ مجبور ہو کر صالح صاحب سے کہا ہے کہ پہلے دور کے خاتمہ کی طرح نیچے کا پریس کا حصہ مجھے کرایہ پر اس وقت تک کے لئے دے دیں جب تک کہ پریس دو تین ماہ میں فروخت ہو جائے۔ چار دن تک ان کے پیچھے دھوپ اور لوؤں میں پھرتا رہا۔ کل جواب ملنے والا تھا مگر نہ ملا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتے تو سوائے اس کے چارہ نہیں کہ اسی مکان میں ابھی قیام کروں حالانکہ وہ اب بالکل ویرانہ کی طرح سونا پڑا ہے اور اس کا ½ حصہ میرے لئے

بیکار اور غیر ضروری ہے۔ اگر پریس والا حصہ کرایہ پر مل گیا تو کل ہی قرول باغ کے مکانوں میں سے ایک کو کرایہ پر کے بار بار دھونا پڑے گا۔ ایسی حالت میں جنوبی افریقہ تو درکنار مجھے افسوس ہے کہ بمبئی تک نہیں آسکتا۔

پھر سب سے آخر میں خود میری علالت ہے۔ یقین جانئے کہ میں سخت بیمار ہوں۔ جنوبی افریقہ کا سفر ممکن تھا کہ میری صحت کے لئے بے حد مفید ہوتا۔ مگر میری گوناگوں مجبوریوں نے اس کا خیال ہی دل سے نکال دیا۔ لیکن اب میں درحقیقت کہیں نہیں جا سکتا۔ اگر حمیدہ اچھی ہوتی اور روپیہ پاس ہوتا تو جا کر کسی گوشہ میں پڑ جاتا اور اپنا علاج کراتا۔ لاہور جا کر وہاں ایک مشہور و معروف حکیم صاحب جن سے تھرو ماکٹ نے مجھے ملایا تھا، علاج کروانے کا اپریل میں وعدہ تھا۔ اب چاہتا تھا کہ ہر ہفتہ ایک دن کے لئے وہاں چلا جایا کروں مگر حمیدہ، مکان، پریس اور مالی حالت سب نے مجبور کر دیا کہ دہلی ہی میں قیام کروں اور حکیم اجمل خاں مرحوم سے جو حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں برسوں سے ان کے نسخے لکھا کرتے تھے، علاج کراؤں۔ وہی حمیدہ کو بھی دیکھ چکے ہیں، اور سول سرجن کے علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا تو ان سے یا الور کے حکیم صاحب سے جو الور سے علیحدہ ہو کر دہلی آ گئے ہیں، حمیدہ کا بھی علاج کرایا جائے گا۔ رہا میں COL - SAIHGAL, M - S, EYE - SPECIALIST کو آنکھ دکھائی تھی۔ وہ اس کو غالباً پانی آ رہا ہے وہ کچھ نہ کہہ سکے، نہ علاج کہہ سکے اور کہا کہ دہلی میں تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد ڈاکٹر کو آنکھ دکھاتے رہئے چنانچہ ڈاکٹر شبیہ کو سول ہاسپٹل جا کر گھنٹہ سوا گھنٹہ تک آنکھ دکھائی۔ سب ذیابیطس کا اثر ہے اور پانی آ رہا ہے جب بالکل آ جائے گا تو آپریشن ہو سکے گا۔ لیکن ایک ذیابیطس کا آپریشن ملک الموت کے لئے پھاٹک کھول دیتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ کوئی اور طریقہ علاج کا ڈھونڈا جائے۔ پاؤں میں احساس کی کمی روز کم ہوتی جاتی ہے اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکڑی کے پاؤں ہیں۔ مگر افسوس کہ لکڑی کے بھی نہیں کہ درد سے تو بچوں اور آپریشن کا تو اندیشہ نہ رہے۔ ایسی حالت میں مجبور ہوں کہ کوئی کام نہیں کر سکتا، ورنہ بمبئی آنے کا قطعی ارادہ تھا اور [1] پر روشنی ڈالنے کا تہیہ کر چکا تھا مگر مختلف مجبوریوں کے باعث اس INQUIRY میں بھی شریک نہیں ہو سکتا۔ حقیقتاً اگر یہ INQUIRY بجائے بمبئی کے دہلی میں بھی ہوتی تو اس کے لئے وقت نکالنا مشکل ہوتا۔

اب تک پریس کے فروخت کرانے کی اجازت DEBENTURE HOLDERS سے نہیں ملی، اس کے گاہک فراہم کرنے کا کام بھی مطلق نہیں کر سکا ہوں۔ خود مُردوں کی طرح ہوں اور ایک اپنے سے بھی سخت علیل لڑکی کی تیمارداری میں مصروف ہوں اور نہیں جانتا کہ کل کو میرا رزاق میرا رزق کہاں سے دلوائے گا۔ ایسا آدمی سب ہی کاموں سے معذور ہے اور مجھے معذور سمجھئے اور میرے لئے دعا کیجئے۔

میرا آئندہ کے لئے یہ پروگرام ہے کہ ان موجودہ مشغولیتوں سے پیچھا چھڑاؤں، قرول باغ میں رہوں اور دو کتب ایک انگریزی اور ایک اردو میں لکھوں، دونوں اسلام کے متعلق اپنے خیالات پریشاں کا مجموعہ اور ان سے پیشتر زیادہ تر سال بھر کی روٹی پیدا کرنے کے لئے، اپنا سفرنامہ دو تین ماہ میں کہہ ڈالوں اور چھپوا دوں۔ دیکھئے کہ اس کے لئے بھی فرصت اور صحت نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ اس وقت توکل کے کھانے کو بھی کچھ نہیں۔

اتوار کی شام کو دو مسلمان نوجوانوں سے جو DAILY CHRONICAL میں کام کرتے تھے معلوم ہوا کہ

---

[1] یہ لفظ پڑھا نہیں گیا۔

شاہ امان اللہ خاں اور ان کے رفقا اور عزیز دہلی سے صبح کو گذریں گے۔ چیف کمشنر سے ٹیلیفون پر دریافت کرنے پر اس کی تصدیق ہوئی اور معلوم ہوا کہ اگر میں جا کر ملنا چاہوں تو کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور اگرچہ وہ خود اسٹیشن پر نہ ہوں گے نہ حکومت دہلی کی طرف سے کوئی اور شخص تاہم پولیس کے عہدہ دار انتظام کے لئے موجود ہوں گے اور MAJOR WICKHAM کوئٹہ سے ہمراہ آ رہے ہیں ان سے ملنا کافی ہوگا۔ چنانچہ ۲ بجے گھر پہنچ کر کپڑے بدلے اور ساڑھے چھ بجے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ معلوم ہوا کہ گاڑی پانچ گھنٹے دیر سے آ رہی ہے۔ احتیاطاً اسٹیشن والوں سے کہہ گیا کہ اگر کچھ وقت گاڑی بچا سکے اور پہلے آنے والی ہو تو ماجد کے ایک پڑوسی کے ہاں مجھے ٹیلیفون کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ خبر پا کر کہ ٹرین دس بجے پہنچ جائے گی، میں سوا نو بجے ماجد کے مکان سے چل کر پونے ۱۰ بجے اسٹیشن پہنچ گیا۔ ہندو اخبارات INTERVIEW مانگتے تھے مگر میں نے پیچھا چھڑایا۔ دس کے قریب بالآخر اسپیشل آ گئی۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ پلیٹ فارم پر آئے اور پولیس کا صرف اسی قدر انتظام تھا کہ جب گاڑی رک گئی اور اس میں سے بلوچستان کے مسلح پولیس والے دس بیس آدمی نکلے تو تماشائی چند قدم پیچھے کھڑے کر دئیے گئے۔ میں نے MAJOR WICKHAM سے ملاقات کر کے اعلیٰحضرت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی جو ان کے وزیر تک پہنچا دی گئی مگر بیچارے کہم نے کہا کہ غالباً وہ کسی سے نہ ملیں گے، ان کے پاس کپڑے تک نہیں ہیں۔ اتنے میں ان کے چند رفقا اور عزیز گاڑیوں سے اتر کر دوسری گاڑیوں میں جانے والے تھے۔ میں نے سب کو سلام کیا۔ انہی میں امیر یا سردار عنایت اللہ خاں بھی تھے جن کی شکل حبیب اللہ خاں سے کس قدر ملتی ہے اور جسم بھی بھاری پڑ رہا ہے اور چہرہ بھی گول ہے۔ مجھ سے مصافحہ کیا، مگر جب میں نے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا تو ہاتھ شرافت کے ساتھ کھینچ لیا۔ میرا مزاج پوچھا، میں نے کہا کہ اچھا نہیں ہوں، پوچھا بیمار ہو؟ میں نے کہا بیمار اور اس سے زیادہ سوگوار، اسلام، مسلمانانِ عالم، ایشیا، افغانستان، ہندوستان اور ان کے خاندان کے حال پر —— حسرت بھرے لہجہ میں شکریہ ادا کر کے جلد رخصت ہو گئے۔ اس وقت ان لوگوں سے زیادہ گفتگو کرنا بھی انہیں تکلیف پہنچانا تھا اس لئے میں نے عنایت اللہ خاں صاحب کو روکنا نہ چاہا۔ اس کے بعد عبدالہادی خاں صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، خود ہی کہا کہ میں عبدالہادی ہوں۔ میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، انہوں نے میرے ہاتھ کو، میں نے کہا کہ اعلیٰحضرت کو اگر اطلاع دے دی جائے کہ میں خراجِ ہمدردی کے لئے حاضر ہوا ہوں تو ممنون ہوں گا، کہا ضرور عرض کر دوں گا۔ اس کے بعد لالہ گردھاری لال اور "تیج" "کا سینڈیا" "وِیش بندھو" "گپتا" اور ہندوستان ٹائمز کے ایڈیٹر صاحب جناب مسٹر ساہنی اور رجپند اور ہندو اور رجیا احسان اور فری پریس وغیرہ کے چند نمائندے آ گئے اور کچھ کیمرہ والے بھی اور عبدالہادی خاں صاحب سے کہا کہ ہم ہنود کی طرف سے حاضر ہوئے ہیں اور ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا کسی PUBLIC MEETING میں ان کا اس کام کے لئے انتخاب ہوا تھا، تو کہا کہ جلسہ کیسا؟ ہمیں تو صرف گھنٹہ بھر پیشتر ورود اعلیٰحضرت کا علم ہوا ہے۔ اعلیٰحضرت نے ان کے لائے ہوئے تھوڑے سے پھل قبول کر لئے اور بلا ملے دلے ان کا شکریہ ادا کر دیا۔ عبدالہادی خاں نے مجھ سے آ کر بھی کہا کہ اعلیٰحضرت مشکور ہیں اور انہوں نے یا ان کے کسی اور ساتھی نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کی ہمدردی تو آج کی نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ کی ہے۔ دربار غلام جیلانی خاں سے ملا۔ عبدالہادی خاں تو معمولی پشاوری کا سا لباس پہنے ہوئے تھے۔ البتہ زیادہ تر لوگ نیلگوں GREY رنگ کی کسی سوتی کپڑے کی جودھ پوری برجیس پہنے ہوئے تھے، جو ممکن ہے کہ MILITARY UNIFORM ہوں۔ امیر عنایت اللہ خاں اور

غلام جیلانی خاں دونوں کوٹ اتارے ہوئے تھے اور غالباً شہزادے بھی کوٹ اتارے ہوئے تھے اور
محسوس کر رہے تھے۔ غلام جیلانی خاں کی تو داڑھی بھی چار پانچ دن سے نہیں منڈی تھی اور ٹھڈی پر ذرا سی
اس کے تک بھگ منڈی ہوئی داڑھی بھی آپہنچی تھی۔ عبدالہادی خاں اور غلام جیلانی خاں دونوں نے انکار کیا
CIVIL & MILITARY میں چھپا تھا کوئی لڑائی ہوئی اور شاہ امان اللہ خاں کے ڈھائی ہزار آدمی ما
نے کہا کوئی جنگ نہیں ہوئی اور اعلیٰحضرت نے خون ریزی سے احتراز کیا اور جنگ نہیں کی۔ غلام جیلانی
شکایت کی کرتے انگورا گئے اور مجھ سے نہ ملے۔ میں نے کہا کہ پورا ارادہ تھا لیکن جب مصطفیٰ کمال پاشا نے ا
تو مجھے بے حد غصہ آیا اور میں فوراً چل دیا اور بھول گیا کہ ابھی آپ سے ملا بھی نہ تھا۔ جب ریل چل دی تو
ہوا۔ میں نے لجاجت سے ان سے معافی چاہی اور پوچھا کہ کیا انہوں نے میرے بیان کو باور کر کے
تو انہوں نے کہا کہ ہاں، آپ معذور تھے۔ میں نے غلام نبی خاں صاحب کا اپنے ساتھ دہلی میں کھانا کھا
پھر ان کے ساتھ پیرس میں افغانی کھانا کھانے کا ذکر کیا۔ کہا کہ مزار شریف ان کے قبضہ میں ہے اور وہ
قندھار صرف پانچ دن پہلے آیا تھا۔ کہا کہ توفیق رشدی بک سے تمہاری ساری گفتگو سنی تھی۔ وہ مجھ سے
مگر میں سمجھتا ہوں کہ وہ رک رک کر ملے اور سوائے FORMAL COURTESY کے اور کچھ نہ تھا۔ شاہ امان
کے اس طرح شکریہ ادا کرنے سے میں نے سمجھ لیا کہ وہ ملنا نہیں چاہتے یا ان سے کوئی عہد لے لیا گیا ہے کہ
میں نے غلام جیلانی خاں سے جب کہا کہ میں ہدیۂ ہمدردی پیش کرنا چاہتا ہوں تو کہا کہ میں وزیر صاحب سے
مگر میرا خیال ہے کہ یہ بھی ٹالنے کے لئے تھا۔ دونوں بار انہوں نے خود ہی رخصت ہونے کے الفاظ استع
مجھے محسوس ہوا کہ وہ زیادہ گفتگو سے بھی گھبراتے ہیں۔ البتہ ایک اور شخص جس کے خشخاشی داڑھی تھی اور جو
اور فارسی بھی، وہ نہایت محبت اور جوش سے ملا۔ اس کے ذریعہ میں نے عنایت اللہ خاں صاحب کو
کہ اگر ممکن ہو تو میں مل لوں۔ اس نے تھوڑی دیر بعد آکر جواب دیا کہ وہ سخت متاسف ہیں۔ کوئی جگہ نہیں جہ
وہ گفتگو کر سکیں۔ ایک SALOON CARRIAGE میں وہ اور ان کی مستورات تھیں اور ایک میں
اور ان کے بال بچے اور ان دو SALOON CARRIAGES کے علاوہ چند فرسٹ کلاس کے درجا
تھے۔ ایک DINNING CAR بھی تھی اور SALOON CARRIAGES میں بھی CHEN
تھے مگر ایک آدھ نوکر کے سوا اس میں کچھ نہ تھا۔ دہلی کے اسٹیشن پر مسلم ریفریشمنٹ روم سے کچھ کھانا پہ
میں نے اسٹیشن سپرنٹنڈنٹ کو یہ کہتے سنا تھا کہ چند ڈبے انہوں نے منگائے ہیں، وہ بھی چڑھانے
ڈپٹی کمشنر گاڑی آنے کے بعد ہی آگیا تھا اور غالباً سپرنٹنڈنٹ پولس بھی۔ ڈپٹی کمشنر کے ساتھ دو نئے چھوٹے
کے بنے ہوئے SUIT CASES تھے اور دو نہایت ہی سستے CUSHIONS جن پر نہ جھالر ٹانکی
کا کوئی COVER وغیرہ تھا، بالکل اس طرح کے جس طرح کے کوئی مسافر اسٹیشن پر خرید کر سر کے نیچے رکھ
نہ معلوم کسی کے پاس بستر بھی تھے یا انہی تکیوں پر تکیہ کرنا پڑا تھا۔ BAGGAGE کہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ صر

نوکروں کے پاس ایک آدھ چمڑے کا ولایتی CABIN TRUNK تھا اور نہ معلوم وہ میجر وکہم کا تھا یا شاہ امان اللہ خاں کے رفقائے سفر میں سے کسی کا۔ بعد کو سنا ہے کہ چند جوڑے جوتوں کے بھی بازار سے لائے گئے تھے۔ پانچ چھ سلیں برف کی ٹرین کے رُکتے ہی رکھوا دی گئی تھیں۔ ٹرین کے رُکنے کے بعد ہی شاہ امان اللہ خاں کی گاڑی کی کھڑکیاں اندر سے چڑھا دی گئی تھیں لیکن پلیٹ فارم کی دوسری طرف میں نے لوگوں کو اس طرح کھڑا دیکھا کہ گویا اُدھر سے کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور کچھ دکھائی دے رہا ہے۔ چنانچہ میرے آدھ گھنٹہ کھڑا رہنے کے بعد ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ دوسری طرف کی کھڑکی کھلی ہے اور امان اللہ خاں نظر آ رہے ہیں، مگر میں نے اُدھر جانا مناسب نہ سمجھا۔ ان کو اس حالت میں دیکھنا ہم دونوں کے لئے تکلیف دہ ہوتا۔ اس لئے میں ان کی گاڑی کے قریب ہی باورچی خانہ کی گاڑی کے دروازے پہ کھڑا رہا جہاں سے کمان کے وزیر وغیرہ ان کے درجہ میں جاتے تھے۔ طارق میاں میرے ساتھ رہے اور نہایت مودب اور خاموش کھڑے رہے اور دو تین وزیر صاحب اور دوسرے لوگوں سے مصافحہ بھی کیا۔ عنایت اللہ خاں صاحب کے SALOON کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ ٹرین پورے گھنٹہ بھر کے بعد وہاں سے روانہ ہوئی۔ نہ معلوم آپ COLABA گئے تھے یا نہیں۔ میں نے عبدالہادی خاں صاحب اور غلام جیلانی خاں صاحب سے جنہوں نے آپ کے متعلق پوچھا کہہ دیا کہ آپ بمبئی میں ہیں، اور انشاء اللہ ضرور ملاقات کریں گے۔

یہ تمام منظر میرے لئے سخت درد انگیز تھا اور میری آنکھوں میں بار بار آنسو ڈبڈبا آتے تھے۔ "مٰلک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء و بیدک الخیر انک علیٰ کل شیءٍ قدیر۔" دیکھئے اب افغانستان کا کیا حشر ہوتا ہے اور ہندوستان پر اس کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے۔ اب اس طول طویل داستان کو ختم کرتا ہوں۔ چار پانچ دن ہوئے اسے شروع کیا تھا اور ۱۲ صفحے لکھ کر چھوڑنا پڑا تھا۔ آج صبح سے بغیر غسل و وضو و منہ دھونے کے اسے شروع کیا تو اس وقت جب کہ ایک ناشتہ نہ کرنے والے شخص کو ساڑھے بارہ بجے سخت بھوک لگ رہی ہے، ختم کرتا ہوں۔ یہ خلافت میں ہرگز ہرگز شائع نہ کیجئے گا۔ صرف دوست احباب کو دکھایا جا سکتا ہے، اور وہ بھی اگر آپ کو اس کی ضرورت محسوس ہو، ورنہ صرف آپ کے لئے لکھا گیا ہے۔ خدارا صورتِ حالات کے سمجھنے میں غلطی نہ کیجئے۔ نہ میں خدا سے مایوس ہوں نہ اپنے نفس سے، لیکن اس وقت جو فیصلہ کیا ہے وہی صحیح ہے، خلافت کے کام کے لئے ہر وقت حاضر ہوں، الا ماشاء اللہ جب آج کی سی مجبوریاں دہلی میں قید کر دیں۔ ڈاکٹر انصاری کا خط پڑھا۔ خدا اس شخص پر رحم کرے۔ اسے سوائے اپنے دنیا میں کوئی مظلوم اور معصوم نظر ہی نہیں آتا۔ اب آپ کسی کی خوشامد نہ کیجئے۔ یہ آپ کی غیر ضروری بلکہ نامناسب فروتنی ہی تھی جس نے پہلے مجھے اور اب آپ کو بھی گالیاں دلوائیں۔ سب کو سلام۔

آپ کا پریشان حال بھائی:

محمد علی

---

(۸)

بنام مہر صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم مہر!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ تمہارا ایک طول طویل محبت نامہ "بہ انداز صحافت" تحریر کردہ مجھے چلتے وقت ملا تھا اور شاید بمبئی میں دوسرا مختصر محبت نامہ ملا جس میں امید ظاہر کی گئی تھی کہ میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔ پہلے خط کا جواب دینا ایک بڑھی ہوئی بحث کو اور بڑھانا تھا اور میں اس سے تنگ آ گیا تھا اس لئے جواب دینا نہ چاہا مگر دوسرے محبت نامہ کا جواب ضرور دیتا اگر سر کھجانے کی بھی فرصت ملتی۔ اتنا دور دراز کا سفر اس طرح کیا گیا تھا کہ پانچ منٹ بھی رخت سفر باندھنے کے لئے نہ ملے تھے۔ یہی نہیں زاد راہ مہیا کرنے کے لئے بھی وقت نہ ملا تھا۔ کیونکہ جو کچھ میری دریوزہ گری کے باعث ملا تھا وہ سب "ہمدرد" و "کامریڈ" کے قرض ادا کرنے کے لئے تھا اور وہ بھی ناکافی تھا۔ میرے لئے، بچوں کے لئے اور "ہمدرد" کے جاری رکھنے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ چلنے سے دو تین روز پیشتر میری بیوی کا کچھ روپیہ ان کے بھائی کے پاس تھا اس میں سے دو ہزار راستے میں دیئے جانے کا وعدہ کیا گیا تو جان میں جان پڑی۔ ایک دوست نے کچھ آخری دن دیا تو وہ بچوں کے کھانے کے لئے چھوڑ گیا۔ علاوہ بیماری کی فکر کے اور علاج کے باعث فرصت نہ ہونے کے مرکزی خلافت کمیٹی کے جلسے، کانگریس کمیٹی کے احمد آباد والے جلسے اور سب سے زیادہ دہلی کی خلافت کانفرنس کے جلسے نے مصروف رکھا تھا۔ بمبئی جا کر ایک دو دن ملے تو کچھ رخت سفر درست کیا۔ ٹیکسی کے کرایے نے ادھیڑ ڈالا مگر وقت کی کمی کے باعث ٹیکسی لینا ناگزیر امر تھا۔ اس روا روی میں باوجود کوشش کے تمہارے مختصر محبت نامہ کا بھی جواب نہ دے سکا۔ معافی کا خواستگار ہوں۔

یہ معذرت میرے ذمہ باقی تھی۔ قرضہ ادا کر کے اب تمہارے آخری محبت نامہ کا جواب مختصراً دیتا ہوں اس لئے کہ رپورٹ کی تیاری میں ہم سب لوگ مشغول ہیں اور ملنے والوں کے ہجوم کے باعث اس کے لئے بھی وقت نہیں ملتا۔

حج و زیارت پر مبارکباد کا شکریہ قبول کرو۔ بھائی خدا کے گھر اور رسول خدا (روحی فداہ) کے مرقد منور کی زیارت کو جاتے وقت ہم میں سے گنہگار سے گنہگار بھی (جیسا کہ میں ہوں) نیت کو بخیر کرنے اور رکھنے کی کوشش کرتا ہے، میں نے بھی یہی کوشش کی۔ اب یہ کوشش کامیاب ہوئی یا ناکام رہی اسے وہی خدا جانتا ہے جو نیتوں کا پرکھنے والا ہے۔ اسلام اور خدا کے گھر اور رسول خدا کے مولد و مدفن کی بہتری کے لئے جو کچھ ہم کر سکتے تھے ہم نے کیا۔ جو کچھ وہاں دیکھا ہے اور جو جو اثر دل پر ہوا اس کو یہاں آ کر بیان کر رہے ہیں اور وہ بھی آئندہ کام کے جاری رکھنے کی غرض سے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت اتحاد و اتفاق ہے مگر اتحاد و اتفاق اسی وقت اچھا ہے جبکہ حق پر ہو، ورنہ باطل پر اتفاق تو نہایت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ جو کوششیں ہم سب مسلمانوں کو حق پر متحد کرنے کی کر رہے ہیں ان کو کامیاب کرے۔ ہم

یا کسی اور جماعت سے لڑنا نہیں چاہئے مگر جس طرح ضرورت کے وقت احناف کی ایک جماعت کی مخالفت
کرے اور ان سے ہم نے اختلاف کیا اسی طرح ضرورت پڑے گی تو اہل حدیث کی جماعت کی مخالفت سے ہم
نہیں ڈریں گے اور اختلاف کریں گے۔ دعا کرو کہ خدا حق سے نہ پھیرے اور کسی جماعت کی باطل پرستی ہم کو
پر آمادہ نہ کرے بلکہ عدل وقسط پر اور حق پر ہم کو قائم رکھے۔ شوکت صاحب کا سلام، شوق بھی میرے سلام شوق
شامل ہے اور میری بیوی کی طرف سے بھی تبریک وتہنیت کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ میری صحت یہاں اتنی خراب تھی
زیارت اور اسلام کی خدمت مقصودِ سفر نہ ہوتے تو اتنے دور دراز کا سفر اور وہ بھی بغیر طبی مشیر کی ہمراہی کے ہرگز نہ کیا
الحمدللہ کہ صحت قیاس سے کہیں بہتر رہی۔ البتہ غالب کا ایک شعر صادق آتا ہے ؎

موت ان کی ہے جو بس مرکے وہیں دفن ہوتے
زندگی ان کی جو اس کوچے سے گھائل آئے

اب بار تو DIABETIC NEURITIS نے فالج کی شکل پیدا کر دی تھی اور موتمر کے دوسرے اجلاس میں اسی
پیر ہوئی۔ خیال ہوا کہ میاں کی طرف سے بلاوا آ گیا اور باوجود اپنے گناہوں کے ان کی رحمت کے تصور سے مطمئن
خوش اور مگن۔ خیر مرکے وہیں دفن ہونے (اور نجدیوں کے ہاتھ سے ہڈیوں کے منتشر کئے جانے) کی نوبت تو نہ
کوچے سے گھائل آنے کے سبب بظاہر ایک نئی زندگی پاکر آیا ہوں۔ امید تو یہ ہے کہ وہ شگاف جو دل میں سے
میں جو مدینہ منورہ میں دیا گیا تھا ذرا سا بھی بند ہوا ہمیشہ باقی رہے گا۔ ذالک من فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ

اب رخصت ہوتا ہوں۔ دیکھو کب ملنا نصیب ہو۔ لاہور اور پنجاب آنے کا ارادہ تو ضرور ہے بشرطیکہ میرے
کہیں اور انتشار نہ بڑھ جائے۔

اب یہ لکھو کہ "زمیندار" میں ہو یا قطع تعلق ہو گیا۔ آئندہ کیا ارادہ ہے؟ والسلام!

تمہارا خیر طلب بھائی: محمد علی

(۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی نیرنگ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ پرسوں کنور عبدالوہاب خاں صاحب تشریف لائے تھے اور ان سے اس
حال معلوم ہوا تھا جو چند حضرات ایک مسلم کانفرنس کو امرتسر میں دینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ تمہارے نام بھی
نامۂ گرامی نامے کا جواب ان کے حجاز جانے سے پیشتر دے دیا تھا۔ پھر وہ حج و زیارت سے مشرف ہو کر واپس آئے
یہ تبریک پیش کیا۔ یہ گرامی نامہ اس کا جواب ہے۔ قہر

دعوتی خط آئے گا تاکہ داعیوں میں شریک ہو۔ جو کچھ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا تھا وہی آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ میں مسلمانوں کی مختلف عناصر کی کانفرنس کو ہندو مسلمانوں کی اتحادی کانفرنس سے بھی زیادہ ضروری سمجھتا تھا اور یہ مسلمانوں کی ایک یونٹی کانفرنس کو مختلف اقوام کی یونٹی کانفرنس سے پہلے منعقد ہونا چاہئے تھا۔ اگر مہاتما جی نے ایک نہایت خطرناک برت نہ رکھ لیا ہوتا تو گذشتہ ستمبر کی یونٹی کانفرنس کا انعقاد بعد میں ہوا ہوتا اور مسلمانوں کی یونٹی کانفرنس کا انعقاد پہلے اوس کے بعد بھی جب کنور عبدالوہاب خاں صاحب نے اس کی طرف مجھے متوجہ کیا تو میں نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور حکیم صاحب اور بھائی سے اس کا ذکر کیا۔ چنانچہ سب نے اتفاق کیا مگر کانگریس کے اجلاس سے پیشتر کوئی اجتماع بہ مشکل نظر آیا۔ کانگریس سے واپسی پر بھائی نے اس کی تحریک مسلم لیگ کے جلسے میں کی اور بڑی مشکلوں سے کثرت رائے حاصل کر کے اپنی تحریک کو منظور کرا لیا۔ تاہم جیسا کہ تمام ...... جماعتوں کا قاعدہ ہے اگر کوئی چیز ان خداوندوں کی مرضی کے خلاف کثرت رائے سے منظور بھی ہو گئی تو یہ لوگ عمل میں تساہل کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ چیز کھٹائی میں پڑ جاتی اور تکمیل کا نام ہی نہیں آتا۔ مسلم لیگ نے آل پارٹیز کے اجتماع کے لئے ایک جلسہ ۲۲ جنوری کو طلب کیا مگر باوجود بہت سا روپیہ کے تار کے شوکت صاحب کی اس تحریک کے مطابق مسلمانوں کے تمام فریقوں کا آج تک اجتماع نہ ہو سکا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ گذشتہ جون میں خلافت کمیٹی کا جلسہ دہلی میں ہوا تھا۔ اس موقع پر بھی مسلمانوں کے تمام فریقوں کو دعوت دی گئی تھی کہ قومی تعلیم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے دہلی میں مجتمع ہوں۔ اس کے جواب میں بھی مسلم لیگ کے لوگ شریک نہ ہوئے اس لئے شوکت صاحب نے تجویز کیا کہ بہتر ہوگا اگر بجائے خلافت کے یہ دعوت خود لیگ کی طرف سے دی جائے لیکن نتیجہ وہی ہوا کہ کوئی اجتماع آج تک نہ ہو سکا۔ مسلم لیگ کی کونسل اور مسلمانوں کا جو اجتماع جنوری گذشتہ میں یہاں ہوا تھا وہ صرف اسی غرض سے تھا کہ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلم لیگ کے خداوند ہماری تائید حاصل کریں اور چونکہ ہم ان کے تمام خیالات سے متفق نہ تھے اس لئے یہ تو نہ ہوا لیکن پھر بھی ہمیں کو جھکنا پڑا اور مروت کے خیال سے ہم نے کہہ دیا کہ بہت اچھا، آپ اپنے مطالبات کو مسلمانوں کی طرف سے پیش کریں ہم آپ کو پورا موقع دیں گے کہ آپ ہندوؤں کو ان کے پورا کرنے پر راضی کر لیں۔ تاکہ کل کو یہ نہ ہو کہ آپ شکایت کریں کہ ہندو تو ہمارے مطالبات پورا کرنے پر راضی تھے مگر تمہاری مخالفت نے ان کو روک دیا۔ جناح صاحب اور ان کے ساتھیوں کو پورا موقع دیا گیا کہ وہ اپنے مطالبات پیش کر کے ہندو کو راضی کر لیں لیکن اس میں انہیں مطلق کامیابی نہ ہوئی اور اجتماع کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے بعد نہ لیگ کے سیکرٹری صاحب نے، نہ صدر صاحب نے اس ریزولیوشن پر توجہ کی جسے شوکت صاحب نے لیگ میں پیش کر کے منظور کرایا تھا اور مسلمانوں کی آل پارٹیز کانفرنس آج تک جمع نہ ہو سکی۔ الحمدللہ کہ آپ نے اس طرف توجہ فرمائی ہے مگر میں نہیں دیکھتا کہ داعیوں میں مختلف الخیال اور متفرق عناصر شامل ہیں۔ میں نے چھوٹتے ہی کنور صاحب سے کہہ دیا تھا کہ اگر اس کانفرنس کا مقصود یہ ہے کہ مختلف الخیال لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور فیصلہ کریں کہ مسلمانوں کا دور کس طرح چلے اور کیا کیا عنصر کس کس طریقہ پر کس کس کام کو کرنے کے لئے تیار ہے اور اس پر اصرار کرنا مقصود نہیں ہے کہ ہم بھی ترک موالات چھوڑ کر موالاتیوں کے طریقوں پر چلنے لگیں تو میں کانفرنس میں بھی شریک ہو سکتا ہوں اور

اس کے داعیوں میں بھی۔ لیکن اگر مقصود وہی ہے جو بعض ہمارے پنجابی اور دیگر بھائیوں کا گذشتہ اجلاس خلافت کمیٹی منعقدہ ہو رہا ہے بمقام دہلی میں تھا، یعنی ترکِ موالات کو ہم سے ترک کرانا تو میں اس دعوت الی الشر میں شریک نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے داعیوں میں۔ ترکِ موالات کی مشکلات سے میں ناواقف نہیں لیکن دین اور اسلام کی راہ میں ان سے کہیں تکلیف دہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہم کو بھی کرنا پڑے گا۔ جو صاحب ۱۹۲۰ء میں ہمارے ساتھ نہ تھے وہ آج بھی ہمارے ساتھ نہ ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں لیکن جو صاحب اس وقت تارکِ موالات تھے وہ آج مشکلات سے گھبرا کر موالات کی طرف رجوع کریں تو ان کو مبارک ہو مگر میں تو اس طرف قدم نہیں اٹھا سکتا۔ تبلیغ میرا دین و ایمان ہے۔ خلافت تنظیم مسلمانان کا نام ہے اور قیام امن کے لئے اس تنظیم کی ضرورت ہے۔ اسلام گوشہ نشینوں اور تسبیح بجانے والوں کا مذہب نہیں ہے۔ سیاست بھی تنظیم مسلمانان کا ایک لازمی جزو ہے اور ہم کو ایک اسلامی سیاست کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا ہے جس میں غیر مسلموں کے ہر گروہ کے ساتھ ہمارا سیاسی تعلق صاف اور غیر مشتبہ نظر آسکے۔ موجودہ "کمزوری بلکہ بے حسی اور ناکارگی" جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اور جسے آپ دور کرنا چاہتے ہیں محض "بدنظمی" کے باعث نہیں ہے، بلکہ اس باعث ہے کہ ایک جماعت جس میں انگریزی پڑھے لکھے مسلمان اور علماء بھی زیادہ تعداد میں شامل ہیں ایسے "نظم" کو قائم کرانا چاہتے ہیں کہ جس میں ان کے نزدیک وہ مصیبتیں سہنا نہیں پڑیں گی جو ترکِ موالات میں ہم کو سہنا پڑتی ہیں۔ "متفرق اور متضاد عناصر کا تصادم" دور کرنا بہت اچھا ہے مگر یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ جو لوگ تارکِ موالات نہیں ہیں وہ بھی تارکِ موالات ہو جائیں۔ پھر تو نہ کوئی تفریق و تضاد باقی رہے گا اور نہ کوئی تصادم ہوگا یا کم از کم اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو حضرات تارکِ موالات نہیں ہیں وہ صاف کہہ دیں کہ بھائی ہم ان تکالیف کے لئے تیار نہیں ہیں جو ترکِ موالات میں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ہم اپنی حد میں رہ کر فلاں فلاں خدمت قوم کی کریں گے۔ جو تارکِ موالات ہیں وہ مصیبتیں جھیلیں اور اس دشوار گذار راہ سے گذریں، ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں لیکن اگر "رخصت" چاہنے والے نہ "عزیمت" والے بنیں، نہ اپنے آپ کو "رخصت" چاہنے والا سمجھیں، بلکہ منہ بند کر کے اپنے آپ کو "نفس مطمئنہ" والا کہنے لگیں، حالانکہ ہوں "نفس امّارہ" کے پنجے میں اور اپنے آپ کو صاحبِ "عزیمت" سمجھ کر حقیقی صاحبانِ "عزیمت" کو "رخصت" بھی نہ دیں تو ایسی جماعت کی شرکت خطرہ سے خالی نہیں اور اس کی دعوت، دعوت الی الخیر نہیں بلکہ دعوت الی الشر ہے۔

بھائی نیرنگ! مجھ سے زیادہ میری کمزوریوں کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ میں نیکی کا دم نہیں بھرتا، پاکی کا دعویٰ نہیں کرتا، لیکن یہ جانتا ہوں کہ ایمان کی حفاظت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوتا ہے اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے۔ میں اگر اپنے میں اتنی قوت نہیں دیکھتا کہ نیکی کی طرف بڑھوں تو کم سے کم برائی کی طرف سرکنا بھی نہیں چاہتا اور بہتر یہی ہے کہ جہاں ہوں وہیں کی زمین پکڑ کر بیٹھ جاؤں۔ جن صاحبوں کی فہرست بطور داعیوں کے آپ نے ارسال کی ہے ان کو دعوت، مولانا ظفر علی خاں صاحب کی صدارت اور (معاف کرنا) پنجاب کا اس کانفرنس کی جائے وقوع قرار پانا یہ سب چیزیں مل کر ایک ایسا اجتماع پیدا کر دیتی ہیں جیسے پنجاب کے پانچوں دریا مل جائیں اور جہاں پایاب بھی ہوں وہاں بھی دھارا اس زور سے بہے کہ عبور کرنے

کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں اور دریا کی رَو کے ساتھ بہنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آئے۔ اس دھارا کی تیزی میں آج بہنا کل کے ڈوبنے کا پیش خیمہ ہے۔ میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ صحیح معنوں میں شاعر ہیں، آپ کے دل میں مذہب اور قوم کا عشق ہے آپ کیوں ان سوداگروں کے ساتھ اس سیاسی مول تول میں شریک ہوتے ہیں، اگر آپ کو میں انہی جیسا سمجھتا تو ہرگز یہ کچھ نہ لکھتا جو لکھ رہا ہوں۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی — کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

آپ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف میں علماء سے دست و گریباں ہونے کے لئے تیار ہوں، لیکن دوسری طرف مصطفےٰ کمال پاشا اور عصمت پاشا کی الغائے خلافت اور SECULAR STATE کا قائل نہیں۔ افراط و تفریط دونوں سے بچنا چاہتا ہوں۔ کنور عبدالوہاب خاں صاحب مجھ سے بھی زیادہ تیکھے جوان ہیں۔ میں شیخ ہوں گو "رام پور افغاناں" میں پیدائش اور عرصہ تک سکونت کے باعث کبھی کبھی "پٹھن ولی" پر اتر آتا ہوں لیکن پھر بھی شیخ ہوں، جب ذرا جوش کم ہوتا ہے اور عقل پھر ہدایت کرنے لگتی ہے تو رجوع بھی کر دیتا ہوں۔ کنور صاحب اب تک راجپوت ہیں۔ وہ زود خشم ہیں اور الد الخصام کو چھوڑ کر چھٹ بھیوں پر غصہ اتارنے لگتے ہیں مگر ما شاء اللہ آپ جوش اسلامی کے ساتھ عقل کا بھی وافر حصہ رکھتے ہیں اور خود شاعر ہیں۔ ایک قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر غور فرمائیے کہ "ولتسمعن من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا وتتقوا فان ذالک من عزم الامور" (آل عمران آخر سے) جس صبر کو وہ میری کمزوری سمجھتے ہیں وہ میرے نزدیک عزم امور ہے۔ پھر غالب کے اس شعر پر غور کیجئے

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ — اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

کنور عبدالوہاب خاں صاحب سمجھتے ہیں کہ مجھے پیاس نہیں لگی۔ مگر میرے مذہب میں شراب نہ بھی ملے تب بھی پانی پینا حرام ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ میں ہنود سے مرعوب ہوں اور ان کی خوشامد کرتا ہوں حالانکہ مجھ ہی بدبخت کے یہ شعر ہیں ؎

فرشتوں نے کیا ہے ان کو سجدہ — نہیں اے بت یہ بندے تیرے بس کے
جوہر اور صاحبداراں کی خوشامد کیا خوب — سرِ عرش و کرسی پہ گذر ہے ترے درباری کی

اب کی بار آئے تھے تو فرماتے تھے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اسلام کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ انگریزوں سے بغض کی وجہ سے۔ خیر یہی سہی لیکن ؏ مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو۔ میری استغنا کی تو داد بھی نہ دی اور معتقد بھی ہوئے تو انہی شہیدانِ امتحانی کے جن میں سے ایک یعنی فرہاد کے متعلق غالب کہہ گذرے ہیں ؎

دلم در رنج نابرداری فرہاد می لرزد — خداوندا بیامرزاں شہید امتحانی را

کنور صاحب بھول گئے کہ اب بھی دفعہ ۱۲۴ الف کا وار دفعہ ۱۵۳ الف کے وار سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور زیادہ کثرت سے اور بالخصوص آجکل تو دفعہ ۱۵۳ الف کی سزا حکومت کا مقرب بارگاہ بنتا ہے نہ کہ زندانی۔ خیر اب یہ جھگڑا کہاں تک روؤں ہیں تو آج بھی اپنے کو اسی جگہ پاتا ہوں جہاں ۱۹۲۰ء میں تھا۔ ہنود میں غلامی ہم سے زیادہ سرایت کر گئی ہے اسی باعث مالوی اور لاجپت رائے کے ساتھیوں میں پھر ہو گئے ہیں۔ اگر میں نے رائے بدلی ہے تو صرف اسی قدر جتنے کہ واقعات بدلے ہیں،

ہنود کو مہاتما گاندھی کی طرف مائل دیکھ کر یقین ہوا تھا کہ اس قوم کے بھی دن پھرے ہیں۔ آج انہیں پھر شاید بدبختی
ا لیکن انہی کے قدم بقدم چل کر مولوی مالوی اور منشی لاجپت رائے یعنی انہی دو ہندوؤں کی طرح سارے مسلمان ہزاروں
میں جا رہا ہے۔

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے　　　　ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

کہ آپ ہی نے مجھے یہ راستہ بھوالی میں بتایا تھا اور فرمایا تھا کہ لڑائی ہندو مسلمان کی نہیں بلکہ مالویت اور گاندھیت
گاندھیت کا ساتھ دے کر ہندوستان اور اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک مسلمان کے لئے محض مالویت
رنا اس کو ہنود میں تقویت پہنچانا ہے اور اس میں نہ اسلام کی بہتری ہے نہ ہندوستان کی اور نہ خود ہندوؤں کی۔
پ کا خیال ہو کہ مہاتما گاندھی سے خود بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک حد تک میں اس خیال کی تائید کر سکتا ہوں
سان ہیں فرشتے نہیں نہ خدا ہیں۔ ان پر ہنود کا اور بالخصوص ہنود پنجاب کا ایک عرصہ سے نرغہ رہا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا
ہ آپ نے سال گذشتہ میں مسلمانوں کی BRIEF مانگی تھی۔ مگر جس جس سے اس چیز کے لئے کہا گیا اس نے
اخباروں کے پلندوں کے جو میرے سر پر کھینچ کر مارے گئے۔ مجھے مشکل ہی سے کوئی چیز بھیجی جس کو میں پڑھ کر مہاتما جی
سلمانوں کا CASE پیش کر سکتا یا جس کو مہاتما جی کو دے سکتا۔ ہم میں جوش زیادہ ہے مگر کام کا طریقہ ہم نہیں جانتے
تا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی مہاتما جی نے مسلمانوں کے CASE کے متعلق سنا ہے وہ زیادہ تر مجھی سے یا میری ہی
ہے۔ اگر مسلمانوں کی بے صبری، اشتعال پذیری اور پھر صحیح طریقۂ کار سے ناواقفیت کے باعث مہاتما گاندھی کے
ہیں اور ہندو رسم و رواج اور طریق بود و ماند کا پیدائش سے لے کر اس وقت تک بہت کچھ اثر پڑا ہے، اثر ہوا اور
مانوں کے متعلق ایک حد تک غلط فیصلہ کیا تو زیادہ تعجب کی بات نہیں۔ ان کے خیالات کی اصلاح کرنا اب
ہے۔ لیکن اس کے لئے وہ سوقیانہ طریقہ ہرگز مفید نہیں ہو سکتا جس کو حضرت مولانا ظفر الملت والدین ظفر علی خاں صاحب
یا ہے۔ بھائی نیرنگ صاحب! افسوس ہے کہ مسلمان پھر اسی طریقہ پر چلنے لگے ہیں جو ابتداً انہوں نے اختیار کیا تھا ؎

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بر کو میں

بھئے یہ خط بہت طویل ہو گیا اور جیسا کہ دنیا کا کتا میں ہوں اسی طرح کا یہ میرا خط ہو گیا۔ اس میں رشک ہے، حسد ہے،
ہ، اپنی لفاظی ہے، خود ستائی ہے لیکن کیا کروں جیسا میں ہوں ویسا ہی اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہوں۔ ایک فاسق و فاجر ہوں
وہ کیا کر سکتا ہوں کہ جو کچھ میرے دل میں ہے اس کو ظاہر کر دوں کم سے کم ایک جرم کا ارتکاب تو اب تک نہیں
یعنی تقدس کا دعویٰ نہیں کرتا اور سجدۂ ریائی سے زمین کو بھی گندہ اور ناپاک نہیں کرتا۔
جو کچھ میرے دل میں تھا وہ سب کہہ گذرا۔ اب اس سے زیادہ کیا لکھوں اگر ایسا شخص آپ کے کسی کام کا ہو تو
ورنہ معذور رہیں۔

محمد علی

(۱۰)

بنام مولوی عرفان صاحب

ہائیڈ پارک ہوٹل لندن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم عرفان!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ میں تم سے سخت ناراض ہوں اور جو کچھ اثر تم نے میرے دل و دماغ پر پہلی دفعہ قائم کر لیا تھا وہ تمہارے بمبئی کے قیام میں بتدریج زائل ہوتا جاتا ہے۔ تم نے مجھے خطوط لکھنا کیوں بند کر دیا؟ بھوپال آنے میں اس قدر تساہل کیوں کیا جب میں لب گور تھا اور اب جب کہ تم کو اخبارات تک سے معلوم ہو گیا کہ میں پیرس میں موت کے منہ میں پڑا تھا تب بھی تم نے دو سطریں لکھ کر عیادت اور مزاج پرسی تک نہ کی۔ لطف یہ ہے کہ میری علالت تک کے حالات جو اخبارات میں چھپے تھے وہ آپ کے اڈیٹر صاحب نے خود بقول آپ کے گا رہے اور آپ نے اس کو ایک معمولی چیز سمجھا۔ میں نے پیرس میں جو تکلیف اٹھائی وہ ساری عمر کبھی نہ اٹھائی تھی اور حالانکہ بھائی صاحب اور بھتیجے صاحب اور داماد صاحب موجود تھے، ایک دکھیا بیوی کا دم تھا کہ اکیلی تیمارداری کر رہی تھی اور ایک ڈاکٹر بعث وہ بھی کا کو خدا زندہ و سلامت رکھے اور بامراد کرے کہ وہ غریب صبح کو اپنے کارخانہ جانے سے پیشتر دیکھ بھال کے جاتا تھا اور میرے کام کرتا تھا اور رات کو تھکا ہارا آتا تھا تب بھی گھنٹہ بھر میری دیکھ بھال کرتا تھا، اسپیشلسٹوں کو بھی وہی ڈھونڈھتا تھا اور لاتا تھا اور ان کو تمام معلومات میری علالت کے متعلق بہم پہنچاتا تھا، ان کی ہدایات مجھے سمجھاتا تھا اور دوا وغیرہ خرید کر لاتا تھا بلکہ غل تک اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتا تھا۔ جب سے یہاں آیا ہوں دو بار صاحب فراش ہو چکا ہوں ایک بار تین دن کے لئے ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ نومبر کو اور اب ۲۵ نومبر سے صاحب فراش ہوں۔ بیچ میں بھی ایک ہفتے کے بعد سخت تکلیف اٹھائی اور شب کے بارہ تک درد قولنج میں مبتلا رہا اور ڈیڑھ دن گھر سے نہ نکلا۔ لیکن اب تو نکلنا کیسا بھی تو نہیں نکل سکتا۔ دل کی خرابی کے باعث دوران خون ٹھیک نہیں ہے، اس لئے نیچے کا سارا جسم سخت ورم میں مبتلا ہے۔ دمے والوں کی طرح شب کو سانس چلتی ہے، اس لئے لیٹ بھی نہیں سکتا، ۲۴ گھنٹہ پلنگ پر برابر بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔

مگر اس پر بھی وہ کام کر رہا ہوں جو نہ کسی سے ہو سکتا ہے نہ کوئی کرتا ہے۔ با اثر لوگوں پر گفتگو سے اثر ڈالتا ہوں، ٹیلیفون پر رات دن گھنٹوں باتیں ہوا کرتی ہیں خواہ ٹائمز کا فارن اڈیٹر ہو یا مسٹر برنارڈ شا، اور ایسے لوگوں کو اپنے سونے کے کمرہ میں بلا بھی بھیجتا ہوں اور گھنٹوں ان سے باتیں ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ وزیر ہند نے نہایت شرافت سے خود ہی دو بار یہاں آنے پر اصرار کیا اور بالآخر جب میں بالکل مجبور و معذور تھا تو گذشتہ چہار شنبہ ۲۶ نومبر کو جس وقت میں کہ ہوٹل میں آ گیا ان کو بھی بلا لیا۔ وہ تو گھنٹوں باتیں ہوتیں، مگر شوکت صاحب آ گئے اور میں نے ان کو نکالا تو کہنے لگے میں

اس سے ٹھہرنا چاہتا ہوں کہ تمہیں زیادہ باتیں نہ کرنے دوں (حالانکہ ان کو علم تھا اور خود بھی چاہتے تھے کہ زیادہ باتیں باہم
صاف صاف باتیں ہوں)، غریب وزیر ہند نے وعدہ کیا کہ اب دس منٹ اور دے گا اور ڈاکٹر کے حکم کے خلاف
مجھے تھکائے گا نہیں۔ پھر بھی کوئی آدھ گھنٹے اور ٹھہرا اور پہلے بھی تقریباً آدھ گھنٹے باتیں ہو چکی تھیں۔ اس طرح گھنٹہ بھر اب
ملا۔ کوئی پندرہ منٹ نواب احمد سعید خاں کے ہوٹل میں اسی طرح کی باتیں ہوئی تھیں۔ مجھ سے اعتراف کیا کہ طرح طرح کے
لوگوں سے ملا ہوں، کسی وزیر ہند نے اتنے مختلف الخیال لوگوں سے گفت و شنید نہیں کی، مگر تم نے جو باتیں بتائیں وہ
تو عجیب و غریب ہیں۔ پیچیدہ ترین مسائل پر جو سمجھ ہی میں نہیں آتے تھے آج ایک روشنی کا سیلاب ٹوٹ پڑا۔ اسی طرح
اخبار اسپیکٹیٹر (SPECTATOR) کے اڈیٹر سے دو گھنٹے باتیں ہوئیں اور اس پر پورا پورا اثر پڑا۔ اسی طرح ٹائمز
نے ایک فارن اڈیٹر پر جس کے متعلق ہندوستان اور اسلامی ممالک پر مضامین لکھنا اور لکھوانا ہے، اس سے
ڈیڑھ گھنٹے تک یعنی ساڑھے دس سے شب کے بارہ بجے تک ٹیلیفون پر گفتگو ہو چکی تھی اور خود ہی اس نے ملنے
کے لئے آنے کی درخواست کی۔ سوا گھنٹہ اس سے ترکی وغیرہ اور نجد اور یمن اور آخر میں ہندوستان کے متعلق گفتگو
ہوئی۔ یہ بھی گرویدہ ہو کر گیا ہے اور دونوں اخباروں میں خود اڈیٹروں کے مضمون ان خیالات کے جو میں نے
ان پر ظاہر کئے، شائع ہوں گے۔ اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ یہ خطوط آپ کو بھوپال پڑھنے کے لئے بھیج دو۔
مجھ میں اتنی جان نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے چند سطریں بھی لکھ سکوں۔ پلنگ پر نہ لکھا گیا تو میز کرسی پر دس دن میں
پہلی بار خط لکھا۔ دوسرے خط سیکرٹری ٹائپ کرتی ہے۔ جہاں سے کہنا کہ وہی MISS MANTON یا اب
MRS. KELLEY سیکرٹری ہیں، مگر مجھے خوف ہے کہ میں ان کی تنخواہ کا جو وہی ہے، دیر تک متحمل نہ
ہو سکوں گا کام کی جگہ سے دوری نے مجبور کر کے مسز مادکنذی کے مکان سے جہاں ۶ گنی ہفتہ دینا پڑتا تھا یہاں
بھجوایا۔ ہے جہاں تقریباً بیس پونڈ ہفتہ کا بل آیا ہے اور وہ بھی رعایتی، مگر ڈاکٹروں کا قرب ہے، کام کا قرب ہے،
... و شعیب اور شوکت بھائی اور زاہد کا قرب ہے اور غالباً اب موٹر کار رکھنا بھی بند کر دوں اور ٹیکسی پر
گزر کر سکوں۔ ہفتہ وار نہ سہی تو دو ہفتے میں ایک بار تو تم براہِ راست چند سطور ہی مجھے لکھ سکتے تھے۔
یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر پرانا سلسلہ بند۔ یوں بھی میں چند دن کا مہمان ہوں۔ یہ کہنا کہ فرصت نہیں ملتی،
... نے کے باعث بہت پریشان تھے وغیرہ وغیرہ بے کار کے عذرات ہوں گے اور بدتر از گناہ۔
... بازی اور سیر سپاٹے کے عاشق ہو، کام سے وقت ملا تو اس میں صرف کیا، بھلا ایک دو زائد
سطریں لکھنے کے لئے وقت کس طرح ملتا۔

ہاں اتنا اور لکھ دیتا ہوں کہ نہ ہندو لیڈر قابلیت کا ثبوت دے رہے ہیں اور نہ مسلمان۔ سب سے
زیادہ اہم کمیٹی وہ ہے جو ترکیبی حکومت کا ڈھانچہ تیار کر رہی ہے اور اس میں اس قدر وقت ان کی بد لیاقتی اور
عدم تدبر سے ضائع ہو رہا ہے کہ خدا کی پناہ۔ مگر باوجود میرے پہلے سے کہلانے کے آغا خاں، شفیع اور جناح
نے اس میں میرا نام نہیں رکھا حالانکہ پہلی کمیٹی میں صرف میری موجودگی جلسہ کے باعث میرا نام تھا اور اس پر

آغا خاں کے ذریعے سے مجھے کہلوایا گیا کہ تمہاری صحت اس کی متحمل نہ ہو سکے گی۔ جب وہ کمیٹی اتنی عریض و طویل ہو گئی کہ سب کو اس میں داخل کرنا پڑا تو اب مختلف کمیٹیاں ہر بحث کے لئے بن رہی ہیں۔ اب تک کسی میں میرا نام نہیں ہے۔ میں نے آغا خاں کو صاف صاف ٹیلیفون پر سنائیں اور ممکن ہے کہ خود ہنود درخواست پر میرا نام بڑھا دیا جائے۔ البتہ ہندو مسلم کمیٹی میں ضرور میرا نام ہوگا۔ اس معاملے میں شوکت صاحب نے میری غیر حاضری میں حسب معمول ڈھیل کی اور سب بدمعاشوں پر اعتماد کیا اور شفیع داؤدی کی طرح ہر ایک کے ساتھ مل کر کام کرنے کے ذوق میں تدبر سے کام نہ لیا اور ہر ایک ان کو آلۂ کار بنانا چاہتا ہے، ان کو صلاح کار و مشیر کوئی نہیں بناتا۔ وہ لوگ خود صلاح کار و مشیر اور مختار عام بن بیٹھے ہیں۔ میں نے اگر ایک دو بار کھڑکھڑایا تو آنکھیں کھلیں اور ابھی اور ان شاء اللہ کھولوں گا۔ اچھا اب رخصت۔

تمہارا اور تم سے بیزار
محمد علی

مولانا شوکت علی

(۱)

کیمپ بہرائچ ۲۳ ستمبر ۱۸۹۶ء

قبلہ و کعبہ

آپ کے دونوں خط مجھ کو ملے۔ دیر سے جواب دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ میں اس عرصہ میں برابر سفر کرتا رہا اور نہایت درجہ کام میں گھرا ہوا تھا۔ افسوس کہ میں کسی طرح سلطان پور حاضر نہیں ہو سکتا کاشتکاروں کو روپیہ تقسیم کر رہا ہوں اور اس ماہ کے آخر تک برابر کرتا رہوں گا۔ انشاء اللہ اکتوبر میں علی گڈھ حاضر ہوں گا۔ سلطان پور اور فیض آباد میں ایک شخص کو بھی نہیں جانتا مگر انشاء اللہ جس وقت موقع ملا راجہ صاحب اونرولہ سے کالج کے لئے روپیہ دلواؤں گا۔ اس کے بارے میں آپ کو بعد میں لکھوں گا خدا کرے آپ سلطان پور میں کامیاب ہوں۔ ڈیوٹی کے لئے میں برابر کوشش کر رہا ہوں اور خدا سے امید ہے کہ قریب... کے اور وصول ہو جائے گا۔ آپ عبدالحلیم سے کہہ دیجئے گا۔ غالباً وہ بھی سلطانپور میں ہوں گے۔ جو کچھ ملے چندے آپ کے آنے کے وقت دئے گئے تھے وہ ابھی میں نے وصول نہیں کئے۔ ان کا وصول ہونا آسان ہے مگر اول ...... ہم راجہ صاحب نانپارہ سے مل جانا چاہئے۔ مسٹر حامد علی خان سے بہرائچ ملا تھا انہوں نے کہا کہ جس وقت عمارت کی بنیاد رکھی جاوے اوسی وقت روپیہ حاضر ہے۔ اس بات پر خوب غور فرمائیے گا کہ بنیاد رکھنے کی رسم کس طور پر ادا کی جاوے گی۔ راجہ صاحب نانپارہ خوشی سے علی گڈھ آنا پسند کریں گے مگر جلسہ ذرا پُر تکلف ہو۔ آئندہ کی مدد کی بڑی امید ہے۔ بڑودہ اور بھوپال میں کامیابی پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ مجھے اپنے چھوٹے بھائی مسٹر محمد علی سے بڑی امیدیں ہیں۔ خدا کو منظور ہے تو کچھ سال کے بعد وہ قوم اور کالج کا نام روشن کریں گے۔ اگرچہ ان سے سختی اور بے رخی سے برتاؤ کیا گیا مگر ہماری کالج کی محبت ایسی نہیں ہے کہ وہ غیر لوگوں کی بے توجہی سے کم ہو جاوے۔

امید ہے کہ آپ تندرست اور اچھے ہوں گے۔[1]

آپ کا فرمانبردار
شوکت علی

---

[1] غالباً یہ خط سر سید مرحوم کے نام ہے۔

بنام مہر صاحب

(۲)

ضروری

برادرم! السلام علیکم۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس نام نہاد "خلافت کمیٹی" پنجاب نے آپ دونوں[۱] کا نام ہی نکال دیا ہے سو یہ انبالہ سے نہ نیرنگ[۲] صاحب کا نام ہے نہ ظفر اللہ[۳] صاحب کا اور نہ صوفی[۴] صاحب کا۔ کب تک ان کی لغو حرکتوں کو ہم خاموشی سے دیکھتے رہ گئے؟ ہمارے مسلمانوں میں اب جوش ہے اور کام کے لئے تیار ہیں۔ یہ وقت ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اور تمام مسلمانوں کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر کے ہر شعبہ میں لگا دینا چاہئے تاکہ دس برس میں ہماری حالت درست ہو جائے۔ مقابلہ سخت کرنا پڑے گا مگر خدا ہماری مدد کرے گا۔ آپ اور برادرم سالک کو ضرور آنا ہوگا۔ جب تک آپ آ جائیں دفتر کے اور لوگ کام کو دیکھیں گے اور آپ یہاں سے سب حالات ان کو بھیجتے رہئے۔ ۱۵ دسمبر کے اخبار میں جلد ۳ نمبر ۱۹۴ میں میرے تار کا غلط ترجمہ شائع ہوا ہے۔ "ہمارے سے یہ میں مولانا محمد علی کا انتخاب ہوا ہے۔ مجھ کو تو عظیم الشان جلوس مفت میں ہندوؤں کی بدتمیزی کی وجہ سے مل گیا۔ اب ۲۰ دسمبر کو محمد علی آ رہے گے۔ لوگ بہت خلوص سے جلوس نکالیں گے۔" مہربانی فرما کر اخبار میں تصحیح فرما دیجئے گا۔ میں تار بھی بھیجوں گا۔ آپ ضرور آیئے اور احباب کو ہمراہ لایئے۔ پنجاب میں ہم کو اب کام کرنا ہوگا۔ خدارا ان حضرات سے آزادی دلوایئے۔ اب تو یہ ہندوؤں کے غلام ہو کر رہنا چاہتے ہیں۔

آپ کا

شوکت علی (خادم کعبہ) کلکتہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۸ء

بنام مہر صاحب

(۳)

برادرم مہر! السلام علیکم! افسوس کہ آپ شملہ میں نہ تھے تکلیف سے منتظر تھا۔ ایک طرف تو کانگریسی مسلمان گاندھی و ہندوؤں کا کھلونا بنے ہوئے تھے، دوسری طرف ایک ۱۵ اماں فضل حسین[۵] اور انگریزی حکام کے منشا کے مطابق ناچ رہا تھا اور ہر طرف بدگمانی اور شکوک کی فضا تھی۔ اس میں ہمارے مہربان سید حبیب[۶] خوب لطف لے کر دلچسپ حصہ لے رہے تھے اور اب تو [illegible] اپنی خدا [illegible] کا صاف اعلان بھی کر دیا اور چلتے چلتے محمد علی مرحوم پر بھی ہاتھ صاف کر دیا تاکہ مجھ غریب کو ذرا دبا کر مرحوم کی جب ان کو پروا نہیں تو شوکت علی کس شمار میں تھا۔ آپ نے "سیاست" دوسری جو بالی کا دیکھا تھا یہ خط اقبال[۷] کو [illegible] کا۔ ان کی زبان

۱؎ ان دونوں سے مراد مہر صاحب اور سالک صاحب ہیں۔ ۲؎ میر غلام بھیک نیرنگ مرحوم ۳؎ مولانا ظفر اللہ پانی پتی جو تقسیم کے بعد بھی پانی پت ہی میں مقیم رہے۔ اب انہوں نے پانی پت میں [illegible] مسلمان جمع کر لئے ہیں۔ ایک مسجد میں مسلمان بچوں کے لئے قرآن مجید کی تدریس کا [illegible] بھی کر رکھا ہے۔ ۴؎ صوفی اقبال احمد پانی پتی، دور ترک موالات کے ایک ممتاز کارکن تھے، قید بھی کاٹی، مدت ہوئی ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

۵؎ سر فضل حسین مرحوم جو اس زمانے میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے ۶؎ سید حبیب شاہ مرحوم ایڈیٹر "سیاست"

۷؎ حضرت علامہ اقبال مرحوم

سے بھی بعض ایسی باتیں سنیں جو، سے مجھ کو رنج ہوا۔ میں جو کام کرتا ہوں اپنے دل کی خوشی اور خدا کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہوں اور بہت ہوشیاری سے کرتا ہوں تاکہ میری ذات سے اسلام کو اور وطن اور کسی شخص کو نقصان نہ پہنچے مگر اس سے بچنا محال ہے اس لئے غلطیاں ہوتی ہیں مگر میں غرض اور ذاتی منفعت کے لحاظ سے ان کا مرتکب نہیں ہوتا ہوں۔ میں مسلمانوں کے آپس کے اتحاد کا حامی تھا، ہوں اور رہوں گا مگر ایسا اتحاد نہیں جو ان کو نقصان پہنچائے۔ میں اپنے اندرونی معاملات کا تصفیہ کسی انگریزی حاکم کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتا[1] اور میں صاف عرض کروں گا کہ مجھ کو سر فضل حسین پر اعتبار نہیں ہے اور نہ میں ان کو اتنا قابل آدمی سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ ان کے ہاتھ میں چھوڑ دوں۔ انہوں نے یہی نہیں کہ ہندوستان کے مسلمان کے واسطے کچھ نہیں کیا بلکہ پنجاب کے مسلمانوں تک کو سکھوں کے مقابلے کے لئے بھی تیار نہیں کیا۔ ہاں اپنی پارٹی بنائی اور اپنے متوسلین کو فائدہ پہنچایا۔ وہ زبردست اور بہت ٹھنڈے اور گہرے کام کرنے والے ہیں مگر مسلمانوں کی قوم کا مستقبل ان کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ وہ آسانی سے اپنے اثر سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈلوا سکتے ہیں اور ڈلوا رہے ہیں۔ جیسے آپ ہوا کو اس قدر ہمت دلائیں کہ وہ غریب محمد علی کی روح کو بھی صدمہ پہنچائیں مگر مسلمان اس کو پسند نہیں کریں گے۔ میں "سیاست" کا جواب نہیں دوں گا مگر ان کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کے دلوں میں محمد علی کی کس قدر محبت اور وقعت ہے۔ یہ خط اقبال کو دکھا دیجئے گا۔ میں دو دن میں بنگلور و مدراس کے دورہ پر جاؤں گا۔ اب اچھا ہوں۔ سالک صاحب کو سلام!

آپ کا بھائی

شوکت علی (خادم کعبہ) بمبئی، ۷ر جولائی ۱۹۳۱ء

---

(۴)

بنام مہر صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

برادرم مہر!

السلام علیکم و برکاتہ، میں نے آج آپ کو ایک تار بھیجا ہے جس کی نقل ہمراہ ہذا منسلک ہے۔ میاں جعفر شاہ کو بھی آگے لانے کی ضرورت تھی اور ان کو پونچھ کانفرنس کی صدارت کے لئے انتخاب کیا تھا مگر وہ صوبات علاقہ میں دورہ کر رہے ہیں خدا معلوم آ بھی سکیں گے یا نہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ وقت کی نزاکت کا خیال کر کے آپ اس بار کو اپنے ذمہ لے لیں اور اجمیر شریف ۲۴ر ستمبر کی شام یا ۲۵ر کی صبح کو ضرور پہنچ جائیے اور اپنی قبولیت کا مجھے تار دیجئے۔

---

[1] یہ شبہ صحیح نہ تھا کہ سر فضل حسین مرحوم انگریز حاکموں کے ایماء سے سب کچھ کر رہے تھے لیکن چونکہ انگریزی حکومت کے رکن سمجھے جاتے تھے ان کی تجاویز و تدابیر کے متعلق اس قسم کے شبہات عام تھے۔

ایک طرف ہندوستان کے انگریزوں کی چالبازی اور بے اتفاقی دوسری طرف ہندوؤں کی شرارت۔ ہماری طرف سے کسی کمزوری کا اظہار ہونا ہلاکت کے ہم معنی ہے۔ گاندھی کی اس نئی حرکت[1] اور غریب اچھوتوں کو دھمکی نے سارا کا سارا کانگریس کا پول کھول دیا۔ ہندو قوم میں انسدادِ ہند تقلید کا مادہ موجود ہے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اگر ہماری طرف سے مسلمانوں کے لئے صاف اور مردانہ ہدایات نہ دی گئیں تو ان کو ہمت پڑے گی کہ مسلمانوں کے خلاف بھی اس دھمکی کو کام میں لائیں۔ آپ پر سب باتیں روشن ہیں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کاش ڈاکٹر اقبال صاحب بھی آپ کے ہمراہ آسکتے تو بہت اچھا ہوتا۔ میں آپ کے تار کا منتظر ہوں۔ خدا کرے آپ بخیریت ہوں[2]

آپ کا پریشان بھائی

شوکت علی (خادم کعبہ) بمبئی ۱۶ ستمبر ۱۹۳۲ء

---

[1] اس فقرے میں اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ گاندھی جی نے فرقہ دارانہ فیصلے میں اچھوتوں کو الگ نیابت دیے جانے پر مرن برت کا اعلان کر دیا تھا۔

[2] مولانا شوکت علی مرحوم کا ایک خاص اور نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنے ہر نیاز مند کو آگے بڑھانے کی کوشش انتہائی فراخ دلی سے کیا کرتے تھے۔ یہاں جعفر شاہ پونہ کانفرنس کی صدارت کے لئے نہ پہنچ سکے تو صدارت کے لئے میرا نام تجویز فرما دیا۔ مجھے بھی خاص مشغولیتوں کے پیشِ نظر معذرت کرنی پڑی!

سرکشن پرشاد

بنام عماد الملک

(۱)

جناب من شاد نواز

آج مولوی محمد علی صاحب[1] صوبہ دار ورنگل سے خبر وحشت اثر انتقال پر ملال آپ کے فرزند لخت جگر سید محمد ہاشم بلگرامی[2] کی مسموع ہوئی جو میرے قدیم رفیق شفیق اور اسکول فلو تھے۔ بجز داستماع شاد کے داغ کھائے ہوئے دل ناشاد پر جو کچھ اثر پڑا اس کے اظہار کے لئے الفاظ کا میسر آنا ایک طرح کا مبالغہ ہے۔ چہ جائیکہ آپ کے قلبی اثرات کا اندازہ وہ تو سوائے علام الغیوب کے کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

اگرچہ اس داغ کے لئے کسی وقت کسی زمانہ کی تخصیص اور قید نہیں۔ تاہم ایک نوجوان ہونہار لائق فائق اولاد کا صدمۂ مفارقت وہ بھی اس سن و سال میں۔ (اللہ آپ کو دیرگاہ رکھے) بیساختہ امیر انیس مرحوم کا قول یاد دلاتا ہے

کیوں کر نبھے جہاں میں پیر و جواں کا ساتھ پیر و جواں کا ساتھ ہے تیر و کماں کا ساتھ

شاد

قاضی پیٹھ حیدرآباد۔ ۲۱ رجنوری ۱۹۱۱ء

(۲)

بنام نصیر حسین خاں خیال

مائی ڈیر خیال صاحب۔

میں نہایت نادم ہوں کہ آپ کے خط کا جواب بہت دیر سے ادا کر رہا ہوں۔ اس کے وجوہ بجز اپنی علالت طبع کے اور خط کے دیر سے پہنچنے کے اور کیا ہو سکتے ہیں۔ جب سے کرمن گھٹ آیا ہوں اکثر احباب کے خط پہلے ہوتے پانچویں پہنچتے ہیں۔ الغرض میں آپ سے نہایت شرمندگی کے ساتھ معافی چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرے تاخیر جواب کا کوئی مخالف اثر خیالِ خیال محب میں کوئی انقلاب پیدا نہیں کرے گا۔

الحمد للہ اب ڈائریا سے نجات ملی ہے لیکن کمزوری ہے۔ غالباً کسی روز آپ سے دو چار روز میں ملتا ہوں گا۔ آپ

---

[1] محمد علی محمد نواز جنگ بعد کو حیدرآباد میں انسپکٹر جنرل پولیس تھے۔

[2] عماد الملک کے یہ فرزند ہاشم بلگرامی حیدرآباد ہائی کورٹ میں جج تھے۔

خود دیکھ کر اندازہ کرلیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اور ہمارے بھیا[1] سرعلی سب خیریت سے ہوں گے۔ طاعون نے توحیدرآباد کو تباہ کر دیا۔ معاذ اللہ۔

اس فقیر کو اطلاع ہوئی کہ ہمارے بھیا کے مکان میں چوہے متاثرہ گرے۔ اللہم احفظنا۔ یقین ہے کہ تبدیل مقام کئے ہوں گے[2]

۲۴ رفروری ۱۹۲۰ء　　　　شاد

---

(۳)

بنام نصیر حسین خاں خیال

شاد نواز حضرت خیال دام محبتہ

آج کی تاریخ تک اس فقیر کے کان جو من گوش روزہ دار براللہ اکبر است کے متمنی تھے اور نہایت بیتابی کے ساتھ دل التوائے سفر کی خبر سننے کا منتظر تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اثر الٹا ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دعا اور اثر میں بھی دشمنی ہے۔ ابھی معلوم ہوا کہ کل آپ کا قصد روانگی کا ہے[3]

دیدۂ احباب و دل ہمراہ تست　　　　تو نہ پنداری کہ بیچارہ می روی

آپ کا سچا خلوص اور آپ کی ہمدردی اہل دکن کے ساتھ اور خصوصاً آپ کا حسن سلوک اس فقیر حقیر کے ساتھ یہ صفات ایسے نہیں ہیں کہ شاد آپ کو دل سے بھول جائے۔ اگر خدا نہ کرے ایسا کیا تو شاد بھی جماد بے حس ہے۔ چوں کہ آپ کا قصد سفر دور و دراز کا ہے اس لئے شاد اپنے خاندان کے عمل در آمد کے لحاظ سے حضرت امام ضامن علیہ السلام کے ضامن بھیج کر متوقع ہوں کہ آپ اس کو قبول کرکے شاد کو ممنون کریں

بعز رفتنت مبارک باد　　　　بسلامت روی و باز آئی

اپنے متعلق تو شاد اتنا ہی کہتا ہے کہ جو گزرے گی ہم پہ گزر جائے گی۔ آپ کی واپسی[4] تک فلک کی نیرنگیاں قابل دید ہوں گی۔ معلوم نہیں کہ موجودہ گردشِ لیل و نہار کے بعد زمانے کی کایا پلٹ کس قسم کی ہوتی ہے اور ہم اہل وطنوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہوتا ہے اور مشیت الٰہی کیا ہے۔ بہرحال۔ انی توکلت علی اللہ فہو حسبہ۔

شاد کے بچے آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ خدا حافظ۔

شاد

مطابق ۱۰ رمئی ۱۹۲۰ء

---

[1] یہ مہاراجہ کی شرافت اور وضعداری تھی کہ اپنے رقیب سرعلی امام کو بھیا کہا کرتے تھے۔

[2] یہ حیدرآبادی طرز اردو ہے کہ کیا ہوگا کی جگہ بطور اخلاق جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔

[3] سرعلی امام کے استعفا کے بعد جناب نصیر حسین خیال کو بھی یک بیک حیدرآباد چھوڑنا پڑا۔

[4] شاید مہاراجہ کو توقع تھی کہ پھر سرعلی اور خیال کی حیدرآباد میں بحالی ہوگی۔

(۴)

نصیر حسین خیالؔ

حضرت خیالؔ شاد نواز دام محبتہ

بعد اشتیاق بسیار آپ کا مژدت نامہ پہنچا۔ ممنون ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ مع اہل و عیال کی طرف سے بھی بعد شادمانی پھولے پھلے رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اطمینان خاطر کے ساتھ شاد کو محبت نامہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ سفر یورپ کے التوا کی خبر نے شاد کے حال کو خوش تو کیا تھا مگر اس کے ساتھ ہی پھر آپ کا قصد بدستور معلوم کر کے افسوس ہوتا ہے۔ اگرچہ اب بھی دور ہیں لیکن ہندستان میں رہ کر جب چاہیں حیدرآباد آ سکتے ہیں۔ البتہ یورپ سے حیدرآباد آنا معنی دارد۔ اگر مستقل ارادہ ہے تو بسلامت روی و باز آئی۔ آپ کے حیدرآباد سے رخصت ہونے کے بعد بہت سی چہ میگوئیاں ہوئیں۔ بلکہ اب تک جتنی زبانیں ہیں اتنی ہی باتیں مشہور ہو جاتی ہیں۔ الغرض دنیا بھی عجب تماشا گاہ ہے۔ اسی تماشا بینی میں عمر ختم ہو جاتی ہے۔ جن میں فطرتاً اللہ تعالیٰ نے تجسس اور تفکر کا مادہ دیا ہے۔ اور ہمارے فکر مدارتقا تک پرواز کر جاتا ہے۔ ویسے معدودے چند ہیں۔ شادؔ آپ کا دعاگو الحمد للہ مع عیال و اطفال خیریت سے ہے مگر اطمینان قلب میسر نہیں بلکہ روزمرہ انکلات میں ترقی ہے۔ مگر کیا کیا جائے بجز صبر و شکر کے چارہ نہیں۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ اگرچہ آپ کی روزانہ یہاں بھی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ شادؔ ترستا تھا۔ لیکن آپ کا خلوص اور جذب محبت کا اثر ممنون منت بنا رکھا تھا۔

افسوس کہ آپ دکن سے جدا ہوئے۔ فقیر شادؔ کی نسبت آپ کا حسن ظن قابل تشکر و امتنان ہے۔ غالباً ولایت میں آپ سے سالار جنگ بہادر سے ضرور ملاقات ہوگی۔ شادؔ کی جانب سے دعا و سلام پہنچا کر شاد کو ممنون فرمانا۔ فاللہ خیراً حافظاً۔ فقط

شادؔ

۱۳ اگست ۱۹۲۰ء

(۵)

امام عمادالملک

شاد نواز حضرت من

. . . .

صاحب موصوف نے ایک رسالہ موسوم بہ رسائل عمادالملک تحفتاً جناب کی جانب سے پہنچایا جس کے دیکھنے سے آنکھوں میں نور اور دل میں وجدانی کیفیت سے سرور کا نقشہ سمایا۔ اگرچہ بظاہر چند اوراق کی ایک کتاب ہے جس میں (۲۷) حروف کا ایک بسیط و دلفریب مرتع خانہ ہے۔ مگر ہر ایک شاہانہ رعنائی و زیبائی سے جلوہ آرا ہے۔ الفاظ کی اجتماعی ہیئت سے فقروں نے جو حسن ترتیب پایا ہے پرنیادان معانی کی مجلس کا عکس پیش نظر کر رہا ہے۔ اگر محققانہ نظر سے دیکھا جائے تو علم و فضل کا ایک خزانہ ہے۔ جس میں اس ملک اور دوسرے ممالک کے صاحب نظروں کے لئے جواہر بے بہا ہیں۔

شادؔ آپ کی اس یاد فرمائی اور عنایت کاملہ سے کمال درجہ ممنون ہوا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ جب

اس معدن فضائل و کمال کا مشاہدہ کرتا رہے گا اس عنایت کو دل سے فراموش نہ کرے گا۔ ....

اس نادر رسالے کے طبع ہونے سے پیشتر اگر ایسا کیا جاتا یا شاد کے گوش اخلاص میں اس کی اشاعت کی خبر پہنچی تو شاد بمقتضائے ذوق طبعی مزید کوئی قطعہ یا رباعی اس کی توصیف میں لکھ کر بھیجتا۔ شاد کا بھی تحفہ اس کے ساتھ یادگار زمانہ رہتا۔ انشاء اللہ اس کتاب کو بالاستیعاب فرصت سے دیکھ کر استفادہ کروں گا۔ قطعہ

عماد الملک نے بھیجا رسالہ　　کروں کیا اس کی میں تعریف اے شاد
خزانہ ہے یہ حکمت کا یقینی　　ملے اہل یقین اس کو رکھے یاد

حال میں چند رسالے جدید طبع ہوئے تھے جو روانہ خدمت ہیں۔ بزم توحید۔ قومی لیڈر۔ معراج تقی۔ سمیہ پرکاش کرشن کلا۔ گیان درپن۔ مثنوی سرد جود۔ آشوب عظیم۔

۱۴ر نومبر ۱۹۲۱ء　　شاد

(۶)

بنام عماد الملک

شاد نواز

محبت نامہ رقم زدہ ۱۸ر جولائی ۲۲ء وصول ہوا .... خدائے بزرگ و برتر بصحت و عافیت بہت دن تک آپ کو زندہ شادکام رکھے ؎

تنت بناز طبیباں نیاز مند مباد　　وجود نازکت آزردۂ گزند مباد
سلامت ہمہ آفاق در سلامت تست　　بہیچ عارضہ شخص تو دردمند مباد

.... اقوال حضرت علی علیہ السلام کو آپ کا پسند کرنا فقیر شاد کے لئے باعث نازش ہے کلمات طیبات اور ماہ کامل میں صرف ترجمہ ہے۔ اصل قول حضرت کا نہیں ہے۔ فقیر نے حضرت کے اشعار اور اصل اقوال اور کچھ صاحبوں سے جمع کئے ہیں جن کو اردو میں ترجمہ کرکے نظم کر رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد تکمیل اور قبل طبع آپ کے معائنہ کے لئے بھیجوں گا۔ وہ اشعار اور اقوال اور ان کا ترجمہ غالباً آپ پسند فرمائیں گے۔

۲۹ر جولائی ۱۹۲۲ء　　شاد

(۷)

بنام خواجہ حسن نظامی

حضرت سلامت۔

فقیر نے مجبی محب کے جواب میں کچھ رباعیاں لکھی ہیں اور وہ ایک کتاب کی صورت میں ہیں۔ اس کا نام — ”سلک گہر“ ہے۔ فقیر کی خواہش ہے۔ کہ آپ اس پر تقریظ لکھیں۔ شوکت بلگرامی مرحوم نے بھی اس پر تقریظ لکھی تھی۔ غبار صاحب متکلم منشی بھی تقریظ لکھ رہے ہیں۔ مگر حضرت کی تقریظ کی ضرورت ہے۔ سلک گہر زیر طبع ہے۔ جہاں تک ممکن ہو تقریظ جلد ارسال فرمایئے۔

اس مژدۂ جاں فزا نے اپنے جامہ سے باہر کر دیا کہ حضرت مرحوم میں حیدرآباد تشریف فرمائیں گے۔ خدا ہمچنیں کند

چھوٹی رانی کو دو روز سے ہیچکی آ رہی اور لہو ہے۔ خدا فضل کرے کہ شاد کے لئے خدا نے اس ہستی کو اب باعث آرام گردانا ہے۔ باقی سب برائے نام ہیں۔

شرح دستخط

سٹی پیلس ۲۴ر جولائی ۱۹۲۴ء

مہاراجہ بہادر

---

(۸)

بنام عماد الملک

جناب من شاد نواز کرم فرما زاد معظکم۔

جناب کا نامہ کرم مع دو کتب کے پہنچا۔ ممنون کیا۔ آپ اپنی قدیم مہربانیوں اور تعلقات کے لحاظ سے فقیر شاد کے متعلق حسن ظن رکھتے ہیں یہ آپ کے بزرگانہ اشفاق کی دلیل ہے۔ فقیر شاد آپ کو کیا بلحاظ سن و سال اور آپ کے فضائل حمیدہ اور اپنے مرتبۂ تلمذ و نیاز مندی کے نہ صرف کرم فرما سمجھتا ہے بلکہ اپنا واجب العزت بزرگ سمجھتا ہے۔

اس پچاس سال کے عرصہ میں حیدرآباد میں جو انقلابات ہوئے ان کے اثرات بد سے محفوظ رہنا یہ آپ کی دانش مندی اور محتاط طبیعت کا نتیجہ ہے۔

افسوس ہے کہ آپ کی بصارت میں کچھ نقص پیدا ہو گیا ہے۔ اور پاؤں نے معذور کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ کبر سنی کا تقاضا ہے۔ خداوند عالم جل شانہٗ کی جو مشیت ہو اس پر صابر و شاکر رہنا ہی ہمارے لئے سعادت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بصحت و عافیت رکھے۔ آپ کا وجود مغتنمات روزگار سے ہے۔ فقیر کا بھی بہت ہی چاہتا ہے کہ گاہے ماہے جناب کے فیض صحبت سے مستفیض ہوں۔ مگر بار خاطر ہونے کا خیال ہر وقت سد راہ ہوتا ہے۔ اگر میری حاضری مخل اوقات نہیں سمجھی جاتی تو مہینے میں کم از کم ایک زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ اگر صرف آپ کی مزاج پرسی کیا کروں۔ یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

فقیر
شاد

۴ر مئی ۱۹۲۶ء

---

(۹)

بنام حضرت سید نظیر شاہ وارثی

مولینا

تسلیم عرض ہے کاغذات روانہ خدمت ہیں۔ حضرت وارث میاں کے واقعات اور حالات جیسے جیسے پڑھتا ہوں حیرت کی تصویر بن جاتا ہوں۔ اور قلب میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی جاتی ہے کہ جس کو شاد ہی محسوس کرتا جاتا ہے۔ سبحان اللہ کیسے خاص نفوس اس دنیا سے اٹھ گئے۔ مگر گئے کہاں۔ البتہ ہماری بصیرت کا قصور ہے۔ خدا بصیرت عطا فرمائے۔ ابھی درشن کی تمنا باقی ہے۔ مگر مجھے امید قوی ہے کہ وہ ضرور درشن دیں گے اپنے امیدوار کو محروم نہ کریں گے۔

شاد فقیر

---

(۱۰)

بنام عماد الملک

مائی ڈیر عماد الملک بہادر

محبت نامہ مجھے ملا۔ بجائے اس کے کہ یاد آوری کا شکریہ ادا کروں آپ کی اس مخلصانہ عنایت کا دلی شکریہ

ادا کرتا ہوں۔ کہ آپ نے اپنی نیک دلی اور فطرتی ہمدردی سے مجھے بھی ابنائے جنس کی ہمدردی کا اہل سمجھا اور اس کار خیر میں شریک کر کے داخل حسنات کیا جو میرے خیال میں نہ تھا۔ میں نہایت خوشی بلکہ آپ کے شکریہ کے ساتھ سو روپے کلدار آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔

مزید محبت بہمیں نمط مستدام باد

شاؔد

---

(۱۱)

بنام عماد الملک

جناب من شاد نواز

تسلیم۔ آپ کا محبت نامہ پہنچا .... (۶ سطر) ..... یہ فقیر حقیر آپ کے نوازشات اور دلی خلوص کا ہمیشہ سے ممنون ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ خدا توفیق دے کہ میں اپنی زندگی تک اسی تشکر و امتنان کو نباہ دوں۔

بمبئی میں میرے دو بچے ایک لڑکا اور ایک پوتا نمونیہ سے سخت علیل ہو گئے تھے۔ جس کے باعث سے مجھے چندے وہاں قیام کرنا پڑا .. .. (۰ سطر) .. ... حال میں بندے نے ایک فارسی غزل لکھی تھی جس کی نقل منسلک ہذا ہے۔ بنظر اصلاح دیکھیں .... (۲ سطر)

(غزل ۷ شعر کی ہے)

مطلع۔ دلا تا چند حرص دین و دنیا شرم دار آخر　　بشو یکسو ہوائے این و آن از سر برآر آخر

مقطع۔ رسیدی بر در مقصد نشستی بر سر مسند　　دعائے صبحگاہی شادؔ ے آید بکار آخر

(اندنگل)

شاؔد

---

(۱۲)

جناب من

تسلیم۔ جناب کا نامہ الطاف پہنچا۔ آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔ بیشک آپ کو مجھ سے محبت ہے۔ اسی لئے محبت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ آپ میری ہمدردی فرماتے۔

اخبارات میں جو کچھ ہو رہا ہے حاسدوں کے حسد کے پھپھولے ہیں جو اس شکل میں ظاہر ہو کر پھوٹ رہے ہیں آپ نے جو یہ فرمایا کہ مصاحبت میں جہاں دیدہ پرانا آدمی ہوتا تھا۔ جناب من آپ جہاں دیدہ اور میدان محبت کا دیکھا ہوا تجربہ کار شخصیت ہیں تو اس کا کیا جواب ہے۔ کیا محبت کے سودائی کو کوئی مصاحب کی مصاحبت سد راہ ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مالک سے زیادہ تو میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ کس قدر میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوا ہوں گا کہ یہ بھی خیال نہ رہا تو پھر بیچارے مصاحب اور واعظ اور پند گر کر ہی کیا سکتے۔ خیر یہ قصہ عجیب و غریب ہے [illegible] آپ نے ایک ہی طرف کے لوگوں کی زبانی قصہ سنا ہے اس لئے آپ نے یکطرفہ فیصلہ صادر فرما دیا۔ در اصل یہ یا بقل کی

بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ خیر کچھ پروا نہیں۔ واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔
جواب پسند آیا اس کا شکریہ۔ خدا حافظ

شاد عفی عنہ

بنام اکبر الملک بہادر

(۱۳)

مہربان من نواب اکبر الملک بہادر

اعلیحضرت پیر و مرشد مدظلہم العالی نے یہ جواب اڈریس صرف خاص جو اسپیچ ارشاد فرمائی اس کی نقل حسب ذیل منسلک ہذا ہے۔ یقین ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے جشن سالگرہ مبارک کے طفیل آپ ہم روزانہ ملتے تھے اب تو شاید مہینوں اتفاق نہ ہوگا۔

شاد عفی عنہ

---

۱ یہ خط مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کا ہے۔ اس پر تاریخ نہیں ہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد اس وقت مدار المہام یعنی دیوان ہو چکے تھے اور ریاست حیدرآباد کے سب سے بڑے عہدہ دار تھے لیکن جس بزم اور ایک حد تک مقربان حضور سے خوشامدانہ لہجے میں اس خط کا آخری جملہ لکھا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے خاص کر اکبر الملک کو قوال سے ملاہم پڑھانے کے ذریعے کس قدر کوشاں رہتے تھے۔

بیخود بدایونی

(۱)

بنام احسن مارہروی

مخدومی!

یہ عریضہ ۲۲ جون کے کارڈ کا جواب ہے اور اس قدر تاخیر کا سبب وہی میری پریشانیاں ہیں جو دم بھر چین نہیں لینے دیتیں۔ ناقدروانی کی شکایت، جو میں نے پہلے خط میں لکھی تھی وہ یہاں کے ذی اختیار آفیسروں کی نسبت تھی۔ نہ کہ اپنے احباب کی نسبت، اور احباب میں بھی آپ، جو اس ذرۂ بے مقدار کو اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ آب و تاب دے رہے ہیں۔ جون سے اب تک ایک مصرع بھی نہیں لکھا تھا لیکن اس ہفتہ میں جودھپور چھوڑ کر دورے کو اٹھا تو کوئی شغل یا کوئی ہم سخن ساتھ نہ تھا۔ ریل میں اور راونٹ پر جو کچھ لکھا ہے وہ بھیجتا ہوں۔ والتسلیم!

نیاز مند خادم: بیخود از جودھپور رساوڑی۔ پرگنہ دیوڑی ماروار، ۲ر ستمبر ۱۹۰۵ء

جواب جودھپور کو بھیجئے گا۔

یہ چند اشعار پہلے کے یاد آگئے ہیں۔

بیخود بدایونی

تذکرہ بیخود کا یارانِ وطن میں رہ گیا — کیا فسانہ حیف کیسی انجمن میں رہ گیا

دل سا رہبر کوچۂ قاتل میں لے آیا مجھے — فرق اب کیا رہنما و راہزن میں رہ گیا

فصلِ گل ہے دستِ وحشت ہاتھ کاٹے جا بیچئے — تار بھی باقی اگر اب پیرہن میں رہ گیا

کیا جگہ پائی ہے شوخی سے دلِ بیتاب نے — فتنہ بن کر اوس کے چشمِ سحر فن میں رہ گیا

کھلتے میں تیرا دلِ صد چاک کچھ شانہ نہ تھا — پھر یہ کیونکر میری زلفِ پرشکن میں رہ گیا

کیا کہوں میرا دل شگفتہ کیا تھا کیا نہ تھا — ایک غنچہ تھا کہ مرجھا کر چمن میں رہ گیا

بھرے غم میں اس قدر افسردہ کیوں ہیں اہلِ بزم — میں نہیں میرا فسانہ انجمن میں رہ گیا

اور کتنا بھول جاؤ گے یہ سامنے پیچھے — میں اگر اے ہم صفیرو اس چمن میں رہ گیا
آبرو جاتی رہے گی دیکھ اے خوں بار آنکھ — قطرۂ خوں بھی اگر سینے بدن میں رہ گیا
جان دیدی غم سے لیکن اف رے استقلالِ عزم — وصل ہو کر تیشہ دستِ کوہکن میں رہ گیا
دوست کا کیا دشمن پر بھی آنچ آنے نہ دی — خود ہی جل کر نالۂ آتش فگن میں رہ گیا
آپ کے آتے ہی بیخود آپ سے جاتا رہا — ہائے اتنا ہوش تو دیوانہ پن میں رہ گیا

(۲)

سن مارہروی

سیدی و معظمی!

کورنش۔ میری نعتیات کے لئے جو میری آرزو کے خلاف فارسی کا قطعہ تاریخ عنایت ہوا تھا وہ میرے واسطے باعثِ افتخار تھا۔ مگر افسوس کہ تمام مجموعہ کی کاپیاں تیار ہو گئیں اور وہ قطعہ نہیں ملتا لہٰذا ملتجی ہوں کہ وہی یا کوئی اور۔ بہتر تو یہ ہے کہ چند قطعہ بواپسی ڈاک عنایت فرمائیے۔ بھلا یہ آرزو تو پوری ہو جائے۔ خیریتِ مزاج اور دعا ہائے رفع تردّدات کا طالب:

بیخود از جودھپور ۳ جنوری ۱۹۱۲ء

(۳)

سن مارہروی

معظمی و مکرمی سیدی و سندی سلالہ خاندان برکاتیہ افتخار تلامذۂ فصیح الملک مرحوم!

آداب و تسلیم قبول ہو۔ حضور کا ایک عطوفت نامہ مورخہ ۸ اکتوبر دوسرا رقم زدہ ۲۳ جنوری سنہ حال تیسرا مورخہ ۲۲ فروری سنہ ۱۹۱۱ء مع قطعات تاریخ و مثنوی میرے پیشِ نظر ہیں۔ افسوس میں ناتوانی اور علالت کی بدولت نہ رسید لکھ سکا نہ جواب۔ بلکہ اب باوجود وعدہ خط لے کر بیٹھنے اور مکرمی حضرت دلگیر کی فہمائش غزل اور سہرا لکھنے کا مصمم ارادہ کرنے کے ایک شعر بھی نہ لکھ سکا۔ اس سبب سے معافی اور اس کے ساتھ دعا چاہتا ہوں تاکہ بیماریاں بھی دفع ہوں اور پریشانیاں بھی اور سوا آپ کے خاندان اور آپ کے اجدادِ کرام کے!
آپ کے عزیزانِ عالیمقام کی توجہ کے آپ کے بیخود کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔

قطعاتِ تاریخ اور مثنوی تاریخی کی تعریف و شکریہ از خود تصنیف میرے امکان میں نہیں ہے۔ یہ تقدیری بات ہے کہ جانشینِ داغ کی تقریظ نہ صرف آپ کی تاریخوں سے بلکہ عزیزم سید عنایت احمد حیرت بدایونی و سید افتخار حسین صاحب مضطر خیرآبادی و قاضی کبیر احمد جودھپوری و مرزا احمد حسین بیگ صاحب دہلوی و سید محمد نوح صاحب نوح ناروی، غرض بہت سے احباب کی تصانیف کے مقابلہ میں بہت ہو گئی ہے۔ دیوان میں نے اپنے عنایت فرما اور پرانے ملنے والے مولوی سید نصرت علی صاحب دہلوی صاحب نصرت المطابع واقع فراش خانہ کو چھپنے کے واسطے دیا ہے۔ مگر کاپی باوجود بہت اچھی لکھی جانے اور فوراً واپس بھیج دینے کے خود میرے دوست بیمار ہو گئے اور کئی مہینوں تک کاپیاں پڑی رہنے سے پتھر پر اترنے کے قابل نہ رہیں۔ چنانچہ اسی خوشنویس سے دوبارہ پھر کاپیاں لکھوائی گئیں جن کو میں نے دوبارہ تصحیح کے بعد ہی بھیجا ہے

لہٰذا امید ہے کہ اب جلد چھپے گا۔ کل اجرت وغیرہ سالانہ ۳۰۰ روپے طے ہوئی ہے جس میں میرے عنایت فرمانے اپنے معارف کی نسبت میری نیازمندی پر خیال زیادہ رکھا ہے اور اس رقم میں سے ۳۰۰ روپے مطبع میں پہنچ چکے ہیں۔ اب آئندہ تقدیر سے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ میں آپ کا دلی خادم ہوں اور موروثی غلام ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی عنایت کو میرے دم آخر تک قائم رکھے اور بیماری و ضعف کے سبب سے میں بہت مجبور ہوں۔ لکھنا، پڑھنا، بولنا، چلنا کوہ کندن معلوم ہوتا ہے۔ نوکری کی مجبوری میں ریل میں بیٹھا ہوا دورہ سے آرہا ہوں اور اپنی عدالت کے اہلکار قاضی عبدالغنی صاحب جو میرے ساتھ بہت محبت رکھتے ہیں ان سے یہ خط لکھوا رہا ہوں۔ والتسلیم!

محمد عبدالحی

خواجہ عشرت لکھنوی

(۱)

احسن مارہروی

لکھنؤ۔ احاطہ خان ساماں ۶ر جولائی ۱۹۰۹ء

مخدومی بھائی احسن صاحب!

تسلیم۔ میں بہت سے مخمصوں میں مبتلا ہوں۔ آپ کا مضمون تو لکھا ہوا مدت سے رکھا تھا۔ لیکن میرا خیال تھا کچھ نعیم الملک کے استفسار کے جواب میں انجمن کے متعلق لکھوں۔ وہ اب تک نہ ہو سکا۔ بہرحال ایک مضمون مرسل ہے۔ مئی کے پرچہ میں جگہ ہو تو اس کو لکھوا دیجیے۔ جون کے واسطے اور کچھ لکھنے والا ہوں۔ میرا مضمون آپ ضرور دیکھ لیا کیجیے کیونکہ میں ہمیشہ مسودہ بھیج دیتا ہوں۔ ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ .... (نامکمل)

---

(۲)

بنام احسن مارہروی

مکرم بندہ جناب سید صاحب!

تسلیم۔ نوازش نامہ موصول ہوا۔ حسب الحکم عالی ایک مضمون نثر کا، دو غزلیں بھیجتا ہوں۔ آئندہ برابر لکھتا رہوں گا۔ مجھ کو اپنا قدیم خادم تصور فرمائیے۔ نہ کبھی آپ سے ناراض ہوا ہوں نہ ہو سکتا ہوں۔ میں آپ کو اپنا قابلِ تعظیم دوست سمجھتا ہوں۔ میری طرف سے آپ خاطر جمع رکھیے۔ کتابیں جو آپ کی خدمت میں بھیجی ہیں وہ وہی تھیں جو آپ نے بذریعہ پوسٹ کارڈ مجھ سے پہلے طلب کی تھیں اگر خلاف فرمائش میں نے بھیجی ہوتیں تو مجھ کو ضرور افسوس ہوتا لیکن اب صرف آپ کی پسند نہ آنے کا افسوس ہے۔ بہرحال جو آپ کی مرضی ہو میں ہر طرح موجود ہوں۔ فقط!

عشرت۔ از لکھنؤ احاطہ خان ساماں

۱۶ر نومبر ۱۹۱۰ء

غزل

جھاڑتا کیوں ہے اگر بھر گئی پوشاک میں خاک
غافل اک دن تجھے سونا ہے اسی خاک میں خاک

نہ سکندر رہے نہ دارا نہ فریدوں ہے نہ جم
سب کے سب ہو گئے اس گردش افلاک میں خاک

چار دن کے لئے مسند پہ ہے تکیہ بیجا
سونٹ ہر وقت نئی گھانس ہے ناک میں خاک

زر کو مٹی ہی سمجھتے ہیں قناعت والے
کیمیا ہے نظر صاحب ادراک میں خاک

بعد مرنے کے ٹھکانے سے لگی ہے مٹی
جم گئی ہے چمن گرچہ سفاک میں خاک

ہے یہ درگاہ الٰہی میں دعا عشرت کی
جا کے ہو روضۂ پاک شہ لولاک میں خاک

غزل ولہ

بزم ابتر ہوئی نکلے جو وہ میخانے سے
شیشے توڑے گئے پھینکی گئی پیمانے سے

روح نکلے گی جو ساقی ترے ستانے سے
سیدھی جنت کو چلی جائیگی میخانے سے

محفل آباد رہے خیر ہو خم کی ساقی
ایک دو گھونٹ چھلکتے ہوئے پیمانے سے

حکما کہتے ہیں ہوتی ہے غذا جزو بدن
ہم تو تحلیل ہوئے جاتے ہیں غم کھانے سے

آپ بھی جلتے ہیں غیروں کے جلانے والے
ہم کو روشن یہ ہوا شمع کے جل جانے سے

قطع کر رشتۂ امید اگر دانا ہے
کشت امید ہری ہوگی نہ اس دانے سے

میکشی ترک نہ مجھ رند سے ہوگی واعظ
عہد شیشے سے ہے پیمان ہے پیمانے سے

دیکھ تو چل کے ذرا سیر وہاں بھی عشرت
دو قدم خانۂ اللہ ہے بت خانے سے

راشد الخیری

(۱)

شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی

مکرمی و معظمی!

السلام علیکم۔ گرامی نامہ کا ممنون ہوں۔ میرا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ میرے متعلق جو اعتراض تھا اس کی تردید کروں، بلکہ عصمت کے مضمون سے آپ کو میری طرف سے بدگمانی نہ ہو اور اب کہ چل چلاؤ کا وقت ہے کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے۔ آپ ضرورت نہیں۔ خیال فرماتے تو جانے دیجئے۔

حاجیہ تاج بیگم صاحبہ کے معاملہ میں جس قدر ہیں نے کوفت اٹھائی وہ تھوڑی بہت آپ کے علم میں ہی ہے۔ آپ اس سے باخبر ہیں اب یہ آپ ہی فرمائیے کہ رہائی کے بعد اگر ان کے شوہر نے سنگدلی اختیار کی تو مقدمات میں دہلی سے سشن جج صاحب کی خدمت میں کیونکر لے جاتا۔ میرے اعضا اب وہ نہیں رہے۔ اکثر بیمار رہتا ہوں۔ ایک آنکھ کمزور ہوگئی ہے۔ ایک ٹانگ میں ہر وقت درد رہتا ہے۔

کاش وہ سات روپیہ اس سے پہلے یاد آجاتے۔ اس کے بعد مدتوں حساب رہا۔ کبھی کے محسوب ہو چکے ہوتے۔ اگر یاد فرمائی پر بھی تساہل کرتا تو بدمعاملگی کہی جا سکتی تھی۔ مجھے جہاں تک یاد ہے یہ پہلی مرتبہ آپ نے تحریر فرمایا ہے حالانکہ اس کے بعد عرصہ دراز تک سیکڑوں روپیہ کا حساب رہا۔ یہاں امتیاز نے جو روپیہ بھیجے تھے اس کا حساب آپ دیکھ لیں اور مجھے جہاں تک بھی یاد ہے وہ میں نے مضامین کے واسطے .... اور شاید ایک آدھ مضمون روانہ بھی کیا تھا۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ مضمون کی ضرورت نہیں ہے۔

میں عصمت سے اپنا نام علیحدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور وسط اکتوبر میں دہلی جاؤں گا۔ مہربانی فرما کر آپ میاں امتیاز سلمہ سے فرما دیجئے کہ وہ وسط اکتوبر میں ایک کارڈ حساب کا لکھ کر مجھے دہلی روانہ کر دیں، میں تمام حساب صاف کر دوں گا۔

کتاب کے متعلق اگر تغیر و تبدل کی ضرورت ہو اور دوبارہ محنت کرنے پر درست ہو سکتی ہو تو میں حاضر ہوں۔ اگر نہیں تو میں انشاءاللہ کسی اور کو دلوادوں گا اور جس وقت اب کوئی درخواست کتاب لکھنے کی آئی تو آپ سے منگوالوں گا۔ میاں امتیاز سلمہ کو دعا۔

نیازمند: راشد الخیری - ۱۲ر جولائی ۱۹۲۱ء

(۲)

بنام منشی امتیاز علی تاج

عزیزم سلمہٗ!

سلام مسنون۔ ہاں یہ ہی درست ہوگا کہ آدھے صفحے پر لکھوادو اور آدھا چھوڑدو۔ جب مکمل ہو جائے تو روانہ کرو۔

یہاں کاتبوں کی دقت نہیں ہے مگر چھپائی کی مصیبت واقعی سخت ہے۔ سیاہی عصمت میں بھی دیسی استعمال ہو رہی ہے دلی میں انگریزی سیاہی نہیں ملتی۔ قطعیت میں تو نہیں مگر ہاں چھپائی کا انتظام یہاں ہو جانا ممکن ہے۔ سنجوگ کی کاپیاں تم ہو تے ہی بھیج دینا۔

میں نے منشی کو مسودہ صاف کرنے کے لئے دیا تھا۔ اس کم بخت نے صاف تو صرف ساڑھے تین سلپ کئے اور ایک سلپ کھو دیا۔ اگر نہ ملا تو مجھے سخت اذیت ہو گی۔

تمہارا خیال آغاز اسلام وغیرہ بہت اچھا ہے اور میں اس کتاب کے ختم کرتے ہی انشاءاللہ اس پر شروع کر دوں گا۔ صرف اتنا خیال ہے اسلام کا نام آجانے سے ذمہ داری بہت بڑھ جائے گی۔ خیر یہ بعد میں طے ہو جائے گا لیکن اس سلسلہ میں جو کتابیں میرے پاس موجود ہیں ان کے علاوہ جو تمہارے ہاں ہوں اور تمہاری بلائے ہیں مجھ کو دے سکیں ان کو ابھی سے چھانٹ لینا مطالعہ کے بعد واپس کر دوں گا۔ یہ کتاب ہیں انشاءاللہ آٹھ دس روز میں ختم کر لوں گا اور میں چاہتا ہوں کہ اس وقت تک مضامین کا معاوضہ اگر طے ہونا ہے تو ہو جائے کیونکہ پچھلی دفعہ جو سو روپیہ تم نے بھیجے تھے اس کے بعد مجھ کو سو روپیہ اور لینے پڑے جو پندرہ فروری کو واپس کرنے ہیں اور اس کے ساتھ اپنے اخراجات کے واسطے ضرورت ہو گی کیونکہ میں نے اس عرصہ میں کسی سے روپیہ نہیں لیا اور اس وجہ سے دو ایک کو ناخوشی ہوئی۔

بعض ضرورتوں پر خیال کرنے کے بعد میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ اس کتاب کو ختم کر لوں تو جولی میں ایک روز کے واسطے لاہور آجاؤں۔

مولوی صاحب کو میرے خط کا جواب جلد دینا چاہئے اس کے جواب پر مجھ کو اپنی ضروریات کا انتظام کرنا ہے۔ والدعا!

نیازمند: راشد الخیری۔ دہلی ۲ر فروری

(۳)

مکرمی و معظمی!

تسلیم۔ پہلی رجسٹری کے جواب میں جو گرامی نامہ وصول ہوا اس میں جو کچھ تحریر تھا وہ ایک خاص حد تک چونکہ درست تھا اس لئے اس کا جواب میں نے جلد نہ دیا۔

ستمبر میں ملیریا وغیرہ کی وجہ سے میں اور بیوی بچے کچھ ایسے پریشان سے ہے کہ میں حسب دلخواہ کام نہ کر سکا اور گو ابھی تھوڑا بہت

سلسلہ موجود ہے لیکن میں التہرا میں خاص محنت کر رہا ہوں۔ تین پیکٹ روانہ کر چکا ہوں۔ امید تھی کہ چوتھا آج روانہ کروں گا مگر بحث چونکہ حضرت سیدہ کی ام المومنین کے ساتھ تعلقات سے تھی اور　　کے بعد تمام کتاب میں مشکل بحث ہے افسوس میں اس وقت تک مکمل نہ کر سکا انشاء اللہ آج رات کو یہ مسودہ جو تقریباً ایک جزو کا ہوگا مکمل ہو جائے گا۔ اسی طرح دوسرے تیسرے روز میں مسودہ بھیجتا رہوں گا اور امید ہے کہ پندرہ بیس روز میں پانچ چھ جزو آپ کی خدمت میں پہنچ جائیں گے۔

العالحات کے متعلق آپ یہ ہرگز خیال نہ فرمایئے کہ میں اس کی نظرثانی نہ کروں گا۔ دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے آپ جب فرمائیں مجھے اس کی نظرثانی میں تین چار ہفتے صرف ہوں گے۔

میرا پہلا پیکٹ رجسٹری نہ ہو سکا امید ہے کہ وہ بھی پہنچا ہوگا، یہ تیسرا تھا۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

نیازمند: راشد الخیری۔ دہلی ۱۷ اکتوبر

(۴۰) [1]

مخدومی! السلام مسنون:

پانی پت کا کارڈ پہنچا۔

امید ہے آج آپ بخیر روانہ لاہور ہو گئے ہوں گے۔ وحید مرحوم کے مضمون کو میں نے دوبارہ درست کر دیا تھا اب آپ کے نوٹ آنے پر پھر لکھوں گا۔

کوئی مضمون پورا دردناک اس وقت ہو سکتا ہے جب لکھنے والا واقعات میں محدود نہ ہو جس قدر　　وسیع ہوگا، اسی قدر وہ　　لکھ سکتا ہے اور اس لئے کہ وہ پابند نہیں ہے۔　　اور مقررہ دائرہ　　سے علیحدہ نہیں ہو سکتا لیکن جہاں بعض واقعات سے بحث کرنی ہے وہاں واقعات کا لحاظ ضروری کی سلب کر لیتا اور وہ صرف واقعات کے تحت میں لکھتا ہے۔ بہرحال نوٹ آ جانے پر میں دوبارہ لکھوں گا۔

میں دو روز سے بالکل خالی ہوں۔

نیازمند: راشد الخیری!

پتہ کے واسطے صرف عصمت کافی ہے۔

---

[1] اس خط کے بعض الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

حکیم اجمل خاں

(۱)

بنام نواب وقار الملک

مکرمی!

السلام علیکم۔ پارسل جھومر کا روانہ کیا گیا ہے امید ہے کہ خدمت والا میں پہنچا ہوگا۔ جھومر کی لاگت کا پرچہ ہمرشتہ خط ہذا ہے۔ مبلغ ۱۸ لعہ اس کی لاگت میں (جیسا کہ پرچہ حساب میں درج ہے) آتے ہیں۔ مبلغ ۱ صہ روپیہ آپ کے میرے پاس جمع ہیں۔ مبلغ رعہ آپ کی طرف اور واجب الادا ہیں۔

اگر جھومر ناپسند ہو تو واپس ہو سکتا ہے۔ صرف مزدوری بنوائی کی دینی ہوگی۔

اجمل۔ دہلی ۹ مارچ ۱۹۰۵ء

میں کل دہلی سے روانہ ہوں گا۔ آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں۔

محمد اجمل

فرحت مرزا آپ کو آداب عرض کرتے ہیں۔

(۲)

بنام نواب محسن الملک

مکرم بندہ جناب نواب صاحب!

السلام علیکم۔ میں جب میکلیوڈ پور میں تھا تو میں نے سید مصطفٰے احسین صاحب کے ناگوار قصہ کا حال سنا تھا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ وہ سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی کے جلسہ سے اٹھا دئے گئے اور وہ بلائے ہوئے آئے تھے تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کی بیجا توہین کی گئی جس کا رنج کم سے کم میں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں اور یہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں اس کے اسباب مختصر طور پر آپ سے دریافت کروں۔

اگر مصطفٰے احسین واقعی بے قصور ہیں اور پرنسپل صاحب نے خود یا کسی دوسرے پروفیسر کے اشارہ سے انہیں تکلیف

پہنچا کر اپنے بے جا حاکمانہ اقتدار کو ثابت کرنا چاہا ہے تو آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس کا ناگوار اثر کہاں تک قابلِ برداشت ہو سکتا ہے۔
گو میں بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں مگر آپ کے جواب آنے سے پہلے میں اپنے خیالات کا اظہار نامناسب سمجھتا ہوں۔
تاہم میں آپ کو یہ بات بھی بتانا چاہتا ہوں کہ مصطفےٰ حسین ایک کالج کا طالبِ علم اور بدبخت مسلمانوں کی قوم کا ایک رکن ہے اس کے ساتھ بُرے برتاؤ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک مسلمان کے ساتھ بُرا برتاؤ کیا گیا۔
کالج کے اسٹاف کو ہم عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہتے ہیں اور اس پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک شریف قوم کی تعلیم گاہ کی خدمت کر کے اس کی جانب سے انتہا شکر گذاری کا مستحق ہوگا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کالج کا یورپین اسٹاف ایسا خود مختار اور مطلق العنان ہو جائے کہ وہ ہماری توہین یا تحقیر کرنے پر بھی ہماری خاموشی کا متوقع رہے۔ مہربانی فرما کر صحیح واقعات سے مجھے جلد مطلع فرمائیے اور اپنی موجودہ نرم پالیسی کو ترک کیجئے ورنہ آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کا کالج بہت سی مشکلوں میں پھنس جائے گا۔

اجمل خاں ۱۹ ر نومبر ۱۹۰۶ء

(۳)

مولانا شوکت علی

بھائی شوکت علی صاحب!
السلام علیکم۔ میں آج کل لبنان کے ایک چھوٹے سے قصبے عین زحلتا میں ہوں۔ یہاں سے بیروت، عکہ اور حیفہ ہوتا ہوا مصر جاؤں گا۔ چونکہ میں ۲۵ ر ستمبر کی صبح کو بمبئی پہنچ رہا ہوں اور وہاں دو تین روز قیام بھی کرنا ہے اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ خلافت کی ورکنگ کمیٹی ۲۹ ر ستمبر کو کر دیجئے تاکہ ضروری مشورہ ہو سکے۔
آپ کو معلوم ہے کہ میں پانچ مہینے باہر رہ کر ہندوستان واپس آ رہا ہوں اور میری لڑکی بھی علیل ہے جس کے پاس میں ایک عرصہ تک قیام کروں گا اس لئے پھر مجھے کسی جلسے کی شرکت کے لئے سفر کرنا بہت دشوار ہوگا۔ اگر آپ میری اس رائے کے ساتھ اتفاق کریں تو نوٹس جاری کر دیں۔
میں صحت کی درستی کے لئے ہندوستان سے باہر آیا تھا اور اس چٹھی میں جو میں نے ڈپٹی کمشنر کو لکھی تھی اپنے سفر کی غایت بھی یہی لکھ دی تھی اور یہ بھی تحریر کر دیا تھا کہ میرا یہ سفر سیاسی نہیں ہے۔ اس لئے امید ہے کہ آپ اس کا لحاظ رکھیں گے اور نوٹس میں جلسے کی ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے کوئی ایسی بات تحریر نہ کریں گے جو میری چٹھی کے مضمون کے خلاف ہو۔
امید ہے کہ آپ کا دورہ کامیاب رہا ہوگا اور آپ کے وزن میں خداوند تعالےٰ کے فضل و کرم سے مزید اضافہ ہوا ہوگا
پیارے شعیب کو سلام یا پیار جو آپ مناسب سمجھیں۔

اجمل۔ ۲۰ ر اگست ۱۹۲۵ء۔ عین زحلتا

(۴)

بنام غلام رسول مہر

پرائیویٹ

مکرمی!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب سے میرا شکریہ ادا کر دیجئے۔ یہ فرما دیجئے کہ جو آپ کی خوشی ہو وہ میری خواہش پر مقدم ہے[1]۔

مہر صاحب! اس وقت شام[2] کی آبادی بہت پریشان حال ہے اور اس کے مصائب خیال اور تصور سے بالاتر ہیں۔ اہل شام کے فرزندوں نے اپنی عدیم المثال جانبازی اور حریت پسندی کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے تو دوسری طرف ان صدمات کو برداشت کرنے میں جو ڈیڑھ سال سے پے در پے انہیں پہنچ رہے ہیں اپنے صبر و استقلال کو بھی انہوں نے ہر انسان کے مدبر و آشکارا کر دیا ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر ہم نے ان کے لئے کیا کیا ہے؟ اس کا کوئی معقول اور صحیح جواب ہمارے سامنے نہیں ہے۔

"دمشق ریلیف فنڈ" کے نام سے جو انجمن دہلی میں قائم کی گئی تھی اس نے بھی کوئی عملی کام اب تک نہیں کیا۔ صرف اس کے قیام کے اعلان کو پڑھ کر جن ہمدرد مسلمانوں نے چندے بھیجے وہ تو دفتر سے سوریہ بھیج دیئے گئے۔ ان چندوں کے سوا جن کی مجموعی مقدار غالباً کل تین ہزار روپے نہ اور کوئی رقم آئی اور نہ بھیجی گئی۔ سچ یہ ہے کہ فراہمی چندہ کے لئے کوئی کوشش بھی نہیں کی گئی۔

کیا آپ اور مولانا ظفر علی خاں صاحب اس نیک کام میں "دمشق ریلیف فنڈ کمیٹی" کی اعانت کر سکتے ہیں؟ اور کیا آپ زمیندار میں اس انسانی اور اسلامی امداد کے لئے فہرست اعانت کھول سکتے ہیں؟ اگر یہ ممکن ہو تو ہندوستانی مسلمانوں کی غفلت شعاری و کاہلی کی کسی قدر تلافی ہو سکتی ہے۔ والسلام!

اجمل۔ ۱۲ اگست ۱۹۲۶ء

(۵)

بنام نواب سید علی حسن خاں

مکرمی جناب نواب صاحب!

السلام علیکم! مزاج شریف۔ کرم نامہ پہنچا آپ کا اس سے پہلا خط بھی وصول ہو گیا تھا لیکن افسوس ہے کہ مسلسل سفر اور دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے اب تک آپ کو جواب نہیں دے سکا۔

بھوپال کے معاملہ کی بابت جس وقت موقع ہوا انشاء اللہ کوشش کر کے اس کے نتیجہ سے آپ کو اطلاع دوں گا۔ اطمینان رکھئے۔ امید ہے کہ آپ خدا کے فضل سے مع متعلقین بخیریت ہوں گے۔ والسلام!

اجمل از رامپور اسٹیٹ ۱۰ مارچ ۱۹۲۷ء

---

[1] زمیندار، حکیم صاحب مرحوم کے نام اعزازی جا رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے قیمت وصول کی جائے۔ مولانا ظفر علی خاں کی طرف سے ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اعزاز کو قائم رہنے دیجئے، یہ اسی کا جواب ہے۔ [2] اس وقت شام میں فرانسیسیوں کے ظلم و ستم انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ حکیم صاحب

<u>حبیب الرحمن خاں شروانی</u>

مخدومِ مکرم دام لطفکم!

السلام علیکم۔ میں نے آج آپ کا ایک قیمتی اور مختصر مضمون علی گڑھ منتھلی میں قصبہ ریڈی کے متعلق پڑھا۔ آپ سے مجھے تنہا اس وجہ سے تعلق نہیں ہے کہ آپ جناب محمد تقی خاں صاحب کے لائق فرزند ہیں بلکہ میں آپ کو ستھرے علمی مذاق کی وجہ سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ علی گڑھ منتھلی کے اس مضمون کو محض کتاب کے اچھے خیالات کی فہرست ہی میں نہ اسلامی یادگاروں کے پاکیزہ مذاق کو اور بڑھا دیا ہے

معاف کیجئے گا یہ خط میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے کیونکہ میں ابھی لکھ پڑھ نہیں سکتا۔

محمد اجمل!

سائل دہلوی

بنام احسن مارہروی

(۱)

اخلاص منزلی سید علی احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم عرض ہے - آج صبح ہی حضرت قبلہ کا عنایت نامہ وصول ہوا اور آپ کا مرسلہ عنایت نامہ اوس میں ملفوف تھا۔ آپ نے جو کچھ اپنا واقعہ اور معاملہ حضرت کو لکھا میں نے سب دیکھا۔ مجھے پہلے ہی تعجب تھا کہ کوئی سبب ضرور دوبارہ نہ ملنے کا ہوا ہوگا ایسا کیونکہ ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت سے کسی نے یہ کیوں کہا ہوگا کہ آپ پھر بھی تشریف لائے تھے۔ اونہوں نے بددل ہو کر جیسا مجھے لکھا تھا میں نے حرف حرف غیر رنگ کی سیاہی سے نقل کر دیا تھا۔ مجھے آپ کے نقصان اور پریشانیوں کا نہایت الم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم و فضل کرے - دیکھئے دیکھئے ذرا طبیعت کو روکئے۔ مجھ پر تہمت نہ دیجئے۔ اللہ علیم ہے کہ میں آپ کا سے نہایت معترف ہوں اور ذرا ملال یا کسی لالچ ذاتی سے کبھی کچھ نہیں لکھتا بلکہ ہر پہلو سے آپ پر تاکید کرتا ہوں کہ آپ فصیح اللغات سے غفلت نہ کریں یہ وہ وقت آپ کی عیلم القرصنی کی ہے تو لیک بڑے مدعا کا صریح خون ہو رہا ہے۔ آپ کو مصالح اجازت نہیں دیتے - اس طرف رجوع کرنے کی اور آپ کو اپنے لالچ پر خاص طور پر ایسی نظر ہے کہ آپ اوس میں دوست [illegible] مہینے میں جو نقصان کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ مجھے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم ہوئی ہے اس سبب سے میں نے کبھی آپ کو [illegible] نہیں۔ ہے اور جب کبھی جو کچھ لکھا ہے بے منشا حضرت قبلہ گاہی قلم نہیں اٹھایا۔ نواب میر حسن علی خان صاحب بہادر اس کے شاہد ہیں جب آپ کو کوئی خط لکھا حضرت کے ایما سے لکھا اور حضرت کو دکھا کر نواب صاحب[2] کو ملاحظہ کرا کر بھیجا ہے۔ میری طرف سے آپ اب بھی کوئی تہمت کا وہم نہ لائیں [illegible] معاف ہو جاؤں گا بشرط زندگی اور اوستاد سلامت رہیں اور منظور خدا ہے تو بہت جلد تصحیح اللغات مرتب ہو جائے گی اور کوئی دقت نہ نہیں ہوگی۔ اس فقرے کے معنی بتا دیجئے کیا ہیں ورنہ سوائے خاندان والا کے اور کسی کی مجال نہیں جو میرے خانگی کام میں دست اندازی کر سکے۔ نشان نمبر ایک کے لفظ کے معنی آپ کو آپ کے اوستاد نے کیا بتائے ہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ بڑے جوش میں یہ دو لفظ لکھ گئے ہیں۔ میں نے پڑھنے لکھنے میں آپ سے بہت زیادہ پاپڑ بیلے ہیں۔ میری نسبت آپ بے تکلف ایسے لفظ نہ برتا جایا کیجئے جس کے کئی کئی پہلو نکلتے ہیں۔ نشان نمبر دو کے معنی آپ خود غلط سمجھے ہوئے ہیں۔ جس کام کا ذکر کیا ہے اور جس سے مراد ہے وہ

---

[1] مظاہر دار آغو مراد ہیں۔ [2] نواب میر حسن علی خاں۔

شاید آپ ایسا سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ ایسے مغالطہ عبارت کو خبط کر دیتے ہیں اور ان سے پہلو ملال کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مجھے آپ کے اغراض سے لا واللہ کوئی تعرض نہیں مگر یہ ملاحی تحریر ہے۔ اگر نفسانیت کر اشتعالک رہی تو کوئی تعجب بھی نہیں۔ اس کے نتیجہ میں شکر رنجی ہوگی اور بے لطفی اور اس سے میں تجاوز کرنا چاہتا ہوں۔ زیادہ شوق ملاقات۔ فقط!

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۲۱ر جنوری ۱۹۰۳ء

(۲)

ردی

اخلاص مندی احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم۔ ۲۷ر ماہ رواں کا عنایت نامہ اس وقت کے ڈاک سے وصول ہوا۔ مجھے عالم صاحب کی تحریر سے آپ کی معذوریت کا حال دریافت ہو گیا تھا۔ اللہ آپ پر رحم کرے اور آپ کی افکار کو دور فرمائے۔ میں چند مرتبہ آپ کو لکھ چکا ہوں اور ہمیشہ اس بات کا جواب نہیں دیکھتا آپ کی کسی تحریر میں اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اخلاص مندانہ فصیح اللغات کی ترتیب میں مجھے اسنداد نہیں کرتے۔ آپ جب تک وہاں اپنے معاملات میں گھرے ہوئے ہیں وہ مسودہ مجھے دے دیجئے گا کہ میں اوس کو آگے چلاتا رکھوں مجھ کو کوئی اعتبار نہ کیجئے حضرت قبلہ کو بھیج دیجئے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اوستاد کی زندگی کو غنیمت تصور کیجئے۔ آپ ہی کس دھن میں ہیں؟ جب آپ فارغ ہو جائیے گا اور یہاں آ جائیے گا میں سب کچھ آپ کو دے دوں گا۔ کیوں اس قدر بے اعتبار آپ ہوتے ہیں؟ اللہ علیم ہے اگر میں لالچ پر نظر کروں تو بقسم عرض کرتا ہوں کہ آپ کو کوئی حصہ اس کا نہ لینے دوں۔ یہاں یہ خیال ہی نہیں ہے اور آپ مفت بدگمانی ہو رہے ہیں۔ آپ کی محنت کا حصہ بٹاتا ہوں کیونکر آپ کو یقین دلاؤں۔ اون امور کو آپ بغیر ختم کئے نہیں چھوڑ سکتے۔ یہاں اس کے بغیر شروع کئے نہایت نقصان دکھائی دیتا ہے۔ یہ تو آپ نہ فرمائیے کہ بغیر کسی کی مدد کے آپ نے اسے شروع کیا۔ کسی کی مدد کے بغیر تو دونوں حیثیتوں سے یہ چیز آپ کے بس کی نہیں ہے۔ میں نے اوس کے اجزا صاحب عالم کے تشکر کرده بعنوان پرچے دیکھے ہیں۔ اون کی نظر کے بغیر تو حضرت قبلہ تک لے جانے بھی بے سود سے ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں بے مدد مالی رقم کے بھی یہ کام آپ کے امکان سے خارج سا ہے۔ رہا صورت لفع اللہ علیم ہے کہ اس میں ہم دخل نہ دیں گے جب تک آپ جواب صاف نہ دے دیں گے اس کام کے لئے مگر کتاب کی ترتیب میں تو نقصان نہ ڈالو۔ کرن کا فر آپ کی امید پہ پانی پھیرتا ہے بلکہ در حقیقت آپ ایک عالم کی امید حل پہ پانی پھیرتے ہیں ایک فضول بدگمانی کو اپنے ذہن میں جگہ دے کر دنیاوی معاملات میں کس کو یقین ہے کہ کب تک کس نجات ہو جائے گی۔ یہ بھی آپ کا ایک نرغم ہے میں سخت علیل ہوں اور اپنی علالت سے نہایت مشوش ہوں۔ اللہ فضل کرے اگر یہی صورت میری شکایت دورہ دوران سر کی رہی تو مجھے علاج کے لئے ضرور دہلی جانا ہوگا۔ مشین کے معاملہ وغیرہ کو مجھ پر نہ سپرد کیجئے آپ جانیں اور منشی عبدالغنی خان اگر وہ بلٹی میرے پاس آئی تو میں منشی عبدالغنی خان کو اطلاع کر دوں گا۔ میں اچھا نہیں ہوں دوران سر اور اختلاج کی بے حد شکایت ہے یہاں آجکل ایسی گرمی ہے جیسے اپنے وطن میں آغاز ماہ اپریل میں ہوتی ہے شب کو کسی قدر خنکی ہوتی ہے ورنہ تمام دن سفید باریک شیروانی پہنی جاتی ہے۔ زیادہ اخلاص والتسلیم۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد ۳۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

بنام سید افتخار عالم صاحب مارہروی　　(۳)

مخلصی!

تسلیم۔ آپ کی یادآوری کا پہلے شکریہ بعد ازاں ۳۰ اگست کے کارڈ کا جواب ہے۔ مجھے دہلی سے واپس آئے ہوئے چار ماہ گذر گئے۔ ناصر میاں بفضلہ تعالیٰ مدرسہ اعزہ میں تعلیم پاتے ہیں۔ فضول اوقات زیادہ گذرتے ہیں، لکھنے پڑھنے سے رغبت نہیں۔ تکمیل کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ خود آرائی کا شوق ہے اور روپیہ کی بربادی مدنظر، بات بڑی ہوتی گیا کہوں ــــ ہر وقت بکتے بکتے بھیجا پک گیا۔ گلدستہ معیار الانشا ملاحظہ میں آیا ہوگا۔ کئی پیچیدگیاں فضل الٰہی سے سلجھ گئیں۔ اس کی معاونت فرض ہے اور احسن صاحب سے بھی میری از سلام یاددہانی کیجئے گا۔ والتسلیم۔ فقط!

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد از حیدرآباد ترپ بازار، ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء

بنام ہمایوں مرزا بیرسٹر　　(۴)

زادعنایتکم تسلیم!

انشاء اللہ تعالیٰ چھ بجے اگر میں نہ بھی آپ کے ساتھ جا سکا تو آپ کے لئے گاڑی حاضر ہو جائے گی۔ ممکن ہے میں قبل و بعد جاؤں واپسی کے لئے بھی آپ کے واسطے انتظام و خیال رکھا جائے گا۔ مطمئن رہیں۔ میں اپنی بابت اس وجہ مشکور ہوں کہ میری لڑکی علیل ہے۔ والتسلیم۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۱ مارچ ۱۹۰۸ء

بنام احسن مارہروی　　(۵)

محترمی سید صاحب زادعنایتکم!

تسلیم۔ بدایوں شریف سے واپس آتے ہی ایسا سخت علیل ہوا ہوں کہ اس وقت تک صاحب فراش ہوں۔ تکیہ کے سہارے نیم دراز آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ مرض نہایت مخدوش ہے۔ عارضہ انقباض قلب و دوران سر ملے جلے ہیں ــــ سول سرجن معالج ہے، اللہ مالک ہے۔ اور جس کے متعلق میں اپنا مطلع حاضر کرتا ہوں اور یہ مطلع اوس غزل کا ہے جو حضرت استاد مرحوم کے ملاحظہ سے بھی گذری ہوئی ہے ؎

وہ کہتے رہے دل لگی دیر تک　　شب وصل اور ہم بچی دیر تک

اس مطلع کے موزوں پڑھے جانے میں آپ کے تمام مطالب حاصل ہو جائیں گے۔ تذکیر و تانیث ما شباع کسی بات کی کسر نہ رہے گی۔ میں اپنی حالت آپ کو لکھ چکا ہوں اس صورت میں خود تو غزل کی نقل کر نہیں سکتا۔ کوئی لکھا پڑھا یا پڑھا سانا حال آ گیا تو اوس سے لکھوا کر ملفوفہ نیاز نامہ کر دوں گا۔ ورنہ شام کو یہ غزل یہ خط بند ہو کر ڈاک کے سپرد کر دیا جائے گا۔ مجھے معذور تصور فرمائیے گا۔ غالباً آپ نے میکو میاں سے اوس غزل کی نقل حاصل کر لی ہوگی جو اون کے خسر صاحب لے گئے تھے اور آپ سے اونہوں نے نقل بھیجنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ جناب سید امیر حسین صاحب دلبر سے ملئے تو میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ زیادہ شوق ملاقات۔ والتسلیم۔ اگر آپ کے منافی طبع نہ ہو تو میرا کلام آپ پبلک میں پیش کریں۔ وہ اس لائق نہیں اور رحق و ناحق اکثر بہاجنوں کو اعتراض کرنے کی زحمت اوٹھانی پڑتی ہے۔ آئندہ آپ کا اختیار ہے۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۲۰ نومبر ۱۹۰۸ء

---

(۶)

امروہوی

برادرم احسن صاحب زاد عنایتکم!

تسلیم - عنایت نامہ پہنچا۔ مضمون مندرجہ سے آگہی ہوئی۔ میں نے آپ کو آپ کے طلب پر جو اشعار سندا موزوں کرکے بھیجے ہیں وہ بحیثیت استاد مرحوم کے شاگرد ہونے کے نہیں دئے۔ اس سے قبل آپ کے قلم سے کئی بار میری نسبت نکل چکا ہے کہ میں اون کے تلامذہ میں رشادت کا مرتبہ نہیں رکھتا اور یہ سچ ہے اون کے شاگرد مجھ سے اچھے ہیں۔ میں نے وہ سندیں آپ کو اس وجہ سے لکھ کر دی ہیں کہ میں جہاں آباد کی خاک سے بنا ہوں اور یہاں کے فصیح زمروں میں بفضلہ تعالیٰ مانا جاتا ہوں۔ اگر آپ نے محض شاگرد جہاں استاد ہونے کی وجہ سے مجھے یہ عزت بخشی کہ مجھ سے اشعار امر و طلب کئے تھے تو ضرور آپ اون کو طبع نہ کیجئے گا تاہم عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ جا، جائے، جاگہ، جانگاہ، جاگہ یہ سب فارسی لفظ ہیں۔ میں سمجھ نہیں سکتا کہ استاد مرحوم نے بقول آپ کے (جائے) کو کیوں اور کب ترک کیا۔ میری غزلوں میں اکثر یہ لفظ اون کے کان تک پہنچا مگر کبھی اس کے متعلق اون کی زبان سے کچھ نہیں سنا۔ چنانچہ میری غزل کا مطلع یہ حاضر ہے جو اون کی اصلاح شدہ ہے۔

پھر چاہیے جائے جائے تری جلوہ گاہ کا ۔۔۔ موسیٰ کو لوگ کہتے ہیں لیدا نگاہ کا

میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو تو اونہوں نے اس کے ترک کرنے کی ہدایت کی لیکن مجھے کچھ بھی نہ لکھا۔ علاوہ ازیں آپ فضل الٰہی سے منتہی تلامذہ میں سے ہیں خود ہی اجتہادی قوت آپ کو حاصل ہے۔ غور تو کیجئے کہ کس قدر پیارا لفظ ہے یہ اپنے خمسہ میں جس پر الزام ترک ہونے کا لگایا جاتا ہے۔ میرے نزدیک اپنے پانچوں لفظوں میں یہی لفظ ہے جو افصح ہے۔ میری آپ سے اخوت و محبت ہے میں اپنا کلام سند میں آپ کی معرفت خود پبلک میں پیش کرنے سے احتراز کروں گا کہ آپ کو میری وجہ سے کاہش نہ اوٹھانی پڑے اور آئندہ اس خدمت سے آپ بھی مجھے معاف فرمائیں گے۔ باقی بافضالہ خیریت ہے۔ فقط!

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۲ / فروری ۱۹۱۰ء

---

(۷)

بنام بھالا پوری

جان والا جاہ سلمہ اللہ تعالیٰ!

۱۰ / جون کا کارڈ موصول ہوا۔ خیریت رسی کی نوید نے مطلش کیا۔ الحمد للہ تعالیٰ میں بھی نادم تحریر نیاز نامہ بہر دوش عافیت ہوں۔ آپ کی مخلصانہ پرسش نے گرویدۂ اخلاق کر لیا ہے۔ خدائے تعالیٰ آپ کو فائز المرام اور کامیاب رکھے۔ میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے خط و کتابت کی رسم میں تقید نہیں کر سکتا، جس قدر اس وضع کی پابندی کرتا ہوں اسی قدر پابندی سے جواب خطوط لکھتا ہوں۔ میری شاعری کی تعریف میرے معاصروں کو زیبا نہیں۔ اپنوں کی ہر ادائے مذموم بھی اپنوں کو عزیز ہوا کرتی ہے میں آپ کو اپنا جانتا ہوں اس لئے آپ کی مخصوصیات کی سند نہیں۔ بھائی بیاک صاحب کو ہدیۂ دعا پیش کر دیجئے اور مزاج پرسی کر لیجئے باقی بافضل الٰہی بتصدق حضرت ختم پناہی و آلہ و اصحابہ خیریت ہے۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل ۱۲ / جون ۱۹۱۲ء شنبہ۔

بنام پنڈت بسنت منوہر ناتھ زتشی کیفی دہلوی

(۸)

مکرمی برادرم پنڈت جی صاحب زاد الطافہم!

تسلیم مع التکریم۔ آپ کا عنایت نامہ ۱۷ اکتوبر کا میری سیر پر جواب دینے والے خطوط میں پڑا رہا اور میں شہر سے باہر رہا۔ ستمبر سے میں سفروں میں ہوں۔ ڈیڑھ دن سے واپس آکر صرف دو روز دہلی ٹھہرا تھا کہ . . . . گیا۔ اورنگ آباد پہنچا۔ پونا گیا ..... پہنچا واپسی میں آگرہ سے دو روز رہا کہ دفعتاً نواب لوہارو کی حالت بُری سنی وہاں سے واپس آیا۔ دو روز بعد ان کا انتقال ہو گیا پانچ روز بعد اس واقعہ کے میں الہ آباد گیا۔ پٹنہ بنارس ہوتا ہوا کانپور آیا۔ ندوہ کے جلسوں میں شرکت کی۔ لکھنؤ آیا۔ یہاں سالانہ مشاعرہ کو بجائے جنوری کے فروری میں قرار دیا جس کی تاریخ ۲۶ ہے۔ وہاں سے رام پور آیا۔ نواب صاحب نے روک لیا۔ ۱۴ تاریخ کو دہلی آیا ہوں ہنوز زحمت سفر سے حواس ٹھکانے نہیں ہوئے ہیں۔ اس دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ مجھے گھر ٹھہرنا نصیب ہوا، نہ کسی کو خط لکھنے کی نوبت آئی۔ رام پور میں ڈاکٹر انصاری سے سُنا کہ لالہ سری رام بھائی بہت علیل ہیں۔ وہیں سے ان کی مزاج پرسی کو خط بھیجا کچھ حال نہیں معلوم ہوا۔ اس سخت سردی کے موسم کے سفروں نے جوڑ جوڑ میں درد پیدا کر دیا ہے۔ ذرا اس سے افاقہ ہو تو بھائی سری رام جی سے مل کر ان کو دیکھوں۔ مثنوی کی رفتار اس سفر نے بہت پست کر دی ہے۔ تین ہزار شعر اس کے ہو گئے ہیں۔ شہزادہ جہانگیر[1] اسیری میں بہ کتخدائی لگ گیا ہے۔ مہرالنساء کا عقد علی قلی سے ہونے والا ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ لکھنؤ کب چلیں گے اور کتنے دن وہاں قیام ہوگا۔ کتاب عالی رباعی والی نہیں ہے۔ اس کی منزلت اپنی خوبیوں کے اعتبار سے ارفع ہے۔ باقی خیریت والتسلیم۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل لال درواز دہلی ۱۹ دسمبر ۱۹۲۶ء

بنام نواب میر حسن علی خان

(۹)

مکرمی نواب صاحب بہادر سلامت رہیے

میری اور میری بیوی کی جانب سے تسلیم و ادب قبول فرمائیے۔ میں متواتر کئی سال سے مختلف امراض اور افکار کا تودہ بنا ہوا ہوں نقرس کے دورے سخت سخت پڑتے ہیں، اختلاج قلب کی شکایت مزید برآں ہے۔ اب کے رمضان مبارک میں فیصلہ ہی ہو گیا تھا نہ معلوم کیا نیکی بدی کا ارتکاب ابھی مقدر میں باقی ہے جو بچ گیا۔ یہ سال مجھ پر ایسا سخت گزرا ہے کہ خدا دشمن کو بھی نہ نصیب کرے۔ تفصیل واقعات ملاحظہ ہو۔ ایک[2] حکیم اجمل خان صاحب کا انتقال جس کا اثر یہ کہ تقریباً دو ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ کا مالی خسارہ ہوا۔ دوسرا واقعہ میرے برادر حقیقی نواب مرزا شجاع الدین احمد خان تاباں کا جس کا خمیازہ یہ کہ مجھ پر دعویٰ مہر اور تقسیم جائداد کا ہو گیا اس کے باوجود کہ میں قابض جائداد پر نہیں اور نہ متوفی نے اتنا چھوڑا کہ ادائی مہر ہو سکے۔ تیسرا[3] واقعہ میرے حقیقی ماموں زاد بھائی کا جو صاحب جائداد کثیر تھے اور جو ایک بیوی ایک مدخولہ چھوڑ کر مرے۔ بیوی سے ایک بیٹا دو بیٹیاں مدخولہ سے ایک دختر ہے بحیثیت بزرگ خاندان ہونے کے ان کا نقصان مجھ پر ہوا۔ لڑکا ان کا دس برس سے امریکہ میں ہے وہاں اس کے بیوی بچے بھی ہو گئے۔ وہ اپنے باپ، ماں بہنوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ باپ کے واقعہ کی اطلاع پا کر اس نے یہ لکھ دیا کہ مجھ اپنی پھوپی سردار جہاں بیگم اور چچا سائل صاحب کے فیصلہ سے اتفاق ہوگا میں اپنی والدہ کے عہد حیات میں جائداد منقولہ اور غیر منقولہ میں دخل دینا پسند نہیں کرتا۔ چوتھا واقعہ میری برادر عم زاد کا

---

[1] جہانگیر، مہرالنساء اور علی قلی خان کے ناموں سے واضح ہے کہ غالباً جہانگیر اور نور جہاں کے متعلق مثنوی شروع کی تھی۔

جن کو میری پھوپی زاد بہن منسوب تھی - پانچویں میری حقیقی بھانجی کا بیوہ ہونا جس کی عمر اس وقت اٹھائیس سال کی ہے - اوس کا خاوند جاگیردار و تعلقدار چند اضلاع پنجاب کا تھا جس کی آمدنی تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ کی تھی - یہ لڑکی بے اولاد ہونے کی وجہ سے وہاں کے قانون کی رو سے اوس جاگیر میں کوئی دخل نہیں دے سکتی - صرف پانچ سو روپیہ ماہوار پائے گی اگر عقد ثانی نہ کرے گی - ان تمام واقعات میں کم و بیش مجھے فکریں در پیش ہیں کہیں بر جذبات کے کہیں بوجہ تعلقات کے - ۶۶ سال کی میری عمر بعارض ایسے شدید صحت و عافیت کیا دمسازی کر سکتی ہے - اپنے افکار میں بہت غلطاں و پیچاں ہوں کہ آپ جیسی محترم ہستی کو بھی خط پتر لکھنا بھول گیا اصل باعث [illegible] کا صورت حالات پر غور کرتے ہوئے جب سے میں حیدر آباد میں آیا ہوں ۳۲ سال گزرے آپ سے نیاز حاصل کئے ہوں ؟ شاید یا صرف دو دفعہ یا دو دو چار چار روز کے لئے جو نہ جانے کے برابر تھا - آپ کے نوازش نامہ کے ورود نے مجھے اور میری اہلیہ کو اس قدر مسرور اور ممنون کیا کہ کچھ عرض نہیں کر سکتا - صاحبزادہ کی تشریف آوری غریب خانہ پر موجب مسرت و شادمانی ہوئی - کاش گلہ پسینہ علیخان بہادر کی سعادت مندی پر دل لوٹ گیا - اچھوں کے اچھے ہی ہونے چاہئیں - اون کی تعلیمی کامیابی کی تہنیت قبول کیجئے - ناصر میاں مری میں رونق افروز ہیں اونہوں نے بطور خود بیرسٹر خورشید عالم کی سب سے چھوٹی نواسی سے عقد کر لیا ہے اور مجھ سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر علیحدہ رہتے ہیں - اس بیوی سے اون کے تین بچے ہوئے ہیں - دو زندہ ہیں ایک مر گیا - پچھلی میم صاحبہ اون کی میرے پاس ہیں مع اپنے فرزند کے بڑا لڑکا اون کا جوان ہو گیا ہے اور کسی کمپنی میں [illegible] روپیہ ماہوار کا نوکر ہے - مجھے علم نہیں کہ اوس کی تنخواہ کہاں آتی ہے اور کہاں صرف ہوتی ہے - اوس کی والدہ اور اوس کی خبر گیری سے ناصر میاں کو کوئی تعلق نہیں - روٹی کپڑا اور دوسری ضروریات کا حسب استطاعت میں کفیل ہوں - ناصر میاں کا منصب بحکم اعلیٰ حضرت چھ سال سے بند ہے - یہ بندش منصب کی اون کی میم صاحبہ کی داد فریاد اور اون کے غرض خواہوں کی درخواستوں کے نتیجہ میں ہے - سخن ناشنوی جو اون کو قدرتی طور پر حاصل ہے ہنوز باقی ہے - کوئی تردد اور فکر اونہوں نے انجام مقصد کا سرکار دکن سے نہیں کیا - جو رقم [illegible] روپیہ ماہانہ اون کو اون کے باپ کے ورثہ میں نصیب ہوتی ہے اوس میں بسر اوقات ہوتی ہے - تین برس ہوئے کہ ناتجربہ کاری اور بے احتیاطی کی وجہ سے شکار میں اپنے ہی ہاتھ سے اپنی بندوق سے زخمی ہوئے - بک شوٹ کے کارتوس کے سب چھرے اپنے پاؤں میں لگے - تین مہینے اسپتال میں پڑے رہے - ٹخنے کی ہڈی ضائع ہو جانے کی وجہ سے لنگ کر کے چلتے ہیں اور اچھے ہیں - میری دختر نفیسہ بیگم کی شادی ہوئی کو چھ برس ہوئے صرف ایک فرزند نرینہ اوس کے ہے جو چار سال ہے خاوند اوس کا قوم کا مغل ہے تعلیمی اعتبار سے ایم - اے ہے پنجاب کے اضلاع میں سب آرڈینیٹ جج ہے سات سو روپیہ تنخواہ ہے [illegible] روپیہ سالانہ ترقی ہے - آجکل ضلع رہتک میں بدلی ہوئی ہے جو یہاں سے ۴۴ میل کے فاصلہ پر ہے دو گھنٹہ میں ریل اور موٹر آ جاتے ہیں - اللہ کا احسان ہے باہم خوش ہیں - سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ باوجود اس تعلیم کے نہایت خوش اعتقاد مسلمان ہے اور پابند صوم و صلوٰۃ - میرے دو لڑکے یہاں آ کر ہوئے خدا کے فضل سے ایک کی عمر ۱۸ سال ہے ایک کی ۱۶ سال دونوں دسویں جماعت میں ہیں - بڑے کا نام غلام قطب الدین احمد خان ہے چھوٹے کا نام غلام نظام الدین احمد خان اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی اولاد کو برومند کرے درازی عمر کے ساتھ - کشمیر میں چائے کی کاشت کی خبر آپ کو غلط ملی ہے - میرے داماد کی کوٹھی ضلع کانگڑہ دھرم سالے میں ہے اوس کے احاطہ میں البتہ چائے کے چند قطع چھوٹے چھوٹے ہیں جن کی سالانہ آمدنی اوس کو شاید

۱؎ غالباً یہ ممدوٹ کی طرف اشارہ ہے جس کے لاولد مرنے پر ریاست ممدوٹ نواب شاہ نواز مرحوم کو ملی اور ان سے نواب افتخار حسین خان کو۔

علاوہ یہ پرسال ہو جاتی ہے۔ بروک بانڈ کمپنی کو وہ قطعات اجارہ پر دے رکھے ہیں۔ ہر تیئر ایک دو قطعہ ان کی چاء قدسیہ میرے نئے لائق تھی جتنا ان قابل تعریف نہیں۔ وہاں ستر چار اچھی منتی ہے اگر آپ کو پسند ہو تو میں قدسیہ بیگم کو لکھ دوں کہ دو تین پونڈ چائے نذر کو بھیج دو۔ میرے چچا کے ورثہ میں مجھے ایک ہزار سالانہ کا اضافہ ملا ہے۔ آپ کی بڑی صاحبزادی کی وفات کا حال یہاں معلوم ہی نہیں۔ اس خبر نے مجھے اور میری اہلیہ کو بہت مغموم کیا۔ اللہ آپ کو صبر عطا فرمائے اور مرحومہ کی اولاد کو بسعادت حصول درجات و مراتب کامل فرمائے۔ صاحبزادہ سید اسحٰق احمد میاں کو میری جانب سے دعا کہہ دیجئے یہ بڑا خاندانی بزرگ زادہ ہے اللہ خوش رکھے ان کے بزرگ ہمارے پیشوا ہیں۔ آپ اپنے کلام کو مزید طبع کرا دیں یہ ایک لٹریری خدمت ہے جس کی ابھی بہت کمی اور احتیاج ہے۔ نواب صاحب آپ براہ کرم حضرت جہانی استاد مرحوم کی سنت کو سلامت رکھئے کہیں کہیں کیا بلکہ اکثر و بیشتر کچھ لکھتے رہیے۔ بیگم بعد ادب تسلیم عرض کرتی ہیں۔ بچوں کی طرف سے آداب و نیاز قبول ہو۔ صاحبزادگان کو دعائے دولت و عمر۔ والتسلیم۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خاں سائل۔ ۱۲ مئی ۲۹ء

---

(۱۰)

بنام ول شاہجہان پوری

مکرمی بھائی صاحب زاد الطافہم!

تسلیم۔ عنایت نامہ باستمزاج و دعوت شرکت مشاعرہ نمائش شاہجہان پور مجھے دو ہفتہ ہوئے وصول ہوا۔ یاد آوری سپاس مند ہوں۔ بھائی صاحب ستر برس کا ہو چکا ہوں۔ اس کہن سالی پر طرہ یہ کہ مریض اختلاج قلب اور درد نقرس کا ہوں۔ گردہ نقرس کا ہو گیا تو بیکار اگر اختلاج نے ستایا تو دیوانہ ہو جاؤں گا۔ اس شدید موسم میں مجھے کیوں یاد فرمایا جاتا ہے۔ دل نہیں چاہتا کہ آپ کی دعوت کو رد کروں محبت اور خلوص کے الفاظ میں آپ نے عنایت نامہ ارسال کیا ہے اور جو خلوص آپ مجھ سے برتتے ہیں اس کا میں معترف ہوں۔ خدا آپ کو خوش و خرم رکھے یہ درست اور بجا ہے کہ آپ کی کمیٹی میرے مصارف سفر برداشت کرے اور میری واصف رسانی کے مواقع سے چشم پوشی نہ کرے گی لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ میری جیب سے صرف ہو ہی جائے گا جو مجھے کھلے گا۔ آپ کو معلوم نہیں جس مالی تکلیف میں آج کل میں مبتلا ہوں۔ میری بھاوج نے مجھ پر دعویٰ اپنے مہر کا کر کے پچیس ہزار روپیہ ڈگری عدالت سے حاصل کر لی ہے۔ میری جائداد پر زوال سا آ گیا ہے۔ یہ رقم مجھے مارچ کے مہینے میں داخل عدالت کرنا ہے بلکہ مجھے کھائے جاتا ہے۔ تقریباً ڈھائی سو روپیہ مہینہ کا فائدہ میرے ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ یہ فکر مجھے فکر سخن کیا کرنے دے آپ اور کامگار ریسر و صاحب کلکٹر صدر شاہجہان پور مجھے معاف کر دیں تو میں بے حد ممنون ہوں گا۔ اگرچہ میرا دل آپ صاحبان کی صورت دیکھنے کو چاہتا ہے لیکن اقتضائے وقت سے معذور سا ہو رہا ہوں۔ از تاخیر جواب نگاری کا معافی چاہتا ہوں آج کارڈ دعوت بھی بھائی بیباک صاحب نے مجھے بھیج دیا ہے۔ انہی کو وسیلہ جواب قرار دے کر یہ نیاز نامہ ارسال کر رہا ہوں۔ والتسلیم!

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خاں سائل

۳۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(۱۱)

بنام [illegible]

بھائی حکیم صاحب سلامت رہیے!

تسلیم۔ آپ کا عنایت نامہ کارڈ وصول ہوا۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ مجھے اس قدر لغو گو سمجھتے ہیں کہ میں آپ کی ایسی پُر اثر طلب کو رد کر رہا ہوں۔ میں ایمان سے عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر سخت تشویش کا وقت گذر رہا ہے ورنہ سراپا قدم ساختہ حاضر ہوتا۔ اگر آپ کے دل میں میری گنجائش ہے تو اس کو آئینہ دار میرے قلب کا سمجھئے۔ میری عمر ستر سال سے متجاوز ہے۔ میں فضول گوئی سے پرہیز کرتا ہوں اور دوستوں کو دھوکا دینا یا ان سے منافقانہ بات چیت کرنا گناہ عظیم جانتا ہوں۔ طرح اور غیر طرح کا خیال بھی فضول ہے ۷۰ سال کے ذوق سخن کا اقتضا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں چند شعر طرح میں نہ عرض کر سکوں۔ امید ہے کہ آپ میری غیر حاضری کو معاف فرمائیں گے اور اس عزت افزائی کا سپاس مند ہوں جو میری نامزدگی آپ نے فرمائی تھی۔ سب صاحبوں کو میرا اسلام کہہ دیجئے گا۔ آپ کا بہی خواہ:

ابوالمعظم سائل از دہلی۔ ۱۶ فروری ۱۹۳۵ء

---

(۱۲)

سید ولی محمد رضا

سید صاحب عنایت فرمائے بندہ سلامت:

السلام علیکم۔ عنایت نامہ شرف لایا۔ میں نے تعمیل حکم حسب الارشاد کر دی۔ کچھ اپنے اشعار مثنوی کے سنداً حاضر کر دیے ہیں جو مجھے الفاظ مستفسرہ کے متعلق یاد آ گئے کچھ کہہ دیے ہیں۔ میں کسی سے مخالف نہیں جس کا جو مسلک ہے ہو۔ تذکیر و تانیث جو میری زبان پر ہے روزمرہ میں جاری ہے وہ مسلک اپنا ہے۔ صحت میری خراب ہے۔ پاؤں کے ٹوٹنے سے میں محتاج ہو کر فریش ایک سال سے ہو گیا ہوں۔ سردار جگت سنگھ صاحب سے بعد سلام فرما دیجئے کہ اختلاج قلب کے دورے سے نجات ہو گی تو کچھ حاضر کر دوں گا۔ رہنمائے تعلیم کی صورت مجھے سالہا سال سے نہیں دکھی۔ آپ مجھے بھول گئے ہیں۔ میں بجائے خود خاموش ہو گیا زیادہ زیادہ۔

آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل۔ ۴ دسمبر ۳۸ء

موٹر: مؤنث

سیاہ رنگ تھا از بس کہ تیز موٹر تھی　　سواری کوئی نہ پہچانی میں نے اندر کی

بائیسکل: مؤنث

نئی نئے آیا ہوں بے پوچھے دام بائیسکل　　ادا کروں گا میں قیمت سمجھ کے دیکھ کے بل

دسترس: مؤنث

کسی ایسے کے دامن تک نہ اپنی دسترس ہے　　کہا کرتے ہیں جو اللہ و بس باقی ہوس ہے

وہی: مذکر

تمہاری شان کے بزرگوں کا قول یاد آیا　　وہی کہا پہنے بناتا نہیں کوئی گھٹا

اپیل: مذکر

اپیل کر لیا منظور اگر عدالت نے　　تو مجھ کو کھایا ہے پٹا تمہاری قسمت نے

رتھ : مونث

سواری جو تھی مکلف سوار ہونے کی فقس تھی بہلی تھی رتھ تھی تمام سونے کی

گیند : مونث

یہاں کھڑی تھی جو بچی حسین و گلرو تھی اوچھالتی رہی تا دیر گیند پھولوں کی

پوزیشن : مذکر

خیال رکھتا ہے جو آدمی پوزیشن کا وہ دل کا داغ سمجھتا ہے داغ دامن کا

(۱۳)

بنام جناب اعجاز سکندر نازش

عزیزی نازش صاحب سلمہٗ!

السلام علیکم - آپ کا خط مجھے ملا میں ادب کی خدمت مدت سے کر رہا ہوں اس میں بگانہ اور بیگانہ کی تمیز نہیں ہے میں نے آپ کی غزل کے شعر درست کر دیئے نظم آپ کی میں نے دیکھی - اردو فارسی ادب میں یہ نظم کسی صنف میں نہیں ہے - ممکن ہے کہ انگریزی طرز میں ہوگی کیونکہ اس کے مذاق سے میں آگاہ نہیں اس لئے میں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا - آپ کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ آپ خاصے لکھے پڑھے ہیں - ٹھیک ہی لکھی ہوگی - عاشقانہ رنگ صوفیانہ طرز کی درستی میں اپنی تمنا کے موافق کر سکتا ہوں اور خود بہت بڑا انشاء ہونے کا دعویدار نہیں - اردو زبان کی خامی نکال سکتا ہوں - فن کا جو عیب ہوگا مفہوم میں جو غلطی ہوگی اس کو سنبھال دوں گا - میرا دیوان اب تک نہیں چھپا اس لئے آپ کی خدمت میں بھیجنے سے معذور ہوں - اصرار احباب کچھ کہہ لیتا تھا - اب آنکھوں میں پانی اتر آنے کی وجہ سے اس میں بھی کمی ہوگئی - لکھنے پڑھنے میں دوسروں کا محتاج ہوں - میری خدمت اگر پسند ہو حاضر ہوں ورنہ میرے معاصرین میں سیکڑوں مجھ سے اچھے ہیں ان سے رجوع فرمایئے -

مکرر آنکہ آپ کی ہدایت کے مطابق خط بیرنگ روانہ کیا جاتا ہے - والسلام!

ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل دہلی - لال کنواں لال دروازہ - ۱۴ر جنوری ۱۹۴۱ء

(۱۴)

بنام احسن مارہروی

جناب اخلاص فرمائے من زاد عنایتکم!

تسلیم - عنایت نامہ کارڈ دہلی کی سیر کرتا ہوا مجھے کل شب کو یہاں وصول ہوا - "میں واقعی دہلی گیا تھا مگر جب ہی صرف پندرہ بیس روز کے واپس آگیا تھا - کچھ خانگی معاملات کی وجہ سے گیا تھا اس کو تین چار ماہ کا زمانہ بھی منقضی ہوگیا - گلدستہ کا اجراء جو کرتے ہیں وہی اس کی اشاعت کی تقدیم سے واقف بھی ہیں مجھے تو اس کی تاخیر کی شکایت نہیں ہے - میں نہایت شرمندہ ہوں کہ اب تک اپنی کاہلی و سہل انگاری سے کیوں صاحب رقم سالانہ گلدستہ فصیح الملک نہیں بھیج سکا - چنانچہ اسی وقت منی آرڈر فارم لکھ کر آدمی کو دے دیا ہے کہ کل یہ روپیہ روانہ کر دے اور بس اس یاددہانی کی تکلیف کی معافی چاہتا ہوں جس معاملہ کی بابت میں آپ کیوں شرم کریں کام اس لحاظ سے نہیں چلتا معلوم ہے کیسے طبائع ہیں جو سیدھی سیدھی باتوں سے بُرا مانا کرتے ہیں آپ کو اپنا پتہ جب تک کوئی اور نہ دوں یہ سنام کے رسل و رسائل حیدرآباد ترتیب بازار ہی میں رہیں - حسب المطلب چند اشعار اور حاضر کرتا ہوں اگر قابل درج ہوں تو کھپئے گا ورنہ میرا مدعا اپنے کلام کی اشاعت سے نہیں ہے - اپنی قابلیت کا اندازہ مجھے خود ہے - فقط!

ابوالمعظم سراج الدین احمد خان سائل

منشی محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۱)

محترمی قریشی صاحب ۔ السلام علیکم ۔ آج نہایت المناک حالات میں (پروفیسر محمد علم الدین) سالک صاحب اور ماسٹر فضل الدین (نور) صاحب دو بجے دوپہر کے روانہ لاہور ہو گئے ۔ خدا کرے وہ اپنے والد مرحوم کا منہ دیکھ سکیں ۔ راستہ خراب ہونے کے باوجود ان کی پریشانی اور ان کے اضطراب نے ان کو ایک دم چین نہیں لینے دیا ۔ آج آپ کا ۱۰ تمبر کا لکھا ہوا لفافہ بھی ان کو ملا تھا ۔ میں بھی یہاں چند کتابوں کی وجہ سے پھنسا ہوا ہوں ۔ تین دن ہوئے آپ کو بھی کارڈ لکھا تھا کہ (کتاب) اہلیا بائی گھر میں پہنچا دیں ۔ یہاں بھی مزید تیس جلدوں کی ضرورت ہے ۔ میں نے گھر میں خط لکھا ہوا ہے دوسری کتابوں کے ہمراہ اہلیا بائی بھی امید ہے بھجوا دیں گے ۔ آپ کے خط میں سالک صاحب کے والد محترم کی علالت کا کچھ ذکر نہ تھا ۔ غالباً ہارٹ فیل ہو گیا ہوگا ۔ ہم لوگوں سے ان کی صحت بدرجہا اچھی تھی ۔ خداوند کریم مغفرت کرے ۔ مسافرت میں ایسے الم انگیز واقعات کا جو صدمہ ہوتا ہے میں بھی اس سے واقف ہوں ۔ آپ ان کے بخیریت لاہور پہنچنے سے بھی مطلع فرمائیں اور کتاب اہلیا بائی ضرور گھر میں پہنچا دیں ۔ اگر ساری نہیں تو سردست پچاس جلد ہی سہی ۔ لیکن یکدم ساری پہنچا دیں گے تو مزدوری ایک ہی دفعہ دینی پڑے گی ۔ نیز حاجی صاحب سے آپ نے ابھی روپے لئے ہیں یا نہیں؟

؂ محمد عبداللہ صاحب قریشی کے نام فوق صاحب کے بہت سے خطوط موجود ہیں لیکن ان میں چونکہ بعض ایسے مباحث ہیں جن کا چھپنا فی الحال مناسب نہیں لہٰذا انہیں روک لیا گیا ہے ۔ (مدیر)

؂ منشی محمد الدین فوق کے بزرگ کشمیر سے پنجاب آئے اور موضع گھڑنل ضلع سیالکوٹ میں آباد ہوئے ۔ منشی صاحب فروری ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے تعلیم سے فراغت کے بعد پہلے پیسہ اخبار میں کام کرتے رہے ۔ پھر اپنا اخبار پنجہ فولاد اور بعد میں کشمیری میگزین جاری کیا ۔ یہی میگزین ہفتہ وار کشمیری بن گیا جو ستواتر کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت کرتا رہا ۔ کشمیر اور اہل کشمیر کی خدمت کے سلسلے میں منشی صاحب کے کارنامے دنیا بھر پر روشن ہیں ۔ ان کی ادارت میں "طریقت" "نظام" بھی نکلتے رہے ۔ کشمیر کی تاریخ و اقوام کے متعلق بڑی اچھی کتابیں لکھیں ۔ عام تاریخ کے متعلق ان کی تصانیف قابل قدر ہیں ۔ وہ بیک وقت اخبار نویس بھی تھے مورخ بھی اور ادیب بھی ۔ تاریخ لاہور کے متعلق ان کا مسودہ غیر مطبوعہ ہے ۔ ۱۴ راگست ۱۹۴۵ء کو لاہور میں انتقال ہوا ۔

(محمد عبداللہ قریشی)

میں نے ان کے نام آپ کے خط میں جو رقعہ لکھا تھا۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ وہ آپ کو میرا ساما صاحب لکھ کر دے دیں اور آپ مجھے وہ رقعہ ارسال کر دیں۔

خاکسار محمد الدین فوق

۱۳ر ستمبر ۱۹۴۱ء

از سری نگر۔ محلہ شہید گنج۔

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۲)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم — آپ کا خط اور کشمیر سے !

ع جاں نند دینی بھول گیا اضطراب میں

اور پھر راستے کے دلفریب مناظر کی کیفیت اور آپ کے جادو رقم قلم سے !

ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

میں اس وقت پیر صاحب (پیر ولی اللہ مخدومی) کے پاس بیٹھا ہوں اور موسم کے لحاظ سے ان کی جلد سے انکار کر رہا ہوں۔ البتہ برف ڈال کے ستو پی لئے ہیں۔ آپ پنڈت گوشہ لال ایڈیٹر "کشمیر کرانیکل" متصل ڈاک خانہ امیرا کدل (سری نگر) سے ملیں یا وراں سے میرا بلاک (میری ہی تصویر کا) لیتے آئیں۔ جو تاریخ اقوام کشمیر جلد دوم میں درج کروں گا۔ کشمیر کی سیر مبارک ہو اور جس مقصد کے لئے آپ کو سالک صاحب نے بھیجا ہے۔ اس میں کامیابی ہو۔

۵ر مئی ۱۹۴۲ء

خاکسار محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۳)

قلم چکلہ تنگیت (کشمیر) مکرمی قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ ابھی تک سری نگر نہیں گیا۔ اور دو دنوں سے پہلے شاید جا بھی نہ سکوں۔ گیا بھی تو پانچ چار دن سے زیادہ نہ رہوں گا۔ میں پانچ چھ دن سیم پور میں رہا۔ وہاں چاسے چلے انجیر اور خام اخروٹ اور آلو بخارے پر گزارہ ہوتا رہا۔ پھر سوپور اور بارہ مولا گیا۔ ....

سوپور میں چار دن رہا۔ ۲۹ر جولائی کو ہندواڑہ سے ہوتا ہوا قلم چکلہ آیا۔ پرسوں ۵ر اگست کو بنگس کا وسیع میدان جو چار میل لمبا ہے اور یہاں سے بارہ تیرہ میل ہے۔ ایک جماعت کے ساتھ دیکھنے کے لئے جا رہا ہوں۔ وہاں سے پانچ دن کے بعد واپسی ہے۔ پھر زچلڈارہ۔ راجپورہ۔ تریگام۔ لیڈر وان۔ وہاں سے درگہہ مولا۔ پھر ہندواڑہ پھر سوپور غالباً دو دنوں سے پہلے سوپور پہنچ جاؤں گا۔

آپ اپنے حالات سے اطلاع دیں۔ اخبارات کا کوئی علم نہیں ہے۔ ....

پتہ سردست سوپور ہی لکھیں معرفت پیر عبدالغنی یوسفی۔ سالک صاحب کو سلام۔

۳ر اگست ۱۹۴۲ء

محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۵)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ امید ہے آپ بفضلہٖ خیریت سے ہوں گے۔ معلوم ہوتا ہے امسال (پروفیسر محمد علم الدین) سالک صاحب نہیں آئیں گے۔ اور چونکہ وہ نہیں آئیں گے۔ اس لئے آپ بھی نہیں آئیں گے۔

میں ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲ میں ہوں اور ابھی تک سری نگر ہی میں ہوں۔ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ گرمی یہاں بھی خاصی رہی ہے مگر بارشوں سے حرارت و تمازت کا اثر کم ہو جاتا ہے۔

اپنی خیریت مزاج سے اطلاع دیتے رہیں۔ امید ہے آپ کے بچے بھی خیریت سے ہوں گے۔ سالک صاحب کا کیا حال ہے اور کیا شغل ہے؟ یہاں بہت سے واقعات و حالات ہیں۔ لیکن انقلاب والوں نے پرچہ ہی بھیجنا بند کر دیا۔ حالانکہ میں نے یہاں سے بھی ان کو ایک مضمون بھیجا تھا۔ اس کے چھپنے نہ چھپنے کا بھی علم نہیں۔ وہاں کبھی جانا ہو تو اخبار نہ بھیجنے کی وجہ تو دریافت کریں، مجھے کسی اور پر اعتبار نہیں ورنہ اخبار تو اور بھی ہیں۔ یہاں احسان۔ شہباز۔ زمیندار دیکھے جاتے ہیں۔ انقلاب کم نظر آتا ہے۔ حالانکہ آج ساری دنیا میں انقلاب ہی کا دور دورہ ہے۔

۳۰ اگست ۱۹۴۲ء محمد دین فوق۔ ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲ سرینگر کشمیر

---

(۵)

بنام محمد عبداللہ قریشی

مکرم بندہ قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آج آپ کا نوازش نامہ ملا! اخبار انقلاب بھی ملا۔ لیکن وہ پرچے درکار ہیں جن میں میرے مضمون ہیں۔ ایک تو وزی والا مضمون جو ۶ اگست کے بعد چھپا ہو گا۔ دوسرے ایک اور مضمون ہے جو میں ۲۸ جولائی کو ڈاک میں ڈال آیا تھا۔ اس میں دو مضمون تھے۔ ایک مضمون محکمہ پنچایت کے متعلق تھا جس میں اعداد و شمار کا ذکر تھا۔ اگر یہ چھپ گیا ہے۔ تو اس کی کاپی ملے تاکہ آئندہ اس مضمون کا سلسلہ جاری رہے۔ آپ ان دونوں پرچوں کو تلاش کر کے بھجوائیں۔

آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ آنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔ میرے خط کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے تھا۔ حالات جیسے لاہور میں ویسے ہی یہاں بھی ہیں۔ خدا سب جگہ ایک ہی ہے۔ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ جموں کی سڑک تین مرتبہ بند ہو چکی ہے دس دن بند رہ کر آج پھر رواں ہو رہی ہے۔ کرایہ پنڈی تک آج سترہ روپے اور جموں تک آٹھ نو روپے ہے۔ لاری کی طغیانیوں کا حال بھی، خبارات سے اور آپ کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے۔ سنا ہے ریلوے میں بہت وقت سے جگہ ملتی ہے۔ اس کا آپ کو علم ہو گا۔ آج سے اسمبلی کا اجلاس شروع ہے۔ اگر اخبار انقلاب دو چار دن پہلے آتا تو میں پاس لے لیتا۔ بیکار سمجھ کر نہیں لیا۔ نیز اپنی کتاب کا کام در پیش تھا اور فرصت بھی نہ تھی۔

سالک صاحب کو سلام مسنون۔

محمد الدین فوق

ریذیڈنسی کوارٹر نمبر ۲۔ سری نگر کشمیر

۶ ستمبر ۱۹۴۲ء

---

(۶)

بنام محمد عبداللہ قریشی

سری نگر کشمیر۔ محترمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ میں نے کشمیر آنے کے قریباً دس دن کے بعد سوپور سے آپ کو کارڈ لکھا تھا۔ تعجب ہے وہ ایک ماہ کے بعد کیوں ملا۔ بلکہ جواب نہ آنے پر میرا خیال تھا کہ آپ شاید سالک صاحب کے ساتھ لاہور سے باہر کہیں دورہ پر ہوں گے۔ میں ۲۹ جولائی کو سوپور سے باہر نکلا اور ۲۸ اگست کو واپس سوپور آیا۔ اس عرصہ میں قلم چکلا نہ چلنڈارہ اور راجپور میں بوجہ بارش وغیرہ کے قیام رہا۔ دو مرتبہ بنگس کی سیر کے لئے تیار ہوئے لیکن ہر بار بارش نے رکاوٹ ڈال دی۔

اب پہلگام سے سری نگر میں ہوں۔ مکانات کی سخت دقت و قلت ہے۔ میں بھی مفتی رشید الدین کے ہاں مقیم ہوں۔ عزیز نذیر الدین (ہائی کورٹ) کا خط مکان کے لئے آیا تھا۔ لیکن مکان ملنا قریباً ناممکن ہے جس سے پوچھتا ہوں کانوں پر ہاتھ رکھتا ہے۔ کل میں پیرولی اللہ کی طرف شوپیاں جا رہا ہوں۔ دیکھئے ملاقات ہوتی ہے یا نہیں۔ اور ہوتی ہے تو کس طرح شوپیاں اور کولگام کے بعد پھر سوپور آؤں گا۔ اور چند دن سیم پور میں رہوں گا۔ سیم پورہ میں بھی کمپٹ ہے۔ اس لئے اس مرتبہ وہاں بھی نہیں رہا۔ لیکن اب فصل شالی کے کاٹنے کا موقع ہے۔ اس لئے مجبوراً عید تک وہاں ٹھہروں گا۔ عید کے بعد غالباً سیاحوں کی کمی ہو جائے گی۔ اور شاید بشیر احمد کے ہاں کچھ گنجائش نکل سکے۔ اگر ایسا ہوا تو ریذیڈنسی ہی میں ٹھہروں گا لیکن میرا پتہ سروست سوپور ہی کافی ہے۔ عید کے بعد جب سری نگر آؤں گا تو حیرت (پانڈانی) یا (مفتی) سعادت (مورخ کشمیر) سے مل کر حبہ خاتون کے اشعار دریافت کروں گا۔ لیکن چار پانچ شعر تو مع ترجمہ مجھے بھی مل جانے کی توقع ہے۔ آپ کا کارڈ کل مجھے سری نگر میں ملا ہے۔ یہاں ایک پروفیسر کالج تاریخ بڈشاہی پر تنقید لکھ رہے ہیں۔ کچھ موافق کچھ مخالف۔

۳۰ / اگست سنہ ۴۴ء

محمد الدین فوق

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۷)

مکرمی جناب قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ لفافہ آپ کا ملا۔ پیرولی اللہ (مخدومی) کے ساتھ شوپورہ اور کولگام میں خوب دن گزرے۔ ان کی ہر بات کرامت ہے۔ اس لئے ان کی ہر بات سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ آٹھ دس دن مزے کی سیر رہی۔ سری نگر میں قلت مکان کی وجہ سے میں خود وہاں قیام نہیں کر سکا۔ تین دن رہا اور مفتی (رشید الدین تحصیلدار) صاحب کے مکان پر رہا۔ سیم پورہ میں خوب دن گزرے ہیں۔ چھلیاں (بھٹے)۔ اخروٹ۔ سیب۔ ناشپاتی کوئی دن خالی نہیں جاتا۔ سیب اس قدر گراں ہے کہ واقعی یا امیر لوگ کھائیں گے۔ یا جس کو ڈاکٹر حکیم بتائیں۔

مکان کا مزید ارادہ ہے۔ لیکن جب تک وہ زمین میرے نام انتقال نہ ہو جائے۔ یا کم سے کم میرے ساتھ اس کا سودا ہی نہ ہو جائے مکان وہاں کس طرح بن سکتا ہے۔ البتہ زیلدارہ کے راجہ صاحب زور دے رہے ہیں۔ زمین مفت دیتے ہیں۔ لکڑی جس قدر خرچ ہو وہ بھی مفت۔ وہ جگہ بہت ٹھنڈی ہے اور سیرگاہیں بھی وہاں سے نزدیک ہیں صرف لیبر میرے ذمہ ہے۔ لیکن جو تخمینہ مکان کا بنایا ہے وہ بھی چھ سو سے کم نہیں۔ یہیں آ کے بات رہ جاتی ہے میں نے کہا تھا تین سو کے اندر اندر سیٹ ہو۔

سری نگر والے کی تنقید ابھی کہیں طبع نہیں ہوئی۔ خطوط اقبال بنام سراج الدین کی مطبوعہ کاپی مزید ارسال کرائیں۔ میر خورشید کو خط لکھوں گا۔ خطوط اقبال بنام فوق بھی مزید چھپئے۔ اور انہیں میں اقوام کشمیر جلد دوم والا خط بھی ملا لیجئے۔ درحقیقت وہ بھی میری تحریک ہی سے تھا۔

حبہ خاتون کے اشعار مع ترجمہ امید ہے پانچ چھ مزید مل جائیں گے۔ سو پورہ والا مضمون ہمدرد میں بھجوا دوں گا۔ کسی اپنے مضمون کے ساتھ۔ اس لئے شاید دیر لگے سب مجھے افسوس ہے کہ سیر کا باقی حصہ منغص ہو گیا اور عید ماتمی ہو گئی۔ کیونکہ کل اطلاع ملی ہے کہ میری ہمشیرہ معظمہ (اہلیہ ڈپٹی غلام حسین مزنگ) کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس سے طبیعت

لہ بہ معنی ہنگامہ

پریشان ہے۔ خواجہ اللہ بخش گنائی کا حال لکھئے وہ لاہور میں ہیں یا کشمیر میں۔

یوم السعید منگل وار (۱۹ ستمبر سنہ ۴۲ء) سیم پور ڈاکخانہ سوپور کشمیر　　محمد الدین فوق

(۸)

بنام محمد عبداللہ قریشی

سیم پور۔ ڈاکخانہ سوپور کشمیر۔ مکرمی۔ السلام علیکم۔ بدحواسی ملاحظہ ہو۔ ایڈریس آپ کے نام کا ہے۔ اندر اس کے مضمون کسی اور کے نام کا ہے۔ آپ کا لفافہ مل گیا ہے۔ زمین مکانات سے کچھ اور ملی ہے۔ باقی بھی جلد مل جائے گی۔ اگلے سال انشاء اللہ رونق رہے گی۔ ممکن ہے زچلڈارہ میں بھی مکان کا سلسلہ ہو جائے۔ مگر وہاں پہلے اپنے نام زمین کا انتقال ہو جانا ضروری ہے۔ اس کے بعد مکان بننا ہے۔ آپ کو خط تو طویل لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن سردست "گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است" پر عمل ہوا ہے۔ آدمی سوپور جا رہا ہے اس لئے وقت نہیں ہے۔

پیر ولی اللہ شاہ صاحب بر اجمان ہو گئے ہوں گے۔ ان کے حالات سے اطلاع دیں۔ نیز دریافت کریں کہ لنگر کا انتظام ہوا ہے یا نہیں۔ ان کو اور سالک صاحب کو السلام علیکم۔

یکم اکتوبر سنہ ۴۲ء　　محمد الدین فوق

(۹)

بنام محمد عبداللہ قریشی

سیم پور۔ سوپور کشمیر۔ مکرمی قریشی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا ۷ اکتوبر کا لفافہ مجھے ۱۰ اکتوبر کو مل گیا تھا۔ لیکن اسی دن مجھے سری نگر جانا پڑا۔ وہاں سے بیمار ہو کر آیا۔ سوپور میں غنی بابا کے ہاں زیر علاج رہا۔ کل یہاں آیا ہوں اور آج خطوط کے جواب دے رہا ہوں۔ آج ہی میں نے خطوط اقبال کا مضمون پڑھا۔ بہت اچھا اور بہت ہی اچھا لکھا ہے۔ (اخبار) رہبر نے ایک مضمون مانگا تھا۔ اتفاق سے آپ کا مضمون آ گیا تھا۔ میں نے اسے بھیج کر جان چھڑا لی۔ محمد عبداللہ کی ذیلداری کا آخری فیصلہ ۴ کاتک یعنی ۱۹ اکتوبر کو ہونے والا ہے۔ ویسے ابھی تک وہی ذیلدار ہے۔ لیکن اب اپیل ہے "محمد الدین فوق" کے نام کا مانوگرام بھی تیار کرائیں۔ آپ کا مانوگرام تو بہت اچھا ہے۔ اچھا سا ڈیزائن ہو لیٹر پیپر کے لئے۔ پیر صاحب اور سالک صاحب کو سلام مسنون۔ میں انشاء اللہ نومبر کے ہفتہ اول میں مراجعت لاہور کی توقع رکھتا ہوں۔

تاریخ بت شاہی والا مضمون بھی کہیں طبع ہوا ہے یا بزم ہی میں پڑھا گیا تھا؟ پروفیسر محمد اسلم خان ایم اے انگریزی میں تنقید لکھیں گے۔ ویسے تو میری خدمات علمی کا بڑا اعتراف و احترام کرتے ہیں۔ یہ بھی کہتے تھے پہلے مضمون دکھا لوں گا۔

ڈاکٹر صوفی صاحب سے اب تک ملاقات نہیں ہوئی۔ یہاں اردگرد کے تمام پہاڑ سفید ہو رہے ہیں گو ابھی "در و دیوار او زمین ہم سفید و فلک ہم سفید" تک نوبت نہیں پہنچی۔ رات کو بارش آج بھی ہوئی۔ سردی شدت سے شروع ہے۔ ہفتہ سری نگر کا کافی ہے۔ از جانب پیر عبدالغنی صاحب السلام علیکم۔

۷ اکتوبر سنہ ۴۲ء　　محمد الدین فوق

ڈاکٹر مختار احمد انصاری

(۱) لے

مخدوم و مکرم جناب نواب صاحب۔ السلام علیکم

والا نامہ باعث افتخار ہوا۔ میں اس طرف کانپور زخمیوں کو دیکھنے کی غرض سے چلا گیا تھا اس وجہ جواب عریضہ میں تاخیر ہوئی۔ خواستگار معافی ہوں۔ حضور کی رائے درست ہے، تمسکات کا انتظام کر کے میں اپنے ہمراہ وعدے میں مزید رکھوں گا۔ پورے پروگرام سے عالی جناب کو میں بعد میں مطلع کروں گا۔ امروہہ صرف حضور کی قدم بوسی کے خیال سے حاضر ہوتا ہوں مجھ کو اندیشہ ہے کہ مجھ کو اس قدر وقت نہ ملے گا کہ میں پھر ایسی جا سکوں۔ میں زیادہ سے زیادہ دو تین ہفتہ تمام بڑے بڑے شہروں میں جہاں زیادہ رقوم جمع کرنے کی امید ہے صرف کر سکوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مطب مجھ کو بالکل بند کر دینا پڑے گا۔ تین ہفتہ سے زیادہ کی غیر حاضری کا میں کسی طرح متحمل نہ ہو سکوں گا۔

حضور نے تمسکات کی آمدنی کے بارے میں جو انتظام کیا ہے وہ نہایت ہی درست اور مناسب ہے۔ صرف ایک امر کی خاص اطلاع اور یاد دہانی کرانی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ بنک کو اس کی ہدایت فرمائیے کہ یہ رقم مہاجرین کی نو آبادی ہو کر ہند کے مسلمانوں کی جانب سے کی جا رہی ہے اس سوسائٹی کو روانہ کی جائے اس کا پتہ یہ ہے:۔

PROF ESSAD PACHA PRESIDENT INDO-OTTSMAN COLONISATION SOCIETY

CONSTANTINAPLE ورنہ رقم اور دوسری نو آبادی یا دوسرے مد میں صرف ہو گی اور یہ کام جو کہ شروع ہو چکا ہے انجام کو نہ پہنچے گا۔ میں نے محمد علی صاحب کو آپ کا خط دکھا دیا انہوں نے فرمایا کہ نواب صاحب کا ارشاد بہت بجا ہے میں احتیاط کروں گا۔

۱۴؍ اگست ۱۹۱۳ء — مختار احمد انصاری (دہلی)

---

(۲) لے

مخدوم بندہ زاد لطفہٗ

میں بالکل تیار تھا کہ امروہہ حاضر ہوتا مگر انتظار موقع نے یہ موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ مجھ کو بے حد مسرت

لے مطبوعہ ڈاکٹر مختار احمد ... ان خطوں کے مکتوب الیہم کا پتہ نہیں۔

چونکہ اگر آپ اپنے شایانِ محبت و مقتضائے الفت مجھ کو اس کا موقع مرحمت فرماسکیں جو جناب حاذق الملک کو عطا ہوا ہے
مجھ کو جتنا وقت کہ فرصت کا ہوگا۔ انشاء اللہ جناب کی خدمت میں گزارنا اپنا فخر سمجھوں گا۔ میں اب بھی اپنے
ارادے پر قائم ہوں۔ مگر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سفر میں خواہ امروہہ ہو یا کوئی اور مقام کس قدر نقد تمسکات فروخت
ہوں گے جن کی قیمت فوراً وصول ہو جائے گی۔ اس لئے کہ میرا وقت زیادہ وہاں ہی صرف ہوگا۔ جہاں اس کی توقع ہے کہ
نقد و تمسکات کی کسی قدر فروختگی ہو جائے گی۔ کیونکہ مجھکو فرصت بہت کم ہے اور بڑے بڑے مقامات میں تمسکات
کی فروختگی کے لئے جانا ہے۔ براہ نوازش جناب اس سے مطلع فرمائیں۔ فقط

نیازمند مختار احمد انصاری

۱۵ راگست ۱۹۲۳ء

---

(۳)

رفان صاحب

(لوزان)

برادر مکرم۔ السلام علیکم

ہم لوگ کل ویانہ روانہ ہو رہے ہیں۔ وہاں سے وینس ہو کر حکیم صاحب ورسلیس تشریف لے جائیں گے
تاکہ بندر سعید سے وہ ریل یا اسٹیمر سے بیروت جائیں اور وہاں صحت کی غرض سے دو ڈھائی ماہ قیام فرمائیں۔ میں استانبول
انشاء اللہ ۱۵ رجولائی تک پہنچوں گا۔ فتیحی بک سے پیرس میں دوبارہ ملاقات کی، ان سے خواہش کی وہ انگورہ لکھ کر
غازی پاشا سے ملاقات کے لئے تمام امور پہلے سے مقرر اور طے کر لیں۔ آخیر ماہ مئی میں پیرس سے روانگی کے قبل
پھر ان سے مل کر آیا۔ انہوں نے کہا کہ جواب اس وقت تک نہیں آیا ہے۔ ہمارے پتہ پر لوزان بعد میں مطلع کریں گے
لیکن جب ان کا کوئی خط آخیر جون تک نہ آیا تو ہم نے ان کو تار دیا، اس کا بھی جواب نہ آیا۔ ہم نے السعد بک ڈاکٹر
عاقل مختار بک کمال عمر بک کو بھی خطوط لکھے۔ السعد بک کا خط آیا کہ ہم تمہارے منتظر ہیں۔ کمال عمر بک اور ڈاکٹر عاقل
مختار بک کا جواب نہ آیا۔ ایک تار بھیجا۔ اس کا جواب یہ آیا کہ "تمہارا انگورہ جانا نہیں ممکن ہے لیکن ہم لوگ تم سے قسطنطنیہ میں
بخوشی ملیں گے" اس جواب کے بعد حکیم صاحب نے اپنا جانا ملتوی کر دیا۔ لیکن میں جا رہا ہوں۔ قسطنطنیہ جا کر غازی پاشا
اور دوسرے سرکاری وزرا سے ملنے کی خود بذریعہ تار خواہش کروں گا۔ اگر ملیں گے بہتر ورنہ وہاں اور لوگوں سے مل کر شام
فلسطین، مصر ہوتا ہوا انشاء اللہ آخیر اگست تک بمبئی پہنچوں گا۔ حکیم صاحب مانسون سے بھی بچنا چاہتے ہیں اور لبنان
میں آخیر ستمبر تک قیام کرنا چاہتے ہیں۔ میرے لئے مالی وجوہ سے اس قدر طولانی قیام کرنا غیر ممکن ہے۔ ایک فہرست
آپ کو روانہ کرتا ہوں یہ ڈاکٹر رشاد۔ ڈاکٹر وہبی شریف پاشا اور دیگر اتراک نے خلیفہ عبدالمجید آفندی کے پرائیویٹ
سیکرٹری کے مشورہ سے تیار کی ہے۔ یہ خاندان عثمان کے ان افراد کی فہرست ہے جو کہ نہایت معتمد و مستحق نانِ
شبینہ کے لئے پریشان ہیں۔ ان کے واسطے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں کچھ کیا جائے۔ میں وہاں کی دقتوں
سے واقف ہوں۔ مگر فہرست آپ کے پاس روانہ کرتا ہوں۔ نیز ایک تحریر داماد حامی عثمان بک کی یہ ایک نیک
اور شریف نوجوان خاندان عثمان کے پیرس میں مجھے روانگی کے روز ملے اور ان کی ایک تحریر تین روز ہوئے مجھ کو لندن

میں تھی۔ میں انشاءاللہ تعالیٰ آپ کو مفصل حالات قسطنطنیہ سے (اگر ممکن ہوا) لکھوں گا۔ اشتباہ اس وجہ سے ہے کہ آج کل وہاں سنتا ہے کہ ایک قیامت حکومت نے برپا کر رکھی ہے۔ اسعد بک، مولوی عبدالرحمٰن سیاح وغیرہ نے خط ایک شخص کے ہاتھ ترکی سے باہر جا کر ڈاک میں ڈلوائے تب ہمارے پاس پہنچے۔ کیا بلحاظ کردوں کی بغاوت کے، کیا بلحاظ وحیدالدین کی سازش کے اور کیا بلحاظ اندرونی خطروں کے ترکی حکومت آج کل بے حد متوحش معلوم ہوتی ہے اور ہر قسم کی بندشیں اور سختیاں کر رکھی ہیں۔ تاہم میں نے تو قصد وہاں جانے کا کر لیا ہے۔ جو کچھ بھی معلومات بہم ہو سکیں گی کروں گا۔ البتہ فواد سلیم بک وغیرہ کا خیال ہے کہ غازی پاشا تو ملیں گے نہیں اور میرے ہمراہ ایک جاسوس مقرر کر دیا جائے گا۔ میں نے کہا کہ میں ESPIONAGE کا عادی ہوں اس سے ذرا میں نہیں گھبراتا اور اگر قید بھی کر دیا جاؤں تو اس کی مجھ کو فکر نہیں۔ قید فرنگ کا جس کو خوف نہیں اس کو ترکی جیل کا خوف کیا ہوگا۔ بہر حال میری تحریر کو آپ اپنے چند خاص آدمیوں تک محدود رکھئے یہ حالات ایسے خراب ہیں کہ ان کو باہر نہ جانا چاہئے۔ شعیب کو میرا پیار فقط

۵ ، جولائی ۱۹۲۵ء　　آپ کا بھائی مختار احمد انصاری

سیّد غلام بھیک نیرنگ

(۱)

بنام شمس العلماء مولوی سیّد ممتاز علی صاحب

انبالہ سٹی نمبر ۲۱۵

۲۸ جون ۱۹۲۶ء

مخدوم بندہ جناب مولوی صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ مزاج گرامی۔ میں نادم ہوں کہ آپ کے دو والا نامے جمع ہو گئے اور میں جواب نہ لکھ سکا۔ جواب تو میں فوراً لکھتا مگر مضمون زیادہ غور طلب تھا اس واسطے سوچنے میں زیادہ وقت گزر گیا۔

میں نے آپ کو قواعد اور رپورٹیں اس غرض سے بھیجی تھیں کہ ان کو دیکھنے سے آپ کو ہمارے مقاصد اور ہمارا طریق انتظام دونوں معلوم ہو جاتے۔ یہ بھی پتہ لگ جاتا کہ ہم نے کس کس قسم کا کام کیا اور یہ بھی کہ کس کام میں کس قدر کامیابی ہوئی، کہاں تک ناکامی رہی۔ کیا کیا نقص ہیں اور کیوں ہیں۔ ہم اب تک بحمد اللہ اشتہاری طریقوں سے محترز رہے اور اس لئے پبلک کو کبھی جھوٹے وعدوں یا فرضی کارناموں سے کسی مغالطے میں نہیں ڈالا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تبلیغ ہماری وجہ معاش نہیں ہے[1]۔

چونکہ آپ رپورٹوں کے پڑھنے کے لئے وقت نہ نکال سکے لہٰذا اب مختصر طور پر بیان مقاصد جمعیۃ و ماسل کا طریق کار لکھ کر عرض کرتا ہوں کہ اب تک کیا کام کیا گیا اور آئندہ کیا ہو سکتا ہے۔

ہم نے تبلیغ میں تین، بلکہ چار کاموں کو شامل کیا ہے۔ اوّل انسداد ارتداد بذریعہ تعلیم مسلمانان۔ مسلمانوں کو اس قابل بنانا کہ وہ اغیار کے بہکاوے میں نہ آئیں۔ دوم بوقت ضرورت بذریعہ مناظرہ وغیرہ۔ سوم، مسلمانوں کی مالی حالت کی اصلاح تاکہ وہ افلاس کی وجہ سے ارتداد کے پھندے میں نہ پھنسیں (ثابت ہوا ہے کہ ارتداد کی تہ میں صرف جہل ہی نہیں افلاس بھی ہے) چہارم، بقدر وسعت غیر مسلموں کو حلقۂ اسلام میں داخل کرنا (اسی میں مرتدین کی واپسی بھی داخل ہے)۔

---

[1] ہم تو اپنے کاروبار کا نقصان گوارا کر کے اس کام کو اللہ تعالیٰ کا کام سمجھ کر کرتے ہیں۔ ہم کو دکانداری سے کیا مطلب۔

چونکہ ہم نے جمعیتہ مرکزیہ کی بنیاد یکم جولائی ۱۹۲۳ء کو رکھی تھی جب کہ ارتداد کی وبائی صورت ختم ہو چکی تھی اور آریہ سماجی حسن تدراً کو اپنی پندرہ سالہ خفیہ ریشہ دوانیوں سے ارتداد کے واسطے آمادہ کر سکے تھے ان کو مرتد کر چکے تھے اس واسطے اس جمعیتہ کی [illegible] کارکردگی قسم اول و دوم کا کام کر رہا ہے۔ جن دیہات کی حالت خطرناک تھی وہاں مکاتب قائم کئے گئے۔ بچوں کو دینی تعلیم دی گئی [illegible] مدرس کو بڑوں پر اثر ڈالا کہ ان کی حالت کو درست کرنے کا بھی ذمہ دار گردانا گیا۔ گشتی مبلغین و واعظین کے ذریعے سے [illegible] کے مسلمانوں کو مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا گیا۔ برادریوں کی پنچائتیں اور کانفرنسیں کر کے ان کو اسلام کی خوبیاں [illegible] گئیں۔ الغرض استحکامی اور دفاعی کام کیا گیا۔ اسی کام کے ضمن میں مرتدین کی واپسی بھی ہوئی۔ مگر مرتدین کی واپسی کو مقصد نہیں بنایا گیا۔ مالی اصلاح کے ضمن میں بہت مقروض ملکانوں کو روپیہ دے کر قرض خواہوں سے ان کو چھڑایا گیا۔ مگر اس عنوان کے تحت میں [illegible] نہیں ہو سکا۔ مکاتب وغیرہ کے تحت میں جو کام ہوا اس کی تفصیل یہ ہے :

سنہ	تعداد مکاتب	تعداد مبلغین
۱۹۲۳ء	۲۸	۳۸
۱۹۲۴ء	۱۰۴	۵۰
۱۹۲۵ء	۲۶	۱۰
مرتدین جو واپس ہوئے ان کی تعداد		۳۶۰
غیر مسلم جو داخل اسلام ہوئے ان کی تعداد		۴۰۰

اس کے علاوہ اکتالیس مواضعات کی شدھی کو روکا گیا۔

یہ اب تک کے اعمالنامے کا خلاصہ ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم مبلغین کا ایک اعلیٰ مدرسہ جو بلا تشبیہ گوروکل کانگڑی [illegible] کا جواب ثابت ہو اس کے قیام کا فیصلہ ہو گیا ہے، سرمایہ بہم پہنچ گیا ہے۔ ایک بڑے وقف نے اس کی کفالت کر لی ہے۔ [illegible] ایک خاص کمیٹی بن گئی ہے جس میں ہماری جمعیتہ کے صدر صاحب، نائب صدر صاحب اور معتمد عمومی بھی شامل ہیں۔ انشاء اللہ کام جلد سے جلد جاری ہو جائے گا۔ اس میں جمعیت ہذا کا دخل صرف اس قدر ہے کہ یہ جمعیت اس کی محرک ہے اور اس کی سعی سے وجود قائم ہوا مگر اس کے حسنات کا شمار اللہ کے ایک نیک بندے کے نامۂ اعمال میں ہوگا جس نے ایک صدقۂ جاریہ قائم کیا۔ صدقۂ جاریہ سے اس درسگاہ کے مصارف چلیں گے۔

جس قسم کا کام اوپر لکھا گیا وہ اب تک کیا گیا مگر واقعہ یہ ہے کہ مقدار کے لحاظ سے اس وقت تک عشر عشیر بھی نہیں [illegible] اور صفت کے اعتبار سے بھی جیسا کام ہو سکتا ہے اس سے بدرجہا بہتر ہونا چاہئے تھا۔ مبلغ اور مدرس تعداد میں بھی کئی گنا زیادہ [illegible] ہیں اور اپنی قابلیت کے لحاظ سے بھی ان کو موجودہ حالت سے کئی گنا بہتر ہونا چاہئے۔ اگر کافی روپیہ موجود ہو تو سب کچھ کیا جا سکتا [illegible] معیار بہت بلند ہونا چاہئے اور ہے۔ مگر موجودہ حالت میں ہم ہرگز دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم معیار تک پہنچ گئے ہیں بلکہ ہم ایک شائع [illegible] رپورٹ میں اپنے کام کے نقص اپنے ہی قلم سے لکھ دئے ہیں۔

سلہ مُردوں میں دوبارہ جان ڈالنے کو مؤخر رکھا گیا۔ زندوں کو امراضِ مہلکہ سے محفوظ کرنا مقدم سمجھا گیا۔

بحالات مندرجہ بالا میں ہر ایک ممکن العمل شرط کو پورا کرنے کو آمادہ ہوں۔ الا یہ کہ مرتدین کو مسلمان بنا بنا کر گنواتا جاؤں اس وعدہ پر
لیا جاؤں۔ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ آپ حکم دیں کہ ہماری جانب سے ایک
یا دو مبلغ نوکر رکھو۔ اس کو خاص اس کام پر لگاؤ کہ مرتدین میں جا کر کام کرے اور ہر ماہ اس کی کارگزاری کی رپورٹ لو اور ہم کو دو۔
اس کی تنخواہ ہم دیں گے۔ میں ایسا کروں گا۔ لیکن اگر اس کی سعی ناکام رہی اور کوئی مرتد واپس نہ آیا تو اس صورت میں کیا کروں گا؟ تو نہیں
جنہیں اس پر غور کریں جو کام ان کو پسند ہو اس کام کے لئے مناسب شرائط کے ساتھ مناسب احتیاطوں کے ماتحت وہ ہم کو دے
دیں۔ ہم صرف یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اپنا پورا زور لگائیں گے نتیجہ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے مبلغ حضرت نوح سے
بہتر تو نہ ہوں گے جنہوں نے اعتراف فرمایا: انی دعوت قومی لیلاً ونہاراً فلم یزدہم دعائی الا فراراً۔ جناب خاتم المرسلین صلی اللہ
علیہ وسلم سے بڑھ کر تو نہ ہوں جن کو جناب الٰہی سے ارشاد ہوا: انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء الی
صراط مستقیم۔ آدمی اچھے سے اچھا مقرر کر دوں گا۔ اس کے کام کی نگرانی اچھی سے اچھی کر دوں گا۔ آپ کو اور تہذیبی بہنوں کو
رپورٹ دیتا رہوں گا مگر ذمہ داری صرف کام کی لوں گا۔ نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دوں گا۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک نیرنگ۔ جنرل سیکرٹری سنٹرل جمعیۃ تبلیغ اسلام

(۲)

نام جناب فخر یار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن)

مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج عالی۔ حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کے انتقال کی خبر آپ کو پہنچ چکی ہوگی بہت
بڑی ہستی اٹھ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ وہ عالم تھے شیخ طریقت تھے، خاندانی پیرزادے تھے، اپنی شخصیت میں
بڑی کشش رکھتے تھے، زبردست خطیب تھے۔ اگر وہ اس زمانے کی عام روش پر چلتے تو تقدس کی دکان کھول بیٹھتے اور خدا جانے کتنا
کچھ مال و زر کماتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ دنیوی نقصانات اٹھاتے رہے۔ امراض میں مبتلا رہے۔ اہل و عیال کی تکلیفوں کو
نظر انداز کرتے رہے مگر مرتے دم تک قوم کا غم کھایا اور اسلام کی خدمت کی۔ آخر بحالت خدمت ہی عالم غربت میں جان دے دی۔
گویا شہادت پائی۔

اب ان کے ورثاء پریشان حال ہیں۔ میں ایک عرضداشت تیار کر رہا ہوں، عنقریب سرکار حیدرآباد میں بھجواؤں گا۔
آج اخباروں کو ایک تار دیا ہے اس کی نقل ملفوف ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک اخبار نے لکھ دیا کہ
مرحوم کا وظیفہ ان کے بھائی کو مل جائے۔ ایک جگہ ایک جلسے نے تجویز کر دیا کہ بھائی کو وظیفے میں شریک کر دیا جائے۔ یہ غلط بحث ہے۔
بھائی کی درخواست ایک الگ معاملہ ہے جو آپ کے علم میں ہے۔ یہ معاملہ بالکل الگ ہے۔ مرحوم کے بچوں کو اگر کچھ مل سکے تو مزید ملنا چاہئے۔ اس میں بھائی
کا کوئی حق نہیں ہو سکتا۔ میں عنقریب آپ کو زیادہ تفصیل سے لکھوں گا اور شاید عنقریب حیدرآباد آؤں گا بھی اور وہ سلسلہ تبلیغ نہیں بلکہ سلسلہ
مسلم ہائی سکول۔ زیادہ نیاز۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک نیرنگ ۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء

(۴)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل کا مفصل خط مع مراسلہ مولوی سعید حسن[1] صاحب پہنچا۔

گڑگانوؤں کے مرض دو ہیں۔ اوّل مالی مشکلات ۲۔ دوم کارکنوں کا ایک دوسرے کو نہ سمجھ سکنا اور باہم اختلاف سے گذر کر نزاع تک پہنچنا۔ چودھری صاحب[2] کی نیت یقیناً بخیر ہے مگر ان میں ایک بات کی کمی ہے جس کی کسی لیڈر میں نہ ہونی چاہئیے۔ وہ مختلف طبائع کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر نہیں رکھ سکتے۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ گوڑگانوؤں کے روپے کو اہمیت نہ دیجئے۔ اب معاملات کی صورت ایسی ہو گئی ہے کہ منتشر لوگوں کو جمع کر لینے سے کام بہتر چلے گا۔ جب تک گوڑگانوؤں اور فیروز پور جھرکہ اور ریواڑی میں کوئی سنبھالنے والا تھا منتشر رہ سکتے تھے۔ جب سنبھالنے والا نہ رہا تو سب منتشر عناصر کو ایک جگہ جمع کر لینے سے ہی کام بہتر چلے گا۔ انتشار سے نقصان ہو گا لہذا آپ گوڑگانوؤں سے تو لوگوں کو فوراً بلا لیجئے۔ ریواڑی اور فیروز پور جھرکہ سے معلوم کیجئے کہ وہاں کا کام چل رہا ہے یا نہیں اور لوگ برے اثرات سے محفوظ ہیں یا نہیں۔ اگر ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو وہاں کے لوگوں کو بھی دہلی میں بلا لیجئے۔

اچھا میں جانتا ہوں کہ اس طور پر جو خبریں ان مورچوں پر پہنچ کر مفید ہوتی تھیں شاید وہ دیر میں پہنچا کریں مگر اوّل تو میں انتظام کر دوں گا کہ خبریں برابر ان مقامات پر پہنچیں اور ہم کو پہنچائی جائیں۔ دوم اگر بالفرض خبروں میں کچھ توقف ہوا بھی تو وہ موجودہ مرحلے پر کچھ زیادہ مضرت رساں نہ ہو گا۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس انتظام سے دہلی کا مالی بوجھ جو پہلے ہی زیادہ ہے اور بڑھ جائے گا مگر اس سے نہ گھبرائیے۔ اوّل تو مولوی سعید حسن صاحب کو دورہ کرنے کی آزادی ہو گی اس سے فائدہ ہو گا۔ دوسرے میں کچھ اور تدبیر بھی کر رہا ہوں۔ انشاءاللہ روپیہ آئے گا۔

ایک بے حد اہم بات: وائسرائے کی ملاقات میں اور پولیٹیکل سکرٹری کی گفتگو میں خاص طور سے تعداد مہاجرین کے بارے میں سوالات کئے گئے۔ پولیٹیکل سکرٹری نے کہا کہ چیف کمشنر کی رپورٹ ہے کہ دو سو سے زائد مہاجرین دہلی میں نہیں ہیں چیف کمشنر نے اگر ایسی رپورٹ کی تو وہ جھوٹ نہیں بولتا کیمپ میں کسی وقت بھی پچاس آدمی سے زیادہ نظر نہیں آتے اور چیف کمشنر کو رپورٹ دینے والے سوائے اس کے کیا کر سکتے ہیں کہ آ کر کیمپ پر نظر ڈالیں اور رپورٹ کر دیں۔ اچھا تو میں نے پولیٹیکل سکرٹری کو جو جواب دیا وہ دیا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ خود اپنے ضمیر کے اطمینان کے واسطے آپ سے پوچھوں کہ آپ تعداد مہاجرین کیا سمجھتے ہیں اور کن وجوہ سے سمجھتے ہیں۔ ہم نے جو بار بار کہا کہ دس ہزار سے زائد نے ہجرت کی تو کس بنیاد پر کہا۔ آج اگر کوئی پوچھے کہ کتنے مہاجرین تاحال

---

[1] یہ تبلیغ کے مبلغ تھے۔ ریواڑی، گوڑگانوؤں اور فیروز پور جھرکہ کے مہاجرین کیمپ کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

[2] چودھری یٰسین خان صاحب ایڈووکیٹ بانی میوہائی اسکول نوح ضلع گوڑگانواں میواتی قوم کے بیٹھے جو ہمارے شریک کار اور مہاجرین کیمپ گوڑگانوؤں کے انچارج تھے۔

والوں کو واپس نہیں گئے تو کیا جواب دیا جائے اور کس بنیاد پر دیا جائے۔

سوالات بالا کا جواب جہاں تک ممکن ہو مدلل دیجئے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر مجھ کو مہاجرین کی مردم شماری صحیح صحیح مل جائے (کم از کم دہلی ہی کی مل جائے) تو وائسرائے اور چیف کمشنر دونوں کو چیلنج دوں کہ میں فلاں دن فلاں مقام پر تمام مہاجرین کو جمع کرتا ہوں۔ وہ مجمع بالکل نہتا اور قطعاً خاموش ہوگا۔ نہ کچھ بولے گا نہ کوئی حرکت کرے گا حتیٰ کہ اگر آپ برا نہ مانیں تو آپ کو اشارے سے بھی سلام تک نہ کرے گا تاکہ بالکل ہی بتوں کا ایک مجمع دکھائی دے۔ آپ پارلیمنٹ کے واسطے اگر ان کو خود دیکھ لیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ان کی تعداد کیا ہے اور پھر نہ ہم سے پوچھنے کی ضرورت پڑے نہ حکام الور سے۔

کیا ایسے مجمع کا انتظام مستقبل قریب میں کیا جا سکتا ہے؟

میں انشاء اللہ کل کو یہاں سے ڈیڑھ سو روپیہ بھجواؤں گا اور چندے کے واسطے خاص کوشش کر رہا ہوں۔ آپ کی مشکلات کا بوجھ میرے قلب و دماغ پر ہر وقت ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھئے کہ میں آپ کو ان کا ذکر کرنے سے بھی منع کرتا ہوں۔ ذکر ضرور کرتے رہیئے تاکہ کسی حد تک آپ کی طبیعت ہلکی ہو اور میں بھی غافل نہ ہو جاؤں۔ والسلام

بندہ: غلام بھیک نیرنگ انبالہ ۱۶ ؍ اکتوبر ۱۹۳۲ء

مولوی سعید حسن صاحب کو آپ خود اس خط کا مضمون یعنی خلاصہ جہاں تک ان کے متعلق ہے لکھ دیں۔ میرا وقت آج اور کاموں میں صرف ہو گیا اور خدا جانے پھر کب وقت ملے۔

نوٹ: سید صاحب کے ارشاد کے مطابق گوڑگانواں کا کیمپ توڑ کر مہاجرین کو دہلی بلا لیا گیا اور ۳ ؍ نومبر ۱۹۳۲ء کو دہلی کیمپ میں تمام مہاجرین کو جمع کیا گیا۔ چیف کمشنر دہلی نے دور سے ہی معائنہ کیا۔ (محمد اسحٰق)

---

(۴)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ الحمد للہ کہ میں آج یہاں خیریت سے پہنچ گیا۔ الور کے اسٹیشن پر کوئی نہیں ملا لیکن اس کے سبب کے بارے میں کوئی خاص رائے قائم ہونا مشکل ہے کیونکہ ہماری گاڑی پیچھے کی طرف تھی اور روشنی گل کی ہوئی تھی۔ اگر کوئی ٹارچ سے دیکھتا تو باہر سے دیکھ سکتا تھا۔ ممکن ہے کوئی آیا ہو اور ڈبوں کو بند اور لوگوں کو سوتا ہوا پا کر لوٹ گیا ہو۔ میں جاگ رہا تھا میری گاڑی کے سامنے کوئی نہیں آیا۔

یہاں خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ تجاویز کانفرنس کے بارے میں تار دے چکا ہوں کہ بلا ترمیم اخباروں کو بھیج دی جائے۔

آج صبح مولانا شفیع داؤدی سے مشورہ ہوا، انہوں نے کہا کہ کھلے اجلاس میں جب تجویز منظور ہو گئی تو اب بدل نہیں سکتے۔

بہلول خاں صاحب کے بارے میں آج پریس کو تار دے دیا گیا جس میں نذیر الحق سپرنٹنڈنٹ پولیس[1] جے پور کو بے نقاب کیا گیا۔ جو مشورہ مرزا عبد القادر بیگ صاحب نے دیا تھا مولانا شفیع داؤدی ایم۔ ایل۔ اے سے مشورہ کر لیا۔ وہ جے پور چلنے کو آمادہ ہیں۔ میں مرزا صاحب کو لکھتا ہوں کہ کیپٹن صاحب کو لکھیں کہ ہم بہلول خان کے متعلق آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ جناب ابوالاسرار حق سویرے سفر اجمیر شریف کے دوران میں ان تحریروں کی وجہ سے جو میں نے امام صاحب کو لکھی تھیں ایک مرتبہ الودہ ہو آئے تھے اور آج صبح پھر گئے ہیں۔ میں ابھی امام صاحب سے نہیں ملا مگر اب ملنے جاؤں گا اگر انہوں نے ساتھ دیا تو کل کا دن یہاں ٹھہر کر چندے کی کوشش کروں گا۔

آپ ۹ر کی صبح کو یہاں ضرور پہنچ جائیں۔ جناب حاجی محمود الحسن صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا مگر آپ سے کہنا میں بھول گیا۔ مولوی سعید حسن صاحب کے ہاتھ کہلوایا تھا انہوں نے کہا ہو گا۔ حاجی صاحب کو ۹ر اور ۱۰ر تاریخ کو عرس کا کام درپیش ہو گا اس واسطے آپ کی ضرورت ہے۔ والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ۔ دہلی ۷ر نومبر ۱۹۳۲ء

نوٹ: مہاراجہ جے سنگھ والی الور آبو میں تھے اور کچھ لوگ ریاست کے مسلمانوں سے کام لے رہے تھے۔ جی۔ جی راجپوتانہ کو اپنے موافق بنانے کی سعی کر رہے تھے اس لئے ضروری ہو گیا کہ ہم اجمیر پہنچ کر اس فتنہ کا سد باب کریں چنانچہ میں اور سید صاحب اجمیر گئے اور وہاں کے لیڈروں بالخصوص مرزا عبد القادر بیگ صاحب ایڈووکیٹ اجمیر سے مشورہ کے بعد اس فتنہ کا سد باب کیا کہ اطلاع ملی کہ جے پور میں بہلول خاں صاحب دانا کو گرفتار کر لیا گیا جو جمعیت افاغنہ کے صدر رہے تھے۔ اس لئے سید صاحب دہلی روانہ ہو گئے اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے میں ٹھہر گیا۔ سید صاحب نے یہ خط مجھے حقانی منزل دہلی سے اجمیر شریف لکھا تھا۔

(محمد اسحٰق)

---

(۵)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مولوی سعید حسن صاحب کی چٹھی سے ایک حد تک حالات معلوم ہوئے مگر بعض مضامین تشنہ رہ گئے مثلاً انہوں نے لکھا کہ اس وقت تک کے قرض کی فہرست بھیجتا ہوں مگر لفافے میں کوئی فہرست نہ ملی۔ یہ تو معلوم ہوا کہ ایک بزرگ نے مہاجرین کو واپس جانے سے ایک حد تک منع کرنا چاہا اور میری ہدایات کے خلاف جن کا ان کو علم تھا یہ تجویز کیا کہ سب ٹھہریں اور صرف بعض جائیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی سعید حسن صاحب کے سمجھانے سے ان

---

[1] انسپکٹر جنرل پولیس جے پور

بزرگ کا وعظ بے اثر ہو گیا مگر خدا جانے یہ خط مولوی صاحب نے کس وقت لکھا تھا کہ اس میں دن بھر کے حالات کا نتیجہ درج نہیں۔
اسی وجہ سے میں نے آپ کو تار دیا ہے کہ مہاجرین کی حالت کی اطلاع بذریعہ تار دیجئے۔

مولوی صاحب کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض مہاجر روپیہ مانگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کسی کا قرض ادا کرنا ہے کوئی کہتا ہے کرایہ مکان دینا ہے کوئی کسی اور ضرورت کا حوالہ دیتا ہے۔ مولوی صاحب مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے اس بات کا جواب مشکل ہے۔ اگر روپیہ موجود ہو تو جن لوگوں کو کوئی معقول اور واقعی ضرورت ہے ان کو دیا جا سکتا ہے مگر بعض لوگوں کی عادت ہی ہے کہ ہر موقع پر کچھ نہ کچھ اینٹھنے کی ترکیب کیا کرتے ہیں۔ آدمی کو دیکھ لیجئے۔ ضرورت کا اندازہ کر لیجئے اور پھر اپنی جیب کو دیکھئے۔ تینوں باتوں پر نظر کرنے کے بعد جیسا سمجھ میں آئے کیجئے۔

خدا کرے اس اونٹ کی کوئی کل سیدھی ہو جائے، تب اطمینان ہو۔ مہاجرین کے طبائع کے مشکلات ہیں۔ اہل الرائے حضرات کی رائے زنی سے خطرات ہیں۔ خالد تمیمی[1] اور رزمرہ[2] جیسے لوگوں کے بہکانے کے اندیشے ہیں۔ ٹیٹری کے سے مزاج والے حضرات کا خوف ہے اور پھر جب یہ تمام منازل ہفت خواں مع الخیر طے ہو چکیں تو یہ کھٹکا باقی ہے کہ دیکھئے فریق ثانی کس حد تک اور کس رنگ میں ایفائے عہد کرے۔

اللہ تعالےٰ مدد فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام!

بندہ غلام بھیک — ۱۰ دسمبر ۱۹۳۲ء

نوٹ: یہ خط علی گڈھ سے مجھے لکھا تھا میرے علی گڈھ پہنچنے سے قبل۔ (محمد الحسن حقانی)

---

(۶)

بنام جناب حکیم محمد الحسن حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ! آج آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ ممکن ہے آپ نے علی گڈھ کے پتے سے لکھا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو خدا جانے کب پہنچے کیونکہ وہاں شادی کے کام میں ڈاکٹر صاحب[3] کو شاید پتہ بدلنے کی بھی فرصت نہ ہو۔ خیر —
میں کلکتہ میل سے روانہ ہو کر آج یہاں پہنچ گیا۔

الامان مورخہ ۱۲ دسمبر میں مزید فتنہ انگیزی کی گئی ہے۔ میں نے کل کے خط میں ملّا صاحب[4] کو کچھ کھری کھری باتیں لکھ دی تھیں مگر مقامی نامہ نگار کے پردے میں۔ آج دل چاہتا ہے کہ صاف صاف ہی لکھ دوں مگر غور کے بعد ملتوی رکھتا ہوں۔ ذرا الور کا نتیجہ آ جائے تو دیکھوں گا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آپ کا بڑا خیال آتا ہے کہ اس فتنہ انگیزی کا ہدف ہوتے ہوئے دہلی میں رہنا اور صبر کرنا ایک سخت امتحان ہے۔

خاص طور پر دریافت طلب: ۷ اگست کو جب آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں وائسرائے صاحب کے ہاں وفد لے جانا

---

[1] مولوی صاحب الور کی طرف سے متعین کئے گئے تھے کہ مہاجرین میں انتشار پیدا کر دیں تاکہ وہ گھبرا کر الور چلے جائیں۔
[2] خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم [3] ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب پرنسپل علی گڈھ یونیورسٹی [4] مولوی مظہر الدین صاحب

تجویز ہوا تو تحریک چندہ بھی ہوئی تھی۔ اس وقت ملا اللہ صاحب نے بھی ۵۰۰ روپے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا یہ رقم وصول ہو چکی؟ اگر ہو گئی تو کس تاریخ ہیں؟

اچھا ملا صاحب سے انجمن خدام مہاجرین کی جانب سے بھی شکایت کی ہے کہ اس کو نہ پوچھا گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس انجمن کی صحیح نوعیت کو ظاہر کرنے والے الفاظ میرے سامنے ہوں۔ براہِ مہربانی اس قرارداد کی مکمل نقل بھیج دیجئے جس کی رو سے یہ انجمن بنائی گئی تھی تاکہ صاف واضح ہو جائے کہ اس انجمن کا دائرہ کار کیا قرار دیا گیا تھا۔ آیا مہاجرین کی ضروریات خورد و نوش و قیام کا پورا کرنا یا ان کے مطالبات کے لئے پروپیگنڈہ اور جدوجہد کرنا بھی اور خصوصاً صلح اور جنگ کے اختیارات بھی اس کو دئے گئے تھے یا نہیں۔

آپ نے اب تک ان مطالبات کی فہرست نہیں بھیجی جو بسلسلہ مصارف مہاجرین واجب الادا ہیں۔ اگر ممکن ہو تو فوراً بھیجئے۔ خان بہادر حاجی رحیم[1] بخش صاحب لکھتے ہیں کہ لوگ ان سے خطبۂ صدارت مانگتے ہیں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ جتنی کاپیاں آپ کے پاس موجود ہیں وہ درست ہو چکی ہیں۔ ان میں سے صرف ۵ کاپیاں رکھ لیجئے باقی خان بہادر صاحب کے پاس ۱۲ فرید کوٹ روڈ لاہور کے پتے سے بھیج دیجئے۔

چودھری یٰسین خان کو لکھتا ہوں کہ آپ کو روپیہ بھیجیں لیکن اگر آپ خود گوڑ گاؤں ہو آئیں تو غالباً بہتر ہوگا۔ والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۲ء

نوٹ: یہ خط علی گڑھ سے انبالہ پہنچنے کے بعد مجھے لکھا تھا۔ (محمد اسحٰق حقانی)

---

(۷)

<u>بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی</u>

مکرمی حکیم صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

جناب حاجی محمود حسن صاحب کا مفصل خط جس پر آپ نے بھی کچھ لکھا اوّل دستی پہنچا اور پوسٹر پہنچے۔ اس کے بعد آپ کا خط جو پہلے لکھا گیا تھا ڈاک سے ملا۔

میں ابھی احرار سے نہیں ملا۔ اور اور کام کرتا رہا مگر شام تک کسی وقت مل کر بات کروں گا۔ جیسا قرار پائے گا دیکھا جائے گا۔ آپ اجمیر شریف کو لکھئے کہ وہاں کے احرار بھی ضرور پہنچیں۔

حضرت مولانا سید احمد صاحب شاہی امام کی خدمت میں میں نے لکھا ہے کہ جلد سے جلد ایک ہزار روپیہ قرض دلوا دیں خواہ جامع مسجد سے خواہ کہیں اور سے۔

کیا پوسٹروں کے مضمون کو ہینڈ بل کی شکل میں نہیں چھپوایا گیا؟ اگر نہیں چھپوایا گیا تو فوراً چھپوایئے تاکہ بطور دعوت نامہ بھیجے جا سکیں۔ مجھ کو بھی کم از کم تیس ۳۰ کاپیوں کی ضرورت ہوگی تاکہ انگریزی چٹھی کے ساتھ ممبران اسمبلی و کونسل آف سٹیٹ کو بھیجوں۔ یہ چٹھی کھلی ہے۔ آپ پڑھنے کے بعد بند کر کے بھیجیں۔ مولانا شفیع داؤدی صاحب کی خدمت میں خط لکھ کر اس کے ساتھ

---

[1] یہ ریٹائرڈ سشن جج تھے اور فیروزپور جھرکہ کی کانفرنس کے صدر تھے (محمد اسحٰق حقانی)

ملفوف کرتا ہوں۔ اگر براہِ راست ڈاک سے بھیجوں تو جواب جلد نہیں آئے گا۔ آپ فوراً خاص آدمی ان کی خدمت میں یہ خط دے کر بھیجئے۔ وہ آدمی وہاں موجود رہ کر اس کا جواب لائے اور وہ جواب مجھ کو بھیج دیجئے (اگر کل کی ڈاک سے بھیج سکیں تو انبالے بھیجئے ورنہ بمقام شملہ) تاکہ میں فوراً ضروری خطوط روانہ کر دوں۔ (میں نے مولانا شفیع سے ممبران اسمبلی کے پتے دریافت کئے ہیں، بغرض ارسالِ خطوط)

خدا کرے عبدالرحمٰن[1] کو جلد شفا ہو جائے۔ اس کے والد کل شام کو پہنچے ہوں گے۔

والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ۔ لاہور ۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء

جناب حاجی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون اور خط کا شکریہ۔

(خاص بات) انتظام ہونا چاہئے کہ اور کانفرنس فیروزپور جھرکہ کا فوٹو لیا جائے ایسے طور سے کہ ایک اجتماعِ عظیم کا اندازہ فوٹو سے ہو سکے۔ کسی ہوشیار فوٹوگرافر سے گفتگو کر کے اس کو ساتھ لے چلئے گا۔

نوٹ: یہ خط فیروزپور جھرکہ کی کانفرنس سے پہلے لاہور سے مجھے لکھا گیا تھا۔

(محمد اسحٰق حقانی)

---

(۸)

بنام جناب حکیم محمد اسحٰق حقانی

مکرمی حکیم صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ میں نے آج مولانا الامان[2] کو خط (اس کی نقل رکھی گئی ہے آپ کسی وقت دیکھ لیں گے) لکھا ہے جس میں صرف اس مضمون کا ذکر ہے جو الامان مورخہ ۱۲ دسمبر کے صفحہ ۲ پر درج ہے جو آپ ساتھ لائے تھے۔ اس خط میں میں نے مقامی نگار کی خاص خبر لے ڈالی ہے کیونکہ یہ مقامی نگاری کے نام سے چھپا تھا اور مولوی صاحب کو لکھا ہے کہ بظاہر آپ نے مضمون کو دیکھا نہیں اور ادارۂ الامان نے شائع کر دیا۔ آئندہ اس سلسلے کی اشاعت بند کر دیجئے اور انتظار کیجئے کہ دربار الور کے احکام صادر ہو جائیں۔ اس وقت اگر ضرورت ہو تو مقامی نامہ نگار صاحب اپنے دل کے ارمان نکال سکتے ہیں۔

کل جو کچھ آپ کے اور مولانا مظہر[3] کے درمیان ظہور میں آیا آپ اس کے بارے میں ایک مفصل بیان لکھ کر میرے پاس بھیج دیجئے۔ شاید اس سے ضرورت کے وقت کام ہوں گا۔ میرے دہلی سے جانے کے بعد مہاجرین کا جو طرزِ عمل رہا اور جو کچھ پیش گوئیاں ہوئیں وہ بھی لکھ دیجئے۔

---

[1] یہ انجمن خدام مہاجرین کے دفتر کا کلرک تھا

[2] مولانا مظہر الدین صاحب مرحوم مدیر "الامان" دہلی [3] مولانا مظہر الدین۔

ممکن ہے کہ میں آج ہی کلکتہ میل سے واپس ہو جاؤں۔ انبالے میں ایک ضرورت سے مجھ کو کل موجود ہونا چاہیے بہرکیف اگر میں آج خود واپس چلا جاؤں گا لہٰذا آپ ٹرین پر آنے کی تکلیف نہ کریں۔ اب میں انشاء اللہ ۱۸ دسمبر کی صبح کو پہنچوں گا۔ کیونکہ فضل الحق والا مقدمہ اب پھر شروع ہو گیا ہے اور مجھ کو طلب کیا گیا ہے۔

امام صاحب اگر آ گئے ہوں تو ان سے مل کر کل واقعات کا ذکر کر دیں اور معلوم کر کے لکھیں کہ ان کی رائے کیا۔

والسلام!

بندہ: غلام بھیک نیرنگ

آج ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب بھی یہاں آ نکلے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ مولانا اللہ ان سے شام ہی ملے تھے۔ تب بھی انہوں نے مولوی صاحب کو تمام بات بتا دی تھی لہٰذا کل جو آپ کو ساتھ لیجا کر ملے تو یہ قند کرنے میں نے ڈاکٹر صاحب سے ایک ضروری نوٹ لکھوا لیا ہے۔

سر تیج بہادر سپرو

(۱)

بنام طاہر فاروقی ــــــ پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور

مخدوم و مکرم بندہ۔

تسلیم و نیاز۔ میں ۱۶ جنوری سے پٹنہ گیا ہوا تھا۔ اور صبح ہی صبح واپس آیا۔ واپسی پر جناب کے دو والانامہ مورخہ ۱۶ جنوری میری نظر سے گزرے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے دسمبر کے پہلے ہفتہ میں مجھے خط بھیجا تھا۔ میں یہاں سے ۲ دسمبر کو مدراس گیا تھا اور وہاں سے ۱۶ دسمبر کو واپس آیا۔ میں نے ہرچند آپ کے خط کی تلاش کی مگر مجھے دستیاب نہیں ہوا ممکن ہے کہ وہ میری غیر حاضری کی وجہ سے یا تو یہاں ہی گم ہو گیا یا بذریعہ ڈاک مدراس بھیجا گیا ہو اور مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ حالانکہ مجھے جناب کی خدمت میں شرف نیاز حاصل نہیں ہے۔ مگر میں نے پچھلے ہفتہ میں سیرت اقبال کو پڑھا اور پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اگرچہ میں عرصہ سے علامہ اقبال کے کمال شعر و سخن و فلسفہ کا مداح و ثنا خواں رہا ہوں لیکن آپ کی کتاب کو پڑھ کر میں از بس خوش ہوا۔ اگر مجھے اجازت دیں تو میں یہ مزید عرض کروں گا کہ ایسی کتابوں سے اردو زبان کی وسعت معلوم ہوتی ہے اور اقبال کی عظمت کا ہر شخص کی نگاہ میں اضافہ ہوگا۔

بزم اقبال سے مجھے ہرگونہ ہمدردی ہے۔ مجھے اس کی ممبری میں کچھ عذر نہیں ہے۔ مگر میں عادتاً سرپرستی کسی بزم یا انجمن کی قبول نہیں کرتا ہوں۔

جامعہ اردو کے قواعد و ضوابط کی نسبت میں صرف دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اول تو یہ کہ اگر آپ کی خواہش ہے کہ اس بزم کو استحکام حاصل ہو تو آپ اس کو مطابق ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۶۰ء رجسٹر کرا لیجئے۔ دوسرے یہ کہ اس کی اشاعت و مقبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ معمولی طور پر اردو میں مشکل الفاظ فارسی و عربی نہ استعمال کی جائیں۔ جو الفاظ اس دو سو برس میں ہماری زبان میں جذب ہو گئے ہیں۔ ان کو خارج کرنا اور اس کے بجائے غیر مانوس الفاظ سنسکرت استعمال کرنا میرے خیال میں اردو کو تباہ کرنے کے برابر ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ادب و فلسفہ و شعر و سخن کی زبان بازاری زبان نہیں ہو سکتی۔ میں یہ عرض کروں گا کہ اگر آپ جیسے استاد اس طرف توجہ فرمائیں گے تو اردو ان حملوں سے جو آج کل

اس پر ہو رہے ہیں محفوظ رہے گی۔ زیادہ نیاز
۲۰ رجنوری ۱۹۳۹ء
بندہ تیج بہادر سپرو

(۲)

بنام مولوی عبدالحق

مخدومی ڈاکٹر صاحب۔

تسلیم و نیاز۔ یہ خط میں ہائی کورٹ سے لکھ رہا ہوں۔ مجھے شام کو مسٹر عزیز کے یہاں ایک جلسہ ہے اُس میں جانا ہے۔ میں ۶ بجے تک واپس آجاؤں گا۔ اور پھر آٹھ بجے مجھے ایک اور صاحب کے یہاں جانا ہے۔

آج آپ ۶ بجے کے بعد تشریف لائیے۔ گھنٹہ بھر تو ضرور بات چیت ہو سکے گی۔ زیادہ نیاز
۵ رجنوری سنہ ۴۲ء
تیج بہادر سپرو

(۳)

بنام نعیم الدین ہاشمی

جناب مخدومی۔ تسلیم و نیاز　　　　(۱۹ - ایلبرٹ روڈ - الٰہ آباد)

گرامی نامہ مورخہ ۶ رجون وصول ہوا۔ اس کے بعد آپ کی مرسلہ کتاب "یورپ میں دکھنی مخطوطات" پہنچی۔ میں آپ کی عنایت کا ازبس مشکور ہوں۔

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس عرصہ میں میں نے آپ کی کتاب کل پڑھ لی ہے۔ مگر میں نے مختلف مقامات پر اس کا مطالعہ ضرور کیا ہے۔ اور امید کر رہا ہوں کہ جلد اس سے پورے طور پر واقفیت حاصل کروں گا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی کتاب بغیر سخت محنت و تحقیقات کے تیار نہیں ہو سکتی۔ جس قدر میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اس سے تو مجھے نہایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔

نیاز مند سر تیج بہادر سپرو

آغا شاعر قزلباش

(۱)

بنام مہاراجہ سر کشن پرشاد

خدا تو بخشتا ہے سب قصور بندوں کے
خدائیگانِ کرم کیوں قصور کرتے ہیں

سرکار عالی! دام اقبالہٗ!

آداب - بعد تسلیم - اک عرصہ سے اس قدر ناراضگی ہے کہ نہ آفتاب کے لئے کوئی مضمون ہی عنایت ہوا نہ کوئی نظم ہی انطباع کے لئے بخشی گئی - گویا کمترین کی حقیقی گذارشوں سے حضور ناخوش ہو گئے - خیر یہ میرا نصیب ہے - اب سری حضور دربار دام اقبالہٗ تو ولایت ہیں اور یہاں خدا کا فضل ہونے والا ہے یعنی غریب کے گھر میں ایک نئی روح آنے والی ہے زہے نصیب - تقدیر - بس اللہ ہی مالک ہے - راتوں کی نیند اڑ گئی ہے -

اکتوبر نمبر آفتاب کا خدمت عالی میں بھیجا جائے گا - اب سنہ ۱۹۲۱ء انشاءاللہ عام ہوگا -

عاجز کمترین : قزلباش ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء

(۲)

بنام مہاراجہ سر کشن پرشاد

سری حضور یمین السلطنت مہاراجہ بہادر دام اقبالہٗ ------ کی خدمت بابرکت میں گدائے بے نوا آغا شاعر قزلباش دہلوی کا دست بستہ آداب!

صحیفۂ گرامی موصول ہو کر باعث صد افتخار ہوا - دو غزلیں پہنچیں، بے حد ثنا کر فرمایا - اس سے پہلے بانسری والا مضمون یا کوئی اور مطلق نہیں پہنچا - اگر مضمون پہنچتا شکریہ کے ساتھ چھاپا جاتا - آئندہ کے لئے حکم دے دیں کہ مضامین اور غزلیں ہمیشہ میرے نام بھیج دی جایا کریں - اس طرح تلف ہونے کا خطرہ نہیں رہے گا -

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ملک میں اس ناچیز ہستی کے قدر دان اب بھی موجود ہیں - چنانچہ میری عرضداشت پر نئی دہلی کے

تیرہ مقدس کے لئے کل پانچ نومبر کو پانچ سو روپیہ بذریعہ تار عالیجناب ہز ہائینس نواب صاحب بہادر بھوپال نے عطا فرمایا۔ شکر صد شکر ایشرا۔

عاجز کمترین قزلباش ۷ رنومبر ۱۹۲۱ء

(۳)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد　　　　　وبہ نستعین

عالیجاہا ! دام اقبالہ !

آداب نیاز۔　　بار بار عرض کیا گیا کہ میں دیوانہ مزاج آدمی اس دنیا کے حوادث کا کیونکر مقابلہ کروں لیکن کوئی تسکین بخش جواب نہیں ملتا۔ ہائے افسوس ——

کیا جہنم ہے خانۂ دنیا　　　جس کو دیکھا عذاب میں دیکھا

خبرم رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

شکر، صد شکر اس مالک حقیقی کا بتاریخ ۹ ردسمبر سنہ ۱۹۲۱ء بروز جمعہ بوقت چاشت برخوردار سعادت اطوار فرزند ہونہار بلند اقبال، آغا اقبال علی طول عمرہٗ پیدا ہوگیا۔ مگر اس کے دوسرے ہی دن غریب مرلیضہ سیدانی بیگم صاحبہ کو اچانک غش آگیا، تپیس پچ گئیں، نبض سرد پڑ گئی۔ بس نزع پہ پہنچے، لینے کے دینے پڑ گئے۔

ڈاکٹر، بیڈی ڈاکٹر، تین دائیاں اور مہمانان ناخواندہ و خواندہ کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ خدا خدا کر کے تین گھنٹہ تک موت اور زیست کے عالم کے بعد فضل الٰہی ہوا۔ ابھی تک علاج جاری ہے۔ ۲۵۰ روپیہ سے اونچا اس تین روز میں ٹھیکری ہو چکا۔ مگر شکر ہے اس قادر و توانا پاک بے نیاز کا کہ کئی جانیں بچ گئیں اور ابھی چھٹی دور ہے۔ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ جلد تندرست فرمائے۔ آمین ! ثم آمین !!

عاجز کمترین آغا قزلباش ۱۳ ردسمبر ۱۹۲۱ء

(۴)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

سرکار مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہٗ !

آداب نیاز، دست بستہ۔

آفتاب کا مارچ نمبر ۱۹۲۲ء بھی پیش گاہ عالی میں بذریعہ ڈاک روانہ کر دیا گیا جس میں دو غزلیں فارسی کی طبع ہو گئیں۔ اب کوئی غزل باقی نہیں۔ مدت سے کوئی مضمون بھی عطا نہیں ہوا۔

آفتاب کا سالانہ چندہ بھی ابھی تک سرکار سے نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ ۱۹۲۲ء کا مارچ نمبر تک چھپ چکا ہے۔ اب اپریل حاضر ہوگا۔ کیا کمترین نہایت ادب سے اس امر کی طرف حضور کی توجہ کو مبذول کر سکتا ہے کہ کاغذ اور اخراجات کے لئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے اور جو کچھ فدوی کو بخشا جاتا ہے وہ بذریعہ تار کرامت فرمایا جائے۔

زیادہ حد ادب!

دو سال کے بعد یہ فتوح غیب بذریعہ تار پہنچنا چاہئے۔ آئندہ حضور مالک ہیں۔

آغا قزلباش ۔ ۲۰/ اپریل ۱۹۲۲ء

---

(۵)

نادر سہیل دہلوی

عزیز من سلمہ!

دو خط پے بہ پے پہنچے۔ پہلی دفعہ پہلی اور دوسری دفعہ دوسری غزل۔ جیسی کچھ اس میں جان تھی میں نے نمک مرچ لگا دیا۔ یہ میرا شعار نہیں ہے کہ شاگرد کے اصلی خیالات کو بالکل بدل دوں اور نہ اس اصلاح کا نام اصلاح ہے۔ اگر یہ اشعار فی نفسہ آپ کی جدت طبع کا نتیجہ ہیں تو جس پایہ کے ہیں ان کی اتنی داد ضرور ملے گی۔ اس سے زیادہ میرے بس کا روگ نہیں بیشک آپ کا گمان صحیح ہے وہ پنسل سے لکھا ہوا مطلع اور مقطع نہ تو میرا ہے نہ میری طرف سے دیا گیا ہے۔ یہ میاں خلیق کی کارستانی معلوم ہوتی ہے یہ شخص بے حد حریص معلوم ہوتا ہے اور اس کا دہان طمع ہزار شعر مل جانے پر بھی نہیں بند ہوتا۔ بس وہ شعر انہوں نے اپنی طرف سے لکھ دیئے اور آپ کے دو شعر خود لے کر انہیں قلمزد کر دیا ہوگا۔ تعداد بھی پوری ہوگئی اور کام کا کام بن گیا۔ آپ مشاعرے میں جانے سے ایک دن قبل مجھ سے ضرور مل لیں اور جلسے کے روز تو ہم اور آپ ساتھ ہی چلیں گے۔

افسر الشعرا ۔ ۲۱/ فروری ۔ راحت منزل دلی۔

---

(۶)

مرزا آغا آفتاب علی (فرزند آغا صاحب)

برخوردار آفتاب علی طول عمرہ!

بعد دعائے درازی عمر و ازدیاد اقبال کے بعد مطالعہ کرو کہ بتاریخ ۱۰/ صبح کی گاڑی سے میں ضعیف و ناتوان نروانہ اسٹیشن پر اترا۔ کیتھل جانے والے مسافر یہیں سے دوسری گاڑی میں سوار ہوتے ہیں۔ اسی امید پر میں بھی اترا تھا مگر میری تقدیر سے کیتھل کا عمل درآمد اب بند ہو چکا تھا۔ چنانچہ اسٹیشن سے باہر جاتے ہی معلوم ہو گیا کہ آج صبح چار بجے تک کوئی گاڑی یہاں سے کیتھل نہیں جائے گی۔ اب نہ اوڑھنا نہ بچھونا، کڑکڑاتے جاڑے کا موسم اور میں تنہا بے پناہ، محض خدا کے رحم پر جنگل بیابان میں کھڑا ہوں۔ یہ پہلی بھول ہوئی۔ دوسری غلطی سنو کہ جس ہینڈ بیگ میں میرا توشہ بھروسہ ضروریات اور پانوں کی ڈبیہ اور کچھ کاغذات تھے اس کی کنجی وہیں گھر پر رہ گئی تھی۔ یہ بھول نمبر دو ہوئی۔ تیسری مشکل یہ کہ اس گاؤں گنوریں میں نہ یار نہ آشنا۔ کل صبح چار بجے تک ٹھہروں تو کہاں؟ پہلے سے کوئی ٹھکانہ کیوں نہ کر لیا۔ یہ بھول نمبر تین۔ آخر تن بہ تقدیر اپنے کو خدا کے حوالے کیا اور ایک احاطے میں جا کھڑا ہوا۔ یہیں قضائے الٰہی سے ایک تھانیدار صاحب آنکلے۔ مجھ سے پوچھا تم کون؟ عرض کیا مسافر جس کا گھر نہ در۔ معاً بیچارے نے خوف خدا کھایا اور کمبل اور ہینڈ بیگ اٹھوا کر مجھے تھانے میں لے گیا۔ دن بھر اور ساری رات نہایت آرام لیا۔ اب کل صبح کو یہاں سے کیتھل جانے کا قصد رکھتا ہوں۔ جیتے بچے تو پھر ملیں گے۔

راقم: تمہارا ضعیف باپ ۔ ۱۱/ اپریل ۔ نروانہ ضلع رہتک

(۷)

بنام سکریٹری آل انڈیا مشاعرہ کانفرنس

بندہ نواز!

سلام مسنون - یاد آوری کا شکریہ - مزید شکریہ اس جلیل القدر انجمن کا جس کے اراکین نے اس ہیچ کارہ کو اس کے لائق تصور فرمایا، ورنہ در اصل بسبب ہجوم افکار و مسلسل علالت کے یہ فقیر اس قابل نہیں کہ کسی جلسے یا انجمن میں بیٹھ تبادلہ خیالات کر سکے۔ دوسرے علیل آدمی کی رائے بھی علیل ہوتی ہے۔ اس لئے بوجوہ بالا نہایت ضروری ہے کہ آپ نام فہرست شرکائے انجمن سے یک لخت قلمزن فرماویں - میری حقیقی ترجمانی میرے اس پارۂ دل سے ہو سکتی ہے جسے برأت کے لئے پیش کرتا ہوں ؎

زہر کے گھونٹ پی رہے ہیں ہم　　سانس لیتے ہیں جی رہے ہیں ہم

عاجز: افسر الشعرا - ۱۶ دسمبر - جمیس اسکنرز گارڈن - دلی

(۸)

بنام سکریٹری آل انڈیا اُردو کانفرنس

صاحب من تسلیم ؎

اشک خوں رنگ لئے جاتا ہے　　داغ اپنے بجائے جاتا ہے

آپ کی بھی وہی مثل ہے، مان نہ مان میں تیرا مہمان - میں برابر عرض کر رہا ہوں کہ میری حالت قابل رحم ہے۔ نقل و حرکت کی بھی زیادہ مکنت نہیں اور آپ فرماتے ہیں اغراض و مقاصد جلسہ پیش کئے جاتے ہیں ضرور شرکت فرمائیے الامر فوق الادب سمجھ کر اتنا وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بد نصیب اور مضمحل طبیعت نے یاری دی تو آخری اجلاس ۲۹ دسمبر والے آخر وقت حاضر ہونے کی کوشش کروں گا - بشرطیکہ اللہ تعالیٰ نے چاہا اور زندگی نے وفا کی۔

عاجز: افسر الشعرا - ۱۷ دسمبر - جمیس اسکنرز گارڈن - دلی

(۹)

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد　　وبہ نستعین

سرکار معظم! قدر دان نقد سخن مدظلہ العالی!

تسلیم - بصد تکریم - اک عرصے سے صحت وری مزاج کے مژدہ سے محروم ہوں - میں "شراب العاشقین" یعنی ترجمہ رباعیات حکیم عمر خیام نیشاپوری کو رباعی کا جواب رباعی میں اسی نوعیت سے، تین برس کامل خون جگر ٹپکا کر پورا کیا ہے۔ اگر یہ چیز میری زندگی میں چھپ گئی تو حضور ملاحظہ فرمائیں گے کہ اُردو لٹریچر میں روح پھونک دی گئی ہے - مگر ۔ رباعیوں کا ڈوپلیکیٹ ۱۶۰۰ ہونا ہے - اس نا قدرے زمانے میں کوئی علمی امداد کرنے والا بھی نہیں - خیر خدا ہمت توڑ کی ہے اللہ تعالیٰ مددگار ہے - ہز ہائنس نواب خیرپور سندھ دام اقبالہ نے تو ایک رقم عطا فرما دی جس -

کام شروع کر دیا ہے۔ کیا اس علمی امداد کے لئے میں حضور سے بھی عرض کروں کہ جلد سے جلد جو حضور پسند فرمائیں کچھ دستِ کرم کو جنبش دے سکیں۔ دیکھئے فردوسی فرماتا ہے ؎

فریدون فرخ فرشتہ نبود ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود

ز جود و کرم یافت این نیکوی تو جود و کرم کن فریدوں توی

عالیجاہا! یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس زمانے میں ایسی علمی مراسلت کی کس کو غرض پڑی ہے مگر ہندوستان میں آپ ہی جیسی قدر شناس چند ہستیاں لے دے کر رہ گئیں۔ اگر انہی سے نہ عرض کیا جائے تو برائے خدا بتا دیجئے کہ ان جواہر پاروں کو ہم لوگ کہاں لے جائیں؟

ہم لوگ چراغِ سحر ہیں۔ چند روز کے بعد یہ بیکار ہستیاں بھی اٹھ جائیں گی۔ پھر نہ یہ چیز ہو گی نہ گاہک۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون!

نمونہ کے طور پر صرف ایک رباعی کا ترجمہ حاضر ہے۔ آپ کو قسم ہے اپنے مرتبہ اور عزت کی، ایک نظر سے ضرور ملاحظہ فرما لیں۔ بس کم و بیش ۱۰۰۰ رباعیوں کا ترجمہ اسی شان سے ہے۔ انصاف آپ ہی پر موقوف ہے۔

حکیم خیام نیشاپوری

آمد سحرے ندا ز میخانۂ ما کاے رند خراباتی دیوانۂ ما

برخیز کہ پر کنیم پیمانہ ز مے زاں پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما

افسر الشعراء

آئی یہ ندا صبح کو میخانے سے اے رند خراباتی و دیوانے سے (لمعنی مانند)

اٹھ جلد بھریں شراب سے ساغر ہم کم بخت چھلک جائے نہ پیمانے سے

سرکار والا! عند اللہ انصاف کریں اگر یہ چیز خدانخواستہ نہ چھپی اور میں مر گیا تو پھر تین برس کا مل جو راتیں کالی کی ہیں وہ اکارت ہی گئیں نا۔ اس لئے جبر نہیں کرتی قرضہ نہیں۔ اگر سرکار اس علمی امداد کو حیاتِ جاودانی خیال فرما سکیں تو سب سے پہلی فرصت میں جو کچھ امداد ہو سکے بذریعہ تار کرامت فرما دیں۔ و ما علینا الا البلاغ!

عاجز کمترین چراغ سحر افسر الشعرا قزلباش دہلوی۔ جھالرا پاٹن راجپوتانہ

(۱۰)

بنام [illegible] حسین غبار

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر

بھائی غبار!

سلام مسنون۔ آپ غبار ہیں اور ہم خاکسار۔ آپ کے تخلص ہی سے ڈر لگتا ہے۔ بھلا جہاں آپ جیسے مستندِ روزگار موجود ہوں وہاں ہم جیسے بے سواد ناچیز لوگوں کے لئے کلمۂ خیر کہنے والا کون ہو سکتا ہے۔ بھائی جان! آپ کے اعتراض وارد کرنے

پر بے اختیار مجھے ہنسی آگئی۔ کیونکہ آپ لوگ وہ ہیں جو نہ خود عمر بھر ترقی کر سکے اور نہ دوسروں کو بلند مرتبہ دیکھ کر خوش ہو سکے لہٰ بھلا ایسی کیا اور میرا کلام کیا۔ چراغِ سرِ رہگذار ہوں خدا جانے کس وقت صرصرِ اجل کا ایک جھونکا آئے گا اور میں خاموش۔

حکیم خیام کی وہ پہلی ہی رُباعی جس کے ترجمے پر تمام دنیائے ادب سنے سر دُھنا ہے اس کے دوسرے مصرع 'دیوانے سے' کو آنکھ دکھاتے ہیں۔ حالانکہ آپ غبار ہیں۔ پہلے آپ وہ نظر تو پیدا کیجئے جو 'دیوانے سے' کی خوبی کو دیکھ سکے اب رہا چوتھا مصرعہ، وہ آپ کی سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ بھلا جس شخص نے ایک ہزار رباعیوں کو ہزار ہزار دفعہ جانچا ہوگا، ہر فارسی کے مطبوعات سے ٹکرایا ہوگا، چار برس کامل آنکھوں کا تیل اور جگر کا خون ٹپکایا ہوگا، ذرا آپ ہی انصاف کریں وہ زبان کے معنی نہیں سمجھتا۔

مگر بھائی جان یہ وہ ترجمہ نہیں ہے جو مکتب کے ملّا نے کہتے ہیں:

"سعدی گوئے بلاغت ربود"

سعدی گیند بلا کی۔ غنزبود لفظ عربی ہے' آگے چل۔ یا مکھی پر مکھی ماردی۔ خیر صاحب من! مرا بخیر تو امید نیست بد مرسان۔ اگر مشیت ایزدی شاملِ حال ہے اور عمر نے وفا کی تو یہ منظوم ترجمہ چھپ جائے گا۔ اس وقت جو اہلِ نظر اس پر ریویو کریں گے وہ سرکار عالیجاہ کے ملاحظہ کے لئے ضرور بھیج دئے جائیں گے ورنہ خیر دل شکنی یہاں کسی کی روا نہیں۔ آپ ناخوش ہیں؟ اچھا فقیر معافی چاہتا ہے[1]۔

کے فرانم دید ساقی جام صہبا بشکند
مے پرد رنگم صبائے گر بدریا بشکند

راقم: عاجز بے سواد غریب آغا شاعر۔ جھالرا پاٹن (راجپوتانہ)

---

[1] آغا شاعر کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مہاراجہ کشن پرشاد کے سکرٹری صادق حسین غبار نے ان کے ترجمہ رباعیاتِ عمر خیام میں کچھ عیب نکالے تھے جن کی بنا پر مہاراجہ نے ان کو امید افزا جواب نہیں دیا۔ اس لئے انہوں نے غبار صاحب کو براہِ راست مخاطب کیا ہے۔

ظفر الملک

(۱)

سید افتخار عالم صاحب

مخدوم و مکرم بندہ! زاد مجدکم

تسلیم مع التکریم۔ میرے سابقہ عریضہ کا جواب اگرچہ نہیں آیا ہے لیکن چونکہ یاد دہانی کرتے رہنا میرا فرض ہے اس لئے میں اپنی طرف سے کوتاہی نہ کروں گا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ وطن تشریف لے گئے تھے اور چند ہی روز ہوئے کہ واپس آئے ہیں مجھے آپ کے کریمانہ اخلاق سے امید ہے کہ آپ نے اپنے قیام وطن کے زمانے میں اپنے بھائی صاحب سے الناظر کی قلمی اعانت کے لئے خاص طور پر تحریک کی ہوگی اور اس کا نتیجہ جلد ظاہر ہوگا۔ میرے عریضے کا وہاں سے کچھ جواب نہیں آیا جس پر تعجب اور افسوس دونوں ظاہر کرنے کو جی چاہتا ہے شاید مولانا مخدوم عالم صاحب مصروف کار زیادہ رہتے ہیں اس لئے جواب خطوط کی مہلت نہیں ملتی۔ بہرحال میں ان کو دوبارہ اس طرف متوجہ کروں گا اور امید ہے کہ آپ کی زبانی تحریک اور میری یاد دہانی دونوں مل کر مفید اثر پیدا کریں گی۔ آپ نے میں نے سنا ہے کہ اپنے عہدے سے دست برداری حاصل کرنے کا تہیہ کیا ہے جو یقیناً نہایت رنجدہ اور ملول کن ہوگا اور جس کی مجھے آپ کے سے روشن خیال بزرگ سے امید نہ تھی۔ مولانا "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" آپ ان بزرگوں میں ہیں جو قومی خرابیوں اور قومی زوال کے اسباب پر نظر رکھتے ہیں آپ کے دل میں قوم کا درد بھی ہے اور اس درد کے علاج کی دوا بھی آپ کو معلوم ہے۔ آپ کو میرے رسالے کے ساتھ اس قدر ہمدردی بھی تھی کہ قبلہ و کعبہ منشی احمد علی شوق مدظلہ العالی کے دل کو میری طرف سے صاف کرنے اور الناظر کی طرف متوجہ کرنے میں میری اعانت فرمائی جس کا میں بدل ممنون و شکر گذار ہوں۔ آپ نے نہایت کریم النفسی سے خود بھی الناظر کی قلمی اعانت فرمانے کا وعدہ کیا، اپنے بھائی صاحب کو بھی تحریک کی اور مولانا مظہر الحسن صاحب سے بھی تائید کرتے رہنے کا قصد ظاہر کیا تھا مگر مقام تعجب ہے کہ جو خبر مجھے حال میں ملی ہے وہ ان تمام باتوں کے مخالف یہ ظاہر کرتی ہے کہ آپ صرف مجھے ناامید ہی نہیں بنانا چاہتے بلکہ آپ ذریعہ بننے والے ہیں جناب قبلہ و کعبہ کی الناظر سے دوبارہ علیحدگی اور بے تعلقی کا۔ اگرچہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جناب قبلہ و کعبہ کا یہ خیال کسی طرح حق بجانب نہیں کہا جاسکتا اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کو ایسی سخت شرائط لگانا زیبا ہیں تاہم محض اس وجہ سے کہ وہ میرے بزرگ ہیں میں ان [illegible] کام کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور رہوں۔ لیکن میں آپ سے

خاطر خواہ زیر باری بھی ہوتی ہے اور وقت و فکر کا بھی صرفہ رہتا ہے مگر کیا کیا جائے۔ بہرحال میں شکر ہے کہ اگر اس سے بہتر حالت ہو تو کیا کر سکتے ہیں۔ نور الرحمٰن صاحب کو سلام مسنون۔

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۲ جنوری ۱۹۲۳ء

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ الحمد للہ اب گھر میں سب لوگ خیریت سے ہیں۔ سلسلۂ علالت کی ایک کڑی اگرچہ باقی ہے یعنی میں خود کئی دن سے شدید نزلہ میں مبتلا ہوں مگر امید ہے کہ یہ عارضی ثابت ہو اور واقعی اس کے بعد وا سے بالکلیہ نجات مل جائے۔ داؤد سلمہٗ قرآن شریف حفظ کر رہا ہے ۸ پارے ہو چکے ہیں۔ غریب بیماریوں کی وجہ سے کئی سال سے لٹک رہا ہے ورنہ کب کا حافظ ہو جاتا۔ جب تک اس سے فراغت نہ پا سکے اور کوئی سلسلۂ تعلیم نہیں شروع کرایا جا سکتا۔ ضعیف و ناتواں اس قدر ہے کہ زیادہ محنت کا متحمل نہیں۔ بہرحال ابھی تو دسواں سال ہے اس لئے زیادہ فکر نہیں اور چونکہ انگریزی کی تعلیم دلانا مقصود نہیں اس لئے امید ہے کہ اس مرحلہ سے نکل کر چند سال میں علوم عربیہ کی تکمیل کر لے گا اور ساتھ ہی ساتھ میں خود اسے انشاء اللہ اردو پڑھاؤں گا نیز مراسلت کرنے بھر کی انگریزی تاکہ کاروبار کو سنبھالنے کی اہلیت آ جائے باقی اللہ کی جو مرضی ہو۔

تازہ الناظر بھیجا جاتا ہے۔ مشورہ اور مضامین دونوں سے سرفراز فرمائیں۔ مطبوعات الناظر کسی قدر کم تعداد میں بھیجی جاتی ہیں میرے پاس مال زیادہ نہیں ہے اور اس وقت کئی جگہ سے تبادلہ کی معاملت در پیش ہے۔ نیز سابقہ تجربہ کی بنا پر امید نہیں کہ جو مال بھیجا جاتا ہے اسے بھی آپ ایک سال کے اندر ختم کر سکیں گے۔ بہرحال جب حاجت ہو تو اور بھیج دیا جائے گا۔ بلٹی ملفوف ہے اور فہرست کتب مرسلہ بھی۔

علی گڑھ کی حاضری کا قصد ضرور ہے۔ جامعہ کے کانووکیشن میں مجھ جیسے بے کار و بے مایہ کو کون پوچھتا ہے۔ وہاں لیڈروں کی ضرورت ہے البتہ اپنے طور پر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ خواہ مخواہ میرے لئے ایک دعوتی خط روانہ کرا دیں۔ میں اپنی فرصت دیکھ کر ہی یہاں سے ہٹ سکتا ہوں۔ آج کل تو بہت سے کام میری ذاتی توجہ کے محتاج ہیں۔ سب سے زیادہ اہم الناظر بک ایجنسی کی فہرست مرتب کرنے کا کام ہے۔ فہرست سابقہ ختم ہو گئی اور بغیر میرے فہرست مرتب ہو کر چھپ نہیں سکتی۔ کتابوں کی رسید سے مطلع فرمائیے۔

خاکسار: ظفر الملک۔ الناظر بک ایجنسی لکھنؤ ۱۱ جنوری ۱۹۲۳ء

(۴)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ معہ مجیبی صاحب کی تحریر کے وصول ہو گیا تھا۔ میں اب عذر لنگ سے نجات پا گیا ہوں اس لئے

ایک دن کے لئے سفر بھی کر آیا۔

الیاس مجیبی صاحب کا بیان ابھی خود تصدیق طلب ہے۔ صنمخانۂ عشق یا مرآۃ الغیب میں مجھے تو کہیں یہ شعر ملا نہیں۔ ان کے پاس جو نسخہ ہے اس میں شاید ہو۔ از راہِ کرم دریافت فرمائیے کہ نسخہ کس مطبع کا ہے اور کس سنہ کا چھپا ہوا، نیز کس صفحہ پر یہ شعر ہے۔ مجھے تو اس ردیف و قافیہ میں منشی امیر احمد صاحب کی کوئی غزل نہیں نظر آئی۔ خدا معلوم یہ شعر کہاں سے آ گیا۔ غازی آباد میں کہیں دو دیوانِ امیر ہوں تو آپ بھی جانچ کر لیں۔ فلسفۂ سزا والے مضمون کو اب انشاء اللہ زمانہ کے مضمون سے ملا کر دیکھ سکوں گا۔

مارچ کا الناظر امید ہے کہ مل گیا ہوگا۔ اگر کاتب صاحب اچھے رہے تو کوشش ہوگی کہ اپریل نمبر ۲۰ تک مکمل ہو جائے اور اگر دہلی اور لاہور کی تقسیم (؟) گئی تو نہیں کہہ سکتا کہ کیا حشر ہو۔ مارچ کے الناظر میں زمیندار کے متعلق مراسلہ درج ہونے سے رہ گیا تھا۔ فہرست مضامین مرتب ہو جانے کے بعد خیال آیا تو اپنے نوٹ میں آپ کی تحریر کا ضروری حصہ لے لیا۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۱۴ مارچ ۱۹۳۰ء

(۵)

بنام مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی

مکرمی!

سلام مسنون۔ مرسلہ کتابیں ایسے وقت پہنچیں کہ میں وطن گیا ہوا تھا۔ غالباً دو ہی گھنٹے بعد واپسی ہوتی۔ خیال تھا کہ آپ یونیورسٹی ہوسٹل میں اطمینان سے پہنچ جائیں گے تو پھر تشریف لائیں گے۔ اب گرامی نامے سے معلوم ہوا کہ آپ نے داخلہ نہیں کرایا اور قانون پڑھنے کا خیال فی الحال ترک کر کے وطن گئے۔ خیر انشاء اللہ بریلی ہی میں ملاقات ہوگی۔

میں نے الناظر نکال دیا ہے۔ ایک پرچہ ملاحظہ کے لئے ارسالِ خدمت ہے۔ انشاء اللہ اگست نمبر جو زیرِ طبع ہے آپ کی کتاب کا بھی اشتہار نکلے گا۔

آپ کی کتاب پر انقلاب میں جو طولانی تبصرہ نکلا ہے وہ بھی ملاحظہ سے گذرا۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ الناظر ایجنسی لکھنؤ۔ ۱۱ اگست ۱۹۴۲ء

(۶)

بسم اللہ

بنام جلیل قدوائی صاحب

مکرمی!

سلام مسنون۔ کارڈ ملا۔ اس سے قبل ہی اخبارات سے آپ کے تقرر کی اطلاع مل گئی تھی۔ پھر مولانا سید سلیمان سے ملاقات ہوئی اور حالات معلوم ہوئے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی مراد پوری ہو گئی اور آپ دفتری جھنجھٹ سے نجات پا گئے۔ دعا ہے کہ نئی خدمت سے جو آپ کے ذوق کے مطابق ہے آپ خود بھی پوری طرح مستفید ہوں اور طلبہ کو آپ سے پورا نفع حاصل ہو۔ معلم کا پیشہ بہت معزز اور ذمہ داری کا ہے۔ اگر آپ پوری فرض شناسی کے ساتھ کام کریں گے تو خدا بھی راضی ہوگا اور مخلوق بھی خوش رہے گی۔ معلم کو اپنے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش رکھنا چاہئے اور اپنے علم کو ترقی دینے کے ساتھ ساتھ اخلاص اور

روحانیت سے مستفید ہونا چاہئے ورنہ محض خانہ پُری ہو جاتی ہے۔

بُرا نہ مانئے گا میں نے آپ کے نانا کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے اس لئے میں آپ کو مثل اپنے عزیزوں کے سمجھ لوں اور اس لئے نصیحت کرنے میں تامل نہیں کرتا۔

آپ اب پروفیسر کی کرسی پر بیٹھیں گے۔ طلبہ کو صرف الفاظ اور جملوں کے معانی، اشعار اور نکات زبان ہی آپ سے نہیں سیکھنا ہیں بلکہ اپنی آئندہ زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے انسانیت کا سبق بھی آپ ہی سے لینا چاہئے۔ آپ کی گفتگو آپ کے کردار آپ کے خیالات اور آپ کی چال ڈھال ہر چیز کا اثر طلبہ پر ہوگا اور ہونا چاہئے۔ اس لئے کوشش کیجئے کہ آپ اخلاق اور انسانیت میں ان کے روبرو اعلیٰ نمونہ پیش کریں اور یہ اس وقت ممکن ہے جب آپ ہر وقت خود اپنی حالت پر نظر رکھیں۔

اچھا اب اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ ترقی کی خوشی میں مٹھائی تو وہی لوگ کھائیں گے جو علی گڈھ میں موجود ہیں یا پہنچ جائیں۔

مجھے تو آپ فی الحال ایک عمدہ سا مضمون ارسال کیجئے۔

اگست کا انتظار رہا ہے۔ انشاء اللہ کل یا پرسوں روانہ ہوگا۔ ستمبر نمبر کے لئے آپ کا مضمون اسی ماہ کے اندر آ جانا چاہئے مضمون آئے، عذرات کی ضرورت نہیں۔ گرمی ہو یا ہیضہ، کام کی کثرت ہو یا احباب کی دعوتیں، مضمون نگاری میں کسی کو حائل نہ ہونا چاہئے۔ دیکھوں آپ کو ادبیات میں ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد افسانہ نگاری ترک کر کے کیسا مضمون لکھنا آیا۔ والسلام۔

خاکسار: ظفر الملک۔ یکشنبہ ۱۹ ر اگست ۱۹۳۴ء

(۷)

<u>بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد</u>

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ اور دونوں مضامین وصول ہوئے۔ بہار پر ریویو انشاء اللہ دسمبر نمبر میں نکل جائے گا اور افسانہ کو۔ افسانہ میں کہیں کہیں لفظی ترمیم کی ضرورت ہوگی۔ "دھوپ لگانا" اچھا نہیں معلوم ہوتا بلکہ ایسے موقعوں پر دھوپ دکھانا لکھتے ہیں۔ افسانہ میں ایک سقم اور ہے۔ معلوم نہیں اصل میں تھا یا ترجمہ میں ہو گیا ہے۔ نرنجن پور کے کیلاش بابو پہلے کلکتہ میں بغیر ملازم کے تھے پھر دفعتہً گنیش ملازم سامنے آتا ہے اور آخر تک اس کا ذکر ہوتا ہے اس لئے ابتدائی جملوں کو بدلنا ہوگا۔

آپ ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں۔ غلطیاں ہو جانا ذرا تعجب انگیز نہیں ہے اور آپ اس سے ہرگز بددل نہ ہوں۔ جتنے مشاہیر انشاپرداز ہیں ان کی تصانیف میں اب تک غلطیاں موجود ہیں۔ مولانا شبلی خود ایک موقع پر حیدر آباد میں ذکر کرتے تھے کہ جب ان کی کتاب الفاروق چھپی تو مولوی عزیز مرزا مرحوم نے اس میں صدہا زبان کی غلطیاں نکالیں اور ساری کتاب کو سرخ نشانوں سے رنگ دیا۔ اتفاق سے وہ نسخہ مولوی صاحب کو ملا۔

عبدالماجد صاحب مدت سے الناظر میں لکھتے ہیں اور اس وقت بہترین لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کی ابتدائی تحریروں میں بار ہا میں نے تصرف کیا ہے اور میں خود جو کچھ لکھتا ہوں سال دو سال بعد دیکھتا ہوں تو اس میں بہت سی غلطیاں نظر آتی ہیں۔

باقی رفتہ رفتہ جب مشق بڑھے گی تو غلطیاں خود بخود کم ہوتی جائیں گی۔ اردو ہماری مادری زبان ضرور ہے مگر بغیر کافی محنت کے مادری زبان بھی کافی عبور نہیں ہوتا اور جو لوگ ایسے حصوں میں رہتے ہیں جہاں کی زبان دوسرے اثرات کی بنا پر بگڑی ہوتی ہے اسے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ بغیر وسیع مطالعہ اور پوری مشق کے صحت کے ساتھ لکھ سکیں گے۔

لکھنؤ بھی اب وہ لکھنؤ نہیں رہا جو کسی زمانہ میں تھا۔ پھر بھی ہندوستان بھر میں اب بھی یہی ایک ایسی جگہ باقی ہے جہاں کے بہت سے عوام تک شستہ اردو بولتے ہیں۔ میرے ایک دوست ہیں سید ہاشمی فرید آبادی، ۱۹۱۶ء میں اردو کانفرنس کے سلسلہ میں یہاں کچھ دن قیام ہوا اور جس مکان میں میرا دفتر ہے اسی میں رہتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ پورا مکان میرے قبضہ میں نہ تھا، بلکہ ایک حصہ میں مالک مکان کا کارخانہ تارکشی تھا۔ دن بھر لوگ تارکشی میں مصروف رہتے تھے اور شام کو چلے جاتے تھے۔ ان تارکشوں کے پاس وقتاً فوقتاً باہر کے لوگ بھی آتے رہتے تھے اور کام روک کر وہ آپس میں بھی بات چیت کرتے رہتے تھے۔ سید ہاشمی مجھ سے کہا کہا کرتے تھے کہ ایسی شستہ اور شیریں گفتگو میں نے عمر بھر کبھی نہیں سنی۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ لکھنؤ کے رہنے والوں کو کتنی آسانی ہے۔ اس پر بھی حالت یہ ہے کہ گنتی کے چند آدمیوں کے سوا یہاں کوئی نثر لکھنا نہیں جانتا۔ اچھے اچھے خاندانی لوگ اگر کوئی عبارت لکھتے ہیں تو وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ چھپے۔ اس لئے کہ لکھتے وقت بولنے والی زبان گونگی ہو جاتی ہے اور مشق نہ ہونے کی وجہ سے قلم نہیں چلتا۔

میں اپنے مخصوص احباب سے متوقع رہتا ہوں کہ جہاں کہیں میرا قلم لغزش کھائے پرچہ دیکھنے کے بعد فوراً مطلع کر دیا کریں اور اس بات کے ظاہر کرنے میں تامل نہیں کہ اس طرح پر بہت سی لغزشوں سے آگاہی حاصل ہوئی اور ہوتی رہتی ہے۔ جہاں انسان کے دل میں یہ غرہ پیدا ہوا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں اور ہم سے غلطی نہیں ہو سکتی، وہیں ترقی رک جاتی ہے اور یہ ایسا عیب ہے جو شاعروں اور ادیبوں میں بہت عام ہے۔

قرطاس ابیض پر آپ جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں ضرور لکھیں۔ آج تو منتخبہ کمیٹی کی رپورٹ بھی شائع ہو رہی ہے اسے بھی دیکھ لیجئے۔ اگر آپ کے مضمون سے لوگوں کو اس امر کے صحیح اندازہ کا موقع ملے کہ موجودہ حالات کیا ہیں اور جدید سفارشات کے بعد صورت حال کیا ہوگی تو بہت کارآمد ہوگا۔ حجم ضرور بڑھ جائے گا۔ خیر ایک نمبر کے بجائے کئی نمبروں میں اشاعت ہو جائے گی۔

سمجھناک اور سمجھدار ترکیب میں یکساں تھا۔ جس طرح سمجھدار کو غلط العام قرار دے کر رواج دے دیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ سمجھناک بھی رائج نہ کیا جا سکے۔ خصوصاً مزاح میں اگر ساتھ ذہنیہ کا مفہوم ظاہر کرنا منظور ہو۔ عام طور پر یہ لفظ مستعمل نہیں اس لئے نوٹ لکھ دیا گیا تھا۔

مثنویوں کے پرچے میں نے دیکھے نہیں۔ صرف ...... ان کا ذکر دیکھا اور آپ کی اطلاع کیلئے ذکر کر دیا تھا کہ مزید تلاش کا خیال رہے۔

آزادی والا ملکہ سابق کے مسودات میں نکلا۔ مترجم نے حوالہ نہیں دیا تھا یا دیا ہو تو وہ مسودہ میں نمایاں نہ تھا۔

ڈاکٹر نعیم الحق صاحب کو وی۔ پی بھیجا جا رہا ہے۔ نومبر نمبر تیاری کے قریب ہے اگر آج شب برات نہ ہوتی تو آج ہی مکمل ہو جاتا۔ اب ذرا دیر لگے گی اس لئے کہ میں بضرورت باہر جا رہا ہوں اور شاید میری واپسی سے قبل پرچہ نہ روانہ ہو سکے۔ والسلام!

خاکسار، ظفر الملک۔ لکھنؤ ۲۴ر نومبر ۱۹۴۳ء

(۸)

بنام منشی محمد الدین فوق

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ مورخہ ۳۰ اگست وصول ہوا۔ آپ کا نام اور مجھے فراموش ہو جائے۔ آپ نے بھی کمال کر دیا۔ الناظر کے حال ہی کے ایک پرچہ میں آپ کا ذکر خیر کیا گیا تھا۔ البتہ عرصہ سے آپ کے حالات سے بے خبری کی وجہ سے میں نے قیاس کیا تھا کہ آپ معلوم ہوتا ہے جدید تغیرات کے لحاظ سے اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے اور وہیں مقیم ہیں۔

گذشتہ سال ایک ہفتہ لاہور میں گذرا اور اب کے سال دوبار لاہور گیا۔ اگست کے دوسرے ہفتے میں وہیں تھا۔ دو دفعہ شیرانوالہ دروازہ تک جانا ہوا ایک بار مولوی فیروز الدین کے مطبع اور دوسری بار مولوی احمد علی صاحب کے یہاں۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ وہاں کہیں ہیں تو میں ضرور حاضر ہو کر قدم بوسی حاصل کرتا۔

معلوم ہوتا ہے پیرانہ سالی کی وجہ سے آپ عملی کاموں سے دست کش ہو گئے ہیں یا اور کوئی سبب ہوگا۔ بہرحال میں آپ کی ذات کو غنیمت میں سمجھتا ہوں اور متمنی ہوں کہ جلد لاہور حاضر ہونے کا موقع نکلے تو خدمت والا میں حاضری کا شرف حاصل کر سکوں۔

خاکسار: ظفر الملک دفتر رسالہ الناظر لکھنؤ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء

---

(۹)

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ مع مضمون کے وصول ہوا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ گذشتہ نمبر میں ایڈورڈ ہشتم کے متعلق لکھوں گا مگر دیگر مباحث نے موقع نہ چھوڑا۔ آپ کی توقع کے شاید خلاف میں آپ کے خیالات سے بالکل متفق ہوں۔ البتہ بادشاہ سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار ذرا زیادہ تیز لہجہ میں کرنا چاہتا تھا تاکہ برطانوی حکومت نے جو ڈھونگ کھڑا کر رکھا ہے اس کا پول ظاہر ہو اور اہل ہند پر جو رعب جما رکھا ہے وہ زائل ہو جائے۔ ایک (اودھ) رسالہ کے مضمون میں یہ خیالات تو نہیں مگر کم سے کم اپنا خیال تو پیش ہی کر دینا چاہئے آپ نے ماسبق سب باتیں لکھ دی ہیں البتہ لہجہ ذرا نرم ہے۔ ماشاءاللہ آپ کے اشعار بہت خوب ہیں ؎

سعیٔ ناکامیاب کو اکثر — گردشِ روزگار کہتے ہیں

خوب کہا ہے۔

آجکل میں الیکشن کے جھگڑے میں پھنسا ہوا ہوں۔ الناظر لکھا جا رہا ہے اور امید ہے کہ اس جھگڑے سے فارغ ہونے کے بعد اس کی تکمیل ہو سکے گی۔ آپ کا مضمون ان شاءاللہ اسی جنوری نمبر میں شائع ہو جائے گا۔ ایک صاحب کی نظم بھی اسی موضوع پر آئی رکھی ہے۔ دونوں ساتھ نکلیں گے۔ امید ہے کہ آپ بخیریت سے ہوں گے۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک لکھنؤ ۳۰ جنوری ۱۹۳۷ء

(۱۰)

اظہار الحسن صاحب، وکیل غازی آباد

مکرم!

سلام مسنون۔ میں انتخاب کے سلسلے میں باہر گیا ہوا تھا۔ واپس آکر گرامی نامہ دیکھا۔ کلام رسا کی جو قسط آپ نے ارسال فرمائی ہے وہ ایک پرچے کے لئے کافی ہے بلکہ غالباً آخری غزل درج ہونے سے رہ جائے۔ ۸ صفحے دیئے جائیں گے اور ہر صفحہ میں ۲۵ سطریں ہوتی ہیں یعنی مجموعاً ۲۰۰ سطریں ہر قسط میں آئیں گی۔ آپ آہستہ آہستہ یوں ہی سلسلہ وار نقل کر کے بھیجتے جائیں غزلیات کے بعد قصیدہ، قطعات، وغیرہ شامل کر دیجئے گا۔

آپ نے جو حالات لکھے ہیں وہ میرے نوٹ کے لئے کافی ہوں گے۔ باقی جب آپ دیباچہ لکھیں تو اس میں زیادہ مرتب صورت میں حالات بھی درج کر دیجئے گا۔ میں تو صرف اشارات سے کام لوں گا۔

نام فی الحال کلام رسا تجویز کرتا ہوں تاکہ بعد کو مزید کلام مل جائے تو دیوان رسا چھپ سکے اور اگر ۱۳۶۰ھ میں یعنی اب سے ۱۲ سال بعد طباعت ہو تو جذبات رسا تاریخی نام ہو جائے۔

انتخاب سے کل پرسوں تک فارغ ہوتے ہی جنوری نمبر کی طباعت کا کام شروع ہو جائے گا تاکہ اسی فروری میں پرچہ نکل جائے۔ آپ دوسری قسط اس ماہ کے آخر تک ارسال فرما دیں بلکہ ہو سکے تو سارا کلام مرتب کر کے بھیج دیں تاکہ اطمینان سے سب کی کتابت ہو جائے۔ ممکن ہے کہ پرچہ کی اشاعت کو وقت پر لانے کے لئے پھر ایک دہرا نمبر نکالنا پڑے گو عنقریب ہی مدح صحابہؓ کے متعلق گورنمنٹ کی جانب سے فیصلہ ہونے والی ہے اور نہیں کہہ سکتا کہ اس سلسلہ میں میرے سر کتنے کام ہوں گے۔ اور ان کی اشاعت میں کیا بدنظمی واقع ہو گی۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۱)

مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

مکرمی!

سلام مسنون۔ چونکہ جنوری، فروری کا مشترکہ نمبر نکالنے کا تہیہ کرنا پڑا اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ حضرت رسا کے تقریباً ۴۰۰ اشعار اور عنایت فرما دیجئے تاکہ ۸ کے بجائے ۱۶ صفحے درج ہو سکیں۔

زحمت تو ہو گی جس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں مگر زیادہ دقت ہو تو پچھلے ہی صفحہ پر قناعت کروں گا۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء

(۱۲)

مولوی محمد اظہار الحسن صاحب، وکیل غازی آباد

مکرمی!

سلام مسنون۔ کلام رسا کا ہو گیا۔ آپ نے مقدمہ لکھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اگر وہ لکھ دیا جائے تو ان کا آخر میں شائع ہونے کے بعد

کتاب میں علیحدہ سے شریک کر دیا جا سکتا ہے۔ تھوڑی سی کتابیں میں نے جو زائد چھپوائی ہیں ان میں شامل ہو جائے گا۔

آپ کا ایک خط جواب طلب خطوط کے زمرہ میں رکھا ہوا ہے۔ کثرت کار نے اب تک موقع نہ دیا۔ آپ کے ویسٹ اسمبلی کے ممبر غالباً یہیں ہوں گے۔ خیال تھا کہ کسی دن کونسل چیمبر جاؤں گا تو ان سے ملوں گا مگر آج تک جانے کی مہلت نہ ملی۔ شاید اب مل جائے۔ مدح صحابہؓ کے مسئلہ کا تصفیہ کرانے کے سلسلے میں بعض احباب سے گفتگو کرنا ہے۔ اکتوبر میں یہ قضیہ طے ہو جائے تو شاید مجھے اطمینان نصیب ہو۔ آجکل وہ مقدمات چل رہے ہیں جو مدح کے ہنگامہ کی بدولت پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کے دائر کردہ مقدمات تو کچھ ختم ہو چکے اور کچھ ختم ہو جانے کے قریب ہیں باقی وہ مقدمات جو فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف دائر کئے ہیں غالباً تا تصفیہ چلتے رہیں گے۔ والسلام!

خاکسار: ظفر الملک۔ لکھنؤ، ۱ر ستمبر ۱۹۳۷ء

احسن مارہروی

(۱)

بنام مولوی بشیر الدین احمد مرحوم

میرے معزز عنایت فرما! تسلیم مع التعظیم

آپ کا ہونہار اخبار البشیر جو آپ نے بتحریک بھی سید مخدوم عالم صاحب بھائی سید کاظم علی صاحب کے نام ریویو روانہ کیا تھا پہونچا۔ جب بھی خدمت برادر صاحب موصوف میں حاضر ہوں۔ اور البشیر کے کارآمد مضامین سے اکثر محظوظ ہوتا رہا ہوں اور رہوں گا۔ آپ نے جو اخبار ریویو کیا ہے وہ جلد ۲ کا پہلا نمبر ہے از روئے قاعدہ حساب کے تو یہ کارروائی ٹھیک ہے مگر یہاں دو ایک صاحب بھی بتہ مخدوم عالم صاحب کے مضمون دیکھنے کے مشتاق ہیں۔ مہربانی فرماکر وہ پرچے جن میں بھی مرصیت کا مضمون ہے دیجئے اور ان پرچوں کی قیمت سے اطلاع دیجئے کہ بذریعہ ٹکٹ بھیج دیئے جائیں میں نے مارہرہ سے دو ایک خط آپ کی خدمت میں روانہ کئے تھے جن میں عرض کیا تھا کہ مجھے ایک مختصر رسالہ جو تقریباً ۱۴ جزو کا ہوگا آپ کے البشیر پریس میں چھپوانا ہے۔ اس کا جواب مجھے نہیں ملا۔ مہربانی فرماکر اطلاع دیجئے کہ کوئی ہو گیا لیا جائے گا۔ تعداد چھپائی ۵۰۰ ہوگی اور تقطیع ۲۲ × ۲۹ کاغذ کے ۸ صفحے ہوں گے غالباً تقطیع کا ایک نمونہ بھی میں نے آپ کے پاس بھیجدیا ہے۔ کاغذ کی قیمت پیشگی حاضر کروں گا اور باقی بعد طبع۔ مگر آپ کے مطبع میں کاتب اچھا نہیں ہے آپ . . . . . . کو کیوں نہیں بلا لیتے تو سب شکایتیں رفع ہو جائیں۔ منشی نواز احمد صاحب کو سلام مسنون،

فقط منتظر جواب آپ کا: نیازمند خادم، احسن مارہروی

حیدرآباد دکن محلہ دارالشفا مکان مولوی سید علی حسن صاحب ۱۶ر شوال سنہ۱۳۱۷ھ ۱۷ر فروری سنہ۱۹۰۰ء

(۲)

بنام حضرت دل شاہجہانپوری

احسن نواز تسلیم نیاز

محبت نامہ پہنچا۔ امتنان و انبساط کا باعث ہوا۔ جس طرح سے کہ جناب مجھ بدنام سے واقف تھے اسی طرح

یہ عاجز بھی جناب کے اسم گرامی سے آگاہ تھا بحمداللہ کہ اب بلا واسطہ
کا سلسلہ شروع ہوا کہ آپ کی ملاقات کا لطف حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ کے ناولوں کا نام تو میں نے بھی سنا ہے مگر دیکھنے
کا اتفاق نہیں ہوا مگر جب رسالہ ہی مل گیا تو نقل کی گئی عمل۔

فصیح الملک کی قدردانی کا بھی شکر گزار ہوں کہ زمانہ نظم کے مقابلے میں اردو کی اچھی نثر کی بہت ضرورت ہے
اس لئے میں ممنون ہوں گا اگر مجھ سے زیادہ امداد کی گئی۔ بیان کی تشریف کے متعلق جو مضمون جناب نے طلب فرمایا ہے وہ بھیج دیتا
میں دلی کر بے تکلف عرض کروں کہ کہ یہ خالص ادبی رسالے کے لائق ہے یا کیا۔ چونکہ فصیح الملک بھی لیتے وسط
ہیں جو اردو ادب کے ماہر ہیں اس لئے خیال رہتا ہے کہ شاید وہ طرز مذاق پسند نہ ہو مگر چونکہ آپ خود زمانہ شناس اور واقف
ہیں غالباً آپ کی ہر تحریر مفید ہوگی اس لئے آپ بے تکلف اور جلد بھیج دیجئے۔ امید ہے کہ سلسلہ کتابت جاری رہے گا

والسلام: خاکسار

احسن مارہروی مارہرہ ضلع ایٹہ

(۳)

بنام منشی محمد الدین ذوقی

تا نہ شد گرد دو رسم وفا مسدود است
ہر کسے می رود این جادہ کسے می آید

برادر شفیقم السلام علیکم

امتداد زمانہ اور ترک مراسلت کے سبب ممکن ہے تحریر ہذا اجنبی معلوم ہو۔ مگر یہ معلوم کر کے کہ نیازمند کہن
اس کا کاتب و محرر ہے اجنبیت نہ رہے گی۔ شکر ہے کہ حضور زندہ ہیں۔ گو کہ مشاغل تفریحی اور خصوصاً معاملات
سے نابلد ہو رہا ہے ـــــ آپ کے افادات قلم کے نمونے اکثر موقت الشیوع رسائل میں دیکھتا رہتا ہوں اور کبھی کبھی
کسی تازہ تالیف کا تذکرہ بھی نظر سے گزرتا رہتا ہے۔

آج کی ساعت کیا مبارک ساعت ہے کہ چند منٹ فرصت کے مل گئے ہیں اور بہت دیر سے ایک حبیب پرانی یاد
سے رہی ہے۔ جس کا ماحصل یہ نیازنامہ خاکسار ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا اور آپ کی نو بہ نو تصنیفات یاد رہتی
ہے نام احقر خارج نہ ہوا ہوگا۔ مجھ سے واقعات یہ ہیں کہ گوشہ نشینی ترک کر کے چند ماہ سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے
انٹرمیڈیٹ کالج میں مقیم ہوں اور اردو و فارسی کی خدمت پر مامور ہوں ـــــ اگر آپ کو برادرم وجاہت (جھنجھانوی)
کا پتہ معلوم ہو تو ضرور لکھئے۔ والسلام خیر الکلام

پتہ: سید علی احسن مارہروی اردو پروفیسر انٹرمیڈیٹ کالج علی گڑھ
۲۰ راگست ۱۹۲۳ء

(۴)

بنام مولوی محمد طاہر الحسن صاحب

مخلصی فرمائم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

گرامی کارڈ ملا۔ اس سے پہلے زمانہ[1] بھی وصول ہو چکا تھا اور آپ کا طبیعت افروز تبصرہ پڑھ چکا تھا جس سے کلفت کے عوض مسرت حاصل ہوئی۔ میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایک حد تک میری بضاعت مزجات کو دیکھنے کی طرح دیکھا۔ مگر جیسا کہ میں نے نمبر وار ماتم ملی کے تحت میں عرض کیا ہے اس کے مطابق آپ نے ذرا جلدی کی آپ کی تحریر یقیناً نیک نیتی پر مبنی ہے اور مجھے برائے نام بھی خدانخواستہ آپ پر نام رکھنے کی گنجائش نہیں۔ آپ کی تنقید میں بعض امور ایسے ہیں جن کا دفاع خود بعض تبصرہ و کیفیت میں موجود ہے اور بعض ایسے ہیں جن کی تعمیل و تکمیل جلد دوم میں ہوگی۔ اس وقت مختصراً اسی اطلاع پر اکتفا کرتا ہوں کہ آپ کے تبصرے سے مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی ہے۔ آپ کے شبہات از سرتا پا تحقیقات اور انصاف پر مبنی ہیں۔ میں فرصت سے اس کے متعلق آئندہ عرض کروں گا۔ بسلسلہ تعطیل چند روز کے لئے وطن آیا ہوا ہوں ۸ جون تک علی گڑھ پہنچ جاؤں گا اگر آپ نے پھر یاد فرمایا تو مفصل خط و کتابت ہوگی۔ آپ کا یہ ارشاد کہ "اس قسم کی کتابوں کو پڑھنے اور لکھنے کا شائق ہوں . . . . . . مگر خریدنا مشکل ہے" بیا تکلف اگر کسی مالی مجبوری سے ہے تو بمسرت ایک نسخہ ہدیۃً حاضر ہوگا اور اگر بربنائے کفایت شعاری ہے تو راستے بر جانِ سخن۔ رسا[2] مرحوم کے بعض حالات قیام [illegible] اور رامپور جانے کے میں بتا سکوں گا اور اس سے قبل کے حالات مولوی عبدالوحید صاحب فدا ساکن گلاوٹھی سے معلوم ہو سکیں گے آپ اگر چاہیں تو گلاوٹھی کے پتے سے ان کو لکھیں اور مجھے بھی اپنے مطلوب عنوانات لکھ کر آگاہ فرمائیں تا کہ جو حال مجھے معلوم ہو عرض کر دوں۔ یہ بھی ارشاد ہو کہ مرحوم سے آپ کا کتنا تعلق ہے۔ تاریخ نثر اردو کا حصہ دوم ان شاء اللہ ۴، ۵ ماہ میں مکمل ہو جائے گا۔ میری یہ تالیف سیر المصنفین وغیرہ سے پہلے کی ہے اور میں نے اس قسم کی کتابوں کو ابتداً نہیں دیکھا جس کے ثبوت پھر پیش کروں گا[3]۔ والسلام۔

میرا علی گڑھ کا پتہ۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ عث کافی ہوگا

خاکسار:

احسن مارہروی، مارہرہ ضلع ایٹہ ۱۸ مئی سنہ ۳۱ء

---

[1] زمانہ کان پور بابت سنہ ۱۹۳۱ء جس میں مولانا کی کتاب تاریخ نثر اردو پر مکتوب الیہ کا تبصرہ شائع ہوا تھا۔ مکتوب الیہ نے تبصرہ میں مولوی محمد یحییٰ تنہا کی سیر المصنفین کا ذکر کیا جس کی پہلی جلد شائع ہو چکی تھی۔

[2] منشی حیات بخش رسا شاعر دربار رام پور

[3] مولانا نے کتاب میں فرمایا تھا کہ تاریخ نثر اردو لکھنے میں درجہ اوّلیت حاصل ہے۔

(۵)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

لطف فرمائے۔ تسلیم۔

میں بہ سلسلۂ تعطیل محرم وطن چلا گیا تھا۔ کل واپس ہوا ہوں۔ خیال تھا کہ آپ کے میرے لفافے کا جواب نہ
محبت نامہ ملا۔ شکر کرم۔ آپ نے رساؔ مرحوم کے حالات کی بابت جو الفاظ شکریہ لکھے ہیں یہ تکلفات
عموماً تمام اہل ادب کا خادم ہوں اور اس خدمت کے معاوضے میں شکریہ وغیرہ کی خواہش نہیں۔ اگر مجھے خود
اور شوق نہ ہوتا تو بہت سے شاعر نہ پہلو نکال کر انکار کر دیا ہمارا ادب اسی سے خراب ہو رہا ہے کہ اگر کوئی ک
ہے تو دوسرے ارباب فن کسی قسم کا سہارا نہیں دیتے۔ بہرحال آئندہ ان تکلفات کو چھوڑ دیئے۔ اور مجھے اپنا
خادم سمجھئے اور کام لئے جائیے۔ جون میں کالج کھلا رہے گا اور اس شدت موسم میں حاضری کے علاوہ او
قتیں ایسی لاحق ہیں کہ میں یکم جولائی سے پہلے کوئی جواب با صواب پیش نہیں کر سکتا۔ رامپور کا ایک خط ا
جو حالات معلوم ہوں گے آپ کو بھیج دوں گا اور جولائی میں وطن پہنچ کر مرحوم صاحب کے خطوط بھی تلاش کر
نیز رساؔ کا کلام انشاء اللہ سو پچاس غزلیں مجھ سے آپ کو ضرور مل سکیں گی۔ خم خانۂ جاوید بھی میرے پاس
کے پاس ہو تو میں اس کو نہ دیکھوں ورنہ اس کے حالات و کلام لکھوا دوں گا اور مجھے اس میں کوئی تکلیف
اور مرحوم رساؔ کی جو خصوصیت تھی اس کا اظہار اب فضول ہے۔ میں اس کو اپنا کام سمجھتا ہوں۔ ہائے رساؔ مرحوم
کلام کا لطف اٹھایا جاتے آپ رساؔ کے خطوط بھی چاہیں گے تو بھیج دوں گا۔ اور یہ لکھیئے کہ رامپور کے رو
خلاف کو ظاہر کرتے ہیں اور فلورا نامی مسماۃ کے متعلق ہیں انہیں بھی لکھا جاتے یا نہیں۔ باقی باتیں

علی گڑھ ۳ر جون ۳۶ء　خاکسار۔ احسنؔ

غالباً لدھیانے کے شاگرد نظیرؔ ہی ہیں۔

(۶)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

لطف فرمائے۔ تسلیم خلوص تفہیم

محبت نامہ پہنچا۔ آپ اس قدر دیر میں یاد فرماتے ہیں کہ میں مفوضہ تعمیل کو بھول بھول جاتا ہوں او
مندی اور بڑھتے ہوئے تردوات کے سبب سے ہوتا ہے۔ آج میں نے پرانی ردّیوں کا ایک لبتہ دیکھا۔ اس
وغیرہ نہیں ملا۔ اب دو ایک دن بعد پھر دیکھوں گا اور انشاء اللہ خطوط و غزلیات ضرور بھیجوں گا۔ آپ اتنی تکل
کہ جس قدر غزلیں آپ کو مل گئی ہیں ان کا ایک ایک آخری مصرع مجھ کو لکھ بھیجئے تاکہ میں ان قافیہ درد ا
نہ بھیجوں جو آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے پاس غزلوں کا کافی سرمایہ مل جائے گا

کوئی شافی جواب اب تک نہیں ملا۔ وہاں مسیتے وہ ایک شاگرد ہیں ان کو لکھا ہے کہ وہ معاملہ بیگم رسا مرحوم سے استفسار کر کے جواب لکھیں۔ حافظ اشتر سکندرآبادی کے پاس کچھ کلام رسا کا ہے کیا آپ ان سے نہیں کہہ سکتے؟ رامپور میں ایک صاحب حاجی محمد اسمعیل صاحب معتبر ہیں ان کو بھی لکھیے شاید وہ کچھ مدد جناب کو دیں۔ ان کا نام صرف لائق کافی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بلبل تسلیم بھی لکھتے ہیں آپ بھی چاہیں اس لقب کا اضافہ کر دیجیے گا۔

۱۸ر جولائی سنہ ۱۳ء والسلام خاکسار احسن

۲

... طہٰ الحسن صاحب غازی آباد

حبیب محترم۔ السلام علیکم

عنایت نامہ مورخہ ۱۴ر اگست کا جواب آج دے رہا ہوں۔ یہ توقف کچھ ناسازیٔ مزاج اور زیادہ تر تلاش خطوط و نقول غزلیات کے سبب سے ہوا۔ دو تین مرتبہ دو تین بستے دیکھے۔ اس وقت تک سات آٹھ خطوط مل سکے وہ سب بلا انتخاب بھیجتا ہوں۔ بلا استعجاب ان کو پڑھیے اور اپنے کام کے نوٹ لکھ لیجیے۔ ان سے آپ کو میرے اور مرحوم رسا کے مراسم ذاتی مزاج اور خصوصیات کا اندازہ ہو سکے گا۔ اسی طرح مصطفیٰ علی خاں شررؔ کے خطوط سے رسا کی تقریب، رامپور کے تعلق اور میری وساطت کا حال کھلے گا۔ مجموعۂ رسا کے ۵۵ کارڈ اور لفافے ہیں۔ ۹ لفافے مصطفیٰ علی خاں صاحب مرحوم کے ہیں۔ ان کو دیکھیے مگر احتیاط سے جب فراغت ہو جائے واپس کر دیجیے گا۔

مختلف گلدستوں اور رسالوں سے ۳۶-۳۷ غزلیں بھیجتا ہوں۔ یہ غزلیں آپ کی لکھی ہوئی غزلوں کے علاوہ ہیں اور غالباً اتنی ہی یا ان سے کچھ کم بیش غزلیں اور میرے پاس ہوں گی جو علی گڑھ سے بھیج سکوں گا کیونکہ بعض رسالے وہاں بھی ساتھ چلے گئے ہیں۔ خطوط اور بھی ہوں گے مگر اب پرانے بستوں کا ٹٹولنا کوہ کندن و کاہ برآوردن ہے۔ پھر بھی تلاش جاری رکھوں گا۔ شاعر مرحوم نے محسن کاکوروی کی ایک غزل نعتیہ کا خمسہ بھی کہا تھا اور یہ ۳۲-۳۳ برس پہلے کا واقعہ ہے۔ وہ مخمس اگر آپ کے پاس ہو تو خیر ورنہ میں بھیجوں۔ میں نے اور دوسرے احباب نے بھی تضمین لکھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سو دو سو غزلیں میری وساطت سے آپ کو مل جائیں گی۔ مرسلہ غزلوں میں دو ایک جگہ قابل نظر الفاظ ہیں جن کے متعلق میری رائے ہے کہ دفعتہً اشاعت اس کا اظہار کر دیا جائے۔

آپ نے اپنے اس خط میں مرزا یاس یگانہ کے دو شعر لکھ کر مجھ سے رائے طلب کی ہے۔ یہ کام میرے لئے ناروا ہے اور میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اس کے متعلق بالوضاحت کچھ لکھوں۔ مختصر یہ ہے کہ محاورے کا ترجمہ ناپسندیدہ ہے۔ ناظر ورتی نے جب یہ مصرع پڑھا ہے کہ صبا وہ ڈھول بجانے کہ بس سحر ہو جائے تو برسرِ مشاعرہ معترض نے کہا کہ جناب ڈھول کا بجنا تو ڈنکا ہو جانا ہے نہ سحر ہو جانا۔ وہی عالم یہاں ہے۔ ڈنکا شہرت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ آپ کے خیال سے متفق ہوں کہ یہاں ڈنکے سے شہرہ زیادہ صحیح ہے۔ البتہ ڈنکے کا جو مفہوم یہاں ہے وہ شہرت میں نہیں۔ رہا علیہ السلام

یہ ایک مزاحیہ استعمال ہے یا مرزا غالب نے اکثر اپنے لیے علیہ الرحمہ وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔ اور اگر معنیٰ دیکھا جائے تو کوئی برائی بھی نہیں کیونکہ معنوی حیثیت سے علیہ الرحمہ اور علیہ السلام دعائیہ الفاظ ہیں۔

آج اتوار کی وجہ سے یہ پیکٹ بیرنگ بھیج رہا ہوں اور کل کا انتظار نہیں کر سکتا۔ کہ آج شب کو دو چار روز کے لئے باہر جا رہا ہوں۔

امید ہے کہ مزاج عالی بعافیت ہو گا۔ والسلام

۳ راگست ۳۱ء　　　　دعاگو: احسن مارہروی

(۸)

بنام محمد اظہار الحسن صاحب غازی آباد

عزیزی شفیقی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رجسٹرڈ پیکٹ پہنچا۔ ملفوظات مل گئے۔ شکریہ۔ مجھے توقف کا کوئی شکوہ نہیں اور آپ کی معذرت کی کوئی ضرورت ہے۔ دنیا اور دنیا کی ساری کائنات فانی اور آنی ہے۔ مجھے اب اس کا خیال بھی نہیں کہ ان واپس شدہ خطوط کو حفاظت رکھ بھی سکوں گا بہر حال آپ نے واپس کر دیئے تو ایک حد تک نگرانی کروں گا مگر تابکے۔ اگر واپس نہ کرتے تو بھی کوئی خیال نہ ہوتا۔ جس قصیدے کو آپ رکھنا چاہتے ہیں ضرور رکھیئے۔ غالباً وہ قصیدہ بیرنگ رامپور میں شائع ہو چکا ہے۔ مرحوم رسا کا کلام ممکن ہے اور بھی میرے پاس ہو لیکن فی الحال سعی و تلاش دشوار ہے۔ خصوصاً ماہ مبارک میں۔ خیال رکھوں گا جب کہیں دیکھوں گا نقل کر دوں گا۔ ۔ ۔ ۔ زیادہ تو نہیں ملے گا۔ اور انتخاب میں یہ دشواری ہو گی کہ نہ معلوم کون کون غزلیں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں آپ کی پہلی بھیجی ہوئی یادداشت مخلوط ہو گئی اور اب اس کی تلاش کوہ کندن و کاہ برآوردن سے کم نہیں۔ اگر آپ بغرض رحمت اعادہ کر مطلع کا ایک ایک مصرع لکھ دیں تو اس کو پیش نظر رکھ کر خیال رکھوں۔ محسن کاکوروی کی جو تضمین مرحوم نے کی تھی وہ افسوس ہے کہ میرے پاس سے کوئی حریف اڑا کر لے گیا۔ کسی صاحب سے دستیاب ہو گئی تو بھیج دوں گا۔ میری تضمین کا کوئی نسخہ مل گیا تو وہ بھی حاضر کر دوں گا۔ اس وقت پیش دست نہیں۔ نشتر صاحب نے جس شعر کی نسبت استاد[1] مرحوم سے کی ہے وہ غلط اور محض خوش خیالی ہے جب کہ نرتم اپنا شعر بتاتے ہیں تو انہیں کا ہو گا۔ میرے خیال میں تو استاد مرحوم سے رسا کی ملاقات بھی نہیں ہوئی اور اگر ہوئی ہو تو رامپور کے زمانہ قیام یا رامپور سے چلے آنے کے بعد جب کہ وہ دو چار برس مختلف مقامات پر رہے استاد مرحوم اس مزاج کے آدمی ہو نہ تھے نہ اس قسم کی قصیدہ خوانی کیا کرتے۔ یہ خیال افتراء اتہام ہے۔ رامپور میں نے بھی حالات دریافت کیے۔ مگر کسی نے کوئی بات ایسی نہ کہی جو مجھے معلوم نہ ہو اور جس کو مجملاً آپ تک نہ پہنچا چکا ہوں۔ مرحوم رسا نہایت ظریف اور خوش گفتار لطیفہ سنج تھے۔ اس وقت کوئی لطیفہ یاد نہیں آتا۔ یہ باتیں زیادہ

---

[1] یعنی داغ

خدا کو معلوم ہوں کہ چار پانچ برس ان کے ہم صحبت اور ہمکار رہے ہیں۔ اودھ پنچ میں ان کے اکثر لطیفے اور شاعری اس قسم کی ہوا کرتی تھی کہ کسی حاکم وغیرہ کی ہجو کہہ دی یا کوئی فقرہ کس دیا۔ مثلاً ایک سخت گیر حاکم کے لئے ایک قطعہ کہا تھا جس کا ایک شعر مجھے بھی یاد ہے ؎

ہوتی ہے اتوار کی تعطیل اس کو ناگوار
اس طرح کا اک سنیچر دفتر سرکار میں ہے

ان کے موافق و مخالف مضامین لکھنے والوں میں ایک وجاہت جھنجھانوی تھے جن کے مضامین ان کے ایک رسالے میں شائع ہوتے تھے جس کا نام اصلاح سخن تھا مگر یہ سلسلہ بہت جلد منقطع ہو گیا۔ اسی طرح بعض مضامین نیرنگ اور جلوہ یار میں نکلے ہیں۔ شوکت میرٹھی کا سال مجھے معلوم نہیں۔ جلال و تسلیم کی کوئی ذاتی مجھے معلوم نہیں۔ میں کسی فرصت کے موقع پر اپنی رائے پیش کروں گا۔ تاریخ نثر اردو کا دوسرا حصہ زیر ترتیب ہے اور اپنی انتشاری حالت کے سبب سے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب تک تمام کر سکوں گا۔ جب شائع ہوگا آپ کے پاس ضرور پہنچے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور مجھے ہر وقت اپنا بہی خواہ اور خادم سمجھیں گے۔ باقی باقی

۸ رجنوری ۳۲ء والسلام: دعاگو

احسن مارہروی

(۹)

بنام منشی مہیش پرشاد

لطف فرمائے قدیم افزائے تسلیم خلوص تقسیم

۱۰ دسمبر کا رقم زدہ والا نامہ پہنچ کر مسرت افزا ہوا۔ میں جناب کے اس خلوص و کرم کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اس زمانہ کو ترقی یافتہ کہا جا سکتا ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ مردم شماری روز افزوں ہے اور سائنس کے مناظر و نتائج گوناگوں ہیں۔ ضرور ترقی یافتہ ہے۔ لیکن وہ خصوصیات مستثنیٰ جن کا وجود اب سے پچاس سال قبل فی صد ۹۰ آدمیوں میں نظر آتا تھا اب فی ہزار چار میں دکھائی دیتا (ہے) جس باب میں جناب کو تکلیف دی گئی۔ اس معاملہ میں حقیر نے یہاں ایک! ایسے گریجویٹ کو چند ساعت کی تکلیف دینی چاہی جن سے دو چار ہندی، بنگالی، مرہٹی اور گجراتی تحریروں کو پڑھوانا چاہتا تھا میری گزارش پر بخوبی اور باخلاق ظاہری و وقتی شاندار الفاظ ارشاد ہوئے اور دوسرے دن آنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن وہ دن آج آتا ہے نہ کل۔ اور طرّہ یہ کہ وعدہ کنندہ زیادہ سے زیادہ نصف فرلانگ کے فاصلے سے رہتے ہیں۔ بنارس سے باین تفصیل مکمل جواب باصواب آگیا مگر سو قدم سے ایک عزیز نہ آسکے۔ کیا اس ترقی کو حقیقی ترقی کہا جائے یا ترقی معکوس۔ بہرحال دعا ہے کہ ہندوستان کے رہنے والوں کو اخلاق عالم توفیق وطن پرستی عطا فرمائے۔

یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ کو گشتی چٹھی کے امید افزا جواب ملے۔ مگر یہ ظاہر نہ ہوا کہ خطوط آپ تک پہنچے ہیں وہ عود ہندی اور اردوئے معلّے کے شائع شدہ ہیں یا غیر مطبوعہ۔ اگر غیر مطبوعہ ہیں تو واقعی یہ کامیابی قابلِ افتخار ہے تاریخ نیمروز شاہی کے مشتبہ لفظ کا ابھی تصفیہ نہیں ہوا ہے۔ تحقیقات جاری ہے۔

ہندی قدیم وجہ یہ تحریروں کے جو نمونے آپ نے عنایت کئے ہیں، میرے مقصد کے لئے کافی ہیں۔ ان میں اتنی بات رہ گئی کہ آپ نے اپنی زبان میں ترجمہ فرما دیا۔ میں چاہتا تھا کہ ترجمے کے ساتھ وہ اصلی ہندی تلفظ بھی اردو املا میں لکھ دیا جاتا کہ اصلی غرض یہی تھی۔ خیر یہ معمولی بات ہے یہاں یہ کام ہوجائے گا۔

عند الملاقات "بیگم صاحبؒ" والے شعر میں جس لفظ کا تذکرہ کیا گیا تھا اس کو میں نے اپنے پاس کی مختلف کتابوں میں دیکھا۔ میری مرتبہ کتاب[1] (منتخبات عود ہندی) اصل عود ہندی مطبوعہ مطبع مجتبائی میرٹھ رجب ۱۲۸۵ھ کی نقل ہے۔ ان دونوں میں بھسوڑا باۓ فارسی (پ) سے چھپا ہوا ہے۔ لیکن میرے نزدیک بھسوڑا (باۓ موحدہ) ہے جس کے متعلق میں نے منتخبات عود ہندی کے حواشی میں لکھ دیا ہے کہ دیہاتی روزمرہ میں بھسوڑا مجلس رکھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ متذکرہ بالا عود ہندی کے سوا اردوئے معلّی اکمل المطابع دہلی مطبوعہ ذیقعدہ ۱۲۸۷ھ اور اردوئے معلّے مطبوعہ مطبع کریمی لاہور ۱۹۲۲ء میں یہ خط موجود ہے لیکن ان دونوں کتابوں سے یہ شعر نکال دیا گیا ہے۔ بھسوڑے کے متعلق میرا قیاس اقرب الی الصواب ہے اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بطور مذاق احمقوں اور سفیہوں کو ایسے غیر متعلق اور مضحکہ آمیز مقالوں پر چھپا دیتے ہیں۔ شعر کے معنی صاف ہیں۔ دوسرے مصرع میں چھٹا اگر آزاد ہونے کے معنی میں نہیں ہے تو بڑی بیگم یعنی چھوٹی بیگم کا بگڑا ہوا تلفظ ہوگا۔ یعنی بیگم صاحب نے بھسوڑے میں پھنسا دیا اور چھٹا (چھوٹی، چھٹی) بیگم نے ذلیل و رسوا کرا دیا۔ افسوس ہے کہ میرے پاس یہ مثنوی نہیں اور نہ میں (نے) ابتدائے عمر سے اس وقت تک دیکھی۔ ایک مثنوی مرزا مہر کی جو چھپ گئی ہے وہ لڑکپن اور عنفوانِ شباب تک میرے پاس تھی اور غالباً اسی کا نام شعاع مہر ہے لیکن اس کا وزن یہ نہیں۔ گزشتہ ایام میں اس کے اکثر اشعار یاد تھے۔ اس وقت ایک مصرع لکھتا ہوں۔ اس سے وزن معلوم ہوجائے گا

مہر ہیں مہر ہیں مشہور جلے تن ہم ہیں

---

[1] غالب نے مرزا حاتم علی بیگ مہر کے نام ایک خط میں مہر کی ایک مثنوی کا ذکر کرتے ہوئے ایک شعر لکھا ہے۔

بیگم صاحب بھسوڑا ہی ہیں یا ۔۔۔ چھٹیا بیگم نے بے حرمت کرایا

مکتوب الیہ نے بظاہر اسی سلسلے میں غالباً لفظ "بھسوڑا" کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ احسن صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ لفظ "بھسوڑا" ہے یعنی مجلس رکھنے کی جگہ۔ بیگم سے مراد بڑی بیگم اور چھٹیا سے مراد چھوٹی بیگم۔

آپ سے خیال رکھا کروں گا اور تلاش شروع کروں گا کہ ان کے اعقاب سے ان کا کلام مل سکے۔ مرحوم کے پوتے سے واقف
وقارت تھا۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ غالباً ان کے پوتے موجود ہیں۔ پتہ دریافت کر کے ان کو لکھوں گا۔ ان کا دیوان ضرور
میرے پاس ہے لیکن اس وقت وہ بھی نہیں ملا۔ شاید وطن کے کتب خانہ میں ہے۔ مارہرے جاؤں گا تو اسے بھی دیکھوں گا
عندالملاقات والے فارسی لفظ صحیح یاد نہیں۔ شاید وہ لفظ "زبے سپاہی فانیز" ہو جس کے معنی میری
تحقیق میں چشتارو[1] کے ہیں۔

آپ نے عندالملاقات اور اس کے قبل و بعد جو خطوط فصیح الملک کے مقابلہ و تصحیح کے لئے بھیجے ہیں ان کا
جواب بھی عرض کرتا ہوں۔ فصیح الملک نمبر ۱۰۹ جلد دوم میں وہ خطوط شائع ہوتے ہیں اور ان میں رشک عرفی و فخرِ طالب
مرد الخ اور درکش کش منعم اور دیگر از خویشم پر بطور نشان شعر سے (۶۰ کی رقم) تحریر ہے۔ مرقع جلد دوم صفحہ ۲۳ کا پتہ
ابھی نہیں چلا۔ یہ لکھئے کہ کس مہینے کے مرقع کا صفحہ (۲۳) ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ باقی باقی۔

۱۲ دسمبر ۳۳ء

آپ کا مخلص

احسن مارہروی

(۱۰)

بنام سید الطاف علی صاحب بی۔ اے

شفیق محترم۔ السلام علیکم

دعا گو ۱۳ جولائی کو علی گڑھ آ گیا۔ آکر سنا کہ آپ نے اپنی خصوصی نوازش و عنایت سے برخوردار سید انعام احسن
متعلم میڈیکل کالج پٹنہ کے وظیفے کی بابت اپنے اختیار تمیزی سے ایک مہینے کا وظیفہ قبل میٹنگ عنایت کیا۔ اس توجہ کا
شکریہ قبول فرمائیے۔ یقین ہے کہ ۱۲ کی میٹنگ میں اس کی باقاعدہ منظوری ہو گئی ہو گی۔
اسی سلسلے میں گزارش ہے کہ مجھے پہلی عرضی دیتے وقت یہ معلوم تھا کہ کانفرنس کا گزشتہ وظیفہ جولائی

---

[1] مرزا غالب کے ایک خط کی عبارت ہے جس کا غالباً مطلب پوچھا گیا تھا۔ چشتارو سے مراد وہ شے ہے جو باغ یا کھیت کو نظرِ بد سے بچانے کے لئے بنا دیتے ہیں۔

سنہ ۳۶ء تک ہے اس لئے دو ماہ کے لئے مزید درخواست کی گئی تھی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ وظیفہ جو جون تک تھا اور وہ لڑکے سے زائد وظیفہ جو منظور ہوا ۔۔ اگست تک تھا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ستمبر تک امداد کی ضرورت ہے۔ اس طرح ۳ ماہ کا مزید وظیفہ ملنا چاہیے۔ مشورہ دیجئے کہ اس ایک ماہ کے لئے کیا کیا جائے۔ میں دوسری عرضی اسی مضمون کی لکھ کر آپ کے پاس بھیج دوں یا آپ خود اپنی مہربانی سے اس کو منظور کرالیں گے۔ اس کا جواب عطا ہو۔ فضل مولیٰ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

والسلام۔ دعاگو

احسن مارہروی ۱۵ر جولائی سنہ ۳۶ء

(۱۱)

بنام تمکین کاظمی

محبی و عزیزی۔ السلام علیکم و علی من لدیکم

مدت کے بعد محبت نامہ ملا مجھے آپ کا پتہ یاد نہیں رہا تھا۔ اور ہجوم کار سے اتنا وقت نہیں ملا کہ اپنے رجسٹر یادداشت سے تلاش کرتا۔ اب آپ کی شکایت بجا ہے مگر میرا یہ شکوہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ آپ نے مجھے بھلا دیا۔ سینکڑوں مضامین لکھتے ہیں۔ بہت سی تصنیفیں کرتے ہیں مگر دعا گوئے قدیم کو یاد نہیں کرتے آپ چشم بددور ابھی جوان ہیں میں لب گور۔ اگر مجھے تساہل و تغافل ہو تو تعجب نہیں آپ کی بے توجہی موجب استعجاب ہے۔ حسب ارشاد شاہکار عثمانی کا ایک نسخہ اس کارڈ کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ اگر ممکن ہوا تو اس کی رسید میں صبح دکن اور دکن کے جن اخباروں میں اس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہو۔ ان اخباروں کے پورے پرچے یا ان کے تراشے بھیج کر ممنون فرمایئے۔ لکھیے کہ آجکل کیا تالیف و تصنیف زیر قلم ہے کبھی کبھی یاد کر لیا کیجئے یہ ممکن نہیں کہ آپ یاد کریں اور میں بھول جاؤں۔ ۱۰ اکتوبر تک میں علی گڑھ رہوں گا لہٰذا خط و کتابت اس زمانے میں مارہرے کے پتے سے ہو۔ نیز یہ یاد رہے کہ اب علی گڑھ میں انٹرمیڈیٹ کالج نہیں ہے میرا تعلق مسلم یونیورسٹی سے ہے پتے میں اگر لکھا جائے تو مسلم یونیورسٹی نہ انٹرمیڈیٹ۔

والسلام۔ دعاگو

احسن مارہروی

(۱۲)

بنام تمکین کاظمی

اعز محترم! سلام مسنون

میں ایک عشرے سے سفر میں تھا رات واپس ہوا ہوں۔ ڈاک میں آپ کا پیکٹ جس میں صبح دکن کا پرچہ

تھا پایا" یادِ آمدی کا شکریہ آپ کے بھیجنے سے پہلے یہ تراشہ مجھے مل چکا تھا۔
سفر کے تکان کی وجہ سے اس وقت مجھے زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں صرف رسید لکھ رہا ہوں۔ شاہجہاں عثمانی کے
متعلق آپ جو کچھ لکھیں گے۔ یہاں کے اخباروں میں بھی چھپ سکتا ہے اور دکن میں بھی۔ آپ کی ماسے پھر میرے
پاس آپ کی مولفات میں تذکرۂ ریختی اور غنچۂ تبسم تو موجود ہیں ارنسٹ اور معاشقہ پڑولین نہیں
مولانا عبدالحق صاحب کے متعلق حالات معلوم ہیں جامعہ عثمانیہ کی خدمت کے لائق مجھ میں لیاقت نہیں
علاوہ اس کے میری عمر اب پوری ہو چکی یونیورسٹی علی گڑھ دو برس سے توسیع دے رہی ہے اور غالباً وہ بآسانی
نہ چھوڑے گی۔ اگرچہ میرا جی چاہتا ہے کہ اگر کچھ دنوں کی زندگی اور ہے تو گھر پہنچکر اللہ اللہ کروں اور خدمتِ ادب
اب کسی پابندی کی ہمت نہیں اور پھر اتنی دور زیادہ تر یادہ۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور اپنی خیریت
لکھتے رہیں گے

۱۱ راگست سنہ ۱۹۳۴ء　　والسلام دعاگو
احسن مارہروی

(۱۳)

بنام نگینہ کاظمی

بہن واخوی السلام علیکم و تسلی لہ یکم
مدت سے آپ کے مضامین اور نظمیں مختلف رسالوں میں دیکھتا رہتا ہوں اور ان کو پڑھ کر ایک نامعلوم
کشش ہوتی تھی آج معلوم ہوا کہ یہ کشش بے معنی نہ تھی آپ نے حضرت تجلی کا نام اور پتہ بتا کر یہ حجاب جو تاریکی دور
کیا اور مجھے بے حد مسرور۔ بقول مشہور
اے گل تبو خرسندم تو بوئے کسے داری
مجھے اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ برادر مرحوم کا کب انتقال ہوا۔ جہاں تک میرا حافظہ یاری دیتا ہے دوبارہ
یا سہ بارہ سفر حیدر آباد (سنہ ۱۹ یا ۲۲ء) میں لطفِ ملاقات ان سے حاصل ہوا تھا امید ہے کہ آپ لکھیں کہ یہ کب
واقع ہوا۔
مجھے اپنا مخلص بے ریا سمجھیں اور ہمیشہ رسل و رسائل کا سلسلہ جاری رکھئے شکر گزار ہوں گا، تاریخِ نثر
اردو کی داد دہی کا شکریہ۔ حصہ دوم چھپنے کے لئے تیار ہے ذرا جلد اوّل کی اشاعت ہو لے۔ ایک مطبوعہ اشتہار
ملفوف کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔ اور دوسری جلد کے مضامین کا اندازہ۔
اس میں جن نمونوں کا ذکر کیا گیا ہے ان ہی میں سے جن نمونے میں آپ قلمی امداد دے سکیں۔ عنایت
ہوگی۔ خصوصاً نذیر دعوت وغیرہ کے اردو رقعے جن کی ابتدا ۲۵۔۳۰ برس پہلے ہوتی ہے اور اگر اس سے پہلے

لہ صدیقہ والدہ تجلی مرحوم سے مولانا کی پرانی دوستی تھی

کے مل سکیں تو کیا کہنا۔ اس وقت ایک سفر کی وجہ سے خاتم کرتا ہوں۔ اور آئندہ کے لئے مفصل مکالمت، مراسلت کا وعدہ والسلام

دعاگوئے امام

احسن بدنام۔ ۲۰ رنومبر [illegible]

(۱۴)

بنام ولی شاہجہانپوری

شفیق محترم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نوازش نامہ عزت افزا ہوا شکر کرم۔ جی ہاں میں اگست ۳۶ء سے ریٹائر ہو کر گھر آیا اور اب انہیں پرانی روایات کے ماتحت نئی زندگی بسر کر رہا ہوں جنہیں ۱۵۔ ۱۶ برس پہلے ترک کر چکا تھا۔ بہرحال می گزارم دمی گزارد۔

جناب نے جس شعر کی بابت میری ناقص رائے دریافت فرمائی ہے اس کے متعلق حسب ارشاد بے تکلف عرض کرتا ہوں فضا و صبا کی مکیشی کے متعلق میں جناب مرزا یگانہ کا ہم خیال ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ تشبیہات استعارات یا اصطلاحات و محاورات حسب موقع ہمیشہ بدلتے رہے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ بقول شیفتہ

ہم اگلے کہنے والوں کی تقلید کیوں کریں

البتہ نئے الفاظ کے استعمال پر کہنے والے کو کسی قرینے اور مناسبت کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔ یعنی صبا اور فضا کو مکیش بنانے کے لئے کوئی ایسی وجہ ہونی چاہیے۔ جس سے سننے والے کو ذہنیت میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو اگر ایسا قرینہ قائم ہے تو صبا، فضا کو مکیش کہنے پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔

مولوی ضیا احمد صاحب ایم اے بدایونی لیکچرار مسلم یونیورسٹی سے میں خوب واقف ہوں اور میرے ان کے درمیان میں مخلصانہ اور عزیزانہ تعلقات ہیں فرمایئے ان کی بابت کیا ارشاد ہے۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور کبھی کبھی یاد فرمائی سے شاد کام فرماتے رہیں گے۔

دعاگوئے بے ریا

۱۱ راپریل ۳۹ء

احسن بے نوا۔ ۱۱ راپریل ۱۹۳۹ء

(۱۵)

بنام ولی شاہجہانپوری

لطف فرمائے تسلیم

نوازش نامہ ملا۔ برخوردار سلمٗ کی امتحان کی کامیابی سے مسرت ہوئی۔ مبارکباد عرض کرتا ہوں اور دست بدعا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ ہر امتحان میں فائز المرام فرماتے۔ آمین۔ لیکن آپ نے مسلم یونیورسٹی کے متعلق جو استفسار فرمایا ہے اس کا جواب وہاں جائے بغیر نہیں دیا جا سکتا اور چونکہ آجکل تعطیل ہے اور وسط جولائی تک کسی کا صحیح اور مستقل قیام معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے اس قسم کی رائے پیش کرنا قبل از وقت ہے۔ تعلیمی مشکلیں ہر جگہ پائی جاتی ہیں: فیس کی معافی بڑا ٹیڑھا سوال ہے۔ خصوصاً کسی دوسرے کالج کے پاس شدہ کے لئے۔ میں دریافت حال کرنے کے بعد کہہ سکوں گا کہ اب ممکن ہے یا نہیں۔ بریلی کالج میں اگر عبدالشکور صاحب لیکچرار بریلی کالج سے کوئی کام نکل سکے تو میں ان سے کہنے کے لئے تیار ہوں۔ وہ میرے خاص الخاص دوست ہیں۔ برخوردار سے پوچھئے کہ ان کا وہاں کتنا اثر ہے۔

اس وقت زیادہ نویسی کی معافی چاہتا ہوں۔ ۲۳؍ جون کو مسوری جانے کا قصد ہے اگر وہاں گیا تو شاید ۱۰۔ ۲۰ روز وہاں رہنا ہو۔ ۲۵؍ جون کو ایک مشاعرہ بھی ہے بعض خصوصی احباب کا اصرار ہے اور میرا مزاج یہاں کی گرمی سے ناساز رہتا ہے کیا عجب کہ اس سلسلے میں وہاں زیادہ قیام ہو جائے۔ لہٰذا میں بعد واپسی مزید عرض کروں گا آپ نے شکریہ ادا فرما کر مجھے شرمندہ کیا۔ یہ تو میرا ذاتی کام تھا

۱۸؍ جون ۳۹ء ، والسلام
دعاگو: احسن مارہروی۔ مارہرہ ضلع ایٹہ

(۱۶)

بنام ڈاکٹر زور

محبی و شفیقی! تسلیم خلوص تضمیم
آپ کا علی گڑھ (کانفرنس جوبلی میں) تشریف لانا اور میرا چند منٹ کے لئے ملنا ایک خواب دیکھنا تھا اس وقت اس خیالی گفتگو سے قطع نظر اس خواب کی تعبیر چاہتا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا اثنائے گفتگو میں آپ نے فرمایا تھا کہ میرے پاس مرزا داغ مرحوم کے دو ایک خطوط یا رقعے موجود ہیں۔ اور میں نے استدعا کی تھی کہ اسکی نقل مجھے عنایت کیجئے آپ نے وعدہ فرما لیا تھا مگر میں اپنی غفلت سے اب تک نہ چوکا سکا۔ اب مرزا مرحوم کے خطوط مرتب کر چکا ہوں۔ جس کا تاریخی نام "انشائے داغ" ہے۔ یہی تین مہینے میں کرہ پریس جا کر اس تاریخی نام کو بے کار نہ ہونے دے۔ لہٰذا امید وار کہ حسب ارشاد ایک دو یا جتنے خطوط یا رقعے مل سکیں مرحمت ہوں۔ اگر ممکن ہو تو نواب عزیز یار جنگ بہادر[1] سے میرا سلام نیاز فرما کر ان سے بھی حاصل کیجئے۔ اگر ان کے سوا کسی کا پتہ آں جناب کو معلوم ہو تو اس سے مطلع فرمائیے میں بہت بہت شکر گزار ہوں گا اگر اس ابدی یادگار میں جناب میرے مددگار ہوں گے۔

---

[1] نواب عزیز یار جنگ عزیز حیدر آباد میں مرزا داغ کے تلمیذ رشید تھے۔ ان کے کئی دیوان اور تالیفات چھپ چکی ہیں

آپ کی تازہ تالیفات کے اشتہار دیکھتا ہوں مگر پھر بھول جاتا ہوں۔ اگر آپ کسی گوشہ یا فہرست یادداشت میں میرا نام ٹانک لیں اور جب کوئی تازہ تالیف ہو تو مجھے بھجوا دیں تو ممنون ہوں گا۔ فی الحال روحِ غالب[1] میں دل پڑا ہوا ہے۔ فضلِ مولا سے امید ہے کہ مزاج عالی مع الخیر ہو گا۔ والسلام خیر ختام مسلم یونیورسٹی سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اکثر گھر ہی میں رہتا ہوں۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء — آپ کا مخلص

احسن مارہروی

(۱۷)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم۔ سلام مسنون

۲۹ اکتوبر کا والا نامہ جس میں لقمان الدولہ بہادر[2] کے نام کے دستخط فرمودہ تھے اس کرم و نوازش کی رسید ذرا دیر میں بھیج رہا ہوں اس توقف کا سبب یہ ہوا کہ آپ نے اس خط میں روحِ غالب کے بھیجنے کی اطلاع دی تھی۔ اب تک اس انتظار میں رہا کہ وہ پیکٹ مل جاتے تو یکجائی رسید شکرگزاری حاضر کروں مگر اب کہ انتظار کی حد گزر چکی نہ روحِ غالب کا پیکٹ دستیاب ہوا نہ ماہ نامہ۔ سب رس نظر افروز ہوا۔ اطلاعاً عرض کر دہ شد

امید ہے کہ مزاج گرامی ہم آغوشِ عافیت ہو گا۔ سب رس مجھے ملا تو میں کوشش خدمت کروں گا۔ زیادہ ادب

۹ نومبر ۱۹۳۹ء — خادم، احسن مارہروی

نواب عزیز یار جنگ بہادر کو بھی اس وقت خط بھیج رہا ہوں۔

(۱۸)

بنام منشی محمد دین فوقؔ

برادرِ شفیق۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ تو ناممکن ہے کہ آپ اپنے بھائی احسنؔ کو بھول گئے ہوں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ خط و کتابت کے بند

---

[1] روحِ غالب میری ایک کتاب ہے جس میں غالب کے حالاتِ زندگی اور دلچسپ خطوط شامل ہیں ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

[2] نواب لقمان الدولہ (۱۸۶۷ء ...) حیدرآباد میں مرزا داغ کے باثر تلامذہ میں سے تھے اور مرحوم نظام میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس کے اتالیق رہے تھے۔

ہونے سے خیال اور یاد کو دل و دماغ سے بعید ہو گیا ہو۔ بہرحال فضلِ مولیٰ تعالیٰ سے امید ہے کہ مزاج بہادرم آخوش
عافیت ہوگا۔ میں بھی بخیر ہوں۔ اور عمر کی آخری دہائی پوری کر رہا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ جب تک سانس جاری ہے
استاد مرحوم (داغ دہلوی) کی خدمت گزاری کرتا رہوں۔ ان کے کلام کا انتخاب پریس میں بھیج چکا ہوں۔ بعد تکمیل
بھیجوں گا۔ اس وقت ان کے خطوط مرتب کر رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ میرے زمانۂ قیام حیدرآباد میں آپ کے نام اکثر خطوط
گئے ہیں اور امید ہے کہ آپ ایسے محتاط ادیب نے انہیں محفوظ رکھا ہوگا۔ لہٰذا ان کی اصل یا نقل عنایت کیجئے۔ اور جلد عنایت
کیجئے اس لئے کہ مجموعہ مکمل ہو چکا ہے اور اسی ماہ میں چھپوانا مقصود ہے کیونکہ تاریخی نام انشائے داغ بے کار ہو
جائیگا۔ خدا کرے یہ خط آپ کو مل جائے اور اس کا جواب مجھے بھی مل جائے تو پھر مسلسل خط و کتابت ہوگی۔ پندرہ سولہ برس
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی خدمت کرنے کے بعد اب ریٹائر ہو کر گھر آ گیا ہوں۔ اگر زندگی رہی تو شاید دسمبر میں مسلم لیگ کے
جلسہ میں لاہور آؤں۔ اگر ایسا ہوا تو ۳۰-۳۵ برس بعد پھر ملاقات ہو سکے گی۔ امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔ آج
کل کسی رسالے سے ادارتی تعلق ہے یا نہیں؟

آپ کا برادر کہن

احسن مارہروی

ف ۱۔ حافظ حاجی سید علی حسن احسن مارہروی لالہ سری رام ایم۔اے کی مشہور تالیف خمخانۂ جاوید جلد اول کی ترتیب کے زمانہ (۱۹۰۳ء
یا ۱۹۰۴ء) میں عرصہ تک لاہور میں رہے۔ بلکہ استاد داغ کے نام پر یہیں سے ماہانہ رسالہ فصیح الملک جاری کیا۔ لاہور
سے واپس جا کر اپنے وطن مارہرہ میں رہے۔ پھر علی گڑھ میں اردو کے پروفیسر ہو گئے۔ جہاں سے ریٹائر ہو کر قریباً ۲۵
۳۰ برس کے بعد فروری ۱۹۴۰ء کے آخری ایام میں بزمانہ جلسہ مسلم لیگ لاہور تشریف لائے اور اگست یا ستمبر ۱۹۴۰ء
میں اپنے سب کام ادھورے چھوڑ کر مارہرہ میں انتقال فرما گئے۔

(۱۹)

بنام خواجہ حمید الدین صاحب شاہد[1]

لطف فرمائم۔ سلام شوق۔

کارڈ مورخہ ۱۲۔۱۱۔۴۹ نمبری ۱۲۵۴۴ موصول ہوا۔ اور اس کے ساتھ نومبر کا سب رس پہنچا۔ شکر کرم۔ ردیج غائب
کا پیکٹ جس کی روانگی آپ نے ۳۰ اکتوبر کو لکھی ہے اس وقت تک مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ یہاں میری ڈاک بہ احتیاط
آتی ہے اور دروازہ میں ڈال کر لاتا ہے۔ راستے میں یقیناً کسی ڈاکو ڈاکیے نے ہاتھ صاف کیا۔ سرٹیفکیٹ آف پوسٹنگ کی پرما

---

[1] خواجہ حمید الدین صاحب شاہد ایم اے لکچرار اردو چادر گھاٹ کالج اس وقت سب رس کے ایڈیٹر اور ادارۂ
ادبیات اردو کے مہتمم تھے۔

کھا کرتا ہے۔ اب میں کیا عرض کروں بجز اشتیاق مالا یطاق۔
انشاء اللہ سب رس کے لئے کچھ حاضر کروں گا۔ مکرمی حضرت زور کی خدمت مبارک میں میرا سلام پہنچا جائے

والسلام

۱۷ر نومبر ۱۹۳۹ء   خاکسار، سید علی احسن مارہروی

(۲۰)

بنام منشی محمد دین فوقؔ

بھائی جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
نوازش نامہ کارڈ ملا۔ سرفراز فرمایا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ نے استاد مرحوم (داغ دہلوی) کے خطوط کی تلاش پر توجہ فرمائی ہوگی۔ خدا کرے کہ کچھ خطوط مل گئے ہوں۔ مجھے بھی یاد آیا کہ آپ کے نام استاد مرحوم نے تلوار وغیرہ کے لئے جو خطوط لکھوائے تھے غالباً وہ میرے ہی ہاتھ کے تھے۔ ایک دو جس قسم کی تحریریں ہاتھ آئیں بھیج دیجئے۔ رام پور میں خطوط وغیرہ کا پتہ چلا ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ وہ بھی جلد دستیاب ہو جائیں۔ اس وقت تک جو ذخیرہ جمع ہو گیا ہے وہ بھی کافی ہے اور اب تک جتنے خطوط مشاہیر کے شائع ہو رہے ہیں یقیناً ان سے کم نہیں اور میں نے جس ترتیب سے انہیں لکھا ہے وہ غالباً اپنی نوعیت میں نئے ہوں گے۔
مسلم لیگ کا جلسہ اب دسمبر میں نہیں بلکہ مارچ میں ہوگا۔ اگر زندگی رہی تو ضرور آؤں گا۔ اور جب آؤں گا تو آپ سے ملے بغیر نہ رہوں گا۔ میں بھی اب ۷۴ واں مرحلہ عمر شروع کر چکا ہوں۔ دیکھئے یہ منزل کہاں اور کب ختم ہو[۱] باقی باقی۔ والسلام

خیر طلب

مارہرہ ضلع ایٹہ سرکار خورد ۲۰ر نومبر ۱۹۳۹ء   احسن

(۲۱)

بنام منشی محمد دین فوقؔ

برادر محترم۔ السلام علیکم
کلام فوقؔ کی رجسٹری مجھے ایسے موقع پر موصول ہوئی کہ میں علی گڑھ جانے کے لئے پابرکاب تھا۔ وہاں میرے دو لڑکے ہیں اور سات آٹھ پوتے پوتیاں ہیں۔ عید بعد ان سے ملنا ضروری تھا۔ چار پانچ روز رہ کر واپس ہوں گا۔ اس وجہ سے حسب عادت کلام فوقؔ کی رسید نہ لکھ سکا اور نہ شکریہ پیش کر سکا۔ اس سفر میں اس کی خوب سیر کی۔ اور خوب

---

[۱] افسوس یہ منزل ستمبر ۱۹۴۰ء میں ختم ہوگئی

خوب لطف اٹھایا۔ آپ کی متعدد تصویریں نظر افروز ہوتیں جو صورت میرے ذہن میں تھی۔ اس میں بہت تغیر پایا
میری کوئی تصویر فی الحال میرے پاس نہیں۔ کوشش کروں گا کہ رسالہ کے آخر میں ذکر لیا جاسکے۔ اس وقت
ایک کاپی حاضر کروں گا۔ آپ بھی مجھے نہ پہچان سکیں گے۔
دونوں خط اگرچہ بہت مختصر ہیں مگر اس لحاظ سے کہ آپ کا نام نامی الشاستہ داغ میں آجاتے غنیمت
ہیں۔ دعا فرمائیے کہ یہ کام جلد انجام پاتے رام پور کے سرکاری کتب خانہ میں استاد مرحوم کی تحریروں کا پتہ چلا
ہے ہفتہ عشرہ اس باب میں سعی و کوشش کروں گا۔ اگر وہ مل گئے تو ان کو بھی شامل کروں گا۔ ورنہ جتنے
خطوط مل گئے ہیں۔ انہیں کو صاف کرکے پریس کے حوالے کر دوں گا۔

آپ کا مخلص

۲۸/ نومبر ۱۹۳۹ء احسن مارہروی

(۲۲)

بنام منشی محمد دین فوق

شفیق برادر۔ السلام علیکم

ایک تکلیف دے رہا ہوں اگر طبیعت بحال ہو اور تکلیف نہ ہو تو میری قلمی مدد کیجئے۔ کہ اس کام کے
لئے آپ سے زیادہ کوئی میرا دوست لاہور میں نہیں ہے ایک مجموعہ نظم جدید مرتب کر چکا ہوں۔ اس میں چند موجودہ
عصر کے شعراء بھی شامل ہیں۔ مگر ان کے حالات سے مجھے علم نہیں۔ شکر گزار ہوں گا اگر حسب ذیل حضرات کے
مختصر حالات مع سنہ ولادت لکھ کر یا لکھوا کر جلد از جلد عنایت کئے جائیں:۔

خواجہ دل محمد ایم اے۔ حکیم احمد شجاع۔ گوری شرن ادیب۔ عبدالرؤف ادیب۔ اسد ملتانی۔ اندرجیت
شرما۔ مولوی برکت علی۔ شاہ تراب علی تراب۔ ڈاکٹر تاثیر ایم اے۔ تاجور نجیب آبادی۔ غلام مصطفیٰ خان زمین
سید ذوالفقار علی بخاری۔ درگا سہائے سرور۔ عبدالمجید سالک۔ پیارے لال شاکر۔ عدم۔ قدوس صہبائی
گوپال متل۔ تلوک چند محروم۔ خوشی محمد ناظر۔ نظیر لدھیانوی۔ مولوی الف دین نفیس۔ غلام بھیک نیرنگ۔
ان میں جن کے حالات معلوم نہ ہوں۔ تو اپنی وسیع معلومات سے ان کا اتا پتا بتایا جائے کہ اس
نشان سے معلوم کیا جاسکے۔ امید ہے کہ مزاج سامی بخیر ہوگا۔

والسلام

آپ کا مخلص

احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ یوپی سرکار فورڈ ۱۹۴۱، دسمبر ۱۹۳۹ء

(۲۳)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم۔ تسلیم خلوص تضمیم

دہلی میں ایک یا دو مرتبہ سرسری ملاقات کے بعد پھر نوبت مکالمات نہ آئی۔ دارالسلام روزانہ اسی وجہ سے تک وہاں رہا مگر پھر دیدار نصیب نہ ہوئے۔ غالباً آپ جلد واپس تشریف لے گئے۔
میں زبانی عرض کر چکا ہوں اور اب بذریعۂ لسانِ قلم عرض کرتا ہوں کہ "روح غالبؒ" کے رسالہ سب رس بھی مجھے ایک مرتبہ کے بعد پھر نہیں ملا۔ اگر ملتا تو شاید کوئی خدمت بجا لاتا۔ یہ نیاز اور مزاج پرسی کے لئے حاضر کیا جا رہا ہے۔ کسی فرصت کے وقت بتوجہ خاص روح غالب کے بھیج فرمایا جائے۔ اگر تحفۃً نہ مل سکے تو قیمت طلب پارسل ہی سہی غرض جو صورت بہتر ہو باعث
امید ہے کہ مزاج عالی بخیریت ہوگا۔ والسلام

۲۵/ جنوری ۱۹۴۰ء　　آپ کا

سید علی احسن مارہروی

(۲۴)

بنام منشی محمد دین فوق

شفیق برادر۔ السلام علیکم

میں ۲۵/ دسمبر سے ۱۷/ جنوری تک دہلی اور بھوپال کے سفروں میں رہا اس لئے خطانہ دری مزاج معلوم کرکے مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آپ نے اس خط میں استاد مرحوم نقل بھیجی ہے۔ اس قسم کی اور تحریریں بھی مجھے مل گئی تھیں جن کو مجموعہ خطا میں لکھ لیا ہے۔ اب اس جاتے گا۔ ریاست رامپور سے کچھ پرانے خطوط وغیرہ کے ملنے کی قوی امید ہے۔ اس لئے ا روک دی گئی ہے۔ انشاء اللہ ان کے وصول ہو جانے کے بعد جلد از جلد انشاءاللہ داغ پریس جن حضرات کے حالات کی ضرورت ہوگی۔ دوبارہ یاد دہانی کر دوں گا۔ سفر کی وجہ سے جو کا موجودگی میں رک گیا ہے۔ اس کی تکمیل کر رہا ہوں۔

آپ کا

۲۷/ جنوری ۱۹۴۰ء　　احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ۔ یو پی ۲۷/ جنوری ۱۹۴۰ء

(۲۵)

بنام ڈاکٹر زور

شفیق محترم۔ تسلیم خلوص تعظیم

"روحِ غالب" کے سلئے نیاز نامہ بھیج کر میں علی گڑھ چلا گیا تھا۔ ۷۔ ۸ روز رہ کر کل واپس ہوا ہوں۔ آکر "روحِ غالب" کی رجسٹری پائی۔ اس توجہ و عنایت کا مشکر گزار ہوں۔ ابھی بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ہے۔ پیش لفظ[1] دیباچہ اور چند صفحے حیاتِ غالب کے دیکھ لئے ہیں آپ کا مختصر اور جامع دیباچہ ماقل ودل کا مصداق ہے: "صحبت کا اثر" اور "مالی پریشانی" کے متعلق بہترین رائے ظاہر فرمائی ہے۔ صفحہ ۲۷ سطر ۵ پر مرزا یوسف کے انتقال کا سنہ ۱۸۰۵ء[2] چھپ گیا ہے۔ غالباً اس میں کاتب نے غلطی کی ہے اس وقت ان کی وفات کا صحیح سن یاد نہیں مگر یقینی ہے کہ مرزا غالب کے زمانہ شیب میں انہوں نے انتقال کیا ہے۔ اگر میرا خیال غلط ہے تو تصحیح فرمائی جائے: "قید" کے تحت میں محسن بن شبیر صاحب بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کی کتاب "یوسف ہندی قید فرنگ میں" کا حال پڑھ کر اس کے مطالعے کا اشتیاق ہے۔ امید کہ ادارۂ ادبیات اردو کو ہدایت فرمائی جائے کہ ایک نسخہ مجھے قیمت طلب پارسل کے ذریعہ بھیجد یا جائے اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اور پھر آخر میں شکریہ عرض کرکے رخصت ہوتا ہوں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی لعافیت ہوگا۔ والسلام

۹ر فروری ۱۹۴۰ء　　آپ کا مخلص

سید علی احسن۔ احسن مارہروی

مارہرہ ضلع ایٹہ (یوپی)

(۲۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

برادرم جناب فوق۔ سلام مسنون الاسلام

آج انشاء تے داغ میں آپ کے خطوط صاف کر رہا تھا کہ آپ کا آخری خط جو یکم دسمبر ۱۹۰۱ء کے "پنجہ فولاد" سے نقل کر کے آپ نے بھیجا ہے مکرر دیکھا۔ اس خط میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ وفات

---

[1] "روحِ غالب" کا پیش لفظ عمادالملک کے لائق ترین فرزند نواب ڈاکٹر مہدی یار جنگ مہدی حسین بلگرامی وزیر تعلیم و نائب صدر اعظم حیدرآباد نے لکھا تھا۔

[2] یہ دراصل ۱۸۵۷ ہے۔ کاتب نے ۵ کے بعد سے ۷ کو صفر لکھدیا تھا۔

کی تاریخیں بھی اخباروں میں درج ہونا شروع ہوگئیں[1] اگر اس زمانہ کی ایسی کوئی تاریخ وفات آپ کو یاد ہو یا (اخبار) پنجۂ فولاد میں شائع ہوئی ہو تو اسکی نقل عنایت ہو۔ یہ بھی ایک تاریخی یادگار ہوگی۔ امید کہ توجہ کیجئے گا اور جواب اور اپنی خیریت مزاج سے مطلع فرمائیے۔

آپ کا مخلص

مارہرہ ضلع ایٹہ (یوپی) ۱۴؍ فروری سنہ [illegible]   احسن مارہروی

---

[1] بات یہ تھی کہ مرزا داغ ان دنوں اکثر علیل رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے انتقال کی جھوٹی خبر اخباروں میں شائع ہوگئی اور قطعات تاریخ وفات بھی چھپنے لگے۔ مرزا صاحب نے خود اس کی تردید میں فوق صاحب کو لکھا:

"دشمنوں نے میری بدخبر اڑائی ہے اور حال یہ ہے کہ اب فضلِ الٰہی
سے میں بخیر و صحیح و تندرست ہوں۔ بیماری جاتی رہی۔ میں باقی رہ گیا
دشمن داغ کا دل جلانا چاہتے ہیں۔ ان کو داغ دل نصیب ہو"

فصیح الملک داغ دہلوی۔ محبوب گنج۔ حیدرآباد۔ (دکن)

یہ خط یکم نومبر ۱۹۰۶ء کے اخبار پنجۂ فولاد میں مرزا داغ کے تذکرہ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔

(محمد عبداللہ قریشی)

صفی لکھنوی

(۱)

بہ محمد کبیر خاں دتنا جالندھری

عزیزی زاد فضلکم!

دعائے طول حیات و ترقی درجات۔ بہت شرمندہ ہوں کہ پورے دو مہینے کے بعد آپ کے خط کا جواب لکھ رہا ہوں بلکہ اس کو بھی کچھ زائد زمانہ ہوا۔ کچھ مسلسل سفروں کی وجہ سے کچھ خرابی صحت سے مجبور رہا۔ مہینے سے زائد مدت کے لئے بالکل صاحب فراش ہی رہا۔ نشست و برخاست میں تکلیف ہوتی تھی۔ کمر کے درد نے ایسا عاجز کیا تھا کہ کروٹ بدلنا دشوار تھا۔ بحمدہٖ اب صحت ہے۔ آپ نے اپنے خط میں جذبات اور وادی کی نسبت دریافت کیا تھا۔ وادی کا لفظ روزمرہ اہل لکھنؤ کے مطابق مذکر ہی ہے البتہ اہل دہلی نے بعض شعروں میں مونث باندھا ہے۔ ممکن ہے کہ پنجاب میں اس کا استعمال بالتانیث ہو۔ جذبات خواہ جذبات ایک نوزاد اُردو لفظ ہے عربی تھا اور اردو میں احساسات کے معنوں میں بکثرت استعمال ہو رہا ہے اچھے اچھے لکھے پڑھے اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ زبان عربی میں صرف جذب کے معنے کھینچنے کے ہیں۔ فارسیوں نے اس کے آخر میں ہائے مختفی کا اضافہ کر کے کشش کے معنوں میں استعمال کیا ہے جیسے جذبۂ دل۔ اردو میں جذبہ غصے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جذبہ اور جذبات عربی میں کشش یا احساسات دلی کے معنوں میں کہیں نہیں آتے اور نہ فارسیوں نے کہیں جذبات یا جذبات ان معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اگر جذبات اُردو میں FEELINGS کے معنوں میں وضع کر لیا گیا ہے تو ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ لیکن پھر وہ اردو لفظ کی طرح استعمال ہونا چاہئے نہ کہ بطور عربی یا فارسی۔ عربی میں لفظ جذبہ اور جذبات آتے ہیں مگر دوسرے معنوں میں ہیں کشش کے معنوں میں نہیں ہیں ورنہ ہم صحیح سمجھتے۔ جب یہ لفظ اردو ہے تو عطف و اضافت کے ساتھ اس کا استعمال قطعاً غلط ہے اس لئے جو شعر کہ آپ نے سند میں پیش کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ آپ یہ بول سکتے ہیں کہ کسی دل کے جذبات برانگیختہ ہو گئے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے جذبات دل برانگیختہ ہو گئے۔ کیونکہ پہلی صورت میں اُردو ترکیب ہے اور دوسری میں فارسی ترکیب۔ اسی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ جذبہ کی جمع جذبات ہے۔ آپ اپنے ان شعروں کو جن میں آپ نے جذبات باندھا ہے مجھے لکھ کر بھیج دیجئے تو میں سمجھ سکوں کہ میں نے انہیں

کبھی تلمذ نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ نظر انداز ہو گئے ہوں۔ آج کل اکثر حضرات نے جو بالکل آزاد ہیں زبان اور طرز شاعری پر بیجا تصرفات شروع کئے ہیں اور اسے بگاڑ رہے ہیں۔

..... قطعاً لغو ہوتی ہیں اور غزل کی لطافت سے انہیں کون مناسبت ہے۔ فقط!

خیر اندیش: صفی عفی عنہ، لکھنؤ مولوی گنج ۲۰ر فروری ۱۹۲۶ء

(۲)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی! زاد فضلکم

دعائے حیات و ترقی درجات۔

بحمد اللہ اچھا ہوں۔ ظریف صاحب کو بفضلہ پہلے کی نسبت اب افاقہ ہے مگر ابھی اچھی طرح اٹھ بیٹھ نہیں سکتے۔ لیٹے ہوئی دیر تک بیٹھے رہتے ہیں بائیں گردے میں چک ہونے لگتی ہے علاج برابر ہو رہا ہے۔ میرے پھوپھی زاد بھائی جو مجھ سے بڑے تھے اور بمقام سیتاپور آنریری مجسٹریٹ و آنریری منصف تھے، بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ افسوس ہے کہ انہوں نے وفات پائی، آئندہ اتوار کو ان کا چہلم ہے۔ ایک مرتبہ بغرض تعزیت جا چکا ہوں، غالباً پھر جانا پڑے گا۔ خدا غریق رحمت کرے، بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ تقریباً پچھتر چھہتر برس کا سن تھا مگر قویٰ بہت زبردست تھے۔ کشیدہ قامت استخوان بہت چوڑے، ڈیل ڈول نہایت حسین، طاقت قدرتی ایسی تھی کہ بھینسے کے دونوں سینگ پکڑ کے زمین پر پچھاڑ دیتے تھے۔ بہادرانہ بے شمار کام کرتے رہے۔ کئی مرتبہ نامی ڈاکوؤں کو جنہیں پولیس گرفتار نہیں کر سکتی تھی تن تنہا جا کر گرفتار کیا۔ سپاہگری کے فنون لکڑی بنوٹ خوب جانتے تھے۔ مشہور شہ زوروں میں تھے۔ سیتاپور کے ضلع میں زمینداری بھی تھی۔ حکام و رعایا سب ان سے خوش تھے باوجود اس قوت و ثروت کے نہایت منکسر المزاج، خندہ پیشانی، متحمل، سیر چشم احباب پرور، مہمان نواز تھے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ رہے نام اللہ کا۔

وصی صاحب سے آپ کا پیام کہہ دیا، سلام کہتے ہیں اور ان شاء اللہ کچھ کلام بھیج دیں گے۔ سرور صاحب، مبارک علی خاں صاحب، حمید صاحب، حکیم صاحب، عاشق صاحب، دہلوان، ناصر صاحب اور دیگر احباب کو بہت بہت سلام پہنچا دیجئے۔ اپنے گھر میں دعا میری طرف سے کہہ دیجئے، بھائیوں کو دعا کہہ دیجئے۔ آپ کا اور سرور صاحب کا مصنفہ قطعہ اور آپ کی دونوں غزلیں بعد اصلاح اسی خط کے ساتھ ملفوف کرتا ہوں۔ سیتاپور چونکہ چلا گیا تھا اس لئے جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی۔ آج کل یہاں آگ برس رہی ہے۔ دن بھر لو چلتی ہے حواس مختل رہتے ہیں۔ باقی حالات بدستور ہیں۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ خط پہنچنے پر جوابیہ کارڈ فوراً اطلاع دیجئے تاکہ باعث اطمینان ہو۔

زیادہ دعا

خیر اندیش صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۸ر جون ۱۹۲۶ء

(۳)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی سلمہٗ و فضلکم!

دعا۔ غزل مشاعرہ کپورتھلہ آج ہی روانہ کر چکا ہوں۔ اس کے بعد یہ خط پہنچا۔ خوں کے مقابلے میں خون واقعی زیادہ فصیح ہے اور اس لئے میں بھی اس مصرع میں رد و بدل کرنے والا تھا مگر شاید نظر انداز ہو گیا اس لئے کہ دماغ آجکل ایک تو گرمی کی شدت سے ہر وقت بے کیف رہتا ہے اور حواس مختل۔ دوسری وجہ پریشانی خاطر کی یہ ہے کہ میری چھوٹی بہو ہفتہ عشرہ سے تپ میں مبتلا ہے۔ ۱۰۶ ڈگری تک بعض اوقات بخار پہنچتا ہے اور قریب بہ سرسام حالت پہنچ جاتی ہے اس لئے طبیعت یکسو نہیں رہتی۔ بیشتر دل متفکر رہتا ہے۔ بہرحال مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ تمہارے ذہن میں یہ بات خود ہی آ گئی اور تم نے مصرع بدل دیا۔ (رنگی ہے خون کے چھینٹوں سے چادر مہتاب) پہلے مصرع کی جگہ اس کو رکھئے۔ یہ بہت ٹھیک ہے۔ وہ خفیف سا سقم اخفائے نون کا نکل گیا۔ غزل ماشاء اللہ بہت اچھی کہی ہے۔ مجھے بہت پسند آئی۔

سرور صاحب کے اس مصرع کو "گئے نیاز محمد بھی باغ دنیا سے" غالباً میں نے عدد نکال کر نہیں دیکھا تھا ورنہ میں کبھی اس کو جائز نہ رکھتا کہ "گئے" کے ۲۰ عدد لئے جائیں گے۔ "گئے" میں دو "ے" ہیں۔ پہلی ہمزہ ہو گئی ہے مگر عدد اس کے بھی دس ہی شمار کئے جائیں گے۔ "آئی" کے جلال نے اگر گیارہ عدد لئے ہیں تو یہ ہرگز صحیح نہیں۔ اس لئے کہ "آئی" میں بھی دو "ے" شمار میں آنا چاہئے۔ پہلی "ے" بصورت ہمزہ ہے اس کے بھی دس عدد لینا چاہئے اور اس طرح آئی کے ۲۱ عدد ہوتے ہیں۔ "کہلائے" بر وزن "فعولن" اس کے بھی ۶۷ لینا چاہئے۔ کیونکہ اس میں بھی دو "ے" ہیں۔ پہلی "ے" ہمزہ کی صورت میں ہے۔ اگر امیر مینائی صاحب نے اس لفظ کے ۶۶ عدد لئے ہیں تو مجھے ان کی رائے سے اتفاق نہیں البتہ کہلائے اگر بر وزن فعول کہیں پر نظم میں آئے تو اس حالت میں آپ ۶۶ لے سکتے ہیں کیونکہ کتابت میں صرف ایک "ے" ہوگی اور اس کے دس شمار کئے جائیں گے۔ گئے نیاز محمد بھی باغ دنیا سے۔ اس مصرع کے عدد ۱۳۵۵ ہوتے ہیں۔ ان سے کہئے کہ دس کا تخرجہ کریں ورنہ مصرع غلط ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے پہلے جوڑ کر کیوں نہ دیکھ لیا۔ آپ کی تاریخ صحیح ہے "گئے" کے ۲۰ ہی عدد ہونا چاہئے۔ سرور صاحب کا وہ قطعہ تاریخ جو انہوں نے گرامی مرحوم کی وفات پر کہا ہے میں نے اس کا مصرع مادہ جوڑ کر دیکھ لیا اور اشعار بھی دیکھ لئے اور ضروری تصرف بعض مقامات پر کر دیا۔ جواب بواپسی ڈاک بھیجتا ہوں تاکہ مشاعرے کے قبل خط آپ کو پہنچ جائے۔ زیادہ دعا۔ جملہ احباب کو سلام۔ اپنے گھر میں دعا۔ وصی صاحب سلام عرض کرتے ہیں۔

صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۱۴ / جون ۱۹۲۷ء

(۴)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیز سلمکم اللہ!

دعائے طول حیات و ترقی درجات۔ مدت مدید کے بعد خط آیا باعث اطمینان خاطر ہوا۔ حق سبحانہ تعالیٰ تمہیں اپنے

حفظ و امان میں رکھے اور مقدمات میں کامیاب کرے اور صحت و عافیت نصیب ہو۔ میں بھی دو سال تک عجب افکار و آلام میں رہا۔ کئی مرتبہ خیال آیا مگر خط بھیجنے کی نوبت نہ آسکی۔ امسال ایک جلسہ ملتان میں تھا اور دعوتی خط بھی بہت اصرار کے ساتھ آیا تھا مگر مجبوریوں کی وجہ سے نہ جا سکا۔ اب سفر میں زحمت بھی محسوس ہوتی ہے اس لئے طبیعت بہت جھجکتی ہے کانفرنس کا جلسہ غالباً ایسٹر کی تعطیل میں بمقام منٹگمری ہوگا۔ بوجہ پیرانہ سالی و خرابی صحت قصد شرکت نہیں ہے لیکن اگر ایسا ہی مجبور کیا گیا اور جانا پڑا تو ضرور تم کو اطلاع دوں گا۔

تنظیم الحیات کی ابھی بہت سی جلدیں پڑی ہوئی ہیں یہ نکل جائیں تو اور کلام طبع کراؤں میں کچھ ایسا عدیم الفرصت رہا کہ ان جلدوں کے نکلنے کی اب تک کوئی معقول فکر نہیں کی۔ ٹھکا ٹھکی نکلتی رہتی ہیں۔ آپ کو اختیار ہے جس جس رسالے میں مناسب سمجھئے ریویو کرا دیجئے۔ وصی سلمہٗ اچھے ہیں۔ آج کل روزوں کی وجہ سے اور بھی کمزور ہو رہے ہیں۔ آپ کو سلام کہا ہے اور ان کے بچے نے تسلیم عرض کی ہے۔ گھر میں اب بفضلہٖ سب بصحت و عافیت ہیں۔ گزشتہ سال البتہ پورا سال ملیریا کے حملوں میں گذرا۔ متواتر کیلے ہر شخص پر ہوتے رہے۔ نومبر دسمبر سے نجات ملی ہے۔ اپنے گھر میں میری دعا پہنچا دو۔ غزل میں نے دیکھی ماشاء اللہ بہت خوب کہی ہے۔ صرف دو ایک مقامات پر خفیف سا تصرف کرنا پڑا سب شعر اچھے ہیں۔ احباب کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا خصوصاً سرور صاحب کو۔ تمہارے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے مگر ضعف و ناتوانی زنجیر پا ہے۔ اگر کانفرنس میں شرکت ہوئی تو انشاء اللہ ضرور ملوں گا۔ زیادہ دعا۔

صفی عفی عنہ۔ ۱۰ر فروری ۱۹۳۱ء

(۵)

بنام محمد کبیر خاں رسا جالندھری

عزیزی سلمکم اللہ!

دعا۔ میں آج خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ تمہارا دوسرا خط مجھے ملا۔ آخرانہ کہ مصرع جو دوسری بحر میں تم نے کہا ہے وہی بہتر ہے۔ مابقی مصاریع سقم سے خالی نہیں حسب فرمائش اسی پر تین مصرعے لگا دئے گئے۔ مصرع تاریخ میں شاعر کے تخلص کا عدد میں شامل ہونا پسندیدہ نہیں۔ علاوہ بریں مرحوم کے نام کا اشعار بھی بے تکلفانہ نہیں۔ لہٰذا پہلا قطعہ قلمزد کر دیا گیا۔ الف ممدودہ کے بعض تاریخ گویوں نے دو عدد لئے ہیں لیکن بالعموم ایک ہی لیا جاتا ہے اگر بضرورت کبھی الف ممدودہ کے دو عدد لینے کا اتفاق پڑے تو اس حالت میں رسم الخط بدل دینا چاہئے مثلاً آہ کے اگر آپ ۷ لینا چاہیں تو یوں لکھئے ااہ۔ قدیم رسم الخط الف ممدودہ کا یہی تھا لیکن اگر الف پر آپ مد لکھیں تو پھر اس کے ۶ شمار کرنا چاہئے نہ کہ ۷۔ بہرکیف بلحاظ رسم الخط رائج الوقت دوسرے مصرع تاریخ میں ایک گھٹتا ہے اور تیسرے مصرع تاریخ میں ایک بڑھتا ہے اس لئے یہ دونوں مصرعے بھی قلمزد کر دئے گئے اور چوتھا مصرع جو دوسری بحر میں آپ نے نظم کیا ہے ادنےٰ تغیر کے ساتھ قائم رکھا گیا اور اسی پر تین مصرعے لگا کر قطعہ کر دیا گیا بس یہ کافی ہے۔ اس میں مرحوم اور ان کے بچے دونوں کی وفات کا کنایۃً ذکر ہے نعت میں جو نظم آپ نے کہی ہے اسے اصلاح دے کر اس کے ہمراہ روانہ کرتا ہوں۔ فن تاریخ میں ایک رسالہ جلالی مرحوم نے

لکھا ہے اس وقت نام میرے ذہن میں نہیں انشاء اللہ دریافت کرکے لکھ بھیجوں گا۔ تنظیم الہیات پر تنقید لکھنے کے متعلق آپ نے کئی جملوں میں لکھا ہے۔ مجھے یاد ہے لیکن آخر اکتوبر سے اب تک میں شدید دردِ سر کے دورے میں مبتلا رہا۔ اس لئے اس کے متعلق بالکل کوئی انتظام نہ کر سکا۔ اسی ناسازیٔ مزاج کی وجہ سے آپ کے پہلے خط کا جواب بھی اب تک نہ لکھ سکا اور نہ آپ کے دوست ذاکر صاحب مدیرِ فانوس کو کوئی خط لکھ سکا۔ لکھنے پڑھنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ان سے میرا سلام کہئے اور خط نہ بھیجنے کی وجہ بیان کر دیجئے۔ پرانی نظمیں وقتاً فوقتاً چھپ چکی ہیں۔ انہیں کیا بھیجوں۔ جدید نظموں کی فکر مدت سے چھوڑ دی اس لئے کہ دماغی کام کرنے سے دردِ سر بڑھ جاتا ہے۔ میں تو شاعری ہی کو خیرباد کہہ چکا ہوں۔ اگر کبھی کوئی جدید نظم یا غزل کہوں گا تو آپ کے رسالے میں بھی بھیج دوں گا۔

سرور صاحب اور دیگر احباب کو میرا سلام پہنچا دیجئے اور اپنے گھر میں دعا کہہ دیجئے۔ آپ کی سالی کا واقعہ دریافت ہو کر بہت قلق ہوا۔ خداوند کریم آپ حضرات کو صبر عطا فرمائے۔ مشیتِ ایزدی میں کیا چارہ ہے۔ آپ نے اپنے خط سابق میں لفظ "جذبات" کے متعلق لکھا ہے۔ اس لفظ کے متعلق میری وہی رائے اب بھی ہے جو پیشتر لکھ چکا ہوں۔ جذبات اور پرستان یہ دونوں ایسے لفظ ہیں جو اب تک زیرِ تحقیق ہیں۔ اوّل الذکر عربی نما ہے اور مؤخر الذکر فارسی نما۔ لیکن عربی اور فارسی نظموں میں کسی اہلِ زبان نے استعمال نہیں کیا ہے۔ جذب بمعنی کشش البتہ عربی لغت میں ہے۔ فارسیوں نے ہائے تحتی بڑھا کر جذبہ بنا لیا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ اردو میں جذبات کا لفظ بمعنی FEELINGS جو عطف و اضافت کے ساتھ اپنی تحریروں میں سرسید مرحوم، علامہ شبلی مرحوم اور دیگر مشاہیر نے استعمال کیا ہے۔ اس کی سند کسی عربی یا فارسی شعر میں نہیں ملتی۔ خود تحقیق کئے بغیر محض انہی معاصرین کے اعتبار پر اپنی پرانی نظموں میں دو ایک مقامات پر میں نے اس لفظ کو نظم کیا تھا اور میرے ہی تتبع میں عزیز نے بھی اپنی نظموں میں استعمال کرنا شروع کر دیا مگر عند التحقیق جب مجھ پر یہ واضح ہو گیا کہ کسی عرب یا عجم کے کلامِ منظوم میں جذبات کا لفظ مستعمل نہیں تو میں نے اسے ترک کر دیا اور اسی بنا پر آپ کو بھی منع کر دیا۔ لوائح جامی کے لائحۂ یازدہم میں ایک مقام پر یہ لفظ نثر میں صرف ہوا ہے۔ عبارت یہ ہے "اما چوں آثار جذبات لطف در دے ظہور کند..... الخ" لیکن بمعنی FEELINGS مجرد ایک شخص کا نثر میں اس لفظ کو استعمال کر دینا اطمینان کے لئے کافی نہیں ہے گو کہ ملا جامی استادِ فن اور بڑے مرتبے کے آدمی ہیں اور ممکن ہے کہ مذکورۂ بالا صدر اشخاص نے انہی کی تاسی میں اس لفظ کا استعمال نثر اردو میں شروع کر دیا ہو مگر تاوقتیکہ کسی اور اہلِ زبان کے کلام میں اس کا ثبوت بہم نہ پہنچے احتیاط اسی کی مقتضی ہے کہ حتی الوسع اس کے صرف سے احتراز کیا جائے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ "جذبات" اور "پرستان" کو اردو کی حیثیت سے استعمال کرنا بالکل جائز ہے۔ لیکن عطف و اضافت کے ساتھ استعمال ان دونوں لفظوں کا اگرچہ حرام مطلق تو نہیں مگر مکروہ ضرور ہے اور میں اسی مسلک پر کاربند ہوں۔ میرا جو مصرع اس لفظ کے جواز میں استدلالاً پیش کیا گیا ہے وہ ۱۸۹۰ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان کا کلام ہے یعنی تقریباً چالیس برس پیشتر کا کلام۔

وصی سلمہٗ نے بہت بہت سلام عرض کیا ہے اور ان کا بچہ تسلیم عرض کر رہا ہے۔ زیادہ دعا۔

محررہ صفی عفی عنہ۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۳۱ء

(۶)

بنام دل شاہجہان پوری

مکرمی زاد لطفکم!

سلام نیاز۔ جناب کا دیوان موسوم بہ "نغمۂ دل" موصول ہو کر باعث شکر گذاری و منت پذیری نیاز مند ہوا۔ چاہتا ہوں کہ بالاستیعاب اسے دیکھ کر اپنی مختصر رائے پیش کردوں مگر بوجہ ناسازیٔ مزاج و ہجوم افکار اب تک اس کی نوبت نہیں آئی۔ باوقات مختلف جستہ جستہ جو کچھ دیکھا ہے اور اس سے جس قدر لطف حاصل ہوا ہے اس کا اندازہ اس ایک شعر سے ہو سکتا ہے ؎

از نغمۂ دل صفی دلم شد پُر کیف
بر دل ریزد: آنچہ از دل خیزد

میں تو ہمیشہ سے آپ کے کلام کا دلدادہ ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دیوان سلیم المذاقی کا بہترین نمونہ ہے شعرائے صف اول میں آپ کو ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ مکرمی رئیس التحریر حضرت نیاز فتحپوری نے مقدمۂ دیوان میں جو کچھ لکھا ہے مجھے اس سے حرف بحرف اتفاق ہے اور اس کے علاوہ اب کسی تحریر کو تحصیل حاصل سمجھتا ہوں۔

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

خاکسار: صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

(۷)

بنام دل شاہجہان پوری

مکرمی و محترمی زاد لطفکم!

تسلیم۔ ابھی ابھی کارڈ مورخہ ۳ فروری ۱۹۳۵ء وصول ہوا۔ عزیزی ظریف صاحب سلمہٗ آجکل محمود آباد میں ہیں۔ راجہ صاحب دہلی سے واپس آکر وہیں چلے گئے اس لئے وہ بھی انہی کے ہمرکاب محمود آباد گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ شیخ حبیب اللہ صاحب نے راجہ صاحب سے اجازت کے متعلق تحریک کی یا نہیں۔ اگر عزیز موصوف یہاں ہوتے تو میں دریافت کر لیتا۔

اب رہا میرے متعلق تو آپ کو غالباً خوب یاد ہوگا کہ صاف الفاظ میں میں نے عرض کر دیا تھا کہ اگر ابھی سردی رہی تو میں شرکت سے معذور رہوں گا۔ چونکہ وعدہ مشروط تھا اور جو شرط مانع سفر تھی وہ تاریخ معینہ تک فوت نہیں ہو سکتی اس لحاظ سے کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اس کے مقابل اب سردی چہار چند ہو گئی ہے۔ ایسی حالت میں میں تعمیل ارشاد سے بالکل قاصر ہوں۔ اگر حاضر ہو سکتا تو طرحی یا غیر طرحی کوئی کلام عرض کر دیتا۔ اسی بنا پر کل دعوت ناموں کے جواب میں معذرت نامے بھیج چکا ہوں۔ آپ ہی کی طرح ہر کرم فرما کا اصرار بلیغ شرکت کے متعلق ہے۔ مگر میں بحالت موجودہ کہیں نہیں جا سکتا۔

جناب کو اپنے مشاعرے کا خیال ہے مجھے اپنی صحت کا جس کی ذمہ داری خود مجھ پر ہے لہذا مجھے افسوس ہے کہ مشاعروں پر اپنی صحت کو قربان نہیں کر سکتا۔ زیادہ نیاز!

خاکسار: صفی عفی عنہ۔ ۵ فروری ۱۹۳۵ء

(۸)

نام راز شاہجہانپوری

مکرمی زاد لطفکم!

تسلیم۔ کمال مرتبہ شکر گذار ہوں کہ جناب نے مذرِ مرض کو ناروا خیال فرما کر حاضری سے مستثنیٰ فرما دیا۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اب زیادہ سردی یا زیادہ گرمی میں میری حالت اس قابل نہیں رہتی کہ سفر کر سکوں۔ ورنہ اس سے بہتر کیا تھا کہ حاضر ہو کر آپ حضرات سے مل کر مسرت اندوز ہوتا۔ اسی تاریخ اور اسی وقت آگرے میں بھی ایک مشاعرہ ہے اور وہاں کے احباب نے بھی بے حد اصرار فرمایا تھا مگر میں نے لکھ دیا تھا کہ اگر سفر کے قابل ہوتا تو میں شاہجہان پور کے مشاعرہ میں شرکت کرتا۔ آگرے میں چونکہ اسی روز اسی وقت مشاعرہ منعقد ہوگا لہٰذا ایسی صورت میں شرکت کا کوئی موقع ہی نہیں۔ اب رہا ظریف صاحب کا معاملہ ان کے متعلق میں مکرر عرض کر چکا ہوں کہ بغیر اجازت راجہ صاحب ان کی شرکت کہیں ممکن نہیں اور ان کے بارے میں راجہ صاحب ہی کی خدمت میں تحریک ہونا چاہئے۔ ابھی تک راجہ صاحب نے آپ کے مشاعرے یا آگرے کے مشاعرے کے متعلق ظریف صاحب سے کچھ نہیں فرمایا ہے۔ صرف ایک مشاعرے کے متعلق حکم دیا ہے جو اسلامیہ سکول لکھنؤ میں بتاریخ ۲۴ فروری ۱۹۲۵ء ہونے والا ہے اور بس۔ اگر آپ کے مشاعرے یا آگرے کے مشاعرے کے لئے کوئی تحریر محتشم اللہ کی خدمت میں پہنچتی تو غالباً اس کا بھی ذکر وہ ضرور فرماتے۔ اطلاعاً گذارش ہے امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔ صاحب زادے کو بہت بہت دعا بعد نیاز

نیاز کیش خیر اندیش: صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ ۱۲ فروری ۱۹۲۵ء

(۹)

نام جناب طاہر فاروقی صاحب، اسلامیہ کالج پشاور

مکرمی! زاد لطفکم

تسلیم۔ کل شب کو عنایت نامہ ملا۔ لطف آمیز اصرار باعث اضافۂ شرمندگی ہوا۔ خط سابق میں تاریخ انعقاد مشاعرۂ شاہجہان پور زیر اہتمام جناب دل صاحب غالباً میں غلط تحریر کر گیا ہوں۔ وہاں بھی اسی تاریخ کو مشاعرہ ہے جس روز آپ کے یہاں یعنی ۱۶ ویں گذر کے شب کو اور اس طرح جب متحد الوقت یہ دونوں مشاعرے ہیں۔ دونوں میں شرکت محال اور اگر ایک میں شرکت کی جائے تو دوسرے کے لئے باعثِ ملال۔ اس لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ بازی قائم رکھی جائے یعنی کہیں بھی شرکت نہ ہو۔

جناب ضمیر حسن خاں صاحب دل اپنے مشاعرے کے لئے گذشتہ سال سے اصرار فرما رہے ہیں جناب موصوف "انجمن بہار ادب لکھنؤ" کے رجو میرے مرحوم شاگرد بہار کی یادگار ہیں انہی کے نام سے منسوب و معنون ہے اور جس کا صدر میں خود ہوں) ایک ممتاز رکن ہیں نیز میرے ہم فن اور قدیم کرم فرما۔ امسال وہ انجمن مذکور کے اکثر مشاعروں میں اسی وجہ سے شرکت فرماتے رہے کہ اپنے مشاعرے کی شرکت کے لئے اراکین انجمن کو آمادہ کرتے رہیں۔ ان کے مسلسل اور شماتہ اصرار

سے مجبور ہو کر میں نے ان سے بہ مشروط وعدہ کر لیا تھا کہ اگر میرا مزاج اچھا رہا اور اشتداد موسم مانع و مزاحم نہ ہوا تو میں حاضر ہوں گا۔ اسی بنا پہ ان کے چند عنایت نامے بہ تحریک ایفائے وعدہ دسمبر سے اب تک آ چکے ہیں اور میں برابر عذرات موانع حاضری پیش کر رہا ہوں۔ پس ایسی صورت میں کہ ان کے وعدے کو تقدیم زمانی بھی حاصل ہے میں اسے نظر انداز کر کے آگرے کے مشاعرے میں اگر شرکت کروں تو یہ انصافاً کب مستحسن قرار پا سکتا ہے۔ اگر دونوں مشاعرے متحد الوقت نہ ہونے تو البتہ یہ امر ممکن تھا کہ اپنی صحت کو معرض ہلاکت میں ڈال کر جس طرح بنتا دونوں جگہ شریک ہو جاتا۔ بہ نسبت آگرے کے شاہجہاں پور لکھنؤ سے نزدیک بھی ہے لہٰذا وہاں کے مشاعرے کو چھوڑ کر آگرے کے مشاعرے میں شریک ہونا بے حد قابلِ اعتراض ہوگا اور اس شکایت کا کوئی جواب میرے پاس نہیں۔

اب رہا ظریف صاحب کا معاملہ تو وہ بیچارے بندگی و بیچارگی کے عالم میں ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے ساتھ ساتھ ان کا قیام رہتا ہے۔ کبھی لکھنؤ میں ہیں کبھی محمود آباد میں، ان کی شرکت و عدم شرکت راجہ صاحب ہی کی اجازت پر منحصر ہے۔

انہی باتوں پر نظر کر کے میں نے عریضہ سابق میں لکھا تھا کہ کسی صاحب کا محض ہم لوگوں کو لے جانے کے لئے زحمت فرمانا بے سود ہوگا۔ اپنے متعلق جو مجبوریاں ہیں وہ بھی عرض کر چکا اب رہا تقریب بہر ملاقات تو اگر زندگی باقی ہے تو ان شاء اللہ اس طرف جب کبھی حاضر ہونے کا اتفاق ہوگا ضرور در دولت پر حاضر ہو کر شرف دیدار حاصل کروں گا۔ امید ہے کہ مزاج عالی مع جملہ متعلقین مع الخیر ہوگا۔ زیادہ نیاز۔

نیاز کیش خیر اندیش: صفی عفی عنہ۔ فروری ۱۹۳۵ء

(۱۰)

بنام طاہر فاروقی صاحب، اسلامیہ کالج پشاور

مکرمی و محترمی دامت معالیکم!

تسلیم بالتحیۃ والتکریم۔ عید مبارک! سخت محجوب ہوں کہ دعوت نامہ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۳۸ء کا جواب اب تک نہ بھیج سکا۔ واقعاً مجھے اپنی محرومیٔ قسمت پر خود افسوس ہے کہ جناب محترمی محمد مرتضیٰ صاحب صدیقی انکم ٹیکس افسر آگرہ کے توسط سے اس کے پیشتر چند بار میں یاد فرمایا گیا اور اب جناب خود یاد فرما رہے ہیں مگر حاضری سے برابر قاصر ہوں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ۷۰ سال کی عمر تک خاکسار حتی الامکان احباب کے احکام کی بلا عذر تعمیل کرتا رہا اور جو زحمتیں پڑتی رہیں انہیں برداشت کرتا رہا۔ لیکن اب چند سال سے انحطاط قویٰ اور اعراض پیری نے ایسا کمزور کر دیا ہے کہ ان مقامات پر بھی نہیں جا سکتا جہاں اکثر اوقات شریک ہوتا رہتا تھا۔ مثلاً سالانہ مشاعرہ بورڈنگ ہاؤس یونیورسٹی الہ آباد، یا سالانہ محفلِ قصیدہ خوانی موتی مسجد فیض آباد، یا سالانہ اجلاس ہائے شیعہ کانفرنس وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ خود لکھنؤ کی انجمن بہارِ ادب کے مشاعروں میں شاذ و نادر شرکت کا اتفاق ہوتا ہے حالانکہ انجمن مذکور کا میں خود صدر رہا ہوں اور وہ میرے مرحوم شاگرد "بہار" کے نام سے معنون ہے۔ اس عزلت گزینی کے بعد اسے جتنے دعوت نامے مختلف مقامات سے آتے ہیں مجبوراً جواب میں معذرت نامے بھیجنا پڑتے ہیں اور اپنی مجبوری کا

احساس کرکے بے حد شرمندہ ہوتا ہوں۔ کیا کروں ایک تو خلقتہً کمزور ہوں اس پر طرّہ یہ کہ کئی برس سے خونی بواسیر کے مرض میں مبتلا ہوں جس کے دورے سال میں دو تین بار ضرور ہوتے رہتے ہیں اور اس زمانے میں نقاہت اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ گھنٹے آدھ گھنٹے بھی مسلسل بیٹھ نہیں سکتا۔ زیادہ تر بستر پر پڑا رہتا ہوں۔ سیر و سفر کی مجھے یوں بھی عادت نہیں تھی۔ زمانۂ صحت میں جب کبھی ضرورتاً باہر جانے کا اتفاق ہوتا تھا خدا بخشے میرے چھوٹے بھائی ظریف مرحوم زندہ تھے، میرے ساتھ چل کر میری راحت رسانی کا ہر وقت خیال رکھتے تھے اور جہاں میں خود نہیں جا سکتا تھا اپنی طرف سے انہی کو بھیج دیتا تھا۔ لیکن افسوس صد افسوس اس ضعیفی کے عالم میں انہوں نے مجھے تنہا چھوڑ دیا، اب کہاں جاؤں ؏

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

میری موجودہ حالت اب کسی طرح اس قابل نہیں کہ سردی کے زمانے میں سفر کروں یا مشاعرے میں رات بھر بیٹھوں۔ میرے لئے ایسی جسارت خودکشی کے مترادف ہوگی لہٰذا امید ہے کہ جناب والا میری معذوریوں پر نظر رحم فرما کر مجھے معاف فرمائیں گے۔ فقط زیادہ نیاز!

خاکسار: صفی عفی عنہ۔ مولوی گنج لکھنؤ۔ ۲۴ نومبر ۱۹۴۸ء

---

(۱۱)

بری

عزیزی سلمکم اللہ!

دعا۔ خط مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء مجھے مل گیا۔ جواب بھیجنے میں البتہ تاخیر ہو گئی جس کا مجھے افسوس ہے۔ تاخیر کا سبب یہ ہوا کہ ۷ مارچ سے ۱۳ اپریل تک تمہارے بھتیجے کا سالانہ امتحان تھا اور امتحان بھی ایف۔ اے کا فائنل۔ اس لئے مجھے بالکل فرصت نہ ملی۔ چونکہ اردو اور عربی دو مضمونوں کی کتابیں وہ مجھی سے پڑھتے رہتے ہیں لہٰذا اس زمانے میں زیادہ تر اوقات ان کے تیار کرانے میں صرف ہوا۔ پھر لکھنؤ میں آل پارٹیز کانفرنس ۱۴ اپریل سے شروع ہو گئی۔ دو روز رہی، اس میں شریک ہونا پڑا۔ حالانکہ دہلی کی کانفرنس کے بعد سے میں نے کانفرنسوں اور جلسوں مشاعروں میں شرکت قطعاً ترک کر دی ہے۔ پیرانہ سالی، صحت کی خرابی اور سب سے بڑھ کر مصائب و آلام نے بالکل دل افسردہ کر دیا ہے۔ پیوستہ سال بھائی کا داغ اٹھایا، پار سال رفیقۂ حیات کی رحلت کا صدمہ اور امسال تو وہ روح فرسا جانگزا غم نصیب ہوا جس نے بالکل زندہ درگور کر دیا یعنی جوان سلیقہ مند بیٹی جس کے دم سے گھر کا سب انتظام درست تھا، دفعتہً آٹھ روز تپ میں مبتلا ہو کر رحلت کر گئی۔ بہرحال جو خدا کی مرضی۔ اس کی مشیت میں چارہ ہی کیا ہے۔ امسال آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس بمقام دو کوہا متصل جالندھر ہوگا مگر میں شریک نہ ہو سکوں گا۔ بالکل خانہ نشین ہو گیا ہوں۔ سفر وغیرہ کے قابل نہیں رہا۔ بہت کمزور ہو گیا ہوں اور سب کلام مثلاً قصائد، تاریخیں، نظمیں، قطعات، مکتوبات منظوم وغیرہ مرتب ہو گئے ہیں۔ اب غزلیات اور رباعیات خیام کا ترجمہ منظوم، ان دو چیزوں کی ترتیب باقی ہے اور ظریف مرحوم کے کلام کی ترتیب۔ انہی چیزوں کی ترتیب میں وقت کاٹتا ہوں۔ رباعیات خیام کے متعدد مجموعے مطبوعہ ہندوستان، طہران جمع کر کے ان سے ایک مکمل مجموعہ تیار کیا ہے اور تمام رباعیوں کا

ترجمہ بھی زیادہ تر رباعی اور کم تر قطعے کے دو شعروں میں کر ڈالا ہے اور ترجمے میں اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ اصل مضمون ہے حتی الوسع علیحدہ نہ ہونے پائے اور اسی کے ساتھ با محاورہ اردو میں ہو۔ ہر رباعی کے متعلق ایک مفصل نوٹ بھی لکھتا جاتا ہوں۔ مطبوعہ مجموعے جہاں تک میری نظر سے گذرے سب بے حد مختلف اور نہایت درجہ غلط ہیں۔

سرور صاحب کو میرا اسلام کہئے۔ وصی میاں نے آپ کو سلام کہا ہے اور ان کے بچے نے تسلیم عرض کی ہے امید ہے کہ تمہارا مزاج مع الخیر ہوگا۔ خیر و عافیت سے گاہے ماہے مطلع کر دیا کرو۔ زیادہ دعا۔ المرقوم ۲۰ اپریل ۱۹۴۰ء

صفی عفی عنہ

مکرر یہ کہ ۲۱ اپریل سے شہر بھر میں بدامنی کا دور تھا اس لئے خط روانہ نہ ہو سکا۔ اب کسی قدر سکون ہے۔

تحریر: ۲۷ اپریل ۱۹۴۰ء

حررہٗ صفی عفی عنہ

منشی دیانرائن نگم

منشی دیانرائن نگم ایڈیٹر رسالہ زمانہ (کانپور) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں نے زمانہ کے ذریعے سے سلامت روی کے ساتھ مدت العمر اردو کی جو خدمت انجام دی وہ تشریح سے بے نیاز۔ متعدد اہل قلم صرف زمانہ ہی کے ذریعے سے روشناس عوام ہوئے ان میں سب سے بڑھ کر قابل ذکر منشی پریم چند ہیں ذیل میں موصوف کے چند خطوط پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱)

حسن مارہروی

عنایت فرمائیدہ تسلیم۔ نوازش نامہ باعث مشکوری ہوا۔ تصویر کی نسبت معترضین کا اعتراض ہے کہ اس کا بیک گراؤنڈ قلعہ معلی ہے جو اس وقت موجود نہ تھا اور خاندان کے آخری دور کی عمارتوں میں ہے اُن کا خیال ہے کہ تصویر اکبر اعظم کی نہیں بلکہ اکبر ثانی کی ہے۔ مروجہ تصویروں سے اس کی شباہت بھی مختلف ہے۔ اس میں چہرا کسی قدر لمبا ہے۔ عام تصویروں میں بالکل گول ہے۔ چہرے سے بڑھاپے کے آثار نمودار ہیں۔ اکبر بڑھاپے میں سلطان عالم پناہ سے بہالی ہو گئے تھے اور ڈاڑھی کا بالکل صفایا کر دیا تھا۔ ذاتی طور پر مجھے آپ کے خیال سے اتفاق ہے مگر یہ باتیں بھی قابل لحاظ ہیں۔ میں ایک نورتن کا گروپ چھپوانا چاہتا ہوں۔ آپ کے پاس ہو یا کہیں سے دستیاب ہو سکے تو مزید عنایت قرمائیں۔ بلاک بننے کے بعد میں احتیاط کے ساتھ اصل تصویر کی واپسی کا ذمہ دار ہوں۔ مجھے یہ سُن کر نہایت خوشی ہوئی کہ امسال انجمن ترقی اُردو کے آپ سکرٹری مقرر ہوئے۔ میں اس انتخاب پر آپ کو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں انجمن ترقی اُردو نے اب تک کوئی کارنمایاں نہیں کیا ہے۔ خدا کرے آپ کے زمانے میں یہ ایک مُردہ انجمن کی حالت میں نہ رہے۔ زمانے میں علمی خبروں اور نوٹس کا ایک مفید سلسلہ شائع ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی بالکل بند نہیں ہو گیا ہے کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ اس سلسلے کا ایک حصہ انجمن ترقی اُردو کے لئے وقف رہے جس میں آپ اس انجمن کے سیکرٹری کی حیثیت سے لکھتے رہیں۔ اس طرح سے زمانہ انجمن اُردو کا ایک باقاعدہ ارگن ہو جائے گا جس کی خریداری ممبران انجمن کے لئے مزدری ہونی چاہیئے۔ محض اس حصے کی علٰحدہ کاپیاں بھی شائع ہو سکتی ہیں۔ انجمن کا ایک باقاعدہ رسالہ جس میں اس کے متعلق کُل مزدری امور کارروائی سے پبلک کو اطلاع ملتی رہے ہونا مزدری ہے۔ میں زمانے

سکے لئے خواہ مخواہ اصرار نہیں کرتا ہوں ۔ مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ انجمن موصوف ایک کارگزار انجمن ہو جائے ۔ مضامین خاص کے لئے پبلشرز سے تکلیف دے رہا ہوں ۔ صاحبِ کندن لال اشکی کی سوانح عمری جنوری کے پرچے میں جو اول ہفتہ فروری میں شائع ہوگا ہدیۂ ناظرین ہوگی ۔ اب مارچ یا اپریل کے رسالے کے لئے کوئی چوٹی کا مضمون عنایت فرمائیے

زیادہ نیاز — ۲۶ر جنوری سنہ ۱۹۰۶ء — بندہ دیانرائن نگم ۔ کانپور

(۲)

مکرمی تسلیم ۔ عنایت نامہ صادر ہوا ۔ جواباً عرض ہے کہ میں ایسا مذہبی شخص نہیں ہوں جو یہ بتا سکوں کہ فلاں ترجمہ صحیح ہے اور فلاں غلط ۔ وید مقدس، رامائن اور مہابھارت وغیرہ کتابوں کے ترجموں کے لئے مندرجہ ذیل پتوں پر خط و کتابت کیجئے ۔ امید ہے کہ آپ کو عمدہ ترجمے دستیاب ہو سکیں گے ۔

۱ ۔ مطبع منشی نول کشور صاحب مرحوم ۔ لکھنؤ
۲ ۔ پانئی آفس ۔ الہ آباد
۳ ۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی ۔ اڈیار ۔ مدراس ۔
۴ ۔ راجپوت گزٹ ۔ لاہور

۱۰ر جولائی سنہ ۱۹۲۸ء — نیازمند دیانرائن نگم ۔ ایڈیٹر

بنام تمکین کاظمی

(۳)

مکرمی تسلیم ۔ اکثر رسائل میں آپ کے مفید و دلکش مضامین نظر سے گزرتے ہیں لیکن "زمانہ" جو ملجا کی قدامت آپ کی قلمی اعانت کا زیادہ مستحق ہے آپ کے رشحات فکریہ سے محروم ہے ۔ لہٰذا بذریعہ عریضہ ہذا آپ کی توجہ اس طرف منعطف کراتے ہوئے امیدوار ہوں کہ کوئی علمی مضمون یا دلکش افسانہ مرحمت فرما کر ممنون کیجئے ۔

دوسرا عریضہ سعیدی صاحب کے نام ہے ۔ مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں لہٰذا براہِ کرم ان کی خدمت میں بھیج دیجئے نیز مجھے ان کے پتے سے اطلاع دیجئے عنایت ہوگی ۔

امید ہے کہ آپ جواب سے جلد مطلع فرمائیں گے والتسلیم ۔

۱۲ر ستمبر سنہ ۱۹۲۸ء — نیازمند دیانرائن نگم ۔ ایڈیٹر

بنام مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

(۴)

DAYA NARAIN NIGAM, CAWNPORE.

مکرمی تسلیم ۔ نوازش نامہ ملا ۔ ملا صاحب کے نظم "دوشیزہ کا راز" پر آپ نے جو تبصرہ لکھا ہے اس کی

اشاعت کا موقع رسالہ زمانہ میں تو نہیں نکل سکتا ہے۔ البتہ اگر آپ فرمائیں تو میں اسے اپنے اخبار آزاد میں شائع کر دوں یا اگر آپ چاہیں تو اسے کسی اور رسالہ میں شائع کرا دیں۔ ملا صاحب کی نظموں کا میں بھی قدر داں ہوں۔ اور اسی لئے جہاں تک ممکن ہوتا ہے میں ان کی نظموں کو رسالہ زمانہ کے لئے حاصل کر لیتا ہوں ان کی تنقید کسی اور رسالہ میں شائع ہو تو بہتر ہو گا۔

کیا اچھا ہو اگر آپ زمانہ کے لئے کسی اور علمی، ادبی یا تاریخی مبحث پر قلم اٹھائیں۔

امید مزاج مبارک بخیریت ہو گا۔

۲۴ ر جولائی سنہ ۱۹۳۰ء

دیا نرائن نگم۔ ایڈیٹر زمانہ

(۵)

مولوی محمد اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

جناب مکرمی۔ تسلیم عرض۔ نوازش نامہ آیا تھا، شکریہ قبول فرمائیے اور تاخیر جواب کے لئے معاف کیجئے۔ میں شوق سے اردو رسالوں کے مضامین کا خلاصہ شائع کروں گا۔ بشرطیکہ ہر ماہ دس صفحات سے زائد مضمون نہ ہو اور ایک تاریخ مقررہ تک مضمون آ جائیں۔ ساتھ ہی موقع بہ موقع خلاصہ تنقیدی شان بھی لئے ہوئے ہو۔ معاوضے کے متعلق بھی آپ ہی تحریر فرمائیے۔ لیکن اتنا خیال رکھئے گا کہ اس وقت مالی پریشانیوں سے رسالے بھی آزاد نہیں ہیں۔ زمانہ یوں بھی کوئی متمول رسالہ نہ تھا۔ کتابوں کے ریویو کا بھی کام ہے۔ بہر نوع آپ کی جو رائے ہو اس سے مطلع فرمائیے۔

کانپور ۱۶ ر جون سنہ ۱۹۳۲ء

نیاز مند بندہ دیا نرائن نگم۔ ایڈیٹر زمانہ

(۶)

بنام مولوی اظہار الحسن صاحب وکیل غازی آباد

میرے مکرم۔ تسلیم۔ نوازش نامہ معہ مضمون صادر ہو کر باعث شکریہ ہوا تھا۔ میں ان دنوں حوادث روزگار سے بہت سرگرداں رہا۔ اس لئے اب تک شکریہ درکنار رسید بھی نہ دے سکا۔ معاف فرمائیے گا۔

آپ کا مضمون مارچ نمبر زمانہ میں درج کر رہا ہوں۔ اختصار اور حسن الفاظ کو میں بھی بہت پسند کرتا ہوں۔ عملی حیثیت سے تحریر میں عبارت کی استخواں بندی کا بھی بڑا قائل ہوں لیکن میری قطعی رائے ہے کہ اردو میں اضافت کا رواج کم ہونا چاہئے۔ دوسرے جمع کا صیغہ بھی فارسی قاعدوں کے ماتحت نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال آپ کا مضمون اسی عنوان پر بعض دیگر مضامین کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

آئندہ بھی حسب فرصت زمانہ کی قلمی امداد کا سلسلہ جاری رکھئے۔

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہو گا۔

۲۶ ر فروری سنہ ۱۹۴۱ء

بندہ دیا نرائن نگم

مولانا وحید الدین سلیم

(۱)

بنام نواب سید علی حسن مرحوم

مخدومی و مطاعی جناب نواب صاحب دام اقبالکم!

مجھ کو جناب سے دو چار مرتبہ سرسری نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔ اب معارف کے ذریعہ سے ہر مہینہ زمیں بوس حاصل ہو جاتا ہے۔ جناب کو معارف کا خریدار نہیں خیال کیا گیا ہے۔ بلکہ جناب کا نام نامی معارف کے سرپرستوں میں ہے۔ اس بنا پر مجھ کو یقین واثق ہے کہ میں جو التماس کروں گا اس کو شرف قبول حاصل ہوگا۔

"البیان" سا فصیح و بلیغ اور پُر زور لیکچر دیکھنے کے بعد مجھ کو پورا یقین ہو گیا ہے کہ اگر آپ توجہ فرمائیں تو اپنے زورِ قلم اور جادو بیانی سے قوم کو بہت کچھ منفعت پہنچا سکتے ہیں۔ جناب کی اس لیاقت اور فصاحت کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ہماری قوم نہایت ہی بد قسمت ہوگی اگر جناب کی بے نظیر، دلچسپ اور مفید تحریروں کے مطالعہ سے محروم رہے۔ میں معارف کے ناظرین کی طرف سے نہایت ادب کے ساتھ یہ التماس کرتا ہوں کہ جناب والا اپنے اوقاتِ گرامی کا ایک حصہ قوم کی فیض رسانی کے لئے وقف کریں اور معارف کے لئے کوئی علمی، تمدنی، اخلاقی، مذہبی یا تاریخی مضمون تحریر فرمائیں۔ میں اور حاجی صاحب اور معارف کے تمام ناظرین نہایت ہی ممنون ہوں گے اگر یہ التماس عزتِ قبول حاصل کرلے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ مولانا شبلی کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ جناب کے کتب خانہ میں "المقتطف" کے (مصر کا عربی رسالہ ہے) بہت سے پرچے موجود ہیں۔ اگر بطورِ امدادِ معارف کے چند روز کے لئے وہ کل پرچے مستعار عنایت فرمائیں تو نہایت مشکوری کا باعث ہوگا۔

مجھ کو امید کامل ہے کہ یہ دونوں التماس جناب والا قبول فرمائیں گے اور عریضہ کے جواب سے مشرف فرمائیں گے۔ زیادہ حدِ ادب۔

خاکسار: وحید الدین سلیم (ایڈیٹر معارف)
از دفتر معارف علی گڑھ ۱۲ ر نومبر ۱۸۹۸ء

(۲)

نام نواب سید علی حسن خاں مرحوم

جناب والا!

جناب کا عنایت نامہ مورخہ ۹ مارچ ۱۸۹۹ء معہ مضمون عرب کی تصنیفات اور یورپ کی فیاضی میرے پاس اس وقت پہنچا جبکہ میں پانی پت میں والدہ مرحومہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھا۔ مضمون کا شکریہ قبول فرمائیے اور اسی مضمون کو مکمل کر کے وقتاً فوقتاً ارسال فرمائیے کیونکہ یہ نہایت عمدہ اور پاکیزہ اور ناظرین معارف کے لئے دل پسند مضمون ہوگا۔ اگر اس کے مکمل کرنے میں دیر ہو تو حسب وعدہ آپ دیگر مختصر مضامین جن کا میٹریل پہلے سے جمع ہے ارسال فرمائیں۔

چونکہ معارف کے سرورق پر ہر مضمون کے ساتھ مضمون نگار کا پورا نام معہ خطاب و عہدہ وغیرہ درج کیا جاتا ہے اس لئے نہایت مہربانی ہوگی اگر آپ اس ضروری امر سے آگاہ فرمائیں۔

آپ نے اپنے عنایت نامہ میں میری نسبت جن خیالات کا اظہار فرمایا میں ان کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قبل اس سے کہ میں آپ کے اس عنایت آمیز استفسار کا جواب دوں اپنی سابقہ اور موجودہ ملازمت کی مختصر کیفیت عرض کر دینی مناسب سمجھتا ہوں۔

میں جب لاہور سے تعلیم پا کر نکلا تو سب سے پہلے ریاست بہاولپور میں بعہدۂ پروفیسر السنہ شرقیہ ایجرٹن کالج مقرر ہوا۔ تین ساڑھے تین برس کی ملازمت کے بعد اتفاقاً جنرل عظیم الدین خاں مرحوم وزیر ریاست رامپور سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجبور کیا کہ میں ہائی اسکول رامپور میں ہیڈ مولوی کا عہدہ منظور کر لوں۔ وزیر مرحوم کے دل میں میری نسبت آئندہ کے لئے جو خیالات تھے وہ سب چھ مہینہ کے مرحوم کے واقعۂ قتل سے خاک میں مل گئے۔ میں نے فوراً ملازمت کو ترک کیا اور ارادہ کر لیا کہ آئندہ ملازمت نہ کروں گا۔

میں نے اس کے بعد وطن میں مطب کرنا شروع کیا کیونکہ اس سے پیشتر میں ڈاکٹری اور یونانی طب کی تحصیل کر چکا تھا۔ پانچ برس مطب پر گذر گئے اور میں نہایت کامیابی سے اس کام میں مشغول تھا کہ یکایک سر سید مرحوم نے تار دے کر ملاقات کے لئے بلایا۔ میں اس کا مطلب کچھ نہ سمجھا مگر فوراً مولانا حالی کے ساتھ علی گڑھ کو روانہ ہو گیا۔ سر سید مرحوم نے ایک مہینہ کے قریب ٹھہرایا پھر مولانا حالی کو درمیان ڈال کر مجھے چاہا کہ میں یہیں قیام کر دوں۔ میں نے عرض کیا کہ میں ملازمت سے توبہ کر چکا ہوں۔ فرمایا کہ ملازمت کیسی؟ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ شریک رنج و راحت ہو کر رہو اور اگر تم پہلے مر جاؤ تو میں اپنے ہاتھ سے تم کو دفن کر دوں اور اگر میں تم سے پہلے مر جاؤں تو تم اپنے ہاتھ سے مجھ کو مٹی دو۔ غرضکہ میں ان کی مصاحبت اور رفاقت میں رہنے پر مجبور ہو گیا اور آخر مرحوم کے دم واپسیں تک ساتھ رہا ہوں۔

میں ان عنایتوں اور مہربانیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا جو مرحوم نے میرے حال پر مبذول فرمائیں۔ مرحوم کے بعد میں نے وطن جانے کا ارادہ کیا تو حاجی صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ اب وہاں جا کر کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ یہی علمی شغل اور اس کے سوا میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا تو جو کام تم وہاں جا کر کرو گے علی گڑھ ہی میں کیوں نہ کرو۔ اس کام کے لئے اس سے بہتر مقام نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارا شریک نفع نقصان ہوتا ہوں۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ بند ہو چکا ہے، اگر کوئی صورت تم نکالو تو میں بھی اس میں مدد دے سکتا ہوں اور میں بھی سوائے اس لکھنے پڑھنے کے مشغلہ کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ کیا اچھا ہو کہ میری طبیعت بھی بہلے اور تم بھی اپنے مشغلہ میں کامیاب ہو۔ چونکہ یہ صورت ملازمت کی نہ تھی میں نے اس کو قبول کر لیا اور اب تک میں اسی میں مصروف ہوں۔ چونکہ یہ کام اپنا ہے

اور اس میں پوری آزادی ہے اس لئے مجھ کو پورا اختیار ہے کہ میں جب چاہوں اس کو ترک کر دوں اور جب تک چاہوں اس کو جاری رکھوں اور یہ میری عادی طبیعت کے موافق ہے۔

اب میں آپ کے استفسار کا جواب عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اجمالاً جو کیفیت اپنی زندگی اور طبیعت کی میں نے بیان کی اس کے لحاظ سے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اگر کبھی ایسا موقع ہو جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا تو وہ کیا خدمت ہوگی جو مجھ سے لی جائے گی اور کس طور کی اور طریقہ کی؟ میں صرف اسی حالت میں اس امر کا فیصلہ کر سکتا ہوں کہ آیا میں اس خدمت کے قابل ہوں یا نہیں اور آیا وہ میری اقتضائے طبیعت و حالات کے موافق ہے یا نہیں۔ مجمل طور پر میں یہ عرض کروں گا کہ یہ میرے لئے نہایت عزت و افتخار کا باعث ہوگا اگر کبھی آپ مجھے اپنی رفاقت میں قبول کرنا چاہیں۔ میں آپ کی یاد آوری اور قدر افزائی اور محبت و عنایت کا دلی شکریہ پھر عرض کرتا ہوں۔

حاجی صاحب آگرہ میں تشریف رکھتے ہیں اور کتاب "اسامی" ابھی تیار نہیں ہوئی ہے۔ زیادہ نیاز!

خاکسار: وحیدالدین سلیم از علی گڑھ ۴ر اپریل ۱۸۹۹ء

---

(۳)

بنام نواب سید علی حسن خاں مرحوم

جناب من!

آپ کے مضمون بلاغت مشحون "عرب کی تصنیفات اور اہل یورپ کی فیاضی" کو ناظرین معارف نے بہت پسند کیا اور اخباروں میں بھی نقل ہوا۔ اب لوگ منتظر، مشتاق اور بیتاب ہیں کہ اس کے باقی حصے بھی اسی آب و تاب سے معارف میں طبع ہو کر ان کی نظر سے گذریں۔ کیا آپ ناظرین کے اس اشتیاق اور انتظار پر رحم نہ کریں گے۔

آپ کی عنایتوں سے قوی امید ہے کہ اس کے جواب میں آپ نہ صرف عنایت نامہ ارسال کریں گے بلکہ اپنے مضمون کے بقیہ حصے بھی لطف فرمائیں گے۔

"المقتطف" کی باقی دیگر جلدیں بھی جیسا کہ آپ نے وعدہ فرمایا ہے مرحمت ہوں تو عنایت مربیانہ سے بعید نہ ہوگا۔

والسلام خیر الاختتام

آپ کا نیاز مند قدیم: وحیدالدین سلیم از دفتر "المعارف"، علی گڑھ
۶ر جون ۱۸۹۹ء

---

(۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

عزیز از جان!

تمہارے تین کارڈ ایک ساتھ ملے، میں دیر سے پانی پت پہنچا اس لئے جواب نہ دے سکا۔ امید ہے کہ تم معاف کروگے۔ بعض کامیاب شدہ طلبا کے نام تمہارے خط سے معلوم ہوئے مگر پورا نتیجہ پانی پت میں نہ ہونے کے سبب مجھے نہ مل سکا۔ اگر ممکن ہو

وحید کا دہ پرچہ جس میں نتیجہ امتحان شائع ہوا ہے، میرے پاس بھیج دو۔ میں تمہارے لئے ہر وقت دست بدعا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے تمام عزیزوں کو خیر و عافیت کے ساتھ رکھے، یہاں گرمی شدید ہے۔ اپنی خیریت سے برابر مطلع کرتے اور ضروری حالات سے خبردار کرتے رہو۔ والسلام!

وحیدالدین سلیم از پانی پت ۱۱ جون ۱۹۲۱ء

(۵)

نصیرالدین ہاشمی

عزیز از جان!

تمہارا محبت نامہ پہنچا۔ بغایت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں دینی اور دنیوی عزتیں عطا فرمائے۔ تمہارا بھیجا ہوا صحیفہ میرے پاس نہیں پہنچا۔ البتہ ایک طالب علم نے مشیر دکن بھیج دیا ہے اور اس سے نتیجہ پورا معلوم ہوگیا۔ تم اپنی خیریت سے ہر ہفتے برابر مطلع کرتے رہو تاکہ اطمینان ہو۔ میں ہر وقت تمہارے لئے اور تمہارے تمام عزیزوں کے لئے دست بدعا ہوں۔ ضروری حالات سے برابر اطلاع دیتے رہو۔ فقط!

وحیدالدین سلیم از پانی پت ۲۰ جون ۱۹۲۱ء

(۶)

نصیرالدین ہاشمی

عزیز از جان!

خط تو پہنچا مگر پتہ لکھنا آپ بھول گئے۔ ہر خط میں پتہ لکھنا ضروری تھا۔ معلوم نہیں یہ کارڈ آپ کو مل سکے یا نہیں، کیونکہ پتہ ادھورا ہے۔ میں عنقریب حیدرآباد آتا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ اب آپ کو خط بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ والسلام!

وحیدالدین سلیم از پانی پت ۱۲ جولائی ۱۹۲۱ء

نوٹ: مولانا سلیم مرحوم سے مجھ کو اس وقت نیاز حاصل ہوا جبکہ وہ جامعہ عثمانیہ قائم ہونے سے پہلے مولوی حمیدالدین صاحب صدر دارالعلوم کے یہاں مہمان تھے۔ اس کے بعد سلیم مرحوم سے میری ملاقات کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔ میں اپنی تعلیم کے بعد جب ملازمت کے سلسلہ میں منسلک ہوگیا اس وقت بھی مولانا سلیم کے یہاں اکثر جایا کرتا۔ مرحوم کو مجھ سے خاص انسیت تھی۔ "دکن میں اردو" مرحوم کے ہی ترغیب کے باعث تالیف کی گئی تھی۔ (نصیرالدین ہاشمی)

نصیر حسین خاں خیالؔ عظیم آبادی

بنام انوار احمد صاحب

(۱)

مکرمی انوار احمد صاحب۔ میں ادھر پھر کلکتہ سے باہر اور اپنے علاج میں مصروف تھا قبل کی نسبت فی الجملہ بہتر ہوں۔ لیکن ابھی تک تندرست نہیں اور دیکھئے گھڑیاں جوتنا ہوتی ہیں۔ آنریبل مولوی فضل حق کے ٹرسٹی منتخب ہو جانے کی وجہ سے کانفرنس کی سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی میں ایک ممبر کی جگہ خالی ہو گئی ہے اور اس کے لئے میں نے مسٹر نور محمد اسمٰعیل کا نام جوائنٹ سکریٹری صاحب کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ آپ مسٹر موصوف سے خود اچھی طرح واقف اور علی گڈھ و کانفرنس ساتھ ان کے شغف سے بخوبی آگاہ ہیں اس لئے مجھے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ اس انتخاب میں پوری طرح مساعی ہوں گے اور ہم لوگوں کو شکر گزاری کا موقع دیں گے۔ والسلام

پرنسپ اسٹریٹ کلکتہ ۱۸ اپریل سنہ

خیالؔ

بنام پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی

(۲)

عزیز مکرم۔ سلام شوق۔ .... ۲۸ کو آپ کی محبت کی وہ یادگار (راسخ عظیم آبادی مطبوعہ الناظر لکھنؤ) ملی۔ ممنون ہوا۔ مضمون دل لگا کر پڑھا۔ حق یہ ہے کہ آپ نے اردو پر، مذاق صحیح پر، پھر اپنے صوبہ و شہر پر احسان کیا ہے۔ میں آپ سے متفق ہوں کہ راسخ کا درجہ میرؔ سے کم نہیں۔ بلکہ بعض اعتبار سے کچھ بڑھا ہوا ہے۔ اور اس ضمن میں آپ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ ہرگز طرف داری و مبالغہ نہیں ہے۔

تمہید میں جو کچھ آپ کے جلے دل سے نکلا اسے بھی ایک حد تک جائز سمجھتا ہوں۔ لیکن آزادؔ یا کسی اور کے متعلق آپ کے سے اہل علم کے قلم کا احتیاط سے قابو ہو جانا درست نہیں۔ بلاشک آزادؔ نے سہل انگاری سے کام لیا اور اس پر ایراد ضروری تھی۔ مگر آپ (معاف کریں) ضرورت سے زیادہ دوڑ گئے ہیں۔ پھر جس چشمہ سے اپنی سیرابی بیان کرتے ہیں، دیکھنا چاہئے کہ خود اس میں کیا دھرا ہے .... [1]

---

[1] یہ اشارہ اپنے علاتی ماموں مولانا سید علی محمد شادؔ عظیم آبادی کی ایک تالیف "نوائے وطن" کی طرف ہے اب جب کہ دونوں ماموں بھانجے دارِ فنا میں جا ملے یہ امر کوئی راز باقی نہ رہا کہ معاملہ ایک دوسرے سے صاف نہ تھے یہ ایک خاندانی عاصمہ اور دو مناقشہ تھا۔ جس سے ادبی دنیا کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی (باقی علی صفحہ)

راسخ کے ذکر میں "نوائے وطن" مثنوی کشش عشق کا سعادت علی خاں کے نام سے معنون ہونا بتاتی ہے۔ حالانکہ یہ مثنوی آصف الدولہ کو نذر دی گئی۔ نواب وزیر کی تعریف میں اس شعر کو یاد کیجئے:۔

فقط ہے یہ تیرا ہی یمن قدم ہوا لکھنؤ جس سے رشک ارم

کون نہیں جانتا کہ یہ آصف الدولہ ہی تھے جو ماں اور بی بی سے رنجیدہ ہو کر فیض آباد سے لکھنؤ آرہے۔ پھر سنئے عمارات کی تعریف میں:۔

عمارات عالی کا ہو وصف کیا نہیں اپنا ادراک اتنا رسا
نہ ہو خوبیِ قطع ان کی بیاں ورق ہے مرقع کا اک اک مکاں
نظر کیجئے جس پہ سو تصویر ہے عجب رنگ سے طرز تعمیر ہے

کیا اس کے بعد بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ عمارات کی بنا شوق آصف الدولہ سے منسوب ہے، نہ کہ سعادت علی خاں سے۔ اب صاف سنئے:۔

تو اے آصف الدولہ عالی جناب رہے تا قیام جہاں کامیاب
نہیں تجھ سا صاحب بداخلاق کا بہت خوش ہے تجھ سے خلاق کا

آپ سے بہتر اسے کون جانتا ہے کہ تذکروں کی ایسی غلطیاں ناقابل معافی ہیں۔ نوائے وطن میں اس ذکر کو یوں پڑھ کر راسخ کی مٹی خراب ہوتی ہے۔ لوگ اسے مستند سمجھ کر مثنوی کشش عشق کو سعادت علی خاں کے زمانے کی چیز سمجھتے ہوں گے۔ حالانکہ وہ آصف الدولہ کے وقت کی ہے، یعنی جب کہ مثنوی میر حسن نکلی۔ غور کیجئے مصنف کی تحقیق نے غریب راسخ کو کتنا پیچھے ہٹا دیا۔

پھر اسی طرح مثنوی حسن وعشق کے ذکر میں نوائے وطن کی عبارت ملاحظہ ہو: "غازی الدین حیدر کے زمانہ میں پھر لکھنؤ آئے۔ ایک مثنوی مسمّی بہ حسن وعشق ان کے نام سے موزوں کی۔ مگر اب شریعت نے رنگ ہی بدل دیا تھا۔ اس نے بھی کام نہ کیا۔ وار خالی گیا"۔ یہ دوسری تاریخی غلطی ہے۔ لکھنؤ میں شریعت نے محمد علی شاہ کے وقت میں رنگ بدلا نہ کہ غازی الدین حیدر کے زمانے میں۔ اسی عہد میں "فسانہ عجائب" تالیف ہوئی۔ اور فصیح نے اپنی مشہور مثنوی "نان ونمک" (تصوف میں) تصنیف کی۔ پھر شریعت نے وہ کون سا رنگ بدل دیا تھا کہ فسانہ عجائب ومثنوی فصیح تو عام ہو جائیں، مگر راسخ کی مثنوی مقبول نہ ہو؟

کلکتہ میں مراۃ الجمال لکھی گئی۔ اس میں نواب جان ایک کسبی کے حسن وجمال کا ذکر ہے۔ نوائے وطن اس ذکر سے بھی خالی ہے۔ عظیم آباد میں گنجینۂ عشق تصنیف ہوئی جس میں ایک کسبی پر اپنے عاشق ہونے کا نہایت صفائی و دلیری سے حال لکھا اور اس کی تعریف وتوصیف کی ہے:۔

(نوٹ ماقبل) دونوں اعلیٰ پایہ کے ادیب تھے۔ ایک فن روزگار شاعر، دوسرا صاحب طرز نثر نگار۔ اللہ دونوں کو مغفرت کرے۔ ذاتی گفتگو بھی اس خط سے حذف کر دی گئی ہے۔ (مسلم)

بہت اس شہر میں ہیں خوبرو پر — نہیں ہے دلبر اپنا کوئی دلبر
دل اپنا اس صنم کا ہے فقط رام — کہ شرقی "جس کا ہے نام خدا نام"
اسی گل کی ہوا ہے دل میں اپنے — یہی آتش ہے آب و گل میں اپنے

دنیا کے شاید ہی کسی شاعر نے اپنے عشق کو اس طرح بیان کیا ہو۔ یہاں تو "گفتہ آید در حدیثِ دیگراں" میں سب کچھ کہہ دیا ہے، اور راسخ کا یہی وہ رنگ ہے جسے آپ اس کا امتیازی طرہ کہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نوائے دلی میں راسخ کی وفات کی تاریخ سنہ ۱۲۳۸ھ دی گئی ہے۔ مگر گلشنِ بیخار اور تاسی میں سنہ ۱۲۴۹ھ ہے۔ تاسی نے ماخذ کو تو نہیں مگر شیفتہ کو جو ان کے ہمعصر یا کچھ دنوں بعد کے ہیں دیکھا تھا۔

راسخ کے ذکر میں بہار یا عظیم آباد کی زبان و شاعری کی تحقیق لطف سے خالی نہیں۔ راسخ نواب مہابت جنگ کے زمانہ یعنی سنہ ۱۱۴۴ھ (سنہ ۱۷۳۱ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کی شاعری کی عمر اگر پندرہ برس کے سن سے شمار کی جائے تو سنہ ۱۱۵۹ھ یعنی پچاسی کے دو برس بعد۔ اور ان کی زبان بتا دے گی کہ صرف چند سال کی مشق کا یہ نتیجہ نہیں۔ بلکہ پشتوں اگر نہیں تو ایک پشت کی ریاضت و صفائی کا نتیجہ ضرور ہے۔ اور اس ایک پشت کا زمانہ کم از کم پچاسی سال مقرر کیا جائے گا۔ یعنی سنہ سے کبھی ادھر کی یہ زبان نہیں ہو سکتی۔ یہ فرض کر لیا جائے (جس کا فرض کیا جانا قیاساً نادرست نہیں) تو وہ زمانہ عالمگیر کا آخر ہوگا۔ جو سنہ ۱۷۰۷ء میں فوت ہوا۔ اس لئے عالمگیری عہد بلکہ اس سے بہت قبل اُردو ہی نہیں بلکہ شاہجہانی یعنی ٹکسالی اُردو کا عام رواج آپ کے صوبے میں تھا۔ اور اس وقت لکھنو تو لکھنو، فیض آباد میں بھی ٹکسالی اُردو عام نہ تھی۔ فیض آباد محمد شاہ یا زیادہ سے زیادہ فرخ سیر (سنہ ۱۷۱۳ء) کے وقت میں آباد ہونا شروع ہوا۔ اس لئے عظیم آباد کی زبان اور اور دکن سے بھی قدیم اور مستند ہے۔

اشرف علی خاں کرکر فغاں دلی سے عظیم آباد راجہ شتاب رائے کے زمانے میں آئے۔ اور سنہ ۱۱۸۶ھ میں دہیں؟ راسخ کی عمر اس وقت ۴۲ سال سے کم نہ تھی اور اس وقت اُن کی شاعری بھی جوانی پر ہوگی۔

فرخ سیر عظیم آباد امیراہ مرار نواب حسین علی خاں کے ساتھ سنہ ۱۷۱۳ء میں دلی گیا ہے۔ اس وقت عظیم آباد امرا دہلی کی جاگیر بنا ہوا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہاں ٹکسالی اُردو کا بازار گرم تھا۔ انہیں امرا میں سے نواب سید ہدایت علی خاں اسد جنگ المتخلص بہ ضمیر (صاحب سیر المتاخرین کے باپ) بھی تھے جو فرخ سیر کے آخر عہد سے لے کر شاہ عالم ثانی کے وقت تک دلی و عظیم آباد میں رہے۔ نواب اسد جنگ شعر یاں، پہلی اور دوہرے خوب کہتے تھے۔ اردو میں بھی ان کی غزلیں ہیں۔ نواب عمدة الملک انجام وزیر محمد شاہ کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ نواب صاحب کی جاگیر میں پرگنہ جیلہ (بڑا حسین آباد) تھا۔ لیکن زیادہ تر وہ اپنے عملہ اور شاگرد پیشہ سمیت جو دلی کے تھے، عظیم آباد میں رہتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حاجی گنج، پورب دروازہ اور نون گولہ امرائے دہلی کا مسکن رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاہ ارزاں، خواجہ کلاں (جن کے نام سے گھاٹ ہے) اور شاہ صادق (جن کے نام سے غالباً صادق پور ہے) ان سب کو دلی سے توسّل تھا۔ اور یہ سب عمدہ شعرائے اُردو میں سے تھے۔ آپ کے خاندان صادق پور میں بھی زبان کا خاص ذوق و شوق رہا، جسے

علم و فضل اور فراغت ہمیشہ بڑھا دیتی رہی۔

غرض راسخؔ کے ذکر میں عظیم آباد کی زبان کا ذکر بھی ضرور ہے۔ اور جب اس پر غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ آپ کے گھر میں جس وقت اردوئے عام وہ فصیح تھی، لکھنؤ اس وقت شیخزادوں اور کمبوہوں کا قصبہ و مسکن تھا۔ اور سعادت علی خان کے وقت تک وہاں کی زبان وہی تھی۔ جو کاکوری، موہان، بہرائچ اور محمود آباد میں رائج ہے۔ عمدۃ الملکی مکتب کا اثر فیض آباد پر پڑا۔ اس لئے کہ انجام کے بعد صفدر جنگی و سالار جنگی اردو کے اسکول اور دفتر کو بہ جبر دوستی عمدۃ الملک فیض آباد اُٹھا لائے۔ شاہ حاتم وغیرہ دلی میں عمدۃ الملک کے ملازم اور اردو کے دفتر میں کلرک تھے۔ اُن پر زبان کا اثر پڑتا رہا۔ اور اس وجہ سے ان کے شاگردوں کی زبان بھی درست ہوئی۔ اس دفتر کے لوگوں میں میر ضاحک اور آتشؔ کے چچا اور ماموں صفدر جنگیوں کے ساتھ فیض آباد آئے اور اردو کا دفتر اب وہاں قائم ہو گیا۔ میر حسن (صاحب مثنوی) نے اسی دفتر اور نوابانِ فیض آباد کے محلوں میں پرورش پائی۔ میر خلیق وہیں پلے۔ میر انیسؔ کی خالہ گھسیٹی بیگم نواب بہو بیگم صاحبہ کی مصاحب تھیں۔ اور میر انیسؔ اسی محل میں بڑے ہوئے۔ اتنے اُتار چڑھاؤ کے بعد انیسؔ کی زبان ایسی ہوئی ہے اور اسے نوٹ کر لیجئے کہ انیسؔ کے قبل تک لکھنؤ کی زبان وہی تھی جو ناسخ و دبیر کے ہاں مستعمل ہے۔ یہ انیسؔ کے گھر اور عمدۃ الملکی اسکول کا صدقہ تھا کہ لکھنؤ کی زبان اس پایہ کو پہنچ گئی۔

عظیم آباد پر لکھنؤ کی زبان کا کوئی معتدبہ اثر کبھی نہیں پڑا۔ وہاں کے بعض شعرا مصحفیؔ کے البتہ شاگرد ہوئے۔ اور آپ کے ہاں کے اکثر شعرا نے اپنے شاگردوں کو ناسخؔ وغیرہ کے مقابلے کے لئے تیار کیا اور وہاں بھیجا ہے یعنی اُس وقت تک لکھنؤ کی شاعری و زبان عظیم آبادیوں کے لئے سند نہ تھی۔ فکر، سانس اور برف وغیرہ الفاظ شاہ عالم ثانی کے وقت تک مونث تھے، وہی لکھنؤ پہنچے اور اسی رستے سے عظیم آباد آئے۔ دلّی میں پنجابی اور آگرہ وغیرہ کے اثر سے وہ مذکر ہو گئے، مگر لکھنؤ اور عظیم آباد میں پرانا اثر قائم رہا ....

۱۲ رمئی ۱۹۱۹ء

خیال

(۳)

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

سیف آباد۔ حیدر آباد دکھن۔ مکرمی مسلم۔ آپ کا ۱۴ کا خط پا کر بے حد مسرت ہوئی۔ اس سے قبل آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ ورنہ ضرور جواب دیتا۔ آپ میری عادت سے باخبر ہیں کہ جس حالت میں ہوں جواب خط ضرور دے دیتا ہوں۔ میں ۲۳ اکتوبر سن گزشتہ کو یہاں پہنچا اور معاملات کچھ ایسے الجھے ہوئے تھے کہ رخت سفر اتارنے کے قبل میرا کام شروع ہو گیا اور جب سے جُتا ہُوا ہوں۔ اب تک مجھے اپنی صحیح جگہ معلوم نہیں اور جب تک اس کا فیصلہ نہ ہو جائے میرا جی لگ نہیں سکتا۔

دارالترجمان وغیرہ کا قصہ طولانی اور ناگفتہ بہ ہے۔ ملوں تو بہت کچھ کہہ سکوں۔ میں ان شعبہ جات (دارالترجمان و جامعہ عثمانیہ) کے متعلق غور کر رہا ہوں کہ کس طرح انہیں تقویت ملے آپ مجھ سے برابر خط و کتابت جاری رکھیں۔ راسخؔ کا تتمہ آخر آپ نے تحریر کر ہی دیا۔ مجھے اس کی بڑی خوشی ہوئی۔ مجھے اب اس کے دیکھنے کا بیحد

اشتیاق ہے۔ آپ کے قلم سے جو نکلتا ہے میں اُسے دل سے پڑھتا ہوں۔

مجھے اتنی مہلت کہاں کہ اردو کانفرنس والی اسپیچ پر نظرِ ثانی کرکے اب اُسے شائع کر سکوں۔ کایاں اس کی بس ودھ نایاب کہ ہمارے پاس بھی کوئی نسخہ اُس کا نہیں ہے! آپ کی خدمت میں کیا اور کیوں کر بھیجوں۔ دعا کیجئے کہ یا تو مجھے یہاں جلد اپنی صحیح جگہ مل جائے کہ میں مطمئن ہو کر کچھ کام کر سکوں یا یہاں سے گلوخلاصی ہی ہو جائے کہ عافیت کی زندگی نصیب ہو۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔ والسلام

۲۰ رجنوری ۱۹۲۰ء　　خیالؔ

عزیزی حسین مرزا سلمہ کہاں ہیں؟

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

(۴)

مائی ڈیر مہاراجہ سرِ یمین السلطنت بہادر۔ عرض بندگی چاکرانہ چند روز ہوئے کہ صاحبزادی سلمہا کی خبرِ علالت معلوم ہوئی تھی مگر فقیر کچھ اس درجہ عدیم الفرصت رہا کہ مزاج پرسی تک نہ کر سکا شکر کہ اب اس عزیزۂ حبیبہ کا مزاج درست ہے۔ خداوند عالم جناب والا کے یہاں ہر طرح خیریت رکھے آمین۔

کل فقیر کو جناب والا کے مزاج کے دو روز حال نادرست ہونے کی خبر معلوم ہوئی۔ شافیِ حقیقی جلد صحت عطا فرمائے۔ میں تو اس درجہ محجوب ہوں کہ کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ مگر مجبوری و معذوریٔ فقیر پر[1] خود جناب والا کی نظر ہوگی۔ اور عدم حاضری پر امید ہے کہ میں خطاوار نہ سمجھا جاؤں گا۔ خداوند عالم جناب کی ذات والا صفات کو تا دیر قائم رکھے۔ امیدوار ہوں کہ دو کلمۂ خیریت سے مطلع فرما کر اطمینان و آبرو بخشی جائے۔

زیادہ بندگیٔ چاکرانہ ——　　نیازمند و خادم۔ خیالؔ
سیف آباد ۱۰ رفروری ۱۹۲۰ء　　(سید نصیر حسین خاں)

بنام مہاراجہ کشن پرشاد

(۵)

مائی ڈیر مہاراجہ سرِ یمین السلطنت بہادر۔ عرض بندگیٔ چاکرانہ —— فقیر حد درجہ خجل و شرمسار ہے کہ خدمتِ عالی میں اب تک عریضہ نگار ہونے کا موقعہ نہ مل سکا۔ کلکتہ آکر جناب عالی کی خادمہ سخت علیل ہوئیں اور ڈیڑھ ماہ تک صاحبِ فراش رہیں۔ خیر۔ اب وہ اچھی ہیں۔ اُن کی علالت کی وجہ سے سفرِ یورپ بھی ملتوی ہو گیا تھا مگر اب کہ الحمدللہ اطمینان ہے۔ ۱۲ راگست کو انشاءاللہ بمبئی سے اس سفر کا قصد ہے اور فقیر خدا حافظ کرتا اور امیدوارِ دعا ہے اگر فرصت و موقعہ ملے تو خیریتِ مزاجِ عالی اور صاحبزادوں کی خیر و عافیت سے مطلع فرما کر شاد کام و سرفراز فرمایا جائے۔ یہ فقیر نیازمند جہاں اور جس حال میں رہے گا جناب عالی کے ان اشفاق کو فراموش نہیں کر سکتا جو اس کے حال پر مبذول رہے۔ اور کیا عرض کروں۔ خداوند عالم جناب عالی کی ذات والا صفات کو تا دیر قائم و برقرار رکھے

---

[1] نواب نصیر حسین خاں خیالؔ حیدرآباد میں سر علی امام صدر اعظم کے سیکرٹری تھے۔ اور اس حیثیت سے مہاراجہ سابق وزیر اعظم سے ان کا موقع بموقع ملنا نامناسب تھا۔

کہ اس ذات سے ہندستان کو وابستگی قوم کو عزت اور دکھن کو تقویت ہے۔ ظلکم معبود برب الوجود۔

۵ راگست ۱۹۲۰ء عریضۂ ادب۔ نصیر

(۶)

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

مائی ڈیر مہاراجہ سرمین السلطنت بہادر۔ عرض بندگی چاکرانہ —— ایک عرصۂ دراز سے خیر و عافیت مزاج مبارک و عالی معلوم نہیں ہوئی۔ امیدوار ہوں کہ از راہ شفقت بندگانہ دو کلمۂ خیریت ارشاد فرما کر سرفراز و ممتاز کیا جاؤں۔ زیارت و قدم بوسی کے اشتیاق کو کیا عرض کروں۔ اس اثنا میں اکثر شرف ملاقات و نیاز کا قصد ہوا کہ ایک مرتبہ پھر حیدرآباد حاضر ہو کر مشرف ہوں۔ مگر شومئ قسمت سے قاصر رہا۔ اور اب تک قاصر ہوں۔ دیکھئے ایسا مبارک موقعہ پھر کب نصیب ہوتا اور جناب عالی کب یاد فرما کر فقیر کے دیرینہ اشتیاق کو پورا فرماتے ہیں۔

زیادہ ظلکم معبود برب الوجود۔

۲۲ر جولائی ۲۵ء عریضہ ناچیز خیالؔ

(۷)

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ

مکرم و محترم۔ خدا کرے آپ مع الخیر سفر سے واپس آگئے ہوں۔ جادو کے وہ دو نمبر جن میں مصرع پانچویں پشت کے متعلق بحث ہے، حسبِ فرمائش بھیجتا ہوں۔ اس سلسلے کا پہلا خط ملاحظہ کر کے دوسرا مطالعہ کیا جائے افسوس کہ شروانی صاحب کا جواب یہاں موجود نہیں۔ اُسے دیکھے بغیر جواب الجواب کے ملاحظہ میں مزہ نہ آئے گا۔ مگر خیر ان کے خط کے بعض اقتباس کچھ مدد دیں گے۔ شروانی صاحب نے طولِ کلام کے علاوہ چونکہ اپنے جواب میں فداشوخیِ تحریر سے کام لیا تھا اس لئے جواب الجواب میں اُن کے لب و لہجہ کی تقلید کی گئی تاکہ اُن پر روشن ہو جائے کہ دوسرے کو بھی بولنا اور منہ چڑانا نہیں، بلکہ کچھ آتا آتا ہے۔ اتنی زیادتی محض اُن کے تخاطب کے انداز سے ہو گئی جس کا مجھے افسوس ہے۔ خیر۔ اب اِن دونوں خطوں کو آپ ملاحظہ کر جائیں۔ اِس سے بڑھ کر مجھے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ آپ کا سا شخص بھی اِن چیزوں کو دیکھے۔

آج شام کو اگر آپ مکان میں رہیں تو سرِ شام / سات بجے تک میں آؤں۔ جناب آرزو سے ملنے کی آرزو بھی پوری ہو جائے گی۔

لکھنو ۱۰ رمئی ۱۹۳۱ء دعاگو خیالؔ

(۸)

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

مکرم و محترم۔ شب کو نواب محبت خاں کا ذکر آیا تھا۔ ان کے متعلق تامی نے جو لکھا ہے اس کا ترجمہ حاضر کرتا ہوں۔ مثنوی اسرارِ محبت کا ذکر بھی ہے۔ شاید یہ نوٹ آپ کو کچھ مدد دے۔ آپ سے ملنے کو تو روز دل چاہتا ہے، مگر جب جاتا ہوں نشست طولانی ہو جاتی ہے اور آپ کی تکلیف کا خیال پیر کی زنجیر بن جاتا ہے۔ ۱۱ رمئی ۱۹۳۱ء خیالؔ۔

بنام سید مسعود حسن رضوی ادیب

(۹)

مکرم و محترم۔ لیجئے دو اور تذکرے آپ کے ہمزبان نکلے۔ تکلف کا بیان اس لئے اور پُر لطف ہے کہ محبت خاں اُن کے یار تھے۔ انہوں نے اسرارِ محبت کو سسّی پنّوں کا قصہ کہہ کر اس حکایت کو اور صاف کر دیا۔ اب مزید تائید کی ضرورت نہیں۔ خط بند کیا جائے کہ وہ جلد شائع ہو جائے۔

کل کے حقیقت میں ایک لکھنوی صاحب کا ایک سلام شامل ہو گئے، شادال ہو گئے، نظر پڑا اس میں ایک شعر ہے ؎

نام پوچھا جب تو لوگوں نے کہا ہے کربلا   شاہِ یثرب یہ سخن سنتے ہی گریاں ہو گئے

ہماری نظر میں یہ "گریاں ہو گئے" ٹکسالی نہیں۔ یہ "جگر بھنے" کی ہے۔ شاہ گریاں ہوئے نہ کہ ہو گئے۔ جنابِ آرزو سے بھی اسے پوچھنا چاہئے۔ جو وہ فرمائیں وہ سند۔

آپ شام کو مکان پر رہیں تو سوا سات تک آ سکتا ہوں۔

لکھنؤ ۲۰ مئی ۱۹۳۱ء چہار شنبہ

خیالؔ

بنام پروفیسر محمد مسلم صاحب پٹنہ

(۱۰)

عزیز مکرم۔ سلام و نیاز۔ داستان ارود کا ایک باب مغل اور اُردو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد قلم و زبان سے اس کی "قصیدہ خوانی" کی چنداں ضرورت نہیں۔ ضرورت اور اردو کی بڑی خدمت یہ ہے کہ بہارؔ میں اس کی کافی شہرت ہو اور وہاں اس کی خاطر خواہ اشاعت کی جائے۔ اس کے علاوہ یہ چیز جب تک وہاں کے اسکولوں میں رائج نہ ہو گی۔ بہارؔ کا مذاق اس طرح جلد درست نہیں ہو سکتا ایک عرصہ سے جس کی آپ فکر کر رہے ہیں۔ غرض میں کچھ نہیں جانتا یہ چیز آپ کی ہے اور اس کے پبلشر صاحب جنہوں نے اس کی اشاعت میں کمال محنت و صرف سے کام لیا ہے، آپ کے بھائی یعنی بہاری ہیں اس۔ لئے ان کا خیال و لحاظ کیجئے اور اپنے تدبر و اثر سے پٹنہ یونیورسٹی تک اسے پہنچا کر وہاں کی درسگاہوں میں اسے داخل کرا دیجئے۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔ جواب جلد دیجئے۔ والسلام مع الاکرام

کلکتہ ۱۲ جون ۱۹۳۳ء

دعاگو۔ خیالؔ

جالب دھلوی

(۱)

احسن مارہروی

مشفق شفیق بدل رفیق مدظلکم!

تسلیم نیاز۔ مزاج وہاج!

عنایت نامہ ۵ رماہ حال کو شرف صدور لاکر موجب ابتہاج ہوا تھا اور حسب دستور ۱۰ کو میں نے جواب لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر طبیعت کے یکایک بگڑ جانے اور ایک خطرناک مرض کے نمودار ہونے سے معذور رہا اور آپ کو کیا کسی کو بھی جواب نہ دے سکا۔ ۵۔۶ دن صاحب فراش رہا۔ سابقہ نیا ناموں میں کسلمندی مزاج کی شکایت تو میں نے کی ہی تھی مگر خدا نخواستہ کوئی اندیشہ ناک حالت نہ تھی۔ صرف کام پر جی نہ لگتا تھا اور مزاج ہر وقت مکدر دماغ منتشر رہتا تھا۔ بعض طبابت پیشہ احباب سے مشورہ لیا تو انہوں نے بعد مسہل مفرحات کا استعمال تجویز کیا مگر مسہل میں مجھے تامل تھا۔ اس لئے کہ گو یہاں بارش نہیں ہوتی اور دن معمولی گرمیوں کے گذر رہے ہیں تاہم فصل باراں ہونے کے باعث خبر نہیں کس وقت مینہ برسنے لگے۔ مسہل اس صورت میں سخت ضرر پہنچاتا ہے اور اس کا بگاڑ برسوں اصلاح پذیر نہیں ہونے پاتا۔ نظر بریں میں نے کام کو خیرباد کہا اور صبح اٹھ کر معمولی بازاری شربتوں کے استعمال کو کافی سمجھا۔ اوس سے بھلا کیا تسکین ہوتی۔ گھڑی دو گھڑی کے لئے کلیجہ البتہ ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔ طبیعت کو قوی تصفیہ کی ضرورت تھی اور حبس کا اثر تین ہفتے میں ملنے اوس کے تقاضے پر توجہ نہ کی تو اوس نے علاج اپنے ہی ہاتھوں میں لے لیا۔ اس طرح کہ ہفتے کی شام کو جو میں بازار گیا تو اپنی رغبت سے ملتان کی کھجوریں جو نہایت ذائقہ دار ہوتی ہیں اور لاہور رامپور سے شیرہ زیادہ ہونے کے سبب آگے نہیں جانے پاتیں، خرید کر کھائیں۔ ان کی تاثیر بے حد گرم اور چکھنا ناقابل ہضم، اوس پر ایک فاضل دوست کے اصرار سے بڑا پیالہ فالودہ کا پی لیا۔ فالودہ یہاں کی خاص چیز ہے۔ شاید تم نے بمبئی میں پیا ہو۔ عجیب مزا رکھتا ہے۔ بالائی، دودھ، برف، شیرہ بہت سی چیزیں ڈالتے ہیں جس سے اوس میں کسی قدر ہم شربت و ہم غذا کی کیفیت آجاتی ہے۔ کھجوریں گرم، فالودہ ٹھنڈا، مگر اسی پر اکتفا نہ کی۔ اونہی صاحب کے یہاں کھانا کھایا جس میں تنور کی روٹی اور بازار کا چربی چڑھا ہوا سالن تھا۔ چاول، مٹھائی موجود تھی مگر مجھے رغبت نہیں۔ فالودہ ہنوز پیٹ میں موجود تھا کہ روٹی سالن میں بھیگی ہوئی پہنچی۔ پانی میں ہمیشہ زیادہ پیتا ہوں۔ لکھتے پڑھتے، بولتے

ہر وقت گلاس بھرا سامنے دھرا رہتا ہے۔ اوس وقت گرمی کی زیادہ شکایت ہونے کے باعث گھر پر آکر بھی پانی پیا اور ایک مباحثہ میں پھنس کر دو بجے تک جاگتا بھی رہا مگر طبیعت پر ذرا بھی گرانی نہ تھی۔ عارضۂ ذیابیطس کے باعث رات کو نیند میں بار بار خلل آتا ہے اور پیشاب کرنے کے لئے اوٹھتا ہوں مگر اوس روز آنکھ نہ کھلی۔ کیونکہ پانی اودھر نہ پہنچا تھا، معدہ میں فساد کر رہا تھا صبح کو یکایک آنکھ کھلی تو طبیعت برہم اور اجابت کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ حقہ تک نہ پینے پایا۔ جائے ضرور گیا تو اتنا لمبا دست آیا کہ ہوش اوڑ گئے۔ اوس میں وہ کھجوروں کے چھلکے، فالودہ کے ٹکڑے اور روالی کے دانے بجنسہٖ موجود۔ فارغ ہو کر آیا تو پیٹ میں قراقر اور پیچ، اسی حالت میں آنکھ لگ گئی۔ سات بجے اوٹھا تو پھر ضرورت ہوئی اور ویسا ہی دست آیا۔ پھر تو تار بندھ گیا۔ بخار، درد سر، اعضا شکنی سب موجود ہو گئے اور حالت بگڑنے لگی۔ آپ جانتے پردیس اور بیکاری اوس پر بیماری اور ایسی خطرناک بیماری۔ اس نے طبیعت کو اور بھی گھبرا دیا۔ سخت اندیشہ ہوا۔ بہ تجویز خود سکنجبین و گلاب پیا اور برف منگوا کر ڈلیاں منہ میں رکھنے لگا تشنگی زیادہ تھی۔ مالک رفاہِ عام پریس بیچارے وطن جا رہے تھے، میری کیفیت سن کر مضطربانہ آئے اور کمال متشوش ہوئے۔ کافور، جوہرِ الائچی، تیزاب گندھک کی دو خوراکیں بھیجیں۔ دست برابر آتے رہے اور شام ہوتے ہوتے اتنا ضعف ہو گیا کہ پاخانہ تک جانا دشوار تھا۔ رات کو ایک حکیم صاحب کو بلایا۔ اونہوں نے بند کرنے کی صلاح نہ دی بلکہ شربت دینار و شربت بنفشہ قوی کے استعمال سے مادہ کے اخراج میں مدد دینی چاہی۔ میں نے اون کی مجوزہ مقدار سے نصف شربت استعمال کئے۔ سوتے سوتے ایک دست آیا۔ بارے آنکھ لگ گئی۔ رات کے دو بجے کے قریب بارش نے جگایا۔ اوس وقت بھی احتیاج ہوئی مگر اس قدر محسوس ہو گیا تھا کہ کھجوروں کے چھلکے اور دانے نہیں نکلتے۔ صبح کو پھر سلسلہ شروع ہوا۔ اب میں بالکل بیحال ہو گیا تھا۔ گو درد سر و بخار نہ تھا مگر کمر میں بہ شدت درد معلوم ہونے لگا۔ ناچار اون حکیم صاحب کو اطلاع دلوائی کہ اب نیم ہضم غذا خارج نہیں ہوتی بلکہ مواد کی مقدار برائے نام رہ گئی ہے اسہال بند کیجئے۔ اونہوں نے کہلا بھیجا کہ میری تو رائے نہیں لیکن اگر تم مُصر ہو تو یہ دوائیں استعمال کر لو۔ تین پڑیاں بھی بھیجیں۔ میں نے اللہ کا نام لے کر شربت کے ساتھ اونہیں شروع کیا۔ خدا خدا کر کے دو بجے کے بعد اسہال موقوف ہوئے۔ چوتھے وقت شوربے میں بھگو کر پھلکا کھایا۔ ایسی نیند آئی اور غفلت طاری ہوئی جیسے کوئی نشے میں ہو۔ واقعی رزق بھی عجیب چیز ہے۔ آدمی ان کا کیڑا ہے۔ میری اس سے بدتر حالت دہلی، میرٹھ، لکھنؤ میں ہوئی مگر وہاں تیمارداری ضرورت سے زائد کی جاتی تھی۔ معالج بہتر سے بہتر موجود تھے جس سے طبیعت قوی رہتی تھی یہاں بس اللہ کی ذات اور میں۔ خرچ بھی اتنا وافر نہیں کہ کسی نامی ڈاکٹر یا طبیب کو بلا لیا جائے۔ خیر دست تو بند ہو گئے مگر حکیم صاحب کی رائے درست تھی طبیعت کا قرار واقعی تنقیہ نہ ہوا تھا۔ چنانچہ گرانی موجود رہی۔ اجابت بند ہوئی تو ایسی کہ ۳ دن تک پتہ نہیں۔ ناتوانی کا بیحد زور ہو گیا تھا۔ دوسرے روز سے اونہوں نے گلقند بورق نقرہ و طلا آمیختہ کھلانا شروع کیا۔ اب تک علاج جاری ہے مگر طبیعت زور پکڑ گئی ہے۔ کام پر جی بھی لگتا ہے۔ پہلی سی گرانی سر بھی نہیں۔ ہاں جو شکایات قدیم و مزمنہ ہو چکی ہیں وہ دور نہیں ہوئیں۔ دراصل مجھے ایک مستقل علاج کی ضرورت ہے جو مہینوں جاری رہے۔ گذشتہ چار پانچ سال میں بے روزگاری و پریشان حالی نے کہیں کا نہ رکھا۔ غذا کام کی نہ ملی۔ کسی بات کا ٹھیک نہ رہا۔ تمام دستور العمل ٹوٹ گئے۔ جناب حکیم حاذق الملک مرحوم نے ۱۹۱۹ء میں فرمایا تھا کہ تمہارا علاج ڈیڑھ ماہ کا عرصہ لے گا۔ مجھے اتنے دن دہلی میں رہنے کا اعتماد نہ تھا۔ گو چار مہینے رہا مگر ہر ہفتے جانے کے لئے تیار۔

سمجھتا تھا۔ ۱۹۰۰ء میں دوبارہ مشورہ لینے پر دو ماہ کی میعاد لگائی اور آغاز ۱۹۰۱ء میں ایک چلّہ اور ایک ہفتہ فرمایا۔ اب ایک سال اور گذرا۔ ظاہر ہے کہ ڈھائی ماہ ہونے چاہئیں۔ میں نے ارادہ بھی کیا تھا کہ اب کے جی لگا کے علاج کروں گا تاکہ ہر وقت کی خلش سے نجات مل جائے مگر بے روزگاری اور اس کے لازمی نتیجہ تنگدستی میں وہ اطمینان جو علاج کے لئے درکار ہے میسّر نہیں آسکتا۔ دیکھئے کیا منظورِ الٰہی ہے۔ بعض اوقات تو ایسا جی گھبراتا ہے کہ کہیں نکل جاؤں۔ ملازمتیں ملتی ہیں مگر تنخواہ کم۔ اس پر بھی صبر کیا جائے تو پابندی ۵ گھنٹے کی، جس کیلئے میں موجودہ مخدوش حالت ضعف میں قابل نہیں۔ تالیف تصنیف کے کام بکثرت ملتے ہیں مگر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ اپنے ذاتی اخبار کے اجرا کا بندوبست کر رہا تھا مگر جو صاحب شریک ہوتے تھے وہ فرماتے ہیں تم ملازمت کر لو جس میں ترقی اشاعت کے ساتھ تنخواہ میں اضافہ ہوتا جائے۔ اس کے لئے وہ معاہدہ مدار لکھنا چاہتے ہیں جس میں مجھے اس لئے تامل ہے کہ جس سرکاری ملازمت پر منشی کے لئے میں نے تین سال اور ۵۰۰ روپے ضائع کئے اوس کے نومبر میں ملنے کی بفضلِ الٰہی امید ہے۔ اوس وقت میں چلا جاؤں گا۔ معاہدہ تحریر ہو گیا تو سدّراہ ہوگا۔ ایک اور صاحب اجرائے اخبار میں شریک ہوتے ہیں مگر وہ ہندو ہیں۔ گو بظاہر تمام اختیارات میرے سپرد کرنے کو تیار ہیں تاہم امید نہیں کہ اون کی مالکیت سے اخبار کے کالم متاثر نہ ہوں اس لئے طبیعت ہچکچاتی ہے۔ غرض اس قسم کی کشش و پیچ میں مبتلا ہوں جن سے بقول آپ کے خدا ہی نکالے تو نکلوں۔

"آزاد پنچ" جس شخص نے جاری کیا ہے وہ میرے ماتحت کئی مطابع میں کاتب رہ چکا ہے۔ لیاقت مستعدانہ نہیں، مگر طبیعت اچھی پائی ہے۔ جہد سے وہ خود فائیلیں لے گیا ہے اور اودھ پنچ اور اودھ اخبار، ریاض کے پرچے بھی۔ سلسلہ وہ کبھی کا شروع کر دیتا مگر ایک حکیم صاحب کے برخلاف کئی مضمون لکھے تھے اونھوں نے نالش کر دی۔ بے باک رہنے والے ہیں۔ اوس کی ادھیڑبن میں لگا ہوا ہے۔ اب کی بیر میں نے تو لکھا تھا کہ ۱۱ تاریخ کا پرچہ پہنچے گا۔ عزیز مارہروی کہاں ہیں اگر پتہ معلوم ہو تو مجھے لکھ بھیجئے اور سنا ہے عزیز مارہروی نے اپنا تخلص بدل کر طپش یا طیش رکھا ہے، اگر یہ صحیح ہو تو مجھے اون کا پتہ لکھنا اور اون سے میرا سلام کہہ دینا۔

"معیار الانشاء" کے لئے حضرت سائل کو ابھی ایک کارڈ لکھا ہے۔ خدا کرے پرچے بھیج دیں۔ یہ بھی میں نے لکھا ہے کہ قبل از اشاعت مضامین تردید میں مجھ سے مشورہ کر لیا جائے۔ دیکھئے مانتے ہیں یا نہیں۔ زیادہ نیاز! جواب جلدی لکھئے گا۔ ادھر سے بھی علیٰ ہٰذا۔ فقط!

آپ کا خادم و ہوا خواہ: جالب دہلوی ایڈیٹر مکان منشی احمد حسین مصحح رفاہِ عام پریس متصل سبزی منڈی لاہور ۱۷ اگست ۱۹۰۲ء یکشنبہ صباح

---

(۲)

بنام احسن مارہروی

یادآزمائے جالب مدّاشفاقکم! تسلیم نیاز۔ مزاج وہاج!

آپ کو اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۹ اکتوبر کا جواب نہ ملنے پر حیرت ہوگی اور عجب نہیں جو میری سہل انگاری پر غصّہ بھی آگیا ہو لیکن جو حالت ان ایام میں مجھ پر اور میری ذات سے وابستہ ہونے کے باعث آپ کے خط پر گذر گئی وہ آپ کے خیال میں بھی نہ آئی ہوگی ورنہ ضرور مجھے قابلِ ہمدردی اور عدمِ ترسیلِ جواب کو لائقِ معافی قرار دیتے۔ بھلا سنئے۔ میں نے شاید آپ کو تحریر کیا تھا کہ

ایک معقول سرکاری ملازمت کی کوشش نے مجھے چار سال تک اخباری دنیا سے خارج اور طرح طرح کے مصائب و آلام کا شکار بنائے رکھا۔ اب بھی اوس کی امید ہے اور وہی امید اخبار کے معاملہ میں کسی کا پابند نہیں ہونے دیتی۔ ریواز گزٹ کا ڈیکلریشن داخل کیا۔ شرائط معاہدہ طے کرلیں، کام بھی شروع کردیا مگر باضابطہ معاہدہ پر دستخط نہیں کئے بلکہ برابر ٹالتا رہا کیونکہ اوس آسامی پر مقرر ہونے کا وقت قریب آتا جاتا تھا۔ ۱۰ اکتوبر کو ہز آنر صاحب لفٹیننٹ گورنر کی چٹھی دربارہ اجازت نامہ وصول ہوئی اور حکیم صاحب نے ۱۲ سے کام کرنے کا حکم دیا۔ اوسی روز شوق عظیم آبادی، ابن علی مراد آبادی اور محمد صدیق امرتسری ندوہ کے جلسہ سے فارغ ہو کر لاہور آئے اور میرے ہاں ٹھہرے۔ اون کی وجہ سے دو ایک روز کام ملتوی رہا۔ اسی اثنا میں جنرل صاحب کے ہیڈ کلرک کی چٹھی منصوبہ سے بدیں مضمون آئی کہ تم فوراً میرٹھ جاؤ۔ جہاں نئی پلٹن ۱ رکو آنے والی ہے اوس میں رفل کا موجودہ منشی بھیجا جائے گا اور تم کو اوس کی جگہ ملے گی۔ رفل بغرض شرکت جنگ مصنوعی ۲۸ کو انبالہ جانے کے لئے میرٹھ چھوڑے گی اور غالباً تم کو ساتھ لیجانا چاہے گی۔ اس پر میں نے چلنے کا سامان کیا۔ والد ماجد بھی سخت علیل تھے۔ اون کی علالت اور میرے دہلی پہنچنے کی تاکید کے خطوط برابر چلے آتے تھے۔ اونہی کو وہ کہا کر میں نے حکیم صاحب سے دو ہفتہ کی رخصت لی اور ۱۸ رکو لاہور سے روانہ ہو کر دوسرے دن علی الصباح دہلی پہنچا وہاں ۲۴ گھنٹہ ٹھہر کر ۱۹ رکو دہلی آ گیا۔ والد ماجد کی حالت بڑی سقیم پائی۔ پہلے آنکھ میں درد ہوا جس نے چند گھنٹہ میں نصف سر، کنپٹی، رخسار کو گھیر لیا اور ایک رات کے بعد بتاشے بتاشے برابر آبلے سر، پیشانی، رخسار پر نمودار ہو گئے جن کی سوزش ہر وقت مضطرب رکھتی تھی۔ حکما نے بہتیری کوشش کی مگر آبلے نہ بیٹھے اور درد بڑھتا گیا۔ جان پر بن گئی۔ آخر آبلوں کو کاٹ کر پانی نکال دیا گیا اور لگانے پلانے کی ادویہ سے مادہ کا ازالہ کیا گیا۔ جب یہ تدبیر راست نہ آئی تو مسہلوں کی ٹھہری۔ ۴ مسہل علی التواتر ہوئے جنہوں نے رہا سہا ست نکال لیا۔ درد ہلکا پڑا مگر بالکل دور نہ ہونے پایا۔ اس حالت میں جا کر میں نے دیکھا اور فوراً ڈاکٹری علاج شروع کیا۔ اوس سے قدرے افاقہ ہوا تھا کہ میرٹھ سے بھی طلبی کا پیام بذریعہ تار برقی پہنچا اور میں ۲۵ رکو یہاں چلا آیا۔ حکم تقرر کا ۲۲ رکو پلٹن میں پہنچ گیا تھا جس کا یہ مضمون تھا کہ نئی پلٹن کے آنے پر موجودہ منشی کا تبادلہ اور میرا تقرر عمل میں آئے۔ پلٹن جانے والی تھی۔ اونہوں نے میری فوری تقرر کی کوشش کی مگر جنرل صاحب نے اوسی حکم کو شائع کر دیا اور تقرر پلٹن کے آنے پر موقوف رکھا۔ خیر چند روز کی بات تھی میں پلٹن کے ساتھ حسب الارشاد کرنیل صاحب چلا گیا۔ مفلسی، تنگدستی اور پیدل کا سفر۔ جتنی زحمت اوٹھائی بس اللہ کو خوب معلوم ہے مگر سب گوارا تھی اس خوش قسمتی میں کہ آسامی مل گئی ہے۔ اب دو تین ماہ کے بعد حالت درست ہو جائے گی۔ ولدر دور عسرت کافور ہوگی۔ تمہارا خط اور اشتہاروں کا پیکٹ مجھے لاہور، میرٹھ اور کئی پڑاؤں سے ہو کر بڈولی میں ملا تھا۔ جواب میں دو ایک روز میں دے دیتا مگر وہ ساری طمانیت خاک میں مل گئی۔ فلک سفلہ پرور کو میرے اطمینان و خوشحالی پر حسد ہوا اور ایک ہی ہفتہ بعد وہ حکم منسوخ کرا دیا۔ بیپلی کے پڑاؤ پر مجھے خبر پہنچی۔ گویا بجلی گری۔ ہوش جاتے رہے۔ بصد دقت انبالہ پہنچا۔ وہاں اصلی سبب تنسیخ حکم کا معلوم ہوا کہ نینی تال پر جو فوجی لاٹ صاحب رہتے ہیں اونہوں نے نئی پلٹن کے لئے تمام دیسی ملازم کانپور سے بھیج دئے جہاں وہ ایک اور پلٹن کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ موجودہ منشی کا تبادلہ رہ گیا پھر میرا تقرر کس جگہ پر ہوتا۔ انبالہ سے مظفر نگر ہوتا ہوا میرٹھ آیا۔ مظفر نگر میں ایک صاحب سے ملنے کی توقع تھی جن سے چھوٹے دو برس گذر رہے۔ وہ بھی نہ ملے اور مجھے صدمہ پر صدمہ ہوا۔ یہاں آنے پر بھی جی نہ بہلا۔ کیونکہ عشرت مع اپنی والدہ کے دہلی گیا ہوا ہے اور والد بدستور علیل ہیں۔ بھاوج کو فالج مار گیا۔ اودھر بیماری ادھر بیکاری، کس کس آفت کو بھگتا جائے۔ لاہور کا روزگار بھی بظاہر گیا گذرا کیونکہ

کیم کو مجھے پہنچنا چاہیئے تھا۔ دوسرے دن کو میرے تقرر کی خبر بھی پہنچ گئی جس پر سخت غصہ آیا ہوگا۔ انبالہ سے میں نے معذرت آمیز خط لکھا جس کا جواب نہیں ملا۔ اب وہ حالت ہوئی کہ از من سو رانده و از آں سو مانده۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم……الخ۔ مجھے جس قدر اس کا صدمہ ہے وہ بیان نہیں کر سکتا۔ شاید کسی عزیز کے مرنے کا بھی نہ ہوتا اور نہ مدت العمر ہوگا۔ تمام امیدیں میری کوالعدین، عیال اطفال، دوست احباب کی خاک میں مل گئیں۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ کچھ نہیں سوجھتا۔ دیکھئے کب تک یہ صورت رہے اور کوئی دوسری شکل ملازمت کی نکلے۔ گو میری عرضی پر سوں واپس آ گئی مگر اس آسامی کے ملنے کی امید بھی ہنوز قطع نہیں ہوئی۔ اس لئے کہیں جا نہیں سکتا۔ دعا کرو کہ امید ان افکار و آلام سے نجات دے۔ مجھے کھانا پینا، سونا، بیٹھنا کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا نہ کسی بات میں جی لگتا ہے۔ تمہاری غزلیں پڑھیں۔ ماشاء اللہ کیں نہ ہو صحبت اور استاد کی تاثیر ہے۔ ہم کو بھی شدّت تعجب کہ سے پہلی غزل باغِ سخن میں بھی دیکھی۔ وفا سے ملنا ہوا۔ مجھے وفا اور باغِ سخن کے متعلق بہت کچھ کہنا ہے۔ اشتہارات کچھ انبالہ میں لگا دئے کچھ منظفر نگر میں شوائیے اور باقی یہاں تقسیم کرادوں گا۔ جواب جلدی لکھنا اب میری طرف سے دیر نہ ہوگی۔ طیش وغیرہم کو سلام شوق۔ مجھے بعض امور میں تمہارے مشورہ کی ضرورت ہے اس سے جواب جلدی آنا چاہئے حضرت استاد کیسے ہیں۔ فقط!

جالب دہلوی۔ میرٹھ کیمپ۔ اول کرتی۔ ۱۳ نومبر سنہ ۱۹۰۶ء۔ جمعہ قبل دوپہر۔

(۳)

بنام مولانا شاہ حسین میاں صاحبؒ

مخدومی و مکرمی!

السلام علیکم۔ مجھے دس بارہ روز قبل آپ کا ایک خط ملا تھا جس میں آپ نے ہمدم میں بعض تاروں اور مضامین کے شائع ہونے کا حوالہ دیا تھا۔ میں گذشتہ سوا دو سال سے اس قدر پریشانیوں میں مبتلا ہوں کہ تین مہینے بھی مسلسل اخبار میں کام کرنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا۔ امسال ۶ مئی کو عید کے روز میں ایک ماہ اسپتال میں مقیم رہ کر اور وہ غرنیا ایک خطرناک و تکلیف دہ آپریشن برداشت کر کے مکان پر واپس آیا تو شیخ شاہد حسین مرحوم سے بعض امور میں اختلاف ہوا۔ میں نے استعفا پیش کیا جس کو انہوں نے منظور نہ فرمایا اور مجھے ہر طرح کا اطمینان دلا کر اور اپنی معاودت پر ہمدم کے لئے مناسب انتظامات کرنے کا وعدہ فرما کر وہ لاہور تشریف لے گئے۔ یہاں سے واپس آتے ہوئے شملہ پر چلے گئے۔ وہاں یکایک ان کا وقتِ موعود آ پہنچا اور بجائے ان کے ان کی لاش ۲۰ مئی کو یہاں آئی۔ اس وقت ہمدم کی حالت بہت مخدوش تھی۔ میں نے اس کے قائم رکھنے کی جدوجہد کی مگر بعض ورثائے مرحوم کی طرف سے عجیب خود غرضانہ طریق عمل کا اظہار ہوا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ خیر خدا خدا کر کے ہمدم کے قائم رکھنے کی کچھ فکر کی گئی۔ مگر ابھی تک اس کے معاملات کا پورا تصفیہ نہیں ہوا۔ ماہ جون کے اواخر میں مجھے بغرض ادائے شہادت اجمیر جانا پڑا اور راستے میں دہلی و آگرہ دیگر کاموں کی غرض سے قیام کرنا پڑا۔ جولائی میں پھر علی گڈھ و آگرہ کا سفر پیش آیا۔ اگست میں مولانا محمد علی صاحب کے لئے مشینیں و دیگر سامان پریس خریدنے دہلی گیا اور اپنے بھی وہاں منتقل ہونے کا انتظام کیا مگر اس کے بعد ہی ایسے واقعات پیش آئے کہ لوگوں کو ہمدم کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس ہوئی اور مجھے اس کو قائم رکھنے کے لئے لکھنؤ میں مقیم رہنے پر مجبور کیا گیا۔ ۱۳ ستمبر کو لکھنؤ میں ہندو مسلمانوں کا ہولناک فساد شروع ہوا اور کئی روز تک گلیوں کے اندر خونریزی جاری رہی۔ مجھے ان ایام میں خاص طور پر محنت کرنی پڑی اور اخبار

خوانچہ کی بلا نگی کے ساتھ مقامی معاملات میں بھی حصہ لینا پڑا۔ اس کے بعد مصالحتی کانفرنس دہلی میں جانا پڑا جہاں سے سیلاب کی وجہ سے لائنیں ٹوٹ جانے کے باعث گیارہ دن بعد واپسی ہوئی۔ اس دوران میں والدۂ عشرت کی حالت بہت خراب ہو گئی جن کو میں بیمار چھوڑ گیا تھا۔ انہیں بیاں عشرت کی [illegible] کے وقت سے بعض شکایات لاحق ہو گئی تھیں جو آہستہ آہستہ بڑھتی رہیں۔ اب گیارہ سال سے ان کو بڑی تکلیف تھی اور ہمیشہ علاج جاری رہتا تھا۔ ڈاکٹروں حکیموں نے پیڑو میں نازک مقامات پر رسولی پیدا ہو جانے کی رائے لگائی جس کی وجہ سے اب جسم میں خون پیدا نہ ہوتا تھا اور جو پیدا ہوتا تھا وہ ضائع ہو جاتا تھا۔ اس کے لئے آپریشن کی ضرورت تھی جس پر وہ رضامند نہ ہوتی تھیں اور لیڈی ڈاکٹروں سے بھی خوف کرتی تھیں۔ اب جبکہ ان کی حالت بہت خراب ہو گئی تو بمشکل ان کو رضامند کیا گیا اور میں نے ان کی خالہ صاحبہ کو (جنہوں نے ان کو پالا ہے) میرٹھ سے اور اپنی بہن کو دہلی سے بلایا۔ ۱۵ اکتوبر کو میں انہیں لے کر اسپتال آیا اور اب تک یہیں مقیم ہوں۔ ابتدا میں دو گھنٹے کے لئے دفتر جاتا تھا، اب کچھ زیادہ وقت گذارتا ہوں اور مضامین یہاں بھی لکھتا ہوں لیکن اخبار کے تمام صیغوں پر توجہ نہیں کر سکتا۔ ۱۷ اکتوبر کو ان کا آپریشن ہو گیا ہے اور اب خدا کے فضل سے ایسی حالت ہے کہ انشاء اللہ چند روز میں گھر واپس جانے کی اجازت مل جائے گی۔ اس وقت شاید میں کافی توجہ اپنے کام پر کر سکوں گا۔ مجھے ہمدرد کے دوبارہ اجرا میں مولانا محمد علی صاحب کو مدد دینی چاہئے تھی مگر افسوس ہے کہ اس کا موقع نہیں ملا میں ان سے بہت شرمندہ ہوں لیکن ملک و قوم کے لئے جہاں میری ناچیز خدمات درکار ہوں وہیں مجھے موجود رہنا چاہئے۔

میں نے آپ کا قیمتی وقت اپنی پرائیویٹ مشکلات کی تفصیل سے ضائع کیا ہے اس کی معافی مانگتا ہوں اور آپ کو اس کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہمدم میں اگر کچھ ایسی تحریریں شائع ہوئی ہیں جن سے خدانخواستہ آپ کو رنج پہنچا تو یہ میری لاعلمی میں ہوا ہے اور مجھے اس کا بیحد افسوس ہے۔ میں حضرت قاری شاہ سلیمان صاحب کا دیرینہ معتقد اور ایک پرانا خدمتگذار ہوں اور ہرگز ان کی یا آپ کی ذات کے متعلق ایسی باتوں کی اشاعت روا نہیں رکھ سکتا۔ مجھے ابھی تک یہ دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا کہ تاروں اور مضمونوں میں کیا درج ہوا۔ مجھے آپ کو یہ یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب تک ہمدم میرے ہاتھ میں ہے وہ ہر ایک ترغیبات سے بالاتر رہے گا مجھے عمر بھر رنج رہے گا اگر یہ معلوم ہوا کہ خدانخواستہ جناب قاری صاحب کو بھی اس زمانے میں ہمدم سے کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے۔ آپ ان کی خدمت میں میری طرف سے آداب عرض کریں اور کفارۂ ملین کے لئے جو کچھ آپ کی رائے میں ہونا چاہئے اس سے مطلع فرمائیں۔ خواہ مضمون آپ کی طرف سے آئیں یا میں اپنی طرف سے لکھ دوں۔

آپ کا بہی خواہ دلی: سید جالب دہلوی از کمرہ ۱ پرائیویٹ وارڈ
بلرامپور اسپتال لکھنؤ روز پنجشنبہ ۱۶ نومبر ۱۹۲۴ء

---

(۴)

<u>بنام مولوی سید الطاف صاحب بریلوی</u>

عزیزی و محبی!

السلام علیکم۔ آپ کا خط کرنال سے واپسی پر مجھے ملا۔ مراسلات جو آپ نے اس کے ساتھ بھیجے تھے وہ اخبار میں درج ہو چکے تھے۔ جو اور مراسلتیں بعد میں آئی ہیں وہ بھی دے دی گئی ہیں۔ ایک آج نکل رہی ہے اور دوسری کل شائع ہوگی۔ مجھے

یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ آپ نے اپنی انجمن کی طرف سے مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم میں داخل کرانے کا کام بعض محلوں میں شروع کر دیا ہے۔ میں اس وقت بھی تعلیم کو مسلمانوں کے لئے اہم ترین مسئلہ [illegible] ہوں اور اس کی سخت ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ کوئی مسلمان بچہ بوجہ ناداری یا والدین کی غفلت کے کم از کم پرائمری تعلیم سے محروم نہ رہے۔ یہ کام علاوہ ثواب آخرت کے دنیوی فوائد سے بھی مملو ہے۔ آپ اگر اپنی سرگرمیوں سے مجھے اطلاع دیتے رہیں گے تو میں مناسب تدابیر آپ کو بتاتا رہوں گا اور کچھ لٹریچر بھی بہم پہنچاؤں گا۔

مولوی عبدالودود صاحب کے واقعہ کا میرے قلب پر جیسا اثر ہے اس کا اظہار بذریعہ خط ناممکن ہے۔ بریلی میں وہی ایک ٹھکانا میرا تھا۔ جناب قاضی خلیل الدین حمد صاحب کی اگرچہ میرے حال پر خاص دیرینہ عنایات ہیں۔ "ہمت" میں انہوں نے جو امداد فرمائی ہے وہ مجھے مدت العمر شکر گذاری کے ساتھ یاد رہے گی مگر مولوی عبدالودود صاحب میرے بے تکلف و مخلص دوست تھے۔ یہ بھی قدرت ہی کا انتظام تھا کہ مجھے اوائل جون میں بریلی پہنچنے کی ترغیب ہوئی اور اس طرح مرحوم سے آخری ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے جو کچھ اظہار خیالات اس موقع پر کیا وہ مدت العمر میرے دل سے محو نہ ہوگا۔ شاکر خاں صاحب کا انتخاب اطمینان بخش ہے۔ خدا کرے وہ کام کے ثابت ہوں۔

میں نے سردار موصوف کی خدمت میں ایک خط اس وقت لکھا ہے کہ وہ "ہمت" کو اسلامیہ ہائی اسکول میں جاری کرائیں جس کی مولوی عبدالودود صاحب نے مجھ سے خواہش کی تھی۔ آپ کی اگر ملاقات ہو تو ان کو یہ یاد دلائیں جو آپ کے روبرو کی بات ہے۔ مولوی عبدالودود صاحب کے بھائی سید محمد محسن صاحب کے گاؤں کا پتہ لکھیں۔ مجھے ان سے کام ہے۔

جالب۔ دفتر روزنامہ "ہمت" لکھنؤ

نیا گاؤں۔ پنجشنبہ مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۲۹ء

سید سلیمان ندوی

(۱)

بنام ہمایوں مرزا بیرسٹر

محترم دام السامی - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - حضرت شادؔ[1] مرحوم کی وفات کا سانحہ گو غیر متوقع نہ تھا - مگر دل نہیں چاہتا تھا کہ مرحوم کبھی ہم سے جدا ہوں - حضرت فریاد کی سوانح عمری[2] کی طباعت کے متعلق شادؔ مرحوم کا بھی ایک والا نامہ آیا تھا - اس کا جواب دیا گیا تھا - پھر سے کوئی اطلاع نہ آئی - شاید یہی علالت کا تسلسل اس کا باعث ہو -

بہرحال آپ کے والا نامہ نے عزت بخشی اور بہت سے دل پر اثر کرنے والے واقعات سے واقفیت ہوئی - آپ مسودہ پر میری نظر ثانی اگر ضروری سمجھیں تو نہایت خوشی سے میں اس کے لئے وقت نکالوں گا - مگر مناسب یہ ہے کہ کسی کاتب سے مسودہ صاف کرا لیا جائے تاکہ دیکھنے میں آسانی ہو اور اغلاط کم ہوں -

مطبع کا نرخ طبع مرسل ہے ہمارے مہتمم مطبع کا بیان ہے کہ کاغذ کی قیمت اندر حساب میں آپ سے غلطی ہوئی ہے - . . . . . . بقیہ حساب ٹھیک ہے - اب آپ جب چاہیں مسودہ بعینہ بھیج دیں - انشاء اللہ اہتمام سے وہ چھاپی جائے گی تخمینہ کے وقت سائز، ہر صفحہ کی سطروں کی تعداد اور نسخوں کی تعداد بھی لکھئے گا - میرے خیال میں ۲۰ × ۲۶ کا کتابی سائز جو عموماً رائج ہے مناسب ہوگا - ہر صفحہ میں ۱۷ یا ۱۹ سطریں ہوں اور ۵۰۰ کاپیاں کافی ہوں گی -

آئندہ اگر آپ حساب طبع و ارسال زر وغیرہ کے متعلق منیجر صاحب دار المصنفین کے نام سے خط لکھیں گے تو آپ کو جوابات ملتے رہیں گے - والسلام

سید سلیمان

۱۶ اکتوبر ۱۹۲۷ء

(۲)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ - مخدوم مکرم - السلام علیکم - نظم مبارک (دو غزلیں) پہنچی، پہلی غزل پر شناسی

---

[1] شادؔ عظیم آبادی جو ہمایوں مرزا بیرسٹر کے والد الفت حسین فریاد کے شاگرد رشید تھے -

[2] یہ "حیات فریاد" شادؔ عظیم آبادی نے لکھی تھی -

حقیقت میں لا جواب ہے، خیالات، بندش، لطفِ زباں، کس کس چیز کی داد دی جائے۔ بارک اللہ فی علمک وفضلک وعصمک من طوارح الحدثان، والسلام

۱۹ اکتوبر ۱۹۱۸ء　　　　سید سلیمان

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۳)

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ محترم السلام علیکم۔ آپ نے بہت اچھا سوال کیا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے جہاں زرد رنگ کی پسندیدگی کا ذکر ہے۔ اس سے معمولی زرد رنگ مراد ہے۔ اور جہاں ممانعت کا ذکر ہے اوس سے زعفران کا رنگ مراد ہے۔ طبع دوم میں اس تشابہ اور غلط فہمی کو واضح کر دوں گا۔

کتنے آدمی ہیں جو کتابیں پڑھتے ہیں مگر چونکہ عمل کا ارادہ نہیں ہوتا اس لئے اون کی نظر اس قسم کی باتوں پر نہیں پڑتی خدا ہر شخص کو کتابوں کو غور و تعمق سے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سیرۃ کی تیسری جلد مطبع میں ہے۔ یہ حصہ معجزات پر ہے۔　والسلام

۱۰ ارجنوری ۲۳ء　　　　سید سلیمان

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

(۴)

مخدوم محترم دام مجدہ السامی! السلام علیکم۔ آپ سے رخصت ہو کر اعظم گڈھ پہنچا۔ یہاں بھی چند روز حرارت اور پھوڑے کی تکلیف رہی۔ مگر آج اچھا ہوں۔ پھوڑے سے بھی ریم نکل گئی ہے۔ اور اب صاف ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب بھی اُسی دن صبح کو الٰہ آباد سے آئے۔ وہ سخت علیل ہو گئے تھے۔ نمونیہ کا خطرہ تھا۔ الٰہ آباد میں بروقت علاج ہوا اور اب اچھے ہیں۔

جب سے آیا ہوں ندوہ کا تخیل قائم ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب سے گفتگو ہوئی۔ وہ ندوہ میں کوئی ذمہ دارانہ عہدہ لینے پر کسی طرح راضی نہیں اور نہ مستقل قیام لکھنؤ میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اس کے لئے بالکل آمادہ ہیں کہ سال میں چند مہینے وہ وہاں اقامت کریں اور تنظیم و تعمیریں اور فراہمی چندہ میں مدد دیں اور اس کے لئے وہ بہت جلد کارروائی شروع کریں گے۔ مولوی عبدالسلام صاحب عنقریب جائیں گے کہ ایک دو مہینہ رہ کر آخری سال کے طلبا کو ادبی علوم میں مدد دیں۔ اور کچھ نگی تعلیمی نگرانی کریں۔ مولوی مسعود صاحب نے طلبائے قدیم کو خطوط لکھے ہیں۔ اور اُن کا جلسہ بلانے والے ہیں۔ میری حالت یہ ہے کہ میں تعلیمی نگرانی کے لئے تیار ہوں۔ معتمد دارالعلوم بنا دیجئے سال میں متعدد پھیرے کروں گا، ندوہ کی نظامت کا بار اگر ڈالیں گے تو قہراً جبراً برداشت کروں گا۔ مولوی حبیب الرحمٰن خان شروانی کا خط آیا ہے۔ مشورہ پوچھا ہے۔

۱؎ سیرۃ النبی کی دوسری جلد کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک جگہ میں نے پڑھا کہ حضورؐ کو زرد رنگ بہت پسند تھا۔ دوسری جگہ لکھا تھا کہ حضورؐ اس سے نفرت فرماتے تھے۔ میں نے مولانا سے اس تضاد کی وجہ دریافت کی۔ یہ خط اسی استفسار کے جواب میں ہے۔

(محمد عبداللہ قریشی)

مولوی شبلوی صاحب کا خط آیا ہے کہ بھوپال میں جس حد تک کوشش کرنی تھی ہو چکی اور اب آپ کے ایماء سے حیدرآباد جاتے ہیں۔ عبدالعلی صاحب کے لئے یہ کوشش کی اور مجھے لکھا بلکہ تم جنرل صاحب کو لکھو کہ اس کا وظیفہ ہو جائے۔ چنانچہ میں لکھوں گا اور امید ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ ان کو مل جائے گا۔ اس طرح ان کی تعلیم کا بندوبست ہو جائے گا۔

مولوی مرتضٰے صاحب جو پہلے کتب خانہ میں تھے میرے پاس آئے تھے کہ ان کو کتبخانہ میں کر دیا جائے میں نے کہا کہ اگر کتبخانہ میں آپ کے کام کا ریکارڈ اچھا ہے تو مجھے اختلاف نہیں۔ انہوں نے کہا کہ نوابصاحب خود مطلع تھے، اگر آپ نے ان کے کام کو پسند کیا ہے تو مزید ان کو کتب خانہ میں جگہ دے دیجئے۔ کتبخانہ کی حفاظت ضروری اور لازمی ہے۔ اس کا بند رکھنا کتابوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

آپ ایجنڈا تو جاری فرما دیجئے۔ اور نظامت کی تجویز بھی درج کر دیجئے۔ اگر عارضاً میرا نام بھی لکھ دیجئے تو ہرج نہیں، مستقل انتظام میری نظر میں ہے۔ انشاء اللہ۔

مولوی عبدالرزاق اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب نگرامی کو خط لکھے گئے ہیں۔ والسلام۔

۱۷ رفروری ۲۳ء   سید سلیمان۔ اعظم گڈھ

---

(۵)

<u>بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم</u>

مخدومی المطاع ادام اللہ مجدہٗ۔ والانامہ صادر ہوا، آپ کا عتاب بجا ہے، مگر آپ نے میرے گردوپیش کے حالات پر نظر نہ فرمائی، بہر حال اب میں ذاتی مجبوریوں اور معذوریوں کی داستان لپیٹ دیتا ہوں اور یہ مصرع پڑھ کر

ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

اس بارِ عظیم کو اٹھا لیتا ہوں اب جس طرح آپ مناسب سمجھیں نظامت کی تجویز پیش کیجئے، مولوی حبیب الرحمٰن خانصاحب کا بھی اشارہ میری ہی طرف ہے۔ خدا مجھ سے جس طرح کا کام لینا چاہے گا اس کی توفیق اور ہمت بخشے گا۔

سب سے پہلا کام عمارت کا مسئلہ طے کرنا ہے۔ ہم سب لوگوں نے تو مولوی ظہور احمد اور مولوی نسیم صاحب کے ہاں بالتفصیل عرض کر دیا تھا کہ زمین کا معاوضہ نقد چاہتے ہیں زمین نہیں چاہتے۔ گورنمنٹ کے تعلقات کا یہ قصہ بھی کیوں لگا رہے؟

اواخرِ مارچ جلسہ کی تاریخ رکھئے، مولوی مسعود علی صاحب جلسہ سے ایک ہفتہ پہلے آپ کے پاس آ جائیں گے، فوری کارروائیاں شروع کر دیجئے میں ۲۵ رکو وطن جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، ڈیڑھ برس ہو گئے۔ جلسہ سے پہلے آ جاؤں گا۔ والسلام

۲۱ رفروری ۱۹۲۳ء   سید سلیمان

---

(۶)

<u>بنام نواب سید علی حسن صاحب مرحوم</u>

مخدوم محترم السلام علیکم! گرامی نامہ موصول ہوا؟ اصولی حیثیت سے مجھے اس نظامت کے الاؤنس سے

اختلاف نہیں، لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں اس صورت کو پسند نہیں کر سکتا اور نہ میں اپنے کو دو سو چار میں ارکانِ ندوہ کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہوں، میری حیثیت چند مہینوں کے بعد جب جوشِ موافقت کم اور جوشِ مخالفت زیادہ ہو جائے گا۔ ایک ہیڈ کلرک کی ہو جائے گی۔ طرح طرح کے طعن ہوں گے نئے نئے دعوے ہوں گے۔ ندوہ کی یہ کس مپرسی اسی وقت تک ہے جب تک وہ سسک رہا ہے۔ جہاں کوششوں میں کامیابی شروع ہوئی اور ترقی کے آثار نظر آئے۔ آپ بھی دیکھیں گے کہ پھر کہاں کہاں سے مدعی اور صاحبِ طبل وعلم پیدا ہوتے ہیں۔

البتہ یہ ہو گا کہ جب میں قیام کروں گا تو جب تک کی مدت اقامت ہو گی۔ میں مصارفِ مزدوری کا بل ندوہ میں دے دوں گا۔ گویا معمولی کاروباری حساب کا طریق رہے گا۔ اور بس۔

نواب صاحب قبلہ! میں نے دار المصنفین اپنی قوتِ بازو سے اور خدا کے فضل و کرم سے بنایا ہے۔ جہاں میں آزاد اور بے غل و غش زندگی بسر کر رہا ہوں۔ ندوہ سے زیادہ یہاں سرمایہ ہے۔ ۱۴ بیگھہ زمین ملکیت ہے۔ بنگلے ہیں۔ کتب خانہ ہے۔ پریس ہے موافق اور غمگسار احباب و رفقا ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر اور اپنے بنے بنائے کام کو لات مار کر ندوہ کے اکھاڑہ میں پاؤں توڑ کر بیٹھ جاؤں کیا آپ یہ رائے دیں گے۔

دار المصنفین کو اعظم گڑھ سے لکھنؤ منتقل کرنا گویا اپنے بنائے گھر کو اجاڑنا ہے۔ اور اپنے کو لکھنؤ کی کشمکش میں آپ الجھانا ہے۔ سب سے بڑی چیز یہاں کی خاک میں استاد مرحوم کی لاش سپرد ہے۔ جس کا میں مجاور رہوں۔ اور جس کو تا دمِ زیارت چھوڑ نہیں سکتا۔ میرے لئے اعظم گڑھ سے باہر بیسیوں ترغیبات کے موقع پیش آئے۔ مگر خدا نے مجھے مستقیم اور مستقل رکھا و بیدہ الفضل!

ندوہ کی نظامت میں قبول کرتا ہوں اور اس سے بہتر کر کے دکھا دوں گا۔ انشاءاللہ جو پچھلے دور میں تھا۔ اگر مخالفتوں اور سازشوں نے مجھے وہاں فرصت دی۔ پنڈت مالوی بنارس ہندو یونیورسٹی کے ناظم و مہتمم سب کچھ ہیں مگر وہ وہیں کے صرف نہیں ہو رہے ہیں! سب اطراف پر غور کر لیجئے پھر فیصلہ کیجئے۔ آپ صرف اپنی تجویز میں الاؤنس کا ذکر کر دیجئے۔ قبول کرنا نہ کرنا میرا کام ہے۔ والسلام

۲۲ر فروری ۱۹۲۳ء　　سید سلیمان ندوی از دفتر دار المصنفین۔ اعظم گڑھ

بنام نواب سید علی حسن خان صاحب مرحوم　　(۷)

مخدوم محترم دام کرمہ۔ السلام علیکم۔ والا نامہ نے مفتخر کیا۔ میں خود چند روز سے خدمت والا میں بذریعہ تحریر حاضر ہونے والا تھا۔ بارے آپ نے پیش قدمی فرمائی، خالی شدہ جگہوں کے لئے مجھے خود فکر ہے اور میں تلاش میں ہوں مدرس صرف و نحو کے لئے عملی مشاق ضروری ہے اس لئے نو آموز آدمی اس جگہ رکھتے ڈرتا ہوں۔ کتب خانہ کے لئے علمی آدمی اور دیانت دار ہونا چاہیئے۔ مدرسِ صرف و نحو کی ضرورت فوری ہو گی۔ کتب خانہ کے لئے چند روز توقف بھی ہو سکتا ہے۔ کتب خانہ کے لئے ایک دو آدمیوں نے جو ندوی بھی ہیں درخواست دی ہے ان سے خط و کتابت کرتا ہوں۔ چند روز ہوئے نواب عماد الملک کا خط میرے جواب میں آیا تھا جس میں اپنی تائید کا یقین دلایا تھا۔ پھر مولینا شروانی کا والا نامہ آیا

کہ تین سو ماہوار کی سفارش انہوں نے کی ہے اور پیشگاہِ عالی میں پیش ہے، نئی درخواست ندوہ کی جانب سے دی بھیجی ہے کل شروانی صاحب کا والا نامہ آیا کہ تین سو ماہوار رمضان سے حضور نے ندوہ کے لئے منظور فرمائے، آپ کے دورِ نظامت کا یہ دیباچہ کامیابی ہے، مبارک، نصاب کے کاغذات مولینا حمید الدین صاحب کو دکھا دیئے رمضان کے بعد ایک دن مولینا حمید الدین صاحب اور مولینا حفیظ اللہ صاحب کو بلا کر مجلسِ نصاب کا جلسہ کر کے طے کرینگے

فقیہہ دوم کے لئے مولوی عبد الحق صاحب ندوی کی درخواست آئی ہے اور چند اساتذہ نے ان کی تعریف کی ہے، ان کو مقرر کر دیجئے، مگر تقرر امتحاناً چھ ماہ کے لئے منظور فرمایئے، آپ ان کو کچھ نہ لکھئے۔ میں لکھ دیتا ہوں اگر یہ فقیہہ دوم کے قابل ہو سکے تو اس جگہ پر ورنہ صرف و نحو کی مدرسی کی جگہ پر مقرر ہو جائیں گے۔ مجھ کو جو خط انہوں نے لکھا ہے۔ اس میں دو میں سے ایک جگہ مانگی ہے۔ والسلام

۲۸ر اپریل ۱۹۲۳ء　　　سید سلیمان

---

(۸)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

مخدوم محترم السلام علیکم! والا نامہ پر از الگن ہوا، آج کی تاریخ تک تو مولوی مسعود علی صاحب واپس نہیں آئے شاید آج شب کو یا کل صبح آئیں نہیں معلوم تعمیر گنبد کے متعلق کیا ہوا یہ بہت ہی ضروری اور اہم ہے۔ حضرت والا! میں تنہا حاضر ہوں گا! کبھی توفیق ملی تو بہ تشنیہ بھی حاضر ہوں گا۔ بہتر ہے اپنی تجویز کے مطابق، مولوی کلیم احمد صاحب کو کتبخانہ میں اور مولوی عبد الحق کو دار العلوم ہی کر دیجئے، مولوی کلیم احمد کی اس بالا خوانی سے مجھے تکلیف ہوئی مدرسہ سے ان کو سے ملیں گے کیا یہ ترقی نہیں؟ جو مزید کا مطالبہ ہے دار العلوم میں تو اتنی بھی گنجائش نہیں کہ وہ اس سے زیادہ پا سکیں۔ مولوی عبد الحق کو میں نے کہہ دیا تھا کہ یا کتبخانہ کی جگہ ملے گی (سے) یا مدرسی صرف و نحو (مدرسہ) اس لئے اگر آپ ان سے بلا کر کہیں گے تو وہ نا منظور کریں گے، موجودہ انگریزی تعلیم کی نسبت میری رائے بہت بری ہے، ندوہ کی انگریزی تعلیم سے کوئی فائدہ اب تک ہوا ہے اور نہ آئندہ ہو گا۔ اس سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ تکمیل علوم کی طرح تکمیل انگریزی کا درجہ بھی کھولا جائے جس میں فارغ التحصیل اور منتہی طلبہ کو چند سال انگریزی پڑھائی جائے، بنا بریں جو طلبہ مستثنیٰ اپنے والدین کے منشاء سے ہوتے ہیں ان کو ہونے دیجئے، البتہ حساب سے مستثنیٰ کسی حال میں نہیں کیا جا سکتا! ندوہ کی رکنیت مجھے منظور ہے۔ جناب مہتمم صاحب تاریخ خضری کو درس میں اس لئے داخل نہیں کرنا چاہتے کہ وہ شیعی ہے۔ وہ بیچارہ مصر میں زندہ سُنّی موجود ہے میں اُن کو کچھ نہیں لکھ سکتا آپ اُن کو مراسلہ لکھ دیجئے کہ وہ شیعی نہیں سُنّی ہے۔ جامعہ مصریہ کا استاذ تاریخ ہے جس مقام پر شیعیت اگر ہے تو استاد اس کی تردید کر دیگا والسلام

۲۹ر جولائی ۱۹۲۳ء　　　سید سلیمان

---

(۹)

بنام پروفیسر میمن عبد العزیز

صدیقی الجلیل اسعدک اللہ۔ والا نامہ نے مشرف کیا، ایک شامی عیسائی عرب نے (امین ریحانی نام ہے) ابو العلاء کا انگریزی ترجمہ کیا ہے، جدہ میں اوس کا ساتھ تھا، اوس کی بڑی کوشش تھی کہ تمام عرب طریقہ، ابو العلائی پر آ جائیں، تو بڑا پاسہ ہے آپکا

ابوالعلائی پرخود مئی کے معارف میں نکلے گا، اس کی ایک کاپی گاندھی جی کے پاس بھی بھیج دوں گا۔
ندوہ میں ضرور آیئے۔ تاریخ مناسب ہے، یکم جون کو مدرسہ کھلے گا، ہمارے ہاں لڑکوں کی بڑی تعداد نہیں
چھوٹے سے لے کر بڑے تک صرف ۱۵۰ ہے، مگر کیفیت بہترین ہے، افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے ہاں کوئی
یکفنی خالص ادیب نہیں، مولوی یوسف ندوی، اور مولوی عبدالرحمن نگرامی ہیں، خاصے ادیب ہیں، قلم برداشتہ لکھتے
ہیں۔ مگر خصوصی نہیں، خواجہ عبدالواجد ندوی تھے، مگر وہ قسمت دیکھئے کہ مشن کالج کانپور میں لڑکوں کو فارسی پڑھاتے
ہیں۔ کیونکہ وہاں ان کو سوا سو ملتے ہیں اور ہم سو سے زیادہ نہیں دے سکتے۔ مدرسہ کی آمدنی کم ہے، لیکن لوگوں کی ضروریات
بڑھ گئی ہیں اور وہ اس قدر ایثار نہیں کر سکتے۔ اچھے لوگ کیونکر آئیں، مستقبل سخت تاریک ہے، جدید علماء میں برابر سطحیت
آ رہی ہے۔ میں نے الزہرا اب تک نہیں دیکھا ہے۔ مہربانی کر کے ایک کاپی بھیج دیجئے۔ دیکھ کر واپس کر دوں گا۔ رجسٹرڈ
ہو تو اچھا ہے۔ اورینٹل کالج کا میگزین دیکھا، ماشاء اللہ!

۱۸ر مئی ۱۹۲۵ء — سید سلیمان

---

(۱۰)

بنام ڈاکٹر عبداللہ

صدیقی الفاضل الاعز الکریم ادام اللہ سعدہ۔ السلام علیکم۔ آپ کے متعدد خطوط میرے ذمہ واجب الادا
ہیں، میرا عذر یہ ہے کہ میں ۳۱ر جون سے ۱۴ر جولائی تک اپنے مستقر سے باہر شہر بشہر ندوہ کے چندہ کے لئے مارا مارا
پھرا، ڈاک کہیں نہیں منگائی، واپس آ کر آپ کے اکٹھے کئی خطوط ملے، کل کی ڈاک سے مضمون کتبخانہ، شروانیہ اور رسالہ
تاریخ قربان ملا، شکریہ مزید، آپ ابھی تک غالباً حیدر آباد ہی میں ہوں گے۔ اس لئے یہ خط وہیں کے پتہ سے بھیجتا
ہوں، رسالے بھی وہیں بھیجتا ہوں۔

معارف میں مضامین نگاروں کے معاوضہ کے معنی آپ کیا سمجھے۔ اسسٹنٹ اڈیٹر اور سب اڈیٹر میں نے
تو حسب وعدہ آپ سے لکھنؤ ہی میں سفر کا بل مانگا تھا، مگر آپ نے بیجا شرم کو راہ دیا، اور انکار کیا، اب آپ کا کارڈ
آیا ہے، اس کے مطابق میں دفتر ندوہ میں لکھتا ہوں۔ امید ہے کہ ۱۵/۲۰ دن میں یہ بل منظور ہو جائے اور آپ کو لاہور
کے پتہ سے مل جائے گا۔

مولانا شروانی نے آپ کی آمد اور آپ کی ملاقات پر ایک خط میں بیحد خوشی ظاہر کی ہے، اور لکھا ہے کہ "جیسا
تم نے لکھا تھا ویسا ہی پایا"

مولانا کے ناتمام قصیدۂ فارسی مطبوعۂ معارف کے متعلق ایک اور صاحب نے جو اس زمانہ میں حیدرآباد
میں تھے، وہی بات لکھی ہے جو آپ نے نواب اکبر یار جنگ کی زبانی نقل کی ہے، ستمبر و اکتوبر میں میرا عزم مدراس میں
قیام کا ہے،

معارف مئی جون، جولائی، کا مرسل ہے۔ والسلام

۲۲ر اگست ۲۵ء — سید سلیمان

بنام مولینا عرفان صاحب

(۱۱)

۲۳ - ۲۴ انڈرسن اسٹریٹ مدراس -

مخدوم محترم دام کرمۂ - السلام علیکم، آپ کے اخیر تار نے مجھے بے چین کر دیا، کئی دفعہ تار لکھوایا، اور پھر کٹوایا، یقین جانئے کہ رات بھر سکون سے نیند نہیں آئی، گو یوں بھی دماغ کی خشکی اور معدہ کی تبخیر کے باعث تین مہینے ہو گئے کہ نیند کی اصلی لذت سے محروم ہوں، مگر آج کی شب تو صرف کروٹ ہی بدلتے بدلتے گذر گئی اور زبان پر یہ مصرع تھا " دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور" گو میں اپنے پہلے خط میں اپنی معذرت کے اسباب پوری طرح لکھ چکا ہوں، مگر آپ نے شاید باور نہیں کیا، اس لئے میں دوبارہ اپنا حلفیہ بیان پیش کرتا ہوں اور یہ اس لئے کہ مجھے آپ کے ساتھ جو محبت ہے اس کی وجہ سے یہ خیال کر کے دل میں تکلیف محسوس کرتا ہوں کہ آپ میرے عذرات کو محض بہانہ تصوّر کرتے ہیں۔

۱ - میں یہاں چند ہفتوں کے لئے مسافرانہ آیا، اسباب و سامان جو ایسے بڑے سفر یعنی حجاز کے لئے درکار ہے وہ ساتھ نہیں، پاسپورٹ میرے پاس نہیں، پچھلا پاسپورٹ کہیں اعظم گڈھ میں پڑا ہے۔ پاسپورٹ مدراس میں نہیں مل سکتا، بمبئی میں نہیں مل سکتا، پھر کیونکر اگر بایں ہمہ بے سروسامانی چل کھڑا ہوں تو ۲۹ کر کراچی یا ۳۱ کو بمبئی پی او سے روانہ ہو سکتا ہوں - غور فرمائیے۔

۲ - ہر شخص جو کچھ بھی اپنے پیچھے تعلقات رکھتا ہے، وہ کسی بڑے سفر سے پہلے کچھ انتظامات کرتا ہے - میں پٹنہ کے جلسے میں شریک ہو کر ابھی تک اعظم گڈھ نہیں گیا، چند ہفتوں کے لئے دار المصنفین اور معارف کا کام سنبھال کر، اور مطبع میں چھپنے کی چیزوں کا سامان کر کے مدراس چلا آیا، میں نے مجلس عاملہ میں شرکت وفد سے انکار کر دیا تھا، اب ادھر آپ کے تاروں نے بتایا کہ میرا نام ضروری ہے اور مٹ نہیں سکتا۔ اب اس کی ضرورت ہے کہ میں اعظم گڈھ جا کر چند مہینوں کے کام متعین کر دوں، مطبع میں کتابوں کی چھپائی کا کام مقرر کر دوں، معارف کے مضامین کا سامان کر جاؤں، پچھلی دفعہ جب یورپ گیا خوش قسمتی سے میرے شریک ادارت مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی تھے، انہوں نے معارف سے مجھے مستغنی کر دیا تھا۔ اور مطبع میں سیرت دوم کا کام سال بھر کے لئے کافی تھا، دوسری مرتبہ تین مہینوں کا کام درست کر کے گیا، اب نہ مولوی عبد الماجد صاحب ہیں اور نہ مولوی ابو الحسنات مرحوم، الغرض کوئی کام سنبھالنے والا ہے۔ بایں ہمہ مجھے عرب کے سفر کے لئے مدراس سے واپس جا کر چند مہینوں کے انتظامات اپنی غیر حاضری کے زمانہ کے درست کر کے تیار ہونا چاہئے تھا، اور اس کا موقع نہیں، ایسی حالت میں جانے کے معنی معارف اور دار المصنفین کے بند کر دینے کے ہیں۔

۳ - مصیبت جب آتی ہے ایک ساتھ آتی ہے - مولوی مسعود علی صاحب کی بھتیجی کی شادی درپیش ہے، بہت دنوں سے وہ ٹال رہے تھے، نومبر کا مہینہ فریق دوم نے آخری مہینہ مقرر کیا ہے کہ شادی کیجئے یا جواب دیجئے اور یہی مہینہ ان کے دو ہزار ادائے قرض کی قسط کا ہے - جس کا قصہ شاید آپ جانتے ہوں، اس

لئے وہ اوائل نومبر سے ایک ماہ کے لئے دارالمصنفین چھوڑ کر مجبوراً مکان رہیں گے، اور دارالمصنفین کے لئے ہم میں سے ایک کا رہنا ضروری ہے اور اسی لئے ان کو آزاد کرنے کے لئے مجھے یہاں سے دو چار روز میں روانہ ہو جانا ہے، کیونکہ یہاں جو لیکچر دینے تھے وہ ختم ہو چکے، صرف ایک باقی ہے، جو آج کل میں ہو جائے گا۔

۴ - میں باقاعدہ دارالمصنفین کا نوکر ہوں، اس میں دونوں طرح کے ارکان ہیں، پہلے یورپ گیا تو بلا اطلاع گیا، اور تنخواہ جاری رہی مگر اس وقت ہوا ایسی تھی کہ وہ مخالفت نہ کر سکے۔ دوسری دفعہ حجاز گیا تو ان کی اجازت لے کر تین مہینہ کی رخصت پر گیا، مگر اس دفعہ باہم بدمزگی ہوئی، اب اس دفعہ پھر اس بدمزگی کو بڑھانا سوسائٹی یعنی دارالمصنفین کو برباد کرنا ہے، ان میں بعض وہ ممبر بھی ہیں جن کے ذریعہ سے حیدرآباد کی امداد آتی ہے، مجھے یا تو مستعفی ہو جانا چاہئے یا دارالمصنفین کو باہمی اختلاف کی بنا پر توڑ دینا چاہئے۔ گو میں اب بھی زبردستی جا سکتا ہوں مگر بار بار درخواست کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

۵ - ندوہ کا قصہ یہ ہے کہ نومبر کے آخر میں انبالہ میں اس کا سالانہ جلسہ ہے، مولوی مسعود علی صاحب اپنی خانگی مجبوریوں کے باعث گھر سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اب مجھی کو اس جلسے کو سنبھالنا ہے، اس مہینے میں میری غیر حاضری کے باعث بعض مخالف ارکان نے مدرسہ پر مجلس تحقیقات تعلیم و اخلاق یعنی انکوائری کمیشن مجھ پر قائم کیا ہے تاکہ میرے زمانہ معتمدی پر الزام رکھ کر مجھے بدنام کیا جا سکے، اس سے پریشان ہوں، اس کی بچاؤ کی صورت کرنا ہے، ایک مدرس کا انتقال ہو گیا اس کی جگہ کا انتظام مجھے کرنا ہے، نصاب بنانا اور بنوانا ہے، اور سرمایہ کی فراہمی کا انتظام کرنا ہے۔

یہ سب تو وہ دوسری یعنی آفیشل مجبوریاں تھیں، اب میں آخر اپنا جسم آپ کو دکھاتا ہوں، یورپ سے یہ بیماری لے کر آیا کہ کھانے کے دو گھنٹے بعد جگر سے لے کر گردہ تک درد ہوتا ہے، علاج سے دب جاتا ہے اور پھر ہو جاتا ہے، اس کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ خاص قسم کی غذا کھائی جائے اور خاص طریق سے رہا جائے۔ آپ اپنی مہربانی سے ہر قسم کا انتظام اپنے سر لینے کو تیار ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ میں عرب کو دیکھ چکا ہوں اور آپ صرف سن کر فرماتے ہیں، پچھلی دفعہ عرب کے سفر نے پھر مرض کو پیدا کر دیا، بلکہ اور ایک نئے مرض میں مبتلا کر دیا، عرب میں گوشت عموماً دنبے کا ہوتا ہے جو میرے لئے زہر ہے، روٹی بازاروں میں خمیر کی پکتی ہے نہایت ثقیل، سبزیاں اور ترکاریاں جن میں کھاتا ہوں وہاں نہیں ملتیں، پچھلی دفعہ ہندوستانی باورچی رکھا گیا۔ مگر گوشت اور روٹی کی قسم کو وہ کیا کرتا، جب درد شروع ہو گیا تو دوا بھی بمشکل میسر آ سکی، اینٹ کو آگ میں گرم کر کے اس سے جگر، پیٹ اور گردہ کو سینک کر علاج کرتا تھا اور تسکین حاصل کرتا تھا۔ پاخانہ کا وہاں سسٹم ایسا ہے جو ایک دائم المرض کے لئے سوہان روح ہے، کہہ نہیں سکتا کہ ایک مہینے میں اس کی کیا تکلیف وہاں اٹھائی ہے، اس سے ایک مرض نیا یہ تحفہ لایا ہوں کہ دونوں سرین کے بیچ میں کوئی رگ، یا پٹھا یا ہڈی ہے، اس میں درد ہو جاتا ہے، اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے، اور اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ اس حالت میں موٹر کی سواری پر بھی حرکت ہوتی ہے، تو جان نکل جاتی ہے، ایسی حالت

میں رابغ سے مکہ معظمہ تک کئی دن اونٹ یا شغدف کی سواری میرے لئے ناقابلِ تحمل ہے، دماغ کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ذرا سی فکر یا کسی خیال کی آمد سے نیند جاتی رہتی ہے، تین مہینے سے یہ حال ہے، قلب پر یہ اثر ہے کہ بالکل افسردگی اور پژمردگی آگئی ہے، ذرا سا بولتا ہوں یا تقریر کرتا ہوں تو تھک جاتا ہوں اور سینہ میں درد ہو جاتا ہے۔ یہاں آیا تھا کہ کام کے ساتھ کچھ تفریح اور تبدیل آب و ہوا ہو جائے گی، یہاں ایک مرض جو جاتا رہا تھا عود کر آیا یعنی معدہ میں سوزش، اور ایک مرض نئی کر گیا یعنی سوزش اور درد شکم کے ساتھ دو تین دفعہ دست۔ ڈاکٹری علاج یہاں کیا کوئی فائدہ نہ ہوا، آخر ایک ہفتہ کے لئے بنگلور گیا تھا، وہاں حکیم صاحب قبلہ کے ایک مستعد شاگرد حکیم ہیں انہوں نے دیکھا اور دو تین یونانی قرص، معجون اور شربت تجویز کیا ہے جو روزانہ استعمال میں ہے اور اس سے کسی قدر تخفیف ہے۔

میں نے اپنا دل نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور خدا جانتا ہے کہ جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ حرف بحرف سچ ہے۔ ناز و نخرہ اور بہانہ کی عادت نہیں، اور نہ طمع دنیا میں گرفتار ہوں، میری سات آٹھ برس کی ملاقات آپ سے ہے۔ آپ جیسے آدمیوں کی شناخت کے مدعی سے میرا کوئی عیب یا ہنر چھپا نہ ہوگا، خدا جانتا ہے کہ آپ کی خواہش کو پوری نہ کرنے کا کس درجہ افسوس ہے، میں گنہگار ہوں، اور اپنی گنہگاری کی سزا آپ کے ہاتھ سے برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ کیا کسی طرح اس کی تلافی ہو سکتی ہے؟

میں دو چار روز میں یعنی یکم نومبر کو اعظم گڑھ روانہ ہو جاؤں گا۔ والسلام

۲۶ر اکتوبر ۲۵ء

سید سلیمان

---

(۱۲)

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

۱۔ عقدِ بیوگان کا کام الحمدللہ رواج پذیر ہو رہا ہے اور میرا تو اس پر ذاتی عمل ہے۔ پنجاب، صوبہ متحدہ، دہلی اور جو کہ صوبہ بہار میں بھی شرفا کے خاندانوں میں اس کا رواج ہو رہا ہے۔ اس کے لئے رسمی کمیٹی کی چنداں ضرورت نہیں۔ علماء اور نیک خیال اصحاب اس کام کو پھیلا رہے ہیں۔

۲۔ موجودہ سخت پردے کے بجائے اسلامی پردہ کا رواج بہت بہتر ہے۔ بشرطیکہ اسلامی پردہ پر صحیح طور سے عمل کیا جائے۔ ہمارے ہاں گھروں میں جس سے پردہ ہے تو اس قدر سخت کہ قد و قامت اور آواز کا بھی پردہ ہے اور جس سے علاوہ محرم کے پردہ نہیں اس سے سر و دوش کا بھی پردہ نہیں۔ عورت کا تمام جسم، چہرہ اور ہاتھوں کے سوا سب ستر ہے۔ کسی عورت کا اس ستر کے ساتھ کسی غیر محرم کے سامنے آنا گناہ نہیں۔ اسلامی حدود پردہ پر پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ضرورت ہے۔

۳۔ فضول رسوم اور ہندوانی طریقوں کو یقیناً چھوڑ دینا چاہئے۔

۴۔ یقیناً عورتوں کی تعلیم مردوں کی طرح ضروری ہے مگر عورتوں کے لئے نصاب تعلیم مردانہ اسکولوں اور کالجوں سے الگ ہونا چاہئے۔ جو عورتوں کے حالات اور ضروریات کے مطابق ہو۔

۲۲ر اکتوبر ۲۶ء

سید سلیمان ندوی

(۱۳)

محترم و مکرم دامت مکارمکم۔ السلام علیکم۔ والا نامہ نے عزت بڑھائی۔ معارف کو نہ صرف انڈیا آفس لائبریری کی فہرست پیش کرنے کی پہلی عزت حاصل ہے۔ بلکہ نفس انڈیا آفس لائبریری کے اردو کلکشن کا علم بھی لوگوں کو اوسی کے ذریعہ سے ہوا۔ سب سے پہلے میں جب سنہ ۱۹۲۰ء میں انڈیا آفس لائبریری کے دیکھنے کا مجھے موقع ملا تو اوسکی اردو کتابوں پہ ایک مختصر مضمون معارف میں لکھ کر بھیجا تھا۔ اور اوسی زمانہ میں اوس میں چھپ گیا تھا۔ اب آپ نے میرے ادھورے کام کی تکمیل کا بیڑا اوٹھایا ہے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ وہاں دکنیوں کی تصنیفات کی تعداد کچھ زیادہ ہیں۔ بہرحال آپ تو اوس سمندر کی تھاہ لے ہی رہے ہیں۔ میں ساحل پر بیٹھا منجدھار کے مسافر کو کیا بتاؤں۔

آپ کا مضمون بھی پہنچا ہے۔ اوس کی تمہید میں آپ کی کوششوں کا حوالہ دوں گا۔ اور شذرات میں بھی ذکر کروں گا۔ اگر آپ بجائے متفرق پرچوں میں لکھنے کے کسی ایک ہی پرچہ میں لکھا کریں تو علم کی وسعت اور پختگی اور صحافت کی خدمت بہتر ہو سکے گی۔

معارف کا محرم نمبر جاتا ہے۔ اسٹوری صاحب کو دکھا دیجئے۔ والسلام

۲۰ر اپریل سنہ ۱۹۲۹ء　　　　سید سلیمان

بنام امتیاز علی عرشی

(۱۴)

نمبر ۲۵۰۴ - دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ۔ مخدومی دام لطفہٗ۔ السلام علیکم۔ آپ کا مضمون[1] مارچ میں نہ آسکا۔ شاید اپریل میں آئے۔ پرچہ چھپنے کے بعد آپ کے پاس بھی جائے گا۔ مہربانی فرما کر آپ اپنا پورا نام لکھیے۔

فروری ۲۹ کے معارف میں جس مضمون سے آپ کو اختلاف ہے کیا اوسکے خلاف کچھ واقعاتی دلائل آپ کے پاس ہیں۔ اگر ہوں تو مطلع فرمائیے۔

سیدنا عمر فاروقؓ کے مکاتبات و خطبات جمع کیجئے۔ کنز العمال۔ موطا امام مالک۔ مسند دارمی تو مطبوعہ ہیں باقی مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ قلمی باقی صحاح و سنن و مسانید تو موجود ہی ہیں۔ علاوہ ازیں طبری اور بلاذری بھی ملاحظہ ہو۔

۲۲ر مارچ سنہ ۳۰ء　　　　سید سلیمان

بنام مولانا عرفان صاحب

(۱۵)

دار المصنفین اعظم گڑھ (یوپی)۔ محترم دوست الطافکم۔ السلام علیکم۔ والا نامہ کا شکریہ، این بہ بیداری است یارب یا بخواب، خواہ کسی دوست کی ضرورت ہی سے آپ نے یاد کیا، یاد تو کیا، اور اس پر شکریہ واجب، میں تو قومیات و مجلسیات کی دنیا سے شاید تین سال سے کنارہ کش ہوں، امروہہ کا واقعہ اتفاقی تھا،

---

[1] عمر خیام کا ایک نادر نسخہ معارف اعظم گڑھ جلد ۲۶ نمبر ۴-۵-۶ بابت ماہ اکتوبر تا دسمبر سنہ ۳۰ء

میں علی گڑھ جا رہا تھا کہ بیچ میں یہ حادثہ پیش آ گیا۔ آپ کی طرح میرے اکثر ملنے والوں نے امروہہ کے فیصلے کو میری قوت تقریر کا نتیجہ بنا کر مورد الزام بنایا، خیر یہ بحث تو الگ رہی کہ اس پر مورد الزام بنانا مناسب ہے یا مورد اکرام بہرحال اگر یہ صحیح ہے تو مجھے مغرور ہونے دیجئے کہ میں اس قدر پر تاثیر مقرر ہوں کہ حاضرین کو جدھر چاہوں جھونک دوں

آپ کے خط پر "خلافت کمیٹی آفس" کا پتہ پڑھ کر میں چونک گیا کہ بار الٰہا! میں اور خلافت کمیٹی! آپ نے دیکھا جس معاملہ پر آپ کی خلافت کمیٹی نے مجھے معطون کیا، اس کا حشر کیا ہوا، اور ابن سعود سے بگاڑ کر کیا پایا، کیا کر سکے؟ بہرحال گذشت آنچہ گذشت، اب صرف اس کی تلخ یاد باقی رہ گئی ہے، زمانہ اس کو بھی مٹا دے گا۔

اگست میں لکھنؤ آ کر میری زیارت آپ نہیں کر سکتے، اگر اس فرض کو ادا کرنا ہے تو اعظم گڈھ آنا پڑے گا۔ آپ دار الخلافت سے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، مگر جو جہاں ہے وہ دار الخلافت نہیں پہنچ سکتا۔

آپ کے پر کیف حالات سے میں بے گانہ نہیں ہوں، اللھم زد فزد۔ آپ نے مولویوں کو چھوڑ کر کیوں انگریزوں سے عہد باندھا، کیا پوچھ سکتا ہوں ——— تو عہد باکہ بہ بستی؟ وازکہ بگسستی۔

بہرحال آپ نے جس معاملہ کی نسبت لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سالہا سال کے تجربوں کے بعد یہ طے کر لینا پڑا کہ ایجنسیوں کا معاملہ سخت نقصان رساں ہے، بیسیوں واقعات پیش آ چکے، شروع میں جوش پیدا ہوا اور پھر جب مشکل آ پڑی، یا نقصان آیا تو کتابوں تک کو واپس نہ کیا، سید جالب، رحمانیہ بک ڈپو، انسانہ بکڈپو، اور خدا جانے کون کون اکابر سے معاملہ پڑا اور سخت نقصان دارالمصنفین نے اٹھایا۔ اس وقت سے ہم لوگوں نے یہ قاعدہ بنایا ہے کہ کسی کو ایجنسی اس طرح نہ دی جائے، آپ بھی اپنے دوست کا تجربہ کر لیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے اہل ملک اور ہم قوم کہاں تک حسن معاملہ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ بہرحال چونکہ آپ نے لکھا ہے، اس لئے ہم اتنا کر سکتے ہیں کہ آپ ان سے سو روپیہ پیشگی بھجوا دیجئے، اور فہرست بھیجی جاتی ہے اس میں سے وہ ہر ایک کتاب کے جس کو وہ رکھنا پسند کریں ایک ایک دو دو نسخے منگوا لیں اور ہر مہینہ کے آخر میں جو حساب دکتاب ہو وہ دیتے رہیں اور قیمت ادا کرتے رہیں، مولوی عبدالماجد کی تصنیفات بھی یہیں سے ملتی ہیں، اور ان کے لئے بھی یہی شرائط ہیں۔

براہ عنایت اپنے دوست سے فرمایئے کہ آئندہ معاملات کے متعلق مولانا مسعود علی صاحب منیجر دارالمصنفین کو لکھیں اور طے کریں۔

مولانا شوکت علی صاحب کو سلام فرما دیجئے۔ والسلام

۲۴ رجولائی سنہ ۱۹۳۰ء　　　سید سلیمان

---

(۱۶۱)

<u>بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم</u>

مخدوم و مکرم دام مجدکم! تسلیم و تکریم! کارڈ نے ممنون کیا۔ میں نے ۲۹ کو ایک مفصل خط لکھا ہے جس سے بعض غلط فہمیاں دور ہو گئی ہوں گی۔ میں اپنی غلط روی و خطا کاری کا منت کش ہوں کہ اس کی بدولت ایک عمدہ رباعی یا قطعہ عالم وجود میں آیا۔ اور اس سے میں سرفراز ہوا۔ مجھ سے اس کا جواب ممکن نہ تھا کہ اہل

نقش شاعری پھر فارسی میں شاعری میرے لئے قطعاً مشکل ہے۔ مگر میں اس کو بھی آپ ہی کا فیضِ سخن جانتا ہوں کہ کچھ غلط سلط سا میری زبان سے بھی نکل گیا۔

تکلیف تو چارہ گر درد مرا بایستے		حُسنِ من با ظلم نیز تیا بایستے
درمیانِ طالبِ حق و عطا نیستے بہت		آنچہ من طلبم از تو عطا بایستے

آج کل گھر میں بیماریوں کا سلسلہ ہے، سہیل کو کل ایک ہفتہ کے بعد بخار اترا تو آج سے اُن کی ماں کو بخار ہے۔ وسط اگست تک شاید آنا ہو۔ والسلام

۱۲اگست سنہ ۱۹۳۰ء		سید سلیمان

بنام محمد عبداللہ قریشی

(۱۷)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم وعلیکم السلام۔ مکرمت نامہ کا شکریہ۔ یہ آپ اچھا کر رہے ہیں کہ اوس (نکلسن کی کتاب) پر ایک مفصل تنقید کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اوس کے قابلِ اعتراض مقامات مولوی خواجہ عبدالواجد صاحب ندوی ایم اے پروفیسر مشن کالج کانپور سے پوچھئے۔ انہوں نے اوس کا ترجمہ اردو میں (ترقی اردو کے لئے) کیا ہے۔ اور اوس پر حواشی تردیدی لکھے ہیں۔

"نگار" کی طرف توجہ کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ شبابیات واہیات مضامین کے ذریعہ سے نوجوان طلب علموں میں الحاد کا بیج بو رہا ہے۔ اگر صرف پنجاب میں اس کا بائیکاٹ ہو جائے۔ تو اوسکی آنکھیں کھولنے کو کافی ہے۔ آئندہ ہفتہ میں ہمت لکھنؤ میں ایک مراسلہ اس کی بابت چھپے گا۔ وہ نمبر آپ کے پاس بھیجوں گا۔ اخراجات میں شرکت کا شکریہ!

انقلاب کے اڈیٹروں کو اس کی بابت لکھا۔ مگر جواب سے بھی محرومی رہی۔ تا بہ دیگراں چہ رسد۔

ہمارے دوست مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی عنقریب اس کام کو شروع کریں گے۔ میں آپ کا خط اون کی خدمت میں بھی بھیج دیتا ہوں۔ والسلام

یکم ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء		سید سلیمان

بنام محمد عبداللہ قریشی[1]

(۱۸)

شبلی ہوسٹل۔ بادشاہ باغ لکھنؤ۔ مکرم۔ اسلام علیکم۔ نامۂ عالی کا شکریہ۔ نکلسن کی کتاب کا کیا حشر ہوا؟ پروفیسر شفیع صاحب کا بھی عنایت نامہ ملا ہے۔

نیاز کا فتنۂ نگار تو بحمد اللہ ختم ہوا۔

---

[1] اس خط کا پہلا حصہ میرے متعلق ہے اور باقی ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے متعلق ہے۔ اتفاق سے ہم دونوں کی خط و کتابت بیک وقت ہو رہی تھی۔ مولانا نے دونوں کو ایک سمجھ لیا۔ میں نے قریشی اور چغتائی کی طرف توجہ دلائی تو آپ نے التباس نام میں غلطی کا اعتراف کیا۔ (محمد عبداللہ قریشی)

کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا۔ میرے علم میں کوئی ایسا واقعہ جس سے اس مرقع کا سنہ حل ہو سکے، نہیں ہے،

برادرم حاجی معین الدین صاحب ندوی رامپور میں مہتمم تالیفات ہیں۔ میں اس عہدہ کا مطلب نہیں سمجھ سکا نہ انہوں نے خود لکھا وہ ان باتوں میں مست ہیں۔ بارے آپنے مضمون کو بھیجا ہے۔ اگر آپ اس نئی چیز کی تفصیل بتاسکیں تو مہربانی کیا عہدہ ہے کیا تنخواہ ہے کس کی ماتحتی ہے کتنے دنوں کی جگہ ہے۔

آپ رامپور آنے کی پر اصرار دعوت نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ رامپور کے کتبخانہ سے محروم رہ جاتا ہوں۔

۳۰ رجب ۱۳۵۲ھ　　　والسلام۔ سید سلیمان

میرا نوٹ متعلق کتبخانہ رامپور آپکے اندر آپ کے دفتریوں کی نظر سے بھی گزرا؟ یا یہ تیر یوں ہی اچٹ کر رہ گیا۔ سلیمان

(۲۴)

بنام نواب سید علی حسن خانصاحب مرحوم

مخدوم محترم دام کرمہٗ۔ السلام علیکم۔ والا نامہ مع جوابات مدرسین موصول ہوئے! شکریہ ہاں یہ سچ ہے کہ مولوی عبدالحق ناتجربہ کار اور سادہ ہیں۔ مگر کام ہی سے تجربہ آتا ہے اچھا ہے ابھی یوں ہی رہنے دیجئے میں کسی اور آدمی کی تلاش میں ہوں۔

عمارت کے کام میں میں نہیں سمجھا کہ کیا دقتیں حائل ہیں۔ آیا یہ ہے کہ جلسہ نے اس کو طے نہیں کیا ہے یا یہ ہے کہ مزدور و معمار اور مسالہ نہیں ملتا! اگر دوسری دقت ہے تو خیر، اگر پہلی دقت ہے تو تعجب ہے کہ اب تک حل نہ ہوا میرے خیال میں تو ایک تخمینہ بنوا کر جلسۂ نظامت سے بالفعل منظوری لے کر اتنا روپیہ معتمد تعمیرات کے نام بنک میں علٰحدہ کرا دیجئے یا معتمد مال کی معرفت وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہنا چاہیئے۔

عملی کاموں کے لئے قوانین کی لفظی پابندی کبھی نہیں چل سکتی اور ہمیشہ کام میں رکاوٹ پیش آئے گی۔ آپ بے قاعدگی اور اعتراضات کا خوف نہ کیجئے، اس سے کوئی کام کرنے والا آدمی نہیں بچا ہے اور نہ بچے گا اور نہ بچ سکتا ہے یہ خیال دل سے دور کر دیجئے۔

مولوی مسعود علی صاحب ندوہ کے کام سے گھبرا اٹھے ہیں کہ ان حالات میں کام کرنا بہت مشکل ہے۔ وہ چھوڑ کر چلے آنا چاہتے ہیں۔ بارے میں نے عید اضحیٰ تک روکا ہے کہ ۱۲ - ۱۳ عید تک میں بھی آؤنگا۔

خان بہادر سید حسین صاحب تو تعمیر کو خصوصاً گنبد کی تعمیر کو بہت ضروری سمجھتے تھے! ان کی وجہ سے تو دقت ہو نہیں سکتی! پھر کیا دقت ہے جس کے لئے اس قدر تعویق و تاخیر و تعلل ہے۔

مولینا شروانی عید الضحیٰ میں مکان آرہے ہیں، مجھے لکھا ہے کہ دل یہ چاہتا ہے کہ اس مرتبہ لکھنؤ آؤں، میں بھی ان سے آنے کا اصرار کرتا ہوں، میں بھی اس زمانہ میں وہیں ہوں گا۔ والسلام

۱۷ر جولائی ۱۹۳۳ء　　　سید سلیمان

(۲۵)

بنام اثر صہبائی

صہبائی من! شاد باد، زندہ باد۔ کل آپ کا خط ملا پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی۔ انسانوں کی کمی نہیں انسانیت

کی کمی ہے۔ آپ کے خط سے آپ کے بلند اخلاق، متواضع خو اور متین طبیعت کا اندازہ ہوا۔ آپ میرے الفاظ سے مایوس نہ ہوں۔ ترقی اور کمال ایسے ہی لوگوں کی قسمت ہے۔ آپ کے مشیرانِ سخن نے آپ کو مشورہ دینے میں کمی کی ہے۔ آپ نے مشورہ لینے میں کمی نہیں کی ہے۔

میرا مقدمہ تیار ہو چکا تھا مگر آپ کے رنگِ جواب کے انتظار میں بھیج نہیں رہا تھا۔ اب آپ کا جواب آیا اور آپ کے طرزِ اخلاق سے اطمینان ہوا۔ آپ ان صفحوں کو پڑھیں جہاں کہیں آپ کو اتفاق نہ ہو آپ مجھے اطلاع دیں میں غور کروں گا اور تغیر کر دوں گا۔

اپنے والد ماجد کو میرا سلام کہئے۔ مجھے آپ کے اس رشتہ اور نسبتِ پدری کی خبر نہ تھی، تو گویا آپ ہمارے مخدوم مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے عزیز ہیں کیا یہ میں صحیح سمجھا۔

میں نے اپنی تصویر خود کبھی نہیں کھنچوائی لیکن اگر کسی نے لے لی تو میں نے مزاحمت بھی نہیں کی۔ والسلام

۱۵ ستمبر ۳۳ء — سید سلیمان

---

(۲۶)

میر الدین ہاشمی

دار المصنفین اعظم گڑھ۔ محترم دام لطفکم۔ السلام علیکم، میرا مضمون ہاشم علی برہان پوری پرچہ ہندوستانی میں چھپ گیا ہے۔ اس کی ایک کاپی مرسل ہے۔

۲۔ شائع شدہ کتابوں اور رسالوں کا دوبارہ طبع کرانا معارف کے حدود سے باہر ہے۔

۳۔ آپ کے فاضلانہ مضامین قابلِ اشاعت ضرور ہیں مگر دار المصنفین کو اپنے اصول کی بنا پر معذوری ہے۔

مدت سے آپ نے معارف کو یاد نہیں فرمایا۔

۱۹ فروری ۳۴ء — سید سلیمان

---

(۲۷)

امتیاز علی عرشی

دار المصنفین اعظم گڑھ۔ مکرم سلام مسنون۔ ایک صفحہ کا مضمون پہنچا۔ عبارت کا مطلب آپ نے صحیح سمجھا عربی طباعت کا آغاز سولھویں صدی سے شروع ہوا ہے۔ ۱۵۹۳ء میں روما میں قانون شیخ طبع ہوا تھا۔

پبلک لائبریری کے لئے فہرست کتب مرسل ہے اس کے ساتھ یہی رعایت ممکن ہے کہ قیمت میں تاجرانہ کمیشن ۲۵ فی صد دیا جائے۔ اس کے متعلق مولوی مسعود علی صاحب ندوی منیجر دار المصنفین کو لکھئے۔ فہرست کتب مرسل ہے۔

میں شاید ۱۸ - ۲۰ اکتوبر کو بجنور ایک دوست کے اصرار پر جا رہا ہوں۔ فرمایئے تو حاضر ہوں "اردو ادب پر نواب خلد آشیاں کے دربار کا اثر" اچھا موضوع ہے مگر شرط یہ ہے کہ طبیعت حاضر ہو۔ والسلام

۷ اکتوبر ۱۹۳۴ء — سید سلیمان

---

(۲۸)

مہر صاحب

نمبر ۷۷۲۳ - دار المصنفین اعظم گڑھ (یو پی)، مکرمی وعلیکم السلام۔ یادآوری کا شکریہ، کامیاب سفر پر مبارکباد

دیتا ہوں، میرا سفرنامہ کیا وہ تو چلتے پھرتے معلومات کا بیان ہے پہلے سے اس کا خیال بھی نہ تھا تاہم حضرت خواجہ صاحب نظامی کے سفرنامے سے تو زیادہ مکمل صحیح اور پرمعلومات ہے۔ آپ کا سفرنامہ بھی یقیناً دلچسپ ہے۔ اور پرمعلومات ہونا تو اس کا ظاہر ہے۔ میں نے جس روا روی میں یہ سفر کیا اس میں اتنا کچھ لکھنا بھی غنیمت ہے۔

چہل زینہ کے متعلق مجھے غلطی ہوئی ہوگی، مغرب کا وقت تھا[1]۔ میں پوری عبارت بھی پڑھ نہیں سکا ابھی کل پرسوں "اصلاح" میں ان کا جو حال نکلا ہے اس میں بھی پیمائش و پیمانہ ہی سے بحث ہے۔ ضرورت ہے کہ پوری عبارت کا محققانہ مطالعہ کیا جائے۔

میرے احباب افغانستان کو جب آپ خط لکھیں تو میرا بھی جوابی سلام پہنچا دیں۔

"سیرۃ النبی" جلد چہارم کی دو جلدیں بذریعہ ریلوے پارسل مرسل ہیں۔ مولوی بشیر صاحب[2] اور ظفر حسن[3] صاحب کو بھجوا دیجئے۔ ظفر حسن صاحب کو یہ بھی لکھئے کہ اس کی طبع دوم چھپ رہی ہے جس میں بعض تبدیلیاں اور اضافے ہیں، وہ ترجمہ بالفعل شروع کریں۔ مگر طبع دوم سے بعد کو ملالیں۔ طبع دوم ان کے پاس بھیجوں گا، ان کے پتہ سے مطلع فرمائیے۔ میں نے ان کے شریک ترجمہ کے نام حسب طلب سیرۃ چہارم قسطنطنیہ بھیجی تھی۔ مگر واپس آگئی ان کسٹم گھر سے دینا پڑا۔ پچھلی دفعہ لاہور ایسا سرسری گیا کہ آپ کے دفتر تک بھی پہنچ نہ سکا، جس کا افسوس ہے۔

امید ہے کہ دریائے کابل کی (جو تنگ چشمان سمرقند و بخارا کی طرح تنگ ہے) زیارت سے آشوب چشم جاتا رہا ہوگا۔ والسلام

۹ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء　　　سید سلیمان ندوی

(۲۹)

بنام امتیاز علی عرشی

نمبر ۸۴۲۳ ۔ مکرم السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ میں نے علی گڈھ کے پچھلے سفر میں رام پور آنے کی چاہی تھی آپ کا خط میری روانگی کے بعد آیا۔ اور واپسی پر ملا۔ افسوس ہوا۔ اب دوبارہ عرض ہے کہ ۲۵ کو پھر علی گڈھ پہنچنا ہے۔ کورٹ کا اجلاس ہے۔ میں ۲۷ کو یا شاید ۲۶ ہی کو رام پور آسکتا ہوں۔ مہربانی کرکے اس پتے سے خط کا

---

[1] میں نے سید سلیمان مرحوم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ان کے سفرنامے میں جو بالاقساط "معارف" میں چھپا تھا چہل زینہ (قندھار) کے ذکر میں ایک فروگذاشت ہوئی

[2] مولانا محمد بشیر شہید رئیس مجاہدین چمرکنڈ۔

[3] ظفر حسن صاحب ایبک۔ یہ ان طلبہ میں سے تھے جو فروری سنہ ۱۹۱۵ء میں لاہور سے ہجرت کرکے پہلے سرحد آزاد میں پھر افغانستان چلے گئے تھے۔ ظفر حسن صاحب بعد ازاں روس ہوتے ہوئے ترکیہ پہنچ گئے اور حربی کالج کا امتحان پاس کرکے فوج میں معزز عہدے پر مامور ہوئے انہوں نے ترکیہ میں توطن اختیار کر لیا۔ میں سنہ ۱۹۳۳ء میں کابل گیا تھا۔ تو وہاں آئے ہوئے تھے انہوں نے مولانا شبلی کی سیرت النبیؐ کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا تھا۔ چوتھی جلد انہیں نہیں ملی تھی۔ میں نے مولانا سید سلیمان سے منگوا کر انہیں اور مولانا محمد بشیر کو بھجوا دی۔ (غلام رسول مہر)

جواب دیجیے بتوسط مولانا ابوبکر صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

حاجی معین الدین صاحب تو روانہ ہو گئے بشہر خود روم و شہریار خود باشم۔ اب ان کی جگہ پر کیا انتظام ہوا ایک صاحب جو میرے پیش نظر ہیں کیا موقع ہے؟ آپ کا مضمون دسمبر میں جا رہا ہے۔

۱۷ نومبر ۳۴ء　　　　سید سلیمان

---

(۳۰)

بنام امتیاز علی عرشی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ مکرم السلام علیکم۔ عنایت نامہ ملا۔ نوازش کا شکریہ میرا ارادہ مصمم تھا کہ حاضر ہوں مگر افسوس کہ یہاں آکر بیمار ہو گیا۔ ۲۴ گھنٹے کے فاقہ کے بعد آج کھچڑی ملی ہے اور کوئی وقت مناسب رامپور پہنچنے یا یہاں سے روانہ ہونے کا نہیں تھا اس لئے بصد افسوس اس وقت سفر رامپور کو ملتوی کرتا ہوں اور آپ سے معذرت کرتا ہوں۔ عرفت ربی بفسخ [illegible] یار زندہ صحبت باقی۔ والسلام

۲۶ نومبر ۱۹۳۴ء　　　　سید سلیمان

---

(۳۱)

بنام نصیر الدین ہاشمی

صاحب الفضل[1]۔ وعلیکم السلام۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ سفرنامہ افغانستان آپ کو پسند آیا تو اس میں آپ کی محبت کی نظر کو دخل ہے۔ حسن لیلیٰ میں نہیں۔ چشم مجنوں میں ہے۔

دسمبر کے معارف میں بضمن شذرات تاریخ ہندوستان کی جلدوں کی تعداد و ترتیب لکھی گئی ہے۔ دسویں جلد بہمنیہ و سلطنت ہائے دکن سے متعلق ہو گی۔ اگر پروفیسر عبد المجید صاحب صدیقی اس جلد کو لکھنا چاہیں تو آپ دریافت کرکے مطلع فرمایئے۔ اگر وہ اس جلد کا کام اپنے ذمہ لیں تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔

عہد آصفی کے لئے سراج الدین صاحب طالب اور آرکاٹ کے لئے محمد غوث صاحب لکھ سکتے ہیں۔ مگر ان کے لئے چودھویں جلد میں صفحات محدود ہوں گے زیادہ سے زیادہ پچیس پچیس۔ تیس تیس صفحے۔

"حیات شبلی" لکھی پڑی ہے اور بڑی فرصت کی منتظر ہے حضرت امجد کی شاعری پر آپ کا رسالہ ملا ریویو ہو گا۔ آپکی عنایات کا شکریہ تاریخ ہند کیطرف توجہ کیجئے آپ کی پیشگی قیمتوں کے وصول کرنے سے بڑی ذمہ داری آجاتی ہے۔ جس سے ڈرتا ہوں۔ والسلام

۱۷ دسمبر ۱۹۳۴ء　　　　سید سلیمان

---

(۳۲)

بنام امتیاز علی عرشی

دار المصنفین اعظم گڑھ۔ مکرم السلام علیکم۔ آپکے مجھ پر طرح طرح کے الزام ہوں گے۔ اور کم از کم بے اعتنائی اور بے رخی کی تہمت تو مجھ پر قدرتاً قائم ہونی چاہیئے گو برائے انا منہا برا تو عائشہ

آپ کا بجاب والا نامہ میرے پنجاب سے واپس آنے کے بعد اعظم گڑھ واپس ہو کر ملا۔ میری نیت ہمیشہ درست لیکن ارادہ ہمیشہ غلط ہوتا ہے اور اس ارادہ کی غلطی کے سبب سے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے۔ ارادہ کی غلط

---

[1] بیت الفضل میرے نو تعمیر مکان کا نام تھا۔ افسوس ہے کہ اس کو فروخت کر دیا گیا۔ ہاشمی

کے معنی یہ ہیں کہ صحت کی خرابی کے سبب سے اکثر سفروں میں بیمار ہو جاتا ہوں۔ اور واپسی میں فسخ ارادہ کرنا ہوتا ہے کتابخانۂ رامپور کی زیارت کس کو آپ کی طرف نہ کھینچے گی۔ لیکن مجھے یقین آگیا ہے کہ ضمنی سفر کے بجائے جب تک وہاں کے لئے مستقل سفر کی نیت نہ کی جائے گی، شگون ٹھیک نہ ہوگا۔

امید ہے کہ ۳۵ء میں اگر زندہ رہا تو اپنے شوق کی تسکین اور آپ کے حکم کی تعمیل اسی سال کروں گا۔

عرفت ربی بفسخ العزائم کا فقرہ نہیں پڑھتا۔ والسلام

۱۹ مئی ۳۵ء

سید سلیمان

---

(۳۳)

بنام نصیر الدین ہاشمی

دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ مکرم دام لطفکم۔ السلام علیکم عنایت نامہ ملا، پرسش احوال کا شکریہ، وہ بچی اپنی حالت سے جانبر نہ ہو سکی، اوس کی وفات کی اطلاع مجھے حیدرآباد ہی میں مل چکی تھی، اس لئے جلد چل پڑا۔

میرے حسن سیرت کے ساتھ اگر وہ ہے آپ کی گرویدگی خود آپ کے حسن سیرت کی دلیل ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس دفعہ احباب دکن کی محبتوں کا بیحد ممنون رہا۔ خاص کر بے نیاز امجد کی نیاز مندی کے شرف کو اس سفر کا حاصل سمجھتا ہوں۔ کلیات امجد کی ترتیب لباس مزدوری ہے۔ یہ امجد کے چمکانے کے لئے نہیں بلکہ امجد کے وجود سے دنیا کو مستفید کرنے کے لئے۔

جی ہاں جن کتب خانوں کی کتابوں کی فہرستیں نوٹ کی ہیں ان کا ذکر سفر دکن کے فوائد علمی میں آئے گا۔ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کی فہرست چھپ جائے، تو بہتر ہے۔

میں نے غلام غوث صاحب کو ایک کتاب سحر حلال مصنفہ ولیا محمد معمار کے متعلق کتب خانہ مدراس سے دریافت کی فرمائش کی تھی، آپ سے ملاقات ہو تو پھر فرمائش کر دیجئے کہ کتاب کا پہلا صفحہ مجھے نقل کر کے بھیج دیں۔

جشن سیمین کی شرکت بعض حالات پر مشروط ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ والسلام

یکم ستمبر ۱۹۳۵ء

سید سلیمان

---

(۳۴)

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب

برادرم سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم! ابھی آپ کا تار ملا! تار کیا تھا! بجلی تھی جو دلوں پر گری۔ ہائے ان کا آخری دیدار کتنا کم نصیب ہوا؟ وہ نہ صرف آپ کے باپ، بلکہ ہم سب کے بزرگ تھے اور میں اسی نظر سے ان کو دیکھتا تھا ان کا وجود بزرگوں کی نشانی تھی۔ اور ہمارے لئے بڑا سہارا تھے۔ آہ آپکو اور برادرم امیر حسن خاں اور آپ کے دوسرے بھائیوں کو کیا لکھوں اور کیونکر صبر کی تلقین کروں، ان کا سایہ آپ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت تھی جس سے افسوس کہ آپ لوگ محروم ہوگئے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں تعزیت کن لفظوں میں پیش کروں زبان و بیان قاصر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے تعزیت کے لئے میں خود حاضر ہوتا مگر رمضان اور اہلیہ کی علالت کے سبب سے قاصر رہا۔ بہرحال مجھے امید ہے

کہ آپ لوگ جب تک میں جیتا ہوں اس رشتہ کو شکست نہ ہونے دیں گے۔ والسلام

۱۷؍ نومبر ۱۹۳۶ء — شریکِ غم، سید سلیمان

---

(۳۵)

بنام نصیر الدین ہاشمی

دارالمصنفین، اعظم گڈھ۔ مکرمی السلام علیکم۔ میں اپریل سے خانہ بدوش تھا۔ اب تک مرکز پہ پاؤں نہیں جمے ہیں۔

حیدر آباد کی واپسی کے بعد بہت کچھ لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر میں ایسا بیمار پڑا کہ جینے کے لالے پڑ گئے، اب اچھا ہوا تو اکثر باتیں حافظہ سے نکل گئیں۔

کلام اعجد کی تدوین و ترتیب ضروری فرض ہے۔ مکاتیب شبلی کی تیسری جلد کا ارادہ نہیں۔ سابقہ جلدیں دوبارہ طبع ہو چکی ہیں۔

یہ سن کر کہ سراج الدین صاحب مرحوم کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا افسوس ہوا بظاہر خیریت ہے۔ اندر کا حال خدا جانے۔ والسلام۔

۸؍ ستمبر ۱۹۳۷ء — سید سلیمان

---

(۳۶)

بنام مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی

نمبر ۱۴/م دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم السلام علیکم۔ آپ کا انگریزی رسالہ[1] ملا۔ یہ بہ ہوگا۔ مگر آپ کا رسالہ مجھے سفر میں ملا تھا، دیکھنا یہ ہے کہ یہاں ساتھ آیا ہے یا نہیں۔

مجھے اپنے مضمون کا برابر انتظار ہے۔ آپ کے احساسات کی میں نے بڑی قدر کی۔ آپ کا خیال درست ہے۔ مسلمانوں کے فائدے اور خدمت کے لحاظ سے ہمارے پرانے گھروندے بے کار ہو چکے۔ یا وہ اپنا چولا بدلیں یا موت کے گھاٹ اتر جائیں۔

لیکن آپ کی ذاتی وابستگی و محبت کے لحاظ سے میں کبھی آپ کو یہ رائے نہیں دے سکتا کہ آپ اپنی جگہ سے ہٹیں۔ اس وقت تو جو جہاں ہے وہیں پر اس کو قدم جمائے رہنا ہے، آپ ایسا کیوں نہ کریں کہ آپ بحیثیت ملازم جہاں ہیں وہاں بحد ملازمت اپنا کام بطور فرض کرتے رہیں۔ اور ہمارے دارالمصنفین کے لئے وہ مطلوبہ جلد لکھیئے جس کی فرمائش میں نے آپ سے کی ہے۔ دارالمصنفین آپ کو بطور معاوضہ نہیں بلطور پیش کش ڈھائی سو روپے نقد کرے گی۔ یہ نذرِ حقیر ہے۔ مگر حالات نے مجبور کر رکھا ہے، ممکن ہے میں اس سے زیادہ کر سکوں، اگر وعدہ نہیں۔ انشاء اللہ علی گڈھ جلد حاضری ہو گی، باتیں ہوں گی۔ والسلام

۲؍ جون ۱۹۳۸ء — سید سلیمان

---

[1] "مسلمانوں کی تعلیمی جدوجہد"۔

بنام زبیری صاحب

(۳۷)

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ، مکرم السلام علیکم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ دونوں ٹکڑے مفید تھے کام آئیں گے۔ مگر آپ نے یہ نہیں لکھا کہ ان دونوں کا ماخذ کیا ہے مہربانی فرما کر ماخذ سے مطلع فرمائیے۔

باقی آپ کی تلمیحات تو میں نہیں سمجھا۔ مولوی عبدالسلام صاحب سمجھیں یا آپ سمجھیں یہاں تو معاملہ صاف ہے۔ آج کل مولوی عبدالسلام صاحب پر مراق کا سخت دورہ ہے۔ بیکار سے ہو رہے ہیں۔ کیا آپ نے مکان بدل لیا؟ والسلام

۱۲؍دسمبر ۱۹۳۸ء

سید سلیمان

بنام زبیری صاحب

(۳۸)

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ۔ مکرم السلام علیکم۔ ادھر بہت مصروف تھا جواب نہ دے سکا۔ مجموعہ خطوط سر سید کہاں سے ملے گا۔ مجموعہ خطوط حالی بھی چاہیئے۔

میں علی گڑھ گیا تھا آپ کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ آج کل مولوی عبدالحق صاحب کے ساتھ دہلی میں ہیں۔

میں آج کل خریداران معارف کی توسیع کی کوشش میں ہوں کیا آپ اس میں حصہ نہ لیں گے۔ والسلام

۲۳؍جنوری ۱۹۳۶ء

سید سلیمان

بنام محمد امین زبیری صاحب

(۳۹)

دار المصنفین اعظم گڑھ۔ مکرم السلام علیکم معلوم نہیں آپ کہاں ہیں آپ نے اپنے ایک اطلاع نامہ میں مولوی شبلی صاحب کا وہ عربی قصیدہ نقل کر کے بھیجا ہے جو اکتوبر ۱۸۸۱ء میں مولانا نے سر سید کی مدح میں لکھا تھا آپ براہ مہربانی اکتوبر ۱۸۸۱ء کے انسٹی ٹیوٹ میں دیکھ کر مطلع فرمائیے کہ اکتوبر ۱۸۸۱ء کی تاریخ صحیح ہے۔ ہو سکے تو تاریخ مہینہ کی بھی لکھیئے اور انسٹی ٹیوٹ کے جلد اور نمبر یا تاریخ اشاعت۔

پھر اس سے مطلع فرمائیے کہ مولانا جنوری ۱۸۸۲ء یا ۱۸۸۳ء میں علیگڑھ میں پروفیسر مقرر ہوئے؟

جواب جلد عنایت فرمائیے۔ بھوپال میں کیا ہوا۔ والسلام

۱۶؍اکتوبر ۱۹۳۹ء

سید سلیمان

بنام محمد امین زبیری صاحب

(۴۰)

دارالعلوم ندوہ لکھنؤ۔ محب مکرم السلام علیکم۔ آپ کے لفافہ سے جو خط برآمد ہوا اس کو پڑھ کر مجھ بے حد ہنسی آئی۔ وہ ایک دل جلے کے خط کا جواب تھا۔ جو پورنیہ میں ندوہ کے لئے کوئی جائداد وقف کرنا چاہتا ہے دیکھئے وہ دل جلا آپ کا خط پا کر کیسا چراغ پا ہوتا ہے۔ بہرحال آپ کے خط میں یہ تھا

(۱) اس عربی قصیدہ کی تمہید لکھ بھیجئے جو اکتوبر ۱۸۸۱ء کے گزٹ میں ہے

(۲) آپ کو معلوم ہے کہ سر سید اور مولانا میں اخیر زمانہ میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ کیا

ہیں اور اسباب کیا تھے۔

(۳) میں مولانا مرحوم کے خطبات اور تقریریں چھپانا چاہتا ہوں۔ اس لئے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کانفرنس کی کن کن روداروں میں ان کی چھوٹی بڑی تقریریں ملیں گی۔ ان کا حوالہ اور ہو سکے تو ان روداروں کے نسخوں کی بہم رسانی یا ان تقریروں کی نقل جس کی اُجرت دی جائے گی۔

(۴) کانفرنس کے اجلاس اوّل میں مولانا نے کن تجویزوں کی تائید یا تحریک فرمائی اور ان پر جو تقریر بھی کی ہو بقید تاریخ و اجلاس بھیج دیجئے۔

(۵) ترقی پنشن پر مبارک باد قبول فرمائیے۔

آج کل ندوہ کا کام اپنے ذمہ لیا ہے اس میں مدد فرمائیے۔ الندوہ کا بھی قصہ ہے۔ ہاں آپ نے دوسرے خط میں دارالمصنفین کی تاریخ کی جو تحریک اس موقع پر کی ہے وہ بجا ہے انشاءاللہ عمل کی کوشش کی جائے گی والسلام

سید سلیمان

۲۷ر نومبر ۳۹ء

---

(۴۱)

بنام محمد امین زبیری صاحب

دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ مخدومی السلام علیکم۔ ازہر والا مضمون پہنچا۔ یہ ہمارے ہاں نہ تھا۔ آپ ان تقریروں کو بھیج دیجئے۔ میں ان کو درست کر لوں گا۔ "صرف دولت" والی تقریر ہو تو وہ بھی بھیج دیجئے "جمہوریت" والا مضمون بھی بھیج دیجئے۔

ایک مہینہ کے بعد حیدرآباد، پونا اور بمبئی کے سفر سے واپس آیا ہوں۔ حیدرآباد میں ندوہ کی ماہوار کے اضافہ کے لئے عریضہ پیش کیا ہے۔ اللہ مالک ہے۔

ریویو جو بھیجا ہے وہ شائع ہو گا۔

الندوہ دوبارہ جاری کیا ہے خدا کرے جاری رہے اگر نہ دیکھا ہو تو دفتر الندوہ بادشاہ باغ لکھنؤ سے منگوا لیجئے۔ قیمت وہی ۳ دہی مجم۔ مضامین خلافت۔ ہندی۔ قرآن کا انگریزی ترجمہ۔ اوقاف اسلامی۔ اسٹرائک ندوہ۔ اوقاف اسلامی موجود ہیں۔ جمہوریت والا مضمون بھیجئے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۷ر فروری ۱۹۴۰ء

---

(۴۲)

بنام ملک رام

دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ جناب من تسلیم۔ آپ کے سب خط ملتے رہے۔ پوسٹل آرڈر بھی ملا تھا۔ بارہا جواب دینے کو جی چاہا۔ مگر تواتر سفر اور اس خیال سے کہ آپ اتنی دور پہنچ گئے ہیں، جواب میں توقف ہوتا رہا میں بحمد اللہ مع الخیر ہوں اور آپ کے لئے داعی خیر!

آپ کا رسالہ بھی بحفاظت میرے پاس ہے۔ واپس اس لئے نہیں کرتا کہ مجھے اس پر کچھ لکھنا پڑے گا اور اگر آپ میری تحریر کے بغیر واپس کرنے کو کہیں تو میں ہر وقت واپس کر سکتا ہوں۔ بعض مقامات تصحیح طلب ہیں۔

اب آپ کی عربی گفتگو تو پوری رواں ہو چکی ہوگی۔ ابھی لاہور گیا تھا، آپ کے احباب سے ملاقات ہوئی۔ پرچہ گزشتہ مارچ سے آپ کے نام جاری کر دیا گیا ہے۔ پوسٹل آرڈر میں غلطی تھی۔ اس لئے وہ آپ کے نام ۱۹ مارچ ۴۲ء کو واپس کر دیا گیا ہے کہ دوبارہ بھیج دیں۔ والسلام

سید سلیمان

۲۳ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء

بنام زبیری صاحب

(۴۳)

دار المصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم السلام علیکم۔ سوانح شبلی اب قریب ختم ہے۔ آپ نے مولانا کا مضمون جمہوریت جس کو آپ فرماتے تھے مجھے نہیں بھیجا، براہ کرم جلد بھیج دیجئے۔ اور جس اخبار سے لے کر بھیجئے اس کا نام اور تاریخ اشاعت بھی لکھ دیجئے۔ امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مولوی عبد السلام بخیر ہیں۔

حیات شبلی میں آپ کا نام بھی آیا ہے۔ والسلام

سید سلیمان

۹ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء

بنام نواب سید شمس الحسن صاحب

(۴۴)

برادر عزیز۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ اُمید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔ ادارۂ معارف اسلامیہ کا جو اجلاس لکھنؤ میں آپ لوگ کر رہے ہیں، ادارہ کی طرف سے ایک مشاعرہ بھی ترتیب دیا جائے۔ جس میں ممتاز شعراء شریک ہوں۔ میرے خیال میں اس کام کی اہلیت آپ ہی کو ہے۔ آپ اس شعبہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیں، غالباً اس تجویز میں کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔ کام حسب ذیل ہیں:-

۱- ۱۶ یا ۱۷ یا ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۴۲ء کو رات کے وقت ایک مشاعرہ کا انعقاد۔ تاریخ و وقت، و مقام متعین کیجئے۔

۲- ریڈیو آفس سے دریافت کیجئے کہ کیا وہ ریلے کریں گے۔ اور اگر اس کے لئے بجلی کی ضرورت ہو تو وہ ندوہ میں نہیں یونیورسٹی میں ہے تو پھر یونیورسٹی میں انتظام اور اگر تار لگا کر یہاں انتظام کر سکتے ہیں تو خیر ندوہ ہی ہیں۔

۳- شعراء کا انتخاب! (ملحد یا شوخ شاعر کو نہ بلایئے) جتنے نام یاد آتے ہیں:- جگر صاحب۔ روش صدیقی صاحب، حفیظ جالندھری لاہور۔ پروفیسر اکبر۔ منیر ہوشیار پوری گورنمنٹ کالج۔ لکھنؤ کے شعراء تو آپ جانتے ہیں۔

۴- طرح جو پسند ہو۔ یا عنوان کسی نظم کا۔ یا عام۔

۵- کیا ان صاحبوں کی خدمت میں کچھ پیش کرنا بھی ہوگا۔ میرے خیال میں دس پندرہ شاعر کافی ہوں گے۔

امید ہے کہ جناب سے شاد کام فرمائیں گے۔ اچھے صاحب اور عزیزی امیر حسن خانصاحب کو سلام مسنون آپ لوگوں کی کوشش سے ارکان استقبالیہ کچھ بن جاتے۔ بڑا مرحلہ تو روپیہ کا ہے۔ صدارت استقبالیہ کا فیصلہ بھی نہیں ہوا۔ صدر اجلاس کے لئے نواب مہدی یار جنگ کا انتخاب ادارہ کی مجلس عاملہ نے کیا ہے معلوم نہیں

ہوا کہ وہ قبول کریں گے یا نہیں - مشاعرہ کی صدارت کے لئے اقبال سہیل صاحب کو آپ پسند کریں گے یا جو نام آپ پسند کریں - والسلام

یکم جنوری ۱۹۴۲ء　　　سلیمان

---

(۴۵)

بنام نواب شمس الحسن صاحب

برادرِ عزیز دعائے خیر! خط ملا - گو بدیر - اسی لئے اس کے جواب میں جواب بھی دیر سے دے رہا ہوں! ۱۸ / مارچ کی شب مشاعرہ کی تاریخ ہے تین سو روپیہ کا سامان تو فیدا دشوار ہے - کوئی راجہ صاحب ابھی تک ہاتھ نہیں آئے - کوئی نواب ہی صاحب ہاتھ آجائیں - پرسوں شب کو میں نے جناب نواب صاحب مرحوم آپ کے والد کو خواب میں دیکھا - تخت پر وہ حسب عادت دو زانو بیٹھے ہیں - میں بھی ہوں - ناشتہ سے فرصت ہوئی ہے اور میں رخصت ہو رہا ہوں - رخصتی کے وقت سواری کو پوچھتے ہیں اور میں معذرت کر دیتا ہوں - گویا اب بھی اُن کی شفقت میرے حال پر ہے - بہرحال نو دس بارہ شعراء کا انتخاب کیجئے اور انٹر کا کرایہ منظور کیجئے - اس میں کچھ کمی ہو جائے گی گر شعراء نازک خیال کی نازک دماغی کے بار کا متحمل کون ہوگا -

اچھے صاحب اور برادرم امیر حسن خاں سلام قبول فرمائیں - والسلام

۱۹ / جنوری ۱۹۴۲ء　　　سلیمان

---

(۴۶)

بنام مولوی محمد امین زبیری صاحب

دار المصنفین اعظم گڈھ - مکرم السلام علیکم - آپ کا عنایت نامہ مجھے ملا تھا - جس طرح مجھے آپ کی نہیں آپکو میری بھی خبر نہیں - کئی مہینوں سے میں مبتلائے مصائب گوناگوں ہوں - ساڑھے چار مہینوں کے بعد ۸ / ستمبر کو اعظم گڈھ آیا ہوں ایک ماہ ریل و ڈاک کے ہنگاموں میں اس طرح رکا رہا کہ نہ مسافر تھا نہ مقیم - گھر جانے کی وجہ ایک لڑکی کے نکاح کی تقریب تھی مہینوں کے جھمیلوں کے بعد بالآخر انجام پائی - صاحبزادہ نے امسال بی اے پاس کیا ان کی نوکری کی فکر ہے - داماد نے ایم اے ال ال بی کیا اس کی فکر الگ دامنگیر ہے چھوٹی لڑکی کی شادی برادری سے الگ الہ آباد میں کی ہے نام سید حسین صاحب ہے وہ بلیا میں ڈپٹی کلکٹر ہیں - پچھلے نومبر میں یہ شادی ہوئی - اس ہنگامۂ بدتمیزی کے زمانہ (میں) ان کی تعیناتی بلیا ہی میں تھی بلوائیوں نے ۱۹ / اگست کو ان کے بنگلہ پر حملہ کیا انہوں نے دو گھنٹہ قبل بنگلہ چھوڑ دیا تھا اور مع بیوی کے ایک غریب مسلمان کے گھر میں پناہ لی - لڑکی حاملہ تھی وہیں اس مکان میں اسکو وضع حمل ہوا مجبورانہ بے احتیاطی کے باعث بڑی مشکل سے اس کی جان بچی - نوزائیدہ بچی ضائع ہوگئی - سارا سامان اسباب بلوائیوں نے لوٹ لیا جس میں زیادہ تر اس کا سامان جہیز تھا - ایک کپڑا اور ایک برتن تک نہ چھوڑا ہزاروں کا مال لے گئے میری حالتِ صحت چند ماہ کے اندر بہت گھٹ گئی ہے اس وقت بھی آشوب چشم میں مبتلا ہوں اب ایک آنکھ اچھی ہے اسی سے کام لے رہا ہوں - بڑی لڑکی کی نسبت میرے ایک چچازاد بھائی کے لڑکے سے تھی جو مہینہ مقرر تھا اسی میں ان کا انتقال ہوگیا - لڑکے ابو سہیل کی نسبت دوسرے چچازاد بھائی کی لڑکی سے تھی وہ میسور میں انسپکٹر دائل

دفعۃً تاریخ تقریب سے چند روز پہلے وہ چل بسے اور تقریب رک گئی۔ یہ سب امور پورے سال بھر سوہانِ روح بنے رہے۔ خدا کرے کہ اب بھی میرے سلسلۂ مصائب کا خاتمہ ہو اور اللہ تعالیٰ مزید ابتلا میں نہ ڈالے۔ اس کے احسانات کی حد نہیں اور ممکن ہے کہ یہ مصائب بھی اس کی حکمت کے رو سے میرے لئے رحمت ہی کا باعث ہوں ہم اپنے جہل اور غیب کی خبر نہ رکھنے کی وجہ سے اس کو مصیبت خیال کرتے ہیں۔

بہر حال یہ تو ذاتی حالات تھے جن کا مختصر ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ دنیا میں فارغ کوئی نہیں۔

مجھے آپ کی علالت کی خبر مطلق نہیں ہوئی آپ کو مجھ سے یہ بدگمانی ہے کہ علی گڑھ کی فضا سے متاثر ہو کر آپ سے الگ ہو گیا ہوں۔ اختلاف رائے دوسری چیز ہے مگر میں نے بار بار آپ کو یقین دلایا ہے کہ اس اختلاف رائے کا ہماری ذاتی دوستی و محبت پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے ایک مسلمان کے پاس قسم کے سوا یقین دلانے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں تو میں بقسم کہتا ہوں کہ میں آپ سے اپنی دوستی و محبت کے اسی جذبہ پر قائم ہوں جس پر علیگڑھ سے پہلے تھا۔ آپ کے وہ احسانات مجھے یاد ہیں جو آپ نے دار المصنفین پر فرمائے ہیں اور میری شرافت کے لئے یہی کافی ہے کہ میں آپ کا شکر گزار رہوں آپ اس باب میں برائے خدا کبھی شک نہ فرمائیں کہ مجھے اس سے بے حد تکلیف ہوتی ہے۔

آپ کو کیوں یقین نہیں آتا کہ سالہا سال سے مجھے عملی سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں اور سوائے ندوہ اور دار المصنفین کے میں کوئی دوسرا کام نہیں کرتا۔ علی گڑھ کا تعلق بھی کورٹ کے ہنگامہ تک۔ ہاں پھر مجھے کوئی خبر نہیں کہ کیا ہوا اور کیا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب سے بعض بعض جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ باتیں بھی ہوئیں۔ پارٹی پالٹکس سے نہ مجھے پہلے کبھی دلچسپی رہی اور نہ اب ہے۔

آپ کو شکایت ہے کہ آپ کی کتاب پر ریویو نہ ہوا۔ آپ کی کتاب لا کر اڈیٹر صاحب کو دے دی تھی پھر نہ آپ نے یاد دلایا اور نہ مجھے یاد آیا کہ میں پوچھتا۔ میں بھی آدمی۔ بھولتا بھی ہوں اور بھول بھی سکتا ہوں۔ آپ نے پوچھا تو ہوتا۔

آپ نے مولانا شبلی کے خطوط مانگے تھے وہ خطوط اور کاغذات میں گم تھے اور تلاش کی کاہلی سے پڑے رہے ہاں ایک ضرورت سے کاغذات کو اُلٹ پلٹ رہا تھا تو وہ مل گئے اب پھر ڈھونڈتا ہوں۔ خدا کرے جلد مل جائیں۔ رمضان کے روزوں کے اندر میں نے ایک گھنٹہ تک تمام کاغذات اُلٹے مگر وہ اس وقت نہیں ملے۔ مولوی عبد السلام صاحب آپ کے دوست گواہ ہیں۔ میں اب بھی کوشش کروں گا انشاء اللہ۔ جب وہ مل جائیں واپس ہوں گے۔

امید ہے کہ آپ میری طرف سے اپنا دل صاف رکھیں گے اور ویسا ہی سمجھتے رہیں گے جیسا پہلے سمجھا کرتے تھے ــــ مصرعہ: مہرباں نام و نشان است کہ بود۔

حیاتِ شبلی کے دیباچہ میں بھی آپ کی امداد کا ذکر آئے گا۔ والسلام

سید سلیمان

۲۰ ستمبر ۱۹۴۲ء

(۴۷)

<u>بنام زبیری صاحب</u>

محب مکرم زاد لطفکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - عنایت نامہ نے مسرور کیا مشکور کیا - میرے لڑکے کا نام ابوسہیل ہے مگر وہ اپنے کو اختر سہیل یا اے سہیل لکھتے ہیں انہوں نے امسال مسلم یونیورسٹی سے تھرڈ کلاس بی بی اے کیا ہے - میں واقعی ان کے لئے بہت پریشان ہوں کہ کیا کیا جائے، اسنٹرل ہوم ڈیپارٹمنٹ میں کلرکی کی کوشش کا خیال تھا. مگر ذرائع مفقود - آنریبل سید عبدالعزیز صاحب سے قدیم ملاقات ہے ان سے دوسروں کے لئے سفارش کرتا ہوں مگر اپنے لئے شرماتا ہوں - ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب اگر چاہیں تو وہ سب کچھ کر سکتے ہیں بشرطیکہ چاہیں - آپ کی کوشش و اثر سے بہت کچھ امید پڑتی ہے - ان کا سبجکٹ ایف اے تک تو تاریخ اور عربی تھی مگر بی اے میں اردو، تاریخ اسلام اور انگریزی تھی - لٹریچر سے ذوق رکھتے ہیں - محنتی اور مستعد بہت ہیں - ہر کام کو پوری جانفشانی سے کرتے ہیں ریلوے میں اچھی طرح چل سکتے ہیں وہ خود کمپٹیشن میں بیٹھنا چاہتے ہیں آپ کا خط میں نے ان کو دے دیا اس کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور آپ کی ہمدردی سے متاثر - وہ ایک ہفتہ کے لئے پٹنہ گئے ہیں واپس آجائیں تو میں ان کو آپ کے پاس علیگڈھ بھیج دوں گا - آپ جو مناسب مشورہ دیں گے وہ کریں گے۔

میرے داماد اردو میں ایم اے اور ایل ایل بی ہیں دونوں مسلم یونیورسٹی سے سیکنڈ کلاس میں کیا ہے اُن کا ارادہ منصفی کا ہے - پٹنہ میں جسٹس فضل علی اب چیف ہیں - شیعہ ہیں ان سے کام لینا پڑیگا - سوال یہاں بھی ذریعہ کا ہے بہرحال آپ کی کوششوں سے جو مدد حاصل ہوگی وہ شاید مجھ سے زیادہ کامیاب ہو - عزیزی یامین کی کامیابی کا حال پڑھا اور سنا مبارک کرے آمین - اس میں عزیز موصوف کی ہوش مندی اور صحیح راہ عمل کو بھی دخل ہے اللہ تعالیٰ آپ کے اور صاحبزادوں کو بھی کامیاب کرے کہ اس عمر میں آپ کو اطمینان نصیب ہو۔

حیات شبلی کے ۳۰۰ صفحے چھپ چکے ہیں ۶۰۰ ابھی باقی ہیں - میں اب لکھنؤ جارہا ہوں ۲۵ر اکتوبر سے دو ہفتوں تک تھانہ بھون رہوں گا - لکھنؤ کا پتہ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ اور تھانہ بھون کا خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر - عزیزی سہیل کو براہ راست شبلی منزل اعظم گڈھ کے پتہ سے لکھ سکتے ہیں - والسلام۔

۱۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۲ء سید سلیمان

---

(۴۸)

<u>بنام زبیری صاحب</u>

اعظم گڈھ - محبی منشی محمد امین صاحب زبیری سول لائنس علیگڈھ۔

مکرم زاد لطفکم - السلام علیکم - عنایت نامہ مجھے تھانہ بھون میں ملا تھا - عزیزی سہیل کو ایک پھوڑا نکل آیا تھا وہ پٹنہ دانا پور اسپتال میں پڑے تھے ابھی واپس آئے ہیں اور میں بھی پرسوں ہی واپس آیا ہوں - عزیز مسلمہ آپ کے پاس علیگڈھ جارہے ہیں - اب آپ ہیں اور وہ ہیں ان کو جو مشورہ ان کے لائق دیجئے - وہ انشاء اللہ عمل کریں گے خدا کرے کہ آپ کی کوششیں کامیاب ہوں امید ہے کہ آپ ان کو مطیع و فرماں بردار پائیں گے - دسمبر تک یہ قسمت آزمائی کریں گے - امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا - والسلام - سید سلیمان، ۷ر نومبر ۱۹۳۲ء

بنام زبیری صاحب

(۴۹)

جناب محبی منشی محمد امین صاحب زبیری زاد لطفہ ۔ السلام علیکم ۔ آپ کے سر ابھی دو عزیز تو چپکے ہی ہوئے ہیں اب ایک تیسرا بھی چپکانا چاہتا ہوں ۔ علیگڈھ گزٹ ۱۵ ردسمبر ۱۹۴۲ء میں طفوفہ اشتہار چھپا ہے ۔ میرے ایک نوجوان عزیز جو میرے پاس اسی قسم کا کام کرتے ہیں لیکن یہاں مشاہرہ کم پاتے ہیں ۔ اس اشتہار کے مطابق اپنے کو پیش کرتے ہیں ۔ درخواست تو انہوں نے حفیظ الرحمان صاحب حفیظ منزل میرس روڈ علیگڈھ کے نام بھیج دی ہے میں ان صاحب سے واقف نہیں اگر آپ کو واقفیت ہو اور ضرور واقفیت ہوگی تو آپ براہ مہربانی کوشش فرما کر تقرر کرا دیں ۔ بہت ممنون ہوں گا ۔ افسوس کہ قلم تحویل کا عادی نہیں ورنہ زیادہ لکھتا عزیزی سہیل ابھی تک ناکام ہیں ۔ شاید ڈاکٹر صاحب نے حسب توقع دلچسپی نہیں لی ۔ بہرحال ممنون ہوں کہ اس گرانی میں آپ ان دو ناخواندہ مہمانوں کی میزبانی فرما رہے ہیں ۔

کیا ان لوگوں کی کامیابی کی کوئی توقع ہے ؟ آپ کی رائے سننی چاہتا ہوں ۔ افسوس کہ میں اچھا نہیں ورنہ علیگڈھ خود آتا ۔ گھر میں بھی علالت ہے ۔ والسلام

۲۲ ردسمبر ۱۹۴۲ء — سید سلیمان

بنام مالک رام

(۵۰)

دارالمصنفین اعظم گڈھ ۔ مکرم تسلیم ۔ آپ کے خط ملتے رہتے ہیں ۔ معلوم نہیں کہ جواب بھی آپ کو ملتا ہے یا نہیں ۔ ہندوستان خوش ہے اور انتظار کے دن دیکھ رہا ہے ۔

آپ کی کتاب کا مسودہ اب تک میرے پاس رکھا ہوا ہے ۔ اس میں چند باتیں تنقید کے قابل ہیں یہاں کسی کا نام بتایئے تو اس کو یہ امانت سپرد کر دوں ۔

۹ رفروری ۱۹۴۳ء — سید سلیمان

بنام مولوی عبدالرزاق صاحب مولف البرامکہ

(۵۱)

دارالمصنفین اعظم گڈھ مکرم السلام علیکم "یاد ایام" کی اصل اور کاپیاں واپس مرسل ہیں ۔ میں دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ آپ نے مولانا شبلی کے حال میں نہایت بے تکلفی سے بعض ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو احباب کے لئے اور وہ بھی آغاز شباب کے لئے ہوتے ہیں ۔ دور جوانی انند چنانکہ تو دانی ۔ مگر اب جب وہ اواخر عمر میں ایک مقدس کام کے بانی ہوئے ان کا تذکرہ کرنا اور لکھنا بالکل نامناسب ہے گناہ کا ستر چاہئے نہ کہ تشہیر اس لئے ازراہ عنایت بلکہ اس دوستی کے واسطے سے جو آپ کو مولانا مرحوم سے تھی یہ عرض کرتا ہوں کہ ان واقعات پر پردہ ڈالئے تاکہ ان کا نام نیک ضائع نہ ہو اور یوں بھی عیب و گناہ کا برملا اظہار اور فخر مسلمان کے لئے زیبا نہیں آپ کا یہ فرمانا کہ "عطیہ بیگم صاحبہ کی علمی قدردانی نے مولانا کی فارسی شاعری میں نئی روح پھونک دی تھی" بالکل غلط واقعہ ہے غزلوں کا آغاز ۱۹۰۵ء سے ہوا ہے اور خطوط و ملاقات کا سلسلہ ۱۹۰۶ء سے ہے والسلام سلیمان

۹/۲/۴۳

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۵۲)

مکرم - السلام علیکم - جواباً عرض ہے - جہاں تک میری نظر ہے چھوٹی لڑکیوں کی تعلیم کے لئے گھر سے باہر کوئی چہار دیواری مسلمانوں نے نہیں بنائی - اور نہ مساجد میں اور نہ کتاب یعنی مکاتب میں لڑکوں کے ساتھ وہ نظر آئیں - ہنور نسواحل ہند میں ایک ساحلی شہر تھا - جہاں ابن بطوطہ کو لڑکیوں کے مکاتب نظر آئے - اوسکا بیان ہے کہ سواحل ہند میں ہنور کے مقام میں ۱۳ مکتب لڑکیوں کے تھے جلد ۳ صفحہ ۱۳۳ (مصر) -

عملی تواتر سے جو واقعہ ثابت ہوتا ہے وہ وہی ہے جو اصغری خانم کے مدرسہ کا ہے - یا یہ کہ امراء اپنی لڑکیوں کے لئے کوئی معلمہ یا مستند و ثقہ و معمر معلم بپابندی پردہ مقرر کرتے تھے جیساکہ سلاطین مغل کی خواتین زیب النساء وغیرہ کے احوال میں ہے -

بے شبہ اعلیٰ تعلیم جیسے علم حدیث وغیرہ میں یہ طریقہ بھی مذکور ہے کہ مساجد و محافل میں کسی استاد یا محدث کے املاء میں عورتیں بھی حاضر ہو کر سنتی تھیں اور روایت کرتی تھیں - بلکہ وہ بھی مجلس میں بیٹھ کر املاء حدیث کرتی تھیں - اور مرد تلامذہ و سامعین اونکو سنتے تھے - لیکن پہلی صورت میں عورتوں کا انتظام نشست الگ تھا - اختلاط نہ ہوتا تھا - جیساکہ احادیث میں ہے کہ عورتوں کے لئے الگ انتظام ہوتا تھا - اور دوسری صورت میں بیچ میں پردہ حائل ہوتا تھا - جیساکہ ام المومنین حضرت عائشہ کے احوال میں ہے - یا اگر وہ بہت بوڑھی ہوتی تھیں تو کشف وجہ بھی کرتی ہوں گی - مگر تصریح میری نظر میں نہیں ہے -

یہ بھی تھا کہ باپ اور بھائی اپنی عزیز بیٹیوں اور بہنوں کو خود اعلیٰ تعلیم دیتے تھے - اور اوس کی مثالیں بہ کثرت ہندوستان میں پہلے بھی تھیں اور اب بھی ہیں - اور بعض فقیہات اسلام کے تذکروں میں بھی ہے - بعض اپنے شوہروں سے علم حاصل کرتی تھیں - والسلام

۱۵ ستمبر ۱۹۴۳ء　　　سید سلیمان

بنام زبیری صاحب

(۵۳)

جونپور - بذریعہ ڈپٹی سید حسین صاحب - محب مکرم - السلام علیکم - میں اس وقت ضعف معدہ و ضعف اعصاب میں مبتلا ہوں - یہاں بغرض علاج مقیم ہوں - مشاغل دماغی سے کلیتہً احتراز ہے -

سیرت شبلی ختم ہو گئی ہے - اس کا مقدمہ و دیباچہ معارف نومبر میں مع فہرست چھپ رہا ہے -

آپ اپنے محفوظات، دماغی و تحریری سب سپرد قلم کر دیجئے - بہر حال وہ مفید ہوں گے اور آئندہ کام کرنے والوں کے لئے بطور مسالہ کے کارآمد ہوں گے -

مسلم یونیورسٹی کے مباحث سے مجھے دور ہی رکھئے اعتراضات کی بجائے ڈیپارٹمنٹ کو اپنے مشورے دیں تو زیادہ بہتر اور پھر کوئی صیغہ اپنے مقام پر ہے - فنا عربی و فارسی اور دوسرے صیغوں پر بھی نظر ڈالیے -

جی ہاں میاں سہیل سے فرصت ملی میاں سہیل محکمہ نمک میں انسپکٹر ہو کر مظفر پور (بہار) میں ہیں -

میاں عاصم نے پٹنہ میں وکالت شروع کی۔ والسلام
۱۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء　　　　سید سلیمان

بنام مالک رام
(۵۴)

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ کرمفرمائے من آداب عرض ہے۔ ایک زمانہ کے بعد آپ نے یاد فرمایا۔ گزشتہ زمانہ میں تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ جو جہاں ہے وہ وہاں ہے بھی یا نہیں۔ خیر یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ اپنی جگہ پر ہیں اور بخیریت ہیں۔

آپ نے میرے خط نہ لکھنے کی شکایت کی ہے۔ صحیح ہے ایک تو بعد مکانی، پھر میری صحت کی خرابی اور اس پر سستی جو تقاضائے عمر وطبیعت ہے۔ یہ سب اسباب جمع ہیں۔ اس لئے بجز اس کے احباب معاف فرمائیں اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔

آپ کے مضمون میں بعض باتیں تصحیح طلب ہیں مضمون پر نشان بنا دیا گیا ہے۔ اور الگ کاغذ پر ایک نوٹ بھی ہے۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس زمانہ کے کسی مدعی اجتہاد اہل قرآن سے مشورے لئے ہیں۔ وہ ان کے ذاتی افکار ہیں۔ ان کا تعلق اسلام کے قانون و شریعت سے نہیں۔

آپ کا یہ مضمون آپ کے دوست کے نام بھیجا جا رہا ہے۔

نگار میں نہیں دیکھتا۔ آپ کا جو مضمون اوس میں نکل رہا ہے، وہ بھی نہیں دیکھا۔

اب تو پابندیاں کم ہو رہی ہیں۔ کچھ مصر کے اجتماعی و تمدنی و اخلاقی و تعلیمی احوال و ترقیات سے باخبر کر سکتے ہیں۔ اور اس کا مستقبل آپ کی نگاہ میں کیا ہے۔

معارف کے لئے کنٹرولر کو لکھا جائے گا۔ دیکھئے کیا جواب ملے۔ والسلام۔

۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء　　　　سید سلیمان ندوی

بنام مالک رام
(۵۵)

دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ مکرم تحیت و تسلیم۔ آپ کا والا نامہ ملا۔ آپ نے معارف کے ساتھ جس محبت اور قدردانی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ مستحق شکریہ ہے۔ ڈاکخانہ سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مصر پارسل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے حیات شبلی و سیر افغانستان بھیجنے سے معذوری ہے۔

دفتر سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ گزشتہ برسوں کے حسب ذیل پرچے مل سکتے ہیں۔ باقی آوٹ آف اسٹاک ہیں۔

۱۹۴۱ء مکمل ۱۲ پرچے ہیں۔
۱۹۴۲ء ۸ پرچے۔ مارچ، اپریل، مئی، جون، جولائی، اکتوبر، نومبر، دسمبر
۱۹۴۳ء ۴ پرچے۔ مارچ، اپریل، نومبر، دسمبر

سنہ [illegible] ۸ پرچے - اپریل، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر۔
سنہ [illegible] فروری، مارچ، جون، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر۔

لغتہ دارجہ کے متعلق مولانا شبلی صاحب اپنے سفرنامہ سے (؟ میں) جو کچھ لکھ چکے ہیں - یا میری لغات جدیدہ میں جو کچھ ہے، اوسکو پڑھ کر لکھیں۔

کہئیے آپ نے اتنے دنوں تک مسلمانوں کو تو دیکھا، اسلام کو بھی دیکھا۔ وہ اسلام نہیں، جو بازاروں میں اور شہروں میں ہے۔ وہ اسلام جو کتابوں میں ہے - میرے خطبات مدراس کا عربی میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ کیا کسی اچھے عربی پریس میں آپ اوس کے چھپوانے کا بندوبست کرسکتے ہیں - میں اپنے مصر کے پرانے احباب سے بالکل لاعلم ہوں، ورنہ اون سے کام لے سکتا تھا - یہ خطبات سیرۃ نبوی پر ہیں - والسلام

۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء — سید سلیمان

(۵۶)

بنام مالک رام

مکرم تسلیم و تحیت - والانامہ ملا - بل مرسل ہے - خطبات مدراس ہنوز عربی میں مکمل نہیں ہوئی ہے۔ ضخامت غالباً ۲۰۰ صفحوں کی ہوگی - تقطیع معارف کی۔

بحمد اللہ اچھا ہوں - گو کسی کام کے قابل نہیں۔

خطوط شبلی معمولی خطوط ہیں حسن و عشق کی داستان کا رنگ اوسکو مولوی عبدالحق اور امین زبیری نے دیا ہے - نہ مجھے اوس سے واقفیت اور نہ وہ میرے علم میں ہے - اس لئے میں لکھنے سے قاصر ہوں - جو صاحب اس سے واقف ہوں - ... ... وہ لکھیں - چنانچہ امین زبیری نے ابھی تبصرہ بر حیات شبلی لکھا ہے اور چھاپا ہے - اوس میں ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے، جو سرتاپا ظن فاسد ہے والسلام۔

۱۶ جون ۱۹۴۶ء — سید سلیمان

(۵۷)

بنام تمکین کاظمی

مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ - نوازشنامہ ملا - ادبی خدمت کا یہ نیا جوش مبارک ہو - باقی میرا حال تو یہ ہے۔

گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے — اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

معذرت خواہ ہوں - والسلام

بھوپال ۱۳ نومبر ۱۹۴۶ء — سید سلیمان

(۵۸)

بنام نصیر الدین ہاشمی

بھوپال - مکرم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ - قرآن پاک کے اس مبارک نسخہ کا صدقہ ہے کہ آپ کا سواد خط ان نورانی حرفوں میں نظر آیا - الحمد للہ بخیر ہوں - امید داعی خیر

ملکاپوری صاحب کا بیان جب تک کسی قدیم سند پر مبنی نہ ہو وثوق کے قابل نہیں۔ سلاطین کے کتب خانوں میں عموماً اون کے کتب خانوں کی کتابوں پر مہریں ہوتی تھیں۔ ان مہروں سے اس نسخہ پاک کا خالی ہونا اوس کی نسبت کو مشکوک بتاتا ہے۔

نسخہ کی آخری عبارت ضعیف عباد اللہ اگر آپ نے صحیح نقل کیا ہے تو غلط ہے۔ اضعف عباد اللہ چاہیئے جیسے اس کے بعد واعجز خلق اللہ ہے۔ پھر نام کے آخر میں الحسنی الحسینی لکھا ہے۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے طریق کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کی تصنیفات غنیۃ الطالبین وغیرہ میں اس طرح نہیں کہیں لکھا گیا ہے۔ علمائے عراق عربی و فارسی دونوں پر قدرت رکھتے ہیں۔ تاہم ان اشعار کی زبان میں کسی قدامت عہد کا اثر نہیں معلوم ہوتا۔ اصل شئے خط اور کاغذ کی پہچان ہے۔ یہ اشعار اگر نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں تو وہ پھر حضرت سیدنا شیخ جیلانی قدس سرہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ خط نویں صدی میں ایجاد ہوا ہے۔ عربی خط سے بھی کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

۲۰ جنوری ۱۹۴۷ء

سید سلیمان ندوی

بنام نصیر الدین ہاشمی

(۵۹)

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا والا نامہ ملا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ آپ کے لئے معلومات کا تحفہ پیش کروں۔ مگر یہاں کتابیں نہ میرے پاس ہیں نہ دوسروں کے پاس ہیں۔ اس لئے معذوری رہی۔ اور امروز فردا میں معاملہ ٹلتا رہا بہتر ہے کہ آپ سید صباح الدین عبد الرحمان رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ سے مغلیہ دور کی کوتوالی کے فرائض کے متعلق دریافت کریں۔ وہ ان چیزوں پر کتاب لکھ رہے ہیں اور وہاں ماخذ بھی موجود ہیں۔

غواصی کا دیوان بڑی غواصی کے بعد آپ کے ہاتھ آیا۔ اب یہ در نایاب آپ کو مبارک۔ معارف کے نمائش خانہ میں میں بھی اوسکو دیکھوں گا۔

حیدرآباد آنا بلا تقریب تو ہوتا نہیں۔ اور کوئی مستقل تقریب ابھی تک پیدا ہوئی نہیں۔ اور یوں بھی اب وہ آزادی نہیں۔ پابندی ہے۔ والسلام

بھوپال ۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء

سید سلیمان

بنام تمکین کاظمی

(۶۰)

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ بخیریت ہوں اور تماشائے روزگار دیکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلوں کو دور فرمائیں۔ معلوم نہیں آج کل آپ کے ادبی مشاغل کیا ہیں۔ والسلام

بھوپال ۱۷ اپریل ۱۹۴۹ء

سید سلیمان

بنام عبدالباری بی اے (علیگ)

(۶۱)

مکرمی - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ' - آپ کا عنایت نامہ ملا۔ زبیری صاحب نے حضرت مولانا شبلی نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے اخلاق کا آئینہ ہے۔ میں نے ان کی کتابیں نہ پوری پڑھیں اور نہ ان کے جواب دینے کا کبھی ارادہ کیا۔ آپ اگر جواب لکھنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو روکتا نہیں تاہم میں اپنی طبیعت کی بنا پر زبیری صاحب کو اپنی مرت آپ مرجانا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ تاہم اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہیں تو شام کو عصر و مغرب کے درمیان میرے غریب خانہ پر مل سکتے ہیں جو انڈیا ہائی کمشنر جہانگیر روڈ کے پاس جمن اسٹریٹ میں ہے مکان کا نام ثمار منزل ہے۔ دروازہ پر نام کا بورڈ لگا ہوا ہے

والسلام کراچی ۲۲ رجولائی ۱۹۵۳ء　　سید سلیمان

خواجہ حسن نظامی

بنام منشی محمد الدین فوق

(۱)

بھائی جی وصدقی صاحب - السلام علیکم - ایک مہینہ لگاتار سفر کاٹھیاواڑ و گجرات و دکن میں سرگرداں رہا۔ اثنائے سفر میں آپ کا عنایت نامہ ملا تھا مگر افسوس ہے کہ جواب لکھنے کی فرصت میسر نہ آسکی۔

آپ پنجاب کے پہلے اخبار نویس ہیں جنہوں نے اصلی خلوص و محبت سے اپنا فرض محسوس کیا۔ خدا تعالیٰ آپکو جزائے خیر دیگا۔[۱]

میں پرسوں سفر سے آیا ہوں اور کام کی کثرت ہے۔ فرصت میں غور کروں گا۔ اور اپنے سفر کے نتائج سے بھی آگاہ کیا جائے گا۔ قادیانیوں کا ذکر بھی ضروری تھا۔ کیونکہ اس وقت تو ہم کو توجہ دلانی ہے اور جذبات مہیا کرنے ہیں۔ کام کے وقت ہر شے تقسیم اور علحدہ ہو جائے گی۔

۲۷ر نومبر سنہ ۱۹۱۷ء دعاگو حسن نظامی دہلی

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

(۲)

ہیرن بسیرا، درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہٰی دہلی۔

خماری شاہ صاحب[۲]۔ السلام علیکم۔ مدت سے خط نہیں آیا۔ میں بھی ایک مہینہ سے سفر میں تھا۔ درد بازو کا اب تک وہی حال ہے۔ ناسور اور بخار کی تکلیف قائم ہے۔ ۱۷-۱۸ ربیع الثانی کو حضرت محبوب الہٰیؒ کا سالانہ عرس ہوگا۔ اطلاعاً مرقوم ہے۔ بیت المقدس سے ایک وفد آیا ہے۔ پرسوں وائسرائے نے ان کی دعوت کی تھی اور اعلیٰ حضرت حضور نظام کے نام اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھ کر ان کو دیا ہے۔ وہ آج حیدرآباد کی طرف روانہ ہوئے ہیں اطلاعاً لکھا گیا۔

---

[۱] مولانا ظفر علی خاں نے "ستارۂ صبح" کے نام سے ایک اخبار نکالا تھا۔ جو پہلے ہفتہ وار تھا۔ بعد ازاں روزانہ ہوگیا۔ اس میں غلط قسم کے تصوف اور غلط قسم کے پیروں کے خلاف بھی مضامین شائع ہوئے تھے۔ جس سے بعض حلقہ ہائے تصوف میں مخالفت شروع ہوگئی۔ فوق صاحب نے اس زمانے میں رسالہ "طریقت" جاری کر رکھا تھا۔ جس میں بعض مضامین صحیح قسم کے پیروں کی حمایت میں شائع کئے گئے۔ خواجہ صاحب کا یہ اشارہ اسی طرف ہے۔

[۲] خواجہ صاحب اپنے خلفا کو خطاب دیا کرتے تھے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کو انہوں نے خماری شاہ کا خطاب دیا تھا۔

خواجہ بابا[1] کی آنکھ کیسی ہے۔ آپ تو آج کل وائسرائے کی آمد میں مصروف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انجام خیر فرمائے۔ اور آپ کی خوشی دیکھنی اور سننی نصیب ہو۔

۳ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ ــــ ۱۲ نومبر ۱۹۲۳ء — دعاگو: حسن نظامی

لنگر شریف کے لئے جو ماہوار آپ کے ہاں سے مقرر ہے عرس کے قریب آجائے تو مصارف لنگر میں کام آئیگی۔

(۳)

بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد

رین بسیرا۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلی ــ تار کا پتہ "خواجہ دہلی"

ہمارے شاہ صاحب السلام علیکم۔ خط رجسٹرڈ مورخہ ۱۲ دسمبر وصول ہوا۔ درویش کے مضمون میں جماعت علی شاہ صاحب ہی کے واقعہ کا اشارہ تھا۔ آپ مجھ سے پہلے اس قصہ کو فرما چکے ہیں۔

اگرچہ آپ کا خیال بلحاظ تدبیر درست ہے کہ جماعت علی شاہ صاحب جیسے لوگ ان جوابات سے قائل نہیں ہوں گے۔ بلکہ اور ضد کریں گے۔ مگر ملک میں ان کے علاوہ بھی ایک جماعت کثیر ایسی ہے جو اس قسم کے مضامین شائع ہونے سے بدگمانیوں اور فضول افواہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے میں نے وہ مضمون شائع کرنا ضروری سمجھا اور مناسب معلوم ہوا تو آپ کا یہ خط بھی خانگی الفاظ قلم زد کرنے کے بعد شائع کر دیا جائے گا۔ کہ اس خط میں نہایت مخلصانہ سچی تحریر ہے۔ اگر خط شائع ہوا تو جماعت علی شاہ کا قصہ درج نہ ہوگا۔

میں کل ایک خط آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اور دو تار بھی آپ کو دئے ہیں۔ امید ہے کہ وصول ہوئے ہوں گے۔ میں خود آمنے سامنے ملنا اور بات چیت کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ خدا کے فضل سے حسن بانو کو بھی اب آرام ہے۔ یعنی قابلِ فکر حالت نہیں ہے۔ شادی اگر مقرر ہو گئی تو فوراً چلا آؤں گا۔ ورنہ پندرہ دن کے بعد ارادہ ہے۔ محض آپ ہی سے ملاقات کرنی چاہتا ہوں کہ مریدوں کی بھیڑ بھاڑ سے بچ کر کہیں ٹھہروں۔ خواجہ بابا اور بچوں کو دعا۔

۵ دسمبر ۱۹۲۳ء — دعاگو: حسن نظامی

(۴)

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

"مقیم خانہ باغ" ڈیوڑھی مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم بہادر ــ حیدرآباد دکن۔

عزیزہ ہمایوں بانو۔ السلام علیکم۔ خط ملا۔ لکھی ہوئی تقریر تبلیغ نسواں کے لئے دہلی چلی گئی ہے۔ چھپ کر آنے والی ہے۔

میں آج مہاراجہ[2] کے مکان میں سب کو لے کر جا رہا ہوں اور آج کسی وقت آپ سے ملنے آؤں گا۔

---

[1] اشارہ ہے خواجہ پرشاد کی طرف۔ مہاراجہ کو ہندو رانیوں سے لڑکیاں تھیں کوئی لڑکا زندہ نہ رہا تھا۔ خواجہ صاحب کی دعا سے جب لڑکا ہوا تو اس کا نام خواجہ پرشاد رکھا۔ چنانچہ یہی لڑکا ان کا جانشین ہوا۔ حالانکہ مسلمان بیویوں سے اس سے بڑی عمر کے لڑکے موجود تھے۔ خواجہ پرشاد نے اپنے والد کے بعد چند سال کے اندر ہی بمبئی میں مشتبہ حالات میں وفات پائی۔

[2] مہاراجہ آخر میں تیسری مرتبہ حیدرآباد کے صدر اعظم ہوئے اور خواجہ صاحب نے یہ خوشی بھی دیکھ لی

سید ہمایوں مرزا صاحب کو تسلیم - اُن کی علالت کی خبر نہ تھی - دو تین بجے تک اُن سے اور آپ سے ملنے آؤں گا۔

دعاگو۔ حسن نظامی
۳۰ رجولائی ۱۹۲۹ء

ریلوے کے کاغذات مرسلہ سید صاحب وصول ہو گئے ہیں۔

(۵)

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب

مخلص نواز جناب سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر

السلام علیکم - میں یہ خط خصوصیت سے آپ کی خدمت میں اس لئے لکھتا ہوں کہ آپ کو ملک و قوم کی موجودہ حالت کا پورا احساس ہے - اور آپ کے دل میں اصلاح و ترقی کا ایک خاص درد ہے -

میرا خیال یہ ہے کہ نئے تمدن و تہذیب اور قدیمی تمدن کے باہمی تصادم کے موجودہ زمانہ میں جب کہ سیاسی خیالات اور مذہبی عقائد میں انقلابات بھی پیدا ہو رہے ہیں بڑی ضرورت ہے کہ ہم سب اپنے ملک و قوم کی عورتوں کو ہر انقلابی خطرہ سے بچائیں اور ان کو اپنی اولاد کی عمدہ تعلیم و تربیت کے لئے تیار کریں - اور ان میں قومی و ملکی احساس کو بڑھائیں - اور مختلف صوبوں کی عورتوں کو باہم متحد کریں -

اس کے لئے تجویز ہے کہ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء سے ایک ہفتہ وار زنانہ اخبار جاری کیا جائے جو با تصویر ہو اور جس میں عکسی اور لیتھو کی تصویروں کے ذریعہ عورتوں کی اصلاح و ترقی اور متحد ہونے کے لئے مضامین شائع کئے جائیں - اس اخبار کا نام "عورتوں کا اخبار" ہو اور وہ دہلی سے میں خود جاری کروں - اس کی قیمت چار روپے سالانہ ہو - اور اس کا ایک ادھار ایڈیشن بھی ہو جو ایک روپیہ سالانہ میں دیا جائے تاکہ غریب لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں

پس یہ خط اس لئے لکھتا ہوں کہ پہلے آپ کا مشورہ حاصل کر لیا جائے کہ آپ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں یا نہیں - اور اس بڑے کام میں کچھ مدد دے سکتے ہیں یا نہیں -

دعاگو۔ حسن نظامی
۱۹ رنومبر ۱۹۲۹ء

(۶)

بنام منشی محمد الدین فوق

مخلص نواز و صدقی صاحب -

السلام علیکم - آپ کے خط کے جواب میں بہت دیر ہو گئی - کیونکہ میں بہت بیمار تھا - آپ کی کتاب "تاریخ کا روشن پہلو" بیماری کے زمانہ میں سرہانے رہتی تھی اور میں اس کو بار بار پڑھتا تھا - اب انشاء اللہ اس کی نسبت روزنامچہ میں لکھوں گا -

دعاگو۔ حسن نظامی، درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی -
۱۶ راپریل ۱۹۳۲ء

(۷)

بنام سید ہمایوں مرزا

از دفتر خواجہ حسن نظامی - دہلی - مخلص نواز سید ہمایوں مرزا صاحب -

السلام علیکم - امید ہے کہ ہمایوں بانو اور آپ خیریت سے ہوں گے - میں نے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا

ہے۔ جس میں ہر ہفتہ چار صفحے انگریزی کے، دو عربی کے، دو فارسی کے ہوں گے اور عورتوں اور بچوں کے لئے مخصوص مضامین درج کئے جائیں گے۔ (اس کا نام منادی ہوگا۔ ۳۲ صفحہ کا ہوگا)

میں چاہتا ہوں کہ ہر ہفتہ آپ اور ہمایوں بانو ایک ایک مضمون اس اخبار کے لئے بھیج دیا کریں۔ آپ کی ساری زندگی خدمت ملک و قوم میں گزری ہے اس لئے امید ہے کہ آپ دونوں اس بڑے قومی کام کے لئے وقت نکالیں گے۔

آپ انگریزی میں لکھیے اور ہمایوں بانو اردو میں۔ ہر خط کا مضمون ہمیشہ ایک مقررہ نصب العین کے لئے ہونا چاہیئے۔ جو خود آپ اپنی آسانی کے موافق منتخب کر سکتے ہیں۔ خط بہت بڑا نہ ہو۔ مختصر کافی ہے۔ تاکہ پابندی سے لکھ سکیں۔

میرے خیال میں آپ کا خط ممالک اسلامیہ میں آثار بیداری کے لئے مخصوص ہوا کرے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تاکہ عربی ممالک اور ایران و افغانستان و ہندوستان کی سیاسی مجلسی علمی مذہبی تحریکات کا ذکر آ سکے۔

ہمایوں بانو مسلمان عورتوں کی بیداری عنوان مقرر کریں اور ہر ہفتہ مختصر طور پر حیدرآباد یا دنیا کے کسی ملک کی مسلمان عورتوں کی نسبت خط لکھ دیا کریں۔ یہ اخبار تمام یورپ و امریکہ اور اسلامی ممالک کے اخباروں اور اہل حکومت اور نامی لوگوں کے پاس مفت جائے گا۔

جمعہ کے دن پابندی کے ساتھ یہ دونوں خط لکھوا کر ڈاک میں ڈال دیا کیجئے۔ بہت عنایت ہوگی میں چاہتا ہوں تمام دنیا آپ دونوں کے قلم سے فیض یاب ہو۔

۲ر جنوری ۱۹۳۴ء　　　دعاگو: حسن نظامی

پہلے پرچہ کے لئے خط دیکھتے ہی مضمون لکھ دیجئے تاکہ ابتدا سے آپ اس تاریخی اخبار کے ساتھ ہوں۔

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

(۸)

از دفتر اخبار منادی دہلی۔ محترمہ ہمایوں بانو صاحبہ

دعا کے بعد عرض ہے کہ میں گزشتہ وعدوں کی تلافی کے لئے آپ کے ہاں ایک ہفتہ قیام کرنا چاہتا ہوں۔ اکتوبر کے شروع یا ستمبر کے آخر میں آنا ہوگا۔ مگر سنا ہے کہ حیدرآباد میں طاعون شروع ہوگیا ہے مطلع کیجئے کہ خبر کہاں تک درست ہے اور آپ کے اطراف میں کیا حال ہے۔ سید صاحب کو سلام مسنون۔

۱۷ر ستمبر ۱۹۳۴ء　　　دعاگو: حسن نظامی

بنام صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

(۹)

از دفتر منادی دہلی۔ محترمہ ہمایوں بانو صاحبہ

السلام علیکم۔ خط ملا۔ خدا سید صاحب کو صحت عطا فرمائے۔ دعا ہو رہی ہے تعویذ روانہ کرتا ہوں۔ بحر ریشمی

کپڑے میں سی کر گلے میں ڈال دیجئے۔
آپ کا دوسرا خط تازہ منادی میں شائع ہوا ہے۔ خیریت لکھئے۔ یہاں سب کو فکر ہے۔ اور سب دعا کرتے ہیں
۲۰ رجون ۱۹۳۶ء　　　　دعاگو: حسن نظامی
درگاہ سے خاص طور سے دعا کرائی جاتی ہے۔

بنام بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر

(۱۰)

حیدرآباد دکن بشیر منزل دبیر پورہ
آج رات کو دس بجے میں نے بشیر منزل میں دکن کی مشہور ہونہار شاعرہ بشیر النسا بیگم بشیر کا سلام ان کی زبان سے سنا۔ ان کے شوہر مرزا ضامن علی صاحب اور ان کے بڑے بھائی مرزا محمد فاروق علی صاحب وکیل بھی موجود تھے بشیر کا کلام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دیکھا بھی تھا۔ اور دوسروں سے سنا بھی تھا۔ مگر خود بشیر کی زبانی ان کا کلام سننے کا آج پہلا موقع تھا۔ وہ مرد شاعروں کی طرح بن بن کر نہیں پڑھتیں۔ بلکہ جس طرح ان کا کلام بے ساختہ ہوتا ہے ایسے ہی ان کے پڑھنے کا طرز بھی بناوٹ سے پاک ہوتا ہے بہت سلاست اور سادگی سے وہ اشعار ادا کرتی ہیں۔ جس سے ان کی موزوں طبیعت کی روانی اور صفائی ظاہر ہوتی ہے۔

اہل دکن خوش نصیب ہیں کہ ان کی عورتوں میں بشیر جیسی ہونہار شاعرہ ہیں۔ آج ان کے دسترخوان کی نفاست کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ دسترخوان پر کھانوں کی شکل میں بھی غزلیں نظر آتی ہیں۔ کھانوں کی ترتیب میں تمیز اور سلیقہ تھا۔ مگر ایسا سلیقہ جو شاعری کی شان دکھاتا تھا۔ کوئی کھانا اور اس کی نشست شاعری کی تختی سے خارج نہ تھی۔ میں اگر شاعر ہوتا تو بتا دیتا کہ کھانے اس ترتیب سے چنے گئے ہیں کہ کہیں رباعی ہے، کہیں خمسہ ہے کہیں تضمین ہے کہیں طرح کا مصرع ہے اکیلا بیٹھا پکار رہا ہے کہ نیچے گرہ کا مصرع لگائیے۔

بہرحال شاعر نہ ہونے کے باوجود میں یہ داد شاعرانہ زبان میں لکھ رہا ہوں کہ حیدرآباد میں اور اس کے طرحدار شعراء میں ایک ناموزوں غزل کی طرح یادگار رہے۔ آخر میں میری دعا ہے کہ بشیر کو خدا اتنے دن زندہ رکھے کہ اردو زبان تمام ملک میں قومی بولی تسلیم کر لی جائے۔ اور ہر گھر بشیر کے کلام کی دھوم مچے۔
۱۱ راگست ۱۹۳۹ء　　　　راقم حسن نظامی دہلوی مسافر

بنام بشیر النسا بیگم صاحبہ بشیر

(۱۱)

دختر روحانی بشیر النسا بیگم چمن آرا اور ان کے شوہر مرزا ضامن علی صاحب کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ میری صحت کا شیرازہ ایسا بکھرا ہے کہ ہر روز کوئی نہ کوئی تکلیف پیش آتی ہے۔ ایسی حالت میں حیدرآباد آنا بہت مشکل ہے۔ حیدرآباد آنا ہو یا نہ ہو تم دونوں میاں بیوی کے دلوں میں پہلے بھی تھا اب بھی ہوں آئندہ بھی رہوں گا اور تم دونوں بھی میرے دل میں اور میرے تصورات میں ہمیشہ نفس کا لجر رہتے ہو۔
۴ ردسمبر ۱۹۳۹ء　　　　دعاگو حسن نظامی

بنام ڈاکٹر زور

(۱۲)

مخلص نواز ڈاکٹر زور صاحب

السلام علیکم۔ حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد اتنا زیادہ مشغول ہوا کہ آپ کو تاناشاہ کے حالات اور ٹیپو سلطان کے حالات کی نقلوں کی یاددہانی نہ کرا سکا۔ اب یہ خط خیریت طلبی اور دونوں کتابوں کے حصول کی غرض طلبی سے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ سجادہ نشین صاحب[۱] کی خدمت میں تعظیم۔

مخلص حسن نظامی

۱۵ر اپریل سنہ ۱۹۴۶ء

یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ ناہر حسین صاحب نے آپ کے عزیز کے لئے کچھ کیا یا نہیں جن کی میں نے سفارش کی تھی اور آپ کے کتب خانے کے واسطے بھی کچھ ہوا یا نہیں۔

حسن نظامی

بنام ڈاکٹر زور صاحب

(۱۳)

مخلص نواز زور صاحب

السلام علیکم۔ مکتوب گرامی مورخہ نسیان پہونچا۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی خانقاہ میں کتب خانہ قائم ہوا۔ منادی میں بھی اس کا ذکر کروں گا اور ناہر حسین صاحب کو بھی خط لکھوں گا۔ اب مطلوبہ کتب کی نقل نہ بھیجیے۔ کیونکہ میں اب کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔

سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں تسلیمات۔

مخلص حسن نظامی

۱۶ر اپریل سنہ ۱۹۴۶ء

بنام ڈاکٹر زور

(۱۴)

ہادی منزل۔ باغ عام روڈ۔ حیدرآباد - برادر محترم ڈاکٹر زور صاحب۔

آداب عرض ہے۔ جواب نامہ ملا۔ شکریہ۔ میں پنجشنبہ سے ہادی منزل میں منادی کے انتظامات کے لئے آ گیا ہوں۔ املا نویس اور عمدہ کاتب کی بہت ضرورت ہے۔ اگر کوئی عمدہ اور زود نویس خوش خط املا نویس آپ مہیا کر سکیں تو ایک روپیہ گھنٹہ اجرت دوں گا۔

اور کاتب ایسا ہو جو میرے یہاں رہ کر کام کرے تو بہت ہی اچھا ہو تاکہ میں دہلی کے مروجہ اصول کتابت بتاتا جاؤں ورنہ یہاں کا طرز تحریر باہر والوں کو پسند نہیں آئے گا۔

بہت عنایت ہو گی اگر آپ اس کام میں سعی فرمائیں گے۔

حضرت شاہ صاحب[۲] کی خدمت میں استدعائے دعا۔ وہ معصوم ہیں ان کی دعا ضرور قبول ہو گی۔

مخلص حسن نظامی

۳۰ر نومبر سنہ ۱۹۴۶ء

۱؎ میرا (ڈاکٹر زور کا) لڑکا سید شاہ تقی الدین احمد قادری جو اپنے دادا حضرت مشکل آسان ثانی کی درگاہ کا سجادہ نشین ہے۔

۲؎ میرے لڑکے سید شاہ تقی الدین قادری کو سجادہ نشین ہونے کی وجہ سے خواجہ صاحب بہت چاہتے اور تعظیم دیتے تھے۔

بنام مولوی وحید احمد صاحب بدایونی
(۱۵)

حجرۂ قدیم شمس العلما حضرت خواجہ حسن نظامی، صدر آل انڈیا چشتی پارٹی و جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء۔ دہلی
بخدمت جناب مولوی وحید احمد صاحب بدایونی۔

السلام علیکم! مکتوب گرامی مورخہ ۱۵ر جون ۱۹۴۹ء آج وصول ہوا۔ شکریہ۔ میں ۲ر اکتوبر ۱۹۴۸ء کو حیدرآباد گیا تھا اور یکم جون ۱۹۴۹ء کو اپنے گھر میں واپس آیا۔ آپ کی مرسلہ کتاب مجھے نہیں ملی۔ لیکن میں اس کی دید کا مشتاق ہو گیا۔ ممکن ہے آپ نے دہلی کے پتہ پر بھیجی ہو مگر یہاں کوئی انتظام باقی نہ تھا۔ آپ میرے آقا حضور سلطان المشائخ کے ہم وطن ہیں، اس واسطے آپ کو اس طرف جو توجہ ہوتی ہے میں اس کو ارواح مقدسہ کی توجہ کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ اس سلسلے میں مزید خط و کتابت بھی چاہتا ہوں مگر پہلے کتاب دیکھنی ضروری ہے۔

۱۶ر جون ۱۹۴۹ء   مخلص حسن نظامی

بنام وحید احمد صاحب رئیس شیخوپور (بدایوں)
(۱۶)

دفتر امیر خسرو اردو لائبریری دہلی۔
پیارے ماموں روشن دل بیدار قلم وحید احمد صاحب فریدی۔

السلام علیکم۔ آپ نے میرے سفارشی مکتوب پر جتنی زیادہ توجہ کی اُس کا حال مجھ سے کہا گیا تو میرے دل پر اس کا بہت اثر ہوا۔ میں نے آج آپ کو ماموں لکھا ہے۔ اس لئے کہ آپ حضرت بابا صاحب کی اولاد ہیں اور میں آل ہوں۔ میرے دل پر حوادث اور انقلاب ایام کا بہت ہی کم اثر ہے اور اس کو میں خدا کی سب سے بڑی نعمت تصور کرتا ہوں۔ روشن دل اور بیدار قلم بھی حقیقت سمجھ کر لکھے گئے ہیں۔ اور میں ایمان رکھتا ہوں کہ اولیاء اللہ کی روحانی تجلیات ہم سب کو صراط مستقیم دکھاتی رہیں گی۔ منادی اخبار آپ کو ملا یا نہیں۔ ماہ و ہمدرد کتاب بھی روانہ کرونگا۔

۱۸ر مارچ ۱۹۵۰ء   مخلص حسن نظامی

بنام مولانا وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپور بدایوں
(۱۷)

مخلص نواز جناب مولانا وحید احمد صاحب فریدی۔

السلام علیکم۔ آپ کا خط اور کتاب گرد راہ لالہ انوپ سنگھ صاحب کے ذریعے مجھے ملی۔ یکم اپریل کے منادی اخبار میں مختصر تبصرہ گرد راہ پر لکھا ہے۔ . . . .

. . . یہ کتاب پڑھ کر مجھے ایک حد تک یقین ہو گیا ہے کہ اولیاء اللہ کی ارواح آپ سے وہ کام لینا چاہتی ہیں جو موجودہ وقت کے ہندوستانی اور پاکستانی انسانوں کے لئے ضروری ہیں۔

میں نے آپ کو ماموں اس لئے لکھا تھا کہ انوپ سنگھ نے مجھ سے کہا کہ وحید احمد صاحب کہتے تھے خواجہ صاحب میرے پیر ہیں۔ میں سمجھا کہ آپ نے کام تو کیا مریدوں کی طرح لیکن کچھ تھوڑی سی شوخی بھی ظاہر کر دی۔ کہ اس شخص کو پیر کہا جو ہمیشہ اہل سیاست کا حریف رہا تھا۔ اس لئے میں نے بھی خوش طبعی سے ماموں لکھ دیا۔ بہر حال

میں تو اب سید محفوظ علی کے پاس جانے والا ہوں جن کے آپ شروع سے رفیق کار رہتے اور آپ کو اپنی جانشینی دینی چاہتا ہوں - ایسی جانشینی نہیں جس میں میری اولاد کو آپ سے اختلاف ہو بلکہ ایسی جانشینی جس کا ذکر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے آخر وقت کیا تھا کہ میرا جانشین وہ ہے جو اپنا حصہ چھوڑ دے اور چونکہ میں نے ساری عمر اس پر عمل کیا یعنی درگاہ کی آمدنی کا حصہ چھوڑا اور اسی قسم کے بہت سے حصے چھوڑے اس واسطے میں یقین کے ساتھ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا جانشین ہوں اور اب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی جانشینی شرمیان وحید احمد کے حصے میں آئے گی جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے پیرزادے اور ان کے ہم وطن ہیں۔ فلسفوں کے الجھاؤ سے باہر آیئے اور ڈوبنے والوں کو بتایئے کہ تم سب بھول گئے ہو اور بھول کی وجہ سے ڈوب رہے ہو ورنہ درحقیقت تم سب کو تیرنا آتا ہے۔ تیرو اور پار نکل جاؤ - جس سیاسی ماحول میں آپ کی نشوونما ہوئی ہے - اس کے تیرنے کی مجھے امید نہیں ہے - وہ تو ڈوب کر رہے گا - میں تو اس حال کا اشارہ کرتا ہوں جس کا ذکر لاحول میں ہے اور جس لاحول سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور جس لاحول کو لوگ شیطان کا کوڑا سمجھتے ہیں - حالانکہ اس حول کے ساتھ قوت کا لفظ موجود ہے یعنی جس ماحول سے قوت پیدا ہوتی ہے وہ ماحول اللہ دیا کرتا ہے -

۳۰ رمارچ ۱۹۵۰ء مخلص حسن نظامی

(۱۸) بنام مولینا وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپور (بدایوں)

محرم راز مولوی وحید احمد صاحب -

السلام علیکم - چار صفحات کا مکتوب گرامی پہنچا - اُس وقت جبکہ میں دونوں ملکوں کے بڑے وزیروں کو اپنے ہاں قوالی کی مجلس میں بلاوا دینے کے خط بھیج رہا تھا - "گرد راہ" کی رجسٹری بھی ملی - لالہ انوپ سنگھ کو بھیج دونگا لالہ مول چند کے لئے جتنا آپ کر چکے ہیں وہی کافی ہے اور زیادہ فکر کرنا تضیع اوقات ہے - ہر چیز کی ایک حد ہونی چاہئے - مجھے اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو لوگ ذاتی خواہشوں میں اتنے زیادہ ڈوبے ہوئے ہیں وہ قدرت کے موجودہ مطلبے کو سنبھال نہیں سکیں گے - میری قوم بھی اسی گناہ میں مبتلا ہے - ہر انسان فطرتاً ذاتیات کا دلدادہ ہوتا ہے اور میں بھی ذاتیات کا دلدادہ ہوں مگر خدا نے یہ نعمت دی ہے کہ اپنے نیک و بد حالات کو ترازو میں تول سکتا ہوں اور خود پسندی میں ایک حد کے اندر رہتا ہوں - تصوف کی اصلیت کتاب میرے پاس نہ رہی تھی - اچھا ہوا کہ آپ نے اور بھیج دی - اب میں اس پر بھی کچھ لکھوں گا - آپ کا خط حقائق و معانی کا دریا ہے اور میں بڑھاپے اور بیماری اور .. .. گردوپیش کے افکار کے سبب خیالات کو یکسو کر کے سب مندرجات کا جواب نہیں لکھ سکتا تاہم یہ خط اپنی خاص تحریروں میں رکھ لوں گا - میرے ہاں قوالی ہال کی دیواروں پر مثنوی کا پہلا شعر اور حافظ کا شعر "حدیث از مطرب و مے گو" لکھے ہوئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے "زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے - بج رہا ہے اور بے آواز ہے"۔ مگر قوالی کی مجلس کے وقت کوئی ان نوشتوں کو نہیں پڑھتا - اس سے میں نتیجہ نکالتا

ہوں کہ دنیا سازی کی طلبگار ہے۔ بے سازآواز اس کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ اس واسطے میں بھی زمانہ سازی کر رہا ہوں۔ تاکہ "زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ بساز" پر عمل ہو جائے۔

۵ ر اپریل سنہ ۱۹۵۵ء　　　مخلص طالب دیدار حسن نظامی

اتنا لکھوا چکا تو ملا محمد واحدی صاحب کا کراچی سے خط آگیا۔ وہ میرے دل نشین لوگوں میں ہیں بس دو آدمی زیادہ دل نشین ہیں ایک واحدی صاحب، دوسرے بھیا احسان صاحب۔ مگر دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، واحدی صاحب مذہب میں غرق ہیں۔ بھیا مذہب سے کوسوں دور ہیں مگر محرم حقائق و معارف دنیا ہیں۔

میرے جسم کی بغاوت کا زور بڑھ رہا ہے۔ مگر میرے عزم کی قوت تبسم کناں مقابلہ کر رہی ہے۔ یہ سطریں بے نظر آنکھوں کی مدد سے خود لکھی ہیں کہہ نہیں سکتا کہ ٹھیک لکھیں یا غلطیاں رہ گئیں۔　　　حسن نظامی

بنام مولینا وحید احمد صاحب فریدی رئیس شیخوپور (بدایوں)　(۱۹)

محرم اسرار فرزند فرید کو سلام اور محبت کے پیغام کے بعد معلوم ہو کہ ۸ ر اپریل کا خط آج ۱۱ کو ملا۔ جی چاہتا تھا کہ اس کا جواب بھی اپنے ہاتھ سے لکھوں مگر پچھلی رات تحریری کام زیادہ کیا تھا۔ اس لئے خط لکھواتا ہوں۔

تصوف کی کتاب ہر وقت سامنے رکھتا ہوں اور جلدی تبصرہ لکھنا چاہتا ہوں تاکہ اجمیر شریف کے سالانہ عرس کے زائرین تک پہنچ جائے۔ کیونکہ آج کل وہاں نامحرم بہت کم جاتے ہیں یا بالکل نہیں جاتے۔ بس وہی جاتے ہیں جو محرم اسرار ہیں۔ انوپ سنگھ اور مول چند کی نسبت میں نے جو کچھ لکھا تھا اس سے آپ نے میرے انقباض کا نتیجہ درست نہیں نکالا۔ بلکہ میں آپ کی اور اپنی بات چیت سے غیریت کا حجاب دور کرنا چاہتا تھا کہ جتنا کام آپ کر سکتے تھے اس سے زیادہ آپ نے کر دیا۔ اب بعد کی رسہ کشی سے بے تعلق ہو جائیے۔ اور مجھے روزانہ ایک خط لکھ دیا کیجئے۔ کیونکہ آپ کے خط سے مجھے بہت سکون حاصل ہوتا ہے۔ جب آپ کا خط آیا تو ریاست ریواں سے پانچ عورتیں اور ایک مرد بیعت ہونے کے لئے آئے اور ضلع حصار سے ایک ہندو عورت مرد تعویذ کے لئے آئے۔ میں نے ان دونوں کو آپ کے خط میں اس لئے یاد کیا کہ پچھلی رات سے دونوں قوموں کے سمجھوتے کی نسبت مختلف نوٹ لکھتے لکھتے تھک گیا تھا اور اس وقت آپ کو یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ جس خلوص اور سچی محبت سے یہ آنے والے میرا کہنا مانیں گے اس خلوص و محبت سے لیاقت نہرو کی رعایا ان کا کہنا نہیں مانے گی۔ حالانکہ ان دونوں کے پاس طاقت ہے، دولت ہے، اختیار ہے اور میرے پاس ان میں سے بہت کم۔

قوالی میں آنے کی ان دونوں کو فرصت نہیں ملی۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ میں اس قوالی سے محفوظ رہا جس میں قوالی کے مضمون کی طرف توجہ کم ہوتی اور قوالی سننے والوں کی حفاظت جان کی طرف توجہ زیادہ ہوتی۔

میں آج کل بولتا قرآن کتاب لکھ رہا ہوں جس میں ان آیات کو جمع کیا ہے جو خدا کی طرف سے بندوں کو مخاطب کرتی ہیں۔

ایک دفعہ امین آباد لکھنؤ میں حضرت اکبر الہ آبادی ٹھہرے ہوئے تھے اور میں ان سے ملنے گیا ہوا تھا۔

نوکر نے آکر خبر دی مولانا ابوالکلام صاحب ملنے آرہے ہیں۔ حضرت اکبر نے مجھ سے کہا چلئے الہلال صاحب آرہے ہیں، ہم کہیں بھاگ چلیں۔ میں نے کہا بھاگنے کی کیا ضرورت ہے آنے دیجئے۔ کہا۔ میرے اعصاب کمزور ہیں، آپ کے اعصاب مضبوط ہیں۔ مگر بحث کا وقت نہیں ہے، جلدی چلئے۔ چنانچہ ہم دونوں بالا خانہ سے نیچے اترے اور ایک یکّے والے کو بلایا، ایک طرف میں بیٹھا، ایک طرف حضرت اکبر بیٹھے۔ یکّے والے نے لکھنوی تمیزداری سے پوچھا، حضور کہاں چلئے گا، فرمایا جلدی چل یہ پوچھنے کا وقت نہیں ہے۔ یکّہ چلا۔ سڑک مڑی۔ یکّے والے نے پھر دریافت کیا کہاں لے چلوں؟ فرمایا۔ حجت نہ کرو جہاں جی چاہے لے چلو۔ یکّے والا حیران کہ عجب سواری ملی ہے۔ مجھے بھی خلجان کہ مولانا ابوالکلام سے اس قدر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر امین آباد کی ایک دکان کے سامنے اترے اور یکّے والے کو کرایہ دیا اور دوکاندار کے پاس پہنچے۔ وہ واقف تھا۔ تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے کہا میں دکان کے آخری حصے میں جانا چاہتا ہوں، دکان کے تین درجے تھے حضرت اکبر آخری تیسرے درجہ میں جا کر بیٹھ گئے اور مجھ سے پوچھا یہاں تو ابوالہلال صاحب نہیں آجائیں گے؟ میں نے کہا یہ جگہ بالکل محفوظ ہے لیکن آخر ان سے ڈرنے اور بچنے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا جب آپ کا سر جیمس مسٹن سے جھگڑا ہوا تھا تو مجھ پر آپ سے تعلق رکھنے کے سبب بڑی پورش ہوئی تھی۔ اب انگریزوں کے مخالف ابوالہلال سے ملوں گا تو خبر نہیں افسران ضلع کتنا زیادہ ستائیں گے۔

یہ قصہ اس لئے لکھا کہ ہر دور میں ذات پاک کسی نہ کسی خوف کی شکل میں تجلی دکھایا کرتی ہے۔ مگر میں ہمیشہ اس تجلی کی زیارت سے محروم رہا۔ یعنی کسی ڈرنے کی چیز سے کبھی نہیں ڈرا۔ جب قاتل ۳۰ر جنوری ۱۹۲۸ء کی شام کو میرے خسر کو قتل کر چکا تو میرے سامنے آیا اور پستول سے گولی چلائی جو میرے کان کے پاس سے نکل کر چلی گئی، پھر دوسری گولی چلائی جو دوسرے کان کے پاس سے نکل گئی۔ پھر تیسری گولی چلائی جو سر سے گزر گئی۔ چوتھی گولی چلا کر وہ بھاگا اور میں اُس کے پیچھے پکڑنے کو دوڑا۔ اگر ڈر جاتا تو ذات پاک کی تجلی اُس خوف میں دیکھ لیتا۔ نہیں ڈرا۔ تو ذات پاک کی تجلی صراط مستقیم میں دیکھ لی۔ خبر نہیں امین آباد میں اب بھی ہوٹل ہیں یا نہیں۔ کیونکہ میں ہوٹل کے قیام کو آزادی اور راحت کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ ہوائی جہاز میں آؤں گا اور دو رات امین آباد کے ہوٹل میں ٹھہروں گا اور آپ سے اور فرنگی محل والوں سے مل کر چلا آؤں گا۔ گھانس کی منڈی کو بھی دیکھ لوں گا۔ جہاں بھوپال والے نواب نورالحسن خاں صاحب کے پاس کچھ دن رہا تھا۔ اگرچہ گھسیاری منڈی میں اب کوئی جاننے والا نہیں ہے مگر میں تو گھسیاری منڈی کا جاننے والا ہوں۔ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن۔

آپ کے کتنے بچے ہیں اور ان کے کیا کیا نام ہیں؟ کل میری تین سالہ نواسی جھومتی ہوئی آئی اور کہا۔ دودھ ملیدہ اللہ ہی دے گا۔ مست قلندر اللہ ہی دے گا۔ وہ جھومتی تھی اور میں دل میں کہتا تھا۔ دعوے کرتے ہیں لم یلد ولم یولد کا۔ اور تردید دکھاتے ہیں قدم قدم پر۔ ہمہ اوست اور ہمہ از اوست۔ وہ سب کچھ ہے اور سب کچھ اس سے ہے۔ وجود و شہود کو آپ نے جس عالمانہ اور فلسفیانہ انداز سے اپنی کتاب میں لکھا ہے

اس کو تو میں سمجھنے کی بساط بھی نہیں رکھتا لیکن نہرو لیاقت کے سمجھوتے میں جتنا میں نے خدا کو بے نقاب دیکھا ہے اتنا شاید منصور نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔
گڈ بائی مائی ڈیر من موہن۔
۱۱ اپریل سنہ ۱۹۵۰ء　　　　مخلص حسن نظامی

یہ لکھنا بھول گیا کہ ۶ دن سے پان تمباکو چھوڑ دیا ہے اور قطب عالم کی ملاقات کا استخارہ کر رہا ہوں جو ۱۷ دن میں ختم ہوگا۔ پان تمباکو کی عادت پچاس برس سے ہے اس لئے ایک طرح کی غشی اور غنودگی طاری رہتی ہے صبح کے ساڑھے دس بجے ہیں۔ چار بجے سے لکھ رہا ہوں۔

(۲۰)

بنام مرزا شاہد حمید احمد

جناب منیجر صاحب ہوٹل دی ہارٹ[1]
کسی بوائے کو آواز دیجئے کہ کمرہ نمبر ا کا مسافر ناشتہ مانگتا ہے۔
صورت حال یہ ہے کہ ۱۳ اپریل کا خط آج ۱۵ کو ملا۔ جب آپ یہ خط لکھ رہے تھے میں اپنے گھر سے دس میل دور انکم ٹیکس آفیسر سے ملنے جا رہا تھا۔ لاکھوں عورت مرد جمنا اشنان کر کے گھروں میں واپس جا رہے تھے۔ قدم قدم پر اندیشہ ہوتا تھا کہ کسی سے ٹکر ہو جائے گی۔
مجھے معلوم نہ تھا بیساکھی کیا چیز ہوتی ہے کیونکہ اس کا چرچا پنجاب میں زیادہ ہے۔ اب پنجاب کے پانچوں دریا دہلی کے کوزے میں بند ہیں۔ انکم ٹیکس آفیسر محب الفقراء ہندو ہیں۔ مجھے دیکھ کر کہا آج نیا سال ہے شگون بہت اچھا ہے۔ ساس نے سونے کی گھڑی کلائی پہ باندھی اور خدا نے آپ کو گھر بیٹھے بھیج دیا۔
یہ سن کر کہ بیساکھی حساب کا نیا سال ہے مجھے اس لئے دل نواز معلوم ہوا کہ میں بھی اپنے انکم ٹیکس کا حساب سمجھنے سمجھانے گیا تھا۔
پھر کل صبح درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں گیا۔ سالانہ عرس میں شریک ہوا۔ سیکڑوں زائرین کو چینیں مار کر روتے ہوئے دیکھا اور سنا۔ مزارات کو شکستہ پایا۔ درگاہ کے دروازے پر حافظ ویران کی قبر تھی جس پر لکھا تھا کہ
مرقد ویران پہ بھی فاتحہ پڑھتے جانا　　　　ان سے کہہ دو جو ہیں اس در سے گزرنے والے
دیکھا تو یہ کتبہ بھی ویران تھا۔ شاعر نے ویران تخلص رکھ کر بدشگونی کی تھی۔ میں نے آج سے چالیس برس پہلے ایک کارٹون بنایا تھا کہ اسکول ماسٹر سلطان ٹرکی شاہ ایران شاگرد کو پڑھا رہے ہیں لکھو بورڈ پر "ایران"۔ شاگرد جواب دیتا ہے۔ ماسٹر زادر دس نے بتایا تھا کہ یہ لفظ ویران ہے، ایران نہیں۔
مجھے آپ کے بچوں کے نام پڑھ کر ایسی خوشی ہوئی۔ گویا ہوٹل دی ہارٹ میں ٹھہر گیا ہوں اور میری فرمائش

[1] میں نے ٹھہرنے کے متعلق گزارش کی تھی کہ ایک ہوٹل میرے یہاں ہے اس میں قیام فرمائیے اور اس کا نام HOTEL de HEART ہے

گل رعنا آپ کی نواسی کے ساتھ باتیں بنا رہی ہے۔

یہ بتانا کہ مسافر ہوٹل دی ہارٹ میں کب آئے گا، دشوار ہے کیونکہ بیماریوں نے اتنا زور پکڑا ہے کہ کل دوپہر سے آج سہ پہر تک کچھ نہیں کھایا اور پان چھوڑے ہوئے سات دن سے زیادہ عرصہ ہو گیا۔ خیال آیا اگر لکھنؤ جاؤں گا اور ممانی لکھنؤ کے پان کی گلوری مجھے بھیجیں گی تو کیونکر انکار کروں گا۔

قطب عالم سے اگر ملنا ہو بھی جائے کہ موسیٰ کی طرح انجان میں رہوں گا یا خضر کی طرح قطب عالم کو انجان پاؤں گا۔ یہ تو تصورات اور تخیلات کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی کوششیں ہیں ورنہ آدم نہ بود و من بدم حوّا نہ بود و من بدم۔ او خود نہ بود و من بدم من عاشق دیرینہ ام۔

آج شام کو ایک منسٹر صاحب کے آنر میں مجھے بھی ان کے ساتھ کھانا کھانا ہے۔ ان کا نام لوری ہے۔ اور وہ بیرسٹر بھی ہیں اور میرے پرانے دوستوں میں ہیں۔ بیاور کے رہنے والے ہیں۔ اگر آج رات کو ان سے ملوں اور کہوں کہ آپ ری پبلک کو مانتے ہیں یا نہیں اور وہ جواب دیں (آیم نو۔ ری) تو میں کہوں گا جس مقام پر آپ رہتے ہیں اس کا نام بھی فارسی ہندی سے مرکب ہے۔ پہلا لفظ بیا دوسرا لفظ وَر۔ بیا ور۔ اور وَر ہندی میں طاقتدار اور غالب کو کہتے ہیں۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ۲۹ شعبان تک اگر میں اپنے حسم سے باہر نہ چلا گیا تو اس کے بعد رمضان میں آؤں گا تاکہ روزہ نہ رکھنے کا بہانہ ہاتھ آ جائے۔ وجود و شہود کی بحث میں نے اس لئے پسند کی کہ ساری عمر عام فہم وجودی رہا ہوں اور مولانا سید ظہور احمد وحشی شاہجہان پوری نے میری شان میں ایک فارسی غزل لکھی تھی جس میں میرے وجودی عقائد کو بہت شاعرانہ انداز سے ظاہر کیا تھا۔ وجود، شہود، کبود، بہت سے قوافی تھے۔

حضرت اکبرؔ فرمایا کرتے تھے آنے والے انقلاب کے سیلاب میں سب بہہ جائیں گے فقط صوفی باقی رہیں گے۔ آپ کی کتاب تصوّف کو جب پڑھتا ہوں اکبرؔ یاد آتے ہیں۔ آپ کے کچھ مسوّدات قرن اول کے کہیں ہوں تو میں ان کو دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کی زندگی کے ارتقائی درجوں کو سمجھ سکوں۔ نہ آپ کے لئے نہ اپنے لئے، نہ قوم کے لئے، نہ ملک کے لئے بلکہ ہوٹل "دی ہارٹ" کے لئے۔

دمشق کے ہوٹل دار السرور میں ٹھہرا ہوا تھا کہ غالب پاشا گورنر شام ملنے آئے۔ میں نے کہا آپ ملک عرب کے گورنر ہیں۔ آپ کا قرآن عربی میں۔ حدیث عربی میں۔ پھر آپ عرب بچوں کی ابتدائی تعلیم میں عربی کو داخل کیوں نہیں کرتے۔ جواب دیا۔ میں نے ابھی مرکزی حکومت کو لکھا ہے۔ کل وہ بات یاد آئی۔ جب بنارس سے پیام ادب کتاب آئی۔ جس میں جواہرلال کا ایک مضمون اردو کی حمایت میں شائع ہوا ہے۔ میں نے خیال کیا غالب پاشا باوجود غالب نام کے مغلوب تھے اور جواہرلال باوجود بڑے حاکم کے عوام کے محکوم ہیں۔

آپ شعر بھی کہتے ہیں؟ اور اگر کہتے ہیں تو کس زبان میں۔ اور جب آپ خواب دیکھتے ہیں تو ملنے والوں سے بات کس زبان میں کرتے ہیں۔

میرے بچوں کے ناموں کی فہرست یہ ہے۔ بڑا لڑکا حسین دوسرے علی تیسرے زید پاشا ان کے بعد حسن ابو طالب پھر جہدی۔ بڑی لڑکی حمد بانو مر گئی۔ دوسری لڑکی روح بانو۔ تیسری کوثر۔ حسین کے چار لڑکے سلمان۔ عثمان۔ امان۔ مُکان۔ ایک لڑکی قدسیہ۔ علی کے دو لڑکے ولی اور وصی اور دو لڑکیاں طاہرہ قرۃ العین اور فریدہ۔ روحہ کے بڑے لڑکے روحم دوسرے نوحم۔ ایک لڑکی گل رعنا۔

میری بینائی بہت کمزور ہے۔ دائیں آنکھ سے کچھ تھوڑا سا نظر آتا ہے۔ بائیں سے کچھ نظر نہیں آتا۔ ہر وقت ہلکا ہلکا بخار رہتا ہے۔ گردہ، معدہ، جگر خراب ہے۔ آنتیں بھی خراب ہیں۔ نیند بھی کم آتی ہے مگر غصہ زیادہ آتا ہے۔ اور یہ قرآن کی بتائی ہوئی مومن کی شان نہیں ہے باقی سب صفات مومن میرے اندر ہیں۔ ایک کوتاہی میرے ذہن اور دماغ میں پیدا ہو گئی ہے کہ میں چاروں طرف دیکھ کر کہتا ہوں کہ لوگ کام کر رہے ہیں۔ مگر ان کو کام کرنا نہیں آتا۔ مجھے کام کرنا آتا ہے لیکن کام لینا نہیں آتا۔ اس واسطے میرے کسی کام میں ترتیب اور موزونیت باقی نہیں رہی ہے۔ اور اس کی وجہ سے دماغی اور ذہنی اذیت میں ہر وقت مبتلا رہتا ہوں۔ گڈ بائی مائی ڈیر اجمل۔

۱۵ ار اپریل ۱۹۵۰ء حسن نظامی

(۲۱) بنام جناب شفا گوالیاری بھوپال

بسم اللہ الرحمن الرحیم - از درگاہ شریف دہلی - محبی جناب شفا صاحب

السلام علیکم - آپ کی کتاب آیات شفا پہنچی اور آج ۱۹ ستمبر کا کارڈ بھی پہنچا۔ شکریہ۔ میں آپ کے کلام کے مجموعے کی نسبت منادی میں کچھ لکھوں گا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ آپ نے نام ایسا رکھا ہے جس پر مجھے اعتراض ہے کیونکہ اس میں آیات کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اگر اس مجموعے میں آیات شفا کا بھی ذکر آ جاتا تو بات موزوں ہو جاتی مثلاً فیہ شفاء للناس وغیرہ تو زیادہ اچھا ہوتا۔ بہر حال میں اعتراض نہیں کروں گا اور تعارف کر دوں گا۔

۲۰ ر ستمبر ۱۹۵۱ء مخلص حسن نظامی

(۲۲) بنام خواجہ حمید الدین صاحب شاہد

از دفتر اخبار منادی دہلی ۲۶ ر دسمبر ۱۹۵۲ء

السلام علیکم - دسمبر ۵۲ء کا رسالہ سب رس آج ملا - فوراً پڑھا - سہ ماہی کرنے کی تجویز بہت نامناسب ہے۔ اس کو ہفت روزہ کر دیجئے اور سائز کتابی یعنی $\frac{20 \times 30}{16}$ کر دیجئے۔ صفحات ۱۶ ہوں یعنی صرف ایک جز۔ اب تک نام کے لحاظ سے سب رس ناکام ہے کیونکہ اس میں دوسرے رسالوں کا رس نہیں ہوتا۔

ہفت روزہ کرنے اور صفحات ۱۶ تک محدود ہو جانے سے خرچ کم ہو جائے گا۔ اب بڑے سائز کے ۸۴ صفحات ہوتے ہیں۔ ۱۶ صفحات کرنے سے خرچ کم ہو جائے گا۔ ترتیب کا خلاصہ میرے خیال میں یہ ہے کہ اردو کے مشہور (مگر ادبی) رسالوں سے نظم و نثر اقتباس کر لیجئے تاکہ سب رس نام صادق آئے۔ قیمت بھی لاگت کے اندر رکھئے بہت جلد اشاعت بڑھ جائیگی خرچ کم ہو جائیگا میں بیماری کے سبب منادی کی خدمت نہیں کرسکتا اور کئی ماہ سے اخبار بند ہے (حسن نظامی)

بنام شاہ سلیمان پھلواری

(۲۳)

آداب عرض - نوازش نامے موصول ہوئے - دہلی گیا ہوا تھا اس لئے جواب عرض نہ کر سکا۔
اشیر کے خط سے حالات حضرت خواجہ صاحب میں واحدی کو بڑی مدد ملے گی - وہ بڑی محنت سے سوانح مرتب کر رہے ہیں۔

بارش شروع ہوتے ہی مجھ کو بخار کھانسی شروع ہے - خبر نہیں کیا کیا دورے اور منصوبے اب کے عرس اجمیر شریف کے لئے دل میں تھے مگر سب برباد ہوتے نظر آتے ہیں کیونکہ وہ زمانہ ابھی سے آ گیا جس میں متواتر دو ماہ بیمار رہتا ہوں - اطباء کی رائے ہے کہ فوراً کوئٹہ جانا چاہئے ورنہ مرض بڑھ جائے گا آپ بتائیے کیا کروں۔

چاہتا یہ ہوں کہ اخبارات میں صدارت حلقہ کے لئے آپ کا اسم گرامی شائع کرا دوں اور آپ اپنے طور پر عارضی طریقے سے کسی کو دبیر الحلقہ مقرر کر دیں، اس کے بعد میں بے فکر ہو کر ۲ ماہ کے لئے کوئٹہ چلا جاؤں واپسی کے بعد چاہے یہی عہدہ پھر مجھ کو دے دیا جائے۔ یا کوئی دوسری خدمت سپرد ہو جائے - بہر حال حلقہ کے لئے مدد کی ضرورت مدت سے ہے اور وہ آپ سے بڑھ کر دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اب آپ یہ کام سنبھالئے - خدمات کے لئے میں اور واحدی ہر طرح حاضر ہیں، صرف عارضی آرام کا خواہاں ہوں - جان ہے تو جہان ہے - کھانسی بخار سے بڑا اندیشہ ہے احتیاط کی تاکید چاروں طرف سے ہے۔

آپ کے جواب کا منتظر :- حسن نظامی

برادرم حسن میاں صاحب سے فرمائیے کہ خانقاہ سے سہروردیہ مضمون کا بقیہ جلدی بھجوائیے۔ پرچہ جلدی چھپے گا۔

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب

(۲۴)

از مکان سید عبدالرحمٰن صاحب گتہ دار[2]

مخلص نواز سید ہمایوں مرزا صاحب

السلام علیکم - مکتوب گرامی جس کا ذکر کل شام کو آ چکا ہے - اس وقت وصول ہوا - جواب تو اس کا میری حاضری نے دے دیا ہے مگر اظہار تشکر قلبی بھی ضروری ہے۔

جناب بیگم صاحبہ کے نامۂ عالی کو پڑھنے کے بعد مجھ کو ندامت ہوئی - بیشک حیدر آباد آنے کے قبل مجھے ان کی خدمت میں اطلاع دینی ضروری تھی مگر ایسا ناگہاں آنا ہوا ہے کہ وقت کا تعین کرنا ممکن نہ تھا اس لئے کسی کو بھی صحیح اطلاع نہ دے سکا تھا۔

---

[1] یہ خط تقریباً اڑتالیس سال پہلے کا ہے - خواجہ حسن نظامی صاحب نے سارے ملک کا دورہ کرنے کے بعد حلقۂ نظام المشائخ قائم کیا تھا، اور ایک ہمہ گیر تنظیم کی تھی - رسالہ نظام المشائخ دہلی، اس کا ترجمان تھا - یہ خط اسی سلسلے کا ہے :-

[2] گتہ دار (حیدر آباد) دکن کی زبان میں ٹھیکیدار کو کہتے ہیں۔

اب ڈاکٹر قمرالدین صاحب[1] سے معلوم کرکے فرصت کا وقت آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ اور دردولت پر حاضر ہوں گا۔ ابھی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی ہے دوپہر کے بعد آئیں گے۔

نیازمند حسن نظامی

بنام ہاشمی صاحب

(۲۵)

مخلص نواز ہاشمی صاحب۔

السلام علیکم۔ ۷ رمضان کا خط آج ۱۲ کو ملا۔ میرا ارادہ شروع رمضان میں حیدرآباد آنے کا تھا۔ مگر مقامی مزوریات کے سبب ملتوی کرنا پڑا۔ اعلیٰ حضرت نے بھی یاد فرمایا تھا۔ اور میں نے سیٹیں بھی ریزرو کرالی تھیں۔ اب انشاء اللہ عید کے بعد ارادہ کروں گا۔

دعاگو حسن نظامی

بنام مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی

(۲۶)

از آرام محل سوماجیگوڑہ متصل بنگلہ نواب لیاقت جنگ

محبی جناب مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی

السلام علیکم۔ آپ نے خواتین دکن کی نسبت جو کتابیں دی تھیں وہ دہلی میں رہ گئی ہیں۔ اور اب مجھے کتاب دکن یونین میں خواتین دکن کا ذکر لکھنا ہے۔ لہٰذا ایک ایک جلد سب کتابوں کی ہادی منزل میں بھیج دیجئے۔ اور آپ نے جتنی کتابیں لکھی ہوں وہ بھی بھیج دیجئے یا ان کی فہرست یعنی نام وغیرہ بھیج دیجئے تاکہ آپ کے تذکرے میں ان کو لکھوں۔

مخلص نظامی

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ

(۲۷)

"مقیم خانہ باغ" ڈیوڑھی مہاراجہ سرکشن پرشاد صدراعظم بہادر۔ حیدرآباد دکن۔

عزیزہ ہمایوں بانو

السلام علیکم۔ لفافہ ملا۔ کارڈ واپس ارسال ہیں۔ انیس الغربا انجمن نے مجھے عورتوں کے زنانہ جلسہ میں مدعو کیا ہے جو ۱۰۔ ربیع الاول کو ہوگا۔ اور کوئی جلسہ تو مجھے معلوم نہیں ہوا۔

خواب شائع نہیں ہوں گے۔ قواعد انجمن خواتین شائع کردیئے جائیں گے۔ رسالہ امن کا شکریہ۔ آپ نے خواجہ بانو کو جمعہ کی صبح کو بلایا ہے مگر تاریخ نہیں لکھی۔ ایک جمعہ پرسوں ہے۔ آپ مہاراجہ بہادر کے ہاں ٹیلیفون کے ذریعہ خبردے دیجئے کہ کون جمعہ مقصود ہے۔

سید صاحب کے مزاج کا حال نہ لکھا میں نے مہاراجہ بہادر سے کل ان کے معاملہ کا ذکر کیا ہے۔

دعاگو حسن نظامی

---

[1] خواجہ صاحب کے ایک خلیفہ جن کو ہلالی شاہ خطاب دیا تھا۔ خواجہ صاحب کی زندگی ہی میں فوت ہوئے۔

بنام سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر　　　(۲۸)

مکرمی مخلص نواز سید ہمایوں مرزا صاحب

السلام علیکم۔ مکتوب گرامی ملا۔ کل دوپہر کے قریب آپ کے دولت خانہ پر برائے مزاج پرسی ہمایوں بانو صاحبہ حاضر ہوں گا۔ غلام احمد صاحب[1] کے ہاں کھانا کھا کر۔

مگر آپ کے در دولت پر قیام کرنا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ہر چند کوشش کی لیکن کوئی تجویز ایسی نہ نکلی۔ کل زبانی عرض کروں گا۔

دعاگو حسن نظامی

بنام صغریٰ ہمایوں مرزا صاحبہ　　　(۲۹)

عزیزہ ہمایوں بانو

سلام۔ بہت نادم ہوں کہ حسب وعدہ تمہارے پاس نہ آسکا۔ حالانکہ روز ارادہ کرتا ہوں۔ مگر ملنے والوں کی یہ حالت ہے کہ میں وقت پر کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ اور اب پرسوں سے تو بخار میں مبتلا ہوں۔ کل دو بجے خواجہ بانو ہارون خان صاحب شروانی کے ہاں اور چار بجے حیدری صاحب کے ہاں جانے کا وعدہ کر چکی ہیں اور اس وقت ایک نیاز میں گئی ہوئی ہیں اور رات کو واپس آئیں گی اگر وعدہ ہوتا تو وہ ضرور آتیں۔ یا ممکن ہے کہ حیدری صاحب کے ہاں سے واپس ہو کر اس جلسہ میں آجائیں۔

سید صاحب کو سلام کہئے۔ چونکہ باہر مردانہ میں ہوں اس لئے کاغذ موجود نہ تھا اندرونی نانہ میں ہے یہ معاف کیجئے گا۔

دعاگو حسن نظامی

---

[1] غلام احمد خاں منصب جنگ صدر بہ دار اورنگ آباد اب نواب ظہیر یار جنگ امیر پائیگاہ کے سکرٹری ہیں۔

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی

بنام فوق صاحب

(۱)

لاہور نسبت روڈ۔ میرے مکرم فوق صاحب خوش رہیں تسلیم ۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ میں لالہ سری رام مرحوم کے تذکرہ خم خانۂ جاوید کی تکمیل کر رہا ہوں ۔ ف کی ردیف میرے ہاتھوں میں ہے ۔ اور آپ کے صرف دس پندرہ شعر مسودے میں موجود ہیں ۔ یہ جی نہیں چاہتا کہ بس اسی پر اکتفا کروں ۔ لہٰذا مستدعی خدمت ہوں کہ مہربانی سے اپنے حالات ۔ فہرست تصانیف وغیرہ اور مزید کلام عنایت فرمایئے ۔ تاکہ درج تذکرہ ہو ۔ یہ جلد جلد ہی پریس میں جانے والی ہے ۔ ملاقات کو مدتیں ہوئیں ۔ دولت خانہ کا پتہ نہیں ورنہ حاضر ہوتا۔

۷ راگست ۱۹۳۲ء

نیازمند برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام فوق صاحب

(۲)

جناب مکرم تسلیم ۔ یاد ہوگا آپ نے کشمیر سے لکھا تھا کہ تذکرہ خم خانۂ جاوید کے لئے اپنے حالات اور تازہ کلام لاہور پہنچ کر عنایت فرمائیں گے ۔ چنانچہ یاد دہانی کرتا ہوں اور عنایت کا طالب ہوں ۔ میں اس مہینہ کے آخری ہفتہ میں دہلی جاؤں گا اس سے قبل نوازش فرمائیں تو سہولت ہے ورنہ اپنی اولیں فرصت کے وقت یاد رکھیں ۔

۹ رنومبر ۱۹۳۲ء لاہور

نیازکیش (پنڈت) برجموہن دتاتریہ (کیفی دہلوی)

بنام فوق صاحب

(۳)

۱۲ مل پور روڈ۔ دہلی ۔ مکرمی فوق صاحب تسلیم ۔ میں اب دہلی آگیا ہوں ۔ آپ کے کلام اور حالات کا انتظار ہے خم خانہ کی جلد پریس کے لئے تیار ہے ۔ امید ہے جواب جلد عطا فرمایئے گا۔

۱۹ ردسمبر ۱۹۳۲ء

(پنڈت) برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام فوق صاحب

(۴)

۱۲ مل پور روڈ۔ دہلی ۔ مکرم من جناب فوق صاحب تسلیم ۔ جناب کا کلام اور حالات بذریعہ رجسٹری موصول ہوئے انشاءاللہ جلد زیب تذکرہ ہوں گے ۔ توجہ کا شکریہ ۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے ۱۲/۱/۳۳ نیازکیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

(۵)

گرونانک پورہ - لائل پور - جناب مکرم! تسلیم! عنایت نامہ کا شکریہ - کالیداس کی یہ تصنیفیں اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں - یا کچھ کچھ اردو میں آئی ہیں -

(۱) وکرم اُروشی - لکھنؤ کے عزیز مرزا مرحوم نے اردو میں اصل ناٹک کو منتقل کیا اور شروع میں ولسن کے دیباچہ کا ترجمہ دے دیا - یہ سنسکرت میں ڈرامہ کے فن کے قاعدے وغیرہ کے متعلق ہے -

(۲) میگھ دوت - ایک نظم ہے جس کا ترجمہ "پیک ابر" کے نام سے مثنوی کی صنف میں چھپ چکا ہے شاید اسی کتاب کا ایک اردو ترجمہ بھی کیا ہے کسی نے -

(۳) شکنتلا کے کئی اڈیشن تجارتی سٹیج کے لئے نکالے گئے تھے - جن میں سے کوئی بھی کتب خانہ میں رکھنے کے قابل نہیں -

انگریزی میں کالیداس کی تمام کتابوں کے ترجمے موجود ہیں - کئی ترشکنتلا کے ہیں - ایک صاحب ہیں - پنڈت لچھمی چند شاستری ایم اے - ایم - او - ایل - دہلی یونیورسٹی کے شعبہ سنسکرت کے صدر ہیں - انہوں نے ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے جس کا نام ہے BIRTH PLACE OF KALIDAS ضرورت سمجھیں تو ان سے منگوا لیں - نام سے مضمون کا پتا چلتا ہے -

سنسکرت لٹریچر کی تاریخ پر جو کتابیں یورپی مستشرقین نے لکھیں - ان میں کالیداس کی شاعری پر خاصا مفصل تبصرہ ہے - میکڈانل کی "ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر" سے بہت امداد ملے گی -

میں بہت نادم ہوں کہ اس موضوع پر اور زیادہ واقفیت پیش نہیں کر سکتا - میری ساری کتابیں ماڈل ٹاؤن (لاہور) میں پڑی ہوئی ہیں - کئی برس گذرے پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب (علی گڈھ یونیورسٹی) نے ایک رسالہ سہ ماہانہ نکالا تھا جس کا نام سہیل تھا - یاد پڑتا ہے کہ اس کے پہلے یا دوسرے نمبر میں پیک ابر کا تذکرہ یا تبصرہ تھا -

ولسن نے دو جلدوں میں بہت سے سنسکرت ڈراموں کے ترجمے کئے - اس کتاب کا نام ہے ہندو تھیٹر - اس کے علاوہ سر ولیم جونز نے بھی شکنتلا کا ترجمہ کیا -

کالیداس کے ہندی ترجمے حسب ذیل ہوئے ہیں -

(۱) مالوی کا گنی متر

---

[1] میں نے سنہ ۱۹۳۰ء میں "کالیداس" پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کا ارادہ کیا - اور کچھ عرصہ کی محنت کے بعد ایک مضمون مرتب کرکے رسالہ "ہنماۓ تعلیم لاہور" کے جوبلی نمبر میں شائع کیا - مگر "کالیداس" کے متعلق تحقیق برابر جاری رکھی - اس سلسلہ میں میں نے ہندوستان کی تمام پبلک لائبریریوں اور بعض مشہور ادیبوں کو خطوط لکھے کہ آپ کے علم میں کالیداس کی سوانح اور اس کے ڈراموں اور اس کے تراجم کے متعلق جو واقفیت ہو وہ مجھے بھیج دیں - اسی ذیل میں پنڈت برجموہن صاحب کیفی مرحوم کو بھی خط لکھا - مرحوم نے جواب دیا وہ محض اتفاق سے سنہ ۱۹۴۷ء کی ہولناک تباہی سے بچ کر پاکستان آ گیا - اسے آج میں اسے قارئین "نقوش" کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں - یہ خالص تاریخی اور علمی خط ہے - امید ہے علم دوست اصحاب کے لئے ازدیاد معلومات کا ذریعہ ہوگا -

خاکسار محمد اسماعیل پانی پتی

(۲) شکنتلا۔ مترجم راجہ لچھمن سنگھ
(۳) رگھوونشس
(۴) کمارسمبھو } دونوں ہندی میں
(۵) میگھ دوت۔ کنہیا لال
کسی ہندی کتب فروش سے یہ کتابیں مل سکتی ہیں۔

۹ر نومبر ۱۹۳۸ء   نیازکیش برجموہن دتاتریہ

بنام طاہر فاروقی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور

(۶)

انجمن ترقی اُردو (ہند) "دارالسلام" نمبر ا۔ دریا گنج۔ دہلی۔ میرے مکرم تسلیم۔ ۱۲ر حال کا اشفاق نامہ پہنچ کر شکریہ کا موجب ہوا۔ مشاعرے کی بابت معلوم ہوا۔ بہتر تھا کہ مشاعرے کی صدارت کے لئے آپ کسی بڑے اور بہتر شاعر کو تلاش کرتے۔ رہا میرا یہاں جنوری یا کہئے نئے سال کی مصروفیتوں کے بارے میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مشاعرے کے لئے وقت ضرور نکلے گا۔ لیکن کس تاریخ کو؟ یہ میں ایک ہفتہ کے اندر عرض کروں گا۔ کچھ تعینات جنوری اور فروری میں ایسے ہیں جو بنگلہ چاہتے ہیں اسی کا انتظار ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ ایک تاریخ مقرر ہو کر ٹل جائے۔
میری رائے میں دن کا مشاعرہ ٹھیک ہوگا اگر آپ کے حاضرین کو ناپسند نہ ہو۔ یہ ممکن یا مناسب نہ ہو تو رات کو ہی

۱۵ر دسمبر ۳۹ء   نیازکیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام طاہر فاروقی صاحب

(۷)

انجمن ترقی اُردو (ہند) ا۔ دریا گنج، دہلی۔ میرے مکرم تسلیم سابقہ عریضہ کے سلسلے میں گزارش ہے کہ جنوری میں کئی تقریبوں میں یہاں اور باہر رکا ہوا ہوں۔ فروری کی ۳ر تاریخ کو سنیچر ہے۔ یا تو اس تاریخ شب کو یا ۴ر فروری کو دن کے وقت آپ اپنا مشاعرہ رکھ دیں۔ ۲ر فروری کو یہاں ریڈیو میں میری تقریر ہے۔ اس لئے ۳ر فروری کی رات یا ۴ر فروری کا دن ٹھیک ہوگا۔ دن اور رات کا فیصلہ آپ اپنی اور اپنے سامعین کی سہولت کے لحاظ سے کریں۔
یہ تو فرمائیے کہ یہ مشاعرہ ہوگا یا مناظرہ اور کہ طرحی ہوگا یا کیسا۔ تاریخ اور وقت کی تعین کے بعد ان امور سے بھی مفصل مطلع فرمائیے۔

۱۸ر دسمبر ۳۹ء   اخلاص کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام طاہر فاروقی صاحب

(۸)

انجمن ترقی اردو (ہند) ا۔ دریا گنج، دہلی۔ میرے مکرم تسلیم۔ پہلا عریضہ حاضر خدمت ہوا ہوگا۔ مشاعرہ کی تاریخ کے بارے میں اب یہ عرض [illegible] کہ ۳ر فروری کے بدلے ۱۱ر فروری (اتوار) کو دن کے وقت مشاعرہ رکھئے اگر دن کا وقت مقامی مصلحتوں کی رو سے مناسب نہ ہو تو ۱۰ر فروری (سنیچر) کی شب مقرر کر دیجئے۔
۳ر فروری کو کلکتہ میں انجمن پسند ادب کا سالانہ اجلاس ہے اور مجھے کلکتہ والوں نے شرکت کے لئے بہت

مجبور کیا ہے۔ ان کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے اور ہمارے آگرے کے مشاعرہ کی تاریخ کا ابھی اعلان نہیں ہوا ہے۔ اس لئے مجھے لکھنؤ کی دعوت منظور کر لینی پڑی۔ جواب مزید عنایت ہو۔

۱ر جنوری سنہ [illegible]ء　　　　اخلاص کیش دتا تریہ کیفی

بنام ظاہر فاروقی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور　(۹)

میرے مکرم تسلیم۔ بہر حال کے نوازش نامے کا شکریہ۔ میں آپ کی دقتوں کو سمجھا۔ مشاعرے کی تاریخ ۲۷ر جنوری ہی رہنے دیجئے۔ میرے پروگرام کا تو یہ حال ہے کہ اگلے ہی دن (۲۸ر جنوری کو) یہاں ایک ایسی تقریب کا ورنٹ پہلے سے موجود ہے۔ خیر۔ یہ تو ہوا۔ آپ یہاں کے شاعروں کی بابت پوچھتے ہیں۔ آپ سے کیا چھپا ہوا ہے۔ اور بھی طے میں اب آدھی صدی کے بعد پھر آیا ہوں دلی میں۔ میں سبھی کو اچھا سمجھتا ہوں۔ آپ زیادہ کو بلانا نہیں چاہتے۔ چند نام لکھے دیتا ہوں۔ بلانا نہ بلانا آپ کی مرضی پر ہے۔ یہ خیال نہ کریں کہ فلاں کو نہ بلایا تو کیفی کو گلہ ہو گا، سمجھ گئے آپ:۔

۱۔ پروفیسر ظفر تاباں۔ رامجس کالج۔ دریا گنج۔ دہلی

۲۔ مسٹر اکبر حیدری۔ "اکبر منزل" مچھلی والاں۔ دہلی

۳۔ منشی عبد الخالق نہال۔ کوچہ سعد اللہ۔ پھول منڈی۔ دہلی۔

لکھنؤ سے جن اصحاب کے نام لکھ دوں خوف ہے کہ وہ آ نہ سکیں گے۔ کیونکہ ابھی وہ لوگ کھانسی زکام لے کر یہاں سے گئے ہیں اور شروع فروری ہی میں ان کے ہاں ہنگامہ ہونے کو ہے۔ میں سراج اور قدیر کا نام لکھتا۔ بہر حال آپ جسے چاہیں بلائیں۔

شاید کسی خط میں اسی تقریب کے بارے میں کچھ باتیں پوچھی تھیں۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

۶ر جنوری سنہ [illegible]ء　　　　اخلاص کیش برجموہن دتا تریہ کیفی

بنام آغا محمد صادق صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج کوئٹہ　(۱۰)

۱۔ دریا گنج دہلی۔ جناب مکرم تسلیم۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ استفسارات کے جواب یہ ہیں:۔

(۱) پیڈل چلانا بہتر ہو گا میری رائے میں۔

(۲) ریوڑیاں رَ مکسور اور وَ ساکن ہیں اور ڑ مکسور۔

(۳) غرّہ۔ اگرچہ اسکے معنی میں بعض لغات میں معزور بھی لکھ دیا ہے لیکن استعمال اس لفظ کا مغرور ہی کے معنی میں ہوتا ہے۔

(۴) شفا کے معنی ہیں بیماری کے بعد اچھا ہو جانا یعنی صحت بدنی کا عود کرنا۔ زخم کی ہستی تندرستی کے منافی ہے کیونکہ اس کے معنی ہونگے زخم بیماری سے پہلے جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا جس کے معنی کچھ نہیں بنتے کیونکہ زخم تو خود ایک ایسی بیماری ہے۔ اسی وجہ سے دوسری شکل یعنی زخم کو شفا ہو گئی بھی غلط ٹھہرتا ہے۔ صحیح فقرہ ہو گا "زخم

سے شفا ہوگئی ہے جسم کو متعدد ہے۔

۲۳ نومبر ۴۴ء

نیاز کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۱)

انجمن ترقی اُردو (ہند) دریا گنج، دہلی۔ مکرم میرے تسلیم۔ والانامے کا شکریہ۔ ۴۲ رسال کو آپ یاد فرماتے ہیں سبحان اللہ کتنی سعید تقریب ہے حضرت آج کل سفر واقعی سقر صورت ہوگیا ہے۔ کل پنجاب جا رہا ہوں ایک ادبی جلسے میں۔ ہاں کو واپسی کا خیال ہے اگر اس وقت اس بڈھے جسم میں کچھ دم کس باقی رہا تو حاضر ہو جاؤں گا۔ نہ جا سکا تو مقالہ بھیج دوں گا مگر آپ کس غرض سے طلب فرماتے ہیں۔ پتہ انگریزی میں لکھا کیجئے [1]

۷ فروری ۴۶ء

اخلاص کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۲)

میرے مکرم تسلیم۔ ایک تکلیف دے رہا ہوں جس کے لئے معافی مانگتا ہوں۔ جب سے شمالی ہند میں یہ گڑبڑ ہوئی ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی خیریت معلوم نہ ہو سکی۔ ہاشمی صاحب فریدآبادی کو لکھا۔ اُن سے بھی جواب نہ ملا۔ حالات ہی ایسے تھے اگر آپ کو مولوی صاحب کا پتہ معلوم ہو کہ کہاں ہیں تو مہربانی سے مطلع فرمایئے۔ ہاشمی صاحب غالباً رام پور میں ہوں اُن سے آپ دریافت کر سکیں گے۔

دہلی سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ انجمن کا دفتر۔ بعض کہتے ہیں کتب خانہ بھی۔ جلا دیا گیا وہاں اس وقت بھارت انشورنس کمپنی کا دفتر ہے، کتب خانہ میں بہت نایاب رسالہ اور کتابیں تھیں۔ یہ علمی نقصان پورا نہ ہو سکے گا۔

میں کسی طرح گرتا پڑتا یہاں بمبئی پہنچ گیا ہوں اور بہار کے موسم تک یہیں ٹھہروں گا۔

پھر معافی کی استدعا اور شکریہ کے ساتھ

ابھی کسی نے کہا مولوی صاحب بھوپال میں ہیں۔ یہ نہ معلوم ہوا وہاں کس کے پاس ہیں۔ شعیب صاحب کے پاس۔ یا۔؟

یکم دسمبر ۴۷ء

نیاز کیش برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام حبیب کیفوی

(۱۳)

آل پاکستان انجمن ترقی اُردو۔ شاردا مندر۔ ہسپتال روڈ۔ کراچی ۱۔

عزیز حبیب! مولوی صاحب نے آج تمہارا خط دیا۔ مدت بعد خیریت معلوم ہوئی۔ خیر دیر آمد درست آمد۔ جموں میں تمہارے کاروبار اور سامان کا کیا ہوا۔ بچا کر گیا؟ سیالکوٹ میں کیا کرتے ہو۔ بال بچے کہاں ہیں؟ سب کچھ مفصل لکھو نسیم کی لڑکی کا خط آیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نسیم اودھم پور میں نظر بند ہے۔ حکومت نے کوئی سیاسی

[1] اردو میں پتے والے خط یہاں ڈاک کے لاوارثی دفتر میں چلے جاتے ہیں۔

پنچ نکالی ہوگی۔ پہلی دفعہ وہ کس تحصیل میں تھا؟ میرے خیال میں وہ تحصیل اس وقت جنگاہ بنی ہوئی ہے۔ میں دہلی جاؤں تو اس کے لئے کوشش کروں گا۔

ہمارا پروگرام غیر مستقل ہے۔ اس وقت تک صرف اتنا طے ہوا ہے کہ مولوی صاحب مستقل طور پر یہاں رہیں گے اور میں دہلی میں رہوں گا۔ اگلے مہینے کی کسی تاریخ کو میں دہلی جاؤں گا۔ اور ہماری زبان کو پھر جاری کروں گا صحت میری لائل پور کے مقابلے میں کچھ بہتر ہے۔ جوڑوں کی تکلیف جو رہتی تھی رہ گئی۔ اس عمر میں شفائے کلی ناممکن ہے۔ دل کی حالت بہتر ہے۔ سو پچاس قدم آہستہ خرام کر لیتا ہوں۔ گھٹنے ٹھیک نہیں ہوئے۔ یہ بڑی تکلیف ہے۔ خط جلدی لکھنا اور سب کچھ لکھنا۔ نسیم کے بال بچے جہلم میں ہیں۔ ان کا پتہ کہیں رہ گیا۔ لائل پور والوں کو معلوم ہوگا۔

کیفی

۱۴؍جولائی ۱۹۴۸ء

(۱۴)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ میرے مہربان۔ آداب۔ علی گڑھ میگزین کا غالب نمبر تو مجھے بھی پہنچ گیا تھا مگر صحت کی خرابی کی وجہ سے اسے پورا نہ دیکھ سکا۔

آپ کی محنت اور دقت نظر کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ میں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوں کہ آپ نے مرزا غالب سے متعلق ان امور پر زیادہ زور دیا ہے جن کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے خاص کر ادیبوں اور شاعروں کے حالات لکھتے ہوئے۔ ایک ادیب بہ حیثیت ایک انسان کے پیش نہیں کیا جاتا بلکہ صرف اس کا کلام تنقید کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔ غالب پر کافی سے زیادہ لٹریچر نکل چکا ہے اور اس کی شاعری پر ہر پہلو سے بحث ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ اچھا ہوا کہ اس نمبر میں ان امور کی طرف کم توجہ کی گئی۔ شاعر ہو یا ادیب، فلسفی ہو سیاسی پہلے وہ ایک انسان اور شہری ہے۔ اس کے بعد اور کچھ۔

یہ مقصود نہیں اور نہ توقع ہے کہ اس ضخیم نمبر کے ہر مضمون کی نسبت کچھ لکھوں۔ ہر مضمون اپنی جگہ انفرادی حیثیت اور افادیت رکھتا ہے۔

آثار غالب بھی ضروری چیز ہے اس کی حیثیت تاریخی ہے۔ ایسی باتیں جو اس میں درج ہیں اکثر بھول

(نوٹ) حبیب کیفوی صاحب شاعری میں کیفی صاحب کے شاگرد تھے۔ ان کی نظموں کا ایک مجموعہ آتش چنار کے نام سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ جموں میں ان کا خاصا کاروبار تھا۔ دو تین سامان کرایہ پر دیتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند پاکستان کے ہنگاموں میں سب کچھ ضائع ہو گیا۔

مولوی صاحب سے مراد بابائے اردو مولوی عبدالحق ہیں۔

نسیم صاحب پنڈت جی کے ایک ہونہار شاگرد تھے۔ ریاست میں تحصیلداری کے عہدے پر فائز تھے۔ شعر خوب کہتے تھے۔ دنگائیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ پورا نام سید ذوالفقار علی تھا۔

(محمد عبداللہ قریشی)

جاتا کرتی ہیں اور یہ اعتقاد تشنہ رہ جاتا ہے۔ دنیا کو صرف اتنا یاد رہ جاتا ہے کہ برہان قاطع پر مرزا نے کچھ اعتراض کئے تھے جن
پر زبردست مناظرہ چل پڑا اور بس۔

ایک اور خاص بات جو اس نمبر کے اکثر مضامین میں پائی گئی یہ ہے کہ اکثر لکھنے والوں نے آزادیٔ رائے سے کام
لیا ہے رُعب اور جذبہ طاری دونوں سے دور دور رہے ہیں۔ یہ بات اس قسم کے نمبروں میں نہیں پائی جاتی۔

بہت اچھا ہوا کہ مختار الدین احمد صاحب نے اصلی افادت اور معنوی اہمیت پر نظر رکھی اور اس نمبر کی تیاری میں ظاہری
ٹیپ ٹاپ سے کام نہ رکھا۔

۳۰ رجنوری سنہ [illegible]

کیفی

بنام شفا گوالیاری

(۱۵)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ جناب من۔ یاد دہانی غیر ضروری ہے پہلی دفعہ آپ کا جوابی پوسٹ کارڈ تھا۔
اسی پر جواب لکھ کر ڈاک میں ڈال دیا گیا تھا۔ نہیں پہنچا تو آپ کے لکھے ہوئے پتہ میں غلطی ہوگی یا ڈاکخانہ کی عنایت۔ خیر پہلا
مصرعہ یہ ہے ؎

"کوئی محفل تھی نہ اپنی کوئی محفل میں نہ تھا"

اپنی سے پہلے نہ کا لفظ جو واقع ہوا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ نہ اپنی کوئی محفل تھی نہ کسی اور کی جب کہ شاعر کا منشا یہ نہیں
ہے۔ لہذا موجودہ صورت میں پہلا مصرع غلط ہے اور پھر یہ ہے کہ شاعر دل کو محفل سے تشبیہ دیتا ہے۔ محفل کے معنی ہیں ایک
جگہ آدمیوں کا مجمع ہونا جہاں کوئی نہ ہو اُسے محفل نہیں کہہ سکتے۔

خیر اگر یوں بدل دیں تو یہ مصرعہ کچھ معنی دے سکتا ہے ؎

سر بسر سونی پڑی تھی کوئی محفل میں نہ تھا   وہ بھی کیا دن تھے کسی کا عشق جب دل میں نہ تھا

اپنے ڈاکخانہ کو ڈانٹیے۔ والسلام

۱۴ رستمبر سنہ [illegible]

کیفی

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب آرزو

(۱۶)

جناب مکرم۔ آپ کا عنایت نامہ مل گیا تھا۔ لیکن ان سردیوں میں میری طبیعت بہت ناساز رہی۔ مخزن الفوائد
کی نقل کی بابت لاہور لکھا ہے۔ غالب کے شاگردوں کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ سلسلہ تو مالک رام صاحب نے چھیڑ
دیا ہے۔ اب انہیں کو پورا کرنے دیجئے۔ میرے اُن کے تعلقات بھی ہیں۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اُن کے سلسلے
میں مداخلت کروں۔ امید کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

۲ رفروری سنہ ۵۲ء

کیفی

بنام ڈاکٹر مختار الدین صاحب آرزو

(۱۷)

۱۷۔ علی پور روڈ۔ دہلی۔ جناب من۔ مقدر میں یہی تھا کہ میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ آپ کی فرمائش کی تعمیل

نہیں کر سکتا، اس کا مجھ کو سخت رنج ہے۔ اب تک اس قابل نہیں ہوا ہوں کہ یہ سطریں آپ کو اپنے قلم سے لکھوں مجھے امید ہے میری مجبوریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ درگزر کریں گے۔ اور مجھے معذور رکھیں گے۔

۱۶ ر مئی ۱۹۵۲ء　　کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۸)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ مکرم بندہ۔ آداب۔ ایک زحمت دینے کی معافی چاہتا ہوں "انشائے داغ" مرتبہ احسن مارہروی مرحوم آپ نے دیکھی ہوگی اس میں مرزا داغ کا ایک خط بھی ایسا نہیں جو انہوں نے رام پور سے لکھا، تیس پینتیس برس داغ رام پور میں رہے کیا اس زمانے میں انہوں نے کسی کو خط لکھا ہی نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ خط کاتب کے ہاتھ سے نکل کر مکتوب الیہ کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ بعض مقامی معاصرین یا نواب خلد آشیاں کو ضرور کبھی کوئی خط گیا ہوگا میں نہایت ممنون ہوں گا۔ اگر اس بارے میں میری مدد کر سکیں، اگر آپ کے نجی ذخیرے میں یا سرکاری کتب خانے میں مرزا داغ کے کچھ خطوط محفوظ ہوں تو براہ کرم مطلع فرمائیے۔ اگر وہ صرف چند ایک ہیں تو اُن کی نقل عنایت فرمائیے، مع اُجرت نقل کی اطلاع کے۔ اگر بہت سے ہیں تو آپ کی صلاح اور اجازت سے اُن کے لئے مناسب انتظام کیا جائیگا

۱۸ ر اگست ۱۹۵۲ء　　جواب کا طالب نیاز مند برجموہن دتاتریہ کیفی

میری غرض ان خطوط سے ہے جن کی نوعیت ادبی ہو یا جو کاتب کے کردار و اخلاق پر روشنی ڈالتے ہوں۔ (کیفی)

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۱۹)

۱۷۔ علی پور روڈ دہلی۔ مہربان میرے۔ آداب۔ فرمائیے نظر عنایت میں کتنی دیر ہے۔ لکھنؤ سے تقاضا ہے اور میں آپ کی امداد کا منتظر ہوں۔ صرف چند خطوں کے انتخاب اقتباس کافی ہوں گے جو مرزا داغ کے کردار و اخلاق کے خاص گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوں، اصلاح سخن سے متعلق تو طومار ہوگا۔ اسے جانے دیجئے اور جو عرض کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ فرمائیے۔

۲۷ ر اگست ۱۹۵۲ء　　منتظر جواب نیاز مند برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام امتیاز علی صاحب عرشی

(۲۰)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ مکرم میرے تسلیم۔ بہت بہت شکریہ۔ نقل خطوط واپس کرتا ہوں۔ میں نے صرف ان خطوط سے استفادہ کیا ہے۔ جیش پرستی کے سلسلہ میں۔

مکتوب الیہ

صفحہ ۴ ــــــ ملکہ جان، صفحہ ۲ ــــــ حیدن بائی، صفحہ ۱۰ ــــــ نساخ

صفحہ ۱۵ ــــــ حجاب، صفحہ ۱۸ ــــــ ملکہ جان، صفحہ ۲۰ ــــــ محمد زبیر

میں نہیں جانتا کہ کس زبان سے آپ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کروں۔

۱ ر ستمبر ۱۹۵۲ء　　نیاز مند برجموہن دتاتریہ کیفی

بنام سید علی محمد فضا

(۷۱)

۱۷۔ علی پور روڈ سول لائنز دہلی۔ جناب من۔ آپ کا کارڈ مل گیا تھا۔ جس میں آپ نے ڈھالکنا اور ڈھاپنا کے متعلق دریافت کیا تھا۔

دونوں لفظ اُردو کے ہیں۔ مزید واقفیت کے لئے دیکھئے لاہور کا رسالہ الحمرا ماہ اگست سنہ ۱۹۵۴ء صفحہ

۴ ستمبر سنہ ۱۹۵۴ء   آپ کا مخلص کیفی

مولانا مناظر احسن گیلانی

(۱)

بنام مولوی سید الطاف علی بریلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و محترم مولانا الطاف علی صاحب دام مجدکم العالی!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ کے ہدایا (یعنی دفتر مصنف) اور...... المصنفین کے شائع کردہ رسائل مولانا فضل اللہ صاحب استاد جامعہ عثمانیہ کے ذریعے سے اس وقت ملے جب موسم گرما کی تعطیل کے بعد میں حیدر آباد پہنچا، کئی دن سے شکریہ کا خط لکھنا چاہتا تھا۔ آج توفیق ہوئی۔ اس طباعت کی گرانی کے زمانہ میں آپ نے بڑی ہمت کا کام شروع کیا ہے۔ آپ کے رسالوں میں میری دلچسپی کی چیز مولانا فضل حق و عبد الحق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہما کے حالات تھے۔ میرے تعلیمی خانوادہ کے یہ اکابر ہیں البتہ جن صاحب نے لکھا ہے ان سے واقف نہیں ہوں ...... تو خیال گزرا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر نے اس خیر آبادی خاندان کے "چراغ سحر" حضرت مولانا برکات احمد کے حالات مجھ سے لکھوا کر معارف اعظم گڈھ میں شائع فرمانے کی صورت نکال دی تھی۔ میرے اس مضمون کو بھی جدا گانہ ان ہی بزرگوں کی سوانح عمریوں کے طریقہ سے آپ کیوں نہ شائع کرا دیں ارشاد ہو تو میں معارف سے نکال کر اس کو بھیج دوں یا آپ کے پاس معارف کی پرانی جلدیں ہوں، یا کسی اور صاحب کے پاس مل جائیں تو ان سے بھی نکال کر اس کو شائع کرا سکتے ہیں، اگر خواہش ہو۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ پرسوں علیگڈھ سے پھر ایک صاحب کا خط آیا ہے کہ وہاں پہنچ کر میں تقریر کروں۔ ان کا خط مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ غالباً "قادری" کی نسبت اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں۔ یہ کیا وہی قصہ ہے جس میں مجھے بلایا گیا تھا یا کوئی دوسری چیز ہے اور آنے کی صورت کیا ہو گی؟ حیدر آباد سے علی گڈھ کے آمد و رفت کا مسئلہ مصارف کے لحاظ سے بھی قابل غور ہے۔ بہر حال اگر آپ کو کچھ اس کا علم ہو تو مطلع فرمایئے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ۹ ؍جولائی ۱۹۴۲ء

بنام ڈاکٹر زور

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرِ محترم ڈاکٹر زور صاحب سلمکم اللہ تعالےٰ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'۔ میرے چھوٹے بھائی برادرم مظہر احسن گیلانی سلمہ اللہ تعالیٰ جو خوش قسمتی سے آپ ہی کے زیر سایہ کام کر رہے ہیں موسم گرما کی تعطیل میں جب یہاں آئے تو آپ کی علمی سرگرمیوں کا بھی تذکرہ کرتے رہے اور یہ بھی کہ چلتے ہوئے اس دور افتادہ ناکارہ کو آپ نے یاد فرمایا ہے۔ دیر تک جامعہ عثمانیہ کی پرانی صحبتوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ اللہ اللہ وہ بیتے ہوئے دن افضل حسین صاحب[1] کے بنگلے[2] میں کالج کا افتتاح۔ آپ جیسے ہونہار فرزندانِ دکن کا اس میں داخلہ اور اس کے بعد تیس سال تک جو کچھ دیکھتا رہا تھا اچانک حافظہ میں ساری باتیں کروٹیں لینے لگیں۔ حالانکہ زیادہ تو اب آنے والے دنوں کا خیال سامنے رہتا ہے جن میں بہر حال اس خاکی دنیا سے رشتہ توڑ لینے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ لیکن کچھ دیر کے لئے مستقبل کی جگہ ماضی نے لے لی۔ یاد کرتا رہا' ان ساری باتوں کو یاد کرتا رہا جو یاد آسکتی تھیں۔ باتیں جن میں خندہ کے ساتھ گریہ بھی شریک ہے۔ گذر گئے وہ دن اور گذر جائیں گے یہ دن بھی جو اب گذر رہے ہیں۔ "کل یوم ھو فی شان"۔ مظہر سلمہٗ نے آپ کی جدید الاشاعت دو کتابوں[3] کا بھی ذکر کیا تھا۔ میں نے اپنے کسی خط میں ان کتابوں کے مطالعہ کی تمنا کا اظہار کیا تھا۔ آپ تک میری اس آرزو کو مظہر سلمہٗ پہنچائیں گے اور اتنی اہمیت آپ اس کو دیں گے کہ سننے کے ساتھ دونوں کتابیں ارسال فرمادیں گے۔ میں اس کی توقع نہیں کرتا تھا لیکن کل آپ کا مرسلہ پارسل ملا۔ امتنان و تشکر کے آنسوؤں سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اب بھی اس فقیر کی یاد یارانِ دکن کے دلوں میں باقی ہے اس کا خیال آیا۔ دیر تک متاثر رہا۔ پارسل کو کھولنے کے ساتھ بیک نشست دونوں ہی کتابوں کو پڑھ گیا۔ دل کے زخم ہرے ہو گئے آپ نے خوب ہی تیر و نشتر تیار کئے ہیں۔

ایک لہلہے ہرے بھرے چمن کو لوگ کیوں اجاڑنا چاہتے ہیں۔ دکن میں بھی اتنا تھا کہ بار و احمد نگر، بیجاپور، ایلچ پور، حیدر آباد کو کیوں بنانا چاہتے ہو۔ اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں اجاڑتے ہو۔ خداوند رحیم لوگوں کی سمجھ درست کرے۔ چند ذہنی اور فکری احساسات کے اختلاف کو اتنا اہم بنادیا سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اس کو کب سمجھیں گے۔ افکار و احساسات میں یکسانی بجز وجہ تو دو حقیقی ماں جائے بھائیوں میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ دین کا اختلاف یا مذہب کا اختلاف چند ذہنی تاثرات کے سوا اور بھی کچھ ہے۔ آخر دنیا اس راز کو کب پائے گی۔ بھیڑوں اور بکریوں، شیروں اور لومڑیوں میں تو واقعی اختلافات ہوتے ہیں لیکن عیسائی، مسلمان، ہندو، یہودی کسی معنی میں بھی ان سبھوں میں کوئی ایسی ٹھوس خارجی بنیادیں اختلافات کی پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہ نہیں ہیں۔ سب ہی تو آدمی ہیں۔ وہی دو کان، دو ٹانگیں، دو آنکھیں، اندر باہر سب کچھ سب ہی میں تو مشترک ہے۔ کیوں نہیں انکار و خیالات کے اختلافات کے ساتھ ہم مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذارسکتے اور کوئی ایسی زندگی چاہے بھی تو آسمان کے نیچے زمین کے اوپر کہیں اس کو ایسی زندگی میسر آسکتی ہے جو احساس و افکار کے اعتبار سے قطعاً سپاٹ ہو، نشیب و فراز اس میں نہ ہو۔

---

[1] لکچرار معاشیات چادر گھاٹ کالج [2] اس بنگلہ کی جگہ اب حیدر آباد اسٹیٹ بنک کی عالی شان عمارت بنی ہے۔

[3] 'داستان ادب حیدر آباد' اور 'حیدر آباد فرخندہ بنیاد'

آپ کے تمہیدی کلمات سے دل بہت متاثر ہوا۔ قنوط اور یاس ابلیسی خاصیت ہے۔ ابلیس کو ابلیس کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ ناامید ہے۔ اپنے پیدا کرنے والے خالق کے متعلق یقین رکھنا چاہئے کہ وہ ارحم الراحمین ہیں۔ حسن ظن خدا کے ساتھ رکھنا بھی رجائیت ہے۔ رجائیت کے رجحانات بھی آپ کی کتابوں کی جان ہیں۔ آج پر کل کو کیوں قیاس کیا جائے جب فردا ہمارے سامنے دیروزہ سے مختلف حالات کو لا سکتا ہے۔ تو اس فردا کے نتیجے جو فردے پوشیدہ ہیں ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کن حالات کو ہمارے یا ہماری آئندہ نسلوں کے آگے لائیں گے۔

لاحول ولا قوۃ قلم بہکا چلا جا رہا ہے۔ اٹھایا تو تھا کہ آپ کی اس نوازش نو کا شکریہ پیش کروں لیکن جنون میں خدا جانے کیا کیا بکتا چلا گیا۔ آپ کام کئے جائیے اور امیدوں کی امنگوں سے معمور ہو کر کئے جائیے۔ آپ کا یہ نیاز مند اگرچہ بوڑھا اور از کار رفتہ ہو چکا ہے زبان تو بند ہو چکی ہے قلم ابھی کچھ ساتھ دے رہا ہے۔ جو کچھ ممکن ہے کرتا ہی رہتا ہوں۔ اپنے عزیزوں اور عنایت فرماؤں کو بھی اسی کی تاکید کرتا ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے ترجمہ جس کا یہ ہے کہ "قیامت ہی کیوں نہ قائم ہو رہی ہو لیکن پودا جو تیرے ہاتھ ہے اس کو نصب کر دے"۔ قیامت اپنا کام کرے ہم اپنے کام کو انجام دیں فقط!

مناظر احسن گیلانی۔ گیلانی (بہار) ۱۸ ستمبر ۱۹۵۳ء

(۲)

بنام مدیر "مدینہ" بجنور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخترمی مدیر صاحب اخبار مدینہ! ایدکم اللہ بروح اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فقیر کے عریضہ کے جواب میں کئی ہفتے ہوئے آپ کا نوازش نامہ مل چکا تھا۔ جواب کی فکر ہی میں تھا کہ مولانا سید سلیمان مرحوم کی مجلس ماتم میں شریک ہونے کے لئے لکھنؤ جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہاں سے واپسی کے دوسرے یا تیسرے دن شب کو میرے مکان میں سرقہ کا ایک شدید حادثہ پیش آیا' چوروں کی کافی تعداد گھر میں گھس گئی اور جو کچھ بھی لے جا سکتی تھی اطمینان کے ساتھ لے کر چمپت ہو گئی۔ ہم لوگ سوتے کے سوتے رہے۔ صبح کو آنکھیں کھلیں تو آنکھیں کھل گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بے چاری عورتوں کے زیور اور لباس کا کوئی حصہ جو لینے کے قابل تھا نہ بچا۔ مات کو چور آئے اور دن کو پولیس کے دھاوے شروع ہوئے۔ شدید دماغی پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا۔ مدتوں سے یہ لطیفہ سنا رہے تھے کہ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کی حکومت الٰہیہ قائم ہو گئی۔ بندوں اور خدا کے درمیان حکومت و کومت کا کوئی واسطہ باقی نہ رہا۔ آج ملک ان ہی حالات سے گذر رہا ہے۔ کوئی دن شاید ہی گذرتا ہے جب چوری' ڈاکہ وغیرہ کی خبریں سننے میں نہیں آتیں۔ حد یہ ہے کہ مجھ جیسے بے نوا کو بھی نشانہ بنا ہی لیا گیا۔ بہرحال میں بہت شرمندہ ہوں کہ مدینہ فقیر کے نام آپ مسلسل بھیج رہے ہیں۔ بدل اشتراک کے لینے پر بھی آمادہ نہیں اور فقیر بھی اپنی کسی خدمت کو اب تک پیش نہ کر سکا۔ آج چند صفحے لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ ایک تو وقتی اور اصلاحی مضمون ہے دوسرا صرف تاریخی اور تیسرا صرف ذہنی۔ لیکن زمانہ کی ضرورتوں ہی سے ان میں ہر ایک کا تعلق ہے۔ ایک ہی دفعہ بھیج دیتا ہوں تاکہ جب جب جیسے جیسے موقع ملے ان کو شائع فرماتے رہئے۔ مدینہ کی سنجیدگی اور متانت سے دل بہت خوش ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ آپ حضرات سے نیاز کے حاصل کرنے کا موقع نہیں۔ پیرانہ سالی میں سیر و سفر کا مسئلہ میرے لئے کافی دشوار ہو گیا ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی۔ گیلانی (بہار) یکم فروری ۱۹۵۴ء

(۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنام مدیر "مدینہ"

والاقدر کرم و مخدوم مدیر صاحب "مدینہ" اسعدکم اللہ فی الدارین وایدکم بروح اللہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ اللہ چار ساڑھے چار مہینے کی بے ہوشی یا نیم بے ہوشی کے بعد آپ کا یہ دعاگو مناظر احسن گیلانی، پھر ہوش میں آیا ہے۔ "مدینہ" پر بھی نظر پڑی اور "مدینہ" کے بعد "مدینہ" والے کے نوازش نامہ سے بھی سرفراز ہوا۔ "مدینہ" کو جس حال میں چھوڑ کر غائب ہوا تھا، عجیب بات ہے کہ اسی حال اور اسی روش پر اس کو پایا۔ کاظمی صاحب کا قیمتی مقالہ نہ صرف معلوماتی مقالہ ہے بلکہ ذہنی انقلاب کی کافی ضمانتوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ بستر علالت پر لیٹ جانے سے پہلے دماغ میں جو نقشہ مدینہ کے مقالات کے متعلق تھا، ایک بڑا پہلو ان کا اس مقالہ میں بھی آگیا ہے۔ بڑی دلچسپیوں کے ساتھ کاظمی صاحب کے اس مقالہ کو پڑھ رہا ہوں۔ کیا انگریزی میں کوئی کتاب انہوں نے لکھی ہے یا خاص مدینہ کے لئے اردو ہی میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ بعض فقروں سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی سے غالباً یہ ترجمہ ہوا۔

آپ نے مدینہ میں بھی اور اپنے گرامی نامہ میں اس بہ از کار رفتہ کی قلمی جولانیوں کا تماشہ دیکھنے والوں کو منتظر بتایا ہے۔ دنگل میں یہ بوڑھا کب اترتا ہے، اترتا بھی ہے یا نہیں، ابھی نہیں کہا جاسکتا۔ دواؤں اور پرہیز کی ان سختیوں میں کیا عرض کروں کہ جی کتنا گھبراتا رہتا ہے۔ لیکن کروں کیا؟ ڈاکٹروں کے ہجوم میں ہوں تاہم کوشش کروں گا کہ پہلی فرصت میں قلم اگر اٹھاؤں تو مدینہ ہی کیلئے اٹھاؤں۔ بس دعا فرمایئے کہ ڈاکٹری جکڑبندیوں سے بھی نجات حاصل ہو۔ آپ کی طرف سے جو نوازشیں اس فقیر پر ہوئیں ان کا شکر گذار ہوں۔ ان ہی دنوں میں جب پٹنہ ہسپتال کے آہنی پلنگ پر تڑپ رہا تھا چند مناجاتی مصرعے ایک خاص زبان میں دل و دماغ میں گھومنے لگے۔ خاص زبان سے مطلب یہ ہے کہ اردویت سے زیادہ 'ہندیت' کا رنگ ان پر غالب تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں ہمارے بہار کی دیہاتی اور مقامی بولی کے چند الفاظ بھی شریک ہوگئے ہوں۔ آپ کے ذاتی ملاحظہ کے لئے ان کو نقل کرکے بھیج رہا ہوں۔ اگر مدینہ کے صفحات اس زبان کے متحمل ہوں تو سرچشمہ منظوم حصہ میں کیا اس کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے؟ آپ کا مرثیہ اچھے محمد صاحب مرحوم کا اسی حصہ میں نظر سے جس وقت گذرا اسی زمانہ میں یہ خطرہ دل میں پیدا ہوا۔ اتنی کڑی اور کرخت زمین میں آپ نے طبع آزمائی فرمائی کہ اس کے نباہ لے جانے پر تعجب ہوا۔ "دھیم" کے قوافی کی فراہمی آسان کام نہ تھا لیکن آپ کو کافی الفاظ مل ہی گئے۔ ہمارے دوست حمید صاحب زائر مرحوم کی نعتیہ نظموں کے کیا کہنے۔ ایک ایک مصرع تیر و نشتر سے بھی زیادہ کام کرتے ہیں۔ بہت دنوں سے ان کا نہ کوئی خط ہی آیا ہے اور نہ بےچارے کا حال معلوم ہے۔ جہاں رہیں مست بادۂ الست رہیں۔ موقع ہو تو سلام فقیر کا پہنچا دیجئے گا۔

ہندی آمیز نظموں میں "دھرمی" کے تخلص کو استعمال کرتا ہوں۔ اسی تخلص کی طرف یہ نظم بھی منسوب ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی — گیلانی (بہار) ۵ راگست ۱۹۵۴ء

(۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رابسو صاحب گیلانی

برادر عزیز سلمہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تمہاری خیر و عافیت کے خط کا روز انتظار رہتا ہے اور جب تک مر نہیں جاتا یہ انتظار باقی ہی رہے گا۔ ادھر دو واقعے سمجھو یا حادثے ایسے پیش آئے کہ دل و دماغ پر دونوں کا کافی اثر ہے۔ پہلا قبائلی حادثہ ہے شاید بانیدپور والوں سے اس کی خبر تم تک پہنچ گئی ہوگی۔ وازع الہدیٰ[1] وتجوبے چار سے دس سال بعد وطن مالوف آئے تھے۔ ان کے کلکٹر بھائی[2] کی لڑکی کی شادی مولوی شمس الہدیٰ کے صاحبزادے[3] جمیس کے بھائی اویس سلمہ سے ہونے والی تھی لیکن چند دن بھی گذرنے نہ پائے تھے، شاید ایک ہفتہ بھی نہیں کہ مونگیر قلعہ کی اسی کوٹھی میں ان کا ہارٹ فیل ہوگیا جہاں ان کے بھائی بحیثیت کلکٹر ہونے کے مقیم ہیں۔ ایں عالم محنت است کہ گوئیا۔ جہاں مُردہ۔ سُنا کہ کراچی میں بیس پچیس دن پہلے ان کا لڑکا آٹھ نو سال کی عمر کا مر چکا تھا۔ تم غلط کرنے کے لئے اپنے کنبہ میں آئے تھے۔ لیکن کیا معلوم تھا کہ بانیدپور کی مٹی کھینچ کر بیچارے کو لائی تھی۔

دوسرے حادثہ کا تعلق میری ذات خاص سے ہے۔ میرے ٹونک کے ساتھی شیخ مہتاب المعروف بہ مولانا عبدالرحمن الچشتی الوہابی کی وفات دو دن کی مختصر علالت کے بعد ٹونک میں ہوگئی۔ ہم دونوں سالہا سال تک ساتھ رہے تھے۔ پرانی گذری ہوئی صحبتیں یاد آتی ہیں۔ چشتی بے چارہ اچھا گویا بھی تھا۔ مولانا بن جانے سے پیشتر لہرا لہرا کر گایا کرتے تھے۔ شاید کسی تھیٹر کی سنی ہوئی یہ نظم بہت پسند تھی ؎

موسے پیت لگا کے پیا اب پیت لگانا چھوڑ دیا

ایسے بسے کسی دیس میں جا اب دیس کا آنا چھوڑ دیا

پہلی بیت ہندی کی پڑھ کر آگے بڑھتے ؎

مرنے کی دشمنوں کو ہمارے خوشی نہ ہو

ہاں آبرو نہ جائے، یہ جگ میں ہنسی نہ ہو

آ کے تربت پہ آنسو بہانا رہے

اور خدا جانے کیا کیا پڑھتے۔ آخری بند یہ تھا ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ایسی سُلگی کو آ کر بجھانا رہے

داغ اور امیر کی لمبی لمبی غزلیں خوب یاد تھیں۔ چار پانچ طالب علم ہم لوگ ایک ہی مکان میں رہتے۔ استوار نفس کے لئے

---

[1] محی الدین صاحب سابق شریک معتمد تعلیمات حیدرآباد کے داماد جو حیدرآباد میں محکمۂ اطلاعات کے مددگار ناظم تھے۔

[2] فتح الہدیٰ صاحب کلکٹر مونگیر بہار۔　　[3] لکچرار ریاضی علی گڑھ یونیورسٹی۔

چشتی مرحوم کا گانا اس زمانہ میں دل کو بہلا دیا کرتا تھا۔

اللھم اغفرلہٗ وارحمہٗ

اور بہمہ وجوہ بحمد اللہ ادھر خیریت ہے۔ ڈاکٹر صاحب[1] قبلہ کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے۔ بچوں کو پیار۔

مناظر احسن گیلانی۔ ۴ر جون ۱۹۵۶ء[2]

---

(۶)

بنام مدیر "مدینہ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مدیر صاحب جریدہ اغر "مدینہ" ایدکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جی ہاں! "مدینہ" کا وہ شمارہ جس میں فقیر کا مقالہ "تدبیرما" شائع فرمایا گیا ہے۔ وہ بھی ملا اور اس کے چند دن بعد آپ کا نوازش نامہ بھی باعث ابتہاج ونشاط ہوا۔ آپ نے حادثۂ سرقہ والی خبر شائع فرما دی۔ حوادث کی خبروں کو شائع کرنا اخباری فرض ہے لیکن اس فقیر کے دوستوں، قدر فرماؤں کو آپ نے تشویش میں مبتلا کر دیا۔ ہندو پاکستان کے مختلف حصوں سے خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ لوگ تفصیلات دریافت کرتے ہیں۔ بھلا اس طومار کا جواب یہ فقیر کہاں تک دے؛ اگر شکایت کا پہلو پیدا ہو سکتا ہے تو اسی تجربہ کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ کی نیت بخیر ہی تھی۔ فجزاکم اللہ عن خیر الجزاء۔

کل جو شمارہ ملا ہے اس میں دوسرا "مفتوحہ" (دکن کے قدیم دفاتر میں اصطلاح تھی، نتھی کئے ہوئے کاغذات کو کہتے تھے) یعنی ریویو بچہ والی داستان بھی نظر سے گذری۔ خیال آیا کہ آپ کے خط کا جواب بھی دے دوں اور "تدبیرما" کے عنوان کی دوسری قسط بھی نتھی کر دوں۔

آپ نے اپنے گرامی نامے میں فرمائش کی ہے کہ جمعیت العلماء کے عملی کاروبار کے سلسلے میں مقالات ومضامین "مدینہ" میں جو شائع ہو رہے ہیں ان کے متعلق فقیر بھی اپنے احساسات کو قلمبند کر کے خدمت والا میں ارسال کرے۔ اس میں شک نہیں؛

تو گر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

آپ کے پہلے مقالہ کے اس عنوان ہی پر جھوم گیا تھا، "مدینہ غریب نہ العلماء" کی وکالت وحمایت میں ہر قسم کی رسوائیوں کو اس زمانہ میں برداشت کرتا رہا جب غریب مولویوں کا کوئی پوچھنے والا باقی نہ رہا تھا۔ فقیر کے قلم سے ایک دفعہ ایک فقرہ نکل گیا تھا۔

ڈبوں کے بغیر جمعیت العلماء کا انجن ملک کے طول وعرض میں دوڑ رہا ہے تو بچارے بعض بزرگوں پر یہ فقرہ کافی گراں گذرا تھا۔ بہرحال تو گر حمد کے بعد مدینہ کی طرف "شکوۂ ارباب وفا" بڑی عجیب بات تھی۔ فقیر نے بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کو پڑھا تھا۔ پھر مولانا سید محمد میاں صاحب کے جوابی مقالہ اور جواب در جواب کے سارے قصے نظر سے گذر ہی رہے ہیں۔ کاش! ایک رکاوٹ نہ ہوتی تو آپ کے حکم کی تعمیل میں پس وپیش کرنے کی کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی۔

---

[1] ڈاکٹر محمد عثمان خاں وظیفہ یاب رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ جو حیدرآباد میں مولانا کے پڑوسی تھے۔

[2] یہ مولانا کا آخری خط ہے۔ ۴ر جون کو اپنے بھائی مظہر احسن گیلانی لکچرار چاند گھاٹ کالج کے نام لکھ کر پوسٹ کیا جو ان کے وصال ۵ر جون دس بجے صبح کے بعد ان کے بھائی کو ملا یعنی ۴ر جون کی صبح بذریعہ تار وفات کی اطلاع ملی اور شام کو یہ خط ملا۔

اور وہ رکاوٹ یہ نہیں ہے کہ جمعیت العلماء کے بزرگوں سے نیازمندی کا تعلق رکھتا ہوں بلکہ خود اپنا ذاتی حال سب سے زیادہ مانع ہے۔ آپ شاید واقف ہوں یا نہ واقف ہوں۔ فقیر کے ساتھ ایک عجیب صورت حال پیش آئی۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دن وہاں کی خدمت کا شرف بھی حاصل ہوا، حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ ہی کی نہیں بیعت کی سعادت بھی اس کوربخت کو میسر آئی تھی لیکن تقدیر کے کرشمے تھے کہ "ذاتی شکم پروری" کے قصوں میں اپنی ساری صلاحیتوں کو کھو بیٹھا ہوں نوجوانی ہی کے دنوں میں عثمانیہ یونیورسٹی کے احاطہ میں داخل کر دیا گیا اور کام کرنے کا جو زمانہ تھا، دکن کی پہاڑیوں میں وہی زمانہ میرا بسر پھوڑنے میں گذر گیا۔ آپ ہی بتائیں کہ مجھ جیسے نافرض شناس انسان کے اندر اس کی جرأت کیسے پیدا ہو سکتی ہے جس نے کچھ نہیں کیا وہی ان لوگوں پر زبان کیسے کھول سکتا ہے جنہوں نے سب کچھ نہیں تو بہت کچھ کیا اور کچھ نہ کچھ اب بھی اپنی حد تک کرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ یہ داستان درد کی کافی طویل ہے۔ مختصراً عرض کرنے کے بعد امیدوار ہوں کہ اس راہ میں میری معذوری کا اندازہ آپ فرمائیں گے۔ اس "تدبیر ما" کے عنوان کے تحت مجھے ابھی کچھ اور باتیں بھی عرض کرنی ہیں۔ ممکن ہے ذیلاً اس کے اندر اپنے نقطۂ نظر کا ذکر بھی آجائے۔ سردست اس مسئلہ میں فقیر کو نہ الجھائیے تو اس پر بڑا احسان ہوگا۔

ہاں ایک بات اور بھی عرض کرنی ہے۔ فقیر کے مضامین یا "منفوظات" کے متعلق ایک بچھڑا خیال بحیثیت مدیر آپ کو رکھنا چاہئے بلکہ حالات کے اقتضاؤں کو دیکھ کر آپ کو ترمیم کل و اصلاح کا بھی اختیار ہے یا سرے سے کوئی مضمون ناقابل اشاعت محسوس ہو تو ہرگز شائع نہ فرمایئے۔ میں ایک دیہات میں عزلت گزیں ہوں۔ باہر کے ماحول کے تخمینہ میں غلطی ہو جائے تو کچھ بعید نہیں۔ وہی مضمون جو "لحم بقرہ" کے متعلق ترجمہ کر کے فقیر نے بھیجا ہے۔ نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ حالات میں اس کا شائع کرنا مفید ہوگا یا مضر، میں نے تو صرف اس لئے ترجمہ کر دیا کہ مسلمانوں کے متعلق غیروں میں کچھ اس قسم کا خیال پھیل گیا ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے "لحم بقرہ" کا استعمال شاید ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرے پہلوؤں کا خیال بھی کرنا چاہئے۔ کسی وجہ سے اور کسی عنوان سے اس ترجمہ کا شائع کرنا قرین مصلحت نظر آئے تو میری یہ التجا قبول فرمائی جائے کہ مترجم کے نام کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک مطبوعہ کتاب کی عربی عبارتوں کا ترجمہ ہے۔ "عنوان تراشی" میں آپ کی مہارت کا لوہا دل نے مان لیا۔ یہی بات بھی ہے کہ عنوان سے مضمون کی قیمت پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

اور کیا عرض کروں، ممکن ہو تو فرصت سے فقیر کے اس نیاز نامے کا جواب عطا فرمایئے۔

مولوی محمد حسین صاحب اور مولانا ابن کامل صاحب سے سلام فرما دیجئے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۷)

العزیز الاخ المحترم الدکتور زور صدر شعبۃ الاردویہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں ایک ضرورت سے بھی چاہتا ہوں کہ چند منٹ کے لئے آپ سے ملوں۔ نیز ذرا یہ بھی سوچ رکھئے کہ دکن کے علاوہ سلطنت تا بو بھنیا و طوائف الملوک دونوں عہد میں جو پائے جاتے تھے ان کا اور ان کی

خدمات کا سُراغ کن کن کتابوں میں مل سکتا ہے۔ دکنیات میں آپ کی نظر وسیع ہے۔ یہ بتائیے کہ آج کل کالج میں کس وقت آپ سے ملوں۔

نیاز مند: مناظر احسن گیلانی

(۸)

بنام ڈاکٹر زور

برادر محترم ڈاکٹر زور صاحب دام لطفہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ غالباً آپ کو اطلاع ہو چکی ہوگی کہ بارگاہِ خسروی سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی امداد میں تین سو ماہوار کا اضافہ منظور ہو گیا۔ ہم رہروان ندوہ کی مسرت کا باعث ہے۔ سید سلیمان صاحب اور ان کے رفقاء آپ کا بدل شکر گزار ہیں۔ جو مہینہ کی بھی ابتداء سے موجودہ رقم دارالعلوم کی امداد جو آپ نے براہِ مہربانی منظور فرمائی تھی کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ سید صاحب تک اسے اب پہنچا دی جائے۔

مناظر احسن گیلانی

(۹)

بنام ڈاکٹر زور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر عزیز محترم ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صاحب صدر کلیہ دارالعلوم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عریضہ نیاز کہ آپ کی خدمت میں ایک حاجت مند مسلمان پیش کریں گے۔ آپ سے ایک سفارشی چٹھی کے آرزومند ہیں۔ براہِ راست آپ سے چونکہ ان کا تعارف نہیں ہے اس لئے خاکسار کو آپ تک رسائی کا وسیلہ بنا رہے ہیں۔ اگر کسی قسم کا مضائقہ محسوس نہ ہو تو چند کلماتِ خیر سے ایک ضرورت مند کی امداد سے انشاء اللہ آپ دریغ نہ فرمائیں گے اور امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

نیاز کیش و دعاگو: مناظر احسن گیلانی

(۱۰)

بنام ڈاکٹر زور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و مخدوم ڈاکٹر زور صاحب پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حاملِ ہٰذا میرے شعبہ کے طالب علم ہیں۔ سال چہارم میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اس سے تو آپ واقف ہی ہوں گے کہ ہمارے شعبۂ دینیات کے طلبہ کا دو مضمون (انگریزی ادب و عربی ادب) تو وہی ہوتا ہے جو فنون کے طلبہ کا نصاب ہے۔ صرف ایک مضمون (حدیث و تفسیر و کلام) اختیاری اور ایک لازمی فقہ کا مضمون۔ یہ دینیات کے مضامین ان کے ہوتے ہیں۔ اس لئے گویا یہ فنون اور دینیات کے جامع ہوتے ہیں۔ لیکن دینیات کا لفظ ان غریبوں کے ساتھ ایسا لگ گیا ہے کہ جس جگہ میں بھی یہ درخواست دیتے ہیں ناواقفیت کی وجہ سے لوگ ملا سمجھ کر ان کو ٹال دیتے ہیں۔ گویا ملا کوئی ہو نادار کی

یہ مسند لے کر آدمی ملا ہو۔ مگر یہ ملا ہیں مرکب۔ لیکن ؎

یوسف کو کبڑے بیٹھے ہیں محشر میں دادخواہ
اک کھلبلی مچی ہے ترے اشتباہ میں

یہ بچہ جو آپ کے پاس جا رہا ہے بڑا غریب آدمی ہے۔ میں ان کے والد سے بھی واقف ہوں۔ بڑی پریشانیوں سے بی۔ اے تک پہنچا ہے۔ محکمۂ آبکاری میں کچھ عہدوں کی جائیدادیں تقرر طلب ہیں میں تو جانتا نہ تھا ان ہی سے معلوم ہوا کہ کمشنر آبکاری بہار[1] اور آپ کے درمیان بیچ میں ہوئے تعلم ہوئے اور برابر ہوئے، واللہ اعلم۔ اگر ایسی بات ہے تو یقیناً دونوں کے مراسم ہم زلفی بھی ہو گئے۔ کیا چند کلمات خیر سے اس غریب بے وسیلہ آدمی کی آپ امداد فرما کر اجر دارین حاصل کریں گے؟ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۱۱)

انوار اعظم[2]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم مولوی سید انوار اعظم سلمہٗ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ کی ناسازیٔ مزاج کے ساتھ امتحان کی کامیابی کا حال بھی معلوم ہوتا رہا۔ آنے جانے والوں سے بھی پوچھتا رہا۔ مسرت ہوئی کہ اب آپ اچھے ہیں معلوم نہیں تقریری امتحان جو ہونے والا تھا وہ مرحلہ بھی گذر چکا یا نہیں۔ اس وقت آپ کی خدمت میں اپنے ایک عزیز حیدر آبادی دوست مولوی ڈاکٹر یوسف الدین صاحب پی ایچ ڈی کو بھیج رہا ہوں۔ یہ بیچارے اس فقیر سے ملنے کے لئے حیدر آباد سے گیلان آئے۔ تقریباً ایک ہفتہ قیام کرکے اب حیدر آباد واپس جا رہے ہیں جہاں عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ یہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے مصنف ہیں اور حد سے زیادہ علمی ذوق رکھتے ہیں۔ بہار آ کر کسی علمی مذاق والے آدمی کا خدا بخش خان مرحوم کی لائبریری دیکھے بغیر جانا کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ آں برادر گویا آجکل لائبریری کے صحن ہی میں مقیم ہیں[3] آپ ان سے مل کر انشاء اللہ بہت خوش ہوں گے۔ حد سے زیادہ شریف الطبیعت کے مالک ہیں۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ مجھ دہقانی سے ملنے کے لئے اتنا طویل و عریض سفر انہوں نے اختیار کیا۔ امید ہے کہ آپ کی وجہ سے ان کو پٹنہ میں کافی سہولت میسر آئے گی۔

پھلواری شریف کی حاضری کا موقع اگر مل جائے تو اس میں بھی امید ہے آپ ان کی مدد فرمائیں گے۔

اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے گیلانی کے ہونے والے تقریبات بخیر و خوبی انجام پا گئے۔ اگرچہ فقیر ان ہونوں کی لذتوں سے محروم ہی رہا۔ ادھر طبیعت میں پھر کچھ گڑبڑ سی پیدا ہو گئی۔ دیکھو! زندگی کی اس کشمکش سے کب نجات ملتی ہے۔

---

[1] ...العابدین صاحب ایم ۔ ایس۔ سی۔ ناظم آبکاری میرے رشتہ کے بھائی تھے۔ ان کی دختر میرے سالے نواب ناصر الدین احمد صاحب سے ...ہے۔ مولانا کو اسی لئے شبہ ہوا کہ شاید وہ میرے ہم زلف ہیں۔

[2] ...ایک عزیز جو آجکل سینٹ کولمبا کالج ہزاری باغ (بہار) میں فارسی کے لکچرار ہیں۔

دس پندرہ دن سے محی الدین سلمہ[1] کا بھی کوئی خط وغیرہ نہیں آیا ہے۔ شاید تمہارے پاس آیا ہو تو اطلاع دیجیو۔ سکندر[2] سلمہ ڈھاکہ لوٹ چلے گئے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۱۲)

بنام مولانا محمد عون صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبدۃ الکلام العبرہ مولانا محمد عون صاحب انصر کم اللہ فی الدارین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ! امید کہ آپ لوگ بعافیت ہوں گے۔ فقیر کی ناسازیٔ مزاج کا حال وہی ہے جس سے مطلع کر چکا ہوں۔

اس وقت آپ کی خدمت میں اپنے ایک حیدرآبادی عزیز اور دوست ڈاکٹر یوسف الدین صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر جامعہ عثمانیہ کو پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔ ان ہی کے ذریعہ سے "الحاوی" کے متعلق فقیر نے دریافت کیا تھا۔ جواب میں دائرۃ المعارف کے ناظم صاحب کی طرف سے الحاوی کے حصہ اولیٰ مطبوعہ کو لائے ہیں جنہیں بھیج رہا ہوں۔ مولانا شہاب الدین صاحب دیکھ کر خوش ہوں گے کہ ان کی کتاب بھی نہیں کہ ضائع نہیں ہوئی ہے بلکہ اس سے کام لیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مناسب ہوگا، ہمارے ڈاکٹر یوسف الدین صاحب کو واسطہ سفیری بنا لیجئے انشاء اللہ ان کی کوشش بار آور ہوگی۔ اپنے اعمام اور اولوالعظمت محترم کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے۔ ثقافت لاہور سے پرچہ نکل رہا ہے۔ جعفر میاں اس کے بھی سرپرست ہیں کیا انہوں نے "اجتہاد مطلق" کے دروازے کو اپنے لئے وا فرمالیا ہے!

حضرت سجادہ صاحب کی خدمت میں سلام اور طلب دعا کی درخواست ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

(۱۳)

بنام جناب پروفیسر شیو موہن لعل صاحب ماتھر[3]

کرم فرمائے فقیر جناب پروفیسر شیو موہن لعل صاحب!

پرسوں خاکسار کتب خانہ میں ایک ایسی کتاب سے مسرور ہوا کہ زندگی کی چند خاص مسرتوں میں اس کو شمار کروں گا یعنی آپ کی زیر تحریر کتاب "تاریخ فلسفہ ہندی" کی جلدوں پر نظر پڑی ایک ہیجان جس کے شوق سے ایک زمانہ سے تڑپ رہا تھا۔ گو اس سلسلہ میں بعض کتابیں میرے مطالعہ سے گذر چکی تھیں لیکن آپ کی کتاب کی بات ہی اور تھی۔ اسی وقت لایا اور کل جمعہ کا سارا دن اس سے پہلے کی رات الغرض سارا وقت جو بھی مل سکا اسی کتاب کے مطالعہ میں صرف ہوا۔ پہلی جلد قریب قریب ختم کر چکا ہوں میں آپ کو ایک

---

[1] مولانا کے صاحبزادے سید محی الدین احسن گیلانی بی۔ اے۔ ایس افسر واہ چھاؤنی / واہ راولپنڈی۔

[2] مکتوب الیہ کے منجھلے بھائی سید سکندر اعظم گیلانی ایم۔ اے (ڈھاکہ)

[3] جامعہ عثمانیہ میں فلسفہ کے استاد تھے۔ اب وظیفہ پر علیحدہ ہو چکے ہیں۔

کامیاب ترجمہ میں کامیاب ہونے کی مبارکباد دیتا ہوں۔ کامیابی کی سب سے بڑی دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ مجھ جیسا ناواقف نماطِق بھی اس کی لذت میں ایسا ڈوب گیا کہ پھر ہوش و حواس کی خبر نہ رہی۔ اگرچہ اس میں شاید کچھ دخل میرے اس دماغی عارضہ کو بھی ہو جس میں مدت تک مبتلا رہا۔ فلسفہ کا ڈسا ہوا آدمی ہوں حالانکہ جی اکتا چکا ہے لیکن پھر اسی قسم کی باتیں کوئی کرنے لگتا ہے تو جیتے ہوئے دن یاد آجاتے ہیں۔ بہرحال میں آپ کا ممنون ہوں کہ زبان کے حجاب کو اٹھا کر "ہندی فلسفہ کے صحیح خط و خال کو آپ نے میرے سامنے نمایاں کر دیا۔ ابھی دو جلدیں باقی ہیں ان کو بھی انشاء اللہ پڑھوں گا۔

اس سلسلہ میں ایک بات عرض کرنی ہے آپ کو کچھ بھی فرصت اگر مل جائے تو بڑی مہربانی ہو گی اگر میرے ان دو سوالوں کا جواب عنایت فرمائیں:

(۱) شری شنکر آچاریہ کے دادا "استاد گوڑپاد" کا وطن کہاں تھا اور تعلیم انہوں نے کہاں پائی تھی۔ اس کتاب سے اس کا پتہ نہ چلا البتہ شنکر کے استاذ گووند کے متعلق اتنا لکھا ہے کہ نربدا ندی کے کنارے کسی غار میں رہتے تھے۔

بہرحال مجھے گوڑپاد کے حالات کی جستجو ہے کیا ان کے متعلق کچھ معلومات آپ فراہم فرما سکتے ہیں؟
گپتا صاحب نے چند مقصوں پر اس کو دہرایا ہے کہ لوگوں کو گوڑپاد پر بودھسٹ ہونے کا شبہ تھا۔

(۲) شری شنکر آچاریہ کی شرح گوڑپاد کی کاریکا کے خاتمہ سے گپتا صاحب نے ایک عبارت نقل کی ہے
"وہ اپنے بڑے گرو کے قدموں پہ سر رکھ کر اس کی تعریف کرتا ہے جو اس کی تعریف و توصیف کا مستحق ہے جس نے دیکھا۔
دوبارہ پیدائش کے مگرمچھوں کے خوف سے لوگ سمندر میں ڈوب رہے ہیں۔" (ص ۔۔۔)

گپتا صاحب نے حاشیہ میں گوڑپاد کاریکا بھاشیہ آنند آشرم اڈیشن صفحہ ۲۱۴ کا حوالہ دیا ہے۔ جناب کیا اتنی تکلیف میری طرف سے فرما سکتے ہیں کہ خود سنسکرت میں ان خط کشیدہ الفاظ کی تعبیر کن لفظوں سے کی گئی ہے اور ان اصلی الفاظ کی تفسیر میں کچھ اور پہلو بھی لغت کی مدد سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ میری سمجھ میں "پیدائش" کا مفہوم واضح شکلوں میں نہیں آیا۔ "پیدائش" سنسکرت کے کس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ بظاہر اشارہ "اواگون" کے چکر کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ سنسکرت کے الفاظ میں اور گنجائش بھی کیا نکل سکتی ہیں۔

بہرحال میں آپ کی عدیم الفرصتی سے واقف ہوں۔ نیز اس کی بھی توقع پوری نہیں کہ گوڑپاد کی کتاب کی یہ شرح اصل سنسکرت زبان میں حیدرآباد میں مل بھی سکتی ہے یا نہیں؟ کیا جامعہ میں اس کا نسخہ نہیں منگایا گیا ہے۔ یہ کتاب تو چھپی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

آپ کا بے حد ممنون و دعاگو: مناظر احسن گیلانی

(۱۴)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مکرم و مخدوم ہاشمی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ تقریباً ایک مہینے سے آپ کی تقریر مطبوعہ "دارالعلوم" کے حالات پر جو چھپ چکی ہے۔ تلاش کر رہا ہوں باوجودیکہ خود میرے پاس تھی اور کئی کتابوں کے ساتھ میں نے اس کو مجلد بھی کرا لیا تھا۔ لیکن پوری کتاب ہی کوئی

صاحب لے گئے۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں بھی نہیں ملی۔ مجبوراً آپ کو لکھ رہا ہوں۔ اگر اس کا کوئی نسخہ آپ کے پاس موجود ہو، زائد ہو تو ہدیۃً اور زائد نہ ہو تو چند دن کے لئے عاریۃً بھیج دیجئے۔ بھیجنے کی شکل یہ آسان ہو گی۔ آپ کے اردگرد یا آپ کے خاندان کے بچوں میں کوئی لڑکا جامعہ میں پڑھتے ہوں گے۔ ان کے حوالہ کر دیجئے مجھے اس کی سخت ضرورت پیش آگئی ہے جس طرح ممکن ہو کسی طرح اس تقریر کو مجھ تک پہنچانے کی کوشش کر کے مجھے مرہون منت فرمائیے۔ فقط!

نیازمند قدیم: مناظر احسن گیلانی

(۱۵)

بنام نصیر الدین ہاشمی

مخدوم و محترم!

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ سے فقیر نے تو صرف یہ دریافت کیا تھا کہ آپ کی یہ کتاب کہاں ملے گی، تاکہ جامعہ کے کتب خانے کے لئے اور ۱ کے لئے دو نسخوں کا آرڈر دے دوں۔ اگر اس کی طباعت کا مجھے پہلے علم ہو جاتا تو خواہ اور کوئی قدر کرے یا نہ کرے خاکسار آپ کی علمی دیدہ ریزیوں کا صرف قدر دان ہی نہیں ہے بلکہ آپ کو ان چند مخصوص مصنفین میں خیال کرتا ہے جو خاموشی کے ساتھ مفید اور پرمواد کتابوں کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آپ کے احسانات سے اردو زبان سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ دکن کی اردو کے آپ ہی ابوالآباء یا پیرو مرشد ہیں۔ گو بعد کو لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن...... کا اجر آپ ہی کے لئے مختص رہے گا۔ اردو زبان کی تاریخ کا لکھنے والا آپ کی محنتوں کے ثمرات اور نتائج سے بے نیاز ہو کر میں تو نہیں سمجھتا کہ اپنی کتاب کو صحیح معنوں میں مکمل کر سکتا ہے۔ اب آپ نے "دکن کے علم" کی طرف توجہ کی۔ — تجربہ آپ کو ہوا ہو گا کہ یہ کتنا دشوار کام ہے۔ مجھ سے بعض لوگوں نے شکایت کی کہ اپنی کتاب میں دکن کے لئے تو نے بہت کم جگہ رکھی۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ سوچ کر کے اور پہلے سے ارادہ کر کے یہ کتاب لکھی ہی نہیں گئی اچانک ٹپک پڑی۔ میں نے دیباچے میں جو لکھا ہے کہ اکیس بائیس دن کی محنت ہے۔ یہ شاعری نہیں واقعہ ہے۔ اس پر بھی ابتداء سے آخر تک دکن کے ساحل کو میری کتاب مسلسل چومتی چلی گئی ہے۔ میں نے اس کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ سب سے پہلا دارالحدیث ہندوستان میں دکن ہی میں قائم ہوا۔ سب سے پہلے علم حدیث کی سرپرستی شاہان بہمنیہ ہی نے کی۔ افضل الدولہ بہادر، مولانا عبدالنبی احمد نگری، مولانا انوار اللہ خان وغیرہ کے متعلق تو مجھے بعض ایسی باتیں ملیں کہ اگر وہ نہ ملتیں تو میرا دعویٰ دلیل ہی سے مفلس رہ جاتا۔

آپ محنت کئے چلے جائیے۔ پچھلی نسلوں کے قلب میں گذشتہ نسلوں کی بے وقعتی کا بیج شعوری غیر شعوری طور پر موجودہ طریقہ تعلیم نے بو دیا ہے۔ میں اس کو صرف علمی ہی نہیں بلکہ دینی کام سمجھتا ہوں۔ اگر اس غلط جذبہ کا واقعات کی روشنی میں ازالہ کیا جائے۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی تائید روح القدس سے فرمائے۔ مقصد ہمیشہ اپنے سامنے ایسا رکھئے جس کے نتائج دنیا سے زیادہ آخرت میں آپ کے سامنے آئیں۔

نیازمند:

مناظر احسن گیلانی

(۱۶)

بنام نصیر الدین ہاشمی

ذرہ نواز! التحیۃ والسلام! جزاکم اللہ عنا خیر بخیر۔

ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ ہر عمل کرنے کے لئے بھی ضرورت ہے کہ احسان کی قوت ہو۔ جس کے پاس کچھ نہیں ہے صرف اسی سے جس کے پاس سب کچھ ہے عوض کر سکتا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی کوششوں کو بار آور فرمائے جس دوسری کتاب کا آپ نے حوالہ دیا ہے میں نے غالباً اس کے قلمی مسودے کا مطالعہ کسی صاحب کے دکھانے سے کیا تھا مگر اس کا علم نہ تھا کہ کتاب طبع ہو گئی ہے معلوم نہیں کہاں ملتی ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں خدا جانے اس کا کوئی نسخہ آیا ہے یا نہیں آیا ہے۔ اگر آ گیا تو دیکھ لوں گا ورنہ آپ سے دریافت کر کے دو نسخے منگواؤں گا۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

آپ کی نظر سے خاکسار کی کتاب "تعلیم و تربیت" گذری ہے یا نہیں۔ افسوس ہے کہ اس کا کوئی زائد نسخہ میرے پاس نہیں ہے۔ صرف ایک نسخہ جسے اشاعت ثانی کے لئے تیار کر رہا ہوں۔ دلی سے منگواتا ہوں بھیج دوں گا۔ انشاء اللہ آئندہ اڈیشن میں آپ کی کتاب سے معلومات کا اضافہ اس میں کروں گا۔ جنوبی ہند کی چیزیں اس وقت بہت کم ملیں لیکن کچھ چیزوں کا ذکر اس میں کیا گیا ہے۔ فقط!

مناظر احسن گیلانی

سجاد حیدر یلدرم

بنام جلیل قدوائی

ڈیر جلیل

ابھی خواجہ سرور آئے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ کل موٹر سے لکھنؤ جانے کا وعدہ کر لیا ہے۔ لیکن سوچتا ہوں وہاں سے واپس آکر دوسرے ہی دن مجھے اکیڈمی کے جلسے میں الٰہ آباد بھی جانا ہے اور اتنی بڑی مسافت میرے لئے ما فوق التکلیف ہو جائے گی۔ آپ ان سے کہئے کہ اگر اس سفر میں مجھے ہمراہ نہ لے چلیں تو حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی!

خاکسار: سجاد

(۲)

بنام جلیل قدوائی

ڈیر جلیل۔ سلام مسنون!

آپ سے رخصت ہو کر بخیریت ہردوائی پہونچا:

"پھر وہی کنج قفس اور وہی صیاد کا گھر"

اب کی کا سفر علی گڑھ "نون تیل لکڑی" کی نذر ہو گیا اور کسی سے نہ مل سکا۔ جب یہاں سے چلا تھا یہ سوچ کر چلا تھا کہ اور کسی سے ملوں یا نہ ملوں۔ آپ سے ضرور ملوں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ آرزو پوری ہوئی اور آپ نے اس قدر مہربانی فرمائی کہ مسز جلیل سے بھی مجھے ملا دیا۔ میں ان کی صفات و اخلاق کا بہت اچھا اثر لے کر آیا ہوں۔ خدا کرے آپ کی توقعات ان سے پوری ہوں۔ علی گڑھ میں مسز سجاد سے اکثر آپ کی نسبت گفتگو رہتی تھی اور باوجودیکہ وہ آپ کے بعض دوستوں کے سامنے آتی تھیں وہ آپ کے سامنے اس خیال سے نہیں آتیں کہ آپ بے پردگی کو معیوب سمجھیں گے مگر افسوس آپ نے اس نظریہ کو اس وقت غلط ثابت کیا جب مسز سجاد علی گڑھ میں نہیں ہیں۔ مسز جلیل کو میرا سلام اور اس سے زیادہ دعائیں کہیئے۔

رہا آپ احباب کی یہ کوشش کہ مجھے علی گڑھ دوبارہ بلائیں مجھے اس کی کامیابی میں شبہ ہے۔ خداوندان یونیورسٹی
ع ملاتے ہیں اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے۔

آپ کا چاہنے والا: سجاد۔ ہردوئی۔ ستمبر ۲۹ء

(۳)

<u>بنام جلیل قدوائی</u>

ڈیر جلیل

یہ تو آپ سن ہی چکے ہوں گے کہ میں نے پھر ہندوستان چھوڑ دیا۔ اور پورٹ بلیئر میں ہوں کے لئے جلاوطنی اختیار کر لی۔ یہاں فرصت ہے اور تنہائی۔ اس لئے کبھی کبھی شعر بھی کہہ لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں پہنچ کر جو کچھ لکھا ہے اس میں سے کچھ پیش کرتا ہوں۔

قید خود اختیاری

ہوں مبارک دوستو دنیا کی تم کو وسعتیں!
میری قسمت میں فقط ایک تنگ زنداں رہ گیا
ہم کو کیا محو خور ہوں محو گل گشت چمن
چل دیئے اہل جنوں خالی بیاباں رہ گیا

انڈمن کا جزیرہ بہت بدنام ہے مگر یہاں عیش بھی ہے۔ کالے آدمیوں کے لئے نہیں جن کی قسمت میں محنت و مشقت کے سوا کچھ نہیں۔ انگریزوں کے لئے۔ ان کی الگ آبادی ہے بنگلے ہیں۔ سبزہ ہے کلب ہے۔ جس میں میمیں اور انگریز ہر طرف نظر آتے ہیں مگر ہندوستانی نہیں۔ ہاں میں اس کلب میں شامل کر لیا گیا ہوں۔ مگر چونکہ نہ ناچنا آتا ہے نہ پینا اُلو کی طرح بیٹھا رہتا ہوں۔ اس پر ایک شعر کہا ہے

واہ کس کے واسطے تو ہو گیا عشرت کدہ
انڈمن کیوں ہند کا منحوس زنداں ہو گیا

میری سستی دیکھئے اب تک یونیورسٹی سے امتحان کا معاوضہ اور سفر خرچ میں نے وصول نہیں کیا اور اب مجھے تاریخیں بھی یاد نہیں۔ میں نے عصمت الٰہی کو لکھا ہے۔ میرا ٹی اے بل اور نیز زبانی امتحان کے معاوضہ کا بل VIVA VOCE EXAMINATON REMUNERATION BILL بنا کر بھیج دیجئے۔ نہایت ممنون ہوں گا۔ ایک میٹنگ اردو ڈپارٹمنٹ کی اٹینڈ ATTEND کی تھی اور دوسری مرتبہ VIVA VOCE کے لئے علی گڑھ گیا تھا۔ تاریخیں وغیرہ آپ وہاں ریکارڈ دیکھ کر معلوم کر لیجئے گا۔

ہاں وہ نظم "آج تو مائل مقصود ہوا خوب ہوا" جو تیدین صاحب کی شادی پر لکھی تھی علی گڑھ میگزین میں چھپی ہے۔ اس کی ایک کاپی مجھے بھجوا دیں۔

نذر سجاد نے "نیرنگ خیال" میں جو کچھ شائع کرایا وہ اضطراری طور پر تھا۔ مجھے شرمندگی کی ضرورت نہیں۔ ہاں بہتر ہوتا اگر وہ نظم چھپنے سے پہلے کسی کو دکھائی گئی ہوتی۔ کم سے کم آپ کو دکھائی گئی ہوتی۔

آپ لوگوں کا خیال اور تذکرہ ہر وقت رہتا ہے۔ اس پر کہا ہے۔

تیدین و سرور و قدوائی کا ذکر و خیال
درد بھی یہ ہو گیا اور یہی درمان ہو گیا

مسز جلیل کی خدمت میں آداب۔

خاکسار : سجاد پورٹ بلیر۔ انڈمان ۲۱-۷-۱۹۳۰ء

(۴)

<u>بنام جلیل قدوائی</u>

مائی ڈیر جلیل

آپ کا محبت نامہ ملا۔ مدت کے بعد آپ کی تحریر دیکھ کر بے حد خوشی حاصل ہوئی۔

میں خود آپ کی موجودہ نوکری سے مطمئن نہیں ہوں۔ مگر آپ کو یہ مد نظر رکھنا چاہیئے کہ یہ نوکری اس اصول پر کی گئی تھی کہ خالی سے بیگار بھلی۔ ظاہر ہے کہ آپ تمام عمر اس نوکری پر بسر نہیں کر سکتے۔ لیکن جو تجویز آپ نے لکھی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ آپ اس پر فوراً عمل پیرا ہو جائیں۔ آپ نے جن ذمہ داریوں کی تفصیل لکھی ہے میری رائے میں وہی آپ کو موجودہ نوکری سے دست بردار ہونے سے روکنے کے لئے کافی ہیں۔ فرض کیا کہ آپ نے موجودہ نوکری چھوڑ کر دو سال میں ایم اے (اردو) کر لیا۔ اس کے بعد کیا یہ یقین ہے کہ آپ کو ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ میں فوراً نوکری مل جائے گی آج کل کی کشمکش کا اندازہ کیجئے تو یہ خیال کرنا کچھ غلط اندازہ نہیں کہ آپ کو از سر نو ہی جدوجہد کرنی ہوگی جو بی اے پاس کرنے کے بعد کرنی پڑی تھی۔ اور پھر نتیجہ متیقن نہیں۔ میری رائے میں آپ موجودہ Appointment کو ہرگز نہ چھوڑیں (میں نہیں کہتا کہ آپ اس پر قانع رہیں) اگر کسی طرح سے یہ ممکن ہو کہ آپ اپنے عہدہ کا کام بھی کرتے رہیں اور بی ٹی میں داخل ہو سکیں تو یہ کیجئے۔ ورنہ تیار ہو کے محنت کر کے ایل ایل بی پاس کیجئے۔ اور نوکریوں کے لئے بھی کوشاں رہیئے اور اگر آپ کسی حال یا مد کسی صورت میں اپنے اس ارادہ سے باز نہیں آ سکتے تو میرے نام دس روپیہ ماہوار لکھ دیجئے۔ بہرحال آپ جولائی میں داخل ہونا چاہتے ہیں اس سے قبل میں ان شاء اللہ واپس آ جاؤں گا اور بالمشافہ آپ سے بحث کروں گا۔

خواجہ تیدین اور خواجہ منظور کے متعلق خوشخبری سن کر دو تین شعر بے ساختہ قلم سے نکل گئے ہیں اور ملفوف ہیں۔ انہیں پہنچا دیجئے گا۔

میری تسلیم مسز جلیل کی خدمت میں عرض کر دیجئے گا۔ مسز سجاد بھی آپ کو اور مسز جلیل کو سلام کہتی ہیں۔

خاکسار: سجاد پورٹ بلیر۔ انڈمان ۹-۲-۱۹۳۱ء

یہ تینوں شعر علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر صاحب کو دے دیجئے گا۔ اگر پسند کریں تو میگزین میں شائع کر دیں۔

سجاد

(۵)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

عنایت نامے کا شکریہ۔ میں یہاں پہنچ تو گیا ہوں مگر ابھی پوری طرح یکسو نہیں ہوا۔ مکان کی بہت دقت ہے۔ ایک بنگلہ ملا جس میں ایک اور صاحب آدھے کے شریک ہیں بلکہ شریک غالب۔

علی گڑھ سے غازی پور اس قدر دور ہے کہ تین دن کی چھٹی سے کم میں علی گڑھ آنا جانا اور وہاں کسی میٹنگ میں شریک ہونا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مجھے خوف ہے کہ کورٹ کی میٹنگ میں بھی شریک نہ ہو سکوں گا۔ اگرچہ میں کوشش کروں گا کہ شریک ہو سکوں۔ اگر کورٹ کی میٹنگ میں شریک ہوا تو دوسرے روز یعنی دو شنبہ کو یہاں نہیں پہنچ سکتا۔

خلیل احمد صاحب مرادآباد کو میں نے اطلاع دے دی تھی کہ اولڈ برائز ڈنر میں بھی نہیں آ سکتا۔ ہاں بچوں کو لئے بلے ٹھکانے ڈاک بنگلے میں پڑا تھا۔ غرض کہ گو ہندوستان آ گیا مگر علی گڑھ سے دور ہی رہا۔

ع آ کے منزل کے قریب وارد منزل نہ ہوئے

بچی کی ولادت کی خبر سے بحد خوشی ہوئی۔ خدا اسے پروان چڑھائے اور آپ اس کی سینکڑوں خوشیاں دیکھیں۔ پر دس روپیہ سے زیادہ نکال سکتا تو بخوشی نکالتا۔ میں بہت جلد Long Furlough Preparatory To ...irement (سبکدوش ہونے سے پیشتر طویل فرلو) لینے والا ہوں۔ غالباً ایک سال کے بعد فرلو لے لوں گا اس وقت تنخواہ آدھی رہ جائے گی۔ ذمہ داریاں یہی قائم رہیں گی۔ میں تو ہندوستان چھوڑ کر قسطنطنیہ جانا چاہتا ہوں۔

خاکسار: سجاد گورکھپور (یو۔پی) ۱۴-۱۱-۳۱ء

(۶)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

آپ کا عنایت نامہ ملا تھا۔ جواب میں تاخیر ہوئی معاف کیجئے۔ میں جس تاریخ سے کہئے آپ کو روپیہ بھیجنا شروع کر دوں۔
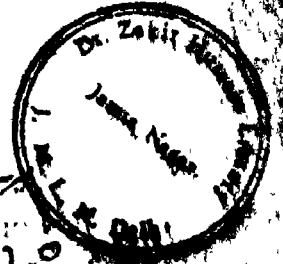
میرے بھائی سید وحید الدین حمید اناؤ میں سول سرجن ہیں۔ امید ہے آپ ان سے ملے ہوں گے۔

خاکسار: سید سجاد حیدر غازی پور ۴-۶-۳۱ء

(۷)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

چونکہ تم نے آپ نے اپنی کامیابی کی خوشخبری کی مجھے اطلاع نہیں دی تھی اس لئے جب مدتوں کے بعد آپ کا خط آیا تو میں نے بھی چپ سادھ لی۔

آپ کا اردو میں ایم اے ہونا آپ کے لئے کوئی ایسی بات نہیں جس کی مبارکباد دی جائے ہاں الہ آباد یونیورسٹی کے لئے قابل مبارک ہے کہ اس کے ہاں سے شاید پہلا (حقیقی معنوں میں) اردو کا ایم اے ہوا ہے۔ یہ خط میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو اطلاع دوں کہ میں خدا خدا کر کے غازی پور سے چھٹکارا حاصل کر رہا ہوں۔

۲۴ر دسمبر ۱۹۳۳ء سے آٹھ مہینے کی چھٹی پر جا رہا ہوں۔ فلسطین۔ شام۔ ٹرکی کی سیاحت مدنظر ہے۔ خدا پوری کرے روانہ ہونے سے قبل آپ لوگوں سے ملنے علی گڑھ بھی آؤں گا۔

خواجہ منظور صاحب اور خواجہ غلام السیدین صاحب سے میرا سلام کہہ دیجئے گا۔ مسز جلیل کی خدمت میں آداب۔

خاکسار: سید سجاد حیدر غازی پور (یو۔ پی) ۱۳-۱۲-۳۳ء

(۸)

بنام جلیل قدوائی

مائی ڈیر جلیل

عنایت نامے کا شکریہ۔ جواب دیر میں دینے کی معذرت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ آپ کا خط بھی دیر میں آیا تھا۔

جن Liabilities کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے بے شک انہیں پہلے ادا کرنا چاہیئے۔ میرے لئے جلدی نہ کیجئے۔

میں کورٹ کی میٹنگ میں آنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ انشاء اللہ اس وقت ملاقات ہوگی۔

خاکسار: سجاد۔ اٹاوہ۔ ۲۱-۱۱-۳۴ء

نبی امی ؐ

سیرت رسول پر مستند اور
کارآمد کتاب جسے سوانح نگاری
کے امام عمر ابوالنصر نے پیش
کر کے عربی داں طبقہ میں
فضیلت کی منزلیں طے کر لیں۔
اب اسے شیخ محمد احمد پانی پتی
نے اردو کے قالب میں ڈھال
کر اردو ادب کو ایک غیر
فانی کتاب دے دی اس کا
ایک ایک نقرہ عشق رسول میں
ڈوب کر لکھا گیا ہے۔

قیمت پانچ روپے

●

صاحب

مدیر نقوش کے اسکیچوں کا
مجموعہ

اس کتاب میں مشہور ادیبوں
پر بڑے ہی معرکے کے شخصی
مضامین ہیں۔ اب تک اس
انداز کے کسی نے بھی مضامین
نہیں لکھے۔ یہی وجہ ہے
کہ اسے قبول عام کی سند بھی
حاصل ہے اور مشہور نقادوں
نے بھی اس کتاب کو
بے حد سراہا ہے۔

قیمت تین روپے

ادارہ فروغ اردو - لاہور